UNIVERSAL
LIBRARY

OU-234638

UNIVERSAL
LIBRARY

۷۸۶

تمدن اسلام

حصہ اول ۶۰۶ء تا ۷۰۶ء

مصر کے نامور فاضل علامہ جرجی زیدان اڈیٹر رسالہ الہلال کی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی کا

ترجمہ

جس میں

اسلامی سلطنت کی یومًا فیومًا وسعت پذیر ترقی کے ساتھ انتظام ملکی مالی اور فوجی کی تاریخ
اور اس کے تمول تمدن اور شان و شوکت کی تفصیل محققانہ طور سے درج ہے

مولوی محمد حلیم صاحب انصاری ردولوی نے

منشی فاضل شیخ غلام محمد اڈیٹر اخبار وکیل کے حکم سے ترجمہ کیا

اور کارپردازون کے حسن اہتمام سے

مطبع روز بازار امرتسر مین

طبع ہوا

تمام حقوق بحق مطبع روز بازار محفوظ ہین

تازہ تصانیف

مرآۃ الاسلام - یعنی رونمائے کیفیت بہار وخزان اسلام مولوی عبید اللہ صاحب بسمل نے فارسی نظم مین ایسا لکھا ہے کہ ۵ کا غذ پر رکھدیا ہے کلیجہ نکال کے - مولانا حالی نے مدوجزر اسلام ایک بنظیر مسدس لکھا ہے مگر ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است - دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت مرآۃ الاسلام اسلام کے گذشتہ زمانہ کی روز افزون ترقیون کا آئینہ حیرت ہے اور موجودہ خزان دیدہ بہار کا مرقعہ عبرت - تاریخ کی تاریخ ہے اور اپنی حیرت مجسم خیالات کا اکبر قیمت ۴ ہم

اویماق مغول - فارسی زبان مین منغلیہ قومون اور سلطنتون کے مفصل حالات موشجرہ ہائے انساب درج ہین اس وقت تک اس مضمون پر کوئی کتاب ایسی جامع لکھی نہین گئی قیمت فی جلد صر - +

حقیت اسلام - اس مین لایق مصنف نے نہایت متانت اور خوبی سے یہ امر ثابت کیا ہے کہ اسلام انسان کا فطرتی مذہب ہے - لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ماننے اور یقین کرنیکے واسطے نہ کسی معجزہ یا خرق عادت کی ضرورت ہے اور نہ اسکے واسطے فلسفہ اور ہندسہ کا جاننا لازمی ہے بلکہ اسکا ماننا انسانی فطرت مین ودیعت ہے - محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا عقلی دلایل سے ثابت کیا ہے کہ مخالف مذہب والون کو بھی سوائے تسلیم کے کوئی چارہ نہین رقیمت ۴ ہم

بشارت فاطمہ - ایک عدیم النظیر دلچسپ مذہبی ناول ہے جسمین ایک عیسائی لیڈی کے مشرف باسلام ہونے کی تفصیلی کیفیت اس انداز سے بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ شروع کر دیجئے پھر ختم کئے بدون کتاب ہاتھ سے چھوڑنے کو ہرگز جی نہ چاہے گا مصنف نے واقعی کمال کیا ہے کہ مذہبی مناظرہ کو جو بظاہر ایک خشک مضمون تھا نہایت دلچسپ بنا دیا ہے - قصہ اول سے لیکر آخر تک سارا واقعہ [illegible] ہے اور چونکہ قابل مصنف نے اس مین اسلام کی صداقت کے بڑے بڑے زبردست اور لاجواب کر دینے والے ثبوت عقلی دلایل اور خود عیسائیون کی کتب مقدسہ سے دیئے ہین لہذا یہ کہنا ذرا مبالغہ نہین کہ بشارت فاطمہ کی تصنیف اسلام کی ایک قابل داد خدمت ہے جسکی بجا ان اسلام کو خاص قدر کرنی چاہیئے - محض اس خیال سے کہ اشاعت عام ہو قیمت صرف ۴ ہم رکھی گئی ہے -

تربیت اولاد - اس کتاب مین تربیت اولاد کے سبجکٹ پر ہر پہلو سے حکیمانہ بحث کی گئی ہے - اور بچون کی جسمانی - اخلاقی - اور روحانی عورپرداخت کی ایسی سہل اور کارآمد ترکیبین بتائی گئی ہین کہ غالبًا اور کسی کتاب مین نہ ہونگی - عبارت بالکل سلیس وعام فہم ہے تاکہ خاص وعام اچھی طرح سمجھین اور پورا پورا فائدہ اوٹھا سکین ضخامت ۹۲ صفحے اور قیمت لاگت سے بھی کم یعنے ۴ ہم اسلئے رکھی گئی ہے کہ امیر غریب ہر ایک اسے خرید سکے اور ملک وقوم کے بچون کی تعلیم وتربیت مین والدین اور اوستادون کو مصنف کے قیمتی خیالات ومعلومات سے فایدہ اوٹھانیکا پورا موقعہ ملے - + المشتہر منیجر روزبازار پریس امرتسر -

فہرست مضامین تمدن اسلام حصہ اول

صفحہ	مضمون
۱	مقدمہ
۷	تمہیدی مقدمات
۸	عرب اور تمدن
۱۶	حجاز مین جاہلیت کا زمانہ
۲۰	جاہلیت مین عرب کی حکومت
۲۱	کعبہ۔ تجارت اور فرشیں
۲۶	اسلام سے پہلے عربون کا ترقی کے لئے اُبھرنا۔
۲۹	اسلام کی دعوت
۳۷	ظہور اسلام کے وقت رومیون اور فارسیون کی حالت
۴۱	انتشار اسلام
۴۷	غزوہ بدر کبریٰ
۴۹	جنگ اُحد
۵۰	واقعہ خندق
۵۳	فتح مکہ
۵۴	مؤلفۃ القلوب
۵۶	خلفائے راشدین
۶۰	اسلام فتوحات
״	آغاز اسلام مین
۶۱	عربون کو کس چیز نے فتح ممالک پر جری بنایا۔

صفحہ	مضمون
۶۵	فتوحات پر اہل عرب کی مساعدت کس امر نے کی
۶۶	صدر اسلام کی خصوصیت شرائط نصرت کا زیادہ پایا جانا۔
۶۷	صبر اور درنگ
۶۸	عرب والون کی کمک
۷۰	پس پا ہونے کا راستہ
۷۱	یرموک
۷۴	یہود
״	مسلمانون کا عدل انکی مہربانی اور خدا ترسی
۷۶	لوگون کو اپنی اصلی حالت پر رہنے دینا۔
۷۸	خلاصہ۔ عہد الخلفاء الراشدین
۷۹	خلفائے راشدین کی جانب واپسی
״	فتنہ
۸۴	خلفائے راشدین کا زمانہ
۸۶	بنی امیہ کی حکومت
۸۸	بنی امیہ کو کس چیز نے خلافت دلوادی۔
۹۲	بنی امیہ کے خلفاء۔
۹۶	حکومت عباسیہ
״	عباسیون کی دعوت۔
۹۷	عباسی سلطنت۔
۱۰۱	اندلس مین اموی حکومت۔



صفحہ	مضمون
۱۰۲	مصر میں فاطمی حکومت کا دور (الدولۃ الفاطمیۃ)
۱۰۴	اسلامی حکومت اور اسکی مردم شماری
۱۰۹	اسلامی قلمرو کی مردم شماری۔
۱۱۳	اسلامی سلطنت کے امور مملکت (مصالح الدولۃ الاسلامیۃ)
″	اسلامی حکومت۔
۱۱۷	محکموں کی شاخیں۔
۱۱۸	خلافت (الخلافۃ وما یتعلق بہا)
″	اسکی ماہیت شرطیں اور حقوق۔
″	خلافت کی ماہیت۔
۱۱۹	خلافت کی شرطیں۔
۱۲۰	۱۔ تلوار کا استحقاق
″	۲۔ انتخاب کا استحقاق
″	۳۔ وصیت کر جانا
″	۴۔ حرمین کی حمایت
″	۵۔ امانتوں کی حفاظت
″	خلفا کی بیعت کا طرز (کیفیۃ البیعۃ)
″	بیعت لینے کی صورت
۱۲۴	بیعت اور اسکی قسم
۱۲۶	ولیعہد کی بیعت
۱۲۷	عہد یا اقرار نامہ
″	خلافت کی علامتیں (علامات الخلافۃ)
″	خلافت کی تین علامتیں تہیں۔ چادر۔
″	انگوٹھی۔ اور عصا۔
۱۲۷	چادر۔

صفحہ	مضمون
۱۲۸	انگوٹھی یا مہر
۱۳۱	خلافت کی نشانیاں
″	خطبہ
۱۳۲	سکہ
″	اسلام سے پیشتر اہل عرب کے نقود۔
۱۳۳	اسلامی سکے۔
۱۳۷	دار الضرب یا ٹکسال
۱۳۸	طراز
۱۴۳	ولایت اعمال
″	اسلام سے قبل ولایت کی حالت کیا تھی
۱۴۵	اسلامی دور میں والیوں کے تقرر کی صورت
۱۴۸	امارت استکفار
۱۵۰	امارت استیلاء
۱۵۱	امارت خاصہ
۱۵۲	عاملوں کی تنخواہیں۔
۱۵۳	وزارت (الوزارۃ)
″	اور امیر الامرا اور سلطان
۱۵۴	امیر الامراء
۱۵۶	وزارت تفویض۔
۱۵۸	وزارت تنفیذ۔
″	وزیر کی تنخواہ۔
۱۵۹	سلطان۔ (الخلیفۃ والتوابع)
۱۶۰	فوج اور اسکے متعلقات۔
″	فوج کی تاریخ۔ (تاریخ الجیش)

صفحہ	مضمون
(۱۶۰	فوج کی اصل و بنیاد
۱۶۱	رومی فوج
۱۶۳	عربی فوج
۱۶۷	عہد اسلام مین اہل عجم کی فوجین)
۱۶۹	فوجی دفتر۔ (دیوان الجند
۱۷۰	فوجی تنخواہین۔ (عطیات الجند
۱۷۵	فوجکی تعداد۔ (تعداد الجند
۱۷۸	فوجی رسالے اور اُنکی قسمین (ترتیب الجند
۱۷۹	فوجی معائنہ۔)
۱۸۱	فوجی چھاونیان۔ (مسالح الجند
۱۸۳	لواء۔یا۔رایت (اللواء والراية
״	فوجی نشانون کی تاریخ۔
۱۸۵	نشانون کے رنگ
״	عقد لواء۔)
۱۸۷	جنگی یا فوجی باجے (الموسیقی
״	سلاح۔ (السلاح
(״	قوس
۱۸۹	تلوار
۱۹۰	نیزے
۱۹۱	ڈھال
۱۹۲	زرہ)
۱۹۳	محاصرہ کے آلات (آلات الحصار
(״	منجنیق
۱۹۵	دبابہ

صفحہ	مضمون
۱۹۶	کبش
۱۹۷	یونانی آگ
۱۹۸	بارود کی ایجاد) (نظام الجند فی الحرب
۲۰۰	حالت جنگ مین فوجی نظام
(۲۰۲	کرادیس
۲۰۵	فوجی کیمپ)
״	فوجی قواعد اور شعار (سیاسة الجند و شعاره
(״	فوجی قواعد۔
۲۰۶	فوجی شعار)
۲۰۷	ثغور اور عواصم
۲۰۹	غزوات)
۲۱۱	جنگی جہازون کے بیڑے
(״	دریائی سفر۔
۲۱۲	اسلام مین جہازون کے بیڑے
۲۱۷	دار الصناعة
۲۱۸	کشتیون کی صورتین اور اونکے اسباب۔
۲۲۰	بیت المال (الصدقة
״	صدقہ
۲۲۳	غنیمت (الغنيمة
۲۲۵	فئی (الفيء
۲۲۸	جزیہ (الجزية
(״	جزیہ کی تاریخ
۲۲۹	جزیہ کی مقدار)
۲۳۲	خراج (الخراج

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۲	خراج کی تاریخ	۲۵۴	دیوان النظائم
۲۳۴	خراج کا مقرر کرنا۔	۲۵۵	دار العدل
۲۳۵	زمین کی ملکیت	۲۵۶	الحسبہ و الشرطۃ
۲۳۶	ارتفاع خراج	۲۵۸	شرط (یعنی پولیس)
۲۳۷	خراج کی ضمانت داری۔	۲۵۹	دیوان الانشاء
۲۳۸	خراج کے توابع	″	کتابت
۲۴۰	اقطاع	۲۶۰	دیوان الانشار
۲۴۳	ڈاک البرید	۲۶۱	توقیع۔
″	برید کی مصلحت و ضرورت	۲۶۶	خلفا کی مکاتبت
۲۴۶	برید (ڈاک کے راستے)	۲۶۷	اشارہ یا رمز
۲۴۸	قضا القضا	۲۶۹	تحریر کے آلات اور سامان
″	قضا کی تاریخ	۲۷۱	حجابت
″	اسلام سے قبل قضا کی کیا حالت تھی	۲۷۳	نقابت
″	قضا کا عہدہ اسلام میں	۲۷۴	صوفیہ طریقین کے مشایخ۔

مطبوعہ روزبازار۔ پریس امرتسر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

دنیا کی تاریخ مین اسلامی تاریخ کا اہم ہونا مسلم ہے کیونکہ اس سے وہ تاریخ مراد ہے جو قدیم زمانہ کے حالات کو موجودہ ایام کے حالات سے مسلسل کرتی ہے۔ اور زمانۂ متوسط (مڈل ایجز) مین جو متمدن دنیا گزری ہے اُسکے حالات کا پتہ دیتی ہے۔ اسلامی تاریخ قدیم تمدن کا خاتمہ اور جدید تمدن کا دیباچہ ہے۔ نئی تہذیب اور موجودہ ایام کے تمدن کی کرنین اسی تاریخ سے پھوٹی ہین۔ ہم برسون سے اس تاریخ کے مطالعہ مین مصروف تھے۔ اور رسالہ "الہلال" کے کامون سے فراغت حاصل کرنیکے اوقات اسی کی سیر مین صرف کرتے تھے۔ اُس حالت مین جہان ہمین کوئی مناسب موقع نظر پڑتا فوراً اُسے نوٹ کر لیتے۔ اور فرصت کے منتظر رہتے کہ موقع ملیگا تو اسلامی تمدن پر اس قسم کی ایک مطول تاریخ لکھینگے جو اُسکے تمام حالات پر حاوی ہو۔ ہم نے اپنے اس ارادہ کو اس وقت سے پہلے بھی کئی مرتبہ پبلک کے سامنے پیش کر دیا تھا خدا کے فضل سے ہمارا یہ عزم برابر قائم رہا۔

ہمارا خیال تھا کہ عربی زبان کے پڑھنے والے اگرچہ وہ مختلف مذہبون اور شہرون کے ہین پھر بھی وہ ایک ایسی تاریخ کے محتاج ہین۔ اسلئے کہ یہ اونکی زبان۔ اُنکی قوم اور اُنکے ملک کی تاریخ ہی نہین۔ بلکہ اُن کے آداب اور اُنکے عادات کی تاریخ ہے۔ اسلئے ہم موقع بموقع اس تاریخ کے متعلق ایسے مضامین کا سلسلہ نکالتے رہے جنکو لوگ شوق کی نگاہ سے دیکھین۔ اور اس طرح ہم اُن کے ذہنون کو "الہلال" مین اسلامی تاریخ کے ساتھ تعلق رکھنے والے ناول متواتر شائع کرتے رہنے سے اس تاریخ کے مطالعہ کیلئے تیار کرتے رہے اگرچہ وہ لوگ مختلف طبقون متفاوت درجاتِ علم و فضل اور عقل و فہم کے لحاظ سے ایک دوسرے سے جدا تھے ہماری اس کارروائی کا مبنیٰ اور اصول یہ تھا کہ محض تاریخ کا مطالعہ عام لوگون پر بار گزرتا ہے۔ اور خاص کر ہمارے

ملک مین، کیونکہ یہان علم وفن کا چرچا کم ہے اور اسکی ترقی گویا ابھی صرف اپنے عہد طفلی مین ہے۔ لہذا ہمارے لیے کوئی ایسا طرز اختیار کرنا ضروری تھا جسکے ذریعے سے لوگ مطالعہ مین دلچسپی لین اور اس غرض کو پورا کرنیکے واسطے ناولوں کا پیرایہ اختیار کرنا سب سے بہتر ذریعہ تھا۔

اسلامی تاریخ کے اس سلسلہ مین سے ہم نے ابتک چھ کڑیان پوری کی ہین جن مین اس تاریخ کے اہم واقعات عبداللہ بن زبیر رض کے مقتل تک درج ہین جسکے بعد سے خلافت کی باگ بے عاد غش عبدالملک بن مروان کے ہاتھہ مین آئی۔ اور ہم نے اس بات کو دیکھہ لیا ہے کہ عام ناظرین کی طبیعتون مین اس تاریخ کو وسعت دینے کا شوق اور اسلامی تمدن کی حقیقت معلوم کرنیکا ذوق نشو ونما پا رہا ہے۔ نیز اپنے فاضل نامہ نگارون کے خیالات مین ایک طرح کی بلند پروازی کو بھی معائنہ کرلیا ہے جسے وہ لوگ اس تمدن کی حالت سے بحث کرتے ہوئے جدید تمدن یورپ کے ساتھہ اسکا تعلق دریافت کرنیکے اشتیاق مین عیان کرتے ہین۔ اسکے علاوہ بہت سے اصحاب علم وفضل نے اس معاملہ مین ہم سے خط وکتابت کرکے اس امر کے متعلق ہماری ذاتی رائے دریافت کی ہے۔ ان امور پر لحاظ کرکے ہمین مناسب معلوم ہوا کہ الہلال کے دسوین سال کے خاتمہ پر ہم ایک ایسی کتاب شائع کرین جسمین اسی موضوع پر بحث کیگئی ہو۔ اور اس مین اس تمدن کی تاریخ بیان کرکے جدید یورپین تمدن کے ساتھہ اسکا تعلق ظاہر کیا جائے کسی قوم کی اصلی تاریخ اسکے تمدن اور آبادکاری کی تاریخ ہوا کرتی ہے نہ کہ اسکے جنگی کارنامون اور فتوحات کی جس امر کی اسلامی تاریخ لکھتے ہوئے عرب مؤرخون کو خصوصًا عادت پڑگئی ہے۔ وہ صرف واقعات کو جیسے کا تیسا بیان کردیتے ہین اور ایسے اسباب کی جانب بہت کم اشارہ کرتے ہین جن سے ان واقعات کا باہمی تعلق سمجھہ مین آسکے اور وہ ایک دوسری سے مرتبط ہوسکین۔ تاکہ عقل انکی علت دریافت کرسکے اس مین غور کرسکے اور سب سے بڑھکر یہ کہ اس قوم کی حقیقت سمجھہ مین آسکے۔ مگر ہم انہین اس بارہ مین معذور بھی سمجھتے ہین ان بیچارون کو جیسا موقع ملتا تھا اور جس حالت کے مطابق لکھنا پڑتا تھا اس مین ایک بڑی دقت یہ تھی کہ انکو واقعات کے اسباب پر غور کرنیسے پہلوتہی کرنا پڑتا تھا۔ اور اکثر اوقات وہ کسی ایک جانب کی طرفداری کرتے ہوئے لکھنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ یا ممکن ہے کہ انہین کوئی اور عذر بھی ہوتا رہا ہو۔

بہرحال آج ان معاملات پر غور کرنیسے ہمین کوئی روکنے والا نہین ہے اور اس مین بھی کچھہ شک نہین کہ بہت سے مشرقی علما اور یورپین عالمون نے اس مضمون پر تصانیف کرنیکا قصد کیا ہے لیکن انکو مسلمانون کی لکھی ہوئی

تو پراگندہ طور پر واقع ہین اور دشواری سے ملتی ہین اسی وجہ سے جب گزشتہ سال ہم نے اپنا یہ خیال شائع کیا تو یورپین علما کے ایک گروہ نے ایسے سخت کام کے لئے ہمارے مستعد ہوجانے پر بہت مسرت ظاہر کی تھی اور حق یہہ ہے کہ گو ہم نے اس ارادہ کا اظہار کر دیا تھا لیکن باوجود بیحد تلاش اور جستجو کے خود ہمین بھی یہ امید نہ تھی کہ ایسے سخت مضمون کے متعلق ہمکو اس قدر مصالحہ ملجائیگا جو (۱۶) صفحون پر بھی لکھا جاسکے۔ کیونکہ تعمیہ سال ہم کی ضخامت اتنی ہی ہونی تھی۔ مگر ہم نے کمر ہمت باندھکر تا امکان کوشش کی اور اہل عرب کی لکھی ہوئی تاریخی سیاسی ادبی۔ اور دیگر علوم کی کتابین دیکھنی شروع کین جو ہمکو مطبوعہ اور قلمی دستیاب ہوسکین۔

تاریخ۔ فتوح۔ اور تقاویم کی کتابون مین سے ابن اثیر۔ ابن خلدون۔ ابن خلکان۔ مقریزی۔ بلاذری ابی الفدا۔ تاریخ خمیس۔ مسعودی۔ مقری۔ فخری۔ سیوطی۔ ابن خرداذبہ۔ یاقوت اور اصطخری وغیرہ لوگونکی کتابین مطالعہ کین۔ ادب مین اغانی۔ عقد الفرید۔ ابن عبد ربہ۔ کشکول۔ مستطرف۔ اور سراج الملوک وغیرہ کتابون پر نظر ڈالی۔ تفسیر و حدیث اور فقہ کے متعلق تفسیر رازی۔ تفسیر زمخشری۔ صحیح بخاری۔ مشکوٰۃ المصابیح اور ہدایہ وغیرہ کتابون کی سیر کی۔ ملکی اور مالی انتظام کی کتابون مین سے ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج۔ قدامۃ بن جعفر کی کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ۔ ماوردی کے احکام السلطانیہ۔ ملک سعید کی عقد الفرید۔ اور ابن خلدون کا مقدمہ وغیرہ۔ اسکے علاوہ بہت سی کتابین دوسرے مضامین کی۔ جنکے دیکھنے والیکو اسبات کا وہم و گمان بھی نہ ہو کہ وہ اُن سے اس مضمون کے متعلق کوئی فائدہ اخذ کرسکیگا اور ہم اعتراف کرتے ہین کہ ان کتابونمین ہمین بہت سی مفید باتین دستیاب ہوئین۔ اون کتابون مین سے چند یہ ہین۔ حیاۃ الحیوان مصنفہ دمیری عجائب المخلوقات مصنفہ قزوینی۔ اور انکے علاوہ معجمات اور فہرستون کی دوسری کتابین مثلاً تھانوی کی کتاب کشاف اصطلاحات الفنون۔ اور کتاب کشف الظنون۔ کلیات ابی البقار وغیرہ۔ یہ کتابین صرف عربی زبان مین ہین۔+

اسکے بعد ہم نے مؤلفین یورپ کی بھی وہ تمام کتابین پڑھین جو اسلام۔ اسلام کی تاریخ اور اس کے آداب پر انگریزی۔ فرانسیسی یا جرمن زبان مین لکھی گئی تھین اور ہمین دستیاب ہوسکین۔ مثلاً فرانس کے عالم لیبون کی کتاب تمدن عرب پریسبو کی تاریخ سلطنت رومانیہ شرقیہ۔ فرانس کے مشہور رسالہ ایشیا کے مضامین تمدن مشرق کے بیان مین۔ فون کریمر کی کتاب جرمنی زبان مین سیکس ہولر علامہ جرمنی کی کتاب تاریخ الاسلام اسٹینلی لین پول انگریزی کی تصنیف دول اسلامیہ کے بیان مین۔ اور گبن کی رومن امپائر۔ وغیرہ۔

+ یہ کتاب ہندوستان کے ایک عالم مولوی شیخ محمد تھانوی کی تصنیف ہے جو بارہوین صدی ہجری مین گذرے ہین اور اسکو ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ نے چھاپا ہے۔ (مترجم غفرلہٗ)

غرضکہ مختلف زبانون اور مضامین کی عام لغتون اور اخبارون کے علاوہ عربی اور یورپین زبانون کی جو کتابین ہم نے مطالعہ کی ہین اُن کی تعداد دو سو جلدون سے زائد ہے۔ اور یہ اُس مواد کے علاوہ ہے جو برسون۔ شرق کی تاریخ دیکھتے رہنے سے سی ہمارے ذہن مین جمع ہو رہا تھا۔ ان امور کے بعد ہمکو اس قدر سرمایہ ہم پہونچگیا جو اس عجیب تمدن کے سیاسی۔ انتظامی علمی۔ ادبی اور اخلاقی پہلوؤن سے فلسفیانہ بحث کرتے ہوئے مطلوبہ کتاب کے ایسے کئی حصے پُر کر دے۔ پس ہمارے لئے اسکے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ اس موضوع کو ہم کئی حصون پر تقسیم کرین جنمین سے پہلا حصہ اس وقت شائع کرین اور باقی حصون کو انشاء اللہ آیندہ "الہلال" کے سالانہ تمبون کی شکل مین شائع کرتے رہین۔ پس یہ کتاب کا پہلا حصہ اور آیندہ حصون کی بنیاد ہے۔ ہم نے اسکو تمہیدی مقدمات سے شروع کیا ہے جن مین عرب اور تمدن اسلام سے پہلے عرب کی حالت اور اُن کا کچھ عرصہ قبل از اسلام ترقی کے لئے آمادہ ہوتے جانا۔ زمانہ جاہلیت کا طرز حکومت۔ آغاز دعوت اسلام تک کعبہ اور قریش کا حال۔ پھر ظہور اسلام اُسکی اشاعت۔ اسلامی فتوحات۔ دولت بنی امیہ و عباسیہ کا قیام اور اُن کے بعد اندلس کی اور پھر بنو فاطمہ کی حکومتون کا قایم ہونا وغیرہ۔ تمام باتین بیان کر دی ہین اور ہر ایک کو ٹوٹا کہرا پر کہنے والے شخص کیطرح نظر کی ہے۔ ہم نے کوئی حادثہ یا واقعہ ایسا نہین لکھا جسکے اسباب اور وجوہات کو نمایان طور پر نہ دکھایا ہو۔ اور پھر اُن سے کوئی نتیجہ نہ نکالا ہو۔ بلکہ اُسکے بعد ہونیوالے واقعہ سے اُسکا تعلق بھی عیان کر دیا ہو۔ خصوصاً اس بات کے بیان کرنے پر ہم نے بہت زور دیا ہے جس نے روم و فارس کی زبردست و عظیم الشان سلطنتین فتح کر لینے پر اہل عرب کو جرأت دلائی۔ انکی ہمت بندھائی اور اعانت کی۔ باوجودیکہ وہ بہت قلیل التعداد اور بالکل بے سروسامان تھے۔ یہ اس قسم کی فلسفیانہ بحث ہے جسے ہماری دانست مین اب تک کسی شخص نے کسی زبان مین پوری طرح بیان نہین کیا۔ تصانیف اہل فرنگ مین اسکے متعلق کہین کہین کچھ نظر آتا بھی ہے تو وہ نہایت مختصر اور غیر تشفی بخش ہے مگر ہم اس بارہ مین یورپین مصنفون کو الزام دینا نہین چاہتے کیونکہ یہ مضمون اُنکی رسائی فہم اور پرواز خیالات سے بالاتر ہے۔ اسے نہ اُنکے مذہب سے کوئی علاقہ ہے اور نہ اُنکے حالات و آداب اور تاریخ کے ساتھ کوئی لگاؤ۔ اور جو ذرا ظہور تعلق ہے بھی تو وہ نہونیکے برابر۔ البتہ خود ہم ہی قابل ملامت ہین کیونکہ یہ زبان ہماری مادری زبان تھی اسپر بھی اہل یورپ ہماری قوم اور ہمارے بلاؤ آداب و اخلاق کی تاریخ سے بحث کرنے مین سبقت لیگئے!!!

مذکورۂ بالا مقدمات کے بعد ہم نے اسلامی سلطنت کے کمال اور عروج کے زمانہ مین اُسکی حالت پر غور کیا ہے

اُسکی تعداد و مقدار بیان کی ہے۔ اسلامی حکومت اور اوسکی مصلحتون (کاروباری شعبون) اور اسبات پر نظر ڈالی ہے کہ اُسکی بنیاد کیونکر پڑی۔ پھر مختلف ضرورتون کی وجہ سے اُسکے کاروبار مین بہت سی شاخین کیونکر پیدا ہوئین مثلاً خلافت اور اوسکے توابع۔ وزارت۔ ولایت اعمال۔ بیت المال۔ (خزانہ عامرہ) فوج اور تمام دفاتر ملکی و مالی۔ اسکے بعد ہم نے اُن تمام صیغون اور محکمون کی تاریخ بیان کی ہے اور اونکے فروعات و ملحقات کا ذکر کیا ہے۔

واقعی امر یہ ہے کہ اس تاریخ کی خاطر تصانیف عرب کی جہان بین مین ہم نے جیسی دقت و زحمت اُٹھائی ہمارا ہی جی خوب جانتا ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ہم نے بڑی بڑی ضخیم کتابین تمام و کمال دیکھہ ڈالی ہین اور اُنمین سے ہمین اپنے مفید مطلب صرف ایک یا دو فقرے ملے ہین۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ بغیر دو یا تین جلدین دیکھہ چکنے کے صرف ایک بات بھی پوری نہین ہوئی ہے۔

مثلاً جب ہم نے اسلامی حکومت کے اندر ولایت اعمال اور عہدۂ قضا کی تاریخ لکھی تو اسکے ساتھ ہی ہمارا یہ بھی ارادہ ہوا کہ خلفائے راشدین کے عہد مین عاملون اور قاضیون کی تنخواہونکی شرح بھی بیان کردین۔ اسکے متعلق کتاب فتوح البلدان بلاذری مین ہمکو اتنی عبارت ملی کہ عمر بن الخطابؓ نے عمار بن یاسر کو شہر کوفہ کی فوج کا افسر اور وہان کے مسلمانون کی نماز کا امام مقرر کیا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کو وہانکا قاضی اور ناظر بیت المال بنایا تھا اور عثمان بن حنیف کو پیمائش اراضی کا مہتمم قرار دیا تھا الخ۔ لیکن مصنف نے یہ نہین لکھا کہ ان لوگون کی تنخواہین کیا تھین۔ اسکے بعد ہم نے طرطوشی کی کتاب سراج الملوک کے اُس باب مین جسمین اُس نے یہ بیان کیا ہے کہ سلطان وقت بیت المال مین سے کن طریقون پر خرچ کرتا تھا۔ اور عاملون کا کیا اصول تھا۔ دیکھا کہ عمر بن الخطابؓ نے سب سے اول عمارؓ کو ولایت کوفہ کا حاکم بنا تے وقت عاملون کی تنخواہ کی شرح مقرر کی اس سے قبل خلیفہ ممدوح نے کسی حاکم یا افسر کی کچھہ تنخواہ متعین نہین فرمائی تھی خلیفہ موصوف نے عمارؓ کا مشاہرہ چھہ سو درم قرار دیا اور اُن کے ماتحت حکام محرورن اور مؤذنون کی تنخواہین علیحدہ علیحدہ قرار دین۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا وظیفہ سو درم ماہوار متعین فرمایا الخ۔ مگر مصنف مذکور نے اس مقام پر نہ عمارؓ کا منصب بیان کیا ہے اور نہ یہہ بتایا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کا کیا عہدہ تھا۔ لیکن ہم نے فتوح البلدان اور سراج الملوک دونون کتابونکی روائتین ایکجا کرکے اُن سے یہہ نتیجہ اخذ کیا کہ فوج کے افسر اور امام نماز کی تنخواہ عمرؓ کے عہد مین چھہ سو درم ماہوار تھی اور قاضی کا مشاہرہ سو درم ہوتا تھا۔ اسکے علاوہ دیگر قرائن سے اسبات کا سراغ لگایا کہ عمارؓ۔ عمرؓ کی طرف سے کوفہ کے عامل مقرر ہوئے تھے۔ پھر ان سب اُمور مین باہم مطابقت دینے سے ثابت ہوگیا کہ عمرؓ کے عہد مین عامل کی تنخواہ

چھہ سو درم ماہوار تھی اور قاضی کی سو درم ماہوار۔ اسی پر اندازہ کرنا چاہئے کہ کتنی وقتوں سے ایک ایک درجہ کی بات کا پتہ ملا ہوگا۔

دوسرے حصہ مین ہم اسلامی سلطنت کی دولتمندی اور اُسکی رعایا کی خوشحالی اور خوش باشی کا ذکر کرینگے اور یہ بات دکھائینگے کہ اسلامی سلطنت کے تعلقات اپنی ہمعصر مملکتون کے ساتھہ کیسے تھے۔ خلفاء کی مجالس (بزم) اور مشاغل تفریح کے حالات علم اور علماء۔ شعر اور شعرا کے ساتھہ اُنکا اہتمام۔ دربارداری کے اصول اور حاضری دربار کے طریقے۔ اُنکے محلات اور حریم۔ اُنکی شان و شوکت۔ سواری کا جلوس۔ اُنکی ضیافت اور سخاوت کا ذکر۔ اسلامی عمارتین اور اسلامی شہرون کا حال۔ یہ سب باتین بیان کرینگے۔

تیسرا حصہ علوم و آداب اور شعر و صناعت کے بیان مین ہوگا جس مین یہہ دکھایا جائیگا کہ اسلام سے قبل ممالک شام و عراق مین ان چیزونکی کیا حالت تھی؟ اور مسلمانون نے اُس مین کیا ترقی کی۔ اُس ترقی کی تاریخ اور مقدار وغیرہ سب باتون کا ذکر ہوگا۔

چوتھے حصہ مین اُس زمانۂ روشن کے آداب معاشرت سے مناسب موقع بحث کیجائیگی۔ پھر اسلامی تمدن کے ساتھہ جدید یورپی تمدن کا تعلق بیان کرکے یہ بحث انشاء اللہ ختم کردیجائیگی۔ اور اسلامی تمدن کے آثار کا سابقہ حصون مین بتفصیل ذکر ہوچکنے کے بعد اس بارہ مین جو کچھہ لکھا جائیگا وہ بہت صاف اور واضح ہوگا۔

یہانتک ہمنے جس قدر اُمور بیان کئے ہین اُن سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ مضمون زیر بحث نہایت دشوار اور ٹیڑھا ہے۔ اور سب سے بڑکر یہ کہ تصنیف و تالیف کی دنیا مین ایک نیا کام ہے حالانکہ اس معاملہ مین خود ہم بہت ہی قاصر ہین۔ یہ تمہید اُس معذرت کی بناء ہے جو اس کتاب مین نقایص واقع ہونے پر بالآخر ہمکو پیش کرنی ہوگی لہذا تمام اہل فضل و کمال حضرات سے ہم اسبات کی درخواست کرتے ہین کہ وہ اپنے خیالات اور آراء سے ہماری امداد فرمائین تاکہ ہم آیندہ حصون مین اُن سے انشاء اللہ نفع اُٹھائین۔ +

تمہیدی مقدمات

کسی قوم کے تمدن سے بحث کرتے وقت اُسکی عظمت۔ ثروت اور ملکی وسعت پر بھی غور کرنا ضروری ہوتا ہے۔ نیز یہ بیان کرنا پڑتا ہے کہ شہری زندگی کے اسباب و نتائج مین سے کن چیزون نے اُسکے تمدن کا ساتھہ دیا تھا۔ اس مین علم۔ ادب۔ اور صنعت و حرفت اور اُسکے لوازمات مثلاً مدرسون۔ مکتبون اور انجمنون کی تاریخ۔ سلطنت کے حالات کا مفصل بیان اُسکے مناصب اور وہ اسباب جن سے یہ سلطنت خوشحالی کی انتہا کو پہونچی۔ اور اسباب کا بیان کہ اُسکے طرز معاشرت مین کیا کیا اثر تھا۔ سب امور کو ذکر کرنا ہوتا ہے۔ اور پھر یہی لازم آتا ہے کہ اُس قوم کے عادات اور طرز معاشرت بیان کرتے ہوئے ان باتون کی نسبت اُن کے اسباب و داعیات کیطرف کی گئی ہو۔

اسکے علاوہ جب تک اُس قوم کے زمانۂ بداوت (وحشت) کے حالات مع اس امر کے بیان نہ کر دیے جائین کہ وہ شہری زندگی کیجانب کسطرح بڑہی اور اس ترقی کے اسباب کیا تھے جنہون نے اس امر مین اوسکی مدد کی۔ اُس وقت تک اس تمدن کا بیان پورے طور پر واضح نہین ہو سکتا۔ یہ بحثین یون تو عام طور پر ضروری ہے مگر اسلامی تمدن کی تاریخ مین خاص طور پر اسکی ضرورت ہے کیونکہ اُس مین چند خاص اسباب اور ذریعے ایسے موجود ہین جنکا وجود دوسری قومون کی تمدن مین نہین ہے۔

بنا بریں ہمکو سوا اسکے کوئی چارہ نہین نظر آتا کہ ہم اس کتاب کو چند تمہیدی مقدمات کے ساتھہ شروع کرین جنمین اسلام سے قبل عرب کی حالت اور تمدن کی ساتھہ اُنکی مناسبت اور جو امور اس قوم کے حالات سے اسلامی دعوت کے قبل گزرے ان سب کا مفصل بیان ہو۔ ساتھہ ہی یہ امر بھی دکھا دیا جائے کہ اسلامی دعوت کے ظاہر ہونیکے وقت جزیرہ نمائے عرب کی کیا کیفیت تھی۔ روم اور فارس کے باشندے اون دنون کس رنگ مین تھے اور وہ کونسی بات تھی جس نے اہل عرب کو باوجود قلیل التعداد اور بے سروسامان ہونیکے ان سلطنتون کو فتح کر لینے مین امداد پہنچائی۔ اسلامی سلطنت کس طرح قایم ہوئی اور اُس نے خلفائے راشدین کے زمانہ مین دینی حیثیت کہنے کے ساتھہ بنوامیہ اور بنو عباس کے عہد مین دنیوی حکومت اور سیاسی حالت کیطرف کیونکر ترقی کی۔ اس بحث سے فراغت پاکر ہم انشاءاللہ اسلامی حکومت کی وسعت اور اُسکے کاروبار کی تاریخ پر گفتگو کرینگے۔ لہذا ہم تمہیدی مقدمات کو آغاز کرتے ہین:۔

عرب اور تمدن

بعض یوروپین وقائع نگارون کا بیان ہے کہ "عرب والون کو اسلامی تمدن قایم کرنیکے بارہ مین کوئی فضیلت نہین حاصل ہی۔ انہون نے اپنے اس تمدن کی بنیاد رومانی (یا یونانی) اور فارسی تمدن کے کھنڈرون پر قایم کی تھی" ان لوگون کی رائے مین اسلامی تمدن سے وہ تمدن مراد ہے جو مذکورۂ بالا دونون قومون کی تمدنون سے مل ملاکر ایک عطر مجموعہ کی صورت مین بنالیا گیا اور ضرورتِ وقت کے لحاظ سے اُن مین کسی قدر تغیر اور تبدل بھی کردیا گیا۔

اُنکا قول ہے کہ "اہل عرب اپنی اصل فطرت کے لحاظ سے شہری زندگی سے دور پڑے ہین" وہ لوگ اپنے اس قول کی دلیل یہ پیش کرتے ہین کہ "اہل عرب نے جاہلیت اور اسلام کے زمانون مین اپنی جانب سے خود کسی تمدن کی بنیاد نہین قایم کی" لیکن ہمارے نزدیک عرب والے دوسری قومون کے مقابلہ مین کہین زیادہ کاروبار کو فروغ دینے اور ملک کا انتظام کرنے کی استعداد رکھتے تھے۔ وہ اون قومون سے کسی طرح کم نہ تھے جنہون نے قدیم یا جدید زمانہ کے اندر تمدن مین ترقی کی ہے اور اس بات کی تمہید مین ہمارا حسب ذیل بیان قابل غور ہے :-

جزیرۂ عرب کے باشندے دو بڑی قسمون پر منقسم ہین۔ (۱) قحطانی یعنی ملک یمن اور اوسکے آس پاس کے رہنے والے جو اپنا نسب قحطان یا یقطان سے ملاتے ہین۔ اور یہ سلسلہ نسب ارفخشاد کے ذریعہ سے سام بن نوحؑ پر جاکر ختم ہوتا ہے۔ (۲) اسماعیلی۔ یا عدنانی۔ یہ لوگ حجاز۔ نجد اور اونکے قرب وجوار کے باشندے ہین۔ اور اپنے نسب کا سلسلہ ابراہیم خلیل اللہ کے بیٹے اسمٰعیل سے ملاتے ہین جو "بی بی ہاجرہ" کے بطن سے تھے۔ ان لوگون کو عدنانی بھی کہتے ہین جسکی وجہ یہ ہی کہ انکے اجداد مین ایک شخص عدنان نام گزرے ہین اور اسی قسم کی وجہون سے اونکو مُضری اور مُعدی بھی کہا جاتا ہے۔ اس دوسری قسم کے لوگ زیادہ تر جزیرۂ عرب کے اُس حصہ مین سکونت رکھتے تھے جو بالکل بے آب وگیاہ ہے اور وسط ملک مین واقع ہے۔

قحطانی عربون نے اسماعیلی عربون سے بہت پہلے تمدن مین اپنی ترقی عیان کی تھی۔ اسلئے کہ بہ نسبت اسماعیلی عربون کے اُنکا ملک سرسبز اور شاداب زمینون سے قریب تر تھا۔ قحطانیون کی یہان قدیم زمانہ مین بہت سی حکومتین قایم ہوئین جو فراعنۂ مصر اور شاہانِ بابل وآشور کی معاصر تھین۔ اُن مین سب سے زیادہ مشہور حمیر

کہلان اور سبا کی حکومتین ہوئی ہین جنکے نامور شہر مآرب۔ صنعا اور سبا وغیرہ تھے۔

اسمٰعیلی عربون کی بھی ولادت مسیح سے قبل اور بعد مین کئی نامور حکومتین گزر چکی ہین۔ مثلاً فلسطین کے اطراف مین نبطی حکومت۔ اسکے علاوہ اُن متمدن قومونکا بھی ذکر کرنا ضروری ہے جو بائدہ عرب کے گروہ مین نہایت اعلیٰ ترقی کر چکی ہین مثلاً عاد۔ ثمود۔ طسم اور جدیس وغیرہ ان قومون کے کاروباری فروغ کا عہد اقوام عرب مین سب سے قدیم ہے اور انکا نسب غالباً لاوذ بن سام بن نوح سے ملتا ہے۔ نیز عمالقہ کا مشہور و پرشوکت اور صاحب طاقت گھرانا بھی ان ہی بائدہ عرب کے زمرہ مین سے تھا جنکا ذکر قدیم تاریخ مین پایا جاتا ہے اور اسکا مفصل بیان سال پنجم کے الہلال نمبر ۲۰ مین بھی کیا گیا ہے۔

اِس تمہید کے بعد یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ اسلامی تمدن اہل عرب کے کاروباری فروغ دکھانیکا نیا زمانہ نہین تھا۔ بلکہ اس سے قبل بنو حمیر۔ کہلان اور سبا کے خاندان بھی ممالک مشرق اور مغرب کے مابین عقد تجارت کا واسطہ رہ چکے ہین کیونکہ یمن کا ملک اُس زمانہ کے متمدن ممالک کے وسط مین واقع ہوا تھا۔ ہندوستان کا تجارتی مال بحر ہند کی راہ سے یمن اور حضرموت کو جایا کرتا تھا۔ اور یمن کے لوگ اُسی حبش مصر اور فینیقیہ کو لیجاتے تھے بلکہ اس سے بھی آگے۔ ادومی۔ عمالقہ اور مدینی قومون تک پہنچاتے تھے اور بلاد مغرب مین بھی اُس کی تجارت کرتے تھے۔ اسمٰعیلی عربون نے آباد دنیا کے انتہائی کناروں تک خشکی کے راستہ سے اپنی تجارت کا سلسلہ بڑہا رکھا تھا اور وہ اُس زمانہ کے آباد ملکون مین عقد تجارت کا واسطہ بنے ہوئے تھے۔

علاوہ اسکے کہ عرب کا ملک اُن دنون کے متمدن ملکون کے وسط مین واقع تھا۔ تجارت کے کاروبار بڑہانے اور تمام ممالک سے تجارتی رابطہ پیدا کر لینے مین اہل عرب کو اس بات نے اور بھی مدد پہونچائی کہ وہ ایسی زبان بولتے تھے جو اُس عہد کی اکثر متمدن قومون کی زبانون سے شابہ تھی۔ اسلئے کہ اُن دنون سامی زبانین تلفظ اور معنی کے اعتبار سے ایک دوسری کے ساتھ تقریباً ملتی ہوئی تھین گویا کہ عربی۔ کلدانی۔ شوری۔ عبرانی۔ حبشی۔ اور فینیقی لوگ اون ایام مین بلا کسی ترجمان کے باہم گفتگو کر سکتے اور ایک دوسری کی بات سمجھ سکتے تھے۔ اسلئے کہ انکو ایک اصل زبان سے نکلکر الگ الگ زبانین بنے ہوئے بہت کم مدت گزری تھی۔ اور انکی وہی حالت تھی جو آجکل کی بازاری عربی اور فصیح زبان عرب کی ہے کہ ان مین نسبتاً بہت تفاوت نہین۔ اسی وجہ سے اگر کوئی عرب قبیلہ حمیر یا مُضر کا ملک عراق مین وارد ہوتا تو اسکو کلدانی یا بابلی اور اشوری لوگون سے بات چیت کرنے مین کسی ترجمان کی

حاجت نہوتی تھی۔ اور اسی طرح جب وہ فینیقیہ یا حبشہ مین داخل ہوتا تو وہان کے باشندون کی زبان مین بھی بخوبی سمجھہ لیتا۔ اسکی مثال یون سمجھئے کہ اس زمانہ مین ملک شام کا رہنے والا آدمی مصر والونکی زبان بہت خوبی سے سمجھتا ہے۔ اور ہم اپنے اس بیان کی تائید مین وہ واقعہ پیش کرتے ہین جو کتاب مقدس توراۃ مین حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی بابت مذکور ہے کہ آپ ولادت مسیح سے تقریباً دو ہزار سال قبل کلدان کے ملک سے نکل کر سوریا فینیقیہ۔ اور عرب کے ملکون مین سیر کرتے پھرے۔ وہانکے لوگونسے ملے جلے اور اُن مین رہے لیکن اُنہین وہان کے رہنے والون سے بات چیت کرنمین کسی ترجمان کی حاجت نہ ہوئی۔ اور اسیطرح پندرہوین صدی قبل مسیح کے قریب بنی اسرائیل اپنی بیابان نوردی کی حالت مین چالیس برس تک جزیرہ عرب کے بالائی حصون مین مارے مارے پھرتے رہے مگر اونکو بھی وہان کے رہنے والون سے گفتگو کرنے مین کسی ترجمان کی ضرورت نہ پڑی۔

اب یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ اہل عرب اصل فطرت اور نسب کے اعتبار سے بھی حضارت اور تمدن کے اہل تھے۔ اسلئے کہ وہ اشوریون۔ کلدانیون اور فینیقیون کے بھائی اور ہم نسل تھے اور اونکو بھی وہ اہلیت و استعداد حاصل تھی جو اُن قومونکو حاصل تھی۔ مگر بات صرف اتنی ہے کہ اقوام مذکورہ کے لوگ ایسے ملکون مین آباد ہوے جو زرخیز اور سیر حاصل تھے۔ اور اہل عرب نے ایک ایسی قسم کے جزیرہ مین سکونت اختیار کی جسکے اکثر حصے بیگیانی اور بے آب و گیاہ تھے نہ اُن مین نہرین تھین اور نہ بہتے ہوئے چشمے۔ وہ صرف مینہہ کے پانی سے سیراب ہوتے تھے۔ اور اہل عرب کے دوسرے بھائی اشوری لوگون نے عراق کے ملک مین وطن بنایا جو تمام روے زمین کے ممالک مین سب سے زیادہ سرسبز اور زرخیز ملک ہے یہانتک کہ ملک مصر سے بھی اُسکا نمبر بڑہا ہوا ہے۔ اس وجہ سے اُنکی دولتمندی بڑہی اور مال و دولت نے اُنکی مخفی قوتون کو اُبھار کر اُنکی عقل و فہم کو بار آور کر دیا۔ ظہور اسلام کے بعد جب اہل عرب کو اس سرسبز وادی (عراق) مین بود و باش کا موقعہ ملا تو اونکا تمدن بھی اپنے اگلون (اشور والون) سے ہرگز کم نہین رہا۔

اُن سب باتون کے ساتھہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ عرب والون نے کسی ایسی بات مین جسکی توقع جزیرہ عرب کے باشندون سے ہوسکتی تھی۔ کوئی کمی نہین کی۔ صرف یمن والون کا تمدن اس قسم کا مشہور تمدن گزرا ہے جسکے آثار آجتک حضرموت۔ مہرہ اور یمن کے ملکون مین ریت کے ڈہیرون کے نیچے دبے پڑے ہین۔ عاد۔ ثمود اور بابدہ عرب کے دوسرے قبایل کا تمدن جو نہایت اعلیٰ درجہ کا تمدن تھا اُس سے ہم اسلئے بحث نہین

کرتے کہ اُنکی تاریخ اور خبرون مین سے ہمارے پاس بجز اون قصص و حکایات کے جنکو اہل عرب نے اون قبایل کی بنائی ہوئی شاندار عمارتون نے متعلق روایت کیا ہے اور کوئی مواد موجود نہین ہے اور وہ قصے بھی خارج از بحث ہونیکی وجہ سے آج ہمارے نزدیک خرافات سے زیادہ وقعت نہین رکھتے۔ مثال کے طور پر ایک قصہ وہ ہے جسے عرب جاہلے شہر ارم ذات العماد کی نسبت یون بیان کرتے ہین:-

شداد بن عاد نے احقاف کی سرزمین کے ایک قطعہ اراضی مین جسکی مساحت دس فرسخ (۳۰ میل) مربع تھی ایک شہر تعمیر کرایا تھا۔ اُسکی شہر پناہ کی دیوارین ملک یمن کے عمیق (پتھر) سے بنائی گئی تھین اور انکے اوپر تمام چاندی کے پترے منڈھے گئے تھے جنپر سنہری گنگا جمنی بیل بوٹے منقوش تھے۔ اِس شہر کے اندر ایک ہزار محل بنے ہوئے تھے اور ہر ایک محل **زبرجد اور یاقوت** کے سو سو گز بلند ستونون پر قایم تھا۔ شہر کے وسط مین متعدد نہرین جاری کی گئی تھین اور اون نہرون مین سے چھوٹی چھوٹی نالیان نکالکر قصرون اور محلون مین پہنچائی گئی تھین۔ اُس شہر کی مٹی مشک عنبر اور دھان کی کنکریان سونے کے ٹکڑے اور یاقوت و زبرجد وغیرہ جواہرات تھے۔ اسکے علاوہ اسی قسم کی اور باتین بھی مروی ہین جو احتمال کے قاعدہ سے بھی باہر ہین۔ تاہم یہ تمام باتین کچھ نہ کچھ اصلیت کی جھلک ضرور دکھاتی ہین۔ اگرچہ ہم انکو لاکھہ درجہ بے اصل و بے حقیقت سمجھین پھر بھی ہم انہین اس درجہ سے ہرگز نہین گرا سکتے کہ قوم عاد کی بعض عمارتین مرصع رہی ہون اور اُنکی کسی نہ کسی دیوار یا ستونون مین بیش قیمت جواہرات سے پچی کاری کی گئی ہو کیونکہ یہ صورت شان و شوکت دکھانے کی انتہائی حد ہے اور تمدن کے زمانہ کے علاوہ کسی اور وقت مین یہ بات ممکن نہ تھی۔

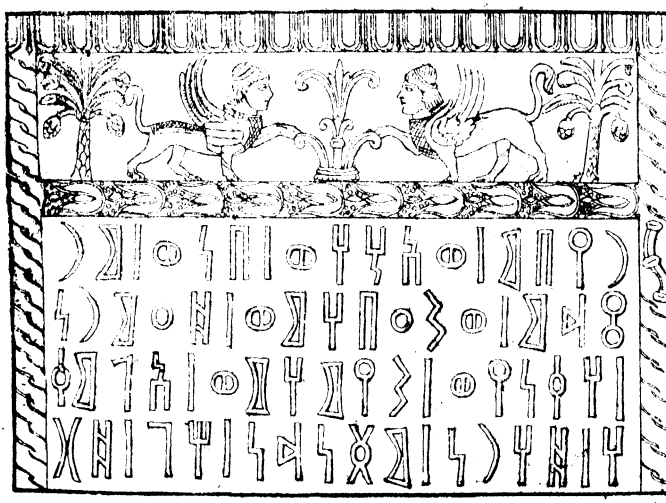
قحطانی عربون کے مشہور خاندان حمیر سبا اور کہلان ہین جنکا ذکر اوپر بھی ہو چکا۔ اِن حکومتون کا زمانہ **عاد** اور **ثمود** کے ایام سے متصل گزرا ہے اور سیاح لوگون نے انکے کچھ آثار کا پتہ بھی لگایا ہے جو اکثر **صنعاء عدن** اور حضرموت کی قدیم عمارتون کے کھنڈرہین جنکے اندر سے مستند حمیری خط مین لکھی ہوئی تختیان برآمد ہوئی ہین۔ اُنپر اکثر دینی دعاؤن کی عبارتین یا اسی طرح کی اور باتین منقوش ہین۔ مگر ان محققین کو ابھی تک اُن عظیم الشان دفینون کے نکالنے پر قدرت حاصل نہین ہو سکی ہے جو وسط ملک کے اندر مدفون ہین کیونکہ وہانتک کسی کی رسائی دشوار ہے۔ یہ تمام باتین اون شہادتون کے علاوہ ہین جنکو عرب مؤرخین نے ان سلطنتون کی جاہ و جلال کے باب مین نقل کیا ہے۔ گو اسلام سے بہت پیشتر یہ حکومتین مٹ مٹا چکی تھین لیکن اُس زمانہ تک انکے قصے بہت کچھ مشہور و معروف تھے اور اُن حکایتون سے اس قسم کے اک قدیم تمدن کا سراغ ملتا ہے۔ جو

اشورہ مصر اور فنیقیوں کے تمدن سے کسی طرح کم نہین تہا۔

اِن قدیمون نے شہر آباد کیے۔ محل اور قصر بنوائے۔ باغ لگائے۔ بت تراشی کی صنعت کو فروغ دیا کانین کھودین۔ فوجی نظم و ترتیب قایم کی۔ ممالک فتح کیے۔ اور تجارت کے کاروبار کو بڑہایا۔ غرضیکہ تمدن کی بنیادین بہت خوبی کے ساتہہ حصہ لیا اور کاروباری زندگی کا نمونہ دکہاکر اپنے تئین قابل تمدن ثابت کر دکہایا۔ یونان کے مشہور سیاح ہیروڈوٹس نے ولادت مسیح سے پانچسو سال قبل ان قومونکا حال بیان کرتے ہوئے لکہا ہے کہ یہ ملک عرب کے صرف جنوبی حصہ مین بخورات۔ مُر۔ قرفہ۔ دارچینی اور رلاؤن وغیرہ چیزین پائی جاتی تہین اور سیاح مذکور کا بیان ہے کہ وہ ملک اپنے زمانہ کے تمام دوسری ملکون سے زیادہ مالدار تہا۔

تمنی عربون کے ان کارنامون مین جنکو ذکر سے تاریخ کے صفحے بہرے پڑے ہین اور جنکو فن تعمیر کے عجائبات مین شمار کرتے ہین وہ مشہور بند بہی ہے جسکو سدّ مآرب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ عربون نے ولادت مسیح سے تقریباً دو صدی قبل اس بند کو ایسے طریق سے تعمیر کیا تہا جس طرح پر کہ محمد علی پاشا حاکم مصر نے ڈیلٹا کے سرے پر قناطر خیریہ تعمیر کرائے تہے۔ ان پلون اور اُس بند مین صرف اس قدر فرق تہا کہ انکے اندر در بنائے گئے ہین اور وہ بند بے در تہا۔ اُسکی صورت مثل ایک دیوار کے تہی جو دو پہاڑون کے بامین قایم کی گئی تہی اور اُس پانی کو روکنے کا کام دیتی تہی جو اُن پہاڑون کے بیچ مین بہتا تہا۔ وہ پانی اس بند کے ذریعہ سے بلند ہوکر دونون پہاڑ کی چوٹیون کو اونچے انتہائی سرون تک سیراب کر دیتا تہا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ بند ایک فرسخ لمبا اور ایک فرسخ چوڑا (۹ مربع میل) بنایا گیا تھا اور اہل عرب نے اسکے اندر بہت سی شاخین اور نہرین بہی تعمیر کی تہین۔ اس بند سے ستر وادیون کو لاکر ملادیا تہا جن سب کا پانی آکر ایک دوسرے مین گرتا اور جمع ہوتا تہا۔ اتنا بڑا اور عظیم الشان بند تعمیر کرانا فن انجینرنگ کی کامل مہارت اور بہت بلند ہمت کا محتاج ہے۔ اسکے ساتہہ ہی اُس بند کی بنیاد اس قدر مستحکم تہی کہ اُسنے کئی صدیون تک پانی کے صدمون کو برداشت کیا اور ہوا کی مخالفتون کو جہیلا۔ آخر جبکہ قحطانی عربونکی حکومت کمزور ہوگئی اور اوسکی حالت بدی ہوئی تو اُس مین اتنی طاقت نہ رہی کہ اُس بند کو نئے سرے سے تعمیر کرائے یا اوسکی پوری طرح مرمت ہی کرا سکے لہذا وہ منہدم ہونیکے قریب پہنچگیا۔ اہل عرب نے دیکہا کہ اب چند دنون مین یہ بند ٹوٹ جائیگا تو وہ دوسری صدی عیسوی کے وسط مین اپنا وطن چہوڑ چہوڑ کر اور ملکون مین آباد ہونے لگے۔ اسی پر میت قوم کے یادگار گہرانے ملک شام مین بنی غسان سرزمین عراق مین بنو منذر مدینہ مین اوس ینامین آزد اور قریب و جوار مکہ مین بنو خزاعہ کے کارنامون سے مشہور ہوے۔ ان گہرانون

کے ترک وطن کر چکنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ بند بھی ٹوٹ گیا اور اُسکا پانی سارے ملک مین پھیل گیا اُس وقت باقیماندہ لوگون نے بھی وطن مالوف کو خیرباد کہا اور دوسرے مقامات مین جاکر آباد ہو گئے۔ اِس بند کے ٹوٹنے کو "سیل عرم" کے نام سے موسوم کرتے ہین اور خیال کیا جاتا ہے کہ اِس عظیم الشان سیلاب کی زور اور ساتھ سبا کی حکومت کو بھی بہا لے گیا اور اُسکا خاتمہ کر دیا۔ ملک روم کے مشہور سیاح استرابون نے پہلی صدی قبل مسیح مآرب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ایک عجیب شہر تھا اُسکے مکانون کی چھتین سنہری پتر اور ہاتھی دانت کے کواڑون سے مزین تھین اور اون مین اعلےٰ درجہ کے جواہرات بھی جڑے ہوئے تھے۔ دہان بہت سے خوشنما اور بیش بہا ظروف اس قسم کے نظر آئے جنہون نے عقل دنگ کر دی۔ اِس بیان کو پڑھ کر ہمین اُن قصون مین بھی کسیقدر راستی کی بو آنے لگی ہے جنکو اہل عرب نے "ارم ذات العماد" کے بارہ مین نقل کیا ہے۔

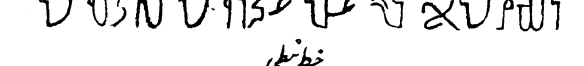


خط حمیری۔

ہمارے خیال مین آثار قدیمہ کے متلاشی اگر حمیر اور سبا کے حکمران گھرانون کے دار السلطنتون۔ مآرب اور صنعاء وغیرہ کے کھنڈرون کو کھود لیتے تو یقین ہے کہ اُنکو ایسے قیمتی نشانات دستیاب ہوتے جو دنیا پر ایک نئی تاریخ کا راز ظاہر کر دیتے جسطرح وادی نیل کے آثار نے فراعنۂ مصر کی تاریخ پر سے پردہ اُلٹ دیا ہے اور جس طرح کہ وادی فرات کے آثار نے اشور اور بابل کے حکمرانون کی تاریخ منکشف کر دی ہے۔ مگر یہ صورت

اُسی وقت ممکن ہے جبکہ دولت علیہ ادہر توجہ فرمائے اور علمی تحقیقات کرنیوالون کو اُس ملک مین سرگرم تلاش و تحقیقات ہونیکے لئے روانہ کرے۔

اسلام سے پیشتر جن عربی قومون نے تمدن مین نمایان حصہ لیا ہے اُنہین مین سے ایک نبطی قوم بھی ہے اسکی وجہ تسمیہ نبایوط بن اسمٰعیل کی جانب منسوب ہے اور نیز اُن کی نسل سے ہونا۔ یہ قوم شہر پطرا (Petra) کی رہنے والی تہی جو فلسطین اور جزیرہ سینا کے کسی قدر حصہ کے مابین واقع تہا۔ اوسکی حکومت جزیرہ سینا کے اُس حصہ پر جو اُن کے مسکن مین داخل تہا مع اُس پاس والے دوسرے حصون کے پہیلی ہوئی تہی جو جزیرہ عرب کے ایک سرے سے (وسط ملک) حجاز تک ممتد ہے نبطی قوم مشرقی اور مغربی ملکون کے اندر عقد تجارت کا واسطہ تہی وہ اپنے عروج کے زمانہ مین رومن امپائر کی ہمعصر تہی۔ اور اکثر حالتون مین اسنے بعض رومانی جنرلون کی قوت بازو بنکر اُن کے دشمنون سے جنگ کی ہے۔ نبطیون کے ایک حکمران ملک حارث نام کو پہلی صدی قبل مسیح مین کچھ زمانہ کیلئے دمشق کی سلطنت بہی ملگئی تہی۔ یہ واقعہ غسانی حکمرانون کے وجود سے صدیون قبل کا ہے۔ دوسری صدی عیسوی کے ابتدائی دور تک نبطیونکی حکومت کا عروج اپنے کمال پر رہا اور اسکے بعد رومن امپائر کی زبردست قوت نے اپنا تسلط جماکر اُنکو تباہ و برباد کر دیا۔ اس قوم کی عمارتون کے کھنڈر آجتک بلاد بطرا مین موجود ہین جنپر نبطی خط مین لکھے ہوئے کتبے دستیاب ہوتے ہین نبطی خط بہی حمیری خط کیطرح پڑھا جاتا ہے



خط نبطی

عمالقہ کی قوم بھی بجملہ اُنہین عربی اقوام کے ہے جنہون نے قدیم زمانہ کے اندر تمدن کے لحاظ سے اچھی ترقی کی۔ یہ قوم اپنی ہیبت اور جلال مین مشہور و بیمثیل گزری ہے اور وہ مشہور ملوک رعاۃ (چرواہے سلاطین) اسی قوم سے تہے جنکی بابت خیال کیا جاتا ہے کہ اُنہون نے مصر کا ملک فتح کرکے اُسپر کئی صدیون تک حکمرانی کی ان قومونکی حکومتونکے علاوہ تحطانی عربون کی وہ نو آبادیان بہی جو اون لوگون نے سیل عرم کے بعد دوسرے ملکون مین قایم کین بہت کچھ قابل لحاظ ہین جنکے بڑے بڑے شہرون مین سے غسانی خاندان کا آباد کیا ہوا شہر بصری حوران کے ملک مین۔ اور منذری گہرانیکا بسایا ہوا شہر حیرہ عراق کے بلاد مین واقع تہا اور ان دونون شہرون کی آبادی اور رونق کے تذکرے آجتک باقی ہین۔ اب ہم ایک سوال کرتے ہین جسکے جواب

مین ہمکو امید ہے کہ انصاف پسندی کو ملحوظ رکہا جائے گا۔ وہ سوال حسب ذیل ہے:۔

"کیا اس قدر باتون کے معلوم کرچکنے کے بعد بہی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اہل عرب فطرۃً حضارت سے دور ہین یا۔ تہے۔ اور انکو تمدن مین کسی طرح کی مداخلت نہین تہی؟"

ہمکو اس امر سے مطلق انکار نہین ہے کہ اسلامی تمدن کی بنیاد رومانی اور فارسی تمدن کے کھنڈرون پر قایم ہوئی۔ لیکن اسکے ساتہہ ہی یہ بات بہی ضرور ہے کہ اس معاملہ مین اہل عرب کی بہی وہی حالت تہی جو یونانی رومانی فارسی۔ اور تمام دوسری عظیم الشان حکومتونکی حالت رہ چکی تہی۔ یونانیون نے ابتداءً اپنے تمدن کے اصول مصر والون سے حاصل کیے۔ پہر رفتہ رفتہ اُن مین وسعت اور اضافہ کرکے طبعی تاثیر کے اقتضا سے اُسکو ایسا بنالیا کہ خاص اُنہین کے نام سے مشہور ہوگیا۔ رومانیون نے اہل یونان سے اخذ کیا مگر اونہون نے اصل مین بہت کم تغیر و تبدل کو دخل دیا[1]۔ فارس والے بہی دوسرون کی شاگردی مین داخل ہے اُنکے تمدن کی بنیاد اشوری یا بابلی۔ اور کلدانی قومون کے تمدن کے کھنڈرون پر قایم کیگئی جو اُنسے قبل گزر چکے تہے اور اسکے ساتہہ ہی فارس والون نے اپنے تمدن مین یونانی لوگونکا ہی چربہ اُتارا تہا۔ مگر ان مذکورہ بالا قومون اور اہل عرب کے تمدن مین نمایان فرق یہ ہے کہ اون قومون نے حضارت مین کئی کئی صدیون کے بعد کچہہ نمود دکہائی اور عرب والونکی دولت کو قایم ہوئے پوری ایک صدی بہی نہین گزری تہی کہ اُنکے تمدن کا تمام عالم مین ڈنکا بج گیا۔ و دنیا پر اُنکی عقلی قوتون کا اظہار ہوچلا۔ اور دوسری اور تیسری صدی مین تو اونہون نے ایسی ترقیان کین کہ اُنکے علوم و آداب کے سرچشمون نے سارے جہان کو سیراب کردیا۔

اس قدر بیان پر اتنا اضافہ اور بہی کرنا چاہیئے کہ جرمنی قومین جنہون نے آجکل اس آخری زمانہ مین دنیا کی ایک بہت بڑی سلطنت قایم کرلی ہے اور اپنے تئین بہت طاقتور حکومت بنالیا ہے۔ یہی قوم تہی جس نے اسلام سے قبل اور بعد بہت سی صدیان اس حال مین بسر کی ہین کہ رومن امپائر پر چہاپے مارتی رہتی تہی اس طریقہ سے اُنہون نے سلطنت روما کے بہت سے شہر بہی فتح کرلئے اور اُن مین سے بعض بعض نچلے لوگ خاص شہر روما مین بہی داخل ہوگئے لیکن اُسکی ان فتوحات کا نتیجہ بیکار لوٹ مار کے سوا اور کچہہ نہ تہا۔ ہونی لوگون کی فتوحات کا سیلاب پانچوین صدی عیسوی مین نہایت زور ون پر رہا۔ اونہون نے رومن امپائر کا

[1] جسکی وجہ شاید یہ رہی ہو کہ یونانی اور رومانی قومین پاس پاس ملکون کی رہنے والی تہین اور اُن کے طبایع مین ہمجنسی کی وجہ سے بہت کم فرق تہا۔ مترجم ۱۲

شمالی اور شرقی حصہ بالکل پامال کر ڈالا۔ ہونگاریا۔ رومانیا۔ اور تمام یورپین ٹرکی کو فتح کر کے وہان ایک زبردست حکومت قایم کی۔ اس حکومت کا نام۔ خاقانون کی حکومت۔ مشہور ہوا۔ اور یہہ دو صدیون تک پوری طرح قایم رہی جس طرح عرب والون نے مصر۔ عراق اور شام کو فتح کر کے وہان اپنی حکومتین قائم کی تہین۔ مگر کوئی نہین بتا سکتا کہ ہونی لوگون نے اپنی جانب سے کسی تمدن کی بنیاد رکھی ہو۔ یا اُنہون نے اُسی حضارت کو باقی رکھا ہو جو اُنکی فتوحات سے قبل اُن ممالک مین پائی جاتی تھی اس مقام پر یہ سوال کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ ہونی لوگون نے باوجود اسکے کہ وہ لوگ اہل عرب کی بہ نسبت یونانی تمدن کے مرکز سے قریب تر تھے کیون اس میدان مین قدم نہین رکھا؟ چھٹی صدی عیسوی کے اندر سلافی قوم کے لوگون نے رومن امپائر پر کس زور شور سے حملہ کیا؟ وہ بڑھتے ہی چلے گئے۔ یہانتک کہ قسطنطنیہ کے دروازون تک جا پہونچے۔ باوجود اسباب کے وہ جیسے گئے تھے ویسے ہی خالی واپس آگئے اور تمدن کے میدان مین ایک قدم تک نہین رکھا اسی طرح سے اور بھی بکثرت چھوٹے چھوٹے قبیلون اور قومون نے تاتاری اور منغلی اقوام مین سے ایسی ہی جوش و خروش کے ساتھ فتوحات کا ڈنکا بجایا۔ لیکن بیسود۔ تیمور لنگ وغیرہ کی فوجون نے عربی حکومت کو کمزوری کے زمانہ مین زیر و زبر کر دیا اپنا مطیع بنا کر وہان کے بادشاہون کو اپنا حلقہ بگوش کیا۔ لیکن اونہون نے کوئی تمدن نہین قائم کیا۔ اور نہ اُسی تمدن پر باقی رہے جو اُن سے پہلے رائج تھا۔ کیا یہ تمام باتین اس امر پر دلالت نہین کرتین کہ اہل عرب مین تمدن قبول کرنے کی ایک خاص استعداد تھی اور وہ حضارت (شہری زندگی یا آبادکاری) کیلئے فطرۃً موزون تھے

حجاز مین جاہلیت کا زمانہ

جزیرہ عرب کے جنوبی اور شمالی حصے کے باشندون نے تمدن مین بہت کچھ نمایان ترقیان کی تھین لیکن وسط ملک کے رہنے والے اہل حجاز اپنی اسی جنگلی اور وحشیانہ زندگی مین بسر کرتے رہے کیونکہ وہان کی سرزمین خشک اور بے آب و گیاہ ہونیکے علاوہ وہ تمام اُس عہد کی بڑی بڑی سلطنتون کے ساتھ ٹکر کھانے سے بھی بوجہ بُعد مسافت محروم تھا اسکے وسط صحرا مین واقع ہونے اور راستہ کے دشوار گزار ہونیکے باعث سے بڑے بڑے فاتحان دنیا بھی وہان نہ جا سکے۔ مثلاً چودھوین صدی قبل مسیح مین عمیس دوم اور چوتھی صدی

قبل مسیح مین اسکندر اعظم اور پہلی صدی عیسوی مین بعہد قیصر اگسٹس ایلیوس غالوس جیسے بلند ہمت فاتح بھی جزیرۂ عرب کے اس صوبہ (حجاز) کا کچھ نہ کرسکے۔ اور نیز فارس کے اولوالعزم بادشاہون کے عروج حکومت مین بھی کوئی وہان نہ جاسکا۔ حجازی عربون کو اس قدرتی حفاظت نے کچھ ایسا مطمئن اور بیفکر بنادیا کہ وہ اپنی حالت ہی مین خوش رہنے کے عادی اور گڈری مین مست کے مصداق ہوگئے۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان بلا کسی خطرہ یا بے چینی پیش آنیکے اصلاح کا خواہشمند نہین ہوا کرتا۔ مگر یہ ضرور ہے کہ وہ فطرۃً نفسانیت رکھنے والا اور جاہ طلب پیدا کیا گیا ہے اسی سبب سے خود اہل عرب ہی کے مابین بہت سی نزاعین اٹھ کھڑی ہوئین اور انکا ذریعہ معاش صرف باہمی جنگ اور لوٹ مار بنگیا۔ اس شغل نے انہین اپنی طرف اس قدر مائل کرلیا کہ وہ کسی دوسرے کام کی جانب متوجہ ہونا بھول ہی گئے۔ پھر بھی وہ جاہلیت ہی کے زمانہ سے خودداری۔ ایفاء عہد۔ حوصلہ مندی اور کرم کی عمدہ صفات کے ساتھ متصف تھے۔ اور انکی یہ حالت اس امر پر دلالت کرتی تھی کہ آیندہ زمانہ مین کسی بڑی عظمت و شوکت حاصل ہونیکی انمین استعداد و صلاحیت موجود ہے۔

اہل حجاز نے بیشمار صدیان اپنی اسی بدویانہ زندگی مین بسر کین جنکی صحیح تعداد صرف خدا ہی کو معلوم ہوگی اس زمانہ مین وہ اپنی اسی فطرتی جنگلی زندگی کے عادی رہے۔ البتہ انہون نے کسی قدر تمدن و تہذیب کی تعلیم ادن لوگون سے حاصل کی تھی جو غیر ممالک سے ترک وطن کرکے حجاز مین آن بسے تھے۔ یہ جلاوطن لوگ یہودی تھے جو حضرت موسیٰ کے زمانہ سے لیکر بعد کے زمانہ تک خاصکر اخیر قرون قبل از مسیح اور پہلی عیسوی صدیون مین اپنے رومانی حکام کے جور و ظلم سے بھاگ کر عرب کے خشک صحراؤن مین پناہ لینے آئے تھے اور بالخصوص بیت المقدس کی تباہی کے بعد اور بھی زیادہ آگئے تھے۔ اور اسی طرح بسا اوقات کچھ مقلی لوگ بھی حجازیون کے ملک مین آتے رہے جو متمدن دنیا کے رہنے والے تھے۔ ان تارک وطن لوگون نے اپنے رومانی حکام کے ظلم و ستم سے دق ہوکر گھر بار چھوڑ دینے کے بعد مکہ۔ مدینہ۔ اور طائف کو اپنا مسکن بنایا۔ لیکن یہودیون کی بابت غالب گمان یہ ہے کہ وہ اکثر مدینہ ہی مین رہتے تھے کیونکہ اس مین اوس اور خزرج کے نامی قبائل انکے ہم مذہب تھے۔ +

حجازی عربون پر طرز معاشرت اور دین کے لحاظ سے یہودیون کا بہت کچھ اثر پڑا۔ چنانچہ عربون نے اونسے بہت سی ایسی باتین سیکھ لین جنکو وہ پہلے مطلق نہ جانتے تھے مثلاً حج۔ قربانیان۔ نکاح۔ طلاق۔ کہانت

اور تہوارون کے دن جلسے کرنا۔ وغیرہ۔ یہودیون نے اونکو توراۃ کے چند قصے بھی پڑہادیے۔ اور تلمود کی کچھ فصلین بھی تعلیم کین اور اون مین اپنی عادات و رسومات بہت کچھ پھیلادین۔ علاوہ برین سیل ارم کے واقعہ کے بعد یمن کے بھی بہت سے لوگ عرب مین ہجرت کر آئے تھے۔ پس اس خلط ملط کی وجہ سے عربون کے دو گروہ بنگئے۔ ایک تو اہل بادیہ جو اپنی نیچرل سادہ زندگی پر قائم رہے۔ یہ عرب رحل یعنی خانہ بدوش کہلاتے تھے۔ اور دوسرا گروہ شہرلون کا جو مکہ۔ مدینہ اور طایف مین رہتے تھے۔ یہ لوگ حضر یعنی شہری عرب کے نام سے مشہور ہوئے۔

چونکہ مکہ مین حج ہوتا تہا اور لوگ دور دراز ممالک سے کعبہ کی زیارت کیلئے آیا کرتے تھے۔ اسلئے وہ حجاز کے شہرون مین سب سے زیادہ مشہور تہا۔ متواتر صدیان گزرنے کے بعد وہ تجارت کی منڈی بھی بنگیا۔ کیونکہ ہر سال خاص خاص موسمون مین وہان حجاج کا ہجوم ہوتا تہا۔ اور خرید و فروخت بکثرت ہوتی تہی۔ لہذا جتنے زبردست قبائل کے سردار ان قوم تھے اُن سب کی نگاہین اسپر پڑنے لگین اور وہ اُسے اپنے قبضے مین کرنے کے خواہشمند ہوئے۔ اپنی ابتدائی دو مین یہ شہر خاص حجاز کے باشندون (بنو اسمٰعیل) کے قبضہ مین تہا اور وہی لوگ کعبہ کے خادم یعنی حاجب تہے۔ مگر جبکہ دوسری صدی عیسوی مین سیل ارم کے بعد ملک مین سے ہجرت کرکے بنو خزاعہ مکہ مین آئے تو انہون نے اس شہر پر بھی قبضہ کرلیا۔ اور حجاز کے اصلی باشندونکو اپنا محکوم بنالیا کیونکہ اُنکے دماغون مین تو اپنی حکومت یمن کے زمانہ سے بوئے سرداری سمائی ہوئی تہی۔ ادہر دنون اسمٰعیلی (یا عدنانی) لوگ بہت کمزور رہتے تاب مقابلہ نہ لاسکے۔ مگر تاریخ عالم کے اصول نے اُنپر بھی اوسی طرح اپنا حکم جاری کیا جیسا کہ اور قومونپر ہوتا رہا ہے۔ پس چند صدیون کے بعد بنو خزاعہ پر گردش زمانہ کا اثر ہوا۔ اِن مین کمزوری آئی۔ اور عدنانیون کا زور ہوا۔ اونکی تمام قوم مین سے ایک گہرانہ کنانہ کا علیحدہ اور ممتاز ہوگیا۔ اور کنانہ کے گہرانے مین سے قبیلہ قریش نمودار ہوا۔

تقریباً پانچوین صدی عیسوی مین اہل قریش کا سردار اور رئیس قصی بن کلاب بن مرہ نامی ایک شخص حکیم۔ دانا۔ صاحب تدبیر و رائے تہا۔ اُس نے متولی کعبہ کی بیٹی سے شادی کی۔ جو قبیلۂ خزاعہ مین سے تہا۔ قصی کی آرزو اس شادی کرنے سے سدانتہ[1] کعبہ کا حاصل کرنا تہا۔ قصی کے بہت سے بیٹے پیدا ہوئے جنکی وجہ سو اُنکی عزت اور رعب داب مین ترقی ہوئی۔ نیز اُس نے تجارت کا کاروبار پہیلاکر مال بہی خوب جمع کرلیا۔ جس وقت

[1] حاجب کعبہ کا منصب جسکا مفصل ذکر آگے آتا ہے۔ مترجم۔

اُسکے خسر کی موت کا زمانہ قریب آیا تو اُس نے اپنی لڑکی یعنی قصی کی بی بی کے واسطے خدمت کعبہ ملنے کی وصیت کی۔ مگر اُس عورت نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ مین عورت ذات ہون کعبہ کے دروازہ کا کھولنا اور بند کرنا میری طاقت سے باہر ہے (خادم خانہ کعبہ کی اُنکے یہان یہی خدمت تھی) اسپر اُس نے اپنے ایک بیٹے کو جسکا نام مخترش تھا خدمت کعبہ سپرد کیئے جانیکی وصیت کی مخترش نہایت کمزور اور منحنی سا آدمی تھا۔ اب قصی کو خاصہ موقع ملگیا اور اس نے ایک مشک شراب کے بدلہ مین وہ معزز منصب مخترش سے خرید لیا۔

قبیلہ خزاعہ کو یہ خبر ملی تو اُنھین بہت ناگوار گزرا اور بالآخر قبایل قریش و خزاعہ کے مابین جنگ چھڑ گئی بہت سی میدان داریون کے بعد انجام کار دونون قبیلون نے صلح اور فیصلہ پنچایت پر رضامندی ظاہر کی اور قریش ہی کے ایک معتبر شخص کو پنچ بنایا۔ اُسنے قصی کے حق مین فیصلہ دیا۔ جسکے بعد سے ظہور اسلام اور فتح مکہ تک خدمت کعبہ قریش ہی کے گھرانے مین رہی۔

کعبہ کی خدمت گویا دراصل مکہ کی سرداری ہوتی تھی قصی نے میدان خالی پاکر اپنے عزیزون قریبون کو جو قریش ہی کے قبیلہ سے تھے مکہ مین اکٹھا کر لیا اور خاص شہر اور قرب و جوار مین مقیم کیا۔ قریشیون نے قصی کو جملہ اُمور مین اپنا سردار بھی تسلیم کر لیا۔ قصی نے مکہ کے چار ٹکڑے کر کے اپنے برادرون کو بانٹ دیئے اور سبھون نے اپنی اپنی ملک مین مکانات تعمیر کر کے سکونت اختیار کی۔ اب گویا مکہ قریشیون ہی سے آباد ہو گیا اور ہر ایک معاملہ مین قصی اونکا سردار و امیر بنگیا۔ قصی کے بعد اُسکا جانشین اُسی کا بیٹا عبد مناف ہوا۔ عبد مناف کے لڑکون مین دو لڑکے ہاشم اور عبد شمس نامی تھے۔ عبد مناف کی موت کا وقت قریب آیا تو اُس نے خدمت کعبہ کی وصیت ہاشم کیلئے کی۔ عبد شمس کا ایک لڑکا اُمیہ نامی (بنو اُمیہ کا جد) تھا۔ اُسے اپنے چچا کی ریاست پر رشک آیا اور اس حسد کا انجام یہ ہوا کہ باہم جدائی ہونی قرار پائی۔ ہاشم تو اپنے بھتیجے سے جدائی پسند نہ کرتا تھا مگر قریشیون نے اُسے وفق کر کے مجبور کر دیا جسکی وجہ سے آخر کار اُس نے پچاس اونٹنیان دینے اور دس سال تک مکہ سے باہر رہنے کی قید پر باہم جدائی منظور کی۔ اُمیہ نے اسپر رضامندی ظاہر کی اور خزاعی کاہن کو حکم قرار دیا جو عسفان مین رہتا تھا۔ دونون نے اُس سے فیصلہ چاہا تو اُس نے ہاشم ہی کے حق مین فیصلہ دیا۔ ہاشم نے شرط کے مطابق اونٹون کو لیکر قربانی کی اور دعوت عام دی۔ اُمیہ ناکام ہو کر دس سال کے لئے ملک شام کو چلا گیا۔ یہ پہلی عداوت تھی جو ہاشم اور اُمیہ کے مابین واقع ہوئی اور اون دونون کی اولادین عہد اسلام تک اسکو بطور وراثت قایم رکھتی رہین۔ ہاشم کے بعد اُسکے فرزند عبد المطلب متولی کعبہ ہوئے جو پیغمبر

اسلام کے جد تھے۔ +

عرب کے قبائل مین قریش کے گھرانے کا رتبہ ایسا تھا جیسا بنی اسرائیل مین لاویون کا مرتبہ تھا۔ اور اونہین بھی وہی امتیازات حاصل تھے جو انکو اپنی قوم مین تھے یہ اختیارات و مراتب عیسائیون کے یہان کاہنون کے مراتب سے ملتے جلتے تھے۔ +

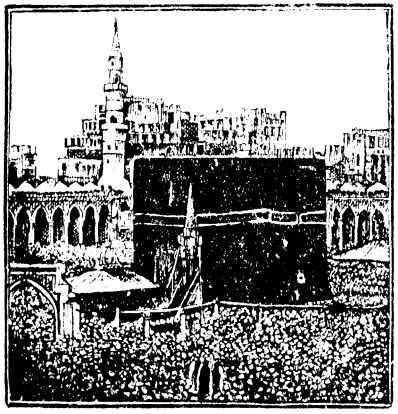
وہ سب پر حکمران تھے اور انپر حاکم بالادست کوئی شخص نہ تھا جس گھرانے مین چاہتے شادی بیاہ کرتے اور اس بارہ مین اُنہین کسی شرط کا پابند ہونا نہ پڑتا۔ اور اپنی لڑکیان کسی غیر گھرانے والے سے اُس وقت بیاہتے جبکہ اُسپر پکے اور کٹر دیندار بننے کی شرط لگا دیتے۔ فرایض وارکان حج کا تقرر انہون نے ہی کیا اور اُسے لوگون کے لئے لازم انہین نے بنایا تھا اور اُنہین ہر امر مین خاص اختیارات و حقوق حاصل تھے۔ +

جاہلیت مین عرب کی حکومت

عرب سے ایک خاص صورت پر ہماری مراد حجاز کے باشندے ہین۔ اور اُن مین سے بھی مخصوص طور پر قبیلہ قریش کے لوگ کیونکہ اُن مین ہی اسلام کا ظہور ہوا جسکی وجہ سے تمدن اسلامی کی بُنیاد پڑی جسے ہم بیان کرنا چاہتے ہین۔

زمانہ جاہلیت مین تمام اہل بادیہ (صحرائی عربون) کے یہان حکومت کا انداز یکسان تھا جو ضرورتین متمدن دنیا کے رہنے والونمین بیسیون شخصون سے پوری ہوتی ہین صحرائی قومونمین وہ سب تنہا ایک ہی سردار کی ذات مین جمع ہوجاتی ہین۔ وہی امیر یا بادشاہ بھی ہوتا ہے وہی قاضی وہی صاحب خزانہ اور سردار فوج وغیرہ غرضیکہ تمام کاروبار اُسی شخص واحد کی ذات سے وابستہ ہوتے تھے۔ اہل عرب کے یہان جو شخص اُن مین سب سے زیادہ طاقتور عقیل اور سب سے بڑھکر صاحب تدبیر و رائے ہوتا تھا بلا کسی قسم کی سازشون اور تعمد کے اُسی کو امیر بناتے تھے اور اگر اُن مین سے کئی شخص عقل و تدبیر اور زور و قوت مین برابر ہوتے تو اُس وقت اُن سب مین سے زیادہ عمر والے اور صاحب جاہ شخص کو منتخب کرلیا کرتے تھے۔ اور جب کئی قبائل کے لوگ متفق ہوکر کسی لڑائی پر آمادہ ہوتے اور اونہین ایک ایسا سردار درکار ہوتا جو اون سب لوگون پر افسری کرے اُس وقت یہ تدبیر کرتے کہ سب سردارون کے نام پر قرعہ ڈالتے تھے جسکے نام چٹھی نکلتی اُسی کو بلا عذر افسر عام

مان لیتے اس صورت مین نو دی اور بزرگی کا بھی لحاظ نہ کرتے تھے مذکورہ بالا حالت صحرائی اور خانہ بدوش عربون کی تھی جو جنگ و جدل اور لوٹ مار کے عادی تھے باقی رہے شہری عرب اور وہ اہل مکہ تھے جن کے یہان خانہ کعبہ کا خادم سرداری کا مستحق ہوتا تھا اور جب خدمت بیت اللہ قریش کے گھرانے مین آگئی تو اسوقت سے وہ ہر معاملہ مین سردار و افسر شمار ہونے لگے۔



(کعبہ)

کعبہ تجارت اور قریش

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہین قریشی لوگ شہر کے رہنے والے اور تجارت پیشہ تھے۔ اُنکی تجارت کا قیام وبقا اُن حاجیون کی آمد پر تھا جو ہر سال اور موسمون مین مکہ آیا کرتے تھے۔ لہذا انکے لئے مقتضائے مصلحت یہی تھا کہ وہ آمد و شد کی راہ کو آسان بنائے اور لوگون کو حج کی رغبت دلانے مین کوشش کرتے رہین جن اُمور نے قبایل عرب کو زیارت کعبہ پر آمادہ کیا تھا اُن مین سے ایک سبب اور بڑا سبب یہ تھا کہ ہر قبیلہ کا ایک خاص بت ہوتا تھا جسکی زیارت اور اُسپر قربانی چڑھانیکے لئے وہ قبیلہ مقررہ موسم مین آیا کرتا تھا۔ یہانتک کہ خانہ کعبہ مین بتون کی تعداد تین سو سے بڑھ گئی تھی جن مین چھوٹے بڑے ہر قسم کے بت تھے۔ کوئی آدمی کی صورت کا تھا اور کوئی جانور وغیرہ کی شکل کا۔ اور

چند نباتاتی اشکال کے تھے۔

طائف سے تھوڑی ہی فاصلہ پر ایک بازار تھا جسکے اندر ماہ ہائے حرام کے زمانہ مین لوگونکا جماؤ ہوتا تھا۔ لوگ وہان کھجوروں کے جھنڈون مین اپنے اپنے خیمے استادہ کرتے اور خرید و فروخت اور تبادلۂ مال مین مصروف رہتے۔ یہ بازار مشہور سوق عکاظ تھا۔ اسکے علاوہ دیگر مقامات پر عربون کے اور بھی میلے ہوا کرتے تھے لیکن اون مین صرف قرب و جوار کی بستیون کے باشندے اکٹھے ہوتے۔ مگر عکاظ مین ہر جانب سے جوق جوق باشندگان عرب آتے تھے اور ہر قبیلہ و حصہ ملک کے رہنے والے شریک ہوتے تھے۔ قریش والون نے عکاظ مین لوگون کے بکثرت آنیکے اسباب مین اتنی اور بھی زیادتی کردی تھی کہ انہون نے اُسے ادب (لٹریچر) اور شاعری کا اکھاڑا بنا دیا تھا جہان پر عرب کے قبیلے اپنے اپنے بالکمال شاعرون اور مقررون کو پیش کرتے جو اشعار پڑھتے اور مباحثہ و مناظرہ کرکے اپنا فخر جتایا کرتے تھے۔ اور جسکا کوئی عزیز یا برادر قیدی ہوتا وہ اوسکے لئے فدیہ دینے کی کوشش کرتا۔ اگر کسی کو حق حکومت حاصل ہوتا اور وہ اپنے حق کو نہ پاتا تو اس موقع پر وہ بھی اپنے استحقاق کو عیان کرتا جسکی وجہ سے اُسے حکومت حاصل ہو سکے۔ ایام موسم یعنی میلہ کے دنون مین ایک خاص شخص کو عکاظ کا والی (حاکم) بنا لیتے تھے جو باہمی اختلافات اور جھگڑون کا فیصلہ کرتا۔ یہ حاکم اکثر بنی تمیم کے گھرانے سے ہوتا تھا۔ لوگ عکاظ کے میلہ سے فراغت پاکر عرفات مین ٹھہرتے تھے۔ اور وہان سے مکہ جاکر ارکان حج ادا کرنے کے بعد اپنے اپنے گھر فکو واپس جاتے تھے۔

قبیلۂ قریش کے لوگ تجارت کے لئے سال مین دو سفر کیا کرتے تھے۔ جاڑون کا سفر یمن کی جانب اور گرمیون کا بصریٰ کی جانب جو صوبہ حوران ملک شام کا ایک عمدہ شہر اور تجارتی منڈی تھا۔ گویا کہ مکہ یمن اور شام کے مابین قیام تجارت کا ذریعہ تھا۔ تجارت کے راستے یونتو نہایت خطرناک رہتے تھے۔ اقوام عرب کی لوٹ مار سے بچنا مشکل بلکہ محال تھا لیکن اہل قریش اس سے محفوظ رہتے کیونکہ بوجہ خادم کعبہ ہونیکے لوگ اُنکی عزت اور توقیر کرتے تھے اُنہین نقصان کیونکر پہونچاتے؟ اہل قریش اکثر اوقات فارس اور حبشہ کا سفر بھی کیا کرتے تھے۔ وہ ملک شام سے کپڑے اور غلہ۔ فارس سے شکر اور موم وغیرہ اشیا تجارت لایا کرتے تھے۔

بیان بالا سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اہل مکہ کا ذریعہ معاش اور سرچشمہ گزران خانہ کعبہ تھا۔ اگر وہ نہ ہوتا تو اہل مکہ کے لئے اُس وادی مین رہنا جس مین نہ کھیتی ہو سکتی تھی اور نہ پانی میسر تھا غیر ممکن ہوتا۔ بکثرت سفر کرتے رہنے اور اطراف عراق و شام کی تمدن دنیا سے ملتے جلتے رہنے کی وجہ سے اہل قریش تمام باشندگان عرب مین سب سے زیادہ عالم

تجربہ کار اور صاحب فہم ہو گئے تھے۔ اور چونکہ خانہ کعبہ کو اُن کے بسر اوقات کے اسباب سے بہت کچھ تعلق تھا لہٰذا اُنہون نے اوسکی حالت درست کہنے مین خوب توجہ سی کام لیکر لوگون کے لئے وہان کا آنا آسان بنا دیا تھا۔ اہل قریش نے خانہ کعبہ کے آس پاس پانی کی سبیلین لگا رکھی تہین اور کہانا کہانے کے لئے مکانات بنائے تھے۔ نیز اُس زمین کو جو خانہ کعبہ کے جوار مین تھی حرم (قابل عزت) بنا کر اوسکی حدود مین جنگ و قتل کو حرام کر دیا تھا۔ اور اپنے خاندان مین سے کسی کو سبیل کا متولی مقرر کیا۔ اور کسی کو کھانا کھلانیکا مہتمم غرض اسی طرح سے تمام خدمات اپنے آدمیون کے سپرد کر رکھی تہین۔ یہ خدمتین اور ضرورتین روز بروز بڑہتی ہی گئین یہانتک کہ اسلام سے پہلے پہلے پندرہ سولہ خدمتین معین ہو چکی تہین جن سے اُس زمانہ کی حکومت اور سلطنت کے کاروبار مراد ہین جو قبیلۂ قریش کے گھرانون نے آپسمین تقسیم کئے ہوئے تھے۔ قریش کے زیادہ تر مشہور گھرانے یہ تھے:۔

ہاشم۔ امیہ۔ نوفل۔ عبدالدار۔ اسد۔ تیم۔ مخزوم۔ عدی۔ جمح۔ اور سہم ان مین سے ہر ایک کے واسطے ایک ایک خدمت یا زائد مقرر تھی جو ذیل مین درج ہوتی ہین:۔

(۱) سدانۃ۔ جسے حجابۃ بہی کہتے تھے اس خدمت کا والی کعبہ کا حاجب ہوتا تھا۔ خانہ کعبہ کی کنجی اُسی کے پاس رہتی تھی۔ وہ لوگون کے اندر جاتے وقت کعبہ کا دروازہ کہولتا تھا اور پہر اُسے قفل لگا دیتا۔ اس منصب کو انکے نزدیک اول درجہ کی عزت حاصل تھی۔ یہ طریقہ خدمت عربون نے یہودیون سے سیکھا تھا۔ کیونکہ اُنکے یہان ایک خاص کاہن ہیکل کی حفاظت پر مقرر ہوا کرتا تھا جسے وہ "دربان" کہتے تھے۔ اور عقد فرید کے مصنف نے "سدانۃ" اور "حجابۃ" کو دو علیحدہ خدمتین بتایا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) سقایۃ۔ (سبیل) اس خدمت کا متولی مکہ مین پانی کے کمیاب ہونیکی وجہ سے حاجیون کو پانی پلانیکی فکر رکھتا اور آب رسانی کے اہتمام مین مصروف رہتا۔ وہ چمڑے کے حوض بنوا کر کعبہ کے آس پاس رکھتا اور کنوون سے میٹھا پانی مشکون اور پکھالون مین بہروا کر اونٹون پر بار کے منگواتا اور ان حوضون مین ڈلواتا۔ یہ صورت اُس وقت تک قایم رہی جبکہ زمزم کا کنوان کہودا گیا اسکے بعد وہ اُسی کے پانی کی سبیل لگانے لگے۔ سقایۃ کی خدمت بنی ہاشم کے کنبہ مین تہی۔

(۳) رفادۃ۔ یہ ایک رقم ہوتی تہی جسے قریش کے لوگ ہر موسم مین اپنے مالون مین سے نکالکر صاحب رفادۃ کے پاس جمع کر دیتے تھے۔ وہ اُسی آمدنی سے کہانے پکوا کر محتاجون کو کہلاتا تہا۔ سب سے پہلے جسنے رفادۃ کا

حکم جاری کیا وہ شخص قصی تہا جسکا بیان اوپر آچکا ہے۔ پہلے رفادہ کا اہتمام بنی نوفل کے گہرانے مین تہا اور کچہہ عرصہ بعد بنی ہاشم کے گہرانے مین آگیا۔

(۴) عقاب۔ یہ قریش کے جنگی نشان کا نام تہا۔ جب وہ کسی لڑائی پر تیار ہوتے تو اُسے نکالتے اور جس شخص کو باتفاق باہمی نشان بردار بنالیتے اُسکے سپرد کردیتے تھے۔ ورنہ وہ اُسی شخص کے پاس رہنے دیتے تہے جسکے یہان نشان کا رہنا مقرر تہا۔ اور وہ مستقل علم بردار بنو امیہ مین سے تھا۔

(۵) ندوہ۔ یہ ایک گہر تہا جسے قصی نے کعبہ کے ایک پہلو مین تعمیر کیا تہا اس مین اہل قریش کے نامی لوگ جمع ہوکر مشورہ کرتے تہے اس گہر مین وہ شخص داخل ہوسکتا تہا جسکی عمر چالیس سال سے کم ہو۔ یہ بہی شرط تہی کہ کوئی عورت یا مرد اس گہر کے سوا اور کہین شادی نکرے دولہا اور دُلہن دونون کو اس مین لیجاکر عقد باندہتے تہے اور لڑائی پر چلنے کے لئے فوج کا نشان بہی اسی گہر مین مرتب کیا جاتا تہا۔ بالغ لڑکیون کو زنانہ لباس بہی اسی گہر مین پہنایا جاتا۔ مالک مکان اپنے ہاتہہ سے اُسکے کپڑے قطع کرتا اور پہناتا تہا۔ جب اُنکی (قریش کی) لڑکیان سن تمیز کو پہونچتی تہین تو یہ رسم ادا کی جاتی تہی۔ دارالندوہ بنی عبدالدار کے قبضہ مین تھا۔

(۶) سپہ سالاری۔ امیر قافلہ کا یہ بھی عہدہ تہا اس خدمت کا عہدہ دار تجارت اور جنگ کے سفرون مین سب سے آگے آگے چلا کرتا تہا۔ سپہ سالاری کی خدمت بنی اُمیہ کے گہرانے مین تہی اور آغاز اسلام مین اس خدمت کی ذمہ داری ابوسفیانؓ معاویہؓ کے والد کے سپرد تہی۔

(۷) مشورۃ۔ یہ خدمت جسکے سپرد ہوتی تہی اُس سے تمام اہم کامون مین رائے لیجاتی تھی۔ یہ عہدہ بنی اسد کے کنبہ مین تہا اور جبتک قریش کسی بات کو اُنکے سامنے نہ پیش کرلیتے اُسپر ہرگز متفق نہ ہوتے تھے۔

(۸) اشناق۔ خون بہا اور تاوان کی وصولی کا نام تہا۔ جب کوئی شخص کسی خون بہایا تاوان کو برداشت کرکے اس معاملہ مین قریش سے رائے دریافت کرتا تو وہ اُسکی تصدیق کرتے۔ اور اس خدمت کا تعلق بنی تیم کے کنبہ سے تھا۔

(۹) قبہ۔ یہ ایک خیمہ تھا۔ جب لڑائی کو نکلتے تو اُسے استادہ کرکے اُس مین وہ سامان جمع کرتے جسکی ضرورت فوج کی آراستگی کے لئے ہوتی تہی اور جو ہمارے یہان کے اُس امر سے بہت کچہہ مشابہ ہوتا تھا جسکو ہم اپنی اصطلاح مین "مہمات حربیہ" کے نام سے موسوم کرتے ہین۔ (کمسریٹ یا میگزین)۔

(۱۰)۔ اعنہ۔ گھوڑوں کی باگوں کو کہتے ہین اس منصب کا مالک حالت جنگ مین قریش کے گھوڑون کا نگران ہوتا تہا اور انکی ضروریات کی فکر کرتا تہا۔

(۱۱)۔ سفارت۔ یہ اس قسم کی خدمت تہی کہ جب اہل قریش کسی دوسرے عربی قبیلہ سے جنگ کرتے اور اُس سے صلح کی گفتگو کرنی چاہتے تو کسی سفیر کو بہیجتے تہے۔ اور اگر کوئی خاندان کسی قسم کا فخر جتانیکے ساتہہ اُن سے منافرہ کرتا تو سفیر ہی کو منافر بناتے اور اُسکے حکم کو تسلیم کرتے تہے۔ زمانۂ جاہلیت مین قریش کے سب سے پہلے سفیر عمر بن الخطابؓ (اسلام لانے سے قبل تک) تہے۔

(۱۲)۔ ایسار۔ فال کے تیرون سے استخارہ وغیرہ کے طور پر باہم تقسیم کرنیکے عمل کا نام تہا۔ جب وہ جنگ یا سفر کے واسطے کسی اہم کام کی بابت تقسیم کار کرنا چاہتے تو اونٹہی جوئے کے تیرون سے کرتے جیسا کہ آجکل چٹھی یا لاٹری ڈالنے کا طریقہ جاری ہے۔ اس خدمت کی تولیت بنی جمح کے گھرانے مین تہی۔

(۱۳)۔ حکومت۔ یہ اُنکے یہان لوگون کے مابین واقع ہونیوالے جہگڑون اور اختلافون کے فیصل کرنیکا نام تہا۔ جو اسلامی عہدہ قضا یا تحکیم (پنچایت) کے مشابہ تہی۔

(۱۴)۔ اموال محجرۃ۔ یہ اس قسم کے مال ہوتے تہے جنہین وہ لوگ اپنے دیوتاؤن کے نام پر نامزد کر دیتے (چڑہا دیتے) تہے۔ اس مین نقد اور زیور سب کچہہ شامل ہوتا تہا۔ اور بسا اوقات بیت المال کے مشابہ ہوتا تہا۔ اس کی ولایت بنی سہم کے گھرانے مین تہی۔

(۱۵) عمارۃ۔ اس سے یہ مراد ہوتی تہی کہ خانۂ کعبہ کی مسجد (بیت الحرام) مین کوئی شخص گالی یا بُری بات زبان سے نہ نکالے۔ اور وہان چیخنے چلانے نہ پائے۔

مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ ان ضرورتون مین سے بعض ضرورتین ایسی بہی ہین جو عموماً مفید یا اہم نہین ہین لیکن اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قریشیون نے ان ضرورتون کی تعداد عمداً بڑہا دی تہی تاکہ ایک ایک خدمت سب کے سپرد کرنیسے قریش کے تمام کنبون کو راضی رکہین۔ انہین ڈر تہا کہ مبادا ان مین باہم رشک اور عداوت پیدا ہو جائے جو باعث تباہی ہے۔ اور نیز خانہ کعبہ کی کمال بزرگی و تعظیم کے لحاظ سے بہی ایسا کیا تہا اس لئے کہ خانۂ کعبہ کی عزت و عظمت اُن کے لئے باعث منفعت تہی۔ اسی کیوجہ سے لوگ وہان بکثرت آتے تہے جن سے وہ ہر قسم کا فائدہ اوٹہاتے تہے۔+

اور اس سے یہ بہی معلوم ہو گیا کہ اہل قریش نے اُن خدمتون مین انتظام ملک اور دین نظم حکومت اور جنگ

وغیرہ سب باتون کو اکٹھا کر لیا تھا لیکن اُنہین اپنے ہی قبیلہ مین تقسیم کر کے ایک جمہوری حکومت کی صورت نبالی تھی۔ یا وہ ایک خاص قسم کی حکومت تھی جسکی نظیر متمدن اقوام مین نظر نہین پڑتی۔ البتہ وہ بسا اوقات بعض وجوہ سے حکومتِ شوریٰ (گورنمنٹ باجلاس کونسل یا پارلیمنٹ) سے مشابہ ہوتی تھی۔ مگر اُس پارلیمنٹی حکومت مین ایک افسر ہوا کرتا ہے جو بادشاہ یا شہنشاہ ہوتا ہے۔ اور اس قریشی طرز حکومت مین بجز اسکے کہ دار الندوہ کے مالک یا خانۂ کعبہ کے خادم کو تھوڑی سی ریاست حاصل ہوتی تھی اور کوئی ایسی وجہ مشابہت نہ تھی۔ +

اسلام سے پہلے عربونکا ترقی کیلئے اُبھرنا

اسلام سے پیشتر کی تاریخ عرب اگرچہ مبہم اور پیچیدہ ہو لیکن اُسے بغور دیکھا جائے تو بہت سے ایسے اُمور واضح ہوتے ہین جو غور و فکر کی جولانگاہ بن سکتے ہین۔

انہین اُمور مین سے جنہین سوچ سمجھکر کسی بات کا اعتبار کرنے کی گنجایش ہو سکتی ہے ایک بات یہ تھی کہ باوجود عرب کے مختلف قبیلون اور گھرانون پر منقسم ہونیکے پہلی صدی قبل ہجرت سے آگے آگے اُن مین بہت کم کوئی مشہور شاعر یا خطیب۔ یا حکیم۔ یا کاہن پیدا ہوا۔ اس بارہ مین یہ اعتراض بھی نہین ہو سکتا کہ جو نامور لوگ پہلے گزرے ہون ممکن ہے کہ اُن کے حالات بوجہ فن تاریخ کے مدون نہونیکے تلف ہو گئے ہون گے۔ کیونکہ اہل عرب کو بہت سی صدیون پہلے کے حالات مثلاً قوم عاد اور ثمود کے قصے تو یاد رہین اور جو لوگ دو ایک صدی قبل از ہجرت مشہور ہو گزرے ہون اُنکے حالات بالکل بھول جائین۔ لہذا اگر اسلام سے پہلے کی اخیر صدیون مین کوئی شاعر یا خوش بیان شخص گزرا ہوتا تو اُسکے اخبار بالکل ضائع نہین ہو سکتے تھے۔

اسلام سے ایک صدی پہلے نامور شاعرون اور خوش بیان لوگون کا پیدا ہونا اور یکایک اہل عرب کا میلان خاطر اس جانب ہو جانا ہم نے اسی کا نام اسلام سے پہلے عربون کا ترقی کیجانب اُبھر چلنا رکھا ہے۔ علاوہ برین وہ اُٹھان صرف شاعری اور زباندانی ہی تک محدود نہ تھا بلکہ اُن دنون عرب مین ایک قسم کا دینی خیال بھی موجزن تھا جسکی وجہ سے لوگون کی فکرین منتشر اور عقاید خلط ملط ہو رہے تھے۔ اہل جاہلیت یہ بھی نہ جانتے تھے کہ ہم کسکی نماز پڑھتے ہین (دعا مانگنا) اور کس سے وسیلہ پکڑنا چاہتے ہین اُن مین سے کوئی ایک شخص ایسا بھی ہوتا تھا جو قربانی

بُت پر چڑھاتا اور نام خدا کا لیتا تھا۔ پتھر، لکڑی، آگ اور بتوں کے پوجنے والے بھی اُن میں موجود تھے اور توحید کے ماننے والوں اور مشرکوں کا بھی وجود تھا۔ اسکے سوا اور بہت سی ملی جلی عبادتوں کے طرز تھے۔ اسی بےچینی کے دوران میں شراب کے حرام ہونے اور بتوں سے بدعقیدہ ہونیکے خیالات کا ظہور ہوگیا جسکی وجہ سے بہت سے لوگ نبوت کی جانب سے کوئی بہتری حاصل ہونیکے امیدوار ہو رہے تھے اور اونکی مجلسوں میں اسی قسم کے تذکرے ہوا کرتے تھے مختلف قبیلوں کے کئی شخصوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ بھی کر دیا تھا اور بعضوں نے دعوے کرنیکا قصد کیا تھا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جو لوگوں کو ذہنوں کے دینی معاملہ کی جانب سے متنبہ ہو جانے پر صاف صاف دلالت کرتی ہیں اور بتا رہی ہیں کہ لوگ انجام کار کی فکروں میں مبتلا تھے۔

(اس اُٹھان کا سبب کیا تھا؟) اس سے پہلے ہم عدنانی عربوں کے ترقی کیلئے مستعد ہونیکی کیفیت اور اُنکی قابل تمدن ہونیکی صورت بیان کر چکے ہیں۔ اُس ذہانت اور تیز فہمی کیوجہ سے جو فطرتاً اُنہیں عطا ہوئی تھی اُن میں اس قسم کی استعداد موجود تھی جو اُنہیں ادنیٰ توجہ ہونیکے ساتھ ہی ترقی یافتہ اور متمدن قوم بنا دے۔ مگر چونکہ وہ لوٹ مار میں مصروف اور عزت و شان کی طلب سے بوجہ متمدن دنیا سے دور ہونیکے قاصر تھے لہذا ان قوتوں کو کام میں نہ لا سکتے تھے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان کی قوتیں اُسی صورت میں نمایاں ہوتی ہیں جبکہ وہ مصیبت کے شکنجے میں کسا جاتا ہے اور گردش زمانہ کے پنجوں میں پھنستا ہے اور یہی تمام فطری اور طبیعی قوتوں کی کیفیت ہے۔ جیسے ایک تنہا شخص غالباً اُس وقت تک عزت اور ناموری کا خواہاں نہیں ہوتا جبتک کہ اوسکو فقر و فاقہ کی مصیبت تنگ نہ کر دے یا کوئی اُسکا ہمچشم اُس سے کسی ایسے معاملہ میں لاگ ڈانٹ نکرے جس میں اُسے اپنے اُس ہمسر سے بڑھ جانیکا خیال پیدا ہو۔

قوموں کی ترقی کیجانب مائل ہونیکے اسباب خارجی لڑائیاں اور باہمی خانہ جنگیاں ہوتی ہیں مگر اوّل الذکر صورت یعنی غیر اقوام سے جنگ و جدل کا چھڑ جانا اس معاملہ میں زیادہ مؤثر ہے کیونکہ اس صورت میں اُنہیں دوسری قوموں سے ملنا جلنا پڑتا ہے اور یہ باہمی میل ملاقات تبادلہ خیالات کا ذریعہ بنکر اونکو دوسروں کے عادات و اخلاق سے فائدہ اُٹھانیکا موقعہ اور غیروں کے مقابلہ میں اپنی برتری دکھانیکا جوش دلاتا ہے۔ تاریخ عالم میں اسکے بہت سے شواہد موجود ہیں۔

اسلام سے قبل کی دو صدیوں میں حبش والوں کے یمن پر حملہ آور ہونے اور اُدھر سے پلٹ کر اُنکے ایک صدی ہجرت سے قبل کے وسط میں حجاز پر فتح مکہ کی نیت سے چڑھ آنے اور کعبہ پر قبضہ کرنیکی کوشش سے

حجازی عربوں کو جس مصیبت اور دقت کا سامنا کرنا پڑا وہ دباؤ آخر کار انکی ترقی کی طرف توجہ کرنیکا ذریعہ بن گیا اور غیر قوم کی بیجا مداخلت اُنکے غیرتمند دلوں کو چوٹ دیگئی۔ اُسی وقت سے اُن میں ترقی کی روح پھونک گئی جس حالت میں حبش والوں نے مکہ پر فوج کشی کی ہے اور خانہ کعبہ کو گرا دینے کا ارادہ کیا ہے اُن دنوں خانہ کعبہ کی خدمت اور قریش کی ریاست نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبد المطلب کو تفویض تھی حبشیوں کا مڈی دل لشکر اور سامان جنگ اُنکے زبردست ہاتھیوں کی قطار یہ سب ایسی چیزیں تھیں جنکو اہل مکہ دیکھنے کے عادی نہ تھے۔ کیونکہ قبایل عرب کے دلوں میں خانہ کعبہ کی جو قدر و منزلت تھی وہ اُنکو اغیار کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک مستحکم قلعہ کا کام دیتی تھی۔ مکہ والوں کو کبھی اسکا خیال بھی نہ گزرتا تھا کہ ہم پر کسی دشمن کی چڑھائی ہوگی لیکن جب اُنھوں نے دیکھا کہ حبشی فوجیں سر ہی پر آگئیں تو اُنکو اُس خطرہ کی صورت دکھائی پڑی جو درپیش تھا اور اُنھیں اتحاد باہمی کی جانب اپنا محتاج ہونا محسوس ہوگیا تاکہ متفقہ قوت سے بیرونی دشمن کی مدافعت کرسکیں۔ اُنھوں نے آپسمیں اتحاد قایم کیا اور آخر کار حبشیوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ مگر اسی واقعہ نے اُنھیں غفلت کی گہری نیند سے بھی اُٹھا دیا اُنکے ہوش درست ہوگئے اور اُس وقت سے اُنکی فطری قوتیں اور خوبیاں نمایاں ہونے لگیں۔ مکہ والوں کے دلوں میں اس حملہ کا سخت اثر ہونا اس بات سے پایا جاتا ہے کہ اُنھوں نے اس سے بعد کے زمانہ میں اس حادثہ صعب کو بطور سنہ کے استعمال کیا اور اسی کا نام "عام الفیل" (ہاتھیوں کا سال) رکھا تھا۔ زمانہ کی اسی ایک گردش اور رگڑنے جو عرب والوں کو پہونچی تھی اُن کے کان کھولدیئے تھے اور اسکا نتیجہ صرف یہی نہ ہوا کہ اُنھوں نے محض کسی قدر دینی اور ادبی (لٹریری) ترقی پر بس کیا ہو؟ نہیں۔ بلکہ اس حادثہ نے عرب کے ملک میں بہت سے ایسے آدمی پیدا کر دیئے جو سپہ سالاری۔ انتظامی قوت اور حکمرانی میں نامور ہوئے اور بعد میں اسلام کے نہایت تیزی کے ساتھ پھیلنے میں اُنکے وجود کا بہت کچھ اثر ہوا۔ اسکی بھی وہی صورت ہے جیسی کہ ملک فرانس کی بدامنی نے نپولین بوناپارٹ اور اُسکے قوت بازو افسروں کو پیدا کیا۔

اسکے علاوہ کچھ "عام الفیل" ہی میں اُنکے اُتھان کی ابتدا نہ ہوئی تھی بلکہ یہ ترقی اور اصلاح کی حالت اُسی وقت سے شروع ہوچلی تھی جبکہ حبش والوں نے یمن پر حملہ کیا ہے اور اُنکے حجاز کی جانب پیش قدمی کرنے پر وہ ترقی کی صورت کامل طور پر جلوہ گر ہوگئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ کچھ یہی سبب کیوں نہ ہو۔ مگر یہ ضرور ہے کہ عرب کے ملک میں اسلام سے کچھ زمانہ قبل سے ایک قسم کی لٹریری اور دینی ترقی کا اقدام (آغاز) ہو رہا تھا اور یہ صورت گویا قبول اسلام کی تمہید تھی اور اوسکی امداد پر آمادگی عیان کرنیکا مقدمہ اور اس قسم کی تحریکیں اکثر حالتوں میں دینی دعوتوں سے پہلے

پیدا ہو جایا کرتی ہین تاکہ لوگون مین اُس مذہبی اور روحانی دعوت کے قبول کر سکنے پر آمادگی وصلاحیت پیدا ہو جائے یہہ ایک قدرتی قانون ہے۔

اسلام کی دعوت

جس وقت نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) صاحب شریعت اسلامی نے ظاہر ہو کر لوگون کو توحید کی جانب بلایا ہے اُس وقت حجاز کی یہ حالت تہی جو ہم اوپر بیان کر آئے ہین۔ نبیؐ موصوف نے ۶۱۰ عیسوی مین جبکہ اُنکی عمر چالیس سال کی تہی اس دعوت کا اعلان کیا۔ اس موقعہ پر اُنکے تمام اوصاف و عادات کے بیان کرنے کی گنجایش نہین ہے البتہ ہم صرف اُس قدر حالات بیان کئے دیتے ہین جنکا تعلق اس مضمون سے ہے کیونکہ ہمین ایسے اسباب کا بھی ذکر کرنا پڑے گا جنہون نے اس دعوت کے ظہور کا ساتھ دیا اور اسکی اشاعت مین امداد کی۔

صاحب دعوت اسلامی اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے۔ اور جس وقت آپ کی عمر صرف چھہ سال کی تہی۔ والدہ ماجدہ نے بھی دنیا سے رحلت کی۔ اسکے بعد آپکی کفالت آپکے دادا عبدالمطلب نے کی۔ کعبہ شریف کی خدمتون مین سے سقایہ (سبیل) اور رفادہ کی خدمت عبدالمطلب ہی کے سپرد تہی اور قریش اسکے گہرانے مین اُنکا بہت بڑا مرتبہ تہا۔ لیکن دو ہی سال کے بعد اُنہون نے بھی وفات پائی اور نبیؐ اسلام کی پرورش اور پرداخت اونکے چچا ابوطالب نے اپنے ذمہ لی۔ ابوطالب وجیہہ اور معزز آدمی تہے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُنکے گھر مین مثل اُنکے ایک بیٹے کے پرورش پاکر جوان ہوئے۔ ابوطالب بھی اور قریشی لوگون کی طرح تجارت پیشہ تہے۔ اسلئے جب وہ بغرض تجارت کہین سفر کو جاتے تو حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اپنے ساتھ لیجاتے۔ چنانچہ آنحضرتؐ تہوڑی ہی عمر کے زمانہ سے نیک چلنی سمجھداری۔ اور عمدہ عادتون اور سچی خوبیون کے ساتھہ مشہور عام ہو گئے جسکی وجہ سے اہل قریش نے اُنہین "امین" کا لقب دیا تہا۔ وہ تمام مکہ مین اس لقب کے ساتھہ مشہور و معروف ہوئے تو بی بی خدیجہؓ بنت خویلد کو جو صاحب مال و منال اور بڑی تاجرہ تہین انکے حالات کی اطلاع ہوئی اُنہون نے آپ کو بلوا کر اپنا مال بغرض تجارت سپرد کیا۔ انہون نے اپنی خوش معاملگی سے تہوڑی ہی مدت مین بہت سا نفع حاصل کیا۔ بی بی خدیجہؓ کو اونکی دانائی اور کارگزاری بہت پسند آئی اور اُنہون نے آپ سے

نکاح کا پیغام دیا آنحضرتؐ نے اُن سے نکاح کر لیا اور اُنکی دولت سے فایدہ اُٹھاکر اطمینان حاصل کیا۔ اب وہ خوش حال ہو گئے تھے اور مکہ کے تمام لوگ اونکو عزیز رکھتے اور اُنکی حرمت کرتے تھے۔

جس وقت آپ کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو وہ لوگون سے کنارہ کش اور گوشہ نشینی کیجانب مایل ہوئے پہاڑون کے غارون مین جاکر عبادت کرنے لگے۔ جیسے تارک الدنیا گوشہ گزینون کی عادت ہوتی ہے۔ اُسی سال کے ماہ رمضان مین وہ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر کوہ حرا کے غار مین رہتے تھے اور بی بی خدیجہؓ بھی اُنکے ہمراہ تھین کہ اسی مہینے مین اُنھون نے پہلا خواب دیکھا اور جلد جلد اپنی بیوی کے پاس آکر اُنسے کہا کہ اُنھین جبرئیل دکھائی دیئے اور اشارہ کیا کہ یہ آیت پڑھین "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ الآیۃ" جبکو اُنھون نے پڑھا اور یہ صورت بھی پیش آئی کہ جب وہ غار سے باہر نکلکر پہاڑ کے وسط مین آئے تو اُنھون نے ایک آسمانی آواز کو یہہ کہتے ہوئے سُنا کہ "اے محمدؐ تم خدا کے رسول ہو اور مین جبرئیل ہون"۔ اس آواز کو سُنکر وہ لرزنے لگے اور خوف زدہ ہوکر دوڑے ہوئے خدیجہ رضہ کے پاس گئے اور اُنھین اس واقعہ کی خبر دی خدیجہؓ کے ایک چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل نامی کتب سماوی کے بڑے عالم اور اہل تورات و انجیل کی صحبت کا فیض اُٹھائے ہوئے شخص تھے۔ مکہ مین مذہب اور نبوتون سے متعلق اُنکے جید عالم ہونیکا شہرہ تھا۔ بی بی صاحبہ اُنکے پاس گئین اور واقعہ مذکورہ کی اطلاع کی۔ ورقہ بن نوفل نے کہا "جسکے ہاتھ مین ورقہ کی جان ہے اُسی کی (خدا کی) قسم کہ اگر اے خدیجہؓ تو مجھسے سچی بات کہہ رہی ہو تو بلاشبہ وہ ناموس اکبر آیا تھا جو موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا اور کوئی شک نہین کہ محمدؐ اس امت کا نبی ہے"۔

بی بی خدیجہ حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس واپس آئین اور ورقہ کی گفتگو سے اُنھین مطلع کیا جسے سُنکر اُنکا دل مطمئن ہوا اور وہ شہر مکہ مین واپس آگئے۔ مگر حالت یہ تھی کہ اُنھین اپنی دعوت کا اعلان کرنیکی جرأت نہ پڑتی تھی۔ اولاً وہ جانتے تھے کہ ایسا کرنے مین چونکہ قریش کے معبودون اور اُن کے بتون کے عیب بیان کرنے ہونگے اور اُن بتون کی وقعت کی جانیسے اُنکی تمام عزت و حرمت دولت و تجارت خاک مین ملجائے گی اور اُنکی ساری امیدون کا خون ہو جائیگا جسکی وجہ سے وہ تباہی مین مبتلا ہونگے اسلئے چاہتے تھے کہ اظہار دعوت کرین مگر ہمت نہ بندھتی تھی۔ ثانیاً اُنھین یہ بھی توقع نہ تھی کہ اگر وہ قریشیون یا اہل مکہ کو اپنا نبی مرسل ہونا جتائینگے تو وہ لوگ اونکو سچا سمجھینگے۔ ان وجوہ سے اُنھون نے خفیہ طور پر اندر ہی اندر اپنی دعوت پھیلانے کا قصد کیا اور اپنے سب سے زیادہ نزدیکی لوگون مین اسکی ابتدا کی تین سال اسی صورت پر گزرے اس مدت مین بہت تھوڑے

لوگ اُن کے گرد جمع ہوئے۔ منجملہ اونکے ایک علیؓ بن ابی طالب اُنکے چچا کے بیٹے تھے جو اُس وقت تیرہ ہی تھے۔ اور ابوبکر صدیقؓ جو قریش کے وجیہہ لوگون مین سے تھے اور ابو عبیدہؓ بن الجراح وغیرہ۔ پھر اُنھون نے پہلے بندون لوگون کو اسلام کی جانب بلانیکا ارادہ کیا اور اس شکل کی ابتدا خاص اپنے کنبے سے کی۔ اپنے چچیرے بھائی علیؓ بن ابی طالب کو حکم دیا کہ خاندان کے لوگون کی دعوت کرین اور اپنے چچاؤن اور اونکی اولادون کو بُلائین جو تقریباً چالیس شخص تھے۔ علیؓ نے اُن لوگون کو اپنے والد ابی طالب کے گھر مین بُلایا۔ جب وہ سب کھانا کھا چکے تو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن سے کچھ کہنا چاہا۔ اُن کے کنبہ والون کو اُنکے خفیہ طور پر ہدایت اسلام کرتے رہنے کا حال معلوم ہو چکا تھا اور وہ سب اُنھین بگاہ حقارت دیکھتے تھے۔ جب آپ کچھ فرمانے پر آمادہ ہوئے تو وہ سمجھ گئے کہ یہ اب ہم لوگون کو بھی بتون کے چھوڑ دینے اور خدائے واحد کے عبادت کرنیکی ہدایت کرینگے۔ اسلئے اون کے چچا ابولہب نے جو اُنکا سخت مخالف اور تکلیف دینے والا تھا جلدی سے اُنھین چپ کرا دیا وہ خاموش ہو گئے۔ اور لوگ اپنے اپنے گھرون کو چلے گئے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ کہہ نہ سکے لیکن وہ بددل نہین ہوئے اور اونکے استقلال مین کچھ کمزوری نہ آئی بلکہ اُنھون نے دوبارہ اُنکو دعوت دی اور دلمین ٹھان لیا کہ اس دفعہ اپنا خیال ضرور ظاہر کرینگے۔ بس وقت سب مہمان کھانے سے فارغ ہو چکے تو آنحضرتؐ نے فرمایا "مین نہین جانتا کہ عرب مین کوئی آدمی اپنی قوم کے لئے اُس چیز سے بڑھکر سوغات لایا ہو جو مین تمہارے لئے لایا ہون۔ اسمین شک نہین کہ مین تمہارے واسطے دین و دنیا کی بھلائی لایا ہون اور خدا نے مجھکو حکم دیا ہے کہ مین تمہین اُسکی جانب بُلاؤن۔ اب تم لوگون مین سے اس معاملہ مین کون شخص میری مدد کریگا تاکہ مین اُسے تم میں اپنا بھائی اور وصی اور خلیفہ بناؤن"۔ بنو عبدالمطلب یہ گفتگو سُنکر چپ بیٹھے رہے۔ اُنکا یہ تمام سکوت بخیال حقارت تھا۔ لیکن علیؓ آگے بڑھے اور اُنھون نے کہا "اے نبی اللہ مین آپکا وزیر ہونگا"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کی گردن پکڑکے ارشاد فرمایا "تمہاری جماعت مین یہ میرا بھائی اور وصی اور خلیفہ ہے اسکی بات مانو اور اسکی اطاعت واجب جانو"۔ یہ کلام سُننے کے بعد بنو عبدالمطلب ہنستے ہوئے اُٹھے اور ابی طالب سے کہنے لگے "لیجے آپکے بھتیجے صاحب آپ کو حکم دیتے ہین کہ اپنے بیٹے کی اطاعت اور فرمانبرداری کیجیو!!" یہ کہتے ہوئے واپس چلے گئے۔ مگر اُن کے اس حقارت آمیز برتاؤ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادون مین کوئی کمزوری نہین آنے دی اور نہ اونکو اپنی قوم سے الگ ہونیکی ترغیب دی بلکہ بجائے اسکے کہ وہ ڈرکر اور پہلو بچاکر یہین تک بس کرتے اور خموش بیٹھ رہتے اُنھون نے دل کھولکر برسر عام بتون کو بُرا کہنا اور اپنے خاندان والون اور بزرگون

کو گمراہ و کافر کہنا شروع کر دیا۔ بنو عبدالمطلب کو معلوم ہوا کہ اب تو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے علانیہ بتوں کو برا کہنا شروع کر دیا ہے تو وہ متفق ہو کر انکی عداوت پر تُل گئے اور انہیں اذیت دینے کا ارادہ کیا لیکن چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابی طالب کی کفالت میں تھے۔ لہٰذا وہ لوگ اپنے اس مدعا میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے تاہم وہ ابی طالب کے پاس آئے۔ ابوسفیان (معاویہ کا والد) بھی اُن کے ہمراہ تھا اور اونہوں نے کہا۔ "ابا طالب! تمہارے بھتیجے نے ہمارے دین میں عیب نکالا ہے ہمارے احلام کو سفاہت قرار دیا ہے۔ اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ بنایا ہے تم اُسے منع کر دو کہ وہ ہم سے ایسی باتیں نہ کہے ورنہ اوسکا ساتھ چھوڑ دو ہم خود اُس سے سمجھ لینگے" ابوطالب نے اُس وقت اُن لوگوں کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیا اور اُن سے کہدیا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فہمایش کر دونگا۔

مگر پھر بھی قریشیوں نے آنحضرتؐ کو برا برا اپنے دیوتاؤں کے حق میں بُرا ہی کہتے دیکھا۔ وہ لوگ دوبارہ ابی طالب کے پاس پہونچے اور نہایت غیظ و غضب سے کہنے لگے "اگر تم اپنے بھتیجے کو منع نہ کروگے تو ہم تمسے اور اُس سے لڑینگے یہانتک کہ مارینگے یا مرینگے" ابی طالب کو یہ بات شاق گزری اور اسکے نتیجہ کو وہ سمجھ گئے کہ بہتر نہ ہوگا جس وقت اہل قریش اُنکے پاس سے چلے گئے تو وہ اپنے بھتیجے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے بولے "پیارے بھتیجے تمہاری قوم کے لوگ آج ایسی ایسی بات کہہ گئے ہیں" حضرتؐ کو گمان ہوا کہ چچا میرا ساتھ چھوڑ دینگے اس خیال سے اُنہیں صدمہ گزرا اور اونہوں نے جواب دیا "چچا صاحب! اگر وہ لوگ میری داہنی طرف آفتاب اور بائیں طرف ماہتاب لا رکھینگے تب بھی میں اس بات کو نہ چھوڑونگا" اور روتے ہوئے واپسی کا قصد کیا۔ اُن کے چچا نے یہہ حالت دیکھکر اُنکو بُلا لیا اور کہا "جو دل چاہے کہے جاؤ واللہ میں قیامت تک بھی تمہیں اُنکے ہاتھوں میں نہ دونگا"

اس اثنا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور دعوت آہستہ آہستہ پھیلتی جاتی تھی چیدہ چیدہ لوگوں کی ایک مختصر جماعت مشرف باسلام ہو چکی تھی جنکی اسلامی تاریخ میں بڑی شان و عظمت ہے انہیں لوگوں میں سے چند یہہ بھی ہیں۔ ابوبکر صدیق۔ عثمانؓ بن عفان۔ زبیرؓ بن العوام۔ عبدالرحمانؓ بن عوف۔ حمزہؓ بن عبدالمطلب اور عمرؓ بن الخطاب۔ مگر ان دو پچھلے شخصوں کے اسلام لانے کی نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کو بہت خوشی ہوئی کیونکہ یہہ دونوں وجیہہ اور زور آور لوگوں میں سے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور سب چچا اور کنبے کے لوگ جب اس بات سے ناامید ہو گئے کہ ابی طالب کے

ذریعہ سے کوئی کام بنجائے گا تو اُنہون نے خود ہی سلوک اور آشتی کے ساتھ آنحضرتؐ کو راضی کرنیکی ایک چال چلی اور اون مین سے بڑے بڑے لوگون نے مذوہ مین جمع ہوکر آپ کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو بڑی خاطر اور تپاک سے اُنہین ہاتھون ہاتھ لیا اور اُن سے کہا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ! ہم نے تمسے کچھ کہنے کیلئے تمکو یہان بلایا ہے سُنو۔ واللہ ہمکو عرب کے تمام ملک مین کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہین معلوم ہوتا جس نے اپنی قوم پر ایسی بلا نازل کی ہو جیسی کہ تم نے اپنی قوم پر آفت ڈھائی ہے اور اُسے ذلیل بنایا ہے۔ تم نے باپ دادون کو گالیان دی ہین دین مین عیب نکالے ہین دیوتاؤن کو بُرا کہا ہے اسلام کو سفیہہ قرار دیا ہے اور گروہ کی متحدہ قوت کو توڑ دیا ہے غرضیکہ کوئی بُری بات ایسی نہین رہگئی جسکو تم ہمارے اور اپنے مابین نہین کر چکے (یعنی ہم سے کوئی بُرائی کرنیکو اُٹھا نہین رکھی) اگر ان باتون سے تمہاری غرض طلب مال ہو تو ہم سب ملکر اپنے مال و متاع مین سے تمہین اس قدر جمع کر دیتے ہین کہ تم ہم سب سے بڑھکر مالدار ہو جاؤ۔ اگر ہمارے قبیلہ مین شرف و عزت کا خیال ہے تو ہم تمکو اپنا سردار بنالین۔ بادشاہت کا خیال ہو تو اپنا بادشاہ مان لین۔ اور اگر یہ صورت جو تمکو پیش آیا کرتی ہے جنون اور دیوانگی کے قسم سے ہو تو ہم کسی حاذق طبیب کی تلاش مین اپنے اپنے مال کو خرچ کرنے پر تیار ہین تمہارا علاج کرائینگے جس سے تمکو صحت ہو جائیگی اور صحت نہوئی تو پھر تمکو اس معاملہ مین معذور خیال کیا کرینگے"

حضرتؐ نے اسکے جواب مین فرمایا :- "نہ تو میری وہ حالت ہے جو تمنے بیان کی اور نہ میرا مقصود مال و منال اور جاہ و عزت کی طلب ہے۔ بلکہ خداوند کریم نے مجھکو پیامبر بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ مجھپر ایک کتاب اُتاری ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمکو اُسکے انعام کی خوشخبری دون اور اُسکے عذاب سے ڈراؤن۔ لہذا مین اپنے پاک خدا کے احکام تمہین پہونچاتا اور نصیحت کرتا ہون۔ اگر تم میری بات اور رسالت کو قبول کر لوگے تو یہ امر تمہاری دنیوی و اُخروی بہتری کا سبب ہوگا۔ ورنہ اگر میرے قول کو رد کر دوگے تو مین اُس وقت تک صبر کرونگا جبتک کہ خود اللہ پاک میرے اور تمہارے معاملہ کا کوئی فیصلہ نہ کر دے"

اہل قریش نے آنحضرتؐ کو ہدایت اسلام سے روکنے مین اپنی کوششین ضایع ہوتی دیکھکر ایک نیا طرز اختیار کیا اُنہون نے مسلمانون کو جو بہت تھوڑی تھے ستانا اور طرح طرح سے دق کرنا شروع کر دیا پہلے تو مسلمانون نے اُن ظلمون اور تکلیفون کو جو اُنہین قریش کے ہاتھون سے پہونچتی تھین صبر کے ساتھ سہا لیکن کہانتک برداشت کرتے آخر تنگ آ گئے۔ اور قریش کی سخت اذیتون اور قسم قسم کی اہانتون کے تحمل سے عاجز ہو گئے۔

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہہ حالت دیکھکر اُن مسلمانون کو جنکا کوئی کنبہ نہ تہا کہ اُنہین دشمنون سے بچاتا حکم دیدیا کہ مکہ سے نکلکر ملک حبش کو چلے جائین۔ اُن بیچارون نے آگے پیچھے ترک وطن کیا اور ملک حبش کو چلے گئے مہاجرین کی تعداد عورتون اور بچون کے علاوہ صرف (۸۳) تراسی مردون تک پہنچی تہی اور یہہ پہلی ہجرت (ترک وطن) تہی جو آغاز اسلام مین ہوئی۔ یہہ بیان کرنے کی حاجت نہین کہ مکہ سے حبش کا سفر کرنے مین کس قدر دقتون کا سامنا کرنا ہوتا ہے کیونکہ خشکی کے راستہ کو طے کرکے دریائی سفر کی مصیبت جھیلنی پڑتی ہے۔ اور خاصکر اُن دنون مین تو یہ سفر اور بہی تکلیف دہ ہوگا۔ اور ان سب باتون پر طرہ یہ کہ اسباب مال و دولت اور بال بچون کا ساتھہ لیجانا۔ کس قدر دقتون کا سبب رہا ہوگا یہ بات اسپر دلالت کرتی ہے کہ اُن لوگون کے دلون مین اسلام کا اعتقاد کس مضبوطی سے جما ہوا تہا۔

دعوت اسلام کی تاریخ مین مدت دراز تک مطالعہ کرتے رہنے اور غور کرنے سے جو بات ہماری خیال مین جم گئی ہے اُسکے بیان کرنیکے لئے ہمین اس مقام پر تہوڑی دیر کے واسطے اصل مدعا کے بیان سے رُکجانا اور روئے سخن دوسری جانب پھیر لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہمارا وہ خیال حسب ذیل ہے:-

بعض غیر مسلم مؤرخون نے کہا ہے کہ صاحب شریعت اسلامی سرداری اور وجاہت دنیاوی کی طمع مین اس دعوت پر اُٹھے تہے۔

مگر ہم اس قول کی گنجایش نہین پاتے خود دعوت اسلام کی تاریخ صاف صاف دلالت کر رہی ہے کہ پیغمبر اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) بالکل سچائی اور اخلاص کے ساتھہ اس ہدایت پر آمادہ ہوئے تہے۔ وہ اپنی رسالت کی صحت کا یقین کامل رکھتے تہے اور لوگون کو اس خیال کے ساتھہ اسلام کی ہدایت کرتے تہے کہ حق سبحانہ تعالےٰ نے اُنہین اسکی اشاعت کے لئے بھیجا ہے۔ اگر اُنکا یہ خیال نہ ہوتا تو وہ اُن قسم قسم کی تکلیفون اور اذیتون پر جو اس دعوت کی راہ مین اُنہین پہنچین صبر نہ کرتے۔ پھر یہ بہی معلوم ہوچکا ہے کہ اسلام کی ہدایت شروع کرنے سے پہلے وہ تمام اہل مکہ کے نزدیک قابل عزت تہے مکہ کے رہنے والے سب کے سب انہین دل سے عزیز رکھتے اور اُنکی حرمت کرتے تہے۔ اور بی بی خدیجہؓ سے نکاح کرکے اُن کے مال سے تجارت کرنیکی باعث وہ کافی طور پر مالدار اور آرام کی امیرانہ زندگی بسر کرنیکے قابل ہوگئے تہے۔ مگر ہدایت اسلام کو ظاہر کرنیکے بعد ہی وہ سب کی نظرون مین کھٹکنے لگے وہی مکہ کے لوگ جو پہلے اُنکی خاطر کرتے تہے اب اُنکے سخت دشمن اور خون کے پیاسے ہوگئے تہے۔ طرح طرح کی تکلیفین دیتے اور ایذا دیتے رہنے۔ اور اسی پر بس نہین کیا۔

بلکہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قرابتمند ہونیکی وجہ سے بنی ہاشم کے بھی دشمن بنگئے اور اپنے جتھے مین یہ عہد و پیمان کرلیا کہ بنی ہاشم کے کُنبہ مین شادی بیاہ نہ کرینگے اور اُنکے ساتھہ خرید و فروخت کرنا بند کردینگے اس کے متعلق ایک اقرارنامہ لکھکر کعبہ کے اندر باحتیاط رکھدیا جسکی وجہ سے بنو ہاشم مکہ سے نکلکر پہاڑون مین پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور تین سال تک کو ہستانی درون مین مقیم رہے۔ اگر مکہ مین آتے تو چھپکر آتے تاکہ کسی کو خبر نہو سکے۔ البتہ بنو ہاشم مین سے جن لوگون نے اہل قریش کا ساتھہ دیا تھا اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عداوت کا اظہار کیا تھا وہ ان باتون سے بری رکھے گئے۔ مثلاً ابی لہب وغیرہ۔

پس نظر بحالات بالا یہ اعتراض ٹھیک نہین ہو سکتا کہ "نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنے چچا ابی طالب کی حمایت مین ہونے کے باعث ثابت قدم رہ سکے ورنہ ممکن نہ تھا کہ اس قدر استقلال دکھاتے" کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ آنحضرتؐ اپنے چچا کے انتقال کے بعد پہلے سے بھی بڑھکر استقلال و استقامت کے ساتھہ ہدایت حق کا کام انجام دیتے رہے اور لوگ بہ نسبت پہلے کے اب اُنہین بہت زیادہ تکلیفین دیتے تھے۔ خصوصاً بی بی خدیجہ رضؓ کے انتقال کے بعد تبلیغ اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) کو جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا وہ ناقابل بیان تہین۔

ان دونون حامیان نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہجرت سے تین سال پہلے ہوگیا تھا۔ انکی وفات سے جو پے در پے مصیبتین نازل ہوئین اُنکے علاوہ سخت آفت قریش والون کا ظلم و ستم تھا اور خاص کر خود نبیؐ کے چچا ابولہب اور حکم بن العاص اور عقبہ بن ابی معیط کے مظالم کیونکہ یہ تینون اُنکے پڑوسی تھے اور گھر سے گھر ملے ہوئے ہونیکی وجہ سے اُنکے کہانے پینے کی چیزون مین غلاظت پھینکتے۔ اور جب وہ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو خود اُنپر گندگیون کی بوچھار کرتے۔ یہان تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سختی اور ستم پر صبر نہ کرسکے تو اس خیال سے کہ شاید وہان کوئی شخص حق کی امداد اور اُنکی ہدایت قبول کرنے پر آمادہ ہو سکے طائف کو چلے گئے۔ وہان بھی اُسی قسم کا سلوک ہوا دیکھکر واپس ہوئے لیکن اپنی ہدایت مین سے ایک حرف بھی کم نہ کیا۔ طائف والون نے اسی پر بس نہین کیا کہ آپ کی بات نہ سُنی بلکہ اُنہون نے اپنے یہان کے بدمعاشون اور غلامون کو ابھارا کہ وہ لوگ آنحضرت کو گالیان دین اور اونکے پیچھے پیچھے ہو ہا کا شور مچاکر اُنہین دق کرین جسکو وہ لوگ بجالائے یہان تک کہ بہت سے آدمی اکٹھے ہوگئے۔ اور اونہون نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دیوار کی پناہ مین لیکر اون بدمعاشون کو دور کیا۔ حضرتؐ نے اِس حالت کو دیکھکر سمجھ لیا کہ وہ کیسی سخت مصیبت مین مبتلا ہین۔ اُنہون نے اپنے معاملہ مین خدا سے فریاد کی اور مکہ کو پلٹ آئے ان پریشانیون سے بھی اُنکے پختہ ارادے مین کوئی تغیر پیدا نہ ہوا

مکہ مین اُنہین پہر اپنی قوم سے سابقہ پڑا جواب پہلے سے کہین بڑہکر اذکو آزار دیتے تہے - اُنہون نے اس واپسی کے بعد اپنی حالت کا اندازہ کیا تو اونہین معلوم ہوا کہ اپنے اور بیگانے تمام لوگون نے اُنہین چہوڑ دیا ہے اور سب اونکے جانی دشمن بنگئے ہین - وہ بخوبی جانتے تہے کہ اگر مین ہدایت کرنا چہوڑ دون تو میرے ہموطن اور عزیز مجھسے بیحد رضامند ہوجائینگے اور جیسی چاہئے ویسی خاطر سے پیش آئینگے کیونکہ وہ لوگ بارہا صاف صاف اس بات کو کہہ چکے تہے - مگر اونہون نے ان باتون کی ذرا بہی پروا نہین کی - اس تمام استقلال اور مصیبتون کے بخوشی برداشت کرنے پر بہی ترک ہدایت نہ کرنیسے اسکے سوا اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کو اپنے دعوے کی سچائی اور اپنے مرسل من اللہ ہونیکا یقین کامل تہا - +

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عزیزون اور ہموطنون کے راہ راست پر آنے سے ناامیدی ہوگئی اُنہون نے حج کے دنون مین باہر سے آنیوالے قبائل کو وعظ و نصیحت شروع کی اور انہین اسلام کی جانب بلانے لگے تاکہ شاید کوئی شخص تو اُنکی آواز سن لے - اُنکے کُنبے والے اس کام مین بہی رکاوٹ ڈالنے پر تیار ہوگئے خاصکر اونکا چچا ابولہب اُسکی تو یہ حالت تہی کہ جب اور جہان آپ کو کسی قبیلہ سے اسلام کے بارہ مین کچہہ کہتے دیکہتا تو اُنکی بات کاٹ دیتا اور لوگون سے کہتا "یہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمسے لات و عزیٰ کی پرستش چہوڑا کر تمہین گمراہی و بدعت کی دعوت دینا چاہتا ہے جو اُس نے خود نکالی ہین - خبردار اسکی بات کبہی نہ سننا" مگر آنحضرتؐ کو ان باتون نے لوگون کی ہدایت سے باز نہ رکہا وہ ہمیشہ حج کے دنون مین دعوت اسلام فرماتے رہے یہان تک کہ آخر کار یثرب کے رہنے والون مین سے چند شخصون نے اُنکے ہاتہہ پر بیعت کی اور وہ لوگ تہوڑی ہی مدت مین اُس شخص کے اندر اشاعت اسلام کا ذریعہ بنگئے - ممکن ہو کہ یثرب مین اسلام کی تیزی سے پہیلنے کا سبب یہ ہوا کہ یہودی وہان بکثرت آباد تہے - کیونکہ وہ اہل کتاب اور وحی آسمانی کے معتقد تہے نبوت کے معنی کو سمجہتے تہے - اُن مین ایسا شخص کوئی بہی نہ تہا جو بتونکی عبادت کے زایل ہوجانے سے کاروبار تجارت کے بگڑ جانے کا خوف کہاتا ہو بلکہ وہان کے لوگ بتون کی عبادت مٹنے کو اس لحاظ سے بہتر جانتے تہے کہ اُسکے ساتہہ ہی مکہ کا عروج جاتا رہیگا اور اُنکے شہر کو رونق حاصل ہوگی - بالخصوص جبکہ خود ہادیٔ اسلام وہان آگئے اور وہ نئے مذہب کا مرکز بنگیا جسکی وجہ سے لوگ بجائے مکہ کا حج کرنیکے مدینہ کی زیارت کو آنے لگے - دولت کمانیکے معاملات اور تجارت کے اصول مین یہودیون کی مناسبت طبع اور ہوشیاری مشہور عام ہے - علاوہ برین مکہ اور یثرب ان دونون شہرون مین جو باہمی چشمک اور ایک دوسرے سے بازی لیجانے اور باہم حسد رکہنے کے اسباب موجود تہے وہ بہی اس امر کا

باعث ہوئے کہ مدینہ مین اسلام کو رونق حاصل ہو کیونکہ مکہ کے رہنے والے عدنانی تہے اور مدینہ کے باشندے قحطانی نسل سے یعنی یمن کے عربون کی اولاد تہے۔ اسی لئے مدینہ والون نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمت دلائی اور اُن سے یہہ وعدہ کیا کہ آپ ہمارے یہان آئین ہم آپ کی مدد کرینگے۔ غرضیکہ آنحضرت نے ۶۲۲ء عیسوی مین مدینہ کی جانب ہجرت کی اور اُنکے ساتھہ ہی ساتھہ اُن لوگون نے بہی اپنے وطن کو چہوڑ دیا جو آپکے کُنبہ مین سے آپ پر ایمان لائے تہے۔ یہ لوگ صحابہ کے دوسرے گروہ "انصار" سے تمیز رکہنے کیلئے "مہاجرین" کے نام سے مشہور ہوئے۔ مدینہ والون کا نام "انصار" اسلئے ہوا کہ اُنہون نے اپنے شہر مین نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی مدد کی اہل اسلام اپنے واقعات کی تاریخ آجتک اسی ہجرت کے ساتھہ لکہتے ہین۔

مسلمانون کو مدینہ مین نہایت عمدہ طور سے ہاتہون ہاتہ لیا گیا جس سے اُنکی امیدین تازہ اور اُنکے دل مضبوط ہو گئے۔ وہ مکہ والون سے اُن کے ظلم وستم کا بدلہ لینے پر متوجہ ہوئے۔ اور ان دشمنان اسلام سے وقتاً فوقتاً کئی لڑائیان لڑے۔ ان جنگون کا نام "غزوات" مشہور ہے۔ ان مین سب سے بڑا "غزوہ بدر" تہا جس مین مسلمانون کو کامل فتح نصیب ہوئی اور یہی فتح اُنکے لئے دوسرے جنگون مین فتحیابی کا نیک شگون تہی۔ رفتہ رفتہ مسلمانون نے تمام جزیرۂ عرب کو سر کر لیا۔ شہر مکہ بہی فتح ہو گیا۔ اور قبیلہ قریش کے تمام لوگ ایمان لے آئے۔ اس اندرونی انتظام کے بعد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خارجی دنیا کی جانب توجہ کی اور بادشاہان عالم کو اسلام کی دعوت کے خطوط لکہے جسکے حالات تواریخ مین موجود ہین اور اپنے موقع پر ہم بہی بیان کرینگے۔ +

ظہور اسلام کے وقت رومیون اور فارسیونکی حالت

۷۵۳ء قبل مسیح مین روملس الکبرا کی بُنیاد پڑی اور اوسکے ساتھہ ہی ساتھہ رومانی سلطنت کا وجود قایم ہوا ایک ہزار پچاس سال تک شہر رومیہ اس سلطنت کا پایۂ تخت رہا اور اس عرصہ مین رومانی حکومت کا دور دورہ زورون پر رہتا یہانتک کہ اُس نے تمام آباد دنیا کو فتح کر لیا تہا۔ ۳۳۰ء عیسوی مین پایۂ تخت "بیزانتیوم" مین منتقل ہوا چونکہ قسطنطین کبیر (اعظم) اس نقل مکان کا باعث ہوا تہا۔ لہذا اُس نے اس تخت دار السلطنت کا نام اپنے نام پر "قسطنطنیہ" رکہا اور آجتک اُسکا یہی نام ہے۔ ۳۳۷ء مین قسطنطین اعظم کی موت کے بعد اُسکے تین بیٹون نے ملک کو آپسمین تقسیم کر لیا تہا۔ لیکن اسکے بعد وہ تمام ملک ہر پہر کر ایک ہی لڑکے کے پاس آگیا جسکی وفات

سنہ ۳۶۳ء مین ہوئی۔ اسکے بعد یولیان تخت نشین ہوا۔ اور یولیان کے بعد سنہ ۳۶۴ء مین جوفیان نامی مالک تخت وتاج ہوا۔ اتفاقاً چند ہی مہینون کے بعد یہ بھی مرگیا اور چونکہ کوئی وارث نہ تہا لہذا رومانی قوم نے کثرت رائے سے والنتیان نامی ایک شاہنشاہ انتخاب کیا۔ والنتیان نے اپنے انتخاب کے بعد کچھ عرصہ بھی نہین گزرا تہا کہ رومیہ کا شاہنشاہ اپنے بہائی والنس کو بنادیا۔ اس واقعہ کے بعد رومن امپائر کے دو علیحدہ علیحدہ حصے ہو گئے جن مین سے ایک حصہ شرقی رومن امپائر کا تہا اسکا دارالسلطنت قسطنطنیہ رہا۔ اور دوسرا حصہ مغربی رومن امپائر کا جسکا پایۂ تخت قدیم یعنی رومیہ باقی تھا۔ مگر اول الذکر حصہ کی عمر اور شان وشوکت دونون باتین آخر الذکر سے زیادہ ہوئین۔ اور قسطنطنیہ علم وحکمت کا گہر سلطنت کا مرکز اور مذہب کا مرجع بنگیا۔

مشرقی رومن امپائر کی حدود اربعہ پانچوین صدی عیسوی مین حسب ذیل تہین:۔

مغرب مین بحیرۂ ایڈریاٹک۔ مشرق مین دریائے دجلہ کے سواحل شمال مین بالائی حصۂ ملک تاتار۔ اور جنوب مین اسکی حدود ممالک حبشہ تک وسیع تہین قسطنطین اعظم کے بعد اس سلطنت کو سب سے بڑھکر ترقی کا زمانہ اُس وقت نصیب ہوا ہے جبکہ اسکی حکومت قیصر یوستینیانوس کے قبضہ مین آئی (یعنی سنہ ۵۲۷ء لغایت سنہ ۵۶۵ء) یہ قیصر ۳۹ سال حکمران رہا۔ اپنی حکومت کے ابتدائی پانچ سال ساسانی بادشاہان فارس کے ساتھ جنگ مین بسر کئے اور یہ جنگ ایک ایسے عہدنامہ ہونے پر تمام ہوئی جسکا نام دائمی صلح کا معاہدہ رکھا گیا تہا۔ اگرچہ بعد کو وہ صلح قایم نہ رہی اس قیصر کو خوش قسمتی سے ایک نہایت دلیر اور مدبر جنرل بلیزاریوس نامی ملگیا تہا جو دنیا کے مشہور فاتحین مین سے گزرا ہے۔ اس جنرل نے اُسکے لئے ایطالیا کو فتح کیا۔ روم تہ الکبیر کی فصیلون پر اُسکا پہریدار بنا۔ اور شمالی افریقہ وغیرہ ممالک کو سخر کیا۔ غرضکہ بلیزاریوس قیصر یوستینیانوس کا فتوحات ملکی مین دست وبازو اور اُسکی تلوار کو وسیع کرنیمین ہمہ طور معین ومددگار رہتا۔

فارس اور روم (اور یونان) کے رہنے والون مین قدیم سے عداوت چلی آتی تہی۔ شاید کہ پانچ صدی قبل از ولادت مسیح اسکا وجود ہوا تہا۔ اسکا اصلی سبب دنیاوی حکومت کی خواہش تھی کیونکہ اُن دنون یہی دونون سلطنتین دنیا کی سب سے بڑی سلطنتین تہین۔ اسلئے ان مین سے ہر ایک دوسرے کے مقابل اپنے عروج اور زیادتی ملک کی خواہشمند رہتی تہی۔ اس دشمنی کا سلسلہ سکندر اعظم کے زمانہ تک اور اسکے بعد رومانیون کے عہد حکومت مین اسلام کے عہد تک قایم رہا۔ +

قیصر یوستینیان کے زمانہ مین جسکا ذکر اوپر آچکا ہے فارس کے تخت پر کسرائے نوشیروان کا جلوس

ہوا تھا جو عادل کے لقب سے مشہور ہوا ہے۔ انوشیروان کو رومیون سے صلح رکھنا پسند نہ آیا اُس نے اپنی فوجون کو آراستہ کرکے ممالک روم پر حملہ کر دیا۔ سوریا (ملک شام) فتح کرکے شہر انطاکیہ کو پھونک دیا۔ ایشیائے کوچک مین قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ اس حالت کو دیکھکر یوستینیان نے بلیزاریوس کو اُسکے مقابلہ پر روانہ کیا جس نے انوشیروان سے کئی ایک میدان آرائیان کرکے اُسے پسپا کیا۔ کسریٰ نے اس خفیف سی شکست سے سنبھل کر پھر دوبارہ حملہ کیا اور آخرکار اُسے پھر پیچھے ہٹنا پڑا لیکن وہ شکستہ دل نہین ہوا۔ اور برابر سنبھل سنبھل کر حملے کرتا رہا۔ جسکی وجہ سے ان دونون سلطنتون کے مابین متواتر بیس سال تک (۵۴۱ء تا ۵۶۲ء) جنگ قایم رہی۔ اور دونون بادشاہ دق آگئے تھے۔ نتیجہ یہہ ہوا کہ دونون صلح پر متفق ہوئے جسمین یوستینیان پر تیس ہزار دینار سالانہ خراج ادا کرنا مقرر ہوا۔ اسکے بعد دونون سلطنتون کی سرحدین اسی طرح قایم رہین جیسکہ لڑائی سے پہلے تھین۔

مشرقی رومن امپائر کی تاریخ مین قیصر یوستینیان، نہایت نیک نام شاہنشاہ گزرا ہے۔ اُسکے زمانہ مین اس حکومت کو بہت کچھ عروج اور اثر حاصل ہوا تھا اور اُسکے اُن کارنامون مین سے جنہون نے قیام دنیا تک اُسکے نام کو زندہ بنا دیا اُسکے وہ قوانین اور احکام تھے جو بعد کے زمانہ مین وضع قانون کی بنیاد ہوئے اور آجتک قانون سازی کے اصول ہین۔ اُسی نے یورپ مین حریر کی صنعت کو داخل کیا۔ کنیسے تعمیر کرائی جہاونیان بنوائین۔ محلات کی بنیادین رکھین۔ اور سب سے زیادہ مشہور چیز جو اُسکے نام کو یاد دلاتی ہے ایا صوفیہ کا گرجا ہے جسے عثمانی سلاطین نے فتح قسطنطنیہ کے وقت مسجد جامع بنالیا تھا اور آجتک وہ جامع ایا صوفیہ کے نام سے مشہور اور اون سیاحون کے لئے قابل دید عمارت ہے جو قسطنطنیہ آتے ہین۔

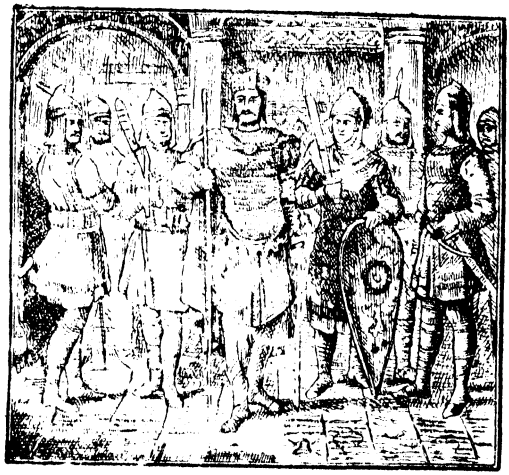
لیکن چونکہ شخصی حکومتونکی ترقی اور تنزل کا باعث اُنکے حکمرانون کی قابلیت یا نالایقی ہوا کرتی ہے اسلئے اگر اُنکا بادشاہ عالیشان اور عالی ہمت ہوا تو وہ بھی عظیم الشان سلطنتین ہوگئین ورنہ یا تو بالکل مٹ گئین یا برائے نام مختصر سی ریاستین رہگئین۔ یوستینیان کے مرنیکے بعد ایسے لوگ تخت نشین ہوئے جن مین شاہی اور حکمرانی کے جوہر ہی نہ تھے اور وہ اس قابل بھی نہ ہوئے کہ اتنی عظیم الشان سلطنت کو صرف سنبھالے ہی رہتے۔ اسی وجہ سے اُسکی تمام شان و شوکت مٹ گئی۔

یوستینیان کے بعد اُسکا بھتیجا یوستین دوم، اور اُسکے بعد طیباریوس، تخت نشین ہوئے۔ اور انکے بعد شاہنشاہ موریس، (موریقوس) کی باری آئی جس وقت موریس، تخت پر بیٹھا ہے سلطنت کی حالت بہت

نازک ہوچکی تھی اور اندرونی وبیرونی فسادات کا زور شور تھا۔ موریس نے خیال کیا کہ خانہ جنگیاں شروع کرنے سے سلطنت کی رہی سہی دھاک بھی جاتی رہیگی۔ اسکی حالت سنبھالنے کیلئے غیر ممالک کی فتوحات کا سلسلہ زیادہ مناسب ہوگا۔ لہذا اُس نے مشرقی دنیا پر حملہ کرنیکا قصد کرکے اہل فارس کو اپنا شکار تجویز کیا اور فارس والوں سے جنگ چھیڑدی سات برس تک اُنسے لڑتا رہا۔ لیکن کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کرسکا یہانتک کہ ۵۷۹ء مین کسرے (انوشیروان) کا انتقال ہوا۔ اور اوسکی جگہہ اُسکا بیٹا ہرمز (ہرمز دجہارم) اورنگ سلطنت پر جلوس فرما ہوا۔ ہرمز دنہایت ظالم اور جابر تاجدار تھا اسلئے خود اوسکی رعایا باغی ہوکر اُسپر ٹوٹ پڑی۔ وہ اس بغاوت ہی کے فرو کرنے مین مصروف رہا اور حدود سلطنت کی حفاظت پر توجہ نکرسکا جسکی وجہ سے رومیون کو میدان صاف ملا۔ اور وہ عراق کیجانب بے تکلف ملک مین قدم بڑہاتے چلے گئے۔ ادہر سے رومیون کی قتل و غارت کا زور تھا ہی اودہر دوسری جانب شمال اور شرقی حدود ملک پر تاتاری قومون نے چہاپے مارنے اور لوٹ مار کا سلسلہ قائم کر رکھا تھا۔ ان دو بیرونی اور ایک اندرونی اکٹھے تین تین مخالفون کے پنجون مین گرفتار ہوکر قریب تھا کہ سلطنت فارس کا وجود صفحہ دنیا سے مٹ جائے مگر خداوند پاک کی مرضی نہ تھی لہذا اُس نے ملک فارس کو ایک ایسا دلیر اور مدبر جنرل عطا فرمایا جس نے ملکی بغاوت۔ رومی فتوحات اور ترکمانی حملون کا تھوڑی ہی مدت مین پانسہ پلٹ دیا اس جنرل کا نام بہرام تھا۔ اسکی فتوحات اور اولوالعزمیان دیکھکر فارس کے باشندے اُسکی جانب مائل ہوگئے اور ہرمز دکو تخت سے اُتار کر اُسکی آنکھون کو گرم آہنی سیخون سے پھوڑدیا۔ اور اُسکی جگہہ پر اُسکے بیٹے پرویز کو تخت نشین کیا۔ بہرام نے پرویز کی تخت نشینی منظور نہ کی اور اُسے ذلیل و خوار کیا۔ پرویز خفیہ طور پر قسطنطنیہ بہاگ گیا۔ اور شہنشاہ موریس سے اپنا تر کہ آبائی حاصل کرنیکے لئے امداد چاہی۔ موریس نے اُسے بخوشی ایک عظیم الشان فوج کے ساتھہ واپس کیا۔ پرویز نے لڑبھڑکر بہرام کو زیر کیا اور پھر اپنا موروثی ملک لے لیا۔ پرویز موریس کے اس احسان کا ہمیشہ ممنون رہا اور جبتک موریس زندہ رہا پرویز ہمیشہ اُس سے احسانمندانہ برتاؤ کرتا اور رومیون کا دوست بنا رہا۔ +

۶۰۲ء مین موریس قتل کر دیا گیا اور اوسکے بعد اُسکا بیٹا فوقاس تخت نشین ہوا۔ مگر یہ جاہل اور ظالم تھا جسکی وجہ سے رعایا اُس سے ناراض ہوئی اور اس فکر مین پڑی کہ کوئی ایسا زبردست شخص ملے جو ہمین اِسکے پنجے سے رہائی دلوائے۔ اُنہین دنون مین رومانی سلطنت کے گورنرون مین سے ملک افریقہ کا ایک گورنر ہرکلیوس (ہرقل) نامی تھا۔ قسطنطنیہ والون نے اُس سے امداد چاہی تو اُسنے اپنے بیٹے ہرقل اصغر کو ایک جہازی بیڑہ کے ساتھہ بھیجدیا۔ ہرقل نے ۶۱۰ء مین فوقاس کو قتل کرکے تخت شاہنشہی پر جلوس کیا۔ اُسی کے زمانہ مین اسلام کا ظہور ہوا

پرویز نے یہ تمام حالات اخبار سنے تو اُسے روم سے جنگ چھیڑنیکا بہانہ ملگیا۔ اُس نے یہ دعوی کرکے کہ مین اپنے دوست موریس کے قاتلون سے بدلہ لینا چاہتا ہون اپنی فوجون کے ساتھ ملک شام پر حملہ کردیا۔ شام کے رہنے والے یہودی اُسکے مددگار بنگئے۔ پرویز نے شام۔ مصر۔ اور افریقہ کو فتح کیا۔ انطاکیہ۔ دمشق۔ بیت المقدس اور ملک شام وفلسطین کے دوسرے تمام شہرون پر قبضہ کرلیا۔ اسکے بعد اس نے اپنی فوج کو یروشلیم کے لوٹ لینے کی عام اجازت دیدی جنہون نے اُسے لوٹ لیا۔ قبر مقدس کو جلادیا کنیسہ قیامۃ کو بھی پھونک دیا جسقدر مال وخزانہ وہان جمع تہا سب نکال لیا۔ وہانکے بطریک کو پکڑکر اور اصلی صلیب کو اُٹھاکر اپنے ملک کو روانہ کردیا۔ اسی طرح وہ ۶۱۶ء تک برابر ملک شام مین لوٹ مار کرتے رہے۔ اِس عرصہ مین اُنہون نے جس قدر عیسائیون کو قتل کیا اُنکی تعداد ۹۰۰۰۰ تک پہونچی تہی۔ پہر اُنہون نے ایک اور فوج ایشیائے کوچک کیطرف بہیجی اور اُسے بھی فتح کیا۔ غرضکہ جہان وہ جاتے تہے فتح وظفر اُنکے ساتہ ساتہ جاتی تہی قریب تہا کہ وہ لوگ تمام سواحل بسفرس کو پامال کرڈالین۔ +



(ہرقل شہنشاہ روم اور اوسکے حاشیہ نشین)

ملک کی تو یہہ حالت ہورہی تہی اور ہرقل شہنشاہ روم اپنے محل مین عیش وعشرت کے نشہ مین ڈوبا ہوا اکلہرے اُڑا رہا تہا۔ نہ اُسے دشمنون کے ظلم وتعدی کی پروا تہی اور نہ تباہئ سلطنت کا خیال۔ لیکن جب اُسے یقین ہوگیا

کہ اب تباہی و بربادی کا وقت سر پر ہی آگیا تو وہ خواب غفلت سے چونک کر انگڑائیاں لیتا ہوا دشمنون کی روک تھام اور ملکی انتظام کے لئے اُٹھا۔ حالت یہ تھی کہ نہ تو اُسکے پاس مال اور خزانہ تھا جو فوجون کی درستی مین کام آتا اور نہ فوج کی حالت اس قابل تھی کہ وہ بلا فراہمی سامان جنگ میدان مین اُتر کر دشمنون کا مقابلہ کر سکتی۔ ہرقل نے مجبور ہو کر کینسون کا مال اس شرط پر قرض لیا کہ خاتمہ جنگ کے بعد اُسے مع سود واپس کریگا۔ اور فوج کو آراستہ کر کے دریائی راہ سے کلیکیا کو گیا جو ایشیائے کوچک مین ایک شہر ہے۔ اور ایسوس مین داخل ہوا جبکا اہل فارس محاصرہ کیے ہوئے تھے ۶۲۲ء مین اُس نے بمقام مذکور فارس والون سے پہلی میدان داری کی اور اُنہین شکست فاش دی اسی سال مین اہل اسلام نے مکہ چھوڑ کر مدینہ کی جانب ہجرت کی تھی۔

ہرقل نے متواتر تین برس تک فارس والون سے جنگ جاری رکھی یہانتک کہ اُنہین مارتا اور پیچھے ہٹاتا ہوا اُنکے ملک مین گھس پڑا۔ اور پرویز مجبور ہوا کہ ملک مصر اور سواحل بسفرس سے اپنی فوجون کو واپس بلا کر اُنسے اپنے اصلی گھر کی حفاظت کا کام لے اور اپنا پائے تخت دشمنون کے حملون سے بچائے۔

ہرقل نے ۶۲۷ء مین دوسری مرتبہ پرویز کے ساتھ پھر جنگ کی اس مرتبہ اُسنے ایسا پُر زور حملہ کیا کہ اہل فارس مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور بڑی زبردست شکست کھا کر پیچھے ہٹے۔ رومی فوجین اشوریون کے قدیم دار السلطنت نینوی تک بڑھتی چلی گئین۔ اور یہہ پہلا موقعہ تھا کہ رومیون نے اس شہر کو پامال کیا۔ پرویز چونکہ اب بہت بڈھا اور کمزور ہو گیا تھا لہذا اُس نے اپنے بیٹے مردز کے واسطے تخت نشینی کی وصیت کی۔ پرویز کا ایک اور لڑکا شیرویہ نامی بھی تھا اُسے اپنے بھائی کے ولیعہد ہونے پر رشک آیا۔ اور باپ بھائی دونونکے ساتھ ایک چال چلنے کا قصد کیا۔ بعض ارکین سلطنت کو اپنے ساتھ ملا کر اُنکی مدد سے پرویز کی باقیماندہ اولاد کو جنکی تعداد اٹھارہ تھی گرفتار کر لیا اور اُن سب کو باپ کے روبرو قتل کر کے باپ کو قید خانہ مین ڈلوا دیا جو وہین پڑی پڑے مر گیا اس طرح پر کسرے پرویز کی موت سے ساسانی حکومت کی عظمت و اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ پرویز کا ناخلف بیٹا شیرویہ بھی اُسکے بعد صرف آٹھ مہینے زندہ رہا۔ اور شیرویہ کی جوانمرگی کے بعد حکومت فارس کی ہوا اکھڑ گئی۔ چار برس کی قلیل مدت مین نو شخصون نے سلطنت کا دعوے کیا جسکی وجہ سے تمام ملک مین بدامنی اور فساد کا زور ہو گیا۔ اور زمانہ جنگیون نے تمام قوت توڑ دی۔ اسی زمانہ مین جبکہ فارس مذکورہ بالا حالت مین گرفتار تھا اُسپر مسلمانون نے فوج کشی کر دی اور وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ پامال ہو گیا۔

اُدہر رومانی حکومت کا حال بھی ابتر ہو رہا تھا۔ یورپین روم مین فوم گاتھ کے وحشی لوگون نے پھر ڈال رکھی تھی

یہ لوگ آغاز اسلام کے زمانہ مین ہنکاریا دجلہ کے مغربی حصہ پر قابض ہو گئے تھے۔ علاوہ برین مشرق کیجانب سے سلطنت روم کو ہونیتون کا بھی کھٹکا لگا تھا جو اُسپر حملہ کرتے رہتے تھے۔

روم وفارس کی سلطنتون مین صرف انتظامی ہی خرابی نہ تھی بلکہ اُنکے طرز معاشرت اور مذہبی اُمور مین بھی بہت کچھ پیچیدگیان پڑگئی تھین جو اُنکی جڑہ کھوکھلی کر رہی تھین۔ اُنکے مذہب مین بہت سے گروہ پیدا ہو گئے تھے۔ اور وہ سب باہم لڑتے جھگڑتے رہتے چھٹی صدی عیسوی کے قریب رومیون کی حالت بہت نازک ہو رہی تھی اُن مین بہت سے مذہبی فرقے پیدا ہو گئے تھے اور دھڑابندیون کا زور تھا خصوصًا ایک طبیعت اور دو طبیعتون اور ایک مشیت اور دو مشیتون کے مسئلہ مین اُنکے باہمین سخت اختلاف و نزاع پڑا ہوا تھا۔ اسکے متعلق اُنکے جتھے مین جو پھوٹ پڑی ہوئی تھی وہ بہت ہی نقصان رسان تھی رمطلب اور مقصود دونون جماعتون کا ایک ہی تھا۔ لیکن نزاع لفظی کے پنجہ مین اسیر تھے اور آخر کار اپنی اس حماقت کا شکار بھی ہوئے۔

شاہنشاہ اور اوسکے ارکان دولت اسکے قائل تھے کہ مسیح کی دو طبیعتین اور دو مشیتین ہین۔ اور اُسکی رعایا مصر و شام ایک ہی طبیعت اور ایک ہی مشیت ہونیکی قائل تھی۔ اس آخری جماعت کا نام یعقوبی تھا۔

شہنشاہ ہرقل کے عہد حکومت مین یعقوبی گروہ کے بطریک اثناسیوس نے جو منبج مین رہتا تھا۔ اس امر کی کوشش بھی کی کہ دونون جتھون کو متفق کر دے اور اُنکے باہمی فساد کو روکدے۔ اُس نے اس غرض سے امپیرر کے ساتھہ خط و کتابت بھی کی۔ اور ایک نیا مذہب ایجاد کیا جو دونون مذہبون کے باہمین متوسط مذہب ہو سکتا تھا یعنی وہ اسبات کا قایل ہوا کہ مسیح کی طبیعتین تو دو ہین لیکن مشیت صرف ایک ہے۔ شہنشاہ نے اُسکی اس رائے سے اتفاق کیا اور کہا اس قدر اور بڑھ جائے کہ مین قسطنطنیہ کے بطریک سے اس معاملہ مین گفتگو کرون جسکا نام سیروس تھا اور وہ اصل مین ملک شام ہی کا باشندہ تھا۔ اثناسیوس نے اس امر مین شہنشاہ کے ساتھہ سلسلہ جنبانی کرنے سے پہلے ہی سیروس کو اپنا ہم خیال بنالیا تھا اسلئے اُسنے شاہنشاہ کے دریافت کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا شاہنشاہ نے اس نئے اعتقاد کو تسلیم کرنیکے لئے ایک فرمان صادر کیا جسکو اکثر مشرقی ملک کے اُسقفون نے تو قبول کر لیا لیکن یوروشلیم کے بطریک صفرونیوس اور کچھہ تھوڑی سے اُسقفون نے جنکا سرگروہ عمان کا اسقف تھا۔ اور نیز تمام شاہی چرچ کے پیرووں نے اس اعتقاد کو منظور نہ کیا۔ شہنشاہ کو یہ بات ناگوار ہوئی اور وہ عدول حکمی کرنے والون سے بدلہ لینے پر تیار ہو گیا جن مین رومی لوگون کا بہت بڑا حصہ تھا۔ اس طرح کئی گروہون مین باہم نفاق پیدا ہو گیا۔ خود شاہنشاہ اور قسطنطنیہ اسکندریہ اور انطاکیہ کے بطریک یہ سب ایک گروہ مین داخل تھے جو دو طبیعتون اور

ایک مشیت کا ماننے والا تہا اور یوروشلیم کا بطریک اور تمام رومانی گرجا کے پیرو دوسرا گروہ تہے جنکا اعتقاد یہ تہا کہ مسیح کی طبیعتین بہی دو ہین اور مشیتین بھی دو۔ یعقوبی گروہ یعنی قبطی حوان کے رہنے والے۔ اور تمام ملک مصر و شام کے اندرونی حصہ ملک کے باشندے ایک علیحدہ گروہ تہے۔ اور نسطوری یعنی عراق اور جزیرہ کے رہنے والے کا جتھا جدا تہا۔ یہ فرقے اُن گروہون کے علاوہ تہے جو پہلے سے موجود تہے۔ مثلاً خیالی، فرقہ کے لوگ جو کہتے تہے کہ حقیقت مین مسیح کو سولی نہین دیگئی۔ بلکہ اُنکی جگہہ ایک اور شخص سولی پر چڑہایا گیا۔ اور ایکیالی، لوگ جو روسار کی فرمانبرداری کے قائل نہ تہے یہ لوگ خارجیون کی مانند تہے۔ پہر یعقوبیون کی بہی بہت سی قسمین تہین جنکا بیان باعث طوالت ہوگا۔

اِن باہمی تفرقون کا طرز حکومت پر بہی نہایت بُرا اثر پڑا کیونکہ رومیون کی سلطنت مین حکمرانی مذہب کے ساتھہ ساتھہ رہتی تہی اسکا لازمی نتیجہ یہہ تہا کہ بعض اوقات قومین کی قومین رومیونکے قبضۂ اقتدار سے نکلکر فارس والون کے زیر اثر ہو جاتی تہین جس طرح آرمینیا والے۔ کیونکہ جب قسطنطنیہ کی پارلیمنٹ نے ایک طبیعت کہنے کی بدعت کو ناجائز ٹہہرایا تو شاہنشاہ روم نے اسکے ماننے والونپر سخت گیری کی اور انکو دق کرنا شروع کیا ارمینیا والے بہی انہین لوگون مین داخل تہے۔ حکام کے جور و تعدی سے دق ہو کر اُنہین اس پر مجبور ہونا پڑا کہ اپنا ملک فارس والون کے سپرد کردین اور رومانی حکومت کے پنجہ سے چہوٹ جائین۔ یہی کام قبطیون نے بہی کیا جب عمرو بن العاص ملک مصر کی فتح کو آئے تو یہہ لوگ اُنکے مددگار اور طرفدار بنگئے جسکا سبب اصلی یہی باہمی نفاق اور جبر و تعدی سے بچنا تہا۔

اُمور مذکورہ بالا پر یہ ایک امر اور اضافہ کرنا چاہئے کہ اُس زمانہ کے تعصب کی وجہ سے یہودیون اور رومیون (عیسائیون) مین ایک خاص قسم کی سخت عداوت تہی۔ یہہ دشمنی ہرقل کے زمانہ مین اس حد تک پہونچ گئی تہی کہ ایکبار یہودیون نے بغاوت کرکے انطاکیہ مین بڑی ہلچل ڈالدی اور رومان کے بطریک کو قتل کرکے اُسکی لاش کی نہایت بُری گت بنائی۔ آخر ہرقل نے اُنکی جانب ایک بہاری فوج روانہ کرکے اُن مین سے ایک جم غفیر کو قتل کرادیا۔ یہودیون نے فینیقیہ کے دارالسلطنت صور مین بہی علم بغاوت بلند کرکے رومان کے حاکم کو قتل کرڈالا۔ صور، فینیقیہ اور فلسطین کے یہودیون نے آپسمین یہ ٹہانی کہ رات کے وقت شہر صور مین گہسکر عیسائیون کو قتل کرڈالین۔ صور کے مطران کو کسی طرح اس دغابازی کی خبر لگگئی اُس نے حاکم شہر کو ہوشیار کردیا اور حاکم شہر نے محافظ فوج اور دربانون اور پہرہ دارون کو تاکید کردی کہ اُس رات چوکنے اور خبردار رہین۔

رات کا اندھیرا چھاتے ہی یہودیون نے باہر سے شہر پناہ پر حملہ کیا۔ لیکن یہان فوج تیار تھی اُس نے مقابل ہوکر اُنہین پسپا کر دیا۔ یہودیون نے اس طرف کامیاب نہ ہونے پر کہسیانے ہوکر شہر کے قرب وجوار مین جو دیر اور گرجے واقع تھے اُنپر دھاوا بولدیا اور اُنہین منہدم کرکے وہان کے سامان اور برتن وغیرہ لوٹ لیگئے اور ایسا ہی سلوک گرد ونواح شہر کے دیہاتون مین بھی کیا۔ حکومت نے یہودیون کو اس شرارت کی سزا یہ دی کہ شہر صور کے تمام یہودیون کو ایک ایک کرکے قتل کرادیا۔ اور اسی قسم کا واقعہ ملک فلسطین کے شہر قیساریہ مین بھی ہوا۔ جہان بادشاہ نے اپنے بھائی تادوورس کو بھیجا جس نے جاکر وہان کے تمام یہودیون کو قتل کر ڈالا۔ ان وجوہ سے ملک کے ہر گوشہ مین یہودیون کے اندر ایک غصہ کی آگ بھڑک اُٹھی اور وہ حکومت کے جانی دشمن ہوگئے جن باتون نے رومیون کو یہودیون کیطرف سے ڈرا کر اُنسے پُرحذر رہنے پر آمادہ کیا تھا اُن مین سے ایک بات یہہ بھی تھی کہ بعض نجومیون نے شاہنشاہ سے کہا تھا کہ عنقریب ایک مختون شخص تمہاری سلطنت چھین لیگا۔ اسی بنا پر عرب والے کہتے ہین کہ مختون لوگون سے اہل اسلام مراد ہین۔ یہودیون نے جن بُرے طریقون سے رومیون کو تباہ و برباد کیا اُن مین سے ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ اُنہون نے فارس والون سے اسی ہزار عیسائی قیدی خرید کر اُن سبھون کو ذبح کر ڈالا۔

اس عداوت کا انحصار صرف رومیون اور یہودیون پر ہی نہ تھا بلکہ دراصل عیسائیون اور یہودیون کے مابین یہہ عداوت عام تھی۔ عیسائی حکومتین کوئی قانون بناتین تو اُس مین چند دفعات خاصکر یہودیون کے لئے مقرر کرتین تاکہ اُن کے ساتھہ حقارت اور ظلم کا برتاؤ کرسکین۔ مثلاً اسپین کی حکمران قوم گاتھہ کے بادشاہون نے فتوح اسلامی کے قریب قریب زمانہ مین اپنی یہودی رعایا کے لئے حکومت قوم گاتھہ کے دشمن" نام تجویز کیا تھا۔ حکومت مذکورہ کی مذہبی مجلسون نے اسرائیلی مذہب کی بیخکنی پر متفق ہوکر سلطنت کو حکم دیدیا تھا کہ یہودیون کو اُن کے تہوار منانیسے روکا جائے اُنہین عیسائیت کی عزت کرنے پر مجبور کیا جائے۔ غرضکہ اُنپر اس قدر سختی کیگئی اور دباؤ ڈالا گیا کہ وہ پریشان ہوکر بظاہر عیسائی بننے پر مجبور ہوگئے لیکن اُنکے دل برابر یہودی رہے جو طرح طرحکے ظلم وستم اُٹھانیکے رنج وعداوت سے اس قدر بھرے ہوئے تھے کہ ذرا سی ٹھیس لگنے پر ٹوٹ جائین۔ قوم گاتھہ کے لوگ بھی یہودیون کی اس درپردہ دلی عداوت سے بے خبر نہ تھے اور اسی وجہ سے وہ لوگ یہودیون کے ساتھہ اصلی اور خالص عیسائیون کا سا برتاؤ نہین کرتے تھے۔ بلکہ اُنہین تمدن کے تمام جایز حقوق سے محروم کر رکھا تھا اُنکے واسطے باندی غلامون کا خریدنا جرم قرار دیا تھا اور اُنکے ذلیل کرتے رہنے مین اس قدر مبالغہ کرتے تھے کہ اُنہین پڑھنے اور تعلیم حاصل کرنیسے بھی منع کر دیا تھا۔ کیا ان سب باتون کے معلوم ہوجانے پر بھی یہ کوئی تعجب کی بات ہے کہ یہودیون نے اپنے عیسائی حکام کے

مقابلہ پر اہل اسلام عربون کی امداد کی تھی۔

رہگئے اہل فارس اُنکا طرز معاشرت بھی اسلام سے ایک مدت پہلے ہی سے بڑا انحطاط قبول کرچکا تھا۔ مانی اور مزدک کی وجہ سے مذہب مین شاخین پھوٹنے سے اُنکے مابین اختلاف ونزاع کا سامان موجود ہوگیا تھا۔ اس آخرالذکر شخص (مزدک) کا یہہ دعوے عجیب وغریب تھا کہ "خداوند پاک نے اُسے اسلئے مبعوث کیا ہے تاکہ وہ عورتون اور مال ودولت کو سب آدمیون مین برابر تقسیم کردے۔ اسلئے کہ وہ سب ایک ہی باپ کی اولاد ہین"۔ اس مذہب کا اتباع فارس کے ایک بادشاہ قباد نامی نے کیا تھا پھر اُسکے جانشین نے اس مذہب کو توڑکر ایک اور جدید مذہب اختیار کیا اور اب اختلاف آرا کا سلسلہ بڑھنے لگا جسکا نتیجہ فساد اخلاق ہوا۔

جس زمانہ مین روم اور فارس والون کی حالت یہہ کچھہ تھی جو ہم بیان کرچکے ہین اُن دونون اہل عرب اپنی ترقی کے عالم شباب مین تھے اُن مین اتفاق کی قوت موجود تھی۔ اور نیز اُنہین اُن رومی اور فارسی لوگون سے جو اپنے حکام سے یا مخالف فرقون کی زبردستی سے تنگ آن آن کر بھاگے اور اہل عرب کے پاس پناہ لیتے کافی مدد پہونچ رہی تھی۔ +

انتشار اسلام

اسلام کی تاریخ ہجرت کے وقت سے شروع ہوتی ہے۔ مسلمانون نے قریشیون کی ایذادہی اور شرارتون سے تنگ آکر مدینہ کی جانب ہجرت کی۔ وہ تھوڑے سے آدمی ہونیکے باعث اپنا بچاؤ نہین کرسکتے تھے پھر انہون نے اہل مدینہ کو اپنی امداد واعانت پر آمادہ پایا۔ کیونکہ مشہور بیعت عقبہ کے ظہور نے اُنہین اسکا یقین دلادیا تھا کہ اہل مدینہ ہمارے سچے معین وناصر ہونگے۔ نبی عربی (علیہ السلام) نے اپنے پیروون کو حکم دیدیا کہ مکہ چھوڑدین اور مدینہ چلے چلین۔ مدینہ کے لوگون نے بھی ان نئے مہمانون کی خاطرداری اور انکو جگہہ دینے مین بہت ہی کشادہ دلی اور خلوص سے کام لیا۔

نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ مین پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کام یہہ کیا کہ مکہ کے رہنے والے قریشیون اور یثرب کے باشندون انصارمین باہم عہد دوستی اور بھائی چارہ کرادیا۔ اس سے پہلے وہ لوگ ایک دوسرے سے چشمک رکھتے تھے اور یثرب والے ہمیشہ مکہ والونپر سبقت لیجانیکے خواہشمند رہتے تھے۔ مگر نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اسلام کو

ان دونون جماعتون کے مابین رابطہ اتحاد بنا دیا۔ اور دونون فریقون کے درمیان ایک عہدنامہ لکھا گیا جسمین انہون نے ایک ہی قوم کے افراد ہونیکا اقرار کیا تھا۔ ابن ہشام نے اس اقرارنامہ کی پوری عبارت نقل کی ہے۔ اسکے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قریش مین سے مہاجرین۔ اور یثرب والون مین سے انصار کو چند اور خاص معاہدون کے ذریعہ باہم پیوند کر دیا۔ ان معاہدون کا نام (مواخاۃ) بھائی بندی رکھا گیا۔ اور پیغمبر (علیہ السلام) نے بہت ہی استحکام کے ساتھ اس بھائی چارہ کا اُن سے اقرار لیا۔ اسلامی سلطنت کا پہلا بنیادی پتھر یہی "عہد مواخاۃ" تھا جو مہاجرین اور انصار کے مابین مستحکم کیا گیا۔ اور اُس وقت مین مسلمانون کی تعداد ۱۵۰ سے زیادہ نہ تھی مسلمانون کے ایک امن کی جگہ مین پہنچ جانے پر اُنکے لئے زکوٰۃ۔ اور روزے فرض ہوئے۔ شرعی سزائین مقرر کی گئین اور حرام و حلال کی حدود معین ہوئین۔ غرضکہ احکام اسلام پوری طرح نافذ ہونے لگے رفتہ رفتہ مدینہ کی بعض وحشی جماعت لوگ بھی مسلمانون کی جماعت مین داخل ہو گئے جن کے اسلام لانیسے مذہب اسلام کو ویسی ہی امداد پہونچی جیسی کہ مکہ مین حضرت حمزہؓ اور عمر بن الخطابؓ کے اسلام لانیسے پہنچی تھی۔

عہد و پیمان دوستی سے فراغت حاصل ہو گئی اور پر امن جگہ مین رہنے سے اطمینان ہو لیا تو مسلمانون کو اہل مکہ کی ایذادہی اور اُنکے مظالم کا خیال آیا اُنہون نے انتقام لینے کی غرض سے قریشیون پر چھاپے مارنے اور جنگ کرنیکا قصد مصمم کیا اور بہت سے مشہور غزوات وجود مین آئے جو اسلامی جنگون کا مقدمہ تھے۔ اسلامی جنگ عرب کی معمولی عادت کے موافق جسکے وہ زمانہ جاہلیت سے عادی تھے۔ چھوٹی چھوٹی مہمون اور قتل و غارت سے شروع ہو کر شہرون اور ملکون کی فتح پر تمام ہوئی۔ ان غزوات مین سب سے اہم اور مشہور غزوہ "بدر کبریٰ" کی مہم تھی کیونکہ اس جنگ مین مسلمانون کی کامیابی نے اُنہین پے در پے جنگ و جدل کرتے رہنے کا شوق دلایا اور اُنکے ارادون کو قوی بنا دیا تھا۔

غزوہ بدر کبریٰ

مکہ اور مدینہ کے مابین چند کنوئین ایک مقام پر واقع ہین جہانپر مکہ سے ملک شام کو آنے جانیوالے قافلے ٹھیرا کرتے ہین۔ اسی مقام کا نام "بدر" ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قریشی لوگ تجارت پیشہ تھے۔ اُنکے قافلے ملک شام کو مال لینے جایا کرتے تھے۔ سنہ ۲ ہجری مین مسلمانون کو خبر پہونچی کہ قریشیون کا ایک قافلہ تجارتی مال لیکر ملک شام سے آتا اور مکہ کو جاتا ہے اور اس قافلہ کے ساتھ تیس محافظون کا دستہ ہے جنکا افسر ابوسفیان بن حرب اُس زمانہ کا سردار مکہ ہے۔ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنے اصحاب کو اُس قافلہ کے غارت اور اُسکے محافظون سے جنگ کرنیکے لئے روانہ کیا۔ ابوسفیان کو یہ خبر اطلاع ہوئی تو اُس نے بہت جلد ایک قاصد بھیجکر اہل مکہ سے کمک چاہی۔ مکہ سے نو سو پچاس شخص کمک پر چلے جنمین سو گھوڑے کے سوار تھے۔

مسلمان بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ نکلے جنکی کل تعداد (۳۱۳) نفر تھی۔ اِن مین ستر مہاجرین تھے اور باقی انصار۔ اِس تمام فوج کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے جس وقت اسلامی جماعت مدینہ سے باہر آئی ہے اُسے خبر ملی کہ قریش کا قافلہ بدر کے کنوؤن سے قریب آگیا ہے۔ لہذا اونہون نے پیش قدمی کرکے کنوون پر قبضہ کرلیا اور نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے لئے ایک عریش (کھجور کے پتونکا بنایا ہوا چھپر) تیار کردیا جسکے نیچے وہ تشریف فرما ہوئے۔ اور ابوبکر رضؓ اُنکے ساتھ تھے۔ اور دیگر اصحاب جنگ کی تیاری کرنے لگے۔

اِسی اثنا مین اُنھون نے اہل قریش کو بھی آتے دیکھا جو اُمنڈتے گھٹی جمعیت رکھتے تھے اور اُن مین مکہ کے وہ چیدہ چیدہ لوگ شریک تھے جنھون نے بہت زور کے ساتھ اسلام کا مقابلہ کیا تھا اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بھی دل کھول کر اہانت کی تھی۔ منجملہ اُنکے ایک شخص ابوجہل بن ہشام بھی تھا۔ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بھی سمجھ لیا کہ یہ لڑائی انتقامی اور فیصلہ کن ہوگی۔ یا تو مسلمانون کی فتح ہوئی اور جب وہ قریشیون پر غالب آگئے تو اسلام کو بہت کچھ قوت حاصل ہوجائیگی۔ اور یا پاسہ پلٹا اور مغلوب ہوکر بالکل نیست و نابود ہوجائینگے۔ اسلئے جب اُنھون نے قریش کی آمد اتنی زیادہ تعداد مین دیکھی اور اپنے اصحاب کی قلیل جماعت پر نظر کی تو فرمایا "اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لا تعبد فی الارض" یعنی اے پاک خدا اگر یہ مختصر سا گروہ ہلاک ہوگیا تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنیوالا کوئی باقی نہ رہیگا۔"

عرب کی معمولی عادت کے مطابق ایک ایک آدمی نے طرفین سے نکل نکلکر مقابلہ کرنا شروع کیا۔ اسی اثنا مین ابوجہل مقتول ہوا اور اُسکا سر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا جسے دیکھکر اُنھون نے خدا کے سامنے سجدہ شکر کیا۔ اب میدان کارزار گرم ہوگیا فریقین ایک دوسری سے بھڑ گئے۔ نیزے بیکار ہوکر تلوارین کھنچ گئی تھین اور کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ کچھ دیر کے بعد لڑائی کا رنگ بدلا کفار کو پر شکست اور مسلمانون پر فتحمندی کا سایہ ہوا۔ اس جنگ مین مسلمانون کی جانب سے صرف چودہ شخص شہید ہوئے جنمین چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔ اور قریش والونکے ستر آدمی کام آئے جن مین قریش کے تمام گھرانون کے معزز لوگ شامل تھے خصوصاً بنو امیہ بنی مخزوم اور بنی اسد کے لوگ زیادہ تر تھے۔ اور اسی قدر یعنی ستر آدمی اُنکے گرفتار بھی ہوئے جن مین عقبہ بن ابی معیط بھی تھا۔ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُسکے قتل کا حکم دیا کیونکہ اُس نے مکہ مین آپ کو بہت ستایا تھا۔ اس جنگ مین سب سے زیادہ پُرجوش اور کوشش کرنے والے مسلمان صرف دو تھے۔ ایک علیؓ بن ابی طالب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور دوسرے حمزہؓ بن عبدالمطلب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا۔ قریش کے باقیماندہ لوگ تمام ساز و سامان چھوڑکر مکہ کیجانب بھاگ نکلے

اور انہین ہر سمیت خوردہ لوگون مین ابوسفیان اور عمرو بن العاص بھی شامل تھے جو آخر کار اسلام کے مشہور جنرلون مین ہوئے ہین۔ مسلمانون نے خوشی خوشی مال غنیمت اُٹھایا۔ مگر اب اُسکے حصے کرنے مین اُنمین باہم نزاع واقع ہوا۔ نبی نے اپنے ہاتھ سے وہ سب مال اُن لوگون کو برابر بانٹ دیا اور اپنی ذات خاص کے لئے کچھ نہ رکھا۔ اسکے بعد قریش والون نے کچھ لوگ بھیجے اور اپنے قیدیون کا زر فدیہ ادا کرکے اُنہین چھڑا منگایا۔ اس طرح بھی بہت سا مال مسلمانون کے ہاتھ آیا۔ مکہ والے مارے بھاگے اپنے گھر واپس آئے۔ اس شکست سے اہل مکہ کی شان و شوکت مٹ گئی اور مسلمانون کی دھاک بندھ گئی تھی۔ سب سے بڑی تائید اہل اسلام کو اس واقعہ سے پہنچی کہ اسلام کا مشہور دشمن ابالہب بدر کی لڑائی مین خود نہین شریک ہوا تھا بلکہ اُس نے ایک شخص کو اپنا قائم مقام بناکر میدان مین بھیجا تھا (اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ جنگ مین اپنا قائم مقام بھیجدیتے تھے) جس وقت اُسے قریش والونکی شکست کی اطلاع ملی اس قدر رنج و غم مین مبتلا ہوا کہ اُسی کو دنت مین چند روز بعد مر ہی گیا۔ چونکہ بدر کا واقعہ اسلام کی ترقی کا سبب اعظم تھا لہٰذا تاریخ اسلام مین اُسکا مرتبہ اور اُسکی شان بہت بلند ہے۔ +

جنگ اُحد

قریشیون نے بدر کی شکست کے بعد دوبارہ سنبھل کر دوسرے سال پھر جنگ کی تیاریان کین۔ اس مرتبہ انکا سردار ابوسفیان تھا اور جنگ آورونکی تعداد تین ہزار تھی جنمین سات سو زرہ پوش اور دو سو سوار تھے۔ یہہ جرار لشکر بدر کے مقتول لوگون کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہوا اور مدینہ پر حملہ کرنیکے لئے چلا۔ انکے ساتھ عورتین بھی تھین جو دف بجا بجاکر بدر کے مقتولون کا نوحہ کرتی ہوئی اور لوگون کو مسلمانون سے لڑنے کے لئے جوش دلاتی ساتھ چلتی تھین اس حملہ کے نامور لوگون مین خالد بن الولید مخزومی بھی تھے جو بعد مین اسلام کے ایک مشہور جنرل ہوئے۔ یہہ فوج مدینہ کے مقابل پہونچی تو نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے [illegible] کیلئے ساتھیون سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے۔ خود نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رائے یہہ تھی کہ مدینہ ہی مین ٹھہر کر مدافعانہ پہلو اختیار کیا جائے اور صحابہ مین سے بھی ایک شخص عبداللہ بن ابی سلول نامی نے یہی رائے دی۔ مگر باقی صحابہ میدان مین نکلکر لڑنے پر مصر ہوئے اور نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کثرت رائے کی پیروی کرکے ایک ہزار آدمیون کے ساتھہ دشمنون کے مقابلہ کو نکلے اور شہر مدینہ سے اُحد نامی پہاڑ کے وسط مین ٹھہرے۔ اسی پہاڑ کے نام سے یہہ واقعہ بھی موسوم ہوا ہے۔ ابن ابی سلول مذکور اس پیچ و تاب مین تھا کہ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُسکی رائے کی خلاف ورزی اور دوسرونکی پیروی کی ہے جس وقت سب لوگ وسط راہ مین پہنچے ہین وہ ایک تہائی لوگون کے ساتھہ مدینہ کو پلٹ گیا۔ اور قریش والون نے فوجمین یہہ افواہ اڑادی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کر دیئے گئے۔ یہہ خبر وحشت اثر سُنکر

مسلمانون کے پیر اکھڑ گئے۔ اور اس جنگ مین اُنہین فتح نصیب نہ ہوئی۔ اُن مین سے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے چچا حمزہؓ بن عبد المطلب شہید ہوئے اور اُنکی شہادت ہی زیادہ تر ہزیمت کا موجب ہوئی جس طرح کہ اُنکا اسلام لانا باعث ازدیاد تقویت اسلام ہوا تھا۔ مسلمانون کے شہدا کی تعداد ستر شخصون تک پہنچی اور خود نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک پتھر لگنے سے سر (مبارک) مین چوٹ آئی۔ اور اُس زخم مین جہلم کی چند کڑیان گھس گئین جس سے خون یہ نکلا۔ قریش والون نے مسلمانون کے شہیدون کو بہت ہی بیحرمت کیا اُنکے ناک کان کاٹ لئے یہانتک کہ ہندہ بنت عتبہ ابی سفیان کی بی بی (معاویہ کی ماں) نے حمزہؓ کا پیٹ پھاڑ کے اُنکا کلیجہ نکال لیا اور اُسے دانتون سے کچلکر نگلنا چاہا لیکن نگل نہ سکی اور تھوکدیا۔

یہہ واقعہ مسلمانون کیلئے اُس وقت تک کے تمام مصائب سے زیادہ سخت تھا۔ مگر چونکہ وہ پہلے سے فتح و نصرت کا ذائقہ چکھہ چکے تھے۔ لہذا اُنہون نے اس ہزیمت کا الزام ابن سلول کی بیوفائی پر رکھکر (چھوٹی چھوٹی مہمات) جنگ کا سلسلہ اُس وقت تک جاری رکھا جبکہ واقعہ خندق پیش آیا۔

واقعہ خندق

اِس جنگ کی وجہ یہہ ہوئی کہ جب عرب کے قبائل نے قریش والون کو اُحد کے جنگ مین کامیاب ہوتے دیکھا تو وہ سب کے سب اہل مکہ کے ساتھی بنگئے اُن مین قریش غطفان اور تمام عرب کے قبیلے شامل ہوگئے اور ساتھہ ہی یہودیون کے دو گھرانے بنو نضیر اور بنو قریظہ بھی اُنمین مل گئے۔ کیونکہ مسلمانون نے اُنکو اُنکے وطنون سے نکال باہر کردیا تھا چنانچہ آگے چلکر اسکا ذکر آئیگا۔ اُن لوگون نے اور بھی قریش کو جنگ کیلئے اُبھارا۔ اور سترہ اٹھارہ ہزار آدمیون کی عظیم الشان جماعت کے ساتھہ مدینہ پر حملہ کیا۔ اس فوج مین چار سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے اور چونکہ وہ سب مختلف گھرانون اور گروہون سے مرتب تھی۔ اسلئے اس واقعہ کا نام (احزاب) بھی مشہور ہے۔ غنیم تو اس قدر کثیر تعداد مین تھے اور مسلمانون کا شمار تین ہزار سے زائد نہ تھا لہذا اُن مین سخت بیچینی پھیلی اور اُنپر خوف طاری ہوگیا۔ چونکہ پہلے واقعہ سے اُنہین یہ سبق بھی مل چکا تھا کہ شہر سے باہر نہ جائین لہذا وہ اسی پر عامل رہے۔

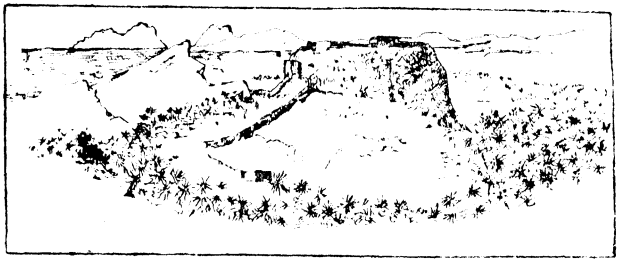
اُن دنون صحابہ کے گروہ مین ایک شخص فارس کے رہنے والے سلیمانؓ نامی موجود تھے اُنکو کسی قدر فنون جنگ سے آگاہی تھی اُنہون نے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خندق کھودنے کی صلاح دی۔ عرب والے پیشتر سے اس طریقہ کو جانتے نہ تھے۔ لہذا اُنہین ایک نئے کام مین تحیر و تردد ہوا۔ اس حالت کو دیکھکر سلیمانؓ نے کہا جب ہم ملک فارس مین تھے تو دشمنون کے حملہ کا خوف ہونے پر اپنے پڑاؤ کے چارون سمت خندق کھود لیتے تھے اور اس بات کا شمار

تدابیر جنگ مین ہوتا تھا" نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے سلمانؓ کی رائے پسند فرماکر خندق کھودنیکا حکم دیا اور خود بہ نفس نفیس اصحاب کے ساتھ مٹی ڈھونے مین شریک ہوئے۔ اگرچہ مسلمانون کے پاس خندق تیار کرنیکے ضروری اوزار تک نہ تھے لہذا اونہون نے کسی قدر اس قسم کا سامان بنو قریظہ (یہود دلون) سے مستعار لیا اور چند دنون مین جنکی تعداد دو ہفتون کے قریب ہوگی بہت عمدہ خندق شہر مدینہ کے گرد تیار کرلی۔

احزاب مدینہ کی چارون جانب اُترے اور محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ شہر پر حملہ کرنیسے خندق انکو روکتی تھی بیس دنون سے زاید وہ یونہی پڑے رہے۔ اس عرصہ مین وہ پتھرون اور تیرون کے ذریعہ سے جنگ کرتے رہے۔ خندق کے معاملہ نے انہین خوف مین مبتلا کردیا تھا وہ جانتے تھے کہ یہ کوئی نیا فریب ہے اسپر بھی بعض منچلون نے معہ گھوڑے کے خندق کو دجانا چاہا لیکن وہ اُس مین گر پڑے اور انکی گردنین چور چور ہوگئین۔ اس صورت نے اور بھی غنیم کے دلون مین رُعب پیدا کردیا۔ آخر اُس نے بے نتیجہ محاصرہ سے دق ہوکر میدان مین نکل کے لڑنیکا ارادہ کیا اور ادسکی جانب سے ایک شخص نے میدان مین آکر مسلمانون مین سے اپنا مقابل طلب کیا۔ مسلمانون کیطرف سے علیؓ اُسکے مقابلہ پر گئے اور ردوبدل کے بعد اُسپر غالب آئے اسی کے بعد سرد ہوا چلنی شروع ہوئی اور خوب زور کا پانی پڑا جس نے احزاب کے خیمون کو تر کرکے اُنکے چولہون کو ٹھنڈا کردیا۔ مدینہ والے اپنے گھرون مین آرام بیٹھے تھے جن مین بہت کم تری کا اثر پہونچا تھا غنیم اس آسمانی بلا سے اور بھی پریشان ہوا اور اسسے اپنے لئے شگون بد خیال کرکے محاصرہ توڑدیا اور پسپا ہوگیا۔ بلاشبہ غیر سے دشمنون کے اس طرح ہزیمت اٹھانیسے مسلمانون کو اُنکی شکست کے ننگ سے بھی نجات ملگئی۔

یہانتک جس قدر جنگون کا ذکر ہوا اُن مین فتح ملکی کا کوئی حصہ نہ تھا بلکہ محض مار دھاڑ اور لوٹ کھسوٹ تھی۔ اسلامی فتوحات کی پہلی رسم اللہ بنی نضیر (یہود) کی سرزمین کو فتح کرنیسے ہوئی۔ بنی نضیر یہودیون کا ایک گھرانا تھا ایک معاملہ ایسا آپڑا جس نے مسلمانون کو ان لوگون کے جلاوطن کرنے پر مجبور کیا۔ لہذا نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُن سے کہلا بھیجا کہ وہ سیدھی طرح کان دباکر اپنے ملک و مال کو چھوڑدین اور جدھر انکا جی چاہے چلے جائین بنو نضیر نے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حکم ماننے سے انکار کیا۔ جسکے بعد پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سنہ ۴ھ مین چھ روز تک اُنکی بستیون کا محاصرہ کئے رکھا۔ بنو نضیر نے یہہ حالت دیکھکر پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) سے درخواست کی کہ وہ اُنہین اتنی مہلت دیدین کہ جس قدر مال وہ اپنے اونٹون پر لاد کرلیجا سکین لیجائین۔ مگر ہتھیار ایک بھی نہ لینگے جسکو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے منظور کرلیا اور بنو نضیر اپنے ملک سے نکل گئے اُنکے جانیکے بعد اُنکا جس قدر مال اسباب رہا

وہ خاص نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ملکیت ہوا اور اونہون نے جسکو چاہا اُس مین سے عطا کیا ایسی ہی صورت قریظہ (یہودیون کا ایک دوسرا گھرانا) اور خیبر مین پیش آئی خیبر کے بہت سے قلعے تھے جنکو اہل اسلام نے یکے بعد دیگرے فتح کیا۔



(قلعہ خیبر)

قریش والون کو خندق کے واقعہ سے بعد یہہ آسان معلوم ہوا کہ مسلمانون سے صلح کرلین لہذا ۶ھ کے قریب اونہون نے مسلمانون کے ساتھہ ایک معاہدہ کیا جسکا خلاصہ یہہ تھا کہ "مدینہ کا رہنے والا شخص (مسلمان) اگر حج اور عمرہ کرنیکے لئے مکہ آئے یا مکہ مین ہو کر یمن اور طائف کو جانا چاہے تو وہ بیخطر ہوگا۔ اور مکہ کے لوگون مین سے یا اُنکے ساتھیون مین سے جو شخص ملک شام اور مشرق کو جاتا ہوا مدینہ کی حدود مین سے گزرے وہ بھی بیخطر رہے"

اس صلح کے بعد مسلمانون نے چھوٹی چھوٹی جماعتون کے ساتھہ اشاعت اسلام کا کام شروع کیا۔ چونکہ احزاب کی ہزیمت نے قبایل عرب کے دلون پر بہت کچھہ اثر ڈالدیا تھا اور اسلام کی شان و شوکت اُنکی نظرون مین بہت بلند ہوگئی تھی۔ لہذا وہ خود بخود گروہ در گروہ مدینہ کو آتے اور اسلام قبول کرتے۔ انہین آنیوالون مین دو شخص ایسے تھے جنکو اسلامی دنیا مین بڑی شان حاصل ہوئی وہ دونون شخص خالد بن الولید اور عمرو بن العاص تھے۔ یہہ دونون صاحب اسلام کے مشہور جنرل (سپہ سالار) ہین۔ قبایل عرب کے اسلام قبول کرتے جانے سے مسلمانون کو عزت پر عزت نصیب ہوتی جاتی تھی اور اونکی امیدون کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا۔ اگلے سال نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے شاہان دنیا کے پاس دعوت اسلام کی غرض سے قاصد روانہ کئے۔ اور ملک شام مین رومیون سے جنگ کرنیکے واسطے ایک فوج بھی بھیجی۔ اس اسلامی فوج نے ملک شام کی حدود مین جو اردن سے متصل ہین بلقار کے ایک گاؤن مین جسکا نام موتہ تھا رومیون کا مقابلہ کیا۔ رومانون کے ساتھہ اُنکی یہ پہلی لڑائی تھی چونکہ اہل عرب نے ابھی تک کبھی

باقاعدہ فوجون سے جنگ نہین کی تھی لہذا وہ کامیاب نہو سکے اور مدینہ کو واپس گئے اس واقعہ مین چند اعلےٰ درجہ کے صحابی کام آئے جن مین سے ایک جعفر بن ابی طالب رضؓ علیؓ کے بھائی بھی تھے۔

فتح مکہ

اسی اثنار مین ایک ایسا حادثہ گزرا جسکی وجہ سے مسلمانون اور قریش کے مابین صلح کا اقرار شکست ہوگیا ابوسفیان نے خیال کیا کہ اب قریش والون کو مسلمانون کی مخالفت اور مقابلہ کی قوت باقی نہین رہی ہے لہذا وہ خود نئے سرے سے معاہدۂ صلح قایم کرنیکے لئے مدینہ آیا مسلمانون کو غنیم کی کمزوری معلوم ہوچکی تھی وہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے مین نہ چوکے۔ انہون نے ابوسفیان سے تو یہ کہا کہ ہمین صلح منظور ہے اور اس سے وعدہ کیا کہ معاہدہ آشتی کر لینگے۔ لیکن جب ابوسفیان مطمئن ہوکر مکہ کو واپس چلا گیا تو مسلمانون نے بہت ہی تیزی کے ساتھہ مکہ پر فوجکشی کا انتظام کرلیا اور یلغار کرکے مکہ پر جا پہونچے تاکہ یکایک اسپر حملہ کردین اور وہان کے لوگون کو مدافعت کیلئے تیار ہوسکنے کا موقع نہ دین جس وقت یہ اسلامی لشکر مکہ پر پہنچا ہے اسکی تعداد دس ہزار تھی جسمین مہاجر انصار اور انکے حلیف قبیلے سب شامل تھے۔ ابوسفیان اور قریش کے چند اور معزز لوگ تجسس حالات کی غرض سے مکہ کے باہر آئے تھے راہ مین انہین عباسؓ بن عبدالمطلب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا ملے جنہون نے انکو مسلمانون کی فوجی قوت اور انکی شان وشوکت سے مطلع کردیا۔ ابوسفیان نے عباسؓ سے کہا "ابتہ تمہارے بھتیجے صاحب کی بڑی عزت وعظمت ہوگئی ہے؟" جسکے جواب مین عباسؓ نے ابوسفیان کو یہ مشورہ دیا کہ تم مسلمانون سے اپنے لئے امان حاصل کرلو۔ ابوسفیان کو یہی اس مشورہ سے بہتر صورت نظر نہ آئی لہذا وہ عباسؓ کے ساتھہ ساتھہ اسلامی کمپ مین داخل ہوا نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اسکی بہت کچھہ خاطر کی اور صحابہ کو اسکے ستانے سے باز رکھا جو دل مین اسے ضرر پہنچانے پر تلے بیٹھے تھے۔ اور نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ابوسفیان کو ایسا ماتھون ماتھہ لیا کہ وہ اونکا ہوا خواہ بنگیا۔ یہانتک کہ اونہون نے ہر ایسے شخص کو جو فتح مکہ کے دن ابوسفیان کے گھر مین پناہ لے اسی طرح امن دیدیا جیسا کہ مسجد کے اندر پناہ لینے والے کو مامون بنا دیا تھا۔ ابوسفیان اس قدر رعائتین حاصل کرکے مکہ مین واپس آیا اور وہان کے لوگون سے تمام حالات بیان کئے جنہین سنکر اہل مکہ نے اسے بزدل اور پست ہمت کہنا اور گالیان دینا شروع کردیا۔ اور سب اس سے الگ ہوگئے۔ یہانتک کہ خود ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے اسکی مونچھین پکڑکر کہا "اقتلوا الحمیت الدسم الاحمس قبحہ اللہ من طلیعۃ قوم"[1] لیکن ابوسفیان نے ان تمام باتون کی کچھہ پروانہ کی۔

---

[1] گردن مار دو اس موٹے کٹے کی۔ خدا تباہ کرے اسکو قوم کی پیروی سے۔ ۱۲

اسکے بعد مسلمان مکہ مین داخل ہوئے اُنہون نے اُسے بزور شمشیر فتح کیا۔ اور نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) سب سے پہلے کعبہ مین تشریف لے گئے اُنہون نے وہان کے بتون کو جو اُسکے اندر اور گرداگرد باہر کی جانب کہے ہوئے تھے توڑ دیا۔ اور خانہ کعبہ کی دیوار و پنیر بنی ہوئی تصویرون کو مٹا دیا جنکو کفار عرب نے فرشتون وغیرہ کی تصویرون سے موسوم کر رکھا تھا۔ اس طرح جزیرہ عرب مین بت پرستی کا خاتمہ ہوگیا اور خانہ کعبہ بتخانہ سے مسجد بنگیا جس مین خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت ہونے لگی۔ تمام اہل مکہ مسلمان ہوگئے جن مین ابوسفیان اور اُسکے بیٹے بھی شامل تھے اور منجملہ اولاد ابوسفیان کے ایک شخص معاویہ بھی تھے جنہون نے بعد مین حکومت بنوامیہ کی بنیاد قائم کی۔

مؤلفۃ القلوب

نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اون اشراف مکہ کا جو اسلامی فتح کے بعد ایمان لائے (مولفہ) یا (مولفۃ القلوب) نام کہا جس سے اس امر کی جانب اشارہ تھا کہ اُن کے دل خوش رکھکر اُنہین اپنے ساتھ ملایا جائے اور اس ذریعہ سے اُنکی قوم سے بھی میل ملاپ پیدا کرکے اسلام کی عزت و عظمت مین قوت پیدا کیجائے۔ سیرۃ حلبیہ مین لکھا ہے کہ مولفۃ القلوب کی تین قسمین تھین۔ ایک قسم تو وہ جنکو نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے محض اسلام مین داخل کرنیکی غرض سے خوش کیا تھا۔ مثلاً صفوان بن امیہ۔ دوسرے وہ لوگ تھے جنھین اسلام پر ثابت قدم رکھنے کے لئے اُنکی تالیف قلوب کی گئی تھی جن مین سے ایک ابوسفیان تھے۔ اور تیسری قسم مین ایسے لوگ تھے جنکی شرارت دور کرنیکی غرض سے اُنکی خاطر مدارات کیجاتی تھی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان لوگون کے ساتھ جود و بخشش سے مسلوک ہوتے اور جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا عطائے مال مین اونکو تمام صحابہ سے امتیاز دیتے تھے۔ اس حکمت عملی مین جو از حسن انتظام اور تحمل و کشادہ دلی کے متعلق مخفی ہے وہ اہل نظر خود سمجھ سکتے ہین۔

فتح مکہ کے بعد نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مکہ کے قرب و جوار کے مقامات کو چھوٹی چھوٹی فوجی جماعتین روانہ کین تاکہ وہ لوگون کو اسلام کیجانب بلائین۔ اور اسکے بعد حنین اور طایف پر فوجکشی کی۔ لیکن نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اس دفعہ طایف مین داخل ہونے اور آغاز زمانۂ دعوت کی تشریف بری مین زمین و آسمان کا فرق تھا۔ کیونکہ اُن دنون آپ اُن لوگون کے پاس مدد کے خواہان بنکر گئے تھے اور اب فاتح کی حیثیت سے پہونچے۔ غرضکہ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اونکو زیر کرکے بہت کچھ مال غنیمت حاصل کیا جسکی مقدار (۲۴۰۰۰) اونٹ۔ (۴۰۰۰۰) بکریان اور بہت سی چاندی تھی۔ اور چار ہزار اوقیہ خالص چاندی تھی جس وقت اُنہون نے اس مال غنیمت کو اپنے اصحاب مین تقسیم کرنا چاہا تو پہلے مؤلفۃ القلوب لوگون سے تقسیم شروع کی۔ ابوسفیان کو سو اونٹ۔ اور اسکے بیٹے معاویہ کو سو اونٹ اور یزید بن ابی سفیان کو بھی سو

اونٹ دیئے۔ اسکے علاوہ انہین چاندی کی بھی معتدبہ مقدار عنایت کی۔ اس طرح ابوسفیان نے معہ اپنے بیٹون کے تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی حاصل کی۔ اس عطا کو دیکھکر ابوسفیان کی آنکھین کھل گئین اور وہ کہنے لگے "یارسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہون لاریب آپ جنگ اور صلح دونون حالتون مین صاحب کرم ہین" ایسا ہی برتاؤ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے تمام اشراف قریش کے ساتھ کیا مثلاً مشہور ابی جہل کے بھائی حارث بن ہشام اور صفوان بن امیہ وغیرہ۔ مہاجرین و انصار کو یہ بات ناگوار گزری کیونکہ وہ لوگ اسلام کے رکن اور سابق الاسلام تھے اسلئے وہ کیونکر چھوڑ دیئے جاتے اور مال غنیمت خوشی سے اُن لوگون کا حصہ ہونے دیتے جو محض مجبوری کے عالم مین مبتلا ہوکر اسلام لائے تھے۔ صحابہ نے آپس مین اس بات کی شکایت کرتے ہوئے کہا "پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) قریش والون کو کیون عطا فرماتے ہین اور ہمین چھوڑے دیتے ہین حالانکہ ابھی تک ہماری تلوارون سے اُن کے خونون کے قطرے ٹپک رہے ہین" پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی اس گفتگو کی خبر ہوگئی اور آپنے اصحاب کو جمع کرکے اُن سے دریافت فرمایا کہ تم نے ایسا ایسا تذکرہ کیا ہے؟ صحابہ کرام نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنی گفتگو کا اقرار کیا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اُنکی بات کو صحیح تسلیم کرلیا لیکن ساتھ ہی اُن سے یہہ بھی کہا۔ "بیشک مین ایسے لوگون کو عطا کرتا ہون جو چند روز ہوئے مسلمان ہوئے ہین اور انکے کفر کا زمانہ بہت ہی قریب گزرا ہے۔ مین اُنکی دلہی اور خاطرداری کرتا ہون تاکہ اُنکا اسلام اچھا ہوجائے اور انکے سوا اور لوگ بھی اُنکی پیروی کرکے اسلام لے آئین۔ رہے تم لوگ سو مین نے تمہارا معاملہ تمہارے اُس ثابت قدم اسلام پر چھوڑ دیا ہے جو ذرا بھی تزلزل مین نہین آسکتا۔ اے انصاری لوگو! کیا تم اس بات سے خوش نہین ہوگے کہ اور لوگ تو اونٹ اور بکریان لے لیکے چلے جائین اور تم رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو لیکر اپنے لوگون واپس ہو؟..." اور ایسی ہی باتین مہاجرین کو بھی فرمائین جن سے وہ سب راضی ہوگئے۔

اسکے بعد تقریباً ۹ سنہ ہجری مین یہہ لوگ (فاتحان مکہ وطائف) مدینہ مین واپس آگئے۔ اب انکی شان و شوکت بہت قوی ہوگئی تھی اور انکے زور و طاقت کی خبر تمام ملک عرب مین مشہور ہوچکی تھی جسکی وجہ سے لوگ خود بخود گروہ در گروہ آتے اور مدینہ مین پہونچکر داخل اسلام ہوتے۔

جس وقت مسلمانون کی عزت و عظمت بہت بڑھ گئی اور تقریباً تمام جزیرۂ عرب اُنکے زیر حکم آچکا تو اُنہون نے اپنی فتوحات کا دایرہ پہر وسیع کرنا چاہا۔ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے روم والون پر دوبارہ فوجکشی کرنیکے لئے درستی افواج کا حکم دیا اور بہت جلد تیس ہزار کا بھاری لشکر جمع ہوگیا جسمین دس ہزار سوار تھے۔ مسلمانون نے اُس وقت

تک جسقدر حملے کئے تھے ان مین یہ سب سے بڑا لشکر تہا انہون نے اپنی قوت کے موافق اس فوج کی تیاری مین بہت کچھ مال بہی صرف کیا اور جس قدر زیادہ آدمی بہم پہونچ سکے جمع کئے گئے مگر راہ مین انہین پانی سے بہت سخت تکلیف اُٹھانی پڑی وہ شام اور مدینہ کے بامین ایک بستی مین رُک گئے جسکا نام تبوک تہا اور انکا خیال تہا کہ رومی لوگ مع لخم و جذام کے عربون کے اسی مقام پر آکر مجتمع ہونگے۔ اسی مقام پر ایلہ[1] کا حاکم اونکے پاس آیا اور جزیہ دیکر صلح کا عہد کیا۔ اسی چڑہائی کی حالت مین خالد بن الولید نے مدینہ اور دمشق کے بامین دمشق سے کوئی سات منزل کے فاصلہ پر دومۃ الجندل کے حاکم پر حملہ کیا یہ حاکم عربی النسل تہا اور نصرانی مذہب کا پیرو اور یہ خاندان کندہ مین سے تہا۔ خالد نے اُسے گرفتار کرلیا اور اوسکے بہائی کو قتل کر ڈالا انہون نے اس حاکم سے ایک قبائے دیبا جیسپر سنہری کام کیا ہوا تہا حاصل کر کے اُسے مسلمانون کے پاس بہیجا جسکو دیکہکر مسلمانون نے بہت تعجب ظاہر کیا اسلئے کہ ایسے عمدہ اور فاخرہ کپڑون کے دیکہنے کا اُنکو یہہ پہلا موقع ملا تہا۔ اتنی کارروائی کے بعد یہہ اسلامی لشکر مدینہ کو واپس آگیا اور اس نے ممالک روم مین سے کسی شہر کو فتح نہین کیا۔

۱۱ھ ہجری مین صاحب شریعت اسلامی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے وفات پائی۔ اس وقت تک اسلام بالکل کم سنی کے عالم مین تہا۔ اسلئے جن لوگونکے اثر اور عظمت مین اسلام نے کمزوری پیدا کردی تہی یا اُنکی ذاتی اغراض کے حاصل ہونے مین سدّ راہ بنگیا تہا۔ انہون نے اپنی اپنی جگہہ پر سر اٹہانے کی کوشش شروع کردی۔ عرب کے بہت سے قبیلے اسلام سے پہر گئے۔ بس صرف مدینہ۔ مکہ اور طائف کے رہنے والے سچے مسلمان رہے اور اس امر کی وجہ سے اسلام نہایت خطرناک حالت مین گرفتار ہوگیا۔ اگر ابوبکر رضہ اُسکی خبر نہ لیتے جیسا کہ آگے چلکر بیان ہوگا تو غالباً وہ نیست و نابود ہوجاتا۔ +

خلفائے راشدین

نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنی حیات مین مسلمانون کے فرمانروا۔ جنگ مین سالار۔ نمازمین امام۔ اور تمام دوسری حالتون مین اُنکے قاضی تہے۔ جس وقت انہون نے رحلت فرمائی اور کوئی اولاد نرینہ نہین چہوڑی نہ کسی کیلئے

[1] خلیج عقبہ کے سرے پر ملک شام کے قریب ساحل بحر قلزم پر ایک شہر ہے۔ مؤلف۔

بعد مین اپنا جانشین بنانے جانیکی وصیت کی تو مسلمانون مین یہ اختلاف پیدا ہوا کہ اُنکا جانشین کون ہو؟ یہ ظاہر تہا کہ اُنکی خلافت کے لئے تمام لوگون سے بہتر اور برتر اُنکے اصحاب تہے جنکی دو قسمین تہین۔ مہاجرین اور انصار۔ مہاجرین نے کہا کہ ہم خلافت کے زیادہ حقدار ہین کیونکہ ہم نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے قرابت مند اور اونکے ساتھی ہونیکے علاوہ اُن کا ساتھ دینے مین اپنے وطن اور گھر کو چہوڑکر اور عزیزون یارون سے بے تعلق ہوکر رہے ہین اور انصار کہتے تہے کہ "نہین ہم خلافت کے زیادہ مستحق ہین اسلئے کہ ہم نے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اپنے شہر مین پناہ دی اور اونکی مدد مین اپنی جانین فدا کین"۔ ان دونون فریقون مین یہہ جہگڑا اس قدر طول کہینچ گیا کہ باتون باتون سے ہاتہا پائی کی نوبت آجانے کا یقین ہوچلا تہا کہ ابوبکر رض نے اُن سے ایک ایسی حدیث بیان کی جسکو نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اون مین سے بہت سے لوگون کے سامنے بیان فرمایا تہا اور وہ حدیث یہہ تہی کہ "حکومت کے مالک قریش ہین"۔ اس حدیث کو سُنکر سبہون نے تسلیم خم کرلیا۔ اور انصار بالکل خموش ہوگئے۔

یہ سب کچہہ تو ہوا لیکن اسلام کو اب تک سخت خطرہ کا سامنا تہا کیونکہ مہاجرین مین بہی اس عظیم الشان منصب کے لئے کسی شخص کو انتخاب کرنے کی بابت بہت کچہہ اختلاف پہیلا ہوا تہا۔ مسلمانون کے ایک سربرآوردہ فرد عمر بن الخطاب رض نے اس اختلاف کے خطر کو محسوس کرلیا اور اُنہین یہہ معلوم ہوگیا کہ اسلام صرف اتحاد کی بدولت اور اسی کے استحکام کے لئے قایم ہوا ہے لہذا اونہون نے بہت تیزی کے ساتہہ ابی بکر رض کی جانب بڑہ کر اُن سے بیعت کرلی۔ دوسرے لوگ اس تماشہ ہی کو دیکہتے رہے اور اُنہین عمر رض کی قوت و جرأت سے یہ خوف بہی تہا کہ کہین وہ خود ہی طالب بیعت اور خلافت کے دعویدار نہ بن بیٹہین۔ مگر جب اونہون نے یہ دیکہا کہ ابوبکر رض کے ہاتہہ پر بیعت کرنے مین وہ سب سے پہل کر گئے تو سبہون نے ابوبکر رض سے بیعت کرلی اور تمام مشکلات کا خاتمہ ہوگیا۔

اب یہ خیال کرنا ایک غور طلب امر ہے کہ اُنہون نے اور بہت سے مہاجرین کے ہوتے ہوئے جن مین عباس رض بن عبدالمطلب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا اور علی بن ابی طالب اُنکے چچازاد بہائی اور دوسرے بنی ہاشم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کنبے والے موجود تہے تو ابوبکر رض ہی سے کیون بیعت کی؟ عمر بن الخطاب رض وغیرہ کے اقوال سے جو اونہون نے مختلف موقعون پر کہے ہین یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانون نے بنی ہاشم کو عزت نبوت سے سرفراز دیکہا اسلئے کہ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) انہی مین سے تہے لہذا اونہون نے یہ پسند نہ کیا کہ عزت نبوت پر خلافت کا بہی اضافہ کرین۔ اور ہوسکتا ہے کہ اون لوگون نے خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنیکے لحاظ سے ایسا کیا ہو۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا عباس رض نے ایکبار اُن سے کسی مقام کے عامل بنائے جانیکی استدعا کی تہی تو پیغمبر صاحب نے

انکار کردیا تھا۔ اور خود بنو ہاشم نے اس خیال کو صاف صاف ظاہر کیا ہے جنکے پیشوا امام حسنؓ بن علیؓ ہین جبکہ وہ معاویہؓ کے مقابلہ مین خلافت سے دست بردار ہوئے اور خلافت معاویہؓ کے سپرد کی تو فرمایا "خدا ہی کو یہہ منظور نہین کہ ہم (اہل بیت نبوت) مین نبوت اور خلافت دونون باتون کو جمع فرمائے"

علاوہ بنو ہاشم کے اور مہاجرین مثلاً عمرؓ عثمانؓ طلحہؓ اور زبیرؓ وغیرہ کے ہوتے جس امر نے ابوبکرؓ کے منتخب ہوجانے مین مدد دی وہ یہہ تھا کہ مسلمانون نے سابق الاسلام ہونیکا لحاظ کیا اور ابوبکرؓ مردون مین سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے تھے۔ اور نیز اس مقام پر ایک اور مہتم بالشان سبب بھی ہے جسکا اہل عرب زمانہ جاہلیت سے لحاظ کرتے آئے تھے۔ اور وہ سبب عمر کی بڑائی سے شیخ کا لفظ ہی اُنکے محاورہ مین شیخوخت (بزرگی) کے ساتھ ہی سرداری پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اُنکا قاعدہ تھا کہ جن باتون کو سرداری و افسری کے لئے ضروری خیال کرتے تھے اگر وہ سب اوصاف کسی شخص مین برابر ہوتے تو اُس شخص کو سردار بناتے جو اُن سبھون مین سُن ہوتا تھا اور اسکے ساتھ ہی باعتبار ادب کے بھی اُسکے مرتبہ کا لحاظ کرتے تھے۔ حرب فجار ثانی مین بھی قریش نے یہی کیا تھا اُنھون نے اپنے تمام گھرانون کو یکجا کیا اور ہر گھرانے کا ایک سردار تھا جن سبھون پر افسر اعلےٰ حرب بن اُمیہ کو مقرر کیا۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اُنھون نے تمام لوگون پر حرب بن اُمیہ کو عام حاکم بنایا تھا کیونکہ عبد مناف کے خاندان مین سن اور عزت دونون کے اعتبار سے وہ بہت معزز تھا اسی طرح پر ابوبکرؓ نے بھی سن اور وجاہت کے لحاظ سے تمام قریش پر امتیاز حاصل کیا تھا۔ اور ان سب باتون سے بڑھکر یہہ امر تھا کہ جب نبی (علیہ السلام) بیمار ہوئے تو آپ نے ابوبکرؓ کو مسلمانون کی نماز پڑھانے پر اپنا قائم مقام بنایا تھا اور یہہ منصب امامت کے حقوق مین سے تھا۔

ابوبکرؓ کا پہلا خطبہ جو اُنھون نے بیعت خلافت لینے کے بعد پڑھا ہے اسلام کی حقیقت اصلی کی تصویر کھینچ رہا ہے اور اُس راز کو عیان کرتا ہے جسکے سبب سے اسلام نے اتنی تیزی کے ساتھ محیط زمین پر اپنا سایہ پھیلا دیا۔ وہ خطبہ یہہ ہے:۔ "اے لوگو! مین تمہارا والی مقرر کیا گیا ہون اور اس مین کوئی شک نہین کہ مین تم سے بہتر نہین۔ اگر مین اچھا کام کرون تو میری مدد کرو اور اگر بدی کا مرتکب ہون تو مجھے ٹھیک بناؤ۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ تم مین کا زور والا میرے نزدیک اُس وقت تک کمزور ہے جبتک کہ مین اُس سے حق کو حاصل نہ کرلون۔ اور تمہارے گروہ کا کمزور شخص اُس وقت تک میری نظر مین زوردار ہے جبتک کہ مین انشاء اللہ تعالیٰ اُسکا حق اُسے نہ دلادون۔ تم مین سے کوئی شخص کوشش (جہاد) کو نہ ترک کرے کیونکہ

جو قوم اسکو چھوڑ دیتی ہے خداوند کریم اُسے ذلت مین مبتلا فرماتا ہے۔ جبتک مین خدا اور رسول کی اطاعت کرتا ہون تم بھی میرے مطیع رہو اور جس وقت مین اس امر سے باہر ہو کر نافرمانی کرون تو تمپر بھی میری اطاعت واجب نہین" ابوبکر رضہ نے زمام خلافت ایسے وقت مین لی تھی جبکہ اسلام نہایت پیچیدہ اور خطرہ کی حالت مین مبتلا تھا۔ اس اضطراب کی وجہ وہی ردّہ تھی جسکا ہم اوپر ذکر کر چکے ہین۔ اس ارتداد کے اسباب مین یہہ امر بھی شامل تھا کہ بعض قبیلے بظاہر اسلام کے مطیع تو ہو چکے تھے لیکن اسلام نے اُنکے دلون اور خیالات پر پورا قابو نہین پایا تھا جس وقت نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہوا اُنکے دماغون مین یہ ہوا سمائی کہ نبوت کا دعوے کر لینا بہت آسان امر ہے اُنھون نے یہ بھی خیال کیا کہ ہم بذات خاص اسکا دعوے کرینگے ساتھ ہی اپنے قبایل سے امداد حاصل کر لینگے۔ جنکے لوگ شمار مین قبیلہ قریش سے کہین زیادہ ہین اسلئے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تھوڑے سے قریشی تمام جزیرہ عرب پر سرداری کرین۔ یہ وجہ تھی جس سے کئی آدمیون نے نبوت کا باطل دعوے کر دیا جن مین خاندان بنی اسد مین سے طلیحہ بن خویلد الاسدی۔ بنی تمیم مین سے سجاح۔ اور یمامہ کے باشندون بنی حنیفہ مین سے مسیلمہ وغیرہ کئی شخص تھے۔ اور ہر شخص نے اپنے قبیلہ اور مددگارون سے امداد حاصل کی تھی۔ اس وجہ سے عرب کے تمام قبایل مین کچھہ ایسی کھلبلی پڑ گئی تھی کہ توبہ بھلی یعفر تو اُن مین سے ان دعویدارون کے پیرو بنگئے تھے اور کچھہ ایسے تھے جو صرف زکوٰۃ دینے سے باز رہے حالانکہ زکوٰۃ اسلام کے ابتدائی ارکان مین شامل ہے اُسکی حالت بیعت ایسی ہے جیسے سلطنتون مین مال کا صیغہ۔ اور یہ ہر شخص سمجھہ سکتا ہے کہ ہر وقت ہر جگہ سلطنتون کے قیام کے لئے مال کا ہونا ضرور ہوتا ہے۔ اور بعض عرب بدین خیال زکوٰۃ کے ادا کرنے سے رک گئے کہ انہون نے اُسے اتارہ کی قسم سے سمجھا جو وہ جاہلیت کے زمانہ مین ادا کیا کرتے تھے۔

ردّہ کا معاملہ اس قدر سخت ہو گیا اور مرتد لوگون نے اتنا زور پکڑا کہ اُن مین سے بعضون نے خود مدینہ پر چڑھائی کرنیکا قصد کر کے اُسپر حملہ کر ہی دیا۔ انہون مدینہ مسلمانون کا پائے تخت تھا اور قریب تھا کہ یہہ حملہ آور اُسے فتح کر لین لیکن ابوبکر رضہ نے نہایت عمدگی کے ساتھہ اُنکی مدافعت کی اور اُنھون نے مرتد لوگون سے جنگ کرنے مین ایک تجربہ کار عقلمند اور دور اندیش شخص کیطرح کام کیا۔ اُنکے ماتحت کئی ایک چیدہ چیدہ فوجی افسر اور دانا آدمی تھے جنکے لئے ابوبکر رضہ نے کئی ایک علیحدہ علیحدہ فوجی نشان بنا کر اُنکے حوالے کئے ان فوجی نشانات کی تعداد گیارہ تھی جو اتنے ہی افسرون کے لئے بنائے گئے تھے اور منجملہ اُن لوگون کے خالد بن الولید۔ عکرمہ بن ابی جہل

اور عمرو بن العاص بھی تھے۔

ابوبکرؓ کی خلافت کو پورے دو برس بھی نگزرے تھے کہ سب معاملہ ٹھیک ہوگیا اور تمام شورشین فرو ہوگئین لوگ پھر اُسی طرح امن کی زندگی بسر کرنے لگے جیسی کہ ان فسادون سے قبل گزارتے تھے۔ ان جھگڑون سے فراغت پاکر ابوبکرؓ نے اپنی توجہ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کے لحاظ سے شام و عراق کیجانب منعطف کی اور ان ملکون پر فوجین بھیجین جنکی وجہ سے ۱۳ھ کا مشہور واقعہ یرموک پیش آیا جو بعد مین ملک شام کی فتح کا سبب بنا اور اوسکی وجہ سے مسلمانون کو ویسی ہی قوت حاصل ہوئی جیسی کہ ابتدا اسلام مین بدر کبری کے واقعہ سے ہوئی تھی۔

اسی ۱۳ھ مین ابوبکرؓ نے وفات پائی۔ وہ انتقال سے قبل عمرؓ کے واسطے خلافت کی وصیت کر گئے تھے جو کہ ابوبکرؓ کے بعد عمر مین تمام مہاجرین سے بڑے تھے۔ عمرؓ کے زمانۂ خلافت مین شام، عراق، مصر اور افریقہ وغیرہ ممالک مین بہت بڑی بڑی فتوحات حاصل ہوئین۔ +

اسلامی فتوحات

آغاز اسلام مین

ابتدائے اسلام مین عربون کی سادہ زندگی، فنون حرب و ضرب سے ناواقفیت، سامان جنگ کی غیر موجودگی اور تنگدستی کے علاوہ اُنکی اتنی تھوڑی تعداد نے جو قیصر روم و کسریٰ فارس کی صرف ایک شہر کی محافظ فوج سے بھی زاید نہ تھی، قیصر و کسریٰ کے ممالک کو فتح کرلیا اور اُس زمانہ کی ان دونون عظیم الشان حکومتونکا قلع کردیا اسکے اسباب مین مؤرخین و مصنفین اور روایتون کی جہان بین کرنیوالون نے بہت کچھ اختلاف آرا دکھایا ہے اور بڑی لمبی چوڑی بحثین کی ہین۔ +

اور اسمین شک نہین کہ یہ معاملہ ہے بھی غور طلب۔ کیونکہ عرب والون کی بے سروسامانی کے مقابل سلطنتہائے روم و فارس کا ساز و سامان ویسا ہی کامل تھا جیسا کہ ہونا چاہیئے۔ فوجونکی کثرت، مال و دولت کی افراط، سلاح

اور سامان جنگ کی فراوانی۔ رسد خانون اور قلعون کی کثرت تو تھی ہی اسپر طرہ یہ کہ عرب اُنپر حملہ کرنے آئے تو ایسے ملک مین داخل ہوئے کہ نہ وہان کے راستون اور حالات سے واقف تھے اور نہ وہان کوئی اُنکا معین و مددگار تھا۔ اور رومی و فارسی مدافعانہ پہلو اختیار کئے تھے جس مین یون بھی تھوڑے سے آدمی بہتون کا مقابلہ کرسکتے ہین۔ اور سب باتون سے زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ عربون نے صرف چودہ پندرہ برس کی قلیل مدت مین ان دونون سلطنتون کا چراغ گل کردیا اور انہین فتح کرلیا۔ اسلئے سوال ہوسکتا ہے کہ آخر ایسا کیونکر حاصل ہوگیا؟

اِس بارہ مین محقق لوگون کا سب سے زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ "عرب والون کو ان دونون عظیم الشان سلطنتون کے فتح کرنیکا موقعہ صرف اسی وجہ سے ملگیا کہ اسلام کے پیشتر سے یہ دونون حکومتین باہمی جنگ و پیکار کے جھگڑون مین مبتلا ہوکر نہایت کمزور اور خستہ حال ہوگئی تھین" جیسا کہ ہم اس سے پہلے ایک فصل مین بیان بھی کرچکے ہین۔ مگر ہماری ذاتی رائے مین محض حریف کی یہ کمزوری ہی عربون کی کامیابی کا باعث نہ تھی ورنہ انہین دونو سلطنتون مین سے کوئی ایک اپنی ہمسایہ مخالف حکومت پر بدرجہ اولےٰ غالب ہونی چاہیئے تھی یہ نہین کہ ایک چھوٹی سی قوم ملک عرب کے بیہڑ میدانون سے اُٹھکر آئے اور دونون سلطنتون پر تصرف کرلے؟۔ گو ہم یہ مانتے ہین کہ رومیون اور فارسیون کی کمزوری کو بھی اسلامی فتوحات مین دخل ضرور تھا مگر ایک یہی امر اُسکی علت نہ تھا بلکہ اور بھی بہت سے اسباب تھے جنکا بیان آگے چلکر آئیگا۔

عربون کو کس چیز نے فتح ممالک پر جری بنایا؟

سب سے پہلے ہمکو اُن اسباب سے بحث کرنی چاہیئے جنھون نے اہل عرب کو باوجود اُنکے جنگلی اور وحشی قوم ہونے کے ایسی شاندار اور قوی حکومتون پر حملہ کرنیکی جرات دلائی۔ حالانکہ وہ جنگلون کے رہنے والے اور وحشی تھے۔ کئی صدیان گزر چکی تھین کہ وہ ان دونون سلطنتون کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے اور انکے زور و قوت سے ڈرتے رہنے کے عادی ہوگئے تھے۔ اور اُنکی وسعت ملک انکے ہان ضرب المثل تھی۔ لہذا یہ کیونکر ہوسکتا تھا کہ ایسے لوگون مین کا ایک مختصر سا گروہ جسکی تعداد چند ہزار سے زائد نہ ہو۔ ان دونون سے بھڑ جانے کے لئے آمادہ ہونے کی جرأت کرلے خصوصاً اس صورت مین کہ نہ تو اُن لوگون کے بدن پر سوا سوتے جوتے کپڑون کے کوئی جنگی لباس ہو اور نہ جوہار سے بڑھکر انہین کوئی غذا میسر۔ ہتھیارون کی یہ حالت کہ ٹوٹے ہوئے نیزے جابجا سے بندھے ہوئے ہاتھون مین ہون۔ اور تلوارین بجائے پرتلون مین لگی ہونے کے چیتھڑون مین باندھکر حمایل کی ہوئی۔ پھر اگر انہین اسکی جرات بھی ہوئی تو اسلام سے پہلے اُنھون نے ایسا

کیون نہ کیا؟ - اُس وقت انہین کیا ہوگیا تھا؟ -

اسکا جواب یہ ہوگا کہ اسلام کے بعد عرب عرب ہی نرہی جو قبل از اسلام تھے اُنکی بالکل کایا پلٹ گئی تہی. پہلے تو وہ جدا جدا اور منتشر قبیلے تھے اور ہر ایک دوسرے سے بیگانہ تہا. مگر اسلام کے بعد وہ ایک قوم اور ایک دل ہوگئے. یہ بات ہی اکیلی اُنکے اتنے بڑے کام پر قدم بڑہانیکے لئے کافی نہین ہوسکتی. البتہ جو امر کہ اس قدر جرأت پیدا کر دینے کا موجب بن سکتا وہ اونکا یہ اعتقاد تہا کہ جس چیز کی جانب اُنکو بلایا گیا ہے یعنی دین اسلام وہ واقعی حق اور راست ہے. اُنکا عقیدہ تہا کہ وہ دنیا کو دین کے لئے فتح کرتے ہین. اور خداوند پاک انہین روئے زمین پر اسلام کے پہیلانے کا حکم دیتا ہے اُن مین سے جو شخص اس کوشش مین مارا گیا وہ شہید ہوگا. اور آئندہ عالم کی نعمتین عالم ہستی کی نعمتون سے عمدہ اور دیرپا ہین. یہی عقیدہ تہا جس نے عرب والون کو اتنے بڑے اور سخت کام مین ہاتھ ڈالنے پر دلیر بنا دیا تہا. اور اس مین بہی شک نہین کہ اُنہون نے اپنے حملون اور لڑائیون مین نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ مین فتحمندی کا جو مزہ چکہا تہا اُس نے بہی اُنکو اس خیال پر جمے رہنے مین مدد دی انسان کا قاعدہ ہے کہ جب اُسے کسی کام مین نفع حاصل ہوتا ہے یا کوئی تجارت اُسے سودمند ثابت ہوجاتی ہے تو اُس کام یا تجارت کے ترقی دینے مین اُسے اپنے تمام سرمایہ کا بہی لگا دینا گران نہین گزرتا -

اسلامی اتحاد کا جلوہ اُنکے تمام کاروبار مین نظر آتا ہے جسکے شواہد مین سے ایک وہ بہی ہے جو ہم نے اسکے اقرار باہمی اور بہائی چارہ کے برتاؤ سے متعلق پہلے بیان کیا ہے. نیز ہمارے اس دعوے کی یون بہی تائید ہوتی ہے کہ اسلام توحید کا عنوان ہے جیسا کہ قرآن و حدیث کے ملاحظہ سے عیان ہوتا ہے اور صدر اسلام مین خلفا اور امرا اسلام کا کوئی خطبہ اس وحدۃ (ایکے) کی جانب اشارہ کرنے اور مسلمانون کو اُس جدائی و بیگانگی کے یاد دلانیسے خالی نہین ملتا جسپر اُنکے باپ دادا زمانہ جاہلیت مین عامل تہے اور ساتہہ ہی وہ خطبے اُن مفید اُمور سے بہرے ہوئے ملتے ہین جنکی جانب اسلام نے لوگون کو بلایا کہ انہین باہمی تعصب کے ترک اور یکدل رہنے کی تاکید کی ہے اور پانچ مرتبہ ایک دن مین امام یا اُسکے نایب کے پیچہے جمع ہونیکی تاکید نے اُنکے اس اتفاق کو اور بہی مضبوط کر دیا ہے. اس امر مین اتحاد تعلقات کے قوت پانے اور اطاعت پر یکدل ہونیکا جو فایدہ ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہین رہ سکتا. بلاذری نے بیان کیا ہے کہ مکہ فتح ہونیسے پہلے جب ابوسفیان مسلمانون کے پاس آئے اور وہ اُس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تہے. تو اونہون نے مسلمانون کو نماز مین کہڑے دیکہا. جب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) رکوع کرتے تو وہ سب جہک جاتے اور جس وقت سجدہ فرماتے سب سجدہ مین آجاتے. ابوسفیان نے

یہ حالت دیکھکر کہا "خدا جانتا ہے کہ میںنے آجکی طرح کبھی کسی ایسی قوم کی فرمانبرداری نہین دیکھی جو ادہر اُدہر سے آکر جمع ہوگئی ہو۔ اور نہ معزز فارسیون اور پُرہیبت رومیون مین ایسی اطاعت گزاری کا نمونہ دیکھا ہے"

باقی رہا یہ امر کہ عرب دعوت اسلام کی راستی کیونکر مانتے تھے اور اُنکا یہ خیال کس طرح تھا کہ جو کچھ وہ کرتے ہین دنیا کے لئے نہین کرتے بلکہ آخرت کے لئے۔ سو یہ بات اثنار فتوحات مین اُنکے ہر ایک قول و فعل سے ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً مغیرہ بن شعبہ کا جواب جبکہ فارس کے سپہ سالار رستم نے قادسیہ کی جنگ مین اُنسے کہا تھا کہ "بیشک تم اپنی مطلوب شے کی کوشش مین ہو جو جانین دیتے ہو" مغیرہؓ نے کہا "ہم مین سے جو قتل ہوتا ہے وہ جنت مین داخل ہوگا اور تم مین سے جو مریگا وہ جہنم واصل۔ اسکے بعد جو لوگ ہم مین سے باقی رہجائینگے وہ تمہارے باقیماندہ لوگون پر فتح پائینگے" اور عبادہ ابن الصامتؓ کی وہ گفتگو جو مقوقس مصر سے ہوئی تھی جبکہ مقوقس نے اُنہین رومی فوجی قوت کا خوف دلا کر اُن سے کہا تھا کہ تم کبھی اُنکا مقابلہ نہ کرسکوگے۔ اسکے جواب مین عبادہؓ نے کہا "اے شخص! تو اور تیرے ساتھی ہرگز اپنے دلمین کچھ گھمنڈ نہ کرین۔ تو ہمیشہ رومیون کی جماعت اور کثرت سے دھمکاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم اُنپر فتح نہ پائینگے مین اپنی جان کی قسم کھاکر کہتا ہون کہ یہ بات ہمکو ڈرانے والی نہین ہے اور نہ ہمارے اس مصمم ارادہ کو توڑ سکتی ہے جسپر ہم کمربستہ ہین۔ اور اگر تم سچ کہتے ہو تو واللہ اُن سے جنگ کرنے مین جو چیز ہمکو سب سے زاید پسند ہے وہ یہی ہے اور اب ہماری حرص اُنپر بہت زیادہ ہوگئی ہے کیونکہ یہ صورت ہمارے واسطے خدا تعالیٰ کے روبرو بہت بڑی عذرخواہی کی وجہ ہوسکتی ہے جبکہ ہم اُسکے حضور مین حاضر کئے جائینگے۔ اگر ہم ایک سرہ سے قتل کر ڈالے جائین تو بلاخر خشنودی خلاق عالم کی رضامندی حاصل کرکے اُسکی جنت مین داخل ہوجائینگے۔ اس سے بڑھکر تو ہمکو کوئی چیز پسند اور مرغوب ہی نہین بحالت موجودہ تمہارے ساتھ ہمارا تعلق ایسا ہے جسکا نتیجہ ہمارے لئے دو مین سے ایک بہتری ضرور ہوگا۔ یعنی اگر ہم نے تمپر فتح پائی تو عظیم الشان دنیاوی نعمت ہمارے ہاتھ آئیگی اور یا جبکہ تمنے ہمپر غلبہ پالیا تو ہم نعمت آخرت سے بہرہ یاب ہونگے۔ اور خوب ہم کہہ چکے ہین کہ ہماری جانون سے اتنا اتنا کوشش ہوچکنے کے بعد جو بات ان دونون سے ہمکو زیادہ مرغوب ہے وہ یہی آخری امر ہے۔ اور خدائے پاک و بے نیاز نے ہم سے اپنی کتاب مین یون خطاب فرمایا ہے "کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ واللہ مع الصابرین" (یعنی کتنی ہی دفعہ گروہ قلیل بحکم خدا گروہ کثیر پر غالب آجاتا ہے اور اللہ صبر والون کا ساتھی ہے) ہمارے گروہ مین ہر شخص صبح و شام اپنے پروردگار کے روبرو بالحاح تمام یہی دعا مانگا کرتا ہے کہ بارخدایا مجھے شہادت نصیب فرما

اور مجھکو اپنے ملک و وطن اور بال بچون کیطرف زندہ واپس نہ لیجا۔ اور ہم مین سے کسی کو اپنے پسماندون کا غم نہین ہے بلکہ ہر شخص نے اپنے بال بچون اور مال و متاع کو اپنے خدا کی سپرد کر دیا ہے۔ البتہ ہمکو فکر ہے تو اُس بات کی جو اب ہمارے سامنے ہے (یعنی کفار سے جنگ) باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ ہم لوگ بر اوقات کے سامان مین تنگ دست اور بے برگ و ساز ہین تو یہ خیال اپنے دل سے دور کر دو۔ کیونکہ ہم بحمد اللہ فراغت کی زندگی بسر کر رہے ہین اور ایسے خوش حال ہین جسکی کوئی انتہا نہین اگر ساری دنیا بھی ہماری ملک ہو جائیگی تو ہم اپنی ذات خاص کے لئے کبھی اس سے زائد نہ چاہینگے جتنا کہ اب ہمارے لئے ہے ..."

اسلامی تاریخ مین اسکی اور بھی بہت سی مثالین موجود ہین یہانتک کہ ایک مسلمان شخص خود اپنے باپ اور بھائی سے جبکہ وہ دونون مشرک ہوتے لڑتا تھا اور اسے اچھا سمجھتا تھا۔ اور دوسرے مذاہب کی تاریخین دیکھنے سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان کسی معاملہ کے اندر ہلاکت مین پڑنے اور خطرہ مین ہاتھ ڈالنے پر تیار نہین ہوتا۔ مگر جبکہ وہ دینی معاملہ ہو جس مین اُسے اپنی جان تک کی بالکل پرواہ نہین رہتی اسکے متعلق خود نصاریٰ کے یہان عیسوی شہیدون کے قصے موجود ہین اور دوسرے مذاہب کی بھی بکثرت اس قسم کی روایتین ملتی ہین جو ہمارے مدعا کو ثابت کرنیکے لئے کافی و وافی ہین۔

مصر شام اور عراق کے لینے کی خواہش عرب والون کو یون اور بھی بڑھی کہ انہین ان ممالک کی سرسبزی اور زرخیزی کا حال معلوم ہو گیا تھا اور اُس دینی اُبھان کے بعد جو انہین پیدا ہو گیا تھا خود اُنکا خشک اور بیآب و گیاہ ملک اونکی ضروریات کا ذمہ دار نہ ہو سکتا تھا۔ اور اسلام کے چند ماتحت قبیلے تو محض مال غنیمت ہی کی خاطر لڑتے تھے۔ اس دعوے کی دلیل وہ واقعہ ہو سکتا ہے جو مسلمانون سے غزوۂ حنین اور طائف کے بعد ظہور مین آیا کیونکہ ان لڑائیون سے فارغ ہونے کے بعد جبکہ بہت سا مال اور بے شمار لوٹ کا سامان جمع ہو گیا تھا اور جنگ کے قیدی واپس کر دیئے گئے تھے اُس موقعہ پر جو حالت ہوئی اُسے ابن ہشام یہ لکھکر کہتا ہے کہ "نبی (صلعم) سوار ہو کر چلے اور لوگ یہ غل مچاتے ہوئے آپکے پیچھے ہو لئے کہ یا رسول اللہ آپ ہمارا لوٹ کا مال اور اونٹ بکریان ہمکو تقسیم فرما دین" یہانتک کہ انہون نے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ایک درخت کے تلے ٹھیرنے پر مجبور کر دیا اور اونکی چادر تک چھین گئی۔ اُس وقت نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "لوگو میری چادر واپس دید و قسم ہے خدا کی اگر میرے پاس درخت تھامہ کے برابر نعمتین ہوتین تو مین اُنہین بھی تمپر بانٹ دیتا اور پھر بھی تم مجھے بخیل بزدل۔ اور دروغگو نہ پاتے"

فتوحات پر اہل عرب کی مساعدت کس امر نے کی؟

یہاں تک تو اسکا بیان تھا کہ فلان فلان وجوہ سے عرب والوں کے دلون

مین ایسی عظیم الشان سلطنتون کے ساتھہ جنگ کرنیکی جرأت پیدا ہوئی۔ مگر یہ بتانا باقی ہے کہ ان فتوحات پر انکی مساعدت کس امر نے کی؟ جسکی تفصیل یہ ہے:-

(۱) انکی چستی وجفاکشی اور زیادہ ساز وسامان کا پاس نہ رکھنا۔ کیونکہ وہ خانہ بدوش لوگ تھے۔ اور تکلیف سے زندگی بسر کرنیکے عادی ہوکر بھوک وپیاس کی سختیون سے بے پرواہو گئے تھے۔ جب اُن مین سے کوئی شخص کسی جنگ کے لئے سفر کرتا تو کبھی اپنے ساتھہ اس قدر اسباب نہ لیتا جو اُسکے کندھون پر یا اونٹ پر بار ہو بلکہ بعض حالتون مین تو وہ کھانے کا بھی سامان ساتھہ نہ لیتے تھے جو کچھہ راستہ مین لوٹ مار سے ہاتھ لگتا اُسی سے گذارہ کر لیتے تھے۔ عربون کے غالب آنے مین اونٹ کا بہت کچھہ احسان ہے اسلئے کہ وہ اکیلا اُنکے یہاں وہی کام دیتا تھا جو رومیون کے یہاں۔ گاڑیون۔ گھوڑون اور دیگر جوپایون سے نکلتا تھا۔ عرب کا باشندہ اپنی اونٹنی سے اتنے کام لیتا تھا۔ اُسپر سوار ہوتا۔ اپنا سامان لادتا۔ اُسکے دودھ کو غذا بناتا۔ اور اُسکے سایہ مین بیٹھکر آرام لیتا۔ ان سب فوایدکے مقابلہ مین اُسکی خدمت کچھہ نہین کرنی پڑتی تھی۔ وہ بیچارے جنگل کی گھاس پھوس سے پیٹ پالتے اور کبھی سوکھی گھاس ہی پر بسر کرتے۔ پھر کئی کئی دن تک بھوک اور پیاس کا تحمل کر لیتے تھے۔ بخلاف اسکے رومی یا فارسی اُس وقت تک میدان جنگ مین نہ جاسکتا تھا جبتک کہ اُسکے ساتھ بہت سا بوجھہ خیمہ وخرگاہ اور سامان رسد کا نہ ہو جسکے اٹھانے کی طاقت گاڑیون کے سوا کسی اور کو نہ ہوتی۔ اور گاڑیون کے کھینچنے کو جانورون کی ضرورت پڑتی اور جانورون کو دانہ چارہ اور پانی کی احتیاج دامنگیر رہتی۔ اور ہمین اسبات کا ذکر اسلئے اور بھی کرنا پڑا کہ ہم نے انگریزون اور سوڈانی عربون کی جنگ مین بچشم خود یہ حالت دیکھی ہے ۱۸۸۴ء مین جب وادی نیل کی مہم گارڈن پاشا کو خرطوم کے محاصرہ سے چھوڑانیکے لئے روانہ ہوئی ہے اُس وقت یہ کیفیت دیکھی گئی کہ ایک انگریز بھی اُس وقت تک اپنے مقام سے جنبش نہ کرتا تھا جبتک کہ اُسکے ساتھہ ڈبل روٹی۔ بسکٹ۔ بہنا ہوا گوشت۔ شکر۔ چاء۔ دودھ۔ مکھن اور پانی کی چھاگلین خیمون۔ ڈیرون کے گٹھڑ اور سامانون اور کپڑون کے بوجھہ نہ ہوتے۔ اسکے علاوہ انکے ساتھہ گھوڑون کا دانہ چارہ اور دیگر سامان رسد اس قدر ہوتا تھا جسکے اُٹھانے کے لئے بہت سے بار بردار جانور درکار ہوتے۔

مذکورہ بالا مہم مین آدمی (سپاہی) تو صرف ۱۵۰۰ تھے اور اونٹون کی تعداد چار ہزار تھی جنکی وجہ سے شتربانون

اور دوسرے ملازمون کی ایک بہاری تعداد ہمراہ ہوگئی تھی اور یہ حالت مہم کے سر پر بار گران ہوتی تھی۔ برعکس اسکے سوڈانی ان تمام ساز اور سامانون سے بے پروا تھے۔ اُن کے پاس ایک تھیلا ہوتا تھا جسمین تھوڑے سے جوار کے دانے پڑے ہوتے تھے وہ اُسے بغل مین دبا تا اور جہان چاہتا چلدیتا تھا۔

(۲) اونکا تصاوقدر پر اعتقاد رکھنا اور یہ ماننا کہ جبتک موت نہ آئے انسان ہرگز نہین مرتا جب اُسکا وقت آجاتا ہے تو فوراً مرجاتا ہے چاہے اپنے بستر استراحت ہی پر کیون نہ پڑا ہو۔ اور موت نہ آئے تو برستی ہوئی تلوار دن کے سایہ مین بھی اُسکا بال بیکا نہین ہوتا۔ یہ اعتقاد بہت پختگی کے ساتھ اُن کے دلون مین جما ہوا تھا۔ اور اون کے مشہور وقایع مین جو دلیریان اون سے ظاہر ہوئی ہین اون سب کی علت یہی اعتقاد تھا۔

(۳) گھوڑے کی سواری اور تیراندازی مین اُنکا ماہر کامل ہونا۔ ان امور مین وہ رومی اور فارسی دونون قومون سے کہین زیادہ ماہر تھے۔ پہر عرب کے گھوڑے بھی رومیون اور فارسیون کے گھوڑون سے بنسبت ترجیح لوتے تھے اور اونکی زیادہ تر لڑائیون مین رواج زمانہ کے مطابق ایک ایک دو دو شخصون کا مقابلہ ہوا کرتا تھا۔ وہ لوگ تمام فوج مین سے ایک ایک سوار کو چُنتے تھے اور وہ میدان مین نکلکر باہم مقابل ہوتے جو غالب آجاتا اُسکے طرفدار بازی جیت لیتے۔ اور عرب والے اس طریقہ سے اکثر کامیاب ہی ہوتے تھے۔ نیز بسا اوقات اونکی تمندی صرف اُس شخص کی کوششون پر منحصر ہوتی تھی جو میدان مین نکل کر غالب رہتا یا کسی ایسے سچے نشانہ باز قدر انداز کا جو ایک ہی تیر مین غنیم کے سپہ سالار کا خاتمہ کردیتا جس سے اُسکی سپاہ منتشر ہوجاتی۔ جس مقام پر ہم جنگی ہتھیارون کا ذکر کرینگے وہان اس امر کی تفصیل آئیگی۔ +

صدر اسلام کی خصوصیت شرایط نصرت کا زیادہ پایا جانا

(۴) اس مین شک نہین کہ مذکورۂ بالا زمانہ مشہور وذی شان لوگون کے پیدا کرنے مین ویسا ہی ممتاز گزرا ہے جیسا کہ نپولین کا زمانہ نامی جنرلون کے لئے مشہور ہوا ہے۔ کیونکہ وہی ملک فرانس بعد اُن اُس قسم کے جنگجو سردار پھر نہ پیدا کرسکا۔ زمانۂ نپولین اعظم کے جنرل فرنچ بغاوت کے بعد نام آوری کے میدان مین ویسے جیسا کہ اسلام کے صدر اول مین نامور لوگ نمایان ہوئے جبکہ ملک عرب مین واقعہ فیل گزرا۔ اور حبشی لوگون نے تہیون اور فیل سوارون کی کثیر تعداد کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ کیا تھا۔ اس واقعہ نے عربون کے سکون مین ایک قسم کی لیت پیدا کردی۔ اور زمانہ کے انقلابات کی وجہ سے جو صدمات پہنچے اونہون نے اہل عرب کو نیز شکنجہ مین ڈالکر اُنہین اپنی حالت کے سنبھالنے کا خیال دلادیا جسکی وجہ سے اُنکی وہ مخفی قوتین جو اب تک دبی ہوئی اور

پنہان تہین اُبھر کر آشکار ہوگئین۔ ایسے سخت حادثے لوگون مین اکثر ایک اس قسم کا مادۂ ترقی اور جوش پیدا کر دیتے ہین جس سے پوشیدہ قوتین اور دبی ہوئی طاقتین آشکار ہو جاتی اور اُبھر آتی ہین۔ ہمارے اس دعوے پر تاریخ ایک زبردست شاہد ہے۔ گویا کہ خداوند پاک نے عرب والون کی قسمت مین فتحمندی لکھدی تہی کہ اُن کو ایسے سردارون اور سپاہیون کے ساتھ مختص کیا جو فنون جنگ حسن تدبیر۔ اور حکمت عملی مین دنیا کے چیدہ چیدہ لوگون مین شمار ہوتے ہین۔ مثلاً خالد بن الولید۔ خالد بن سعید۔ ابی عبیدۃ ابن الجراح۔ سعد بن ابی وقاص۔ یزید بن ابی سفیان۔ حمزہ بن عبد المطلب اور علی بن ابی طالب جیسے لوگ جن مین دلیری اور سپہ سالاری کا مادہ غالب تہا۔ اور عمرو بن العاص۔ معاویہ بن ابی سفیان۔ مغیرۃ بن شعبہ۔ اور زیاد ابن ابیہ کی مانند مدبر و ہوشیار لوگ اور ابو بکر صدیق و عمر بن الخطاب کی مثل دانا اور متقی اور صاحب ہمت لوگ اُن مین پیدا ہوئے۔

اسلام کے تیزی سے کامیاب ہونے مین ان مذکورۂ بالا عظیم الشان لوگون یا ان جیسے اور نامور شخصون کا وجود مین آنا ایک قوی سبب تہا۔ اور خود مسلمان اس بات کو بخوبی جانتے تہے یہان تک کہ آغاز دعوت کے زمانہ مین خود نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کہا "خدایا حمزہ بن عبد المطلب کے مسلمان ہونے سے اسلام کی تائید فرما" اور جب حمزہ رض داخل اسلام ہو چکے اور عمر رض بہی مسلمان ہو لئے تو نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ "بے شک حمزہ اور عمر کے اسلام لانے سے مذہب اسلام کو تائید پہونچی ہے"

ابی بکر۔ عمر۔ علی۔ ابن العاص۔ معاویہ۔ اور خالد جیسے لوگ اگر آجکے دن ظاہر ہوتے تو اس مین کلام نہین کہ اُنکا شمار اُن بڑے بڑے لوگون مین ہوتا جنکی عظمت کو ہمہ بے نیا بلور ضرب المثل کے پیش کرتی ہے جیسا کہ یورپ کے لوگ ان دنون بونا پارٹ۔ کرامویل۔ بسمارک اور گلیڈسٹن وغیرہ کو ضرب المثل بناتے ہین۔ مذکورۂ بالا اشخاص اون نامور لوگون کے علاوہ ہین جو اموی اور عباسی حکمرانون کے عہد مین پیدا ہوئے اور شہرت و عظمت کے آسمان پر نیر اعظم بنکر چمکے۔

صبر اور درنگ

(۵) جنگ موتہ کے بعد جس مین اہل عرب کو شکست ہوئی انہین رومیون کی قوت و کثرت کا علم و تجربہ ہو گیا تہا۔ اب وہ اس امر سے آگاہ ہو گئے تہے کہ رومیون کی لڑائی اور ہے۔ اور جنگلی لوگون کی جنگ اور۔ جن سے کہ وہ اپنے ملک مین روز لڑا کرتے۔ اور آپسمین ایکدوسرے پر چھاپے مارا کرتے تہے جس وقت اُنہین یہہ بات ثابت ہو گئی تو انہون نے اسکے بعد والے زمانہ مین رومیون سے جنگ کرنیکا طریقہ بدل دیا۔ اب وہ بجائے سرعت کے ساتھ حملہ آور ہونے کے چپکے چپکے لڑتے رہنے اور لڑائی کو طول

دنیا سیکھ گئے تھے اور اسی بات پر کاربند رہتے تھے۔ صبر کرنے کی عادت تو اُن کے لئے بہت ہی آسان کام تھا اسلئے کہ اونکو تھوڑی سی غذا اور موٹے جھوٹے کپڑوں پر اکتفا کرنا پہلے ہی سے آتا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اور جب اونکا سامان ہو چکتا تھا تو وہ لوٹ مار پر جھک کر چوپایے اور گیہوں وغیرہ جو کچھ ہاتھ آتا اسی پر بسر اوقات کر لیتے تھے

شروع شروع مین جب اہل عرب عراق اور شام کے ملکون پر بڑھے ہین تو اونکی لڑائیون کا رنگ ملکی فتوحات کی نسبت چوپایے مارنے اور لوٹ مار کرنے سے زیادہ مشابہ تھا اور اکثر فتوحات مین اُنکا یہی قاعدہ تھا کہ جس شہر کو فتح کرنیکا ارادہ کرتے اُسپر پہلے اپنی فوج کی ایک جماعت کو چوپایے مارنے کیلئے بھیجدیتے۔ اور کبھی بظاہر اونکا یہ ارادہ بھی نہین ہوتا تھا کہ اُس ملک کو فتح ہی کرینگے۔ اس طرح وہ اُس شہر کے گرد قتل و غارت کرتے ہوئے چکر کاٹتے تھے یہانتک کہ انہین فتح کا موقعہ ملجاتا تو اُسے غنیمت سمجھکر ہاتھ سے نہین دیتے تھے۔ اُنہون نے صدر اسلام اور اسکے مابعد زمانہ مین اپنی بہت سی فتوحات کے اندر ایسا ہی طریقہ برتا۔ کیونکہ جب موسیٰ بن نصیر نے طارق کو ۹۲ھ مین سواحل ہسپانیہ کیجانب روانہ کیا تھا تو اسکی غرض صرف لوٹ مار کی تھی کچھ فاتحہ کی حیثیت سے نہین بھیجا تھا۔ مگر حسن اتفاق کہ آخر کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے جنہون نے فتح ملک مین طارق کی مدد کی۔ یہ اسباب اُن سببون سے ملتے ہوئے تھے جنہون نے ملک شام کی فتح پر اہل عرب کو کامیاب پہونچایا تھا۔ اس طرح پر طارق اندلس مین داخل ہو گیا۔ اور جب موسیٰ کو یہ اطلاع ملی تو اُسے پہلے تو اس بات کا تعجب ہوا پھر اُسے ناگوار گزرا کہ وہ آپ ہی فاتح کیون نہ ہوا؟ لہذا اُس نے حکم استماع بھیجکر طارق کو آگے بڑھنے سے روکدیا۔ ان دونون کے مابین جو واقعہ گزرا وہ ناظرین تواریخ سے مخفی نہین۔ افریقہ اور اُسکے آس پاس کے ملکون کی فتوحات مین بھی عرب کی یہی حالت رہی۔ +

عرب والون کی کمک

(۶) اسلام ابتدائی حالت مین عرب کی ترقی کا پہلا قدم تھا اور مسلمان خود عرب ہی کے باشندے تھے یہانتک کہ رفتہ رفتہ اکثر محاورات مین یہ دونون لفظ مسلمین اور عرب ایک ہی معنون مین مستعمل ہونے لگے۔ جب لوگ عربون کا ذکر کرتے تو اون سے مسلمانون کو مراد لیا کرتے اور اسکے برعکس بھی ہوتا۔ داخل اسلام ہونے کے معاملہ مین بہ نسبت اور قومون کے اہل عرب قریب تر تھے اسلئے کہ اسلام پر فخر کرنے مین جو خصوصیتین اُنہین حاصل ہین دوسرون کو حاصل نہین یہ بات بہت مضبوطی کے ساتھ لوگون کے دلون مین بیٹھ گئی تھی خصوصاً اس وقت اور بھی جبکہ عمر رضی نے جزیرۂ عرب سے غیر مسلم لوگون کے نکال باہر کرنیکا حکم دیا تھا جسکے بعد تمام مشرکین اور غیر مذاہب کے لوگ جزیرۂ عرب سے جلاوطن ہو گئے اور اب اوس جزیرہ مین سوائے مسلمانون کے کوئی غیر باقی نہین رہا چنانچہ اُس وقت سے آجتک یہ حالت بدستور قایم ہے۔

مسلمانون نے شام اور عراق کے شہرون پر کچھ ہی دفعہ حملہ نہین کیا بلکہ بہت دنون تک وہ ان ممالک کے قرب وجوار مین جو صحرائے عرب سے متصل تھے لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ عراق اور شام کے ان صحراؤن کے رہنے والے بھی مسلمانون ہی کی طرح عرب تھے جنہین صدر ملک شام پر صوبہ حوران کے شہر بصرے مین غسانی خاندان کے لوگ فرمانروا تھے۔ اور عراق کی سرحدون پر شہر حیرہ مین منذری گھرانہ حاکم تھا ملک شام مین غسانی لوگ رومیون کے گورنر تھے اور عراق مین منذری امرا اہل فارس کے عمال شمار ہوتے تھے اہل عرب یون تو روم اور فارس والون سے طبعاً نفرت و عداوت رکھتے تھے لیکن "زبردست کا ٹھینگا سر پر" وبا دمین پڑکر انکے ماتحت بنے تھے خصوصاً منذری گھرانے کے لوگ تو نعمان بن منذر (جسکا لقب "ابو قابوس" تھا) کے قتل ہو چکنے کے بعد سے فارس والون سے خار کھاتے ہے تھے نعمان مذکور کو کسریٰ پرویز نے قتل کرادیا تھا اور اوسکے قتل ہونیکے باعث سے فارسیون اور عرب کے باشندون مین ایک بہت بڑی شہور جنگ ہی واقع ہوئی جو "ذوقار" کے نام سے معروف ہے اس جنگ مین فارس والون کو بہت بری طرح شکست کھانی پڑی تھی اور وہی سب سے بڑا میدان تھا جس مین عرب والون نے عجم سوزی کی۔ یہ عجیب اتفاق ہوا کہ مذکورہ بالا واقعہ اُسی سنہ مین ہوا تھا جسمین "بدر کبریٰ" کا واقعہ ہوا ہے اور دونون جنگون مین عرب والے ہی ظفر منصور رہے۔ منذری خاندان اور فارس کے لوگون مین اُس وقت تک عداوت و مخالفت قایم رہی جبکہ خالد بن الولید نے انپر فوجکشی کرکے تین باتین اون کے روبرو پیش کین۔ اسلام۔ یا جزیہ دینا۔ یا لڑنا مرنا۔ اون لوگون نے جزیہ دینا منظور کیا اور ایک مقدار مال معین پر جسے ہر سال ادا کرتے رہنے کی شرط کی تھی صلح کرلی۔ بصری وغیرہ نصاریٰ کے دیگر ممالک مین بھی جو ملک شام کی حدود مین تھے اور نیز اُن مقامات مین جو خطہ عرب مین داخل اور حدود صحرا کے اندر عراق عرب اور ملک شام کے مابین واقع تھے یہی صورت پیش آئی۔ مثلاً عین التمر اور صندودا۔ ان مقامات مین خاندان کندہ۔ ایاد اور قراقر کے لوگ آباد تھے اور یہ جگہہ بنی تغلب وغیرہ قبایل کے رہنے کی تھی جو بسبب پانی دستیاب ہونیکے یہان سکونت رکھتے تھے۔ خالد بن الولید نے عراق سے ملک شام کو آتے ہوئے ان قبایل سے جنگ کی تھی جن اسباب کو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اونکی اور نیز دیگر اسباب کی وجہ سے خاص ہونیکے باعث سے اسلام کی کمک کے لئے بہ نسبت دیگر قومون کے زیادہ قریب اور پیشدست تھے۔ اور جو اسباب اس امداد کے محرک ہوئے وہ حسب ذیل تھے:۔ عرب کے ہر ایک قبیلہ کے ساتھہ چند باتین خاص تھین۔ مثلاً عین التمر کے رہنے والے عرب اہل فارس سے خار کھاتے تھے جب سے فارسیون نے اسلام سے پیشتر اُن کے ملک کو فتح کرکے اُنپر علیحدہ

حکومت کی اور بعد ازاں اُنکی سلطنت کلسائیہ یمن والون کے سر سے سمٹ کر صرف بحرین پر قایم ہاتھا یمن کے باشندے اُنکے دشمن ہو رہے تھے۔ قوم ربیعہ ملک فارس کے ایک صوبہ ممالک جزیرہ مین سکونت پذیر تھی۔ یہ قوم بھی فارس کے باشندون کو نقصان پہونچانے مین مسلمانان عرب کی بہت کچھ معاون ہوئی۔

اکثر حالتون مین مذکورہ بالا عربی قبایل اور اونکے علاوہ ملک شام کے اہلی باشندے بھی محض جزیہ دینے سے بچنے کے لئے رومیون کے مقابلہ پر مسلمانون کی جانب داری کرتے تھے جیسا کہ جراجمہ (مردہ) نے کوہ لکام مین کیا۔ حبیب بن سلمۃ الفہری نے جب اُنپہ چڑھائی کی تو وہ جھٹ پٹ امن کے خواہان ہوگئے اور پھر اس شرط پر صلح کرلی کہ ہم مسلمانون کے مددگار اُنکے جاسوس۔ اور کوہ لکام مین رہینگے۔ مگر یہہ بھی ہو کہ ہمسے جزیہ کا مطالبہ نہ کیا جائے .... اسکے علاوہ اُنکے شہر مین اور جو لوگ تاجر۔ اجیر۔ اور محکوم رعایا کی قسم سے تھے جن مین بعض نبطی تھے اور بعضے دیگر اقوام سے اور نیز تمام دیہات کے لوگ سب اس صلح مین داخل ہوگئے تھے۔ اور اونکا نام روادیف رکھا گیا تھا۔ +

پسپا ہونیکا راستہ

(۷) شام اور عراق وغیرہ مین عربون کی جنگ کا ایک یہ بھی قاعدہ تھا کہ وہ لڑائی چھیڑنے اور حملہ کرنیسے پہلے اپنے پسپا ہونیکا راستہ محفوظ کر لیتے تھے تاکہ ضرورت کے وقت بھاگنے کا موقع رہے۔ لہذا وہ رومیون سے یا فارس والون سے اُس وقت تک نہین لڑتے تھے جبتک کہ اپنے آپ کو کسی محفوظ احاطہ مین نہ کرلین۔ اس راہ فرار کی حفاظت اُنکے لئے ایک نہایت آسان بات تھی۔ کیونکہ وہ جنگلون اور ادق و دق میدانون کو اپنے پس پشت لیکر معرکہ آرا ہوا کرتے تھے اور صحرا اُنکی جائے پناہ تھا۔ جس وقت وہ بھاگتے تھے رومی یا فارسی اُنکی گرد کو بھی نہ پا سکتے تھے اور نہ اُنہین اس تعاقب کی حاجت معلوم ہوتی تھی۔ جب رومی لوگ اپنے مقام پر واپس آجاتے تو اہل عرب بھی پھر اُنکے مقابل آنکر ڈٹتے تھے اسی طرح پسپا ہو ہو کر مقابلہ کرتے رہنے سے رومیون کا ناک مین دم کر دیتے تھے اور لڑائی کو طول دیکر اُنکی قوت کو گھٹاتے جاتے تھے خواہ وہ غنیم کے مقابلہ مین کتنے ہی کم ہون لیکن آخر کار اُسے تباہ کر ڈالتے تھے۔ اس معاملہ مین اُنکی بعینہٖ وہی حالت تھی جو اندنون ہماری پرشوکت اور طاقتور گورنمنٹ انگلشیہ کے مقابلہ مین بویرون کی کیفیت تھی گو وہ بہت تھوڑی تھے لیکن اونہون نے کثیر التعداد انگریزی فوجون کو دق کر رکھا تھا۔ اور فوجین بھی ایسی جنکے پاس کسی قسم کے سامان اور آلات حرب کی کمی نہ تھی نہ وہ بزدل تھین۔ لیکن بات یہ تھی کہ بویر لوگون نے وقتاً فوقتاً موقع دیکھہ دیکھکر حملہ کرتے رہنے اور ماریٹ کر پہر اپنے مقامات مین جو اُنہون نے دشوار گزار پہاڑون کے اندر

مقرر کر رکھے تھے جاگہسنے سے انگریزی فوجونکو تہکا مارا تھا اور قباحت یہ تھی کہ سرکاری فوجین دمان بلا سخت خطرہ مین مبتلا ہوئے جانہین سکتی تہین۔

یہ قاعدہ اہل عرب کے یہان بہت زور کے ساتھہ ملحوظ رہتا تھا یہان تک کہ اون مین سے بعض لوگ اورون کو بہی اسکی ہدایت کیا کرتے تھے۔ بنجملہ ایسے ہی اقوال کے مثنی بن حارثہ شیبانی کا یہہ قول بہی ہے جو ایک دلیر اور جنگجو عربی سردار تھا جس وقت اُسے مسلمانون کے اہل فارس سے معرکہ آرا ہونیکے لئے ملک عراق مین آنے کی اطلاع ملی تو اُس نے یہ پیغام افسر فوج اسلام سے کہلا بہیجا تھا:-

یہ اہل فارس سے اُنکے ملک کی سرحد پر ایسے مقام مین جنگ کرو جہان کہ سرزمین عرب کا ایک چہوٹا سا پتہر بہی پایا جا سکے۔ خبردار اون کے گہر نہین گہسکر نہ لڑنا۔ اگر خداوند پاک نے مسلمانون کو فتحمند بنایا تو جو کچہہ اہل فارس کے پس پشت ہے سب اُنہین کا ہوگا لیکن بصورت دیگر اُنہین اپنے ہی لوگون مین سے کسی گروہ مین واپس آنا ہوگا جسکے بعد وہ اپنی راہ سے زیادہ باخبر اور اپنی سرزمین پر زیادہ دلیر ہونگے یہانتک کہ حق سبحانہ اونہین دوبارہ حملہ کرنے کی استطاعت دے"

خلیفہ عمر بن الخطاب رض کی یہ خواہش کہ مرکز خلافت مدینہ اور اسلامی مملکت کی تمام گوشون سے آمد رفت کا سلسلہ باقی رہے۔ اس امر کی اور بہی تائید کرتی ہے کیونکہ خلیفہ ممدوح اس امر پر بیحد مصر رہتے تھے کہ اُن کے اور تمام مسلمانون کے مابین راہ مین کوئی دریا حایل نہ ہو۔ فارس اور مصر فتح ہو چکنے کے بعد جس زمانہ مین کہ امیر سعد بن ابی وقاص مداین مین اور امیر عمرو بن العاص اسکندریہ مین مقیم تھے خلیفہ ممدوح نے تمام امرا اسلام کو یہ فرمان لکہا تھا کہ "میرے اور اپنے مابین کسی دریا کو حایل نہ کرنا تاکہ جس وقت مین اپنی اونٹنی پر سوار ہوکر تمہاری پاس آنا چاہون تو آسکون"۔ اس حکم کے موصول ہونے پر سعد رض کوفے مین آگئے اور عمرو بن العاص فسطاط مین ان دونون امیرون نے اپنی فوجون کے ساتھہ کیمپ مین سکونت اختیار کی۔ بعد ازان وہی خیمون کے پڑاؤ کچہہ عرصہ مین بڑے بڑے آباد شہر بنگئے۔

یرموک شام اور عراق کے معرکون مین اہل عرب کا جو قاعدہ تھا اُسے ہم اوپر بیان کر آئے ہین۔ اسکے بعد یرموک کا مشہور معرکہ پیش آیا جو ابوبکر رض کی زندگی ہی مین ۱۳ھ مین واقع ہوا۔ یرموک اطراف شام مین ایک وادی (نالہ) ہے جو بصری کے قریب واقع ہے اس مین سے پانی بہکر بحیرہ طبریہ مین گرتا ہے۔ اُسکا یونانی نام (Hiereomax) تہا جسکو اہل عرب نے اپنے تلفظ مین لاکر "یرموک" کر دیا۔ اسی ندی کے کنارہ

پر یہ خوفناک معرکہ ہوا تھا فتح شام مین اسکی بڑی شان ہے اسلئے کہ اسی معرکہ مین مسلمانون کی کامیابی نے انہین فتوحات کا سلسلہ قایم رکھنے پر مستعد بنا دیا اور رومیونکی ہمتین پست کر دین۔

واقعہ یرموک کے حالات مین غور کرنیکے بعد اس مین مسلمانون کی کامیابی کا باعث دو چیزین پائی جاتی ہین عمرو بن العاصؓ کی رائے صائب۔ اور خالد بن الولیدؓ کی شجاعت۔ کیونکہ جس وقت رومیون نے حدود شام پر اہل عرب کی چیرہ چہاڑ اور انکی مار دھاڑ دیکھی تو انہون نے اپنی قوتون کو مجتمع کر کے یہ قصد کیا کہ مسلمانون کو یکبارگی پیس ڈالین۔ مسلمان لوگ شام و عراق کے اطراف مین متفرق تھے انہین اس امر کی خبر ملی تو انہون نے باہم اس معاملہ مین خط کتابت کی۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ یہ میری تو یہ رائے ہے کہ اجتماع بہتر ہے۔ کیونکہ جب ہم اکٹھے ہو جائینگے تو تھوڑے ہونے پر بھی مغلوب نہو سکین گے۔ اور اگر متفرق رہینگے تو ہم مین سے ہر ایک فرقہ دشمنون کی کثرت کی وجہ سے اپنے مد مقابل غنیم کا بار نہ اٹھا سکیگا۔ مسلمانون نے ابوبکرؓ کو اس رائے سے اطلاع دی اور انہین تمام صورت حال لکھ بھیجی۔ ابوبکرؓ نے بھی وہی جواب دیا جو عمرو بن العاصؓ نے کہا تھا۔ لہذا مسلمانونکی فوجین شام و عراق سے آن آنکر یکجا ہوگئین اور یرموک کے میدان مین اُنسے اور رومیون سے مڈبھیڑ ہوئی۔ ابن اثیر کے قول کے مطابق رومیون کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار تھی۔ اور مسلمانون کی تعداد صرف پچاس ہزار جو خالد بن الولیدؓ کی ماتحتی مین تھے۔ خالدؓ نے مسلمانون مین کھڑے ہوکر ایک پُرزور تقریر کی اور انہین غنیم کے مقابل ثابت قدم رہنے پر اُبھارا اور ہمت بندھائی۔ پھر انہون نے اسلامی فوج کے کئی حصے کر دیئے۔ اور ہر حصہ پر ایک سردار مقرر فرمایا۔ اہل عرب صف بندی کر کے لڑنا نہ جانتے تھے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ مگر یہان ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خالدؓ نے رومیون سے مقابلہ کرنیکے لئے انہین کے فوجی نظام کو دیکھکر اپنی فوج کو بھی اُسی طرز پر مرتب کر لیا۔ خالدؓ کو مسلمانون کے خوف زدہ ہو جانیکا احساس ہوگیا تھا لیکن وہ مختلف اوضاع سے اُنہین جوش دلاتے رہتے۔ مثلاً انہون نے ایک مسلمان کو یہ کہتے سُنا کہ یہ رومی والے کتنے زائد ہین اور مسلمان تھوڑے ہ اُسے انہون نے چھوٹتے ہی یہہ جواب دیا کہ یہ رومی والے کس قدر تھوڑے ہین اور مسلمان زائد۔ تم سمجھ کہو کہ تھوڑی فوجین فتحمندی کے ساتھہ زائد ہو جاتی ہین۔ اور شکست و ہزیمت کی وجہ سے بڑے بڑے لشکر صرف تھوڑے سو آدمیون کے برابر رہجاتے ہین۔ جس وقت کہ اسلامی فوجین معرکہ کارزار مین تھین اُنکے پاس ابوبکرؓ کی وفات کی خبر آئی۔ مگر انہون نے بدین خیال اس خبر کو مخفی رکھا کہ اس میدان مین ہزیمت کھانا ہماری تمام محنتون کو رائیگان کھو دیگا اور ہمین بالکل تباہ و برباد کر ڈالیگا۔ مسلمانون نے اس معرکہ مین بڑی سخت جنگ کی یہانتک کہ انکی عورتین بھی

لاٹھیان لے لیکر لڑتی تھین۔ آخر کار انھین فتح نصیب ہوئی اور یہی فتح ملک شام کی آیندہ فتوحات کا پیش خیمہ بنی۔ اسی طرح ملک عراق مین قادسیہ کا معرکہ انکے اہل فارس پر فتوحات حاصل کرنیکی بسم اللہ ہوا۔ اس جنگ مین بھی مسلمانون نے بڑی پامردی اور صبر دکھایا تھا اور بہت دنون تک یہ میدان سر نہ ہوسکا۔

(۸) رومیون اور فارسیون کے خانگی جھگڑون مین گرفتاری۔ پھوٹ اور خانہ جنگی۔ انکی متفقہ قوت کی کمزوری اور اخلاق کی خرابی نے بھی ان دونون ممالک کے رہنے والون کو نیچا دکھایا۔ مذکورہ بالا حالت اُس عداوت اور مخالفت کے علاوہ تھی جو ملک کے اصلی باشندون اور اونکے غیر قوم حکمرانون کے مابین پہلے ہی تھی مصر اور شام کے ملک مین اس عداوت کا بہت زور تھا اس لئے کہ مصر کے اصلی باشندے جو کہ قبطی تھے پے در پے کئی صدیون تک غیر قوم کے حکمرانون کی زیادتیان برداشت کرتے رہے تھے۔ پہلے فارس والون کے محکوم ہوئے۔ بعد ازان یونان والون کے اور پھر رومی قوم کے زیر فرمان آئے۔ اس تغیر و تبدل نے اونکی طبیعتون کو انقلاب پسند بنا دیا تھا اور آئے دن کے ظلم و ستم سے بچنے کیلئے ایک حکومت کے پنجہ سے نکلکر دوسری سلطنت کی ماتحتی مین آجانا انھین ایک آسان کام ہوگیا تھا۔ اسی طرح اہل شام جو کہ آرامی۔ سریانی نبطی اور یہودی وغیرہ قومون مین سے تھے۔ وہ بھی اپنے مصری پڑوسیون کیطرح معصیت کے مارے ہوئے اور اونھین کی مانند استقلال سے مایوس ہوچکے تھے اسلئے اُنھین اسکی کوئی پروا نہ تھی کہ اونکا حاکم رومی ہو یا عربی البتہ صرف اس قدر چاہتے تھے کہ اُنھین اُس حکمران کے ماتحت راحت و امن نصیب ہو۔ ملک شام کے رہنے والون کو بنسبت اور اقوام کے عربی قوم کی حکومت پسند بھی ہوسکتی تھی کیونکہ اہل عرب زبان۔ نسب اور عادات کے معاملہ مین اونسے بہت قریب تھے اس باتکو بھی جانے دیا جائے تاہم ایک اور امر قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ بہ نسبت قریب والے کے دور والے سے زیادہ نفع پانے کی امید رکھا کرتا ہے۔ اور نئے آنیوالے سے بہ نسبت ہمیشہ کے پاس رہنے والے کے زیادہ بہتری کا متوقع ہوتا ہے۔ خصوصًا اُس صورت مین جبکہ مذکورہ بالا شخصون کی حالت کا فرق ظاہر ہو جیسا کہ رومیون اور اہل عرب مین بین فرق تھا۔ کیونکہ اون دنون روم والے ادبار و تنزل کے چکر مین آچکے تھے انکی حکام و آداب بگڑ چکے تھے اور عرب اپنے اُٹھان اور ترقی کے دور مین تھے اُنھون نے انصاف اور مساوات کو اپنا طریقہ بنا رکھا تھا۔ یہ سب باتین اُن مذہبی اختلافون اور جدائیون کے علاوہ تھین جو ان دونون ملکون کے رہنے والون اور رومانی حاکمون کے مابین وجہ بیگانگی تھین ہم اُن تمام باتون کو اوپر بیان کر آئے ہین۔ ان اسباب سے شام اور مصر کے رہنے والون کو کسی غیر قوم و مذہب کے حاکم کے سامنے سر اطاعت خم کرنا اور اُسے اپنے ہم مذہب حکام کے بالمقابل

مدد دینا آسان معلوم ہوتا تھا۔ +

یہود (۹) اگرچہ روم والے متعدد گروہون اور جماعتون مین منقسم تھے تاہم جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے یہودیون کے ستانے اور دق کرنیکے معاملہ مین وہ سب ایک ہو جاتے تھے۔ جس وقت مسلمان ملک شام کو فتح کرنے کی نیت سے آئے ہین۔ یہ دشمنی حد درجہ کو پہونچ چکی تھی اور گو یہودی لوگ مال کو جان سے بھی بڑھکر عزیز رکھتے ہین لیکن رومیون سے انتقام لینے کی راہ مین وہ اپنے مال و منال کے خرچ کرنے پر بھی آمادہ تھے۔ اور فی الواقع اکثر حالتون مین رومیون کے مقابلہ پر وہ اہل عرب کے مددگار ہوتے رہے۔ انکو شہرون کے مخفی راستون کا راز بتا کر شہر مین لیجایا کرتے تھے جیسا کہ قیساریہ مین کیا۔ مسلمانون نے متواتر سات برس تک اس شہر کا محاصرہ کئے رکھا۔ لیکن وہان کی فوج کی طاقت اور اسکے قلعون کی پائداری و دشوار گزاری کی وجہ سے فتح نہین کر سکے ہر ایک رات مین قیساریہ کی فصیلون کی حفاظت کرنیکے لئے ایک لاکھ فوج متعین رہتی تھی۔ اسلامی فوج کے سپہ سالار اس مقام پر معاویہ بن ابی سفیان تھے انکے پاس قیساریہ کے باشندون مین سے ایک یہودی آیا جس کا نام یوسف تھا اس نے محض اس شرط پر کہ اُسے اور اوسکے بال بچون کو امن دیا جائے مسلمانون کو ایک بدرو بتادی جسمین پانی تھا اور اوسکے اندر سے ہوکر آدمی شہر مین داخل ہو سکتا تھا اس بات کا نتیجہ یہہ ہوا کہ مسلمان لوگ شہر مین اُسی بدرو کی راہ سے گھس گئے اور اوسے فتح کر لیا۔

جب ابو عبیدہؓ نے شہر سامرہ کو صلح سے لیا تو وہان کے رہنے والے سب یہودی تھے اُن سے صرف یہ شرط کی کہ مسلمانون کے جاسوس اور راہبر بنین اسی شرط کے مقابل مین اُنکو جزیہ سے بری کر دیا اور اُنکی زمین اُنہین کو دیدی کہ اُسکی آمدنی کھائین اور خرچ مین لائین۔ دوسرے ایسے ہی شہرون کی حالت کو جنہین یہودیون نے محض اپنے رومی حاکمون کے زک دینے کی غرض سے بددیانتی کر کے مسلمانون کے ہاتھون مین سپرد کر دیا۔ اسی پر قیاس کر لو۔ اور ان سب باتون کا سبب وہی عداوت اور بددلی تھی جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ +

مسلمانون کا عدل انکی مہربانی اور خدا ترسی (۱۰) ان عمدہ صفات کا اُن لوگون پر بہت اچھا اثر پڑتا تھا جو روم اور فارس والون کی حکومت سے آزاد ہوکر مسلمانون کے سایہ عاطفت مین داخل ہوتے تھے۔ یہ نیک برتاؤ انکی سب سے مقدم وصیت تھی جسے سامنے لیکر دار الخلافت سے فتوحات کے لئے قدم نکالتے تھے۔ دیکھو جبکہ اسامہ بن زید اسلامی فوج کو ساتھ لیکر شام کی جانب روانہ ہوئے ہین۔ ابو بکر صدیقؓ نے اُنہین حسب ذیل فہمائش کی تھی:-

"بد دیانتی۔ بیوفائی۔ ظلم و زیادتی نہ کرنا۔ لوگون کے اعضا کاٹنے۔ بچون۔ سن رسیدہ بڈھون۔ اور عورتون کے قتل کرنے پہل دار درخت کو کاٹنے اور جلانے اور درختون کو بے ثمر بنانے سے پرہیز کرنا بکری گائے اور اونٹ کو خدا کے لئے ذبح (قربانی) کرنیکے علاوہ اور کسی وجہ سے ذبح نہ کرنا۔ اور عنقریب تم ایسے لوگون کے پاس سے ہوکر گزروگے جنہون نے خدا کی عبادت کے لئے عبادتگاہون اور خانقاہون مین سکونت اور گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے۔ انہین انکی حالت پر چھوڑ دینا اور انکی عبادتگاہ یا خانقاہ کو بھی تعرض نہ کرنا" انہین شائستہ سلوکون مین سے ایک طریقہ ادنےٰ اور اعلےٰ درجہ کے لوگون مین مساوات کا قایم کرنا بھی تھا اس امر کی سب سے روشن دلیل غسان کے بادشاہ جبلۃ بن ایہم غسانی کا قصہ ہے جبکہ وہ عمر بن الخطابؓ کے عہد مین مسلمان ہوکر اپنے خدم و حشم کے ساتھ مدینہ آیا تھا۔ عمرؓ اُسکے مسلمان ہونیسے بہت مسرور ہوئے اور مدینہ کے رہنے والے اُسکے جلوس کو دیکھنے نکلے جسمین مرصع و مغرق ساز و یراق کے گھوڑے تھے اور جبلہ کے سر پر جواہرات کا مرصع تاج تھا۔ باوجود اس شان و شوکت اور رعب و جلال کے۔ جبکہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا اور قوم فزارہ کے ایک شخص نے اُسکے ازار پر پیر رکھدیا۔ جبلہ نے غضبناک ہوکر اُسکے منہ پر ایک تھپڑ مارا۔ اور وہ شخص عمرؓ کے پاس فریادی ہوا۔ تو عمرؓ نے جبلہ کو سزا شرعی سے معاف نہ فرمایا بلکہ اُسے بلوا بھیجا اور جب وہ آیا تو اُس سے پوچھا کہ یہہ فزاری کیا شکایت کرتا ہے؟ جبلہ نے کہا بیشک۔ اے امیر المومنین اس شخص نے میری ازار گرانیکا قصد کیا تھا اور مین صرف حرمت کعبہ کی وجہ سے تھپڑ ہی مار کر رہگیا۔ ورنہ اسکے منہ پر تلوار مارتا" اسکے جواب مین عمرؓ نے فرمایا کہ "اب اور دقت ہوئی کہ تو نے خود گناہ کا اقرار کر لیا۔ لہٰذا یا تو اس آدمی کو رضامند کرلے یا مین اُسکو تجھ سے بدلہ دلاؤنگا اور اُسے حکم دونگا کہ جس طرح تو نے تھپڑ مارا تھا وہ بھی تجھے مارے۔ جبلہ نے کہا "یا امیر المومنین یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ وہ ایک معمولی آدمی ہے اور مین بادشاہ ہون" عمرؓ نے فرمایا "اسلام نے تم دونون کو ایک کر دیا ہے تم اُسپر سوا پرہیزگاری اور نیک مزاجی کی عمدہ صفات حاصل کرنیکے اور کسی طرح فضیلت نہین پا سکتے" جبلہ کو عمرؓ کے حکم سے بچنے کی سوا اسکے کوئی صورت نظر نہ آئی کہ کہین بھاگ جائے۔ لہٰذا وہ رات کے وقت قسطنطنیہ کو بھاگ گیا اور پھر کبھی ملک عرب کا رُخ نہ کیا۔ ایسی ہی اُس قبطی کی حکایت ہے۔ جسے عمرو بن العاص کے بیٹے نے بیگناہ مارا تھا اور وہ مدینہ جاکر حضرت عمرؓ کے حضور مین فریادی ہوا۔ عمرؓ نے فوراً قاصد بھیجکر امیر عمرو بن العاص اور اونکے بیٹے کو مدینہ مین طلب فرمایا۔ جس وقت عمرو بن العاصؓ معہ اپنے بیٹے کے حاضر دربار خلافت ہوئے۔ خلیفہ ممدوح نے مظلوم قبطی کو ایک کوڑا دیکر حکم دیا کہ عمرو بن العاصؓ کے فرزند کو مارے

قبطی نے اُس لڑکے کو کوڑا جماکر یہ قصد کیا کہ اُسکے باپ امیر عمرو بن العاص رضؓ پر بھی ہاتھ ڈالے کہ امیر مذکور بول اُٹھے "اسے تو صرف میرے بیٹے نے مارا تھا جو اپنی سزا کو پہونچگیا۔ اب مجھپر کیوں بے وجہ عتاب ہے؟" اسکے جواب مین خلیفہ نے قبطی کو روکدیا اور امیر مذکور سے فرمایا "اے عمرو تمنے لوگون کو غلام کب سے بنانا شروع کر دیا ہے، وہ تو اپنی ماؤن کے شکم سے آزاد پیدا ہوئے تھے؟"

اِن بہتیرین اور شریف ترین عادات کا جو اثر فتوحات کے بسرعت بڑھنے مین ہوسکتا ہے وہ اہل دانش سے مخفی نہین رہ سکتا۔ کیونکہ شام۔ عراق۔ اور مصر کے رہنے والے اپنے حکام کے ظلم وستم اور اونکے ذلیل برتاؤ سے تنگ آرہے تھے جو انکو سخت حقیر اور خوار سمجھتے تھے۔ جب اُنہین یہ معلوم ہوا کہ مسلمان فاتح سراپا عدل ورحم ہین تو بدل وجان اُنکی جانب متوجہ ہو گئے اور اونکے دوستدار بن گئے۔

لوگون کو اپنی اصلی حالت پر رہنے دینا

(۱۱) عربون کا قاعدہ تھا کہ جب کسی شہر یا ملک کو فتح کرتے وہان کے رہنے والون کو بدستور سابق اُنہین کے طور وطریق اور حالتو پر رہنے دیتے۔ اُنکے مذہب مین۔ معاملات مین۔ اور اُنکی تمدنی اور انتظامی وغیرہ حالتون سے کوئی تعرض نہ کرتے تھے۔ جبکہ عمرو بن العاص رضؓ نے مصر کو فتح کیا ہے تو اُنہون نے وہان بھی ایسا ہی برتاؤ کیا یعنی قبطیونکی حکومت اور انتظامی حالت خود اُنہین کے ہاتھون مین رہنے دی حتی کہ قبطی لوگ اپنے ہی گرجہ مین سے اپنا قاضی بھی مقرر کرتے جو اُنکے معاملات کا فیصلہ کیا کرتا تھا۔ اور بہت سے مفتوحہ ممالک مین اہل عرب کا یہی طرز عمل رہا۔

گویا کہ بظاہر اونکی فتح ایک قسم کی حاکمانہ مداخلت ہوتی تھی جس سے رعایا کے طور وطریق پر کوئی اثر نہین پڑ سکتا تھا اور آگے چلکر جو اُمور بیان ہونگے اُن سے اس بات کا اور بھی صاف صاف انکشاف ہوجائے گا۔ وہ اہل عرب جزیہ کے نام سے جو رقم وصول کیا کرتے تھے یہ گویا اُنکی حفاظت جان ومال کا معاوضہ ہوتا تھا۔ خود رومی لوگون کو غسانی وغیرہ قبایل کے عربون کو جو ملک شام کی حدود مین رہتے تھے اس قسم کی مالی امداد دیتے رہنے کی عادت تھی تاکہ وہ اُنکے مددگار رہین۔ اور اہل فارس کے مقابلہ مین اُنکے ساتھ جنگ کرین جس طرح کہ عراق کے رہنے والے عربون کو اہل فارس زر نقد اور دیگر انعامات دیکر اُنہین ایرانیون کی جنگ مین اپنا بازو بنائے رکھتے تھے۔ علاوہ برین جتنی بڑی بڑی سلطنتین ہین وہ سب اپنے ممالک کے قریب رہنے والی وحشی اور جنگجو قومون کو اس قسم کا عطیہ دیتے رہنے کی عادی ہین۔ دولت علیہ عثمانیہ بھی ایسا ہی کرتی ہے اور آجکل اس عطیہ کو "خوۃ" کہا جاتا ہے لیکن اہل عرب نے اپنی مفتوح قومون پر ادائے مال کے ساتھ ہی "حتی یودوا الجزیۃ

عن یدٍ وھم صاغرون: کی نفس پر عمل کرنیکے لحاظ سے اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار بھی شرط کر دیا تھا۔ اور گو ان سے اپنی اطاعت منواتے تھے تاہم جو لوگ جزیہ دیا کرتے تھے یہ انکی حفاظت اور خبر گیری کا اقرار کر لیتے تھے اور اسکے ذمہ دار ہو جاتے تھے کہ انہیں کسی قسم کا مالی یا جانی نقصان یہ رومی دشمنوں کے ہاتھوں نہ پہنچنے دینگے۔ اس بات کو دیکھکر گمان غالب یہی ہوتا ہے کہ اس حمایت سے تمک کے اصلی باشندوں کا ان کے حکام رومیوں کی دسترس سے بچائے رکھنا مراد ہوتا تھا اسلئے کہ اہل ملک دل سے تو رومیوں کی اطاعت سے خارج ہونیکے خواہاں تھے لیکن انکے زور و قوت سے ڈرتے بھی تھے۔

عبادۃ بن الصامت نے مقوقس مصر کے حکمران سے جو گفتگو کی اس سے بھی امر مذکورہ بالا بخوبی واضح ہوتا ہے انہوں نے مقوقس اور تمام مصر کے رہنے والونسے مخاطب ہو کر یوں کہا تھا: "لیکن اگر تم اسلام کو قبول نہیں کرتے اور نہ لڑنا چاہتے ہو تو جزیہ ادا کرو اور عاجزی کے ساتھ ہمارے مطیع بنو۔ اور جس قدر رقم پر ہم تم باہم راضی ہو جائیں وہ تم ہر سال ہمیں دیدیا کرو جبتک کہ ہم اور تم باقی رہیں۔ ہم تمہارے ان دشمنوں سے لڑینگے جو تمکو ایذا دینے پر آمادہ ہوں۔ یا تمہاری زمینوں، مالوں اور جانوں کو تلف کرنا چاہیں اگر تم ہماری ذمہ داری میں ہوگے تو ہم تمہاری طرف سے حفاظت جان و مال کی خدمت ادا کرینگے اور اس امر کا تمکو قول دینگے ... الخ" اسی مضمون کے اقرار نامے اور خطوط ذمی لوگوں کو اہل اسلام لکھدیتے تھے جو بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اور خالد بن الولید نے ملک عراق میں ابن نسطونا کے نام جو تحریر لکھی تھی اسکا مضمون بھی اسی قسم کا ہے۔

ہمارے اس بیان کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو مسلمانوں اور شہر حمص کے رہنے والوں میں پیش آیا تھا۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو یرموک کے میدان میں اکٹھے ہونیکی ضرورت پیش آئی اس وقت شہر حمص انکی ذمہ داری میں تھا۔ مسلمانوں نے جسقدر جزیہ کی رقم حمص والوں سے وصول کی تھی وہ سب انہیں واپس کر دی اور انسے کہا "اب ہم ایک مہم میں مبتلا ہونے کے باعث تمہاری امداد و حفاظت کا کام انجام نہیں دیسکتے لہذا تمہیں اختیار ہے کہ جو چاہو اپنے بچاؤ کا سامان کر لو" اسکے جواب میں حمص والوں نے کہا "تمہاری حکمرانی اور تمہارا انصاف ہمیں بہ نسبت اس ظلم و ستم کے جس میں ہم اب سے پہلے مبتلا تھے صد ہا درجہ بہتر پسند ہے ہم تمہارے عامل کے ساتھ ملکر شہر (حمص) کو افواج ہرقل کی دسترس سے بچائینگے اور اسکی حفاظت کرینگے"۔

غیر مسلمان لوگ اکثر ایسی حالتوں میں غیر مسلم قوموں کو جزیہ سے معاف بھی کر دیتے تھے جبکہ وہ انکے ساتھ ہو کر لڑنیکا اقرار کرتی تھیں اور یہ صورت نصرانی عربوں کے ساتھ اکثر واقع ہوئی ہے۔ لیکن کچھ اسی پر منحصر نہیں بلکہ کئی بار

عربون کے علاوہ اور قدیمون سے بھی اس قسم کا معاملہ ہوا۔ جیسے جراجمہ وغیرہ سے جنکا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اسلئے مسلمانون کا تسلط لوگون پر گران نہین گزرتا تھا بلکہ ملک کے باشندے اکثر حالتون مین انکو اپنے اصلی حاکمون (رومیون یا فارسیون) سے افضل سمجھتے تھے۔ اور جزیہ کی رقم جو انہین مسلمانونکی نذر کرنی پڑتی تھی اُن تمام لگانون اور ٹکسون سے جو وہ لوگ رومیون یا فارسیون کو دیا کرتے تھے کہین کم تھی۔ +

خلاصہ حاصل کلام یہ ہے مسلمانون کو فتح کی جرأت اور سہین امداد صرف اُنکے مذہب نے دلائی اور اپنی فتحمندی پر انکے سچے دلی اعتقاد نے جسکے ساتھ ہی اُنکی شہسواری اور تیراندازی کی مہارت جسمانی قوت جنگلی زندگی بسر کرتے رہنے سے مستعدی کی عادت۔ لڑائی کو طول دینے کا ڈھنگ۔ اور اونکے قوم مین اہل الرائے اور شجاع افراد کا پیدا ہونا بھی شریک تھا۔ اور ان سب پر طرہ اُنکی انصاف پسندی اور دادگستری اور مہربانی تھی جو وہ مفتوح رعایا کے ساتھ برتتے تھے اور رومیون اور فارسیون کی کمزوری کی حالت بھی اُنکی معین بنگئی جسکے سبب سے دس برس سے کچھ ہی زائد عرصہ مین اُنہون نے شام فلسطین مصر عراق اور فارس کی سلطنتون پر قبضہ کرلیا اور عمر بن الخطابؓ ہی کے عہد مین ان تمام مقامات پر اُنکا کامل تسلط ہوگیا۔ اور اسکے بعد عثمان بن عفانؓ اور اُنکے جانشین خلفا کے زمانۂ حکومت مین بھی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ +



صورت مثالی حضرت خلیفہ عمر بن خطابؓ

خلفائے راشدین کیجانب واپسی

فتنہ عثمانؓ کے زمانہ مین اُس فساد کا بیج پڑا جو اُنکے قتل ہونیکے ساتھ ۳۵ھ مین برپا ہوا اور اُسی وقت سے اسلامی تاریخ کا رنگ بدل گیا۔ اس فتنہ کا سبب یہ تہا کہ جس وقت ۲۳ھ مین عمرؓ کو ابو لولو مجوسی نے زہر مین بجھے ہوئے خنجر سے زخمی کیا اور اُنہین اپنی زندگی کا خاتمہ ہوتا محسوس ہوا تو اُنہون نے اصحاب نبیؐ مین سے چند لوگون کو جن مین عثمان بن عفانؓ۔ طلحہ بن عبید اللہ۔ زبیرؓ بن العوام اور علی بن ابی طالبؓ بھی شامل تہے اپنا جانشین ہونیکے لئے نامزد کرکے ... ... یہ وصیت کی کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گہر مین جمع ہوکر اپنے مین سے ایک شخص کو کثرت رائے سے منتخب کرلین جو میرے بعد خلافت کا کاروبار سنبہالے۔ ان لوگون نے مجتمع ہوکر عثمان بن عفانؓ کو منتخب کیا جو بنی اُمیہ کے کنبہ مین سے تہے اور ان سب لوگون مین باعتبار عمر کے بڑے بہی تہے۔

یونتو بنو امیہ تمام قریش کے گہرانون مین قوت وجمعیت کے لحاظ سے بڑہے ہوئے تہے لیکن اُن مین سے بہتیرے لوگ مکہ کے فتح ہو چکنے اور اپنے سرگروہ ابوسفیانؓ کے مسلمان ہوجانے کے بعد اسلام لائے تہے اسلئے اون لڑائیون مین جنپر سلطنت اسلامی کے رکن قایم ہوئے اُنکی کوششون کا کوئی حصہ شامل نہ تہا۔ ابوبکرؓ مسند نشین خلافت ہوئے تو اُنہون نے بہی ان لوگون کو عامل مقرر نہ کیا۔ اور شاید اس بات کا باعث ابوبکرؓ کا ان لوگون کے اسلام کی سچائی پر وثوق نہ کرنا رہا ہو کیونکہ ان لوگون کو اسلام لائے ہوئے بہت تہوڑا ہی عرصہ گزرا تہا یا اسلئے کہ یہہ لوگ قبول اسلام سے کوئی مفر نہ رہنے پر مجبوری کیحالت مین مسلمان ہوئے تہے۔ بنو اُمیہ نے ابوبکرؓ سے اسبات کا مطالبہ بہی کیا کہ ہمین افسری اور عہدے کیون نہین دیئے جاتے؟ جسکے جواب مین اونہون نے صرف اتنی بات کہی کہ "اپنے اور بھائیون کی سی کارگذاریان جہاد مین دکہاؤ" اور یہہ کہکر اُنہین مرتد لوگون کے مقابلہ مین لڑنے کے لئے روانہ کردیا۔ اس واقعہ کے بعد عمرؓ نے انہین اپنے عہد مین ملک شام کی لڑائیون پر بہیجا۔ باوجود اس بات کے بنو امیہ ہمیشہ یہی خیال کرتے رہے کہ حکومت اور امارت کے لئے قریش کے تمام گہرانون مین وہی بہتر ہین اسلئے کہ وہ بنو ہاشم سے مرتبہ مین معزز اور تعداد مین زیادہ ہین اور لڑائیون مین فوجی افسری اُنہین کا حق تہی جیسا کہ زمانہ جہالت کے باب مین بیان ہوچکا ہے۔ اور ابی طالب کے وفات پاجانیکے بعد جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے

چاہتے بنو امیہ کا اثر اور اقتدار اور بھی بڑھ گیا تھا۔ علاوہ ان تمام باتوں کے ہاشمیوں اور امویوں کے مابین زمانۂ جاہلیت ہی سے مسلسل ایک قسم کی چشمک بھی چلی آتی تھی۔

عثمانؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو انکی وجہ سے بنو امیہ کی عزت میں نشو و نما ہوا یوں تو عثمانؓ بہت نیک مزاج اور صاف باطن بزرگ تھے لیکن اپنے اقربا کا بہت خیال رکھتے تھے اور کنبہ پروری کیجانب مائل رہتے تھے۔ عثمان خلافت ہاتھ میں آتے ہی انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو ملکوں پر عامل بنانا شروع کر دیا اور حکومت سے متعلق انکو ذمہ داری کی خدمتیں سپرد کرنے لگے۔ جو صحابہ کہ انگلے وقتوں سے ان خدمتوں کے مستحق رہتے چلے آئے تھے انہیں یہ امر ناگوار گزرا۔ اور اسکے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے اسباب پیدا ہو گئے جنکے بیان کرنے میں طول فضول ہوگا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام بڑے بڑے شہروں کے باشندے عثمانؓ سے ناخوش اور انکے دشمن بنگئے انکی کئی جماعتیں جنمیں مصر کوفہ اور بصرے کے رہنے والے شریک تھے مدینہ میں آئیں اور انہوں نے عثمانؓ پر دباؤ ڈالا کہ وہ عہدۂ خلافت سے علیحدہ ہو جائیں خلیفہ ممدوح نے انکی بات نہ سنی تو انہوں نے آپ کو قرآن کی تلاوت کرتے میں شہید کر ڈالا اور انکا یہ کرتوت شہادت کیوقت پہنے ہوئے تھے خون میں تر بتر ہو گیا۔ اگرچہ ان قاتلوں کے اس بیہودہ فعل میں اس اعتبار سے کتنی ہی لغویت کیوں نہ پائی جاتی ہو کہ انہوں نے باب خلافت کو نظر انداز کر کے خلیفہ کی آبروریزی کی۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں ہو کہ یہ واقعہ اہل عرب کی خودداری، آزاد مزاجی۔ اور بلند ہمتی کی ایک واضح دلیل ہے۔

عثمانؓ شہید ہو چکے تو اب لوگوں میں یہ اختلاف پیدا ہوا کہ انکا جانشین کون شخص ہو؟ مدینے کے رہنے والے حضرت علیؓ کی خلافت چاہتے تھے۔ اور بصرہ والے طلحہؓ کی۔ اور کوفہ کے باشندے زبیرؓ بن العوامؓ کو خلیفہ بنانے کے متمنی تھے۔ اور یہ تینوں صاحب اور اصحاب کے مقابلہ میں خلافت کے بہت زیادہ آرزومند تھے۔ ملک شام کے اکثر مسلمان بنو امیہ سے ہے اور انکے نزدیک خلافت عثمانؓ کے ہاتھوں میں رہنی بہتر تھی یا انکے بعد اپنے ہی خاندان کا کوئی شخص انکا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ باقی رہے خاص مدینہ کے لوگ انکی مرضی یہی تھی کہ علیؓ خلیفہ تسلیم ہوں۔ کیونکہ جس زمانہ سے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ کیجانب ہجرت کی تھی یہ لوگ برابر اہلبیت نبوی کے خیر طلب اور مددگار رہتے آئے تھے۔ اور اس وقت بھی اپنے اسی خیال پر قائم تھے۔ پھر علیؓ کی جنبہ داری کے معاملہ میں قوم ربیعہ اور ملک میں کے لوگ بھی مدینہ والوں سے مل گئے تھے۔ اسلئے اگرچہ تمام گروہوں کے مقابلہ میں علیؓ کے ہوا خواہوں کی تعداد کسی گنتی زیادہ تھی۔ تاہم اتنی خرابی بھی تھی کہ وہ سب لوگ مختلف قبایل اور ممالک کے تھے کی

وجہ سے بمشکل ایک خیال پر قایم رہ سکتے تھے اور یہ بات ضرور تھی کہ وہ مستقل خیال کہین سب سے زیادہ تعداد مدینہ والون کی تھی جو سوا علیؓ کے اور کسی کو خلیفہ نہین بنانا چاہتے تھے۔ مکہ اور مدینہ کے رہنے والون مین یون تو قدیم زمانہ سے چشمک چلی ہی آتی تھی لیکن اسلام کے بعد اسکی بنیاد اور بھی مستحکم ہوگئی کیونکہ ہجرت کے بعد جبکہ مدینہ والون نے مسلمانون کی مدد کی اور مسلمانون کی حالت درست ہوگئی تو انہون نے مکہ پر فوجکشی کرکے اُسے فتح کرلیا۔ اور مدینہ مسلمانون کا پایۂ تخت بنا۔ تجارت کا رُخ مکہ سے پھر کر مدینہ کیجانب ہوگیا اور اہل مدینہ کا اثر اور اقتدار روز بروز ترقی پذیر ہونے لگا۔ ان اسباب سے مکہ والے اور بھی خار کھانے لگے تھے۔ لہذا جبکہ مدینہ کے باشندون نے علیؓ سے بیعت کرلی تو طلحہؓ اور زبیرؓ نے بھی چار و ناچار اُن سے بیعت کی لیکن دل مین اس بات سے ناخوش رہے۔ اسکے بعد یہ دونون صاحب مکہ کو چلے گئے اور مکہ کے لوگون نے مدینہ والون کی شوکت مٹانیکے لئے ان دونونکی امداد کی اور بعد ازان یہ دونون عراق کو گئے تاکہ وہان اپنے ہمخیالون کو جمع کرکے پھر اُسی عزت و اقتدار پر ہاتھ سکین علیؓ بھی ان دونون کے معاملہ سے غافل نہ تھے وہ اپنی فوجون کو ساتھ لیکر انکے تعاقب مین چلے اور بصرہ کے قریب وقعۂ جمل کی مشہور لڑائی انکی فوجون مین واقع ہوئی جسمین طلحہؓ اور زبیرؓ دونون شہید ہوگئے اور خلافت کا منصب بے غل و غش حضرت علیؓ کے قبضہ مین آگیا۔ انہون نے اسلامی پایۂ تخت کو مدینہ سے منتقل کرکے کوفہ مین قایم کیا۔ اور اس مین کوئی کلام نہین ہوسکتا کہ علیؓ نے اپنے مدنی ہمخیالون کو چھوڑکر اہل عراق پر اعتماد کرنے مین بڑی سخت غلطی کی جسکا نتیجہ اُن کے حق مین برا نکلا۔

علیؓ نے خیال کرلیا کہ اب خلافت کا میدان اُنہین کے ہاتھ رہا اور کوئی اُن کے مقابل مین دعویدار خلافت پیدا نہین ہوسکتا۔ لیکن اُنہین یہ خبر نہ تھی کہ ملک شام مین ایک بڑا زی اثر شخص موجود ہے جو اپنی ذات کے لئے لوگون سے بیعت کی آرزو رکھتا اور خلافت کو اپنے قبضہ مین لانا چاہتا ہے اس شخص سے ہماری مراد امیر معاویہ ابی سفیانؓ کے بیٹے ہین۔ یہ امر پہلے ہی معلوم ہوچکا ہے کہ ابوسفیان اور اُنکی اولاد نے محض مصلحت وقت کے عالم مین جبکہ اُنہین اپنی کامیابی سے بالکل ناامیدی ہوگئی تھی مذہب اسلام قبول کیا تھا اس لئے معاویہؓ کو خلافت کی آرزو محض دنیاوی اغراض کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی جس وقت حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے ہین معاویہؓ ملک شام مین امیر تھے اور قریش کے بہت سے چیدہ چیدہ سردار اونکے پاس جمع تھے جو اُنکے خوش کرنیکے لئے سر بکف تھے اور جان و دل سے اُنکی امداد پر تیار کیونکہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین کہ قریش کی برادری مین بنو امیہ کی قوت اور تعداد زمانہ جاہلیت ہی سے بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اور اغراض نفسانی کیوجہ سے منصب نبوت کا بنو ہاشم کے خاندان مین جانا انہین بہت شاق گذر رہا تھا

اسلئے وہ اور بھی اندرونی عداوت رکھتے تھے جس زمانہ میں مسلمانوں نے مکہ سے ہجرت کی اور بنو ہاشم جو بنو امیہ کے حریف تھے قریب قریب مکہ سے نکل ہی گئے پھر تو ریاست و امارت کا میدان بنو امیہ کیلئے خالی رہگیا مسلمانوں سے جو لڑائیاں ہوئیں اُن سبھوں میں عام فوجی افسری بنو امیہ کے ہاتھوں میں رہنے لگی۔ اور "بدر" وغیرہ کی مشہور لڑائیوں میں معاویہؓ کے والد ابو سفیانؓ ہی فوج کفار کے افسر ہوتے رہے۔ اسکے بعد جب یہ لوگ مذہب اسلام میں داخل ہوچکے اور ابو بکرؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو خلیفہ ممدوح نے ان لوگوں کو جہاد میں بھیجنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ کارگزاریاں دکھانے پر بنو امیہ میں سے ابو سفیان کے بڑے بیٹے یزیدؓ ملک شام کے حاکم بھی مقرر ہوگئے جن کے فوت ہوجانے کے بعد عمرؓ کے ایام خلافت میں اونکے دوسرے بھائی معاویہؓ بن ابی سفیان انکے قائم مقام مقرر ہوئے اور امیر شام کا معزز عہدہ اُنہیں حاصل ہوا۔ عثمانؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو اُنہوں نے بھی معاویہؓ کو شام کی امارت پر قایم رکھا۔ امیر معاویہؓ کی فوجی قوت کا زیادہ تر حصہ قبیلہ قریش ہی کے لوگوں اور خصوصاً اپنے ہی کنبہ والوں کا جتھا تھا اس طریقہ پر بنو امیہ کے خاندان کی خصوصاً ابو سفیان کے گھرانے کی حکومت اسلام کے ابتدائی دور میں بھی قریش پر وہی مسلسل حمی رہی جیسی کہ اسلام سے قبل تھی۔ اور بنو ہاشم نبوت کے کاروبار میں مصروف ہوکر دنیاوی باتوں سے قطع تعلق کر بیٹھے۔

عثمانؓ شہید ہوگئے تو معاویہؓ کو خلافت کے حاصل کرنیکا ایک ذریعہ ہاتھ آگیا۔ اُنہوں نے خلیفہ ممدوح کا خون آلود کرتہ دمشق کی جامع مسجد میں لوگوں کو دکھا کر اُنہیں مقتول خلیفہ کا بدلہ لینے پر اُبھارا۔ کیونکہ وہ خود ان کے عزیزوں میں سے تھے۔ اور علیؓ اور اونکے ساتھیوں پر عثمانؓ کے قتل کی تہمت لگائی۔ معاویہؓ نے اس کارروائی کے بعد دیکھا کہ ملک عراق میں علیؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ سے جنگ چھڑ گئی ہے۔ لہٰذا اونہوں نے اِس خیال سے کہ یہی دونوں علیؓ سے نبٹ لینگے مجھے جنگ کرنیکی نوبت ہی نہ آئیگی۔ اپنی متذکرہ بالا کارروائی چند روز تک ملتوی رکھی۔ مگر جبکہ طلحہؓ و زبیرؓ دونوں قتل کئے گئے اور علیؓ کامیاب ہوئے تو معاویہؓ نے عثمانؓ کے خون کا معاوضہ لینے پر پھر مستعدی دکھلائی اور اس امر کے متعلق اُنہوں نے عرب کے ایسے اعلےٰ درجہ کے چالباز لوگوں سے امداد لی جو مذہب اسلام کو اُس نظر سے دیکھتے تھے جس سے کہ دنیا کے اور کاروبار کو دیکھا کرتے تھے۔ انہیں پالیٹیشن لوگوں میں سے ایک شخص عمرو بن العاصؓ بھی تھے جنکو عثمانؓ نے مصر کی حکومت سے علیحدہ کر دیا تھا۔ مگر معاویہؓ نے انکو اپنا مقرب بنایا اور اون سے وعدہ کیا کہ اپنی کامیابی کی حالت میں تمہیں مصر کا حاکم مقرر کر دونگا۔ غرضیکہ معاویہؓ نے کیل کانٹے سے درست ہوکر اور عمرو بن العاصؓ کو ساتھ ملا کر صفینؓ کے مشہور جنگ میں علیؓ کا مقابلہ کیا۔ یہ لڑائی

۳۷ھ میں ہوئی تھی اور قریب تھا کہ علیؓ کے طرفدار فتحمند ہو جائیں اور معاویہؓ کو شکست اٹھا کر ہمیشہ کے لئے اپنے دعاوی سے بالآخر دست بردار ہونا پڑے کہ عین اُس حالت میں جبکہ خوب گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی عمرو بن العاصؓ نے ایک ایسی چال چلی جسنے خلافت کو اہلبیت نبوی سے نکالکر بنو امیہ کے قبضہ میں کر ہی دیا۔ وہ حیلہ یہہ تھا۔ کہ عمرو بن العاصؓ نے لڑائی کا رنگ بگڑتا دیکھکر اور معاویہؓ کی فوجکو مغلوب ہوتا پاکر اُنہیں جنکو دھوکا دیکر قرآنوں کو نیزوں کی انیوں میں لٹکا کر بلند کریں اور اس طرح پر کچھ کہنے سننے کیلئے لڑائی کو روکنے کا اشارہ کریں۔ علیؓ کے ساتھی اس کارروائی سے دھوکا کھا گئے اور ہر چند علیؓ نے سمجھایا کہ یہہ دشمن کا فریب ہے اب میدان تمہارے ہاتھ آتا دیکھا ہے تو جنگ کے التوا اور گفتگو کی مہلت پانے کی درخواست کر رہا ہے تھوڑی دیر کے لئے اس طرف خیال نہ کرو۔ مگر انہوں نے نہ مانا اور نہایت اصرار کے ساتھ علیؓ کو جنگ کے بند کر دینے پر مجبور کر دیا جسسے بالآخر انہوں نے مان لیا۔ جنگ بند ہو گئی اور باہم گفتگو ہو کر یہ قرار پایا کہ دونوں صاحب پنچ مقرر کریں اور پنچایت ہو پہر پنچ لوگ جو فیصلہ کر دینگے اُسے دونو گروہ خوشی سے مان لینگے۔ دونوں فریقوں نے ایک ایک شخص کو اپنی جانب سے حکم مقرر کیا جن میں سے ایک شخص عمرو بن العاصؓ تھے جو معاویہؓ کی جانب سے منتخب ہوئے تھے اور علیؓ کے ساتھیوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو منتخب کیا۔ حالانکہ عمرو بن العاصؓ اور ابی موسیٰ اشعریؓ میں فطنت اور ذکاوت کے لحاظ سے آسمان و زمین کا فرق تھا۔ ابو موسیٰ ایک سیدھے سادے مرد خدا پرست تھے اور عمرو بن العاصؓ نہایت چالاک معاملہ فہم اور روراندیش۔ غرضیکہ دونوں فریق اس امر پر راضی ہوئے۔ کہ یہ دونوں صاحب جو کچھ فیصلہ کر دیں گے وہ سب کو منظور و قبول ہوگا اور اسکے بعد پنچوں کے حکم سنانے کا ایک دن مقرر ہو گیا۔ عمرو بن العاصؓ نے ابو موسیٰ کو ایسی جُل دی کہ اُنکی عقل بالکل اپنے قابو میں کر لی۔ اُنہوں نے ابو موسیٰؓ سے یہ ظاہر کیا کہ وہ معاویہؓ اور علیؓ دونوں کو خلافت سے علیحدہ کر دینے کا ارادہ رکھتا ہے تاکہ اسکے بعد مسلمان لوگ اپنی پسند کے مطابق کوئی ایک خلیفہ منتخب کر لیں جو ان دونوں کے علاوہ ہو نیک دل ابو موسیٰؓ کو اس مفید مشورہ کے قبول کرنے میں کوئی قباحت معلوم نہ ہوئی اور وہ راضی ہو گئے۔ مگر عمرو بن العاصؓ کو اپنا منصوبہ پورا کرنیکے لئے ابھی ایک اور ترکیب چلنی باقی تھی جو انہوں نے یوں پوری کر لی۔ کہ ابو موسیٰؓ کو اپنے سے زیادہ مرتبہ والا اور عمر میں بڑا ہونے کی حیثیت سے قابل تعظیم جتا کر اُن سے کہا کہ پہلے آپ جو کہنا ہے کہدیں تو پہر میں بھی اپنا خیال ظاہر کر دونگا۔ ابو موسیٰؓ دھوکا کھا کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے باآواز بلند کہا:-

"لوگو ہم نے اس امت کے بارہ میں بہت کچھ غور کیا۔ مگر ہمکو اس کی بہتری اور فلاح کے لئے اُس ایک بات سے بڑھکر اور کوئی تجویز نہیں معلوم ہوسکی جسپر میری اور عمرو بن العاصؓ دونوں کی رائے متفق ہو گئی ہے۔ وہ تجویز یہ ہے

کہ ہم علیؓ اور معاویہؓ دونون کو معزول کردین اور مسلمان لوگون کو اختیار دین کہ انکی علیحدگی کے بعد وہ جسے چاہین اپنا حاکم اور خلیفہ بنالین۔ لہذا تم لوگ بخوبی سُن لو کہ مین نے علیؓ کو عہدۂ خلافت سے علیحدہ کردیا ہے۔ تم اپنا کام خود سنبھالو اور جسے خلافت کے لایق پاؤ اپنا حاکم بنالو۔" ابوموسیٰ اس قدر کہکر بیٹھ گئے تو عمرو بن العاصؓ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اونہون نے اپنی مجوزہ ترکیب حسب ذیل گفتگو کے ساتھ مکمل کردی:۔

"اِس مین کوئی شک نہین کہ جو کچھ انہون (ابوموسیٰؓ کیجانب اشارہ کرکے) نے کہا وہ تم سب لوگ سُن چکے ہو انہون نے اپنے ساتھی (علیؓ) کو خلافت سے علیحدہ کیا ہے اور مین بھی اون کو اس عہدہ سے ویسا ہی برطرف کرتا ہون جیسا کہ خود اونکے حکم (پنچ) نے کیا ہے اور مین اپنے دوست معاویہؓ کو خلافت پر قایم کرتا ہون اسلئے کہ وہ عثمانؓ کے ولی اور اُنکے خون کا معاوضہ چاہنے والے ہین اور تمام لوگون سے بڑھکر اُنکا مرتبہ پانیکے حقدار ہین۔"

جس وقت لوگون نے یہ گفتگو سُنی تو اُنہین یقین کلی ہوگیا کہ دراصل یہ کارروائی سراسر فریب تھی اور اب اسکا جادو چل گیا ہے۔ ہم نے غلطی کی کہ اس حیلہ مین پھنس گئے۔ کاش اس کارروائی کا اثر اگر صرف اسی قدر ہوتا کہ معاویہؓ خلیفہ مقرر ہوجاتے تو بھی کوئی مشکل نہ پیش آتی لیکن افسوس تو یہ ہے کہ اس بات نے خود علیؓ کے لوگون کو دو حصون مین منقسم کردیا۔ اُن مین سے کچھ لوگون نے تو علیؓ کو پنچایت کے قبول کرنے پر ملامت کی اور ناراض ہوکر اُنکے حکم سے نکل گئے جنکا نام "خوارج" ہوا۔ اس طریقہ پر علیؓ دو دشمنون کے درمیان گھر گئے۔ (۱) امیر معاویہؓ مدعی خلافت۔ (۲) خود اُنکے نافرمان ساتھی خارجی لوگ اور یہ دوسرا فرقہ اُنکے لئے بہت سخت خطرناک ثابت ہوا۔ اسلئے کہ انہین لوگون مین سے ایک نامرد کے ناگہانی تلوار کا وار کرنیسے وہ شہید بھی ہوگئے۔ یہ واقعہ ۴۰ھ مین کوفہ کی مسجد کے اندر واقع ہوا تھا۔

علیؓ کی شہادت کے بعد اُنکے مطیع اور پیرو لوگون نے اُنکے بڑے بیٹے امام حسنؓ سے بیعت کی۔ اور معاویہؓ اس وقت تک برابر اپنے لئے خلافت کا مطالبہ کررہے تھے۔ حسنؓ نے دیکھا کہ وہ (خود) معاویہؓ سے جنگ نہین کرسکتے اور اونکی قوت نہین توڑ سکتے۔ لہذا وہ خونریزی سے بچنے کے لئے منصب خلافت سے کنارہ کش ہوگئے اور برضا و رغبت معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔ اسکے بعد معاویہؓ نے ملک شام مین اپنی خلافت کی بیعت لی اور دارالخلافت کوفہ سے اُٹھکر دمشق مین منتقل ہوگیا۔ اور حسنؓ کا خلافت سے دست کش ہونا خلفائے راشدین کی خلافت کا خاتمہ تھا۔

خلفائے راشدین کا زمانہ حالات مندرجہ بالا سے صاف صاف عیان ہورہا ہے کہ خلفائے راشدین کی حکومت خدا ترسی پر قایم ہوئی اور انصاف و عدل کے ساتھ مستحکم۔ اس کے

حکمران خلفا بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اُنکے وقتوں مین خلافت کا طرز دینی رنگوں سے رنگا جاتا تھا بادشاہت دنیاوی سے اُسکو کوئی مناسبت نہ تھی۔ اِن خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہ اجمعین) مین سے شیخین رضی اللہ عنہما کے کپڑے کا لباس پہنتا تھا اُنکے پیرون مین دو کھجور کی چھالون کی بنی ہوئی نعلین ہوتی تھین۔ اُنکی تلوار کا پرتلا بھی کھجور کی چھال کی رسیون سے بنا ہوتا تھا۔ وہ (خلیفہ) بازارون مین اسی طرح چلا پھرا کرتے تھے جیسے کوئی عام رعایا مین کا شخص گھومتا پھرتا ہو اور جس وقت کسی چھوٹے سے چھوٹے آدمی سے کچھ کہتے تھے تو جواب مین اپنے سے کہین زیادہ سخت گفتگو سُنتے تھے۔ وہ پاک طینت لوگ ان تمام باتون کو دینداری کی قسم سے خیال کرتے تھے اور لوگون پر خدا ترسی۔ انصاف اور عمدہ برتاؤ کے ساتھ حکمرانی کرتے تھے۔

خلفائے راشدین کی غذا اُنکے بہادر فقیرون کی غذا سے بھی کم درجہ کی ہوتی تھی۔ وہ لوگ محتاجی یا تنگدستی کی وجہ سے اس قسم کی کمی نہین کرتے تھے بلکہ ایسا کرنے سے اُنہین اپنی غریب رعایا کے ساتھ ہمدردی اور ہمدردی کا خیال رہتا تھا۔ علی بن ابی طالب رضؓ کو اُنکی املاک سے بہت بیش قرار آمدنی ہوتی تھی جو وہ سب کی سب فقیرونکو دے ڈالا کرتے تھے اور اپنا گزارہ اُسی قناعت اور صبر کی روش پر کرتے رہتے۔

خلفائے راشدین مال و دولت کی ذرا بھی پروا نہ رکھتے تھے۔ کچھ خلفا ہی پر موقوف نہین۔ بلکہ اُنکے وقتون مین تمام صحابہ رسُول کا یہی وتیرہ تھا۔ شاید اس امر کا سبب یہ رہا ہو کہ وہ لوگ نبوت کے زمانہ سے قریب تر تھے اور نبوت کا رعب و داب اُنکے دلون پر بخوبی جما ہوا تھا۔ اور جس قدر نبوت کا زمانہ دور ہوتا گیا رفتہ رفتہ وہ رعب بھی اُنکے دلون سے زایل ہوتا گیا اور وہ دنیا کی طلب پر جھکتے گئے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین ہی کے آخری عہد مین جاہ و جلال دنیاوی کی چاٹ لوگون کو پڑ چلی تھی۔ کیونکہ مسعودی نے ذکر کیا ہے کہ عثمان رضؓ کے زمانہ مین صحابہ نے زمینین خرید لی تھین لہذا مال جمع کیا تھا جس دن عثمان رضؓ شہید ہوئے ہین اُنکے خزانچی کے پاس ایک لاکھ پچاس ہزار دینار اور دس لاکھ درہم نقد موجود تھے۔ اور وادی القرے اور حنین وغیرہ مقامات مین جو اُنکی املاک تھین اُنکی قیمت کا تخمینہ ایک لاکھ دینار ہوا تھا۔ اسکے علاوہ انہون نے اونٹ اور گھوڑونکی ایک کثیر تعداد بھی چھوڑی تھی۔ اور زبیر رضؓ کے ترکہ مین سے صرف ایک ترکہ کی قیمت اُنکی وفات کے بعد پچاس ہزار دینار تک پہونچی تھی اسکے علاوہ ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار لونڈیان بھی اُنہون نے چھوڑی تھین۔ اور طلحہ رضؓ کی وہ آمدنی جو صرف عراق سے آتی تھی روزانہ ہزار دینار کی تھی۔ اسکے علاوہ سراۃ کی سمت سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ اس سے بھی بہت کچھ زائد ہوا کرتی تھی۔ عبدالرحمن بن عوف رضؓ کے مربط (جانورون کے باندھنے کی جگہ۔ طویلہ) مین ہزار گھوڑے بندھتے تھے۔ اور اُنکے پاس ایک ہزار

اونٹ اور دس ہزار بھیڑ بکریاں تھیں جس وقت اونہوں نے وفات پائی ہے تو اُنکے ترکہ کا صرف ایک چہارم حصہ چوراسی ہزار درم کا قرار پایا تھا۔ زید بن ثابتؓ نے علاوہ اُس مال و متاع اور ارضی کے جنکی قیمت ایک لاکھ دینار تھی سونے اور چاندی کی اینٹیں اپنے ترکہ میں چھوڑی تھیں جو کلہاڑیوں سے کاٹ کاٹ کر ورثا میں تقسیم کی گئیں۔ زبیرؓ نے بصرہ میں مکان بنوایا تھا اور ویسے ہی عظیم الشان مکانات مصر کوفہ اور اسکندریہ میں بھی تعمیر کرائے تھے۔ اسیطرح طلحہؓ نے کوفہ میں گھر بنوایا تھا اور مدینہ میں اپنے مکان کو توڑ کر نئے سرے سے پختہ گچ کا تعمیر کرایا جس میں تمام سال کی لکڑی لگائی گئی تھی۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنا گھر "عقیق" میں بنوایا جو بہت ہی کشادہ اور بلند محل تھا اور اوسکے اوپر بہت سے بالاخانے بھی بنوائے تھے۔ مقدادؓ نے "مدینہ" میں اپنا مکان اندر اور باہر دونوں رخ سے پلاستر پختہ کرکے تعمیر کرایا۔ اور یعلیٰ بن منبہہ نے مرنیکے بعد پچاس ہزار دینار نقد چھوڑے اور اسکے علاوہ مال و اسباب اس قدر جسکی قیمت تین لاکھ درم تخمینہ کی گئی تھی۔ (آخر قول تک)"

خلفائے راشدین کی حکومت قریباً تیس سال رہی جسکے اندر اسلامی فتوحات کو یہانتک وسعت ہوئی کہ عربی فوجیں مغرب کی سمت میں افریقہ سے لیکر مشرقی جانب میں ملک خراسان کی انتہائی حدود تک پہنچ گئیں اور نہر فرات کے اُس پار سمرقند تک بڑھ گئیں۔ +

بنی امیہ کی حکومت

خلفائے راشدین کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ بنوامیہ کے پاس خلافت کیونکر منتقل ہوئی جسکا پہلا خلیفہ معاویہ بن ابی سفیانؓ تھا۔ بنوامیہ کے زمانہ میں خلافت کو اس طریقہ سے امتیاز حاصل ہوتا ہے کہ وہ ایک قسم کی دنیوی حکومت ہے جسکا خلیفہ (حکمران) طرح طرح کے حیلہ و فن۔ اور تدبیر ملکداری کے ساتھ اُسے مضبوط کرتا ہے اور لوگوں کو اپنا جاہ و جلال دکھا کر اپنا مقرب بناتا اور اپنے زور و قوت کے بڑھانے میں بے دریغ مال و دولت لٹاتا ہے۔ یہ طریق اختیار کرنیکا سبب یہ ہوا کہ حکومت مذکورہ کے بانی معاویہؓ نے خلافت کو کچھ دینی اور اُخروی طمع سے نہیں لینا چاہا تھا جیسا کہ پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اگر ملک شام کی زرخیزی اور کثرت محاصل معاویہؓ کو عطا اور انعام کا موقع نہ دیتی تو وہ کبھی اپنے مدعا کے حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوتے

اور اپنی شوکت کو نہ بڑھا سکتے۔ اسی لیے جس وقت بے غل و غش خلافت اُن کے قابو مین آگئی تو اونہون نے بے دریغ لوگون کو انعام و اکرام بانٹنے شروع کیے۔ خاصکر وہ اس قسم کے عطیات بنی ہاشم کو زیادہ دیتے رہتے جس سے اُنکی یہ غرض ہوتی تہی کہ اُنکے اپنے ہاتھ سے خلافت کو نکال لینے کے باعث جو عداوت اور کینہ اُنکے دلون مین پیدا ہوگیا ہے اُسکی آگ دبی رہے اور "زبر سر فولاد نہی زم شود" یہ عمل کر کے اُنکو بگڑنے اور سر خاش نہ آنے دیا جائے۔ معاویہؓ کی عادت تہی کہ جس وقت بنو ہاشم مین سے کوئی شخص اُنکے پاس آتا تو اُسے بڑی خاطر مدارات سے ہاتھون ہاتھ لیا کرتے اور اوسکے راضی خوشی رکہنے اور حاجتون کے پورا کر دینے مین بہت کچھ مبالغہ کیا کرتے تہے اور اکثر ایسا ہی ہوتا تہا کہ بنو ہاشم جبکہ وہ معاویہؓ کے یہان آتے تو اُن سے اپنے اُن حقوق کا ذکر کیا کرتے تہے جو اُنہین منصب خلافت کے متعلق حاصل تہے اور صاف صاف کہہ گزرتے کہ اُنہون (معاویہؓ) نے فریبانہ کارروائی کے ساتھ یہ منصب ہمارے قابو سے نکال لیا ہے۔ معاویہؓ یہہ سب سُنتے اور دم نہ مارتے تہے۔ بلکہ چشم پوشی کر کے اُنہین مال و منال دیتے اور ضبط و تحمل سے اُنکی زبانین بند کر دیتے تہے۔ اس قسم کے اون کے بہت سے قصے مشہور ہین اور وہ اکثر صحیح ہین۔

معاویہؓ نے روم والون سے دولتمندی اور عیش پسندی کے طریقے اور اسباب اقتباس کیے۔ اور شاہانہ رعب و جلال کے اظہار مین اُنکی تقلید کی۔ حرس (محافظ سپاہی۔ باڈی گارڈ) مقرر کیے یہ کچھ ملازم ہوتے تہے جو ہاتھون مین ننگی تلوارین اور برچھے لیے ہوئے اُنکے سامنے کہڑے رہا کرتے تہے۔ یا جب وہ کہین باہر نکلتے یا نماز کو جاتے تو آگے آگے چلا کرتے۔ اُنہون نے اپنے واسطے ایک عظیم الشان محل بنوایا جس مین تخت خلافت نصب کیا گیا اور اوسکے دروازہ پر دربان و حاجب کہڑا کیا۔ مسجد مین ایک علیحدہ حجرہ تعمیر کرایا کہ جب نماز پڑہنے آتے اُسی کے اندر نماز پڑہتے۔ ہوسکتا ہے کہ اونہون نے یہ سب وسائل اس خوف کی وجہ سے اختیار کیے ہون تاکہ اُنپر کوئی دشمن ناگہانی حملہ نہ کر بیٹہے جیسا کہ علیؓ پر لوگون نے اچانک حملہ کیا تہا اور قریب تہا کہ وہی لوگ اُنکو بہی لپیٹ مین لے لیتے۔ لیکن زندگی تہی بچ گئے۔ نیز معاویہؓ نے خز اور دیبا کے بیش قیمت اور شاندار لباس پہننے مین بہی رومیون کی پیروی کی تھی۔ اور مسلمانون مین وہ سب سے پہلے فرمانروا ہین جنہون نے رومیون اور فارسیون کے طرز پر ڈاک کا انتظام کیا اور "دیوان خاتم" کی بنا رکہی جسکی تفصیل آگے چلکر آئیگی۔

معاویہؓ نے جو نئی باتین اسلام مین جاری کین اُن مین سے ایک قابل ذکر بات یہ بہی ہے کہ اُنہون نے خلافت کو اپنی نسل مین میراث کے طور پر مقرر کر دیا۔ حالانکہ اس سے پیشتر خلافت انتخابی تہی یعنی عامۂ مسلمین اپنی پسند اور

کثرت رائے سے کسی شخص کو خلیفہ منتخب کر لیتے تھے۔ تمام مسلمانوں میں سب سے پہلے معاویہؓ ہی ایسے شخص ہیں جنہوں نے یہہ کام کیا اور اپنے بیٹے یزید سے بیعت کر کے اُسے ولیعہد بنایا اور لوگوں سے اُسکی ولیعہدی پر بیعت لی اس مقام پر کوئی یہ نہ کہہ بیٹھے کہ علیؓ کے بعد اُنکے فرزند حسنؓ سے بھی تو بیعت کی گئی تھی۔ کیونکہ اُن سے تو لوگوں نے اپنی خواہش اور رضامندی کے ساتھہ بیعت کی تھی اُن کے والد نے اُن کے واسطے خلافت کی وصیت ہرگز نہیں کی۔

بنی امیہ کو کس چیز نے خلافت دلوادی؟

اگرچہ خود معاویہؓ اور تمام وہ لوگ جنہوں نے اُن سے بیعت کی۔ پوری طرح خیال رکھتے تھے کہ اہل بیت نبوی بہ نسبت اُن کے منصب خلافت کے زائد مستحق ہیں باوجودکے جن اسباب نے معاویہؓ کو اہل بیت کے ہاتھوں سے خلافت کو نکال لینے اور پھر اُسے اپنے ہی گھرانے سے مخصوص کر دینے میں مدد پہونچائی۔ اُنپر غور کرنا بہت ضروری ہے۔ یوں تو بہت سی وجہیں ہیں جن میں سے بعض کا ہم پہلے ذکر بھی کر چکے ہیں لیکن اُنہیں وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہہ بھی ہے کہ معاویہؓ نے اپنی قوت و شوکت کے مستحکم بنانے میں اسلام کے مشہور مدبروں اور پالیٹیشین لوگوں سے کام لیا جنہیں طرح طرح کے لالچ دلا کر اپنے ساتھہ ملا لیا تھا۔ اُن لوگوں میں سے ایک شخص عمرو بن العاصؓ ہیں اُنہیں حکومت مصر کا لالچ دیا جسکی وجہ سے اُنہوں نے لوگوں سے بیعت لینے میں اُنہیں پوری مدد دی جسکی کیفیت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ دوسرے صاحب زیاد بن ابیہ ہیں اس شخص کے باپ کا پتہ معلوم نہیں ہوتا۔ مگر وہ بڑا چالباز اور مدبر تھا معاویہؓ نے ایک ایسا ذہنی قصہ گھڑ لیا جسکے ذریعہ سے اُسے اپنے سلسلہ نسب میں شامل کر لیا۔ اور بیان کیا کہ وہ اُن کے باپ ابوسفیان کا فرزند اور اُنکا بھائی ہے اور اوسکا نام زیاد بن ابوسفیان رکھدیا۔ یہی زیاد معاویہؓ کا بڑا زبردست مددگار تھا اور ممالک عراق وغیرہ کی طرف سلطنت بنوامیہ کا سکہ جمانے میں اسکا بہت بڑا احسان ہے اسی زیاد کے بیٹے عبید اللہ بن زیاد نے حسینؓ بن علیؓ کو قتل کیا تھا جنکا اُسکے ہاتھوں شہید ہونا مشہور عام ہے اُسی وقت سے (جبکہ معاویہؓ نے زیاد کو اپنا برادر قرار دیا تھا) زیاد کی اولاد کا شمار برابر قریش کے خاندان میں ہوتا رہا۔ یہانتک کہ ۱۳۲ھ میں خلیفہ مہدی عباسی نے اُسکے نسب کو عبید رومی کی جانب پھیرا جو کہ قبیلۂ ثقیف سے تھا۔ اور تیسرے بزرگوار مغیرہ بن شعبہؓ ہیں۔ ان سے بھی معاویہؓ نے اپنی خلافت میں کافی امداد لی۔ انہیں مغیرہؓ کا کام تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کے واسطے لوگوں سے بیعت لینے اور خلافت کو اپنی نسل میں محدود کر دینے پر معاویہؓ کو مرد بنایا تھا اور نیز زیاد بن ابیہ کو اُن سے ملانے میں بھی یہی مغیرہؓ بڑے بھاری پیروکار رہے تھے۔ +

مؤرخ لوگ ان چار دان اشخاص مذکورہ بالا کو عرب کے سب سے بڑے مدبر اور پولیٹیشین شمار کرتے ہیں اور اسی

خیال سے ایک مورخ کا قول ہو کہ "میں نے معاویہؓ سے بڑھکر بردبار اور نہایت غور و فکر کے ساتھ کام کرنے والا شخص نہیں دیکھا۔ اور جب کہ لوگوں کا مجمع ہو اُس وقت اُن سے بہتر رائے میں غالب آنیوالا اور اُن سے اپنے اشاروں پر کام لینے والا عمرو بن العاصؓ سے بڑھکر مجھکو کوئی نہیں نظر آیا۔ زیاد بن ابیہ سے بڑھکر کوئی ایسا آدمی نہیں دکھائی دیا جسکا باطن ظاہر سے بہت کچھ ملتا جلتا ہو۔ اور مغیرہ بن شعبہؓ کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کسی شہر میں آٹھ دروازے ہوں اور ہر دروازے میں ہوکر نکلنے کے واسطے انہیں اک نئے ہی مکر و فریب کی ضرورت ہو تو اس میں شک نہیں کہ وہ ہر ایک دروازے میں ہوکر نکل جاتے۔

معاویہؓ کی کامیابی میں اس بات نے اور بھی مدد پہونچائی کہ علیؓ ملکداری کی چالیں چلنا پسند نہیں کرتے تھے اور حکمرانی کی تدبیروں سے ناواقف تھے۔ اسکے ثبوت میں وہ واقعات پیش ہو سکتے ہیں جو انکی ذات سے شہادت عثمانؓ کے بعد اُن سے بیعت کیجانیکے وقت عیان ہوئے۔ اُن دنوں مغیرہ بن شعبہؓ نے انکی خدمت میں حاضر ہوکر انہیں یہ صلاح دی تھی کہ آپ معاویہؓ۔ طلحہؓ اور زبیرؓ اور دوسرے عاملوں کو انہیں عہد و پیمان پر قایم رہنے دیں جنپر کہ وہ لوگ عثمانؓ کے عہد سے مقرر ہیں۔ پھر جب آپ کا پوری طرح تسلط ہو جائے اور آپ کی بیعت پر سب لوگوں کے دل متفق ہو جائیں۔ لوگوں میں جو اختلاف پھیلا ہوا ہے یہ فرو ہو جائے اور سب مطمئن ہو کر آپ کی حکومت کا تخت ہر لحاظ سے اُس وقت جو دلیں آپ کیجیے گا" اگرچہ یہ ایک دانا اور دور اندیش شخص کی رائے تھی لیکن علیؓ نے اسے بے اعتباری کی نظر سے دیکھکر اسپر عمل نہ کیا اور اُنکے چچیرے بھائی عبداللہ بن عباسؓ نے بھی انہیں اسی طرح پر سمجھایا تھا مگر آپ نے اُسے ماننے سے بھی انکار کر دیا۔ مغیرہؓ نے جب یہ دیکھا کہ میرے سمجھانیکا اُلٹا اثر ہوتا ہے تو وہ چپ ہو رہے اور ادنہوں نے خیال کیا کہ یہ جیسا کرتے ہیں کرنے دو تم کچھ نہ بولو اس بات کو دل میں ٹھہرا کر دوسرے دن وہ پھر علیؓ کی خدمت میں آئے اور انکی ذاتی رائے کو اچھا بتانے لگے۔ اگر علیؓ مغیرہؓ اور ابن عباسؓ کے کہنے پر چلتے تو مذکورۂ بالا لوگ (یعنی معاویہؓ وغیرہ) انکے دشمن نہ بنتے اور مغیرہؓ وغیرہ انکے طرفداروں میں سے نہ نکل جاتے۔ نہ جمل اور صفین کی لڑائیاں پیش آتیں اور نہ منصب خلافت بنوامیہ کے قابو میں جا سکتا۔

اس موقع پر ایک اور بھی بڑا موثر سبب ہے جسکو معاویہؓ اور تمام بنی امیہ نے اپنے زور و قوت کے بڑھانے میں استعمال کیا جس سے ہماری مراد "مال" ہے۔ بنوامیہ اسی کے ذریعہ سے اپنے طرفداروں کی جماعتیں بڑھاتے اور دشمنوں کو قابو میں لایا کرتے تھے۔ اُن کا قاعدہ تھا کہ اپنے یہاں آنیوالے جاحتمند دن اور شاعروں کو بے دریغ انعام و اکرام دیتے رہتے اور اسی کے وسیلہ سے وہ لوگ علیؓ بن ابی طالب اور اُنکی اولاد و احفاد کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے جس وقت

مین کہ یہ لوگ اس راہ مین مال کا خرچ کرنا کمینہ پن خیال کرتے تھے۔ اور اپنی طبیعت کو اس کام سے باز رکھتے تھے اُنکا اعتقاد تھا کہ صرف حق کی پابندی اُنکے دعوے کی تائید کے لئے کافی ہے اس مین کوئی شبہ نہین کہ بنو ہاشم کا یہ خیال اوایل اسلام مین صحیح اُترا تھا کیونکہ اون دنون لوگون کے دلون پر نبوت کا رُعب چھایا ہوا تھا اور اونکی نفسانی خواہشین اور شیطانی وسوسے مغلوب تھے۔ ہمارے خیال مین کوفہ والون نے محض روپیہ کی لالچ سے حسینؓ کی بیعت توڑ دی جسکا انجام اُنکا بیکسی کے عالم مین شہید ہوجانا ہوا گویا یہہ کہنا چاہئے کہ امویون نے حسینؓ کو مال کے زور سے شہید کیا۔ اور نیز عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی اون لوگون نے مال ہی کے وسیلہ سے شہید کرایا۔ اگر عبداللہ بھی روپیہ کو اسی طرح صرف کرتے جس طرح کہ بنو امیہ کیا کرتے تھے تو اس مین کلام نہین کہ خلافت اُنہین کی نسل مین رہتی۔ بنی امیہ کے ہاتھون مین ہرگز نہ جاتی۔ مگر اونہون نے کعبہ کے مال کا لوگون کو لٹانا مناسب نہ سمجھکر اس سے ہاتھہ روکا اور اپنی ذات کو نقصان پہونچایا۔ چنانچہ اونکے دشمن اور مدمقابل عبدالملک نے اپنے مرتے وقت صاف صاف یہ کہدیا کہ "مین اپنے آپسے بڑھکر کسی کو بھی اس کام (خلافت) کے لئے صاحب قوت نہین سمجھتا۔ اس مین کوئی شک نہین کہ ابن زبیرؓ بڑے نمازی اور بہت روزہ دار ہین۔ مگر اپنی کنجوسی کی وجہ سے وہ حکومت کی قابلیت نہین رکھتے"

بخلاف عبداللہ بن زبیرؓ کے اُنکا بھائی مصعب بن زبیرؓ اپنی ذات اور اپنے گھر والون پر بڑی بڑی رقمین خرچ کر دیتا تھا۔ یہان تک کہ اُس نے سکینہ بنت حسینؓ سے نکاح کرنے مین دس لاکھہ درہم صرف کر ڈالے حالانکہ اُنہین دنون مین اُسکی فوج کے سپاہی تنگدستی سے پریشان ہوکر اُس سے روپیہ مانگتے تھے اور وہ اُنہین ایک حبہ تک نہین دیتا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن ہمام نے اسی واقعہ کو اس طرح پر عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس لکھہ بھیجا۔ وہ لکھتا ہے:-

بلغ امیر المومنین رسالۃ ـــــ من ناصح لک لا یرید خداعا
بضع الفتاۃ بالف الف کامل ـــــ وتبیت سادات الجنود جیاعا
لولا بی حفص اقول مقالتی ـــــ وابثّ ما اثبثتکم لارتاعا

(ترجمہ) "ایک ایسے خیرخواہ کیجانب سے جو تمکو فریب دینا نہین چاہتا ہے امیرالمومنین کو یہ پیغام پہنچا دو۔ کہ ایک حسین عورت پورے دس لاکھہ درہم کا سرمایہ حاصل کرلیتی ہے لیکن فوج کے سردار دن بھر فاقہ کرکے رات کو بھوکے سو رہتے ہین۔ اگر مین یہ بات ابی حفص (عمر رض) سے کہتا اور جو تم سے عرض کرتا ہون اُس بات کو اُنکے سامنے بیان کرتا تو وہ

خوف سے کانپ اُٹھتے"

اپنا سکہ جمانے کے لئے عبدالملک تمام بنوامیہ مین مال کا بیدریغ اور بکثرت صرف کرنیوالا شخص تھا جس وقت حجاج بن یوسف نے کعبہ کا محاصرہ کیا ہے اور ابن زبیرؓ اُسکے اندر رہتے تو اُس نے اپنے ساتھی لوگون کو حکم دیا کہ کعبہ کو منجنیق سے سمار کرین۔ مگر وہ لوگ ہیبت کے مارے اس امر کے مرتکب ہوئے حجاج نے اس بات کو دیکھکر ایک کرسی میدان جنگ مین ڈلوادی اور اُسپر بیٹھکر اپنے سپاہیون سے کہا "ملک شام کے رہنے والو! تم عبدالملک کے انعامون کی غرض سے لڑو اور اُسکے دشمنون کو مارو" اس گفتگو کو سنکر وہ سب لوگ فوراً ہی تعمیل حکم مین مصروف ہوگئے۔

بسا اوقات عبدالملک دشمنون کے جتھون کی بلا کو مال کے ذریعہ اپنے سر سے ٹالدیتا تھا اس طرح پر کہ وہ روپیہ بکھیر دیتا اور لوگ اُسے چھوڑکر مال زر کے لوٹنے مین مصروف ہوجاتے۔ اس قسم کے واقعات مین سے ایک وہ واقعہ بھی ہے جو عبدالملک کو سعید بن اشدق کے بیٹے عمرو کے ساتھ پیش آیا تھا جس نے عبدالملک کو ہٹاکر ملک شام پر قبضہ کرلینے کا منصوبہ گانٹھا تھا اور عبدالملک کو اُسکی طرف سے اپنی جان کا خوف پیدا ہوگیا تھا۔ عبدالملک نے پہلے تو اُسے امان دی اور ایک حیلہ سے اُسکو اپنے دربار مین بلوایا۔ پھر جب وہ حاضر آیا تو عہد شکنی کرکے اُسے قتل کرادیا اُسکے ساتھیون کو اس امر کی خبر ملی تو وہ سب جمع ہوکر آگئے اور دربار کو گھیر لیا۔ عبدالملک اسکے انجام سے ڈر گیا اور اُس نے ایک شخص کو یہ حکم دیا کہ عمرو بن سعید کا سر باغیون کے سامنے پھینکدے۔ ایک جانب یہ کارروائی کی اور دوسری جانب اُسکے بیٹے عبدالعزیز نے روپیون کا توڑا لیکر مٹھی بھر بھر روپے اشرفیان باغیون کے اوپر پھینکنی شروع کین۔ باغی لوگون نے اپنے سرگردہ کا سر اور روپیون کا مینہہ برستا ہوا دیکھکر سر کو تو چھوڑ دیا اور روپیہ سمیٹنے پر جھک پڑے اور اسے لے لیکر چلتے بنے۔

بنوامیہ کے عہد سے بھی بڑھکر خلفائے عباسیہ کے ایام مین مال و دولت کا اثر ترقی پر رہا۔ اُنکی حکومت کا زور یا ضعف اُس انعام و اکرام کی کمی۔ زیادتی پر منحصر رہتا تھا جو ہر ایک خلیفہ فوجی سپاہیون کو تقسیم کیا کرتا۔ خاصکر جس وقت کہ عباسی سلطنت مین ترکون کا زور بڑھا تو وہ لوگ اپنی امداد کا بڑی بڑی رقمون سے معاملہ کرنے لگے۔ اُنکی یہ عادت ہوگئی تھی کہ جب کوئی نیا خلیفہ تخت نشین ہوتا پہلے اُس سے اپنا حق بیعت مانگتے تھے اور ایک یا دو سال کی تنخواہیں انعام مین لے لیتے تب اُسکی بیعت ہونے دیتے تھے۔

جن امور نے بنوامیہ کی حکومت کو مدد دی اون مین سے ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ لوگ اپنی سلطنت کو مضبوط بنانے

مین طرح طرح کے فریب کھیلتے اور قسم قسم کی چالین چلا کرتے تھے اور جو کام کرتے بہت ہی دور اندیشی اور حکمت عملی کے ساتھ کرتے تھے چاہے اون باتون کی وجہ سے مذہب کی توہین اور مذہب والون کی بیحرمتی ہی کیون نہ ہوتی ہو اسلئے اُنہون نے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے نواسے کو قتل کرا دیا۔ کعبہ پر آگ اور پتھر برسوائے۔ اور نبی (صلعم) کے چچیرے بھائی اور اونکے داماد کو ممبرون پر کھڑے ہوکر لعنت کہی اور جس شخص نے اُنپر لعنت نہین کی اُسے جان سے مروا دیا۔ +

بنو امیہ کے خلفاء ہم یہ اوپر بیان کر آئے ہین کہ معاویہؓ نے اپنی نسل مین خلافت کا منصب وراثت کے طور پر مقرر کیا تھا لیکن یہ منصب صرف اُنکے بیٹے یزید کے سوا جسکی ولیعہدی کی بیعت اُنہون نے اپنی زندگی ہی مین کرالی تھی اُنکی اولاد مین اور کسی کو نصیب نہین ہوا۔ یزید نے بھی محض چند سال تک حکومت کی جسکے اثنا مین بڑے بڑے خراب کام کئے۔ منجملہ اونکے ایک امر حسینؓ بن علیؓ کا شہید کرانا بھی تھا۔ یزید کے مرنے پر لوگون مین بیعت کے متعلق اختلاف پیدا ہوا۔ اُسکا ایک بیٹا معاویہ (ثانی) نام تھا۔ اگرچہ لوگون نے اُسے خلیفہ مقرر کیا لیکن وہ اپنے تئین منصب خلافت کا مستحق نہ سمجھتا تھا۔ آخر وہ تھوڑے ہی دنون کے بعد وفات پاگیا۔ معاویہ ثانی کے رحلت کر جانے پر بنو امیہ نے ایک اور اموی بزرگ خاندان شخص سے (جو معاویہ کے گھرانے مین سے نہ تھا) بیعت کی اس سردار کا نام مروان (۱) حکم تھا۔ ۶۵ھ مین چند مہینون تک خلافت کرکے یہ بھی وفات پاگیا۔ اور اسکے بعد خلافت اُسی کی نسل مین محدود ہوگئی اور جس قدر بنو امیہ کے خلفاء اُسکے بعد ہوئے سب اُسی کی اولاد مین تھے۔ جن مین سب سے زیادہ مشہور حکمران عبد الملک بن مروان تھا جسکا ذکر اوپر آچکا ہے اُس نے ۶۵ھ سے ۸۶ھ تک (۲۱) سال حکومت کی۔

تمدن اسلام کی تاریخ مین عبد الملک کا ذکر عمدہ پیرائے مین ہوتا ہے اسلئے کہ اُس نے ممالک اسلامی کے دفاتر مین عربی زبان کو عام طور پر رائج کیا تھا حالانکہ اُسکی حکومت کے زمانہ تک وہ دفاتر اہل ملک کی ہی زبانون مین لکھے جاتے تھے۔ اور وہین کے باشندے اُنکے اہلکار ہوتے تھے۔ مصری دفترون مین قبطی زبان کا رواج تھا اور اُسکے کارکن مصر کے رہنے والے قبطیون ہی مین سے تھے۔ شامی دفاتر یونانی زبان مین تحریر ہوتے تھے اور اُنکا کاروبار شامی نصاریٰ مین سے کچھ اہلکارون کے ہاتھون مین تھا۔ اور عراق کا دفتر فارسی زبان مین تھا۔ جسکی خدمتین عراق ہی کے بعض باشندے سرانجام دیتے تھے۔ عبد الملک نے عام حکم دیدیا کہ تمام دفترون مین عربی زبان جاری کر دیجائے اور اونکا کاروبار بھی مسلمانون ہی کے ہاتھون مین دیدیا۔ اس حکمت عملی سے اسلامی حکومت کو جس قسم کا استحکام حاصل ہوسکتا ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہین رہ سکتا۔ کیونکہ اس طرز عمل نے سلطنت کے تمام ممالک مین عربی زبان کو

عام زبان بنا دیا جسکی وجہ سے دمان کے رہنے والے رفتہ رفتہ کئی صدیوں کے گزر جانے پر اپنی جنیسیتوں ہی کو بھول گئے اور اپنے تئیں عربوں مین شمار کرنے لگے۔ ایسا کرنے مین عبدالملک کو اس وجہ سے اور بھی امداد ملی کہ عربی زبان مذہبی زبان بھی تھی اور لوگون نے اسے شوق سے حاصل کرنیکے علاوہ بابرکت اور قابل تعظیم زبان سمجھہ رکھا تھا۔

عبدالملک کے کارنامون مین سے اُسکا عربی خطمین سونے کے سکے بنوانا اور رومانی طراز (مارکہ) کو عربی مین منتقل کرنا بھی شمار ہوتا ہے جسکی تفصیل آگے چلکر آئے گی۔ ملک عراق مین عبدالملک کیجانب سے حجاج بن یوسف عامل مقرر تھا جو اپنی انتظامی قابلیت اور تندمزاجی کے لحاظ سے مشہور ہے۔ حجاج عبدالملک کا بڑا بہاری مددگار اور اوسکی سلطنت کا رکن عظم تھا۔ یہی حجاج ہے جس نے عبداللہ بن زبیرؓ سے جنگ کی جو بنوامیہ کے مقابلہ مین اپنے لئے لوگون سے بیعت لے رہے تھے۔ حجاج نے مکہ مین اُنکا محاصرہ کیا اور کعبہ پر منجنیق چلاکر اُنہین قتل کرڈالا اور عبدالملک کو بے غل وغش خلیفہ بنا دیا۔

بنوامیہ کے مشہور خلفا مین سے ایک خلیفہ عمرؒ بن عبدالعزیز بن مروان اموی بھی ہین۔ انہون نے سنہ ۹۹ھ سے سنہ ۱۰۱ھ تک حکمرانی کی۔ یہ خلیفہ تمام اموی خلفا مین اپنے چالچلن کے اعتبار سے خلفائے راشدین کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے اور ہوسکتا ہے کہ اس نیک اطواری کی وجہ اُنکی وہ قرابت رہی ہو جو اُنہین عمر بن الخطابؓ سے تھی کیونکہ یہ عمرؓ کی نواسی کے بیٹے تھے جس وقت یہ مسند نشین خلافت ہوئے تو انہون نے نیک صفات مین اپنے بزرگ نانا عمرؓ کے زہد اور انصاف کی پیروی کی۔ بنوامیہ نے جس وقت سے کہلم کہلا خلافت کا مرطب کیا تھا اُس وقت سے اب تک برابر اُنکا یہ شیوہ رہا کہ علیؓ کو برسر ممبر بُرا بھلا کہا کرین۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے خیال کیا کہ یہ فعل قبیح اور اسلام کی تعلیم سے بعید ہے لہٰذا اُنہون نے اس بدنما کارروائی کو بند کردیا لیکن اُنکے یہ کام بنوامیہ کے نزدیک قبولیت کی نگاہون سے دیکھے جانیکے قابل نہ ٹھہرے خصوصاً اسلئے وہ اور بھی اُنکی نگاہون مین خارگزرے کہ اُنہون نے بنوامیہ کو املاک کے غصب لینے سے روکدیا۔ عمر بن الخطابؓ نے اپنے عہد خلافت مین بنوامیہ کو اس فعل سے روکا تھا جسکی اُنہون نے تعمیل نہین کی اب عمر بن عبدالعزیزؒ نے پھر اُس قاعدہ کو جاری کیا تو بنوامیہ کے دلون مین یہ ڈر سما گیا کہ اس شخص کی حکومت زیادہ دنون رہیگی تو غالباً یہ سلطنت ہمارے ہاتھون سے نکل جائیگی۔ اسی خیال سے اُنہون نے اس نیک خصلت حکمران کا چراغ زندگی بہت جلد گل کردیا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد اُنکا چچا یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا یہ شخص عیش پسند اور شرابی تھا گانے بجانے کا

بھی بہت شوق رکھتا تھا۔ سلطنت کے کاروبار کو بالائے طاق رکھکر صرف دو لونڈیون کی صحبت مین رہنے لگا جن مین سے ایک کا نام "سلامہ" اور دوسری کا نام "حبابہ" تھا۔ حبابہ نے اُسکے دل و دماغ پر قابو پالیا تھا اور تمام حکومت اُسکے زیر حکم ہو گئی تھی۔ وہ جسے چاہتی برطرف کرتی اور جسکو چاہتی ملازم رکھتی تھی۔ یزید کو دنیا کے کسی دھندے سے غرض نہ رہی تھی۔ آخر کار یزید کے بھائی "مسلمہ" نے ایک دن اُسے بہت لعنت ملامت کی اور اوس سے کہا۔ "تم عمر بن عبدالعزیز جیسے عادل حکمران کے بعد خلیفہ ہوئے اور اب حالت یہ ہے کہ ایک لونڈی کے عشق مین مبتلا ہو کر سلطنت کے کاروبار کو تج بیٹھے ہو۔ لوگ تم سے ملنے آتے ہین اور تمکو خبر بھی نہین ہوتی۔ فریادی لوگ چیختے رہتے ہین اور تم ہو کہ غفلت کی گہری نیند مین سو رہے ہو"۔ بھائی کی ملامت آمیز گفتگو سے متاثر ہو کر یزید بن عبدالملک نے کہا "تم سچ کہتے ہو" اور اُس نے ارادہ کیا کہ اب نہ تو شراب پیئے گا اور نہ عیش و عشرت مین مدہوش رہیگا چنانچہ کچھ دنون تک وہ "حبابہ" سے علیحدہ رہا۔ مگر اس جدائی کی وجہ سے خود "حبابہ" کی آتش شوق بھڑک اُٹھی اور وہ اس فکر مین پڑ گئی کہ کسی طرح خلیفہ سے دوچار ہو چنانچہ ایک روز جمعہ کے دن اُس نے اپنی کسی لونڈی سے کہا کہ "امیرالمومنین نماز کے لئے نکلین تو مجھے خبر دینا"۔ لونڈی نے اُسکے حکم کی تعمیل کی۔ اور جس وقت خلیفہ نماز جمعہ کے لئے ایوان خلافت سے باہر جانے کو تیار ہوا اُس نے اپنی مالکہ "حبابہ" کو اطلاع کر دی۔ حبابہ عود ہاتھ مین لئے ہوئے اپنے محل سے نکل کر خلیفہ کے سامنے آکھڑی ہوئی اور یہہ شعر بہت ہی دلکش آواز سے گانے لگی:۔

"الا لا تلمہ الیوم ان یتبلدا ——— فقد غلب المحزون ان یتجلدا"[1]

یزید نے اس شعر کو سُنکر اور حبابہ کی دلفریب صورت دیکھکر اپنا منہہ ڈھانک لیا اور اُس سے کہا:۔ "ٹھہر تو جا۔ کیا کرتی ہے"۔ مگر حبابہ نے اُسکی خفگی کی کوئی پروا نہ کر کے دوبارہ ایک عجیب دلفریبی کے ساتھہ یہ شعر گایا:۔ "فما العیش الا ما تلذ و تشتہی ——— وان لام فیہ ذو الشنان وفندا"[2]

نتیجہ یہ ہوا کہ یزید اپنے آپے سے باہر ہو کر دیوانہ وار اُسے لپٹ گیا اور کہنے لگا "واللہ تو نے سچ کہا۔ جس نے مجھے تجھسے الفت رکھنے کی بابت ملامت کی خدا اُسکا برا کرے۔ ارے لڑکے مسلمہ کو میرا حکم سنا دے کہ وہ لوگونکو نماز پڑھائے"۔ اسکے بعد حبابہ کے پاس بیٹھکر شراب ارغوانی کے جام پینے مین مصروف ہو گیا اور حبابہ برابر سُریلی دلکش تانین اُڑاتی جاتی تھی غرضکہ یزید پہر اُسی اپنی اگلی سی سرخوشی مین مستغرق ہو گیا۔

---

[1] خبردار آج اسے اسکے تجاہل پر ملامت نہ کیجیو کیونکہ غمگین پر اسکا بتکلف صبر کرنا غالب آرہا ہے۔

[2] عیش تو صرف وہی ہے جو تجھے لذیذ معلوم ہو اور جسکی تو خواہش کرے۔ اگرچہ کینہ ور اسکے بارہ مین ملامت کرے اور بیوقوف بنائے۔

اِس واقعہ کے بعد سے یزید برابر انہین لذایذ مین مصروف رہا یہانتک کہ آخر کار حبابہ کے مرنے پر اُسی کے رنج و غم مین خود بھی گھُل گھُل کر مر گیا۔ ان دونون کی وفات کا قصہ یون بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ وہ ملک شام کے ایک سردار کے گھر مین وارد تہا اور حبابہ اُسکے ہمراہ تہی۔ یزید نے دل مین خیال کیا کہ "لوگ کہتے ہین کہ کوئی شخص پورے ایک دن صبح سے لیکر رات ہونے تک داد عیش نہین دیسکتا۔ اس عرصہ مین اُسے کوئی نہ کوئی ایسی صورت پیش آجاتی ہے کہ جس سے تمام مزہ کرکرا ہو جاتا ہے مین بہی اِس قول کا امتحان کرونگا" یہ سوچکر اُسنے اپنے ہمراہیون سے کہا "کل صبح سے مجھے کسی بات کی اطلاع نہ دینا۔ اور نہ کوئی خط میرے پاس لانا خواہ وہ کتنا ہی ضروری ہو" یہ حکم دیکر حبابہ کے ساتھ خلوت مین جا بیٹہا اور مصروف عیش و تنعم رہا۔ خادمون نے دسترخوان چُن دیا تہا جسپر طرح طرح کے لذیذ کہانے اور انواع و اقسام کے میوے موجود تہے۔ حبابہ نے ایک انار اٹہا کر کہانا شروع کیا جس وقت کہ وہ انار کے دانون کا پہنکا لگا رہی تہی اتفاق سے ایک سالم دانہ حلق مین جا پہنسا۔ اور اُچھو ہوتے ہی مر گئی۔ یزید مجنونون کی طرح تین دن تک اُسکی لاش کے پاس بیٹہا رہا۔ اُسے دفن نہین کرنے دیتا تہا۔ آخر کو اُسکی لاش بگڑ گئی اور اُس مین سے بو آنے لگی۔ یزید بار بار اُسکی میت کو سونگہتا اور چومتا تہا۔ مگر اُسکے پاس سے نہین ہٹتا تہا۔ اُسکے عزیزون نے یہ حالت دیکھکر لعنت ملامت کی اور اُسے اس حرکت سے باز آجانے پر مجبور کیا۔ بہت ہی رو دکہ کے بعد یزید نے دفن کرنیکی اجازت دی۔ اور اوسکے مرنیکے بعد خود بھی صرف پندرہ دن زندہ رہکر آخر کار ۱۲۶ھ مین مر گیا اور حبابہ کے پہلو مین مدفون ہوا۔ +

یزید کے بعد اُسکا بھائی ہشام ۱۰۵ھ سے لیکر ۱۲۵ھ تک بیس سال حکمران رہا۔ یہ خلیفہ نہایت عقلمند اور منتظم تہا لیکن بخیل تہا۔ اور جو سلطنت سخا و کرم کے ذریعہ سے قایم ہوئی ہوا سمین کنجوسی کی وجہ سے جس قدر نقصان آسکتا ہے ظاہر ہے۔ ہشام کے بعد یزید کا بیٹا ولید خلیفہ ہوا۔ یہ خلافت کے قبل ہی سے اپنے باپ کی طرح عیش پرستی شراب خواری۔ اور گانے بجانے کا بیحد شایق اور عادی تہا۔ چنانچہ ان باتون کی تعریف مین اُسکے بہت سے اشعار بھی ہین خلافت ہاتھ آئی تو کہل کہیلا۔ لذایذ نفسانی اور ارتکاب معاصی کی کثرت تو تہی ہی خیر سے اپنے اپنے خاندان والون سے بھی بگاڑ کر لیا۔ اور اونکے ساتھ ایسی بدسلوکیان کین کہ آخر اُنہون نے برہم ہوکر رعایا مین سے بڑے بڑے سرغنون کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اُسپر حملہ کرکے اُسے قتل کر ڈالنے کے بعد ولید بن عبدالملک کے بیٹے یزید سے بیعت کر لی۔ یزید کا پہلے ارادہ تہا کہ جس قدر خرابیان حکومت مین پیدا ہو گئی ہین اونکی اصلاح کریگا۔ لیکن اب معاملہ بہت بڑہ گیا تہا۔ بنو امیہ کی قوت پراگندہ ہو چکی تہی۔ اور عباسی دعوت شروع ہو چکی تہی۔ ان وجوہ سے وہ اپنے ارادون مین ناکام رہا۔ اختتام کار یہ ہوا کہ اُسکے

جانشین مروان بن محمد بن مروان کے عہد یعنی ۱۳۲ھ مین بنو امیہ کے ہاتھون سے خلافت بالکل جاتی رہی۔ +

حکومت عباسیہ

عباسیون کی دعوت ہم نے ابی بکر صدیق کی خلافت کا حال بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ مسلمانون نے بنو ہاشم مین خلافت اور نبوت دونون منصبون کا اکٹھا کر دینا پسند نہین کیا تھا۔ اسلئے اونکے علاوہ قریش کے دوسرے گھرانون مین بیعت کی۔ مگر بنو ہاشم مسلمانون کے اس فعل کو حق بات سے متجاوز ہونا سمجھتے تھے۔ اور خیال کرتے تھے کہ وہ (خود بنو ہاشم) اس منصب کے لئے تمام دوسرے لوگون سے بہتر ہین۔ اور اسکی کوشش کرتے رہتے تھے کہ خلافت پر قابض ہون۔ جن بنی ہاشم کو خلافت کی خواہش تھی اُنکی بھی کئی تقسیمین تھین :-

(۱) علوی علی بن ابی طالب رض کی اولاد۔ انکے بھی دو گروہ تھے۔ ایک گروہ کا منشا تھا کہ خلافت فاطمہ زہرا رض کی نسل مین آئے۔ اور دوسرا گروہ محمد بن حنفیہ کو جو دوسری بیوی سے حضرت علی رض کے بیٹے تھے خلیفہ بنانیکی فکرین کر رہا تھا۔

(۲) عباسی۔ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے چچا عباس رض کی اولاد۔ ان دونون جماعتون کے لوگ عام لوگون کو اپنی اپنی طرف بلاتے رہتے تھے۔ اور لوگ پردہ پردہ مین اُن سے بیعت کرتے رہتے لیکن ظاہر کرنیکی قوت اور جرأت نہ رکھتے تھے۔ جس وقت بنو امیہ کی کمزوری اور اونکی قوت کی پراگندگی عیان ہو چلی۔ تب لوگون کو بھی اُنکی اطاعت سے باہر نکلنے مین آسانی ہونے لگی۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ زیادہ تر لوگ طمع یا خوف کی وجہ سے اموی خلفاء کے مطیع بنے تھے۔ ورنہ دل سے یہی خیال رکھتے تھے کہ خلافت کے لئے بنو ہاشم سب سے بہتر ہین۔

اُنہین دونون مین عباسیون کو خراسان کا رہنے والا ایک فارسی شخص ایسا ملگیا جو بہت ہی دبنگ اور دلیر تھا۔ اس شخص کا نام ابو مسلم خراسانی تھا۔ عباسیون نے اُسے اُسکے وطن خراسان کی جانب بھیجا تاکہ وہان جاکر لوگون سے انکی بیعت لے۔ اسلئے کہ وہ مقام اموی خلافت کے مرکز سے دور واقع ہوا تھا۔ ابو مسلم کو اس عمل مین عجیب قسم کی کامیابی ہوئی۔ اُس نے خوب خوب کوششین کرکے اور لوگون کو جنگ و پیکار سے دباکر آخر کار بنی عباس رض کے لئے خلافت کے ساز و سامان مہیا کر دیئے۔ اور ۱۳۲ھ مین زمام خلافت اُن مین سے پہلے خلیفہ "سفاح" کے سپرد کردی۔ عباسی حکومت کی بنیاد قایم کرنے مین ابو مسلم خراسانی کے احسانات عمرو بن العاص رض کے اون احسانون سے بہت بڑھے ہوئے ہین۔ جو انہون نے معاویہ رض کو خلافت دلانے مین کئے تھے۔ اسلئے کہ عمرو بن العاص رض نے معاویہ رض کو صرف اپنی رائے سے مدد دی ہی

اور ابومسلم نے عباسیون کی امداد اپنی تلوار اور اپنی قوم دونون سے کی۔ +

عباسی سلطنت حکومت بنوامیہ کے بارہ مین یون کہا ہے جو کچھ کہا جائے لیکن بنوعباس کی سلطنت سے اوسکو یہ امتیاز بہر طور حاصل ہے کہ وہ اہل عرب کی حکومت تھی کیونکہ اُسکے عامل۔ قاضی۔ اور تمام ارکان سلطنت اہل عرب تھے۔ صرف چند منشی اور طبیب یا اور اسی قسم کے بعض پیشہ ور یا اہل ہنر تو بیشک غیر اقوام مین سے تھے ورنہ خلیفہ سے لیکر ادنے سپاہی تک تمام لوگ خالص عرب ہوتے تھے۔ مگر بنوعباس کی سلطنت مین فارسی عنصر غالب ہوگیا تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ اہل فارس ہی نے حکومت اُنکو دلائی تھی جیسا کہ معلوم ہوچکا ہے اسی لئے بنوعباس نے فارسیون مین سے سربرآوردہ لوگون کو اپنا وزیر بنایا عربی حکمرانون مین وزیر مقرر کرنے کی اولیت بنوعباس ہی کو حاصل ہے۔ اُنہون نے اس منصب کا تقرر بھی اہل فارس کی طرز حکومت سے اقتباس کیا تھا جیسا کہ آگے چلکر کسی موقعہ پر اسکا ذکر آئیگا۔

بنوعباس کا سب سے پہلا خلیفہ ابوالعباس سفاح تھا۔ جسکے کئی بھائی اور چچا تھے اس لئے انہین اپنی قوت بڑہانے مین اپنا باز دبنایا۔ سفاح کا پائے تخت انبار نام ایک مقام بغداد سے مغرب کیطرف دریائے فرات پر واقع تھا۔ سفاح مرتے وقت تک اسی مقام مین رہا۔ اور اُس نے صرف چند سال حکومت کی۔ سفاح کے بعد اُسکا بھائی ابوجعفر منصور ۱۳۶ھ سے ۱۵۸ھ تک خلیفہ رہا۔ ابوجعفر منصور عالیدماغی۔ مدبری اور ملکی نظم ونسق مین اسلام کے مشہور اور بڑے بڑے لوگون مین گزرا ہے۔ وہ دلیر بھی بیحد تھا۔ اُس نے کوفہ کے قریب ایک شہر آباد کرکے اُسکا نام ہاشمیہ رکھا تھا جو فوقت یہ شہر خوب آباد ہوچکا اتفاق سے اُسے وہان ایک فرقہ سے لڑائی پیش آگئی۔ جسکو راوندیہ کہتے تھے۔ اس جنگ کی وجہ سے منصور نے اُس شہر کو ناپسند کیا۔ اور اوسکی ناپسندیدگی کی ایک اور علت بھی تھی یعنی کوفہ کا قرب۔ منصور کوفہ والون سے بہت ڈرتا تھا کیونکہ وہان کے رہنے والون نے علیؓ اور حسینؓ کو شہید کردیا تھا۔ اسلئے وہ اُسکی نظرون مین قابل اعتبار نہ تھے۔ پھر منصور ہاشمیہ سے نکل گیا اور اُسنے شہر بغداد تعمیر کرایا جو کہ اسلامی دارالسلطنتون مین سب سے زیادہ مشہور ہے۔ منصور کو معلوم ہوا کہ ابی مسلم کا زندہ رہنا اوسکے مرکز کو خطرہ کی حالت مین رکھیگا۔ کیونکہ اور لوگون کے مقابل مین اُسے بنوعباس کے ہاتھون سے خلافت کا نکالدینا ویسا ہی آسان تھا جیسا کہ اُسکا اُنکے قابو مین دیدینا۔ لہذا منصور نے اُسے دھوکے سے قتل کرادیا۔ اور اس معاملہ مین لوگون سے یہ عذر پیش کیا کہ وہ میرا سنگ راہ تھا اسلئے مینے اُسے دفع کردیا۔ (ہٹادیا) منصور کا یہ فعل اُسی قسم کا تھا جیسا کہ اُسوقت سے گیارہ سو برس بعد محمد علی پاشا خدیو مصر نے ممالیک کے امرا سے اور سلطان محمود دوم نے ینگچری سپاہیون

سے سلوک کیا۔ +

منصور کا زمانہ شروع سے اخیر تک لڑائیوں اور فتوحات ہی میں بسر ہوا منصور کے بعد اُسکی اولاد میں سے پے در پے تین شخص اُسکے جانشین ہوئے۔ پہلے محمد مہدی۔ دوم موسیٰ ہادی۔ اور پھر تیسرے نمبر پر ہارون الرشید خلیفہ ہوا۔ ہارون کے بعد اُسکا بیٹا امین اور پھر مامون الرشید ابن ہارون الرشید نے مسند خلافت کو زینت دی۔ رشید اور مامون کے عہد میں عباسی حکومت ترقی و عظمت کے اعلےٰ زینہ پر پہونچ گئی۔ اور اوسکی قلمرو کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا تھا۔ اسی مبارک عہد میں علوم و فنون کا نشو و نما ہوا۔ بہت سی کارآمد کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اور دولت و ثروت کے چشمے اس قدر جاری ہوئے جن سے تمام اقلیم سیراب ہوگئی چنانچہ اپنے اپنے موقع پر ہم ان تمام باتوں کو مفصل بیان کرینگے۔ +

اگرچہ منصور نے ابو مسلم خراسانی کو محض اس خوف سے قتل کرادیا کہ وہ فارس کا باشندہ ہے۔ اور ممکن ہے کہ کسی وقت میں خود ہی حکمران بننے کا قصد کر بیٹھے تو اسکا تدارک ناممکن ہوجائیگا لیکن تماشہ یہ ہے کہ منصور ہی نے اپنے عہد میں فارس کے بہت سے لوگوں کو اپنے حاشیہ میں معزز عہدہ پر رکھا تھا۔ منصور کے بعد اوسکے جانشینوں نے بھی اُسی کی طریق عمل پر قدم رکھا۔ اور فارس ہی کے رہنے والوں کو اپنے یہاں کے معزز عہدہ پر مقرر کیا۔ جن مراتب میں سے ایک وزارت کا مرتبہ بھی تھا۔ اور بنو عباس کے عہد میں یہ سب سے بڑا منصب تھا۔ اس بات کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ رشید کے زمانہ میں اہل فارس کا زور بہت کچھ بڑھ گیا تھا اور وہ لوگ جو وزارت پر قابض ہوکر گویا سلطنت کر رہے تھے۔ برامکہ تھے۔ رشید نے یہ دیکھکر کہ وہ لوگ خلیفہ کے ہوتے ہوئے حکومت کا کاروبار بلا اُسکی رائے اور صوابدید کے خود ہی کر لینے لگے۔ اونکو بالکل نیست و نابود کر ڈالا جسکا قصہ مشہور ہے۔

مامون الرشید کے بعد ۲۱۸ھ میں اُسکا جانشین معتصم باللہ خلافت پر قابض ہوا۔ اس خلیفہ نے ترکوں کو اپنی سلطنت میں بڑے بڑے مناصب دیئے۔ اور انہیں سلطنت کی بہت سی خدمتوں پر بکثرت مامور کیا عباسی حکومت کے شروع میں ملک ترکستان کے عاملوں کی جانب سے ترکوں کے چھوٹے چھوٹے لڑکے خلیفہ کے حضور میں ہدیہ کے طور پر پیش ہوا کرتے تھے۔ اور ہر خلیفہ اون غلاموں کی جماعت میں سے حسین اور گرانڈیل جوانوں کو چن کر اپنے حاشیہ کے لوگوں میں بھرتی کرتا رہتا تھا۔ جنکا نام "ممالیک" رکھا جاتا تھا۔ +

اسکے بعد عباسی خلفاء نے ایسے ترکی غلام بہت کثرت کے ساتھ خریدنے شروع کئے اور وہ لوگ ان غلاموں کی کثرت کے لحاظ سے اپنے مدمقابل پر فخر کا اظہار کرنے لگے۔ یہانتک کہ معتصم کے زمانہ میں ترکی غلاموں کی تعداد تیس ہزار

سے متجاوز ہوگئی۔ ان غلاموں نے مذہب اسلام اختیار کرلیا تھا۔ اور علوم ادب سے بھی بہرہ ور ہو چلے تھے جسکی وجہ سے انکی مخفی قوتین عیان ہونے لگی تھیں خلفاء نے انکی قابلیت دیکھکر انہیں حکومت کے بہت سے کاروبار بھی تفویض کرنے شروع کردیئے تھے۔ ترکی غلام اپنے اقتدار کے موافق برابر حکومت کے اعلےٰ عہدون پر ترقی پاتے چلے گئے۔ حتی کہ امارت اور فوجی خدمت کے بلند ترین منصبون تک جا پہونچے جسکی وجہ سے حکمرانی کی کنجیان حاصل کرنے پر دو ہم پلہ قوتین یعنی فارسی اور ترکی باہم نزاع رکھنے لگین۔ ان مین سے جسکا ہتھا چڑھ جاتا وہ کوئی نہ کوئی اعلےٰ عہدہ خلیفہ سے حاصل کرلیتا۔ خلیفہ معتصم باللہ عباسی نے ملک مصر مین خوف (شرقیہ اور دقہلیہ) کے رہنے والون سے ایک جماعت بناکر انہین اپنی فوج مین بھرتی کیا تھا اور اُسکا نام مغربی رکھا تھا۔ انکے علاوہ سمرقند۔ اشروسنہ اور فرغانہ سے بہت سے آدمی اکٹھے کرکے انکو بھی فوجی خدمت مین رکھا تھا اور اُن کا نام فراغنہ مقرر کیا تھا جو زیادہ تر اُسکے حاشیہ مین رہتے تھے۔ یہ دونون جماعتین اون گروہون کے علاوہ تھین جو اُسکے یہان خالص عربی فوجون سے موجود تھی معتصم کے بعد اور خلفاء نے بھی نئے نئے گروہ تیار کئے۔ اور دوسری قومون کے لوگون کو اپنے یہان رسوخ و اقتدار بخشا۔ جسکے سبب سے سلطنت مین بہت سے مختلف عنصر پیدا ہوگئے۔ اور کام مین رکاوٹ ڈالنے والے اجنبی ہاتھ بکثرت ہوگئے۔ نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ خلفاء کمزور ہوتے گئے۔ اور عمال و حکام اپنے اپنے صوبون اور اقلیمون مین رفتہ رفتہ خودمختار بننے لگے۔ خلفاء کی سلطنت اور حکمرانی کا دائرہ سمٹتے سمٹتے اس قدر تنگ ہوا کہ صرف دجلہ اور فرات کے مابین کا حصۂ ملک اونکی قلمرو مین داخل رہگیا۔ اور ابھی چوتھی صدی ہجری شروع بھی نہ ہوئی تھی کہ یہ قلمرو بھی اونکے قبضۂ اقتدار سے باہر نکل گئی۔ اب محض شہر بغداد خلیفہ کے زیر حکومت تھا اور اُس مین بھی انکی کامل حکومت نہ تھی۔ چنانچہ نمونہ کے طور پر ہم اسلامی حکومت کے وہ ٹکڑے جو چوتھی صدی ہجری کے پہلے ربع حصہ مین راضی باللہ کے عہد مین ہو چکے تھے ذیل مین لکھتے ہین:-

ولایات	اُنکے حکام
بصرہ (عراق عرب)	ابن رائق۔ .... کے قبضہ مین
خوزستان	بریدی۔ ..... 〃
فارس	عمادالدین بن بویہ۔ .... 〃
کرمان	ابی علی محمد بن الیاس .... 〃
رے۔ اصفہان۔ اور کوہستان	رکن الدولہ بن بویہ وغیرہ .... 〃

ولایات	اُنکے حکام
موصل - دیار بکر - مضر اور ربیعہ -	بنی حمدان - .. .. .. کے قبضہ مین
مصر اور شام -	اخشید - .. ..
خراسان اور ماوراالنہر -	سامانی خاندان والون - .. .. ..
طبرستان اور جرجان -	دیلمیون - .. ..
بحرین اور یمامہ -	قرامطہ - .. ..

اور جن امور کی وجہ سے معاملات حکمرانی کی صورت زیادہ نازک ہوگئی۔ اُن مین سے ایک بڑی بات یہ تھی کہ حریم خلافت کے خادمون اور فوجی لوگون کو قصر خلافت مین مطلق العنانی حاصل ہوگئی تھی اور وہ لوگ وہان بہت سخت دراز دستیان اور گستاخیان کرنے لگے تھے۔ طرح طرح سے خلفاء کی اہانت اور آبروریزی کرتے اُنہین سخت سخت ایذائین پہنچاتے جسکی ایک مثال ترکون اور مغربون کی فوجون کا وہ سلوک ہے جو اونہون نے ۲۵۵ھ مین خلیفہ معتز باللہ عباسی کے ساتھ کیا اور اُسے عہدۂ خلافت سے علیحدہ کر دیا تھا۔ اسکی وجہ یہ ہوئی کہ اُس نے اُنکے انعام واکرام مین کمی کی تھی یہ بے باک سپاہی خلیفہ کے کمرہ مین گھس گئے اور اوسکے پیر پکڑکر گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئے۔ اُسے گرزون سے خوب مارا۔ اور اوسکا کرتا وغیرہ پھاڑ ڈالا۔ پھر اُسے چلچلاتی دھوپ مین تپتی ہوئی زمین پر ننگے پیر اور ننگے بدن کھڑا کر دیا۔ بیچارہ خلیفہ گرمی کی شدت سے زمین پر ایک پیر رکھتا تھا اور دوسرا اوٹھاتا تھا۔ پھر کچھ سپاہی اُسے تھپڑ مارتے رہے جنکو وہ اپنے ہاتھون پر روکتا تھا۔ اس ظلم وستم کے بعد اُسے پھر اُسکے کمرہ مین داخل کیا۔ اور ابن ابی شوارب قاضی کو اور بہت سے معزز لوگون کے ساتھ بلاکر خلیفہ کی معزولی پر گواہ بنایا۔ اور پھر بھی خلیفہ کو رہا نہ کیا۔ بلکہ اُسے ایسے لوگون کے سپرد کر دیا جو اوسکو طرح طرح کی تکلیفین دیتے رہے۔ تین دن تک اُسے کچھ کہا نے پینے کو نہین دیا۔ اور اسکے بعد اُسے ایک تہ خانہ مین ڈالکر اوپر سے پختہ گچ کی ڈاٹ لگا دی۔ جسکے اندر اُس مظلوم وستم رسیدہ خلیفہ نے عالم بیکسی مین جان دی۔

اگرچہ خلفاء کی حالت اس قدر ردی ہوگئی تھی کہ اونے سپاہی تک اُنہین ہر طرح کے رنج والم پہنچا دیتا تھا۔ لیکن باایں ہمہ ضعف وخواری۔ فارس والون۔ ترکون۔ مغربون۔ اور فرغانہ کے باشندون مین سے کسی کے دل مین یہ خیال تک نہ آسکا۔ کہ بنی عباس کے قابو سے خلافت کو نکال لین۔ غیر مذکورہ بالا لوگ تو عجمی الاصل تھے۔ انکو اسکی ہمت نہ ہوئی تو تعجب بھی نہین۔ لیکن خاص اون اہل عرب کو بھی جو خاندان قریش کے علاوہ تھے اِس امر کی جرأت نہ پڑی۔ +

عباسی خلافت بغداد مین اُس وقت تک برابر قایم رہی جس وقت کہ چین کے صحراؤن سے تاتاری قوم نے

اُسکو اُسے فتح کیا ہے۔ اور اُسکے خلیفہ کو قتل کیا ہے۔ یہ واقعہ ۱۵۶ھ مین پیش آیا تھا۔ اُس وقت خاندان خلیفہ کے لوگ جو تاتاریون کی بے پناہ تلوارون سے بچے رہے تھے۔ ملک مصر کو بھاگ گئے اور اونھون نے وہان کے بادشاہ کے پاس جو امرا ممالیک کے سلسلہ سے تھے پناہ لی۔ سلاطین مصر نے اُنھین بہت اعزاز و اکرام سے اپنے یہان جگہہ دی اور اونکو بدستور خلیفہ سمجھتے اور ویسی ہی عزت و حرمت کرتے رہے۔ یہان تک کہ جس زمانہ (۹۲۳ھ) مین سلطان سلیم عثمانی نے ملک مصر کو فتح کیا تو اُس نے عباسی لوگون سے خلافت بھی لے لی۔ عباسی خلفا کی تعداد بیاسی سے بھی زائد کسی شخصون تک پہنچی تھی جن مین سے سینتیس نے خاص عراق مین حکومت کی۔ ان لوگون مین پہلا شخص سفاح بانی خلافت عباسیہ اور پچھلا شخص مستعصم باللہ تھا۔ اور باقیماندہ لوگ مصر مین گزرے لیکن خلفاء مصر محض نام کے خلیفہ ہوتے تھے۔ اور اونکا یہ عہدہ اب محض دینی حیثیت سے قابل احترام تھا۔ ورنہ دنیاوی حکومت سے اُنھین کچھہ تعلق نہ رہا تھا۔ +

اُندلس مین اموی حکومت

مسلمانون مین سب سے پہلے جو شخص اُندلس مین داخل ہوئے وہ دو آدمی تھے۔ پہلا طارق بن زیاد۔ اور دوسرا موسیٰ بن نصیر۔ ان دونون نے ۹۲ھ کے زمانہ مین جبکہ ملک شام مین اموی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی اُندلس کو فتح کیا تھا۔ اور اُس وقت سے سلطنت بنو امیہ کے قیام اور اُسکے کسی قدر بعد تک بہت سے امیرون نے خلفا، بنو امیہ کیجانب سے وہان حکومت کی تھی۔ بنو عباس کو خلافت ملی تو ابو العباس سفاح نے اموی لوگونکا اس قدر قتل عام کیا کہ توبہ ہی بھلی۔ جوان۔ بوڑھا۔ عورت۔ بچہ جو ملتا وہی بے محابا ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ گویا اُس وقت بنو امیہ پر پناہ پانے کا دروازہ بند تھا۔ یونتو بظاہر تمام بنو امیہ قتل ہو چکے تھے۔ مگر ایک نوجوان عبد الرحمن نامی جو معاویہ بن ہشام بن عبد الملک کا بیٹا تھا کسی طرح بچکر ملک مغرب کو بھاگ گیا تھا۔ وہان سے دریا کو عبور کرکے اُندلس مین جا پہونچا۔ اون دنون اُندلس پر عبد الرحمن بن یوسف فہری نامی امیر حکمران تھا اموی شہزادہ نے اُسے علیحدہ کر کے عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لی۔ اور تھوڑے دنون تک سفاح کے نام کا خطبہ پڑھتا رہا۔ اسکے بعد عباسیون نے اُسے معزول کر دیا۔ جسکے جواب مین عبد الرحمن نے بھی اُنکا خطبہ پڑھنا بند کر کے ۱۳۸ھ مین خود ہی حکومت کا دعوے کر دیا۔ اور قرطبہ کو اُندلس کا پایہ تخت قرار دیکر نہایت پُر زور سلطنت قایم کر لی۔ عبد الرحمن مذکور کے

بعد ۳۱۷ھ تک بہت سے امیر اُسکے جانشین ہوئے جو اپنے تئین امیر ہی کے لقب سے ملقب کیا کرتے تھے۔ مگر ۳۱۸ھ مین جبکہ اُندلس کی حکومت عبدالرحمن سوم کے قبضہ مین آئی۔ اُس نے اپنے تئین خلیفہ کے نام سے مشہور کیا۔ اور وہ اُن خلفاء بنو امیہ مین جو اُندلس مین گزرے ہین سب سے بڑا خلیفہ تھا۔ عبدالرحمن سوم نے کئی مرتبہ اہل فرنگ سے معرکہ آرائیان کین۔ اور اُنہین بڑی بڑی فاش شکستین دین۔ اُسکے مرنیکے بعد کئی اور خلیفہ ہوئے لیکن اُنمین ایک بھی اُسکا ہمسر نہ ہوسکا۔ پانچوین صدی مین ملک اُندلس کئی گروہون مین منقسم ہوگیا۔ اور ہر گروہ پر ایک علیحدہ رئیس تھا۔ ان رئیسون مین سب سے بڑے رئیس عبادیہ تھے جو اشبیلیہ کے عرب تھے۔ اسکے کچھہ عرصہ بعد انہین عبادیہ کے ہاتھون مین اُندلس کی عام حکومت آگئی۔ اور چونکہ فرنگ والون سے جنگ و جدل رہا کرتی تھی اسلئے اُن کو مغرب کی حکمران اقوام مرابطین سے مدد لینے کی ضرورت پیش آئی۔ تاکہ اونکو اپنا شریک کرکے اہل فرنگ کو دفع کرسکین۔ مغربی لوگ اُندلس مین آئے تو اُس ملک کی سرسبزی دیکھکر خود اُنکے مُنہ مین پانی بھر آیا۔ اور کچھہ ہی عرصہ کے بعد اُنہون نے اسے فتح کرکے اپنی ماتحت ولایت (صوبہ) بنالیا۔ اسکے بعد پے در پے اُندلس کے ملک پر مختلف حالتین گزرین جو اسکا زور گھٹاتی گئین۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۴۹۲ء مین اُسپر اہل فرنگ کا پورا تسلط اور مسلمانون کی حکومت کا وہان سے کلیتہً خاتمہ ہوگیا۔ +

اسلامی تاریخ مین اُندلس کو بہت کچھہ شان و شوکت حاصل ہے۔ اسی کی خاک سے بڑے بڑے علماء اور اہل کمال شعرا پیدا ہوئے۔ جنکے علوم و فنون اور تصانیف سے آجکل کی متمدن دنیا مین بڑے بڑے فائدے حاصل کئے جاتے ہین۔ مسلمانون نے اس ملک مین بہت سے مدرسے اور کتب خانے قایم کئے۔ عظیم الشان محل اور عجیب و غریب عمارتین بنوائین جنکی تفصیل ہم موقعہ بموقعہ بیان کرینگے۔

مصر مین فاطمی حکومت کا دور

اس حکومت کا نشو و نما بلاد مغرب مین ہوا۔ یہ خاندان حضرت جعفر صادقؒ کے واسطے سے فاطمہؓ بنت نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کیجانب منسوب ہوتا ہے۔ اس گھرانے کے خلفا مین سب سے اول جو شخص علانیہ دعوت کرنے اُٹھا۔ وہ عبید اللہ المہدی تھا جس نے تیسری صدی ہجری کے آخری حصہ مین خلیفہ ہونیکا دعوے کیا اور اسی لحاظ سے اس سلطنت کو عبیدیہ بھی کہتے ہین۔ چوتھی صدی ہجری کے وسط مین سپہ سالار جوہر کی ماتحتی

مصر پر بھی اونکی حکومت کا سکہ جم گیا۔ اس سے پہلے ملک مصر عباسیون کے تصرف مین تہا۔ لیکن جوہر نے اُسے فتح کرنے کے بعد بنو فاطمہ کے قبضہ مین دیدیا۔ اور سنہ ۳۶۰ھ مین اُسپر کامل تسلط کرکے قاہرہ کا عظیم الشان شہر تعمیر کرایا جو آجتک قایم ہے۔ اسکا ابتدائی نام "قاہرہ معزیہ" رکھا گیا تہا جسکی نسبت خلفاء بنو فاطمہ مین سے سب سے اول ملک مصر مین آنیوالے خلیفہ "المعز لدین اللہ" کیجانب کیگئی تہی۔ معز لدین اللہ کے بعد اُسکے کئی جانشین حکمران ہوئے۔ اور سبھون نے نوبت بہ نوبت بہت استقلال کے ساتہہ فرمانروائی کی۔ یہانتک کہ انکو بہی اُسی بلا مین مبتلا ہونا پڑا جس مین خلفائے بنی عباس غیر قومون مثلاً کردون اور ترکون کو دخیلکار بنانیسے مبتلا ہو چکے تہے۔ بنی فاطمہ کے بعد ۵۶۷ھ مین مصر کی حکومت مشہور سلطان صلاح الدین ایوبی کے قابو مین آگئی۔ حکومت بنی فاطمہ کی بہت بڑی بڑی یادگارین اب تک ملک مصر مین موجود ہین جو زبان حال سے اپنے بانیون کا جاہ و جلال ظاہر کر رہی ہین۔ ان یادگارون مین سے ایک تو خود قاہرہ کا شاندار شہر ہے اور ازہر کی یونیورسٹی بہی بہت بڑی یادگار ہے۔ صلاح الدین کے بعد اُسکے بیٹون اور بہائیون نے بہی عرصہ تک مصر پر حکمرانی کی۔ اور اس خاندان کے زوال پذیر ہونے پر سلاطین ممالیک کا دور دورہ رہا۔ یہان تک کہ ۹۲۳ھ مین سلطان سلیم خان عثمانی نے مصر کو فتح کیا۔

جس قدر اسلامی حکومتین دنیا مین قایم ہوئین۔ اگر ہم اُن سب کو ایک ایک کرکے گنا وین تو بہت طوالت ہوجائیگی۔ لہذا اس وقت انکا مختصر ذکر کافی ہوگا۔ ہمنے سال چہارم کے الہلال نمبر ۲ مین ایک جدول شایع کی تہی جس مین تمام اسلامی سلطنتون کا بیان کردیا تہا۔ اُنکے دارالسلطنتون اور حکمرانون کی تعداد مع مدت حکمرانی اور سنہ جلوس و وفات بہی ذکر کردی تہی۔ اُسکا خلاصہ یہہ ہے کہ آغاز اسلام سے اس وقت تک جتنی اسلامی حکومتین قایم ہوئین اُنکی کل تعداد (۱۰۴) ہے۔ اور اُنکے حکمرانون کی مجموعی تعداد (۱۱۹۵) ہے جنمین خلفاء۔ سلاطین۔ ملوک۔ امراء اتابکہ۔ اخشیدیہ۔ خدیوی لوگ۔ شرفاء۔ بایہ لوگ اور دایہ لوگ۔ وغیرہ سب شامل ہین۔ خواہ وہ اہل عرب سے ہون یا فارسیون۔ ترکون۔ چرکسون۔ کردون۔ ہندیون۔ تاتاریون۔ مغلون اور افغانون وغیرہ مین سے۔ اور انکے پائے تخت حسب ذیل مقامات رہچکے ہین:۔ مدینہ۔ کوفہ۔ شام۔ بغداد۔ مصر۔ قیروان۔ قرطبہ۔ آستانہ۔ صنعاء عمان۔ اور دہلی وغیرہ۔

اسلامی تمدن کی تاریخ جو آگے چلکر بیان ہوگی اُسکی تمہید مین اس مقام تک تاریخی مقدمات لکہے گئے جن سے اسلامی حکومت کی بنیاد پڑنے اور اسلامی تمدن کے نشو و نما پانے کا حال کہلیگا۔ یہ بات تو دیکہہ ہی لیگئی ہے کہ مسلمانون نے بہت سی حکومتین قایم کین جو مختلف زمانون تک تمدن کا رنگ کہاتی رہین۔ گرچہ جہ جہ حکومت

اُن سبھو ن مین بہت مشہور اور سہل تمدن کے اختیار کرنے مین اُن سبھو نپر مشیدست تہی۔ لہذا اگلے بیان مین ہم اکثر و بیشتر وہی امور بیان کرینگے جو عباسی سلطنت کے ساتھہ مخصوص تہے۔ اور جنہین اسلامی تمدن مین وقعت خاص حاصل ہے۔ ✣

اسلامی حکومت اور اُسکی مردم شماری

پچھلے واقعات سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ جس وقت مین مسلمانونکی تعداد ہائیون سے اوپر نہین ہوئی تہی۔ اور مدینہ کی شہر پناہون سے باہر کی زمینین بہی اُنکے ملک مین نہین تہین اور صحابہ کے علاوہ ہر شخص اونکا دشمن تھا۔ ایسی حالت اور ۱۰ھ مین "مدینہ" کے اندر اسلامی حکومت کی بُنیاد پڑی۔ اس سلطنت کی حدود "یثرب" اور اوسکے بعض مضافات سے گہری ہوئی تہین۔ اندنون دارالامارۃ۔ اور دارالقضا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تہی۔ یا نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کا حجرہ یا صحابہ کے مکانات۔ ۱۲ھ تک اُسکی یہی حالت رہی جسکے بعد مسلمانون نے بنی نضیر کی اراضیان بہی اُسپر اضافہ کردین۔ اور اوسکے بعد آنیوالے برس مین "خیبر" کی سرزمین بہی اسلامی قلمرو مین داخل ہوگئی۔ اور زمانہ مابعد مین رفتہ رفتہ مقامات فدک۔ وادی القری۔ اور تیما بہی مملکت اسلام مین شامل ہوگئے۔ اسکے بعد مسلمانون نے "مکہ" کو فتح کیا۔ اور اُسی کے ضمن مین پے درپے مقامات۔ طائف۔ نجد۔ اور جرش پر بہی قبضہ کرلیا۔ بعد ازان شمالی سمت مین تبوک۔ اور ایلہ تک۔ اور جنوبی جانب مین نجران۔ یمن۔ عمان۔ بحرین اور یمامہ تک پے درپے فتوحات حاصل کرتے ہوئے اسلامی حدود ملک کو ترقی دیتے گئے۔

۱۱ھ مین جب نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دنیا سے رحلت فرمائی ہے اُس وقت اسلام کی سطوت تمام جزیرہ عرب پر سایہ ڈال چکی تہی۔ اور خود نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنی مملکت کو شمالی سمت مین تبوک اور ایلہ سے ایکر جنوب مین سواحل یمن تک۔ اور شرق کیطرف خلیج فارس سے شروع ہوکر مغربی سمت مین بحر قلزم تک وسیع دیکھہ لیا تہا۔

ابوبکر رض حکمران ہوئے اور ردت کے جہگڑے سے فراغت پائی۔ تو انہون نے عراق اور شام کو فتح کرنیکے لئے فوجین روانہ کین۔ اور عمر بن الخطاب رض نے ان دونون ملکون کی فتح کا تکملہ کیا۔ جسکے ساتھہ ہی مصر کو بہی قبضہ مین لے آئے۔ اسلامی فتوحات کا زیادہ تر حصہ صرف انہین خلیفہ دوم کے ہاتہون انجام پایا۔ عمر رض کے جانشین

عثمانؓ ہوئے۔ اور اونہون نے بھی کئی جدید ممالک فتح کیے لیکن اونکے شہید ہونیکے بعد مسلمان لوگ فتوحات سے غافل ہوکر اُس باہمی فساد مین مبتلا ہوگئے جو عثمانؓ کے قتل کیے جانیکے بعد اون مین ہوگیا تھا۔ یہان تک کہ جس وقت خلفائے راشدین کا مبارک عہد ختم ہوگیا۔ تو معاویہؓ نے عنان خلافت اپنے ہاتھ مین لی اُس زمانہ مین مصر۔ شام۔ لوبیہ۔ افریقہ۔ عراق۔ فارس۔ آذربائیجان۔ آرمینیہ۔ جرجان۔ طبرستان۔ اور اہواز وغیرہ ممالک پر اسلامی پھریرا اڑ رہا تھا۔

خلیفہ کا قیام مدینہ (یا کوفہ) مین رہا کرتا تھا اور وہ اپنے عاملون کو ولایتون کی جانب بھیجا کرتا تھا۔ اس زمانہ مین اسلامی مملکت کا سب سے بڑا صوبہ ملک شام تھا جسکے ماتحت حمص۔ قنسرین۔ اردن۔ فلسطین اور سرحدوان کے اجناد (چھاونیان) تھے۔ اسکے بعد عراق کا ملک تھا جسکا سب سے بڑا صوبہ سواد کا علاقہ تھا یعنی وہ خطۂ زمین جو دجلہ اور فرات کے مابین واقع ہے۔ اور اوسکا پایہ تخت کوفہ تھا جو نہر فرات کے کنارہ پر ایک عظیم الشان شہر ہے۔ سواد کے علاوہ بصرہ۔ قرقیسیہ۔ رے۔ اصفہان۔ نہاوند۔ آذربائیجان۔ حلوان۔ ہمدان۔ اور مازوان وغیرہ بھی یکجا صوبے تھے۔ عرب کے صوبے مکہ۔ طائف۔ یمن۔ عمان اور صنعا رہے۔ اور برعظم افریقیہ مین مصر معہ اپنے ماتحت مقامات افریقہ کے۔ مثلاً بلاد مغرب۔ اور لوبیہ جو وادی نیل کی بلندی مین ہین ایک جداگانہ ملک تھا۔ خلفا کا قاعدہ تھا کہ ملک شام کے سوا اور مقامات پر اپنی طرف سے براہ راست مدینہ ہی سے عامل مقرر کرکے بھیجدیا کرتے تھے۔ اور ملک شام کا عامل خود دمشق مین رہتا تھا۔ اور اپنی ماتحت ولایتون اور چھاونیون مین اپنی طرف سے عاملون کا تقرر کرتا تھا مصر کے عامل کا بھی ایسا ہی دستور تھا کیونکہ اکثر حالتون مین وہ اپنے ہی حکم سے افریقہ اور لوبیہ مین عاملونکا تقرر کرتا تھا۔

عمر بن الخطابؓ کے زمانہ مین معاویہ بن سفیانؓ ملک شام کے عامل بنائے گئے۔ انکی امارت خلفائے راشدین کے آخری زمانہ تک برابر قایم رہی۔ اسکے بعد اونہون نے اپنے آپ کو خلیفہ بناکر مرکز خلافت دمشق مین منتقل کرلیا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے۔ عرب کے تمام ملک نے معاویہؓ کی بیعت سے علیحدگی اختیار کرلی تھی اور وہان کے رہنے والے علیؓ اور اونکی اولاد کی بیعت پر قایم تھے۔ حسینؓ کے شہید ہوجانیکے بعد یہ جزیرہ بنوامیہ کے قابو مین نہین آیا۔ بلکہ عبداللہ بن زبیرؓ کے زیر اثر رہا یہانتک کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے عبدالملک ابن مروان کے عہد خلافت یعنی ۷۲ھ مین اونکو قتل کرڈالا۔ جسکے بعد سے یہ جزیرہ بھی بنوامیہ کی سلطنت مین شامل ہوگیا۔

بنی امیہ کے زمانہ مین اسلامی قلمرو بہت کچھ وسیع ہوگئی۔ اُنہون نے مغرب کی جانب اُندلس اور تمام مغربی

ملک کو فتح کرلیا تھا۔ بنی امیہ سپین کی طرف سے یورپ مین داخل ہوئے اور بڑھتے چلے گئے۔ یہانتک کہ اونھون نے کوہ پیرینیز کو عبور کرکے مملکت فرانس پر حملے کئے اور اُس مین جا داخل ہوئے۔ اہل عرب فرانس کے ملک مین بڑھتے بڑھتے ۱۱۴ھ مین دریائے رُون تک پہونچ گئے تھے۔ اہل فرنگ غنیم کی چیرہ دستی دیکھکر کانپ اُٹھے۔ اُنھین یہ خوف پیدا ہوا کہ مبادا ہمکو بھی وہی روز بد دیکھنا نصیب ہو جو سپین کو دیکھنا پڑا ہے۔ لہذا اونھون نے اپنی پوری قوت کے ساتھ اہل عرب کی مدافعت مین زور لگایا۔ اور فریقین مین۔ تورس۔ اور بواکیہ کے مابین کئی سخت خونریز لڑائیان ہوئین اور کئی دنون تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصہ مین لڑائی کی صورت مذبذب رہی۔ کبھی اہل عرب کا پلہ بھاری رہتا تھا اور کبھی فرانس والے غالب آجاتے تھے۔ اس جنگ کے حالات مین بجز چند مختصر اشارات کے اور کوئی تفصیلی اُمور نہین بیان کئے گئے ہین۔ ہان اہل فرنگ نے خود ان واقعات کا مفصل حال لکھا ہے جسمین موقعہ بموقعہ اہل عرب کی دلیری اور ہمت پر تعجب ظاہر کیا ہے اور اوسکے معترف ہوئے ہین۔ یہ جنگ مشہور فرانسیسی سپہ سالار "شارل مارٹل" کے عہد مین ہوئی تھی جو کہ امیر "شارلمین" کا دادا تھا۔ فرانس کے مورخون نے بہت سی ہولناک لڑائیون کا ذکر کیا ہے جو مذکورۂ بالا "شارل" اور اہل عرب کے مابین ۱۳۲ھ مین ہوئین۔ اور اہل عرب کے سپین کیجانب پسپا ہونے اور اُنکے سپہ سالار عبدالرحمن کے شہید ہونے پر بند ہوگئین۔ تاریخ ابن اثیر مین لکھا ہے کہ اُندلس کا امیر عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی ۱۱۴ھ (قریبا ۷۳۲ء مسیحی) مین ممالک فرنگ کیطرف بڑھکر تا ہوا بڑھا تھا۔ مگر وہ مع اپنے ساتھی مجاہدین کے شہید ہوا۔ اسلئے زیادہ راجح خیال یہی ہوتا ہے کہ شارل مارٹل مذکور نے اسی فوج سے جنگ کی تھی۔

اس بارہ مین جو باتین اعتبار اور تامل کی مقتضی ہین منجملہ اُن کے ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر اہل عرب اس لڑائی مین کامیاب ہوجاتے تو اس مین کلام نہین ہوسکتا کہ فرانس مین اسلام پھیل گیا ہوتا۔ اور اوسکے بعد تمام یورپ مین اوسکی اشاعت ہوگئی ہوتی۔ کیونکہ اون دنون اہل فرانس ہی یورپ بھر مین سب سے زیادہ عربون کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا کہ جس طرح تمام عالم اسلامی اور براعظم ایشیا و افریقیہ کے اکثر حصون کے باشندون کی زبان عربی سننے مین آتی ہے ویسے ہی آج براعظم یورپ کے رہنے والونکی بھی زبان عربی ہی ہوتی لیکن خداوند پاک کی حکمتین جو اُس نے اپنی مخلوقات مین رکھی ہین ایسی ہین جنکو انسانی عقلین نہین پاسکتین۔ خدا جانے اہل عرب کی اس ناکامیابی مین کیا راز تھا؟

شارل مارٹل کی لڑائی عربوں کے ساتھہ تورس اور بوا کیتہ کے مابین



اموی خلیفون کی فتوحات کا سلسلہ بلاد فارس۔ اُسکے بعد خراسان اور پھر دیگر ممالک مین جاری رہا۔ یہان تک کہ وہ ہندوستان کی صدود تک پہونچکر رُک گیا۔ بنی امیہ کے زمانہ مین اسلامی قلمرو کی جو تقسیم تھی اُس کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

۱- شام۔ اُسکے چار صوبے (یا کشنزمان) تھین۔
۲- کوفہ۔
۳- بصرہ۔ جوکہ فارس۔ سجستان۔ بحرین اور عمان پر شتمل تھا۔
۴- آرمینیا۔
۵- مکہ۔
۶- مدینہ۔
۷- افریقیہ
۸- مصر۔
۹- یمن۔
۱۰- خراسان۔

اور جس وقت خلافت بنی عباس کے ہاتھون مین پہونچی ہے اُس وقت ولایات (صوبجات) کی ترتیب مندرجہ ذیل صورت پر ہوگئی تھی :-

۱- کوفہ اور سواد۔ ۲- بصرہ اور مہرجان قباد۔ کنارۂ دجلہ تک اور وہ حصہ ملک جو دجلہ کے اُس پار بحرین اور اُسکے بعد عمان تک چلا گیا ہے۔ ۳- حجاز اور یمامہ۔ ۴- یمن۔ ۵- اہواز (خوزستان اور سوزیانا)۔ ۶- فارس۔ ۷- جزیرہ

۸- موصل - ۹- جزیرہ (مابین النہرین اور آذربائیجان واریمینیا) - ۱۰- شام - ۱۱- مصر اور افریقیہ - ۱۲- ملک سندھ - حدود ہندمین - ۱۳ اندلس -

عباسیون کے عہدمین مملکت اسلامی کا دایرہ بہت کچھہ وسیع ہوا یہانتک کہ عہد اسلام مین آجتک جتنی وسعت اسلامی قلمرو کو حاصل ہوئی ہے - وہ سب سے زیادہ اُنکے عہدمین تہی - اسکا کچھہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ بعض بعض صوبے عباسیون کی حکمرانی سے خارج ہوکر خودمختار بنگئے تہے - مثلاً اندلس جبکہ بنوامیہ اُسکے مالک بن بیٹھے - یا کچھہ دوسرے صوبے خودسر ہوگئے - مثلاً طاہری - سامانی - غلبی - اور طولونی وغیرہ حکومتین - اگرچہ یہ خودسر حکمران تہے لیکن سب لوگ خطبہ عباسی خلیفہ کا ہی پڑہتے تہے - ایک اندلس تو ضرور اس کلیہ سے خارج تہا - مگر ہمارے خیال مین خواہ کتنی ہی خودمختار حکومتین کیون نہ رہی ہون - پہر بہی اسلامی سلطنت تو بہرحال تہی اور مسلمان لوگ اُسپر حکمران عباسی مملکت کی حدود شمال مین ترکستان کے بالائی حصہ تک ایشیا مین - اور کوہستان پرینیز تک یورپ مین - جنوب مین بحر عرب - بحر اعظم ہندوستان اور صحرائے افریقیہ تک - مشرق مین ملک سندھ اور پنجاب تک ملک ہندوستان مین اور مغرب مین اطلانطک اوشن تک پہیلی ہوئی تہین - اور اوسکا رقبہ یورپ کے رقبہ سے دوگنا تہا -

اس وسیع سلطنت کی عظمت کا بیان کرنیکے لئے ہم پہلے اوسکے صوبون کے نام ذیل مین لکہتے ہین اور بعد ازان اُسکے مقدار بیان کرینگے :-

۱	سواد -	۱۲	ہمذان -	۲۳	طبرستان -	۳۴	طریق فرات -
۲	اہواز -	۱۳	ماسبذان -	۲۴	تکریت -	۳۵	قنسرین اور عواصم -
۳	فارس -	۱۴	مہرجان قذق -	۲۵	شہرزور -	۳۶	حمص -
۴	کرمان -	۱۵	الیفارین -	۲۶	صامغان -	۳۷	دمشق -
۵	مکران -	۱۶	قم اور کازان -	۲۷	موصل -	۳۸	اردن -
۶	اصفہان -	۱۷	آذربائیجان -	۲۸	دیار ربیعہ -	۳۹	فلسطین -
۷	سجستان -	۱۸	رے -	۲۹	ارزن اومیافارقین -	۴۰	مصر -
۸	خراسان -	۱۹	قزوین -	۳۰	طرون -	۴۱	حرمین -
۹	حلوان -	۲۰	زنجان -	۳۱	ارمینیا -	۴۲	یمن -
۱۰	کوفہ -	۲۱	قومس -	۳۲	آمد -	۴۳	یمامہ اور بحرین -
۱۱	بصرہ -	۲۲	جرجان -	۳۳	دیار مضر -	۴۴	عمان -

عباسی مملکت اسلامیہ کے اتنے صوبے تھے اور یہ اندلس کی سلطنت سے علاوہ ہین جسکے حکمران بنی امیہ تھے۔ اندلس کی اموی حکومت عباسی سلطنت کی ہمعصر تھی اور اُس نے بحر متوسط کے کئی جزیرے مثلاً سسلی اور مالٹا۔ وغیرہ بھی فتح کر لئے تھے۔ مذکورہ بالا صوبجات مین سے ہر ایک صوبہ کا ایک والی (گورنر) یا عامل (حاکم) ہوا کرتا جسے خلیفہ یا اُسکا وزیر یا نایب مقرر کیا کرتا تھا جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا۔ لہذا ان اعمال کی جنہین آجکل صوبے کہتے ہین۔ کل تعداد ۴۴ صوبے تک پہونچی تھی۔ اور ہر ایک صوبہ کا ایک خزانہ (بیت المال)۔ ایک دیوان خراج اور ایک یا اس سے زاید قاضی ہوتا تھا۔ اس سلطنت کے رہنے والے لوگ اُس زمانہ کی متمدن قومون مین سب سے بڑھے ہوئے تھے جنمین عرب۔ اہل فارس۔ ترک۔ مغل۔ کرد۔ تاتاری افغان۔ ہنود۔ ارمن۔ سریان۔ کلدان۔ روم۔ گاتھ۔ قبطی۔ نوبی۔ اور بربری وغیرہ قومین شامل تھین اور عربی۔ فارسی۔ پہلوی۔ ہندی۔ رومی۔ سریانی۔ ترکی۔ کردی۔ ارمنی۔ قبطی اور بربری وغیرہ زبانین بولی جاتی تھین۔ ان باشندون مین سے بعض اس قسم کے تھے کہ انکی اصل زبان بالکل نیست نابود ہوکر عربی اونکی مادری زبان بنگئی تھی۔ جیسے شام۔ مصر اور مغرب و عراق کے رہنے والے لوگ۔ اور بعض ایسے تھے کہ اونکی اصلی زبانون مین عربی زبان کے الفاظ کثرت کے ساتھ مل جل گئے تھے۔ مثلاً فارس والے ترکستانی۔ ہندوستانی اور افغان وغیرہ۔ اور آجتک ایشیا کی بہت سی قومین اسی عظیم الشان تمدن کے اثر سے اپنی زبانون کو عربی خط مین لکھتی ہین

اسلامی قلمرو کی مردم شماری

اس موقعہ پر ہمکو اس سلطنت کی اُن دنون کی مردم شماری پر غور کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ بات ہماری طاقت سے ہے ذرا بالاتر۔ کیونکہ اہل عرب کو اپنی مملکت کے رہنے والونکی مردم شماری کرنے کا خیال نہ تھا۔ البتہ ہم اون صوبون کی آجکل کی مردم شماری پر غور کرتے ہین۔ اور اون اعداد کو اون مقامات کے مقابل لکھکر اس بات کا ذکر کرتے ہین کہ وہ مقامات کس حکومت کے ماتحت ہین اسکے بعد ہم اُسکی آجکل کی حالت کا اُس زمانہ کی حالت سے مقابلہ کرینگے :-

ملکون کے نام	آجکل کس حکومت کے ماتحت ہین	انکی آبادی کی حال۔
تمام ملک ایران۔	شاہ عجم	۹۰۰۰۰۰۰
افغانستان۔	خود مختار۔	۴۰۰۰۰۰۰
بلوچستان۔	انگلستان۔	۵۰۰۰۰۰
سندھ۔	〃	۳۰۰۰۰۰۰

ملکون کے نام	آجکل کس حکومت کے ماتحت ہین۔	انکی آبادی حال
ترکستان۔	روس۔	۴۰۰۰۰۰۰
کاکیشیا (قوقاسیا)	〃	۵۰۰۰۰۰۰
ارمینیا اور کردستان	ٹرکی	۲۵۰۰۰۰۰
عراق	〃	۲۵۰۰۰۰۰
جزیرہ	〃	۲۷۱۱۰۰۰
شام		
فلسطین		
جزیرہ عرب۔	〃	۵۰۰۰۰۰۰
ممالک مصر	〃	۱۰۰۰۰۰۰۰
نوبیہ اور کچھ حصہ سوڈان کا۔	سوڈان[1]	۹۱۰۰۰۰۰۰
طرابلس الغرب۔	ٹرکی	۱۰۰۰۰۰۰
جزایر غرب۔	فرانس۔	۴۴۲۹۰۰۰
ٹیونس۔	〃	۱۵۰۰۰۰۰
مراکو۔	خودمختار	۹۰۰۰۰۰۰
سپین	〃	۱۷۰۰۰۰۰۰
قبرس	انگلستان۔	۲۰۹۰۰۰۰
کریٹ	ٹرکی۔	۲۹۴۰۰۰
	میزان کل	۷۲۶۴۳۰۰۰۰

یہ تو آج اون ملکون کی مردم شماری ہے۔ مگر بہت سے ایسے اسلامی شہر ہین جو اس وقت بمقابلہ اُس حالت کے جو نہین اسلامی عہد حکومت مین حاصل تہی۔ گویا بالکل ویران اور تباہ ہو چکے ہین اور خاصکر ملک عراق یا وہ حصہ جو سواد کے نام سے مشہور ہے اور اس مین بہی مخصوص طور پر بغداد۔ بصرہ۔ کوفہ اور تمام ملک عراق کے شہر اصطخری نے شہر بصرہ کی ایسی حالت بیان کی ہے جسے مطالعہ کرنے سے عقل چکرا جاتی ہے۔ ہم اُس زرین زمانہ مین ملک عراق کی حالت کا نقشہ کہینچنے کی غرض سے اُس عبارت کو ذیل مین درج کرتے ہین:۔

[1] جسکی ایک عظیم الشان اسلامی حکومت کا حال ہی مین خاتمہ ہوا ہے۔ یعنی سلطان سکوٹو کے مقبوضات کو سرکار انگلشیہ نے فتح کر لیا۔ +

"بصرہ ایک بہت بڑا شہر ہے جو اہل عجم کے زمانہ مین نہ تہا۔ اُسے صرف اہل عرب نے آباد کیا ہے۔ اُس مین کھجور وغیرہ کا پانی نہین ملتا۔ بلکہ نہرین ہی نہرین ہین بعض اہل اخبار نے لکھا ہے کہ بلال بن ابی بردہ کے زمانہ مین بصرہ کی نہرون کا شمار کیا گیا تہا تو ایک لاکھ بیس ہزار نہرون سے زاید نکلی تہین جن سبھون مین چھوٹی چھوٹی کشتیان چلا کرتی تہین۔ مجھکو اس مذکورہ تعداد کے سچ ماننے مین کلام تہا۔ یہانتک کہ مین نے خود اُن مقامات کو جاکر دیکھا۔ پس بسا اوقات صرف ایک تیر پرتاب کی مسافت مین کئی چھوٹی چھوٹی نہرین دیکھین جنمین چھوٹی کشتیان چلتی تہین۔ اور ہر ایک نہر کا ایک نام تہا جسکے ساتہہ یا تو وہ اپنے کہدوانے والے کی طرف منسوب ہوتی تہی یا اُس سمت کی جانب جدہر کو بہ کر وہ گرتی تہی پہر مین نے اپنے دلمین تجویز کی کہ یہ نہرین اس قدر مسافت کے طول و عرض مین رہی ہونگی۔" لہذا اب آپ اُس مسافت کا قیاس کرلین جس مین (۱۲۰۰۰۰) نہرین یا نالیان کہد سکتی ہین کہ وہ کس قدر ہوگی اور اوسکے اندر رہنے والون کی تعداد کتنی ہوسکتی ہے۔

یہ حالت تو بصرہ کی تہی۔ اب بغداد کی طرف توجہ کیجے جو کہ دار الخلافت اور دار السلام تہا۔ اُسکی حالت کا بہی اصطخری نے ان الفاظ مین خاکہ کہینچا ہے جیسا کہ خود اُس نے اپنے زمانہ ہجری کی چوتہی صدی مین معائنہ کیا تہا وہ لکہتا ہے:۔ "وتفترش[1] قصور الخلافة وبساتینها من بغداد الی نهربین فرسخین علی جدد واحد حتی تتصل من نهربین الی شط دجلة ثم یتصل البناء بدار الخلافة مرتفعاً علی دجلة الی الشماسیة نحو خمسة امیال ومتحاذی الشماسیة فی الجانب الغربی الحربیة فیمتد نازلاً علی دجلة الی آخر الکرخ الخ" پہر لکہتا ہے:۔ "وبین بغداد والکوفة (او بین دجلة والفرات) سواد مشتبك غیاض تخترق الیه انهار من الفرات" اسکے بعد اون نہرون کی تعداد لکہی ہے جو دجلہ سے نکالکر فرات مین گرائی گئی تہین۔

پس خیال کرنا چاہئے کہ مذکورۂ بالا آبادی کا اُس حالت سے کب مقابلہ ہوسکتا ہے جو آجکل بغداد کی ہے اسلئے

[1] دار الخلافت کے محلات اور باغات بغداد سے نہر بین کی طرف ایک قطار میں دو فرسخ تک برابر چلے گئے ہیں جیسی کہ نہر بین پر جاکر وہان سے دریائے دجلہ کے کنارے پہر یہ عمارتیں اوپر کو ہوتی ہوئی شماسیہ کیطرف جو قریبا پانچ میل کے فاصلہ پر ہے دار الخلافت سے جا ملتی ہیں۔ اور شماسیہ مغرب کیطرف مقام حربیہ کے محاذ میں واقع ہے۔ پہر یہ بستی دجلہ کیطرف اُترتی ہوئی کرخ کے پرلے سرے تک پہیلتی چلی گئی ہے" اسکے بعد وہ کہتا ہے کہ "اور بغداد و کوفہ (یا دجلہ و فرات) کے درمیان بڑی گنجان آبادی ہے۔ جس میں کچہ تمیز نہیں ہوتی۔ اور دریائے فرات سے چھوٹی بہت سی نہریں اسکی طرف آتی اور سیراب کرتی ہیں۔ ۱۲

کہ موجودہ حالت مین تمام ولایت بصرہ کی مردم شماری ۲۰۰۰۰۰ ہے۔ اور ولایت بغداد کی مردم شماری ۸۵۰۰۰۰۔ ہمارا خیال ہے کہ ان دونون ولایتون کی موجودہ مردم شماری اُس تعداد سے کہین کم ہے جو اُس زمانہ مین اکیلے شہر بغداد کی آبادی رہی ہوگی۔ اور اسی امر پر دمشق وغیرہ ممالک اسلام کے بڑے بڑے شہرون کا اندازہ کرلو۔ جو ان دنون نہایت کمزور حالت مین ہین۔ اور اُس موقع پر چند اور شہر بھی تھے جو آج اسم بلا مسمی رہگئے ہین۔ جیسے مصر مین فسطاط۔ عراق مین کوفہ۔ افریقہ مین قیروان۔ اور حوران مین بصریٰ وغیرہ جنکے ذکر کا یہان موقع بھی نہین ہے۔ باقی رہا ملک مصر اسکی بابت مؤرخین عرب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت مسلمانون نے اُسے فتح کیا ہے تو وہان کے رہنے والون مین سے صرف مردون کی تعداد نوجوانون سے لیکر ادھیڑ عمر والون تک (جنمین کوئی عورت۔ بچہ اور بڈھا شامل نہ تھا) اسّی لاکھ تھی۔ صرف اسکندریہ مین ۳۰۰۰۰۰ آدمی تھے۔ لہذا اگر ہم اسی تعداد پر عورتون بچون اور بڈھون کی تعداد کا اضافہ کردین تو کل تعداد ۳۰۰۰۰۰۰۰ سے بڑھ جائیگی۔ اور یہ تعداد اُسی ملک کے آجکل کے باشندون کی تعداد سے گنی ہے۔ گو اس روایت کے صحیح ہونے مین کلام ہی کیا جاتا ہے لیکن مؤرخین عرب کے اقوال کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اُس زمانہ مین مصر کی حالت بہت اچھی تھی اور وہان کی زرخیزی اور ارزانی قابل تعجب۔ جسکی وجہ سے اُسکی آبادی بھی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ مقریزی کا بیان ہے کہ ۱۰۷ھ مین ہشام بن عبدالملک نے اپنے عامل عبیداللہ بن الحجاب کو جو مصر کا خراج وصول کرنے پر متعین تھا حکم دیا کہ ملک مصر کی پیمایش کرے اُس نے بذات خاص اُسکی پیمایش کی تو اسکی صرف اس زمین مزروعہ کا رقبہ جو دریائے نیل سے سیراب ہوتی تھی ۳۰۰۰۰۰۰ فدان نکلا۔ یہ رقبہ آجکل کی زیر کاشت زمین کے رقبہ سے بچگنا ہے۔ باوجودیکہ حکومت مصر اس وقت مزروعہ اراضی کی سرسبزی اور زرخیزی کے بابت بہت کچھ توجہ سے کام لے رہی ہے۔ اور جس قدر ممکن ہوتا ہے اُسکی آبادی مین کوشش کرتی ہے۔ اسپر بھی وادی نیل کی زیر کاشت زمین ساٹھ لاکھ فدان سے کہین کم ہے۔ اور تمام وادی نیل کی مساحت یعنی وجہ بحری۔ اور صعید۔ دریائے نیل کے دونون سمت کی زمین چھ ملین فدان سے کچھ ہی زاید ہے۔ اسلئے یہ امر محال معلوم ہوتا ہے کہ آغاز اسلام مین وادی نیل کی مساحت اس سے چگنی رہی ہو لیکن یہ بات خیال مین آتی ہے کہ اہل عرب نے اُس خطہ کو بھی جو اس وادی کے جانب شرقی بحر احمر کے قریب تک چلا گیا ہے اور وہ خطہ ہی جو اسی کی غربی سمت مین وادی نطرون تک پھیلا ہوا ہے کاشت مین لے لیا ہو کیونکہ مع اُس زمین کی جس مین لوسین لگی ہین۔ اور وہ صحرائی لیبیا مین واقع ہے۔ اور دریائے نیل اور بحر احمر کے مابین والی زمین اور بحر احمر سے لیکر بحر روم تک کے مابین کا وہ حصہ اراضی جو عرض تک ہے اس تمام خطہ کی مساحت چار لاکھ میل مربع سے بڑھ جائیگی اور چار لاکھ میل

مربع ایک سو ستاسی ملین فدان کے برابر ہوتے ہین۔ اتنا معلوم ہوجانیکے بعد یہہ کچھہ تعجب خیز امر نہ ہوگا کہ اس قدر وسیع خطہ مین سے تیس ملین فدان زمین زیر کاشت رہی ہو۔ اور یہ بھی مستبعد نہین کہ وہان کے باشندون کی تعداد تیس ملین سے کم نہ ہو۔

ہمارے اس قول کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ مؤرخین عرب ملک مصر کی مساحت قریب قریب اتنی ہی بیان کرتے ہین جتنی کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہین۔ مقریزی لکھتا ہے: "ملک مصر کی سنہ ۱۸۰ء کی آخری حالت جسکا اعتبار کیا گیا حسب ذیل تہی:۔ اُسکی مدت کاشت ساٹھ دن تہی اور زمین کی مساحت ..... ۱۸۰ فدان جس مین سے ابن المدبر کے زیر نگرانی واہتمام تیسری صدی ہجری کے وسط مین ..... ۲۴ فدان زمین مزروعہ تہی۔ اور اس مین کلام نہین کہ جبتک اُس زمین مین ... ۴۸ کسان ہمیشہ تردد کرتے رہین۔ اُسکا خراج پورا نہین ہوتا... الخ"

اسی قسم کی آبادی اون بڑے بڑے اسلامی شہرون کی بہی سمجھنی چاہئے جو اپنے اپنے ملک کے صدر مقام تہے۔ جیسے اندلس مین قرطبہ۔ غرناطہ۔ اور طلیطلہ۔ اور عراق وشام کے بیشمار بلاد جو اُس زمانہ مین عظیم الشان شہر تہے۔ اور آج چھوٹے چھوٹے گانون رہگئے ہین۔

لہذا اگر ہم تمام اون باتون کو پیش نظر رکہین جنہین ہم اوپر بیان کرآئے ہین تو یہ امر کچھہ بعید از قیاس نہ ہوگا۔ کہ ممالک اسلامی کی مردم شماری اُسکے پورے عروج کی حالت مین بیس کروڑ سے لیکر پچیس کروڑ تک رہی ہو۔ اور یہ تعداد تمام یورپ کی آبادی کے قریب قریب برابر ہے۔ چنانچہ سلطنت اسلام کی دولتمندی کا بیان کرتے ہوئے ہم پہر کہین اسکا تذکرہ کرینگے۔ +

اسلامی سلطنت کے امور مملکت

اسلامی حکومت اسلامی حکومت کا سنہ ۱ ہجری مین مدینہ کے اندر آغاز ہوا۔ ان دنون مسلمان صرف صحابہؓ تہے جنکی تعداد چند درجنون سے زیادہ نہ تہی۔ اُن مین سے کچھہ مہاجر تہے اور تہوڑے سے انصار۔ اسلئے انہون نے اسلامی حکومت کی بنیاد مساوات۔ برادرانہ برتاؤ اور ایک دوسرے کی مدد کرتے رہنے پر رکہی۔ ہم ذکر کرچکے ہین کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانون کے مابین بہائی چارے کی رسم قایم کی تہی۔ اور اس رشتہ برادری کی بنا پر یون فرمائی تہی کہ تمام مسلمانون کا مال اور اونکے کاروبار ایک کردیئے تہے جسپر اون کے اس قول "من ترک کلاً[1]

[1] جس نے کسی قسم کا بوجھ (یعنی قرضہ وغیرہ) چہوڑا وہ ہمارے ذمہ اور جس نے مال چہوڑا وہ اُسکے وارثون کا ہے۔ +

قالینا ومن ترک مالاً فلورثتہ" سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح پر تمام لوگون کے کار وبار کا ایک کر دینا اتحاد کی زیادتی کا موجب تھا۔ اور اون دنون حکومت کے تمام کاروبار صرف نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ذات پر منحصر تھے۔ حکومت۔ انتظام ملک اور دین صرف یہی تین اُسوقت حکومت اسلامی کے کاروبار تھے۔ چنانچہ مسلمانون نے سب سے پہلے نماز۔ زکوٰۃ اور اسکے علاوہ اور اسی قسم کی باتین اپنے اوپر فرض قرار دین جو دینداری کی قسم سے شمار ہوتی ہین۔ ہم ان امور مین صرف اُسی ایک پہلو سے بحث کرنا چاہتے ہین جو ایک حکومت کے قیام مین دخل رکھتا ہو باجماعت نماز ادا کرنے کا نفع دنیا مین باہمی اتحاد کا بڑہنا اور امام کی اطاعت کا عادی ہونا ہوسکتا ہے۔ باقی رہی زکوٰۃ۔ وہ حکومت کی بیخ وبنیاد اور اوسکے کاروبار کی اصل ہے اسلئے کہ وہ بیت المال (خزانہ) کی جڑ ہے جسے ہم۔ صیغہ مال۔ سے تعبیر کرتے ہین۔

یہ امر مخفی نہین ہے کہ سلطنتون کے انتظامات مختلف طریقون پر ہوتے ہین جنمین ملکی جمہوری مطلق۔ اور مقید۔ چار قسم کی حکومتین پائی جاتی ہین اور ہر سلطنت کے قواعد وضوابط دوسری حکومت کے آئین وقوانین سے جدا ہوتے ہین جنکا بیان کرنا مشکل ہے۔ لیکن جس قدر حکومتین ہین وہ سب آخر کار دو بنیادی باتون مین مشترک پائی جاتی ہین۔ وہ باتین یہ ہین:۔ (۱) مال۔ (۲) سپاہ۔ سلطنت خواہ کوئی سی ہو اور اسکے قواعد وقوانین چاہے کچھ ہی کیون نہون لیکن اُس مین مال اور سپاہ کا وجود ضرور ہوگا۔ کیونکہ بغیر ان دونون چیزون کے سلطنت کا وجود قایم ہی نہین رہ سکتا اور اگر صورتون مین تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ قیام حکومت کی ابتدائی حالت مین بہ نسبت حالت مابعد کے ان دونون باتون کا وجود زیادہ ضروری پایا جاتا ہے۔ اسلامی حکومت کے اوائل مین خود مسلمان لوگ سپاہی تھے۔ اور نماز کے ذریعہ سے اُن کا اتحاد اور اونکے باہمی برادرانہ تعلقات فوجی نظام تھے۔ اور زکوٰۃ سے وہ مال مراد ہے جو فوجکے قائم رکھنے کے لئے لازم ہوتا ہے۔ لہذا اسلامی سلطنت کے بنیادی امور صرف اس ایک آیت مین درج ہین "واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الراکعین"۔ زکوٰۃ سے اُس رشتۂ اتحاد کا مزید استحکام مقصود تھا جو اسلام کی بنیاد ہے۔ وہ اس طرح کہ مالدار مسلمانون سے کچھ رقم اُنکے زاید مال مین سے لیکر غریب مسلمانون کو دیدی جاتی تھی۔ گویا کہ لینے مین زکوٰۃ اور دینے مین صدقہ کے طور پر مستعمل ہوتی تھی۔ چنانچہ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے معاذ بن جبلؓ کو یمن کیجانب روانہ کرتے ہوئے اون سے یہ بات فرمائی تھی کہ "تم عنقریب ایک صاحب کتاب قوم کے پاس پہنچوگے۔ اونکو اس بات کی گواہی دینے کی جانب بلانا کہ پرستش کے قابل کوئی معبود بجز اللہ پاک کے نہین ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے رسول ہین۔ اگر وہ لوگ اسکو مان لین تو انہین بتا دینا کہ خداوند پاک نے رات اور دن مین اُنپر پانچ نمازین فرض کی ہین۔ وہ

لوگ اسکو بھی تسلیم کرلین تو پھر کہنا کہ حق تعالی نے اُنپر ایک صدقہ بھی فرض کیا ہے جو اونکے مالداروں سے لیکر اُنہین مین کے غربا کو دیا جاتا ہے جس وقت وہ لوگ اسکی بھی اطاعت کرین تو خبردار پھر اونکے عمدہ مالون کو ہاتھ نہ لگانا (یعنے اونکے مال دولت سے تعرض نہ کرنا) اور مظلوم کی آہ سے بچتے رہنا اسلئے کہ اوسکی آہ اور جناب باری کے مابین کوئی حجاب نہین ہے؛ اسی قول کو بنظر غور دیکھنے سے ہمارا دعوے صاف صاف ثابت ہوجاتا ہے۔

زکوٰۃ کو مالدار پر واجب قرار دینے اور فقیرون کے حوالہ کرنے مین ایک قابل قدر حکمت مخفی ہے۔ اسلئے کہ یہ بات غریبون کو رضی کرنیوالی ہے جنکی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔ خاصکر ایام جاہلیت مین جو کہ ظلم اور خودغرضی کا زمانہ گزرا ہے۔ ایسا برتاؤ ہونا اور بھی مناسب تھا۔ اسلام کمزور کی امداد اور اُسے طاقتور کا ہم پلہ بنا دینے کے لئے آیا تھا اور اُس نے اپنا یہ عمل پورا کیا۔ اسی وجہ سے جو لوگ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے دشمن تھے وہ سب سردار قوم تھے جنکو یہ بات بُری لگتی تھی کہ اپنی قوم کے غریب لوگون کو اپنے مال و دولت کا حصہ دار بنائین اور وہ مسکین اونکے بھائی بنین۔

اور واقعہ بدر کے بعد ۲ھ مین غنایم اور جزیہ (ٹکس) کی آمدنی اور بھی اضافہ ہوئی جسکا مفصل بیان آگے چلکر آئے گا۔ اُس وقت سے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ابوبکرؓ کے عہد مین سلطنت کے کاروبار کا انحصار ان امور پر رہا۔ زکوٰۃ جو مالدار مسلمانون سے لیکر غربا کو تقسیم کیجاتی تھی۔ جنگ و جہاد سے حاصل شدہ مال غنیمت جو مجاہدین کے مابین بانٹا جاتا تھا۔ اور ذمی یعنی یہود و نصاریٰ مین سے جو اہل عرب مسلمانون کی ذمہ داری مین آگئے تھے اُنپر جزیہ وغیرہ محاصل کا مقرر کرنا۔ ان تمام کا مولن کے والی اور افسر خود نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) یا اونکے خلیفہ ہوتے تھے۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور خلیفۂ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس جس قدر مال کہین سے آتا تھا وہ تمام مسلمانون پر برابر تقسیم کردیا جاتا تھا۔ چھوٹے۔ بڑے۔ آزاد۔ غلام اور مرد و عورت کا کوئی امتیاز و تفریق نہ تھی لیکن اگر مال غنیمت ہوتا تھا تو اُسمین سے خلفا بھی اپنا حصہ لے لیا کرتے تھے جو آگے چلکر بیان ہوگا۔ قاعدہ یہ تھا کہ جس وقت باہر کے ملکون سے مال متاع مدینہ مین آتا مسجد نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) مین لاکر رکھا جاتا تھا۔ اور نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) یا خلیفہ اُسے بلا کسی قید اور ضبط کے اپنی مرضی کے موافق لوگون مین تقسیم کردیتے۔ یہان تک کہ اُس مین سے کچھ بھی باقی نہ رہا جاتا تھا۔

جس وقت عمر بن الخطاب کے عہد مین فتوحات کا دایرہ وسیع ہوا۔ نئے نئے ملک مسلمانون کے قبضے مین آنے لگے اور عرب والے رومیون اور فارسیون سے ملے جلے تو اُنکی آمدنیان بڑھ گئین۔ اور یہ کیفیت ہوئی کہ چارون طرف سے مال و دولت اُمنڈ پڑا۔ اسلئے وہ مجبور ہوئے کہ اُسے ضبط و قید مین رکھین اور آمد و خرچ کی تعیین کرین۔ عمرؓ کو خیال گزرا کہ آمدنیون کو دفترون مین ضبط کیا جائے اور اُس مین سے ہر سال لوگون کو بقدر استحقاق۔ وظیفہ دینے کے بعد جو رقم باقی

بچے اُسے وقت ضرورت کیلئے محفوظ رکھا جائے۔ لہٰذا عمرؓ نے ۲۰ھ مین (اور بقول بعض ۱۵ھ مین) یہ انتظام شروع کیا۔ اس عمل کو دیوان کے نام سے تعبیر کرتے ہین۔ اور ایسا کرنے مین رومیون اور فارسیون کی پیروی کی گئی تھی۔

عمرؓ نے اپنے گرد و پیش کے مسلمانون پر غور کی نظر ڈالی تو اون کے کئی طبقے اور درجے پائے جو حکومت اسلامی کے قیام و توسیع مین اونکے مؤثر ہونیکے لحاظ سے قایم ہوتے تھے۔ اسلئے اونکو مناسب معلوم ہوا کہ اون مین سے ہر شخص کا وظیفہ اُسکی خدمات کے لحاظ سے مقرر کرین مگر اسکے ساتھ ہی اُنھون نے قرابت نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) کا بھی خیال کیا اور پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) کے رشتہ دارون کو ایک خاص طرز پر ممتاز بنایا جسے ہم آگے چلکر بیان کرینگے۔ دفترون کی درستی اور ترتیب مین ایک محرر خلیفہ کی جانب سے مقرر ہوا جو اونکی دیکھ بھال اور حساب کتاب مین مشغول رہتا تھا۔

پہر جس زمانہ مین مدینہ کے اندر بکثرت مال آنے لگا۔ اس وقت عمرؓ نے ایک خزانہ یا گھر بھی تعمیر کرادیا جسکا نام بیت المال رکھا گیا۔ بیت المال کا قایم کرنا عمرؓ کی اولیات مین سے ہے۔ اگرچہ ہم ابوبکرؓ کے عہد مین بھی بیت المال کا ذکر سنتے ہین لیکن یہ صرف ایک قیاسی بات ہے اسلئے کہ ابوبکرؓ کے پاس اس قدر مال کہان بچتا تھا جسے وہ کسی خزانہ یا مکان مین جمع کراتے۔

۴۰ھ مین خلفائے راشدین کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اُس وقت سلطنت کے عہدہ دار حسب ذیل تھے:۔ (۱) خود خلیفہ (حاکم عام)۔ (۲) اُنکے عمال دیگر ممالک اور شہرون مین۔ (۳) کاتب جو اُنکے خطوط لکھتا تھا اور خزانہ کے مداخل و مخارج کا حساب بھی رکھتا۔ (۴) ایک خاص خادم جسے لوگ حاجب کہا کرتے تھے۔ (۵) خزانچی جو بیت المال کا نگران ہوتا تھا۔ (۶) قاضی جو مقدمات کا فیصلہ کیا کرتا۔ +

خلافت کا بنوامیہ کے ہاتھون مین جانا ہی اُسکا شاہانہ انتظام اور دنیوی حکمرانی کی صورت اختیار کرنا تھا۔ اب مسلمان لوگون کا میل جول عجمی لوگون سے بڑھگیا تھا۔ اور حکومت کے کاروبار بھی اصول ترقی کے موافق بڑھنے اور وسعت پانے لگے تھے۔ بنوامیہ نے چند نئے صیغے جنکو اونھون نے رومیون اور فارس والون سے اقتباس کیا تھا اور بھی بڑھا دیئے تھے۔ پُرشکوہ سلطنت اور دولتمندی و ثروت کے اقتضا سے اُنکو حشم و خدم رکھنے۔ حاشیہ نشین اور حاجب و حارس مقرر کرنیکا بھی شوق ہوا۔ اور اس طرح رفتہ رفتہ بنی امیہ کے عہد مین حارسون۔ دیوان خاتم۔ ڈاک اور دفتر خراج کی بنیاد پڑگئی جنکا بیان آگے چل کر آئے گا۔

جس وقت حکومت کی باگ بنوعباس کے قبضہ مین پہونچی غیر قومون سے میل ملاپ کے باعث زیادہ ہونے لگے خلفاء کو عیش پسندی اور آرام طلبی کی چاٹ پڑگئی۔ لہٰذا اونھون نے ایسے عہدہ دارون کو بڑہایا جو سلطنت کے کار و بار

مین اُنکے قایم مقام اور نائب ہوسکین۔ اُنہون نے وزارت اور محاسبت وغیرہ کا عہدہ بڑہایا اور اعلیٰ اعلےٰ منصبون کی ضرورت وحالت کے موافق مختلف شاخین ہوتی گئین۔ پہر اسکے بعد ہر ایک اسلامی حکومت نے اپنی اپنی ضرورت کے موافق نئے عہدون کو اپنے یہان داخل کرنا شروع کیا۔ جسکے سبب بغداد کے عہدے اور امور مملکت قرطبہ سے جدا اور اِن دونون مقامون کے محکمے قاہرہ کے محکمون سے الگ تہے جنکی تفصیل کا یہان موقع نہین ہے۔

محکمون کی شاخین اسلامی حکومت کے دور اول مین جبکہ اُسکے اندر ایک قسم کی دلپسند سادگی تہی۔ خود خلیفہ بذات خاص تمام کامون کی نگرانی کیا کرتا تھا۔ اُسکے عامل اُس وقت تک متقی اور پرہیزگار لوگ ہوتے تہے۔ اور اس بات کی بالکل حاجت نہ پڑتی تھی کہ کوئی اُنکی کارگزاری کی نگرانی رکھے یا اونکی پوشیدہ باتون کی تحقیق کرے۔ خلیفہ کے پاس کچھہ ذاتی مال وملک یا جاگیر تو ہوتی نہ تہی جسکے حساب کتاب کی ضرورت پڑے۔ بلکہ اُس زمانہ مین تو یہ حالت تھی کہ جس وقت خلیفہ اپنے کسی عامل کو خط لکہتا تہا تو اپنے ہاتہون سے اُسپر مُہر لگاتا یا بسا اوقات خط بہی اپنے ہی دست خاص سے لکہا کرتا۔ مگر جس وقت کہ خلفا کا اقتدار بڑہا اور خلافت کا معاملہ دینی پہلو سے ہٹکر حکومت ملکی سے تبدیل ہوگیا۔ خلفائے کاہلی اور قیصر وکسریٰ کی پیروی کو اپنا شیوہ بنایا اور ان کامون کو اپنی جانب سے قایم مقام مقرر کیے۔ لہذا اونہون نے ایک ایسا عہدہ رکہا۔ جسکا عہدہ دار حکومت کے تمام کامون کا نگران رہے۔ اس جدت کے انجام دینے والے وزیر کہلائے۔ اور جو عہدہ دار عمال سوبجات کا نگران رہتا تہا اُسکا نام "صاحب دیوان البرید" ہوا۔ اور جو شخص کہ خطوط اور فرمانون پر مہر لگانے اور انہین لفافون مین بند کرنیکی خدمت پر متعین ہوتے۔ وہ صاحب دیوان توقیع (یا) خاتم کے نام سے موسوم ہوئے۔ اور جن عہدہ دارون کو خلفا کے املاک واراضیات کی حفاظت سپرد ہوئی وہ لوگ عمال دیوان الضیاع۔ کہے جاتے تہے۔ اور جو عہدیدار حاشیہ نشینون اور خدام خلفا کے حساب کی نگرانی رکہتے۔ وہ عمال دیوان خاص کہلاتے۔ نیز بعد کے زمانہ مین خلفا کی حضارت نے یہ ضرورت بھی پیدا کردی۔ کہ سکے ڈہلوائین اور نشان (طراز) سلطنت منقوش کرائین۔ اسلئے اُنہون نے دارالضرب (ٹکسال) اور "دیوان الطراز" کی بنیاد رکہی۔ اسکے علاوہ چند عدالتین بہی قایم کین جن مین سے بعض درخواستین پیش کرنیکی غرض سے تہین اور کچہہ اسکے سوا دوسری باتون کے لئے مثلاً دیوان۔ الترتیب" اور "دیوان العزیز"۔ یہ آخری عدالت بالعالی کے مشابہ تہی

خلفائے راشدین کے عہد مین جو شخص کاتب (میر منشی) ہوا کرتا تہا۔ وہی عمرؓ کے ترتیب دیئے ہوئے دفتر کا سارا کاروبار بہی سنبہالتا تھا جس قدر خراج اور جزیہ وغیرہ کی رقمین آتین اونکو آمدنی مین اور جو کچہہ فوجوں کی تنخواہون اور عاملون اور قاضیون وغیرہ کے مشاہرون مین خرچ ہوتا اُسے مصارف مین درج کیا کرتا۔ اسی کے ساتہہ عاملون سے

خط کتابت پر کہنے کی خدمت بھی انجام دیتا پھر جس زمانہ مین حکومت کے محکمے اور کاروبار وسیع ہوئے تو اسی ایک محکمہ کی مختلف شاخین ہوکر کئی محکمے بنگئے چنانچہ جتنا حصہ خراج اور جزیہ کے حسابات سے مخصوص تہا وہ عملہ الگ ہوکر دیوان خراج کے نام سے موسوم ہوگیا۔ اور جو حصہ فوجی اور ملکی اخراجات سے وابستہ تہا اُسکا عملہ جُدا ہوکر دیوان الزمام والنفقہ (بخشی گری) کے لقب سے ملقب کر دیا گیا۔ اور جس کام کا تعلق فوجون کے نامون کا رجسٹر مرتب رکہنے اور اونکے طبقون اور تنخواہون کو تلبند کرنیسے تہا اُسکے عملے کو دیوان الجند (فوجی دفتر) سے موسوم کیا گیا۔ پہر اور آگے بڑہکر اسی فوجی دفتر سے دیوان الاساطیل (بیڑہ جات جہاز کا دفتر) اور دیوان للثغور (سرحدی چہاونیون کا دفتر) وغیرہ کی نئی شاخین پیدا ہوئین۔ صوبجات کے حاکمون اور عاملون وغیرہ سے خط کتابت رکہنے کے لئے ایک جُداگانہ دفتر قایم کیا گیا جسکے لئے دیوان الرسائل یا دیوان الانشا کا نام تجویز ہوا۔

ابتدا مین بیت المال مسلمانون کے تمام مالون اور ہر قسم کی رقمون کا عام مخزن تہا۔ پہر اموی لوگون اور عباسیون کے زمانہ مین اُسکی بہی کئی شاخین ہوگئین جن مین سے کوئی شاخ صرف صدقہ کے مالون کے لئے تہی اور کوئی جرمانون اور تاوانون کی آمدنیون کیلئے اور کوئی اموال وراثت جمع رہنے کے واسطے۔ اور چند انکے علاوہ دیگر متفرق رقمون کی غرض سے۔ پس اسی طرح اور کامون مین بہی شاخین نکلتی چلی گئین۔ جیسے کہ ایک قضا کے عہدہ سے بڑہکر دفتر فوجداری اور نقابت اور پولیس کا عملہ مقرر ہوا۔ اور اسی کی مانند اَور عملے۔ جنکا شمار ناممکن ہے۔

چونکہ ہم اس موقع پر اساسی (اصولی اور بنیادی) دفترون اور اُنکی تواریخ پر غور کرنیکے خواہان ہین۔ اور اونکے تمام حالات سے بحث کرنا چاہتے ہین۔ اور یہ صورت اُس وقت تک صاف عیان نہ ہوگی تاوقتیکہ ہم اُنکے اصول اور آغاز کی حالت۔ پہر اُنکے شاخ در شاخ ہوتی رہنے کی کیفیت پر غور نہین کرینگے۔ لہٰذا ہم پہلے خلافت اور اوسکے توابع اور ملحقات سے ابتدا کرکے بعد ازان صوبون کی گورنرون اور پہر وزارت کے عہدون کا بیان کرینگے۔ پہر فوج اور مال کے لئے ایک علیحدہ باب خاص کرینگے اور دوسرے کاروبار کو بہی اسی کے ساتہہ ملحق کر دینگے۔ +

خلافت

اسکی ماہیت شرطین۔ اور حقوق

خلافت کی ماہیت | خلافت ایک قسم کی حکمرانی ہے جو اسلام کے ساتہہ خاص ہے اور اوسکے ہوا کسی

قوم اور ملت مین پیشتر سے نہین تھی۔ اگرچہ خلافت خود مختارانہ شخصی حکومت کی قسم سے ہے۔ مگر وہ رومی قیصرون اور امپررون اور فارسی کسراون کی طرز حکومت سے یہ امتیاز بھی رکھتی ہے کہ دینی اور دنیوی دونون قسم کی حکومت پر مشتمل ہے۔ اسی لحاظ سے وہ عام مخلوق کو اُنکے دنیوی اور اُخروی کاروبار مین شرعی احکام کے مطابق عملدرآمد کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اور قیصر و کسریٰ کی حکومتین صرف عقلی دلائل کی بنا پر عام خلقت کو محض دنیوی مفاد حاصل کرانا چاہتی تھیں

اِس مین کوئی کلام نہین ہوسکتا کہ ان دونون حکومتون (یعنی خلافت اور دنیوی سلطنت) کے درمیان ایک بیّن فرق ہے اور بہت بڑا تفاوت لیکن نتیجہ دونون کا ایک ہی ہے۔ اسلئے کہ جو شخص خلق خدا کا حاکم اور اونکے کاروبار کا مطلق العنان نگران ہوتا ہے وہ یا تو کسی مفروض قانون کا پابند ہوکر لوگون سے اُسکے مطابق عملدرآمد کراتا ہے۔ اور یا اپنی خواہشون اور غرضون کے موافق اُن سے کام لیتا ہے۔ متمدن دنیا کے اکثر حاکم اور بادشاہ اپنی رعایا پر ایسے قوانین کے ذریعہ سے حکمرانی کرتے ہین جو انتظامی غرض کو مدنظر رکھکر سلطنت کے عالی مرتبہ شہریون اور قوم کے دانشمند لوگون نے بنائے ہون انہین قوانین کی پیروی کرانی حکام ملک کا شیوہ ہوتا ہے۔ اسلام سے قبل رومیون اور فارسیون کی یہی حالت تھی اور آجکل یورپ کے خود مختار بادشاہون کا طرز عمل بھی اسی قسم کا ہے۔ باقی رہی خلافت تو وہ دینی اور شرعی قوانین سے جکڑی ہوئی ہوتی ہے جنکے ذریعہ سے خلیفہ اپنی قوم پر حکمرانی کرتا اور اُس شریعت کے پیغمبر کا نایب بنکر عام مخلوق کو اُسکا پابند بناتا ہے۔ اسی قسم کی باتون مین سے خلافت کا اساسی پر شامل ہونا بھی ہے اور مسلمانون نے خلیفہ کا نام امام بھی اسی مشابہت سے رکھا ہے کہ جیسے نماز کے امام کی پیروی کیجاتی ہے اُسی طور سے خلیفہ کے احکام واجب العمل ہوتے ہین۔ +

خلافت کی شرطین خلافت کی شرطین چار ہین جنمین سے اکثر کا خلیفہ مین پایا جانا ضروری ہے۔ وہ شرطین حسب ذیل ہین:-

(۱) علم۔ (۲) عدالت۔ (۳) کفایۃ (نیک چلنی اور اعتبار کے قابل ہونا)۔ (۴) عقل و حواس کی صحت و سلامتی۔ انکے علاوہ ایک پانچوین شرط اور بھی ہے جسکے بارے مین مؤخرین کا اختلاف ہے۔ وہ شرط قریش کا نسب ہے یعنی قبیلۂ قریش کے سوا اور کسی خاندان کا شخص خلافت کا دعویدار نہین ہوسکتا۔ اس صورت مین یہ بات دشوار ہوگی کہ کوئی عجمی شخص خلیفہ کے نام سے مسلمانون کے معاملات کا والی بنجائے۔ اس شرط کی اصل ایک حدیث نبوی ہے جو قریش والون نے انصار کے مقابلہ مین اُنکی طرف سے حصول خلافت کی خواہش ہونے پر بطور حجت پیش کی تھی جیساکہ بیعت ابی بکر رضہ کے ذکر مین بیان ہوچکا ہے۔ یہ شرط اسلامی حکومتون مین بہرحال پورے طور پر ملحوظ رہتی تھی

چنانچہ قریش والون کے علاوہ اور کسی شخص نے کبھی خلافت کا مطالبہ نہین کیا۔ اگرچہ عباسی خلفا کے آخری زمانہ مین اونکی کمزوری بیحد بڑھ گئی تھی۔ اور والیان ملک کا زور بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچگیا تھا کہ اونھون نے خلیفہ کو تمام دنیوی قوتون سے الگ کر دیا تھا اور خلفا کو بے قابو بناکر خود مختار حکومتین قایم کرنے کے بعد اپنے آپکو سلاطین کے لقب سے ملقب کر لیا تھا۔ باوجود ان تمام حالتون کے اُن سلاطین مین سے کسی کے دل مین یہ خیال نہ آیا کہ وہ خلافت کا دعوے کرین یا خلیفہ بن بیٹھین۔ یہی بنی بویہ سلجوقی لوگ۔ غزنوی۔ اور طاہری وغیرہ سلاطین جنکی نہایت قوی اور خود مختار حکومتین قایم ہوئین انھین سے بعض تو ایسے تھے جو خود خلفا پر بیحد حاوی ہوگئے تھے۔ اور اونکو اپنی مٹھی مین کر لیا تھا۔ لیکن انھون نے اپنے تئین سلطان کے سوا کسی اور نام سے موسوم نہین کیا۔ بلکہ اور خلفا کی خوشامدین کرتے رہتے تھے۔ تاکہ وہ اُنھین مسند حکومت پر قایم رکھین۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر مین بھی یہی برتاؤ کیا۔ کیونکہ جس وقت اُس نے آخری فاطمی خلیفہ سے حکومتِ مصر کی باگ اپنے ہاتھ مین لی اُس وقت کوئی شخص اُسکا روکنے والا نہین تھا۔ اور نہ اوسکے مقابلہ مین کوئی دعویدار ملک وحکومت ہوسکتا تھا۔ نظام ملک کی کنجیان اُسکے قبضہ مین تھین۔ مگر جب اُس نے مستقل حکمران بننے کا ارادہ کیا تو عباسی خلیفہ کا نام خطبون مین پڑھوایا اور اپنے تئین خلیفہ نہین کہلایا۔ بلکہ صرف سلطان کے لقب پر اکتفا کی۔ خاندان قریش کے علاوہ اور قبیلہ کے جس شخص نے سب سے پہلے اسلامی خلافت حاصل کی وہ سلطان سلیم فاتح عثمانی تھا۔ اس نے ۹۲۳ھ مین منصب خلافت حاصل کیا۔ ائمہ مذہب حنفی کی دلیل دربارہ صحت خلافت بنی عثمان یہ ہے کہ خلیفہ مندرجہ ذیل چار حقوق کے پائے جانے پر متولی خلافت ہوسکتا ہے :-

۱- تلوار کا استحقاق اسکے معنے یہ ہین کہ طالب خلافت کی دعوت پر اتنے مددگار ہونے چاہئین کہ اُنکے مقابلہ مین روئے زمین پر کوئی دوسرا سر نہ اُٹھا سکے۔ اور اس مین کلام نہین کہ جس دن سلطان سلیم نے مصر کو فتح کر لینے کے بعد حصولِ خلافت کی خواہش کی ہے اُسکی یہی حالت تھی۔ +

۲- انتخاب کا استحقاق یعنی اہل عقد کی تصدیق جو کہ امامون اور علما کی ایک مجلس ہوتی ہے۔ اس بارہ مین اُنھون نے یہ حجت قایم کی ہے کہ یہ مجلس اسلام کے اول عہد مین مدینہ کے اندر تھی پھر وہان سے دمشق مین منتقل ہوگئی بعدہ بغداد مین۔ اور اسکے بعد مصر کے دارالسلطنت قاہرہ مین۔ لہذا اُسکا قاہرہ سے قسطنطنیہ مین منتقل ہونا بھی کچھ ناجائز نہین ہوسکتا۔ اسلیئے جس وقت سلطان سلیم نے مصر کو فتح کیا ہے وہ اپنے ہمراہ علما ازہر کی ایک جماعت کو قسطنطنیہ لیگیا تھا۔ پھر اونکے حلقہ مین چند ترکی علما کا اضافہ کرکے ایک باقاعدہ مجلس مرتب کر لی تھی جسنے اوسکے

انتخاب پر تصدیق کی۔ اور خلافت کی تلوار اُسکو سپرد کی۔ چنانچہ آجتک یہ رسم جاری ہے کہ عثمانی خلفا کو علمائے کے ہاتھون سے مسند نشینی کے وقت تلوار حمایل کرائی جاتی ہے۔ اور یہ رسم آجکل جامع ایوب مین ادا ہوتی ہے۔ +

۳۔ وصیت کر جانا | یعنی خلیفۂ وقت اپنے بعد جس شخص کو خلیفہ بنانے کی وصیت کر جائے۔ جس دن سلطان سلیم نے مصر کو فتح کیا ہے وہان کا آخری عباسی خلیفہ متوکل تھا جس نے سلطان ممدوح کے لئے خلافت کی وصیت کی تھی۔ +

۴۔ حرمین کی حمایت | چنانچہ جس وقت سے عثمانی سلاطین خلافت کے متولی ہوئے ہین۔ سوا اون سات برسون کے جن مین صفار کے امامون نے دسوین صدی ہجری کے اندر ان متبرک مقامات پر حکمرانی کی۔ اور بجز اُن سات سالون کے جنمین اِن اماکنہ مقدسہ کی حکومت وہابیون کے قابو مین رہی۔ ان چودہ برسون تک تو بیشک انہین اس خدمت کا موقعہ نہین ملا۔ باقی آجتک وہی لوگ حرمین شریفین کے حامی اور نگران ہین۔ +

۵۔ امانتون کی حفاظت | یہ امانتین کیا ہین؟ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے تبرکات جو آستانۂ علیہ مین محفوظ ہین۔ مسلمانون کا قول ہے کہ آثار نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) بغداد مین تاتاریون کی دستبرد سے محفوظ رہے تھے جنکو عباسی خلفا اپنے ہمراہ مصر لیگئے۔ اور اُس وقت سے برابر ملک مصر مین بحفاظت رہتے چلے آئے۔ یہان تک کہ سلطان سلیم اونکو قسطنطنیہ مین لے آیا۔ اور وہ اب تک ایک چاندی کے صندوق مین باسفرس کے کنارہ پر سرائے قدیمہ کے ایک کمرہ مین محفوظ ہین۔ +

خلفا کی بیعت کا طرز

بیعت لینے کی صورت | خلفاء راشدین کے عہد مین خلافت شورے کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ یہان یہ سوال پیدا ہوگا کہ شورے کیا چیز ہے؟ اسکی یہ صورت تھی کہ خلیفۂ وقت جس شخص مین اس امر کی صلاحیت وقابلیت پاتا تھا کہ وہ خلافت کے کاروبار کو عمدگی سے نباہ سکیگا۔ اُسے اپنے بعد جانشینی کے لئے نامزد کر دیتا تھا۔ جیسا کہ ابوبکرؓ نے عمرؓ کی نامزدگی کے باب مین کیا تھا۔ لیکن ابوبکرؓ نے اونکو اُسی وقت نامزد کیا جبکہ اپنے ساتھیون سے اس معاملہ مین رائے لے لی تھی۔ اور جس حالت مین خلیفہ کو یہ خوف ہوتا تھا کہ اونکا کسی خاص شخص کو نامزد کرنا قیل وقال کا باعث ہوگا تو وہ ایک گروہ کو متعین کر دیتے تھے کہ انہی مین سے کسی کو خلیفہ

منتخب کرلیا جائے جسکی مثال عمرؓ کا طرز عمل ہے۔ خلفاء راشدین مین سے کسی کے دل مین یہ خیال نہین آیا کہ وہ خلافت کو اپنی نسل کیلئے بطور وراثت مخصوص کرین۔ یہان تک کہ جس وقت عمرؓ نے ایک جماعت کو شورے کے طور پر نامزد کیا تاکہ اُن مین سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرلین تو اپنے فرزند عبداللہ کو بھی اُسی جماعت مین نامزد کیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس امر کی ممانعت بھی کردی تھی کہ اُنہین خلافت کیلئے انتخاب نہ کرین۔ چنانچہ آخرکار لوگون نے اُسی گروہ مین سے عثمانؓ بن عفان کو خلافت کے لئے چن لیا۔ یہ خلیفہ (عثمانؓ) شہید ہوئے اور کسی شخص کے لئے وصیت نہ کرسکے۔ لہٰذا لوگون نے بلا شورے کے علیؓ کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔ علیؓ کا اسطرح پر بلا اُن سے دریافت کئے منتخب ہوجانا بہت سے بڑے بڑے صحابہ کو ناگوار گزرا۔ کیونکہ وہ لوگ عثمانؓ کی شہادت کے وقت اور ملکون مین منتشر تھے۔ اور علیؓ کی بیعت مین حاضر نہ ہوسکے۔ اسی لئے اُن مین سے کسی نے تو بیعت کرلی۔ اور کوئی اس خیال سے رُک گیا کہ سب لوگ کسی شخص کی خلافت پر اجتماع کرلین تو ہم بھی اُس کی بیعت کرین۔ ان لوگون نے خلافت کے معاملہ کو یونہین چھوڑ رکھا تاکہ وہ مسلمانون کے مابین شورے کے قاعدہ سے عمل مین آئے۔ اور اہل شورے جسے چاہین متولی خلافت بنائین۔ پھر اسکے بعد مشہور فساد کا واقعہ پیش آگیا اور جو کچھ گزرا وہ سب پر ظاہر ہے۔

جس وقت حضرت علیؓ شہید ہوئے اُنکے شیعون نے قصد کیا کہ خلافت کو اُنہین کی نسل مین مخصوص کردین اون لوگون نے یہ خیال اس لحاظ سے کیا تھا کہ اولاد علیؓ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جگر گوشہ تھے۔ چنانچہ اون لوگون نے علیؓ سے اس امر کے متعلق اُس حالت مین جبکہ وہ بستر موت پر پڑے تھے دریافت بھی کیا کہ "کیا ہم حسنؓ سے بیعت کرین؟" جسکے جواب مین علیؓ نے فرمایا کہ :- "مین تمکو منع نہین کرتا اور نہ ایسا کرنیکا حکم دیتا ہون تم خود اس معاملہ کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہو"۔ مگر شیعیان علیؓ نے اُنکے فرزند حسنؓ سے بیعت کرہی لی لیکن یہ معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کے لئے خلافت سے دستکش ہوگئے اور عہدۂ خلافت معاویہؓ کے قابو مین آنیسے کاروبار خلافت بنوامیہ کے گھرانے مین چلا گیا۔

اس مین شک نہین کہ خلفائے راشدینؓ کا طریقہ جو اُن مقدس لوگون نے انتخاب خلفاء کے معاملہ مین برتا اُن تمام طریقون مین افضل تھا جو آجتک کی تمدن قومون نے بڑی کوششون اور کاوشون کے ساتھ اختیار کئے ہین۔ خلفاء راشدینؓ کا طرز عمل جمہوری، شاہی اور شوروی تینون طریقون کا جامع تھا۔ جمہوری اس طرح پر تھا کہ خلیفہ کا انتخاب عام اہل قریش مین سے بلا کسی حصر اور تعیین کے ہوتا تھا۔ اور شوروی اس طرح کہ انتخاب عام مشورہ

سے ہوتا تھا۔ اور مطلق العنان حکمرانی اسمین یون پائی جاتی تہی کہ جب کوئی خلیفہ منتخب ہوکر کاروبار مملکت کی باگ پر قابض ہو جاتا تہا تو وہ بلا قید و بندش جو چاہے کر سکتا تھا۔ لہٰذا جب اِن اُمور مذکورۂ بالا پر وہ چارون شرطین بھی اضافہ کر دی جائین جو ہم نے ابھی بیان کی ہین تو یہ حکومت بلاشبہ تمام اقسام حکومت سے افضل و اعلےٰ ہوجائیگی۔ اسلئے کہ جب مطلق العنان حاکم منصف ہو اور اسی کے ساتھ علم۔ لیاقت انتظام اور سلامت حواس سے بھی بہرہ ور۔ تو پہر کاروبار سلطنت کے ترقی دینے اور اوسکا دایرہ وسیع کرنے اور اپنی رعایا کو موافق رکھنے مین اوس سے بڑہکر کوئی حاکم صاحب قدرت نہ ہوسکیگا۔ یہ سب فائدے اُس خوبی و خصوصیت کے علاوہ ہین جو اُن خلفاء مین تقویٰ اور زاہدانہ زندگی کی قسم سے پائی جاتی تھی جیسا کہ خلفاء راشدین کے حالات دیکھنے سے واضح ہوتا ہے۔

مگر جبکہ اسلامی حکومت بنو امیہ کے قابو مین آئی اور وہ لوگ ملک شام مین رومیون سے ملے جُلے اور حکومت کے اون طریقون سے واقف ہوئے جو اہل روم کے یہان زیر عمل تہے جن مین سے ایک طریقہ نسلاً بعد نسلٍ ایک شخص کے گہر مین حکومت کا قائم رہنا بھی تھا۔ تو معاویہ رضہ کو بھی رومیون کی دیکھا دیکھی یہہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اپنی نسل مین بھی موروثی طور پر حکومت کا سلسلہ قائم کرین۔ لیکن ابتداءً وہ ایسا کرنے مین جھجکے۔ اسلئے کہ اونکو معلوم تہا کہ اس مین خلفاء راشدین کے طرز عمل کی مخالفت ہوگی۔ لہٰذا اونہون نے اپنے بعض خواص اور مقرب لوگون سے اس معاملہ مین مشورہ کیا تو مغیرہ بن شعبہؓ نے اونکو ہمت دلائی۔ اور سب سے زیادہ جرأت اُنہین اس خیال نے دلائی کہ اگر اپنے بعد خلافت کے معاملہ کو یونہین بلا کسی وصیت وغیرہ کے چھوڑ جائینگے تو باہم نفاق اور فساد برپا ہوگا اِدہر بنو ہاشم دعویدار خلافت ہونگے۔ اُدہر بنو امیہ اپنے سوا کسی غیر کی خلافت تسلیم نہین کرینگے۔ اسلئے یہ صورت ایسی حالت مین کہ نبوت کی دہشت لوگون کے دلون سے نکل گئی ہے ملکی طبیعت غالب آچکی ہے۔ اور لوگ عصبیت کیجانب رجوع ہوگئے ہین۔ آخر کار فساد پہوٹنے کا باعث ہوگی۔ لہٰذا اس فتنہ سے بچنے کی خاطر اُنہون نے اپنے بیٹے یزید کیلئے بیعت کا سر انجام کیا اور پیش بندی کے طور پر اس خیال سے کہ کہین اُنکے بعد پہر کوئی فتنہ نہ اُٹہہ کہڑا ہو۔ اپنی زندگی ہی مین یزید کے واسطے لوگون سے بیعت طلب کی اور آہستگی کے ساتھ اس امر کو دیکہنا چاہا کہ لوگ کیا خیال ظاہر کرتے ہین۔ مگر کوئی خرابی اور دنگا نہین دیکہا۔ اسی قاعدہ پر اونکے بعد اونکے جانشینون نے بھی عمل درآمد رکھا۔ مگر عمر بن العزیزؒ نے اس قاعدہ کو توڑ کر خلفاء راشدین کا طریقہ اختیار کرنا چاہا۔ مگر عام لوگون کی شورش کے باعث نہ کر سکے۔ اور اونکی مدت خلافت بھی کچھ طویل نہ تھی جسکے بعد بنو امیہ نے پہر وہی معاویہؓ والا طرز اختیار کر لیا۔ +

عباسی عہد حکومت مین مامون الرشید نے بھی ایسا ہی قصد کیا تھا چنانچہ اُس نے علی بن موسیٰ ابن جعفر صادق رض کو جو امام علیؑ کی نسل سے تھے اپنا ولیعہد بنا کر اُنکا نام رضا رکھا تھا لیکن بنو عباس اُسکے اس فعل سے سخت ناراض ہو گئے۔ اور مامون الرشید کی بیعت توڑ کر اسکے چچا ابراہیم بن المہدی سے بیعت کر لی۔ اور اگر مامون جھٹ پٹ اس معاملہ کی تلافی کرنے پر آمادہ نہ ہو جاتا تو خلافت اوسکے ہاتھ سے نکل ہی چکی تھی اسی لئے اپنا ارادہ فسخ کر کے اس نے وراثت کے طور پر ہی خلافت قائم رکھی۔ اور اسی کے موافق عباسی اور فاطمی وغیرہ دیگر مسلمان خلفاء کا عمل رہا۔ +

بیعت اور اُسکی قسم بیعت سے مراد اطاعت کا اقرار ہوتا تھا۔ یعنی جب کسی شخص نے کسی امیر سے بیعت کی تو گویا اُس نے اُسکی فرمانبرداری کا اقرار کر لیا اور اپنی ذات کے تمام معاملات کا اُسے مختار بنا دیا اور اب خلاف طبع ہو یا حسب منشا غرض جس بات کا بھی حکم اُس امیر کی جانب سے ہوگا وہ اوسکے ماننے مین ہرگز انکار نہین کرینگا اور کسی امر مین امیر کے حکم سے انحراف و سرتابی کا مرتکب نہوگا۔ اہل عرب کا دستور تھا کہ جب وہ کسی امیر سے بیعت کرتے تھے تو اپنے ہاتھون کو اُسکے ہاتھ مین دیتے۔ اس طرز عمل سے اقرار کی مضبوطی کا اظہار مقصود ہوتا تھا۔ اور چونکہ یہ صورت مشتری و بائع کے فعل سے مشابہ ہوتی تھی۔ لہذا بیعت کے نام سے موسوم ہوئی۔ جو لفظ "باع" کا مصدر ہے بعد مین رفتہ رفتہ ہاتھون کا ملانا بیعت قرار پا گیا۔ اور عرف لغت کے اعتبار سے بھی بیعت کا مدلول یہی امر ہے۔ اسلام مین سب سے مقدم بیعت۔ بیعت عقبہ تھی۔ اور اسی بیعت کے ہمراہ پر وہ قسمین بھی ہین جو خلفائے اسلام اقرار اطاعت کراتے وقت بطریق حلف لیا کرتے تھے۔ اور جتنے طریقون سے قسم کھائی جاتی ہے اُن سب طریقون سے قسم کہلواتے تھے۔

یمین (قسم) بیعت کی عبارت حکومتون اور حالتون کے ساتھ بدلتی گئی۔ گو اوسکا مقصود مدعا ایک ہی رہا۔ جس وقت انصار نے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) سے مقام عقبہ مین بیعت کی ہے تو اونہون نے یون کہا تھا۔ "یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) ہم لوگ آپ کو پناہ دہی سے اُس وقت تک بے تعلق ہین۔ جبتک کہ آپ ہمارے گھر کو نہ تشریف لیجائین۔ لہذا جب آپ ہمارے وطن مین پہنچ جائینگے تو ہماری پناہ مین آجائینگے۔ اُس وقت جن باتون سے ہم خود اپنا اور اپنے بال بچون کا بچاؤ کرتے ہین آپ کو بھی اُن باتون سے محفوظ رکھیں گے"۔ اس مقام پر ایک اور عبارت بھی ہے جو مقام عقبہ مین بیعت کیلئے استعمال کیگئی تھی اور یہ بیعت بیعت انصار کے نام سے مشہور ہے۔ وہ عبارت حسب ذیل ہے: "ہمنے بیعت کی اس اقرار پر کہ خدا کے ساتھ کسی کو

شریک نہ بنائینگے۔ چوری نہین کرینگے۔ زنا نکرینگے۔ اپنی اولاد کو (بیٹیوں کو) قتل نہ کرینگے۔ اور کسی پر بہتان نہ باندھینگے۔ نہ کسی امر معروف میں نافرمانی کرینگے۔ +

جس زمانہ سے ابو مسلم خراسانی نے بنی عباس کیلئے بیعت طلب کرنی شروع کی تو اوسکی عبارت یہ ہوتی تھی "میں تم سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کیلئے انکی اطاعت کرنے پر بیعت لیتا ہوں۔ اور تمپر اس قول کے نباہنے کیلئے خداوند پاک کا عہد اور اُسکا میثاق ہے تم روزینہ کا مطالبہ نہ کروگے اور نہ کسی قسم کا لالچ کروگے جبتک کہ تمہارے حکام از خود تمہیں روزینہ دینا شروع نکرین اگر تم اسکے خلاف کرو تو تمہاری عورتون پر طلاق۔ غلام کا آزاد کرنا۔ اور پیادہ کعبۃ اللہ کا سفر کرنا لازم ہوگا۔

جب کسی خلیفہ کی بیعت کرنی چاہتے تھے تو دستور یہ تھا کہ سب سے پہلے اکابر سلطنت بیعت کرتے تھے۔ اور انکے بعد اصحاب مناصب میں سے جو ان سے دوسرے درجہ پر ہوتے۔ عباسی عہد حکومت میں سب سے پہلے خلیفہ سے بیعت کرنیوالے فوجی لوگ اور سپہ سالار اور بغداد کے قاضی ہوا کرتے تھے۔ اور اکثر اوقات ان لوگوں سے قسم لینے پر فوج کا میر منشی مقرر ہوتا تھا۔ اور لوگون کا نام لے لیکر پکارتا جاتا تھا۔ اسکے بعد وزیر یا اُسکا قایم مقام اُٹھ کر خلیفہ کے سر یا پیشانی پر عمامہ باندھتا اور اُسے چادر اڑھاتا تھا جس وقت بیعت کی کارروائی ختم ہوجاتی تو خلیفہ کے روبرو بہت سے القاب پیش کئے جاتے تھے۔ جن مین سے کسی ایک لقب کو پسند فرماکر وہ اپنے لئے خاص کرلیتا۔ اس قسم کے القاب صرف مسلمانون ہی کے زمانہ مین ایجاد ہوئے تھے۔ عباسی حکومت کے پہلے دور مین یہ القاب بہت ہی سادے سادے ہوا کرتے تھے۔ مثلاً امین۔ مامون۔ اور رشید۔ مگر جب معتصم کا زمانہ آیا تو ایک بزرگی کا نام بھی اُسکے لقب پر بڑھایا گیا اور اُسکا نام "المعتصم باللہ" قرار پایا۔ پھر اُسکے بعد خلفا عباسیہ کا یہی دستور ہوگیا۔ +

جب خلیفہ سے اُسکے محل مین بیعت کرلی جاتی تو پھر خلافت کا جلوس اسکے سامنے حاضر کیا جاتا۔ یہ بہت سے گھوڑے ہوتے تھے۔ جڑاؤ ساز و سامان سے آراستہ اور اونکے سائیس بھی بہت ہی زرق برق وردیان پہنے ہوا کرتے تھے۔ پھر خلیفہ سوار ہوتا اور بڑے بڑے عمائد سلطنت گھوڑون پر سوار اسکے گرداگرد حلقہ باندھ لیتے خلیفہ کے روبرو ایک شخص ننگی تلوار ہاتھ مین لئے پیادہ پا چلتا اور فوجین سر راہ دو رویہ صف بستہ رہتین انہین صفون کے بیچ مین شاہراہ پر ہوکر موکب خلافت قصر خلافت تک جاتا جو کہ بغداد کا دیوان عام تھا۔ خلیفہ کے دیوان عام مین جلوس کرنے کے بعد حسب حالت و موقع ممالک غیر اور صوبجات ماتحت سے تہنیت جلوس پیش

کرنیکے لئے آنیوالے وفد حاضر دربار ہوتے۔ اور لوگ تہنیت نامے پیش کرتے تھے۔

بیعت کی عبارت اور جشن جلوس خلافت کی کیفیت مین تغیر حکومت کے ساتھہ ساتھہ اختلاف پیدا ہوتا رہا لیکن نتیجہ اور اصول سب کا ایک تھا۔ مدعائے اصلی یہ ہوتا تھا کہ کتاب وسنت کے حکم کے مطابق عمل کرنے پر خلیفہ اور اوسکی رعیت کے مابین باہمی عہد و پیمان لیا جائے۔ خلفائے راشدین کا طریقہ تھا کہ بیعت لینے کی عبارت مین اختصار مدنظر رکھتے تھے جیسا کہ آپ حکومتوں کی سیدھی سادی ابتدائی حالت کے بیان مین اُنکے طرز عمل کی سادگی ملاحظہ کر چکے ہونگے۔ پہلے تو بیعت کی عبارت زبان سے کہی جایا کرتی تھی۔ بعد ازان لکھکر محفوظ رکھی جانے لگی۔ اور ابتدا ً چند کلمے ہوا کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ کئی سطرون تک نوبت پہونچی۔ کیونکہ اُسمین حشو الفاظ کی بہرتی اور طوالت کیجانے لگی تھی جسکا مقتضی حکومتوں کا دولتمندی کے زعم میں مستغرق ہونا تھا اور عزت و عظمت کے ساتھہ یاد کئے جانیکی خواہش کا پیدا ہو جانا۔ اسلئے کہ جس وقت حکومت وسلطنت کا اقتدار جم جاتا ہے تو تمام حکمرانون کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنی نمایش اور زیبایش کو بہت کچھہ ترقی دینے لگتے ہین چنانچہ آٹھوین صدی ہجری کے وسط میں بیعت کی جو عبارت خلیفہ حاکم بامر اللہ عباسی کے لئے لکھی گئی وہ اس قدر لمبی تھی کہ اس کتابکے چار صفحے اُس سے بھرے جا سکتے ہین۔ *

ولیعہد کی بیعت ہم نے خلافت کے موروثی ہو جانیکے بعد کی حالت بیان کرتے ہوئے یہ ذکر کیا تھا کہ خلفاء اپنے بیٹون کے واسطے ولیعہدی کی بیعت لیا کرتے تھے یا اولاد نہ ہونے یا اوسکے صغیر سن ہونے کی صورت مین اپنے اور قرابت دارون کو ولیعہد بنایا کرتے تھے۔ وہ لوگ اس بیعت لینے کے واسطے بھی ویسا ہی جشن ترتیب دیتے تھے جیسا کہ خلفاء کی بیعت لینے کے وقت ہوا کرتا تھا۔ نیز خلفاء کو جس وقت ایسا کرنا منظور ہوتا کہ کسی شخصون کو ولیعہدی کیلئے نامزد کرین تو اپنے ارادہ کو اہل الرائے لوگون سے ظاہر کرکے اُن سے مشورہ لیتے جس طرح کہ خلیفہ منصور عباسی نے کیا کیونکہ اُس نے جس وقت اپنے فرزند مہدی کے لئے بیعت لینی چاہی اور جعفر اس معاملہ مین اُسپر معترض ہوا تو منصور نے لوگون کو حاضر ہونیکا حکم دیا۔ چنانچہ جلسہ ہوا اور مقرر لوگون نے کھڑے ہوکر تقریرین کین۔ شاعرون نے نظمین پڑہین چونکہ ان سبھون مین مہدی کی تعریف زیادہ کی گئی تھی۔ اسلئے مہدی کی بیعت غالب رہی۔

خلفاء کا یہ بھی دستور تھا کہ جب اپنے بیٹون یا بھائیون مین ایک سے زاید شخصون کو خلافت کے قابل دیکھتے تھے تو ایک بیٹے یا بھائی سے ولیعہدی کی بیعت لیتے اور شرط لگا دیتے کہ اسکا جانشین فلان یا فلان شخص ہو

جیساکہ یزید بن عبدالملک نے جس وقت اپنے ولیعہد کی بیعت لینی چاہی اور اُس وقت تک اُسکا بیٹا بہت ہی کم عمر تھا تو اُس نے اپنے بھائی ہشام سے اس شرط پر بیعت کی کہ اُسکے بعد میرا بیٹا ولید بن یزید جانشین ہو اور اکثر صورتوں مین جب کوئی ضروری اور لازمی بات خیال مین آجاتی تو وقتاً فوقتاً شرائط بیعت مین کچھ تغیر و تبدل بھی کر دیا کرتے تھے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ خلیفہ اپنے کسی بیٹے کی ولیعہدی کی بیعت لیتے ہوئے اُس شخص کو نامزد کر دیتا جو ولیعہد کا جانشین ہو سکے۔ اور ولیعہد کو اختیار دیدیتا تھا کہ وہ چاہے تو نامزد شدہ شخص کو خلیفہ بنائے اور چاہے نہ بنائے۔ جیساکہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے مامون کیلئے ولیعہدی کا حکم لکھتے ہوئے اور اوسکے بعد اپنے دوسرے فرزند قاسم کو نامزد کرتے ہوئے مامون کو یہ اختیار دیدیا تھا کہ اگر اوسکی مرضی ہو تو قاسم کی ولیعہدی قایم رکھے ورنہ اُسے علیحدہ کر دے۔ +

عہد یا اقرار نامہ یہ ایک تحریر ہوتی تھی جسے خود خلیفہ یا اُسکا کاتب (میر منشی) لکھا کرتا تھا اور اوسپر خلیفہ اپنی اور اپنے خاندان والون کی مہرین ثبت کر کے ولیعہد کو یا اوسکے متولی کو سونپ دیتا تھا کہ اُسے وقت ضرورت کے لئے محفوظ رکھے۔ یہ اقرار نامہ کسی امانت دار کے مکان یا خزانہ یا مسجد یا کعبہ مین محفوظ رکھا جاتا تھا جیساکہ رشید نے اون دو تحریرون کو جو اُس نے اپنے دونون بیٹون امین اور مامون کے لئے لکھی تھین۔ اور جنمین بعد مامون کے قاسم کو نامزد کیا تھا خانہ کعبہ مین ودیعتہً رکھوا دیا تھا۔ +

خلافت کی علامتیں

خلافت کی تین علامتین تھین۔ چادر۔ انگوٹھی۔ اور عصا۔

چادر یہ چادر نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی چادر تھی۔ جسے وہ برابر اوڑھتے رہے تھے اور آخر کار کعب بن زہیر ابن ابی سلمان نامی ایک مشہور عربی شاعر کو انعام مین دیدی تھی۔ کعب نے دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی تھی اور مسلمانون کے مقابلہ سے بھاگ گئے تھے۔ جس زمانہ مین اہل اسلام نے مکہ کو فتح کیا ہے۔ کعب کے بھائی بجیر ابن زہیر نے اونکو یہ لکھ بھیجا کہ "رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بہتسے ایسے لوگون کو مکہ مین قتل کروالا ہے جنھون نے اونکی ہجو کی تھی یا اُنھین اذیت دی تھی۔ اور قریش کے جتنے شاعر باقی بچے ہین وہ جہان تہان بھاگ گئے ہین۔ لہذا اگر تمہارے دلمین کچھ خواہش ہو تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس

بہت جلد حاضر ہو جاؤ کیونکہ وہ کسی ایسے شخص کو جو توبہ کرتا ہوا اُن کے پاس آئے قتل نہیں کرتے" کعب کو اسکے سوا اور کسی صورت میں بہتری نظر نہ آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب رجوع کرکے توبہ کریں وہ مدینہ میں آئے اور اپنے آپ کو نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حوالہ کر دیا۔ اور اپنے اُس مشہور قصیدہ کے ساتھ جسکا مطلع یہ ہے "بانت سعاد فقلبی الیوم متبول ✦ متیمٌ اثرھا لم یفد مکبول" نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح کی۔ آنحضرتؐ نے اونکی بہت کچھ خاطر مدارات فرمائی۔ بعض صحابہ نے کعب کو قتل کرنا چاہا تھا۔ آپنے اُنہیں منع کر دیا اور اپنی چادر مبارک کعب کو عطا فرما دی۔ یہ چادر کعب کے گھرانے میں اُس وقت تک موجود رہی جبکہ معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اُن سے چالیس ہزار درہم کے معاوضہ میں خرید لی۔ اسکے بعد سے اموی اور پھر عباسی خلفاء میں وراثتاً منتقل ہوتی رہی۔ ابوالفداء نے ذکر کیا ہے کہ وہ چادر عباسیوں کے ہاتھ سے نکلکر تاتاریوں کے قبضہ میں چلی گئی تھی۔ مگر اب یہ چادر مبارک آستانہ (استنبول) میں سرائے قدیم کے اندر تبرکات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں موجود ہے شاید ابوالفداء یہ معلوم ہونے پر کہ تاتاریوں نے بغداد کو بہت کچھ تاخت و تاراج کیا تھا۔ اور عباسی خلفائے بدحواسی میں مصر کیطرف بھاگ گئے تھے۔ اس وہم میں پڑگیا ہو کہ تاتاریوں نے خلیفہ کے محل سے جو سامان لوٹا تھا اسی میں یہ چادر بھی چلی گئی۔ مگر دراصل عباسی لوگ چادر کو اپنے ساتھ مصر لیتے گئے تھے جب سلطان سلیم نے مصر کو فتح کرکے عباسیوں سے خلافت لی تو چادر بھی اُسی کے ساتھ لیلی۔ ✦

انگوٹھی یا مہر خلفاء نے مہر کا رکھنا محض نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مشابہت حاصل کرنیکی غرض سے اختیار کیا تھا۔ اسلئے کہ جس زمانہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر اور کسریٰ کو دعوت اسلام کے خطوط لکھنے چاہے تو اُن سے کہا گیا کہ اہل عجم کسی ایسی تحریر کو نہیں مانتے جسپر اول یا آخر میں مہر نہو۔ لہذا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک چاندی کی مہر بنوائی اور اوسپر "محمد رسول اللہ" کھدوایا۔ یہ مہر نوبت بہ نوبت ابوبکرؓ۔ عمرؓ اور عثمانؓ تک پہونچی۔ اور عثمانؓ کے ہاتھ سے چاہ اریس میں گر گئی۔ اسکے بعد باوجود بڑی تلاش کے جب اُسکا پتہ نہ لگا تو عثمانؓ نے اُسی کے مثل ایک اور مہر بنوالی عثمانؓ کے بعد جتنے لوگ خلافت کے متولی ہوئے سب اپنے لئے مہریں بنواتے رہے جن سے خطوط کے شروع یا آخر میں گیرو مٹی یا سیاہی کے ذریعہ سے مہر لگاتے تھے اسکے بعد خطوط بند کرنیکے بعد موم لگاکر اُن مہروں کے نشان دیتے رہے۔ موم سے مہر کرنیکا عمل خلفاء میں سب سے پہلے معاویہؓ نے فریب دہی سے بچنے کیلئے

اختیار کیا تھا۔ کیونکہ اُنہوں نے ایکبار زیاد بن ابیہ کو جو کوفہ میں اونکا عامل تھا۔ یہ لکھا کہ عمر بن زبیرؓ کو ایک لاکھ درم دیدو۔ اور وہی خط عمر کو دیدیا۔ کہ اُسے زیاد کے پاس لیجائیں۔ عمر بن زبیر نے سو کو دو سو بنا دیا۔ زیاد نے اتنی ہی رقم اُنہیں ادا کر دی۔ جب اس خرچ کا حساب معاویہؓ کے سامنے پیش ہوا تب یہ فریب کھُلا۔ اُسی وقت سے معاویہؓ نے خطوط اور شقوں کی نگرانی اور اُنکے لپیٹنے یا شکن ڈالنے کے بعد دونوں کناروں پر مُہر کرنیکا حکم دیدیا۔

بلاذری نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں میں دیوان زمام و خاتم کی بنیاد سب سے پہلے زیاد بن ابیہ نے ولایت (گورنری) عراق کے زمانہ میں رکھی۔ اُس نے اِس طریقہ کو اہل فارس سے حاصل کیا تھا۔ بلاذری ہی کا بیان ہے کہ اسلام سے قبل فارس کے حکمرانوں کی کئی ایک مُہریں ہوا کرتی تھیں جنمیں سے ہر ایک ایک خاص غرض کیلئے مستعمل ہوتی تھی۔ ایک مہر رازداری کی تھی۔ ایک خطوط اور مراسلات کی۔ ایک فرمانوں اور جاگیرناموں کی۔ اور ایک مُہر خراج کے لئے مخصوص تھی۔ جو شخص اُن مہروں کے لگانے پر مامور ہوتا تھا وہ صاحب زمام کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

معاویہؓ کے عہد سے بنی عباس کے زمانۂ حکومت کے وسط تک دیوان خاتم کا شمار بڑے اہم دفتروں میں ہوتا رہا۔ اسکے بعد یہ سررشتہ بالکل نابود ہوگیا۔ کیونکہ اب اون تمام کاموں کی انجام دہی خلیفہ کے قابو سے نکلکر امیروں وزیروں اور سلاطین وغیرہ کے ہاتھوں میں پہونچ گئی تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے بجائے فضل بن یحییٰ کے جعفر بن یحییٰ کو وزیر بنانا چاہا تو یحییٰ برمکی سے یوں کہا تھا۔ "یا اَبَت! میں چاہتا ہوں کہ اپنی انگوٹھی کو داہنے ہاتھ سے نکالکر بائیں میں پہن لوں"۔ گویا کہ انگوٹھی کے ساتھ وزارت کا کنایہ تھا۔ خلفا کی مہر بہت عزت اور عظمت کی چیز شمار ہوتی تھی جس وقت وزیر وغیرہ عہدہ داران حکومت اُسے کسی خط پر لگانے کیلئے اپنے ہاتھ میں لیتے تو خلافت کی تعظیم دینے کیلئے کھڑے ہو جاتے۔ جب کسی تحریر پر مہر کرنی ہوتی تو سیاہی یا زنگین مٹی اُسپر ملکر کاغذ پر چھاپ لیتے۔ یا کسی نرم شئے پر لگاتے تھے۔ مثلاً موم پر تاکہ اُسکے نقش بخوبی اُبھر آئیں۔ کبھی مُہر تحریر کے آخر میں کیجاتی تھی اور کبھی شروع میں۔ جسکے ساتھ تسبیح۔ تحمید یا خلیفہ کے نام کے مسلسل اور مسجع فقروں کی عبارت بھی ملائی جاتی تھی یا جو اُنکا جی چاہتا وہ عبارت ملا دیتے۔ یہ گویا تحریر کی صحت کی سند ہوتی تھی۔ اور بلا اُس عبارت اور مُہر کے تحریر نکمی اور غیر مستند سمجھی جاتی تھی۔ مہر کو علامت بھی کہتے تھے۔ +

جس زمانہ مین سلطنتین قایم ہوئے لگین تو سلطانون نے بھی علامت خلافت کے انداز پر اپنی علامتین مقرر کین اور انکا نام طغرا رکھا۔ طغرا ایک قسم کی تحریر ہوتی ہی جو قلم جلی لکھی جاتی۔ اور اُس مین بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا۔ سلاطین کے ہان طغرا خطوط اور فرمانون پر خود شاہی دستخط کے قایم مقام متصور ہوتا تھا اور پھر اسکی حاجت نہین رہتی تھی کہ سلطان اپنے دست خاص سے اُسپر کوئی چیز لکھے۔ یا کچھہ نشان کرے۔ سلجوقی حکومت مین دیوان انشا کا نام ہی دیوان طغرا رکھا گیا تھا۔

بعض لوگون کا قول ہے کہ اس تحریر کا نام طغرا اسلئے رکھا گیا کہ یہ حسین بن ابی اسمٰعیل طغرائی کی جانب منسوب ہے جو مشہور قصیدہ لامیۃ العجم کا مصنف ہے حسین بن ابی اسمٰعیل مذکور سلطان مسعود سلجوقی کا وزیر تھا۔ وہ بہت خوشنویس تھا اور اس طغرے کو نہایت عمدہ طور سے لکھا کرتا۔ لہذا یہ تحریر اُسی کے نام سے ملقب ہوگئی۔ کیونکہ وہی سب سے پہلا شخص ہے جس نے ایسی تحریر لکھی تھی۔ (یہ شخص ۵۱۸ھ مین مقتول ہوا۔) گمان غالب اسبات کا ہے کہ عثمانی طغرا کی اصل بھی یہی ہے۔ اور وہ سلطان مراد کے کف دست کی صورت نہین جیسا کہ الہلال نمبر ۱ جلد ۱ مین لامارٹین اور جوانین کی سند سے بیان ہوا ہے۔

خلفاء مُہر پر اپنے نام نہین کھدواتے تھے۔ بلکہ وہ اُسپر ایسی عبارتین منقوش کراتے جن مین کوئی پند و نصیحت ہوتی تھی۔ چنانچہ ابوبکرؓ کی مُہر پر "نعم القادر اللہ" منقوش تھا۔ اور عمرؓ کی مُہر پر یہ عبارت کندہ تھی "کفی بالموت واعظا یا عمر"۔ عثمانؓ کی انگوٹھی پر کندہ تھا "لتصبرن او لتندمن"۔ اور علیؓ کی مہر پر "الملک للہ"۔ خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس بھی اسی طریق کے پابند رہے۔ اون مین سے ہر ایک کے واسطے ایک خاص فقرہ تھا جسے اُس نے اپنی مُہر پر کندہ کرایا تھا اور اکثر اُس مُہر کی عبارت مین اور خلیفہ کے نام مین کوئی معنوی مناسبت بھی ہوا کرتی تھی۔ اسلئے کہ مامون کی مُہر کا نقش تھا "عبد اللہ ثق باللہ مخلصا"۔ اور واثق کی مہر پر "اللہ ثقتی بالواثق"۔ کندہ تھا۔ متوکل کی انگوٹھی پر "علی اللہ توکلت"۔ اور معتمد کی خاتم پر "اعتمادی علی اللہ"۔ وہ جو بھی "منقوش تھا۔ علی ہذا القیاس۔

اندنون نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کو علامات خلافت سے تعبیر کیا جاتا ہے جو آستانہ علیہ کے محل موسوم بسرائے قدیمہ کے اندر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ایک خاص کمرہ مین چاندی کے صندوق کے اندر محفوظ ہین۔

سلہ الہی سب سے بڑھکر قادر ہے۔ + سلہ اے عمر موت کافی واعظ ہے۔ + سلہ یا صبر یا ندامت۔ + سلہ ملک اللہ ہی کا ہے۔
سلہ بندہ خدا پر اخلاص کے ساتھہ ایمان لاتا ہے۔ سلہ خدا کا بھروسہ رکھتا ہے۔ سلہ میرا بھروسہ اللہ پر ہے اور وہی میرے لئے کافی ہے۔

یہ تبرکات حسب ذیل ہین :- (۱) چادر - (۲) نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک دندان مبارک - (۳) حضور الہر کے چند موئے مبارک - (۴) آپ کی پاپوش مبارک - (۵) علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ باقی حصہ - (۶) دولوہے کے برتن جنکی بابت کہا جاتا ہے کہ اُن مین حضرت خلیل اللہ علیہ السلام زمزم کا پانی پیا کرتے تھے (۷) امام ابی حنیفہؒ کا جبہ - (۸) سیدنا یحییٰ علیہ السلام کا ذراع - ہر سال رمضان شریف کی ۱۸ تاریخ کو ان تبرکات کی زیارت ہوتی ہے جلالتمآب سلطان المعظم معہ اپنے جلوس سواری کے محل موعودہ پر آکر جانب قبلہ تشریف لیجاکر وہان رسم زیارت ادا فرماتے - اور اون متبرک چیزون سے برکت حاصل کرتے ہین اس موقع پر سلطنت کے بڑے بڑے ارکین اور عہدہ دار بھی سلطان کے ہمرکاب ہوتے ہین -

عصا خلافت کی تیسری علامت تھی - جب کوئی نیا خلیفہ مسند نشین ہوتا تو چادر - انگوٹھی - اور عصا اُسکے سامنے پیش کیا جاتا تھا - بنی امیہ اور بنی عباس مین یہ دستور ہمیشہ جاری رہا - +

خلافت کی نشانیان

خلافت کی نشانیان بہی تین تھین - خطبہ - سکہ اور طراز (مارکہ) -

خطبہ خلافت کے نشانات مین سے ایک یہ تہا کہ نماز مین منبر و پر خلیفہ کیلئے دعا مانگی جائے - اسکی اہمیت یون بہی کہ خلفاء بذات خاص نماز پڑہانے کا کام انجام دیتے تھے - وہ لوگ نماز کے فرایض کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے دعا اور صحابہؓ کے واسطے رضائے خدا کی استدعا پر تمام کیا کرتے تھے جس زمانہ مین خلفاء نے ممالک فتح کئے اور اونپر عامل اور والیون کا تقرر کیا تو یہ حکام اپنی ولایتون مین امارت کے متولی ہونے لگے - اُنکا یہ دستور ہوگیا کہ جب نماز پڑہاتے تو اوسے خلفاء کے لئے دعا کرنے پر ختم کرتے - سب سے پہلے جس والی نے یہ کام کیا وہ عبداللہ بن عباسؓ تھے - جب یہ حضرت علیؓ کے عہد مین حاکم بصرہ مقرر ہوئے تو منبر پر ستادہ ہوکر کہا "اللھم انصر علیاً" پہر اُنکے بعد بہی یہ طرز برابر جاری رہا - رفتہ رفتہ کسی ملک مین خلیفہ کیلئے دعا کا مانگا جانا وہان اوسکی حکومت ہونیکی علامت قرار پاگیا - بغداد مین خلفاء کی حالت کمزور ہونے لگی تو وہ امیر اور سلطان جو خلیفہ پر قابو کر لیا کرتے تھے اس دعا مین خلفاء کے شریک بن گئے - اور خلفاء کے نامون کے بعد اپنے نامونکو ذکر کرنے لگے - اُسکے اور بعد والے زمانہ مین خود سلاطین خاص اپنے ہی واسطے مستقل طور پر دعا منگوانے لگے - مگر خلفاء راشدین

کے حق میں دعا کرنا آجتک جاری ہے۔ اور تمام اسلامی ملکوں اور اسلامی آبادیوں میں ہر ایک جماعت جمعہ کے وقت اُن کے لئے منبر پر دعا کیجاتی ہے۔

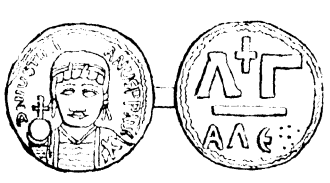
سکہ خلافت یا علی الاطلاق شاہی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ نقود۔ (روپیہ پیسہ۔ اور اشرفی۔) پر ایک لوہے کے ٹپہ سے نقش اُبھارے جاتے ہیں جسمیں خلیفہ یا سلطان کا نام کُندا ہوتا ہے۔ اوسکو سکہ کہتے ہیں۔ اور سکہ حکومت کے لئے نہایت ضروری چیز ہے۔

اسلام سے پیشتر اہل عرب کے نقود اسلام سے قبل اہل عرب کسریٰ اور قیصر کے سکوں سے کام چلاتے تھے جو درہم اور دینار کہلاتے تھے۔ دینار سنہری اور درہم روپہلی سکے ہوتے تھے ایسے جیسے آجکل ہمارے ہاں گنی اور ریال ہوتے ہیں۔ اہل عرب سونے کو "عین" اور چاندی کو "ورق" سے تعبیر کرتے تھے۔ انکے یہاں کچھ سکے تانبے کے بھی رائج تھے جنمیں سے "جبہ" اور "دانق" کا نام مشہور ہے۔ لیکن ان تمام نقدیات کا مرجع وزن تھا کیونکہ دینار سے وہ سونے کا ٹکڑا مراد تھی جسکا وزن ایک مثقال ہو اور اُسپر اُس بادشاہ یا شاہنشاہ کا سکہ ہو جس نے اُسے ضرب کیا ہو۔ درہم سے ایک درہم کے ہموزن چاندی کا سکہ مراد ہوتا تھا جسکو "وانی" بھی کہتے تھے۔ آجکل دینار اندازاً دس فرانک کے برابر ہوتا ہے اہل عرب کے یہاں دینار دس درہم کا ہوتا تھا۔ اور بسا اوقات اُسکی قیمت ۱۲ تک اس اور پندرہ کے بھی بدلتی رہتی تھی۔ یا حالات کے موافق کبھی اس سے بھی بڑھ جاتی۔ گویا درہم ۱ فرانک کے برابر ہوتا تھا۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہا جائے کہ ایک چاندی کا درہم تقریباً چار غروش مصری کے مساوی ہوتا تھا۔

احکام السلطانیہ کے مصنف نے بیان کیا ہے کہ فارسی درہم تین وزنوں کے ہوا کرتے تھے:-

(۱) مثقال کے وزن سے بیس قیراط بھر۔ اسی کو درہم بغلیہ کہتے تھے۔ (۲) جسکا وزن ۱۲ قیراط ہوتا تھا۔

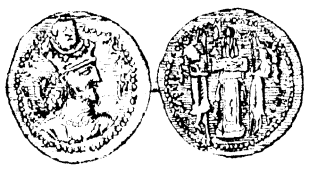
(۳) وہ درہم جو وزن میں دس قیراط ہوتا۔ مصنف مذکور کے علاوہ اور لوگوں نے ایسے درہموں کا ذکر بھی بیان کیا ہے جن میں سے صرف ایک درہم کا وزن چھ مثقال ہوتا تھا اور اونکو "بھاری سمری درہم" کہتے تھے۔ اور ایک درہم پانچ مثقال کے برابر ہوتا جسے "ہلکا سمری"



(دینار رومی)

درہم" کہتے تھے۔ یہ سب درہم ملک فارس کے سکے تھے۔ +

اسلام سے قبل عرب والون کے یہان دو طرح کے دینار پائے جاتے تھے۔ (۱) ہرقلی یا رومی۔ (۲) کسروی یعنی فارسی۔ درہم بھی ایسے ہی تھے لیکن گمان غالب یہ ہے کہ اونکے لین دین مین رومی دینار اور فارسی درہمون کا استعمال ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے ہرقلی دینار انہین بہت عزیز اور پسند تھے یہانتک کہ اونکی خوبصورتی اور چمک دمک کو اونہون نے ضرب المثل بنا رکھا تھا۔ +



(دینار فارسی)

دینار لاطینی زبان کا لفظ ہے۔ اسکی اصل ایک ایسے چاندی کے ٹکڑے پر دلالت کرتا ہے جو دس "آس" کے مساوی ہو۔ "آس" رومی درہمون مین سے ایک قسم کا درہم ہوتا تھا۔ اسی لئے پہلے پہل دینار مضروب ہوا تھا۔ دینار کا لفظ لاطینی زبان والون کے یہان لفظ (Deni) سے مشتق ہے جسکے معنے ہین دس۔ اس دینار کا وزن سات رومانی اوقیہ یا ایک رطل (لیبرہ) کے سوین حصے کے برابر ہوتا تھا۔ یعنی وہ لوگ ایک لیبرہ چاندی کو سو دیناروں پر تقسیم کرتے تھے۔ اسکے بعد اُن لوگون نے طلائی دینار مضروب کیا۔ اس وجہ سے اونکے یہان دو قسم کے دینار ہو گئے۔ ایک چاندی کا اور دوسرا سونے کا۔ لاطینی لوگون سے اہل فارس نے سیکھہ کر اپنے یہان بھی ویسے ہی سکے مضروب کیے۔ اور اُنہین نامون سے موسوم۔ +

اسلامی سکے اہل عرب ظہور اسلام اور ملکون کو فتح کرنیکے بعد حکومت اسلامی کے زمانہ قیام تک رومی اور فارسی سکون سے لین دین کرتے رہے۔ مگر قیام سلطنت کے بعد اُنکو اپنا تمدن قایم کرنا منظور ہوا۔ اس تمدن کی ضروریات مین سکہ بھی داخل تھا۔ لہذا اونہون نے پہلے پہل اپنے اور اہل روم و فارس کے مابین مشترک وضع کے درم و دینار مضروب کیے۔



(نقود خالد بن ولید)

اُن سکون مین سے ایک سکہ وہ تھا جسے ۱۵ھ مین خالد بن الولید رضؓ نے بمقام طبہ یہ مضروب کرایا۔ یہ سکہ بالکل رومی دینار کے مثل تھا۔ اس مین ایک طرف صلیب، تاج۔ اور چوگان وغیرہ کا نقش تھا اور دوسری طرف یونانی حروف مین خالد کا نام (XAAEA)

اور یہ حروف (B O N) منقوش تھے۔ اِس شکل کا ناقل ڈاکٹر مولر مشہور جرمن مؤرخ گمان کرتا ہے کہ یہ حروف "ابو سلیمان" کے مقطع ہین۔ جو خالد کی کنیت تھی۔ +



(نقود معاویہ بن ابی سفیان)

ایک اور دوسرا قطعہ بھی تہا جو معاویہؓ کے نام پر مضروب ہوا تہا۔ لیکن اُسکی شکل فارس کے ایک دینار سے نقش و نگار وغیرہ مین ملتی ہوئی تھی۔ صرف اتنا فرق تہا کہ اسپر معاویہؓ کا نام تہا اور فارسی دینار پر نہین اسکی شکل بھی ہرٹسفیلڈ ڈاکٹر مولر مذکور سے نقل کی ہے

وینیری نے ایک قسم کے نقود کا ذکر کیا ہے۔ جن کو "بغلیہ" کہتے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ "راس البغل" نے اُسے عمر بن الخطابؓ کے لئے ایک کسروی سکہ سے مضروب کیا تہا جسپر بادشاہ کی تصویر تھی۔ اور کرسی کے نیچے فارسی عبارت مین "نوش خور" لکہا تھا جسکے معنے ہین آرام سے کہاؤ۔ +

جودت پاشا مرحوم کا بیان ہے کہ مین نے ایسے نقود بھی دیکھے جنکو امیرون اور والیون نے خلفائے راشدین کے عہد مین مضروب کرایا تہا۔ ان سکون مین سب سے قدیم سکہ طبرستان کے قصبہ ہنک مین ۲۸ھ کے اندر مضروب ہوا تہا جسکے دایرہ پر خط کوفی مین "بسم اللہ ربی" لکہا ہوا تہا۔ اور ایک قسم کا سکہ ۳۸ھ کا ضرب کیا ہوا دیکہا۔ جسکے دایرہ پر بھی یہی عبارت موجود پائی۔ اور ایک سکہ ۶۱ھ مین بمقام یزد مضروب ہوا تہا۔ جسکے دایرہ پر پہلوی خط مین "عبد اللہ بن زبیر امیر المؤمنین" منقوش تھا۔ مگر یہ سکے اسلامی حکومتون مین رواجاً معتبر نہ تہے۔ بلکہ اکثر اُنکے لین دین رومی اور فارسی نقود سے ہوتے تہے (۶۵ھ ۸۶ھ) عبد الملک بن مروان کے عہد حکومت مین یہ صورت پیش آئی کہ اس خلیفہ نے طراز (مارکہ) کو رومی سے عربی مین بدلنا چاہا جسکا بیان آگے آئیگا۔ شاہنشاہ روم کو یہ بات ناگوار گذری اُس نے خلیفہ عبد الملک کو دہمکی دی کہ تم طراز کو بدلو گے تو مین اپنے دیناروں پر نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے خلاف شان الفاظ منقوش کراؤنگا۔ عبد الملک کو اس بات کے سُننے سے سخت صدمہ گذرا۔ اُسنے مسلمانون مین کے بڑے بڑے ذی وجاہت اور اہل الرائے لوگون کو جمع کر کے اُن سے اسبارہ مین رائے لی۔ اُنہین لوگون مین سے کسی نے اُسے بتایا کہ اس معاملہ مین امام محمد باقرؒ سے (جو اہل تشیع کے بارہ اماموں مین سے ایک امام ہین۔ ا۔ ر

اس وقت مدینہ مین رہتے تھے) مشورہ لو۔ اگرچہ عبدالملک کو گوارا تو نہ تہا کہ بنو ہاشم کے کسی امام سے کچھہ مدد مانگے۔ اسلئے کہ وہ حکومت اور ملکداری مین اُسکے مدمقابل بنتے تہے۔ لیکن مجبوری تہی اُنسے مدد لئے بغیر کام بھی نہ چل سکتا تہا۔ اسلئے اُنہین بلوانا ہی پڑا۔ عبدالملک نے اپنے عامل کو جو اوسکی طرف سے مدینہ مین مقرر تہا لکہا "محمد بن علی بن حسینؓ کو بہت عزت کے ساتہہ میرے پاس بہیجدو۔ اور راہ مین ایک لاکہہ درم سفر خرچ کے لئے اور تیس ہزار درہم خرچ خانگی کیواسطے نذر کرو۔ اسکے علاوہ خود وہ یا جو لوگ اونکے ہمرکاب سفر کرنے پر آمادہ ہون سب کے لئے سفر کے سامان مین آسانی پیدا کرنے کی کوشش کرو" چنانچہ جب امام محمد باقرؒ دمشق مین آگئے تو عبدالملک نے اُن سے شاہنشاہ روم کی نیت کا حال بیان کرکے اونسے اسبارہ مین مشورہ چاہا۔ کیونکہ رومی شاہنشاہ اسلام کے ساتہہ بدسلوکی کرنے پر آمادہ تہا۔ امام موصوف نے فرمایا "تم اسبات سے پریشان نہو۔ اسی وقت کاریگرون کو بلاؤ وہ تمہارے سامنے ہی بیٹہکر درم اور دینار کے سکے تیار کرین۔ اُنپر توحیدباری اور ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منقوش کراؤ۔ درم اور دینار کے ایک طرف ذکر خدا ہو۔ اور دوسری جانب ذکر نبی صلے اللہ علیہ وسلم۔ اور درم و دینار کی گولائی مین اُس شہر کا نام ہو جہان وہ مضروب ہوا۔ اور سنہ جسمین ضرب کیا گیا۔ علاوہ برین تیس درہمون کو تینون قسم کے درہمون مین سے منتخب کرو زن کرو۔ دس وہ جنکا وزن دس مثقال فی درہم ہوتا ہے۔ اور دس جنکا وزن فی درہم دس مثقال ہے۔ اور دس جنکا وزن فی درہم پانچ پانچ مثقال کے ان تینون کا وزن ۱۲۱ مثقال ہوگا مجموعی وزن کو تیس پر تقسیم کرنیسے فی درہم سات مثقال کا وزن پڑیگا کانچ کے باٹ ڈہلوائے جائین جو سات مثقال سے کم یا بیش نہ ہون۔ اسکے بعد دینار دس مثقال وزن کے اور درہم سات مثقال کے مضروب کئے جائین"۔

عبدالملک نے اس رائے پر عمل کرکے اپنے سکے تمام اسلامی ممالک مین بہجوادیئے۔ اور لوگون کو اُنہین کا لین دین کرنیکی ہدایت کی۔ ان درہمون اور دینارون کے علاوہ اور سکون سے معاملہ کرنیوالون کو قتل کی دھمکی دی اور ہدایت کی کہ اس سے پہلے کے رائج سکے بیکار کرکے ٹکسالون مین داخل کردیئے جائین۔ تاکہ وہ دوبارہ اسلامی سکون کی شکل مین مضروب کئے جائین۔

یہان تک جو کچھہ بیان ہوا وہ میری کا قول تہا لیکن ابن اثیر نے یہ رائے خالد بن یزید بن معاویہؓ کی جانب منسوب کی ہے۔ اور ابن اثیر کے علاوہ اور لوگون نے اسے بعض دوسرے شخصون کیجانب بہی منسوب کیا ہے عبدالملک کے ضرب کرائے ہوئے دینار "دینار دمشقی" کے نام سے موسوم ہین۔ عبدالملک کے عامل "حجاج" نے

جو ملک عراق کا گورنر تھا یہ حکم دیا۔ کہ دینار کی قیراطون سے پندرہ قیراط کا درہم مضروب ہو اسکے بعد عراق کے امراء (حکام) اکثر حالتون مین بنی اُمیہ کے لئے سکّے ضرب کرتے رہے۔

بنو امیہ کے سکون کا نقش ایک جانب بیچ مین "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ" اور اوسکے گرد "بسم اللہ ضرب ہذا الدرہم فی بلد کذا سنۃ کذا" ہوتا تھا۔ اور دوسری طرف وسط مین "اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد" جسکے گرد "محمد رسول اللہ ارسلہ بالہدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ۔ ولو کرہ المشرکون" منقوش ہوتا تھا۔ یہ عبارت دینار اور درم دونون پر یکسان نقش کیجاتی تھی۔ +



(نقود عبدالملک بن مروان)

اُسی وقت سے مسلمانون نے رومی اور فارسی سکون کا استعمال ترک کر دیا۔ بنی امیہ کے نقود مین سب سے زیادہ جید سکّے وہ تھے جنکو عمر بن ہبیرہ نے مسکوک کرایا تھا۔ اور وہ "ہبیریہ" کے نام سے مشہور تھے۔ انکے علاوہ دو سکّے اور بھی تھے۔ (۱) "خالدی" منسوب بہ خالد بن عبداللہ البجلی۔ (۲) "یوسفیہ" یوسف بن عمرو کے مضروب کئے ہوئے۔ یہ سب لوگ امیوی خلفاء کی جانب سے ملک عراق پر عامل تھے۔ چنانچہ جسوقت عنان خلافت بنو عباس کے ہاتھ مین گئی ہے تو خلیفہ منصور عباسی وصول خراج کے وقت سوائے ان تین سکون کے زمانہ بنی امیہ کے دوسرے سکّے ہرگز نہین لیا کرتا تھا۔ +

اسلامی نقود کی تاریخ نہایت طویل ہے جسکے بیان کا یہ موقعہ بھی نہین۔ ہماری کتاب "تاریخ مصر الحدیث" مین اکثر نقود اسلامی کی شکلین اور اونکے مضروب کرانیوالون کے نام مذکور ہوئے ہین۔ مگر مختصراً اس قدر کہنا ضروری ہے کہ اسلامی مسکوکات مسلمانون کی تمام دار السلطنتون اور اونکے مشہور شہرون مین جو ممالک عراق شام اندلس خراسان اور ہندوستان۔ وغیرہ مین واقع ہین مضروب ہوئے تھے اور وہ سب سکّے شکل جسامت اور عبارت مین ایک دوسرے سے ویسے ہی جدا ہوتے تھے۔ جیسے زمانہ اور حکومتین جدا جدا ہوتی تھین۔ پہلے انکی تحریر خط کوفی مین تحریر ہوا کرتی تھی۔ بعد ازان مروجہ خط نسخ مین لکھی جانے لگی۔ یہ تغیر ۶۲۱ھ مین العزیز محمد بن صلاح الدین الایوبی حاکم مصر کے عہد مین ہوا۔ +

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام اوائل میں دوسری صدی ہجری کے آغاز تک سکوں پر تاریخ نہیں ڈالتے تھے۔ اس میں اُس شہر کا ذکر نہیں کیا کرتے تھے جس میں وہ مضروب ہوا ہو۔ بلکہ جس وقت ضرب کی تاریخ کا ذکر کرتے تو اُسکے پہلے سنہ کا لفظ لکھتے تھے۔ بعد میں اُس لفظ کو بھی



(نقود العزیز بن صلاح الدین)

لفظ "عام" سے بدل دیا۔ اور اکثر حالتوں میں یوں لکھتے تھے "فلاں سنہ کے مہینوں یا فلاں سال کے مہینوں میں یا فلاں شخص کے عہد حکومت میں"۔ تاریخ ابتداءً تعداد جمل کے حساب سے حرفوں میں لکھی جایا کرتی تھی۔ بعدہٗ رقموں میں لکھی جانے لگی۔ سب سے پہلے جو سکے ایسے پائے گئے کہ اُنپر رقموں میں تاریخ لکھی تھی وہ ۱۱۶ھ کے ڈھلے ہوئے تھے۔ +

دار الضرب یا ٹکسال سلطنت کے لئے اُس وقت بھی دار الضرب کا وجود ویسا ہی ضروری تھا جیسا کہ ہم آجکل دیکھتے ہیں۔ اور اسلامی حکومتوں کی اُنکے ہر ایک دور میں یہی حالت تھی چنانچہ کوئی پائے تخت یا صدر مقام ٹکسالوں سے خالی نہ ہوتا تھا۔ بغداد۔ قاہرہ۔ دمشق۔ بصرہ اور قرطبہ وغیرہ میں تو بہت بڑی بڑی ٹکسالیں تھیں دار الضرب میں اون نقود پر جو وہاں مضروب ہوتے تھے ایک قسم کا محصول (ٹکس) لیا جاتا تھا۔ جیسے لکڑی کی برت اور سکہ ڈھالنے والوں کی اُجرت سے موسوم کرتے تھے۔ اس ٹکس کی مقدار ایک درم فیصدی تھی۔ بسا اوقات باختلاف مقامات یہ ٹکس بھی مختلف ہوتا تھا۔ اور حکومت کو اس مد سے معقول آمدنی ہو رہتی تھی۔

جس مقدار کے سکے کوئی سلطنت مضروب کراتی تھی اُسکی حالت مختلف ہوتی تھی۔ لہٰذا اسبات کا صحیح اندازہ کرنا کہ ہر سلطنت میں اتنے سکے مضروب ہوئے ایک دشوار امر ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے یہاں سکے کی حالتیں بہت کچھ بدلتی رہی تھیں۔ کبھی تو ایک حکومت کے قیام کو کئی کئی سال گذر جاتے تھے۔ مگر وہ اپنا سکہ مضروب نہ کراتی تھی بلکہ کسی دوسری سلطنت کے سکوں سے کام چلاتی رہتی تھی کبھی ایسا ہوتا کہ اپنے یہاں بھی نقود ڈھلواتی اور دوسری حکومتوں کے نقود سے بھی معاملہ کرتی تھی۔ ان سب باتوں کا مفصل بیان تو محال ہے۔ لیکن ہم مثال کے طور پر جو کچھ اس بات کے متعلق ہمیں ملسکا یہاں لکھے دیتے ہیں۔

"نفح الطیب" میں آیا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں جبکہ اُندلس کی حکومت بنی مروان کے قبضہ میں تھی وہاں کے عمال کی سال کی آمدنی جو صرف درہموں اور دینار دن کے ڈھلنے سے حاصل ہوتی تھی۔ ۲۰۰۰۰۰ دینار تک

پہنچ گئی تھی۔ دینار کا تبادلہ سترہ درہموں سے ہوتا تھا۔ ہم اس آمدنی کو ایک فیصدی مال مضروبہ کے اعتبار سے دیکھیں تو محض اُن نقدیات کی مقدار جو اندلس میں مضروب ہوتے تھے ..... ۲۰ دینار ہوتی ہے جو ایک کروڑ گنی کے مساوی ہے اور اُس تعداد کے جو حصہ بڑھکر جو آجکل دولت انگلشیہ میں مضروب کرائی ہے۔ حالانکہ اوسکی عظمت و جبروت تمام عالم میں آشکارا ہے اور وہ اس وقت پورے عروج پر ہے۔ اگر نقود مضروبہ اندلس پر اون سکوں کی تعداد کا بھی اضافہ کیا جائے جو دولت فاطمیہ کے پائے تخت قاہرہ اور حکومت عباسیہ کی دار السلطنت بغداد اور اسکے ماسوا اُن دیگر بڑے بڑے اسلامی شہروں میں جو اُن دونوں حکمرانی کے مرجع بن رہے تھے مضروب ہوتے تھے۔ تو اُن سب سکوکات کی مقدار بڑی بھاری ہو جائیگی۔

اُس زمانہ میں نقود کی ضرب نہایت سادہ حالت میں تھی یعنی ایک لوہے کا سانچہ لیکر اُس میں وہ عبارت جسکا درہم یا دینار پر اُبھارنا مقصود ہوتا اُلٹی نقش کیجاتی۔ پھر سونے یا چاندی کے ٹکڑے جنکا وزن درہم اور دینار کے برابر ہوتا تھا۔ لیکر سانچہ (ٹہپہ) کو اُس پر رکھتے اور اوپر سے ایک بھاری گھن لیکر چوٹ میں لگاتے یہانتک کہ ٹہپہ کے حروف اُس طلائی یا نقرئی ٹکڑے پر نمایاں ہو جاتے۔ پہلے اسی لوہے کے ٹہپے کا نام سکہ رکھا گیا تھا۔ اسکے بعد اُس نشان کو سکہ کہنے لگے۔ جو نقدیات پر بن جاتا تھا۔ پھر اس سے بھی بعد کے زمانہ میں بمعنی منتقل ہو کر اس کام کے انتظام اور انجام دہی کیلئے مستعمل ہونے لگے جو کہ ایک عہدہ تھا۔ لہٰذا یہ لفظ اُس منصب کا علم (مخصوص نام) ہو گیا۔ دار الضرب میں بہت سے چھوٹے بڑے عہدے ہوتے تھے۔ اور انکے علاوہ بہت سے کاریگر تولنے ناپنے ضرب لگانے اور پرکھنے والے وغیرہ۔

طراز طراز (مارکہ) بھی علاماتِ خلافت میں داخل تھا۔ مارکہ کا وجود سلطنتوں میں قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ اہل روم و فارس کے یہاں بھی اسکا استعمال جاری تھا۔ مارکہ کی صورت یہ تھی۔ کہ شاہنشاہ لوگ یا سلاطین اپنے ناموں یا مخصوص علامتوں کو اپنے لباس کے کپڑوں پر جو دیبا یا حریر یا ریشمی قسم کے ہوتے تھے منقوش کراتے۔ مگر اس طور سے کہ گویا وہ کوئی تحریر ہے جو بنا وٹ ہی میں کپڑوں پر لکھدی گئی ہے۔ یہ تحریر کلابتوں یا کپڑے کی زمگت سے کسی مختلف رنگ کے دھاگوں سے بُنی جاتی تھی۔ اسکی وجہ سے اعیان دولت کے یا شاہی لباس میں ایک خاص قسم کا امتیازی فرق پیدا ہو جاتا تھا۔ اور دیکھنے والا سمجھ سکتا تھا کہ اُس لباس کا پہننے والا خود بادشاہ ہے یا اوسکا کوئی عزیز و قریب جیسا کہ آجکل فوجی لوگوں کے لباس میں طرح طرح کی علامتیں ہوتی ہیں کسی کی وردی پر سنہری روپہلی فیتے لگے ہوتے ہیں اوکسی میں زرد تکمے وغیرہ مختلف علامتوں

کا امتیاز رکھا جاتا ہے۔ مثلاً تاج کی تصویرین تلوارون کے نقش یا ستاری وغیرہ بنے ہوتے ہین۔ اور اُنکے عہدون اور مراتب کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

روم اور فارس کے حکمران اپنے یہان کے نامور بادشاہون یا خود اپنی ہی تصویرون کو طراز منڈھا کرتے تھے۔ یا اور اسی وضع کے دیگر نشانات جو حکمرانی پر دلالت کرتے ہوتے تھے۔ مسلمانون نے قیصر وکسریٰ کے تخت پر جلوس کرنیکے بعد عظمت و اقتدار کے زمانہ مین اُنکی پیروی پسند کی لیکن اُنہون نے بعض حدیث کی عبارت مین تصویرون کی حرمت پائی جانیکا خیال کرکے تصویرون کو ترک کردیا۔ اور اونکے بدلے اپنے نام لکھنا یا بعض ایسے کلمون کا منقوش کرانا مناسب سمجھا جو فال یا دعا کے قایم مقام ہون۔

مسلمان شاہنشاہون مین سب سے پہلے جس شخص نے طراز کو عربی زبان مین نقل کیا وہ عبدالملک مروان اموی تھا۔ خلفائے راشدین اپنی اُسی بدویانہ سادگی کے دلدادہ رہے۔ اور اونہون نے اس قسم کی وشکوہ وکہانیکا خیال تک نہین کیا تھا۔ کاروبار خلافت پر بنی امیہ کا قبضہ ہونا اور اونکا اہل روم سے میل جول اس بات کا موجب ہوا کہ مسلمان حکمران بھی حکومت کے اکثر طرز وانداز مین اہل روم کے قدم بقدم چلین۔ اُنہین تقلیدون کے ایک بات یہ بھی تھی کہ روم والون کے کپڑون، باربرداری اور سواری کے جانورون یا قرطاسون پر مارکہ بنا ہوتا تھا۔ (قرطاس۔ ایک قسم کی چادر ہوتی تھی جو ملک مصر مین بنا کرتی تھی اور اوسمہ باندھکر ظروف اور کپڑے ملک عرب کو بھیجے جاتے تھے۔) مسلمانون نے طراز کو بالکل اُسی انداز سے استعمال کرنا شروع کردیا جیسا کہ اہل روم کے یہان مستعمل تھا۔ اور اُسپر کی عبارت بھی رومی زبان ہی مین تحریر ہوتی تھی۔ عبدالملک بن مروان کے عہد تک وہ اسی طریقہ پر عامل رہے جس نے اس طراز کو عربی زبان و خط مین بدلدیا۔ اور اس جدید تغیر کی ابتدا قرطاسون ہی سے شروع کی۔ قرطاس ملک مصر مین بنی جاتی تھی۔ مصر کے اکثر باشندے اُس زمانہ مین اپنے اصلی مذہب عیسائیت ہی کے پابند ہونیکے لحاظ سے قرطاسون پر رومی کا طراز بناتے تھے جسکی عبارت "بسم الاب والابن والروح القدس" ہوتی تھی۔ اسلام کا ظہور ہوا۔ ملک اور شام فتح ہوکر اہل اسلام کے قبضہ مین آگئے لیکن طراز اپنی اُسی اگلی حالت پر قایم رہا۔ عبدالملک اس سے یون مطلع ہوا کہ ایک دن وہ اپنے دربار مین بیٹھا تھا کہ اُسکی نظر کسی قرطاس پر جا پڑی۔ اُس نے دیکھا اُسپر رومی زبان اور خط مین طراز بنا ہے۔ اُسے خیال گذرا کہ اسکے مضمون سے آگاہی حاصل کرے۔ حکم دیا اس عبارت کا عربی مین ترجمہ کیا جائے۔ ترجمہ ہوا اور مضمون سے مطلع ہوکر عبدالملک کو یہ بات نہایت شاق

گزری اور اُس نے کہا "دین اور اسلام کے اندر یہ کیسی سخت اور نازیبا بات ہے کہ قرطاس وغیرہ کا طراز جو ملک مصر میں جانوروں وغیرہ کی شکل میں بنایا جاتا ہے ساری دنیا میں رائج ہے۔ اور اس میں اس قسم کی لغو صورتیں اور باتیں لکھی ہوں" اسکے بعد اس نے اپنے بھائی عبدالعزیز بن مروان کو جو حاکم مصر تھا لکھا کہ اس طراز کو بند کردے جو قرطاس یا کپڑوں پر بنایا جاتا ہے اور جو عبارت اُسپر تحریر ہوتی ہے اُسے توحید کے کلمہ "لا الٰہ الا ھو" سے بدلدے۔ عبدالعزیز نے اپنے حکمران بھائی کے حکم کی تعمیل کی۔ اور اوسکے بعد تمام اسلامی حکومتوں میں یہی طراز مستعمل رہا۔ اُسکی اصل صورت میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا۔ نیز عبدالملک نے اپنے ملک کے تمام عاملوں کو حکم بھیجا کہ اہل روم کے طراز سے آراستہ قرطاس جسقدر اُنکی حدود اثر میں دستیاب ہوں اُن سب کو تلف کردیں اور آیندہ جس شخص کو ایسے قرطاس کا استعمال کرتے دیکھیں اُسے بڑی بھاری قید اور سخت مضرب کی سزا دیجایا کرے۔ +

اس امتناعی حکم کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جس قدر رومی طراز بنے ہوئے قرطاس اور دیگر سامان اسلامی ممالک میں فروخت کی غرض سے موجود تھے وہ سب بیکار ہوکر ممالک روم کو واپس گئے اور نیز نئی ساخت کے قرطاس بھی رواج پاکر ملک روم میں پہونچے۔ شاہنشاہ روم کو اس بڑے انقلاب کی اطلاع ملی۔ اور جب وہ اسلامی وضع کے قرطاسوں پر لکھی ہوئی عبارت سے مطلع ہوا تو اُسے بہت غصہ آیا۔ جوش غضب میں اُس نے عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ: "ملک مصر میں قرطاسوں کا بنانا اہل روم کے ہاتھ ہے اور وہاں جتنی چیزوں پر طراز بنایا جاتا ہے وہ سب رومی زبان میں منتقش ہے۔ یہ قاعدہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ پس اگر تمسے پہلے خلفاء اس عمل کے جاری رکھنے میں حق پر تھے تو تم نے بڑی غلطی کی ہے کہ اسے باطل کردیا اور اگر تم نے امر حق کو رائج کیا ہے تو تمکو ماننا پڑے گا کہ تمہارے اگلے پیشوا غلطی پر تھے۔ اب تمکو اختیار ہے کہ ان دو الزاموں میں سے جونسا پسند کرو اپنے اوپر لیلو!" اس شتعال دلانیوالی تحریر کے ساتھ ہی کچھ دوستانہ تحفے بھی روانہ کئے جن سے مقصود یہ تھا کہ عبدالملک خوش ہوکر اگلے طراز کو رائج رکھے عبدالملک نے ہدیہ واپس کردیا اور سفیر روم کو صاف جواب دیدیا کہ "میں اپنے فرمان کی تردید نہیں کرونگا" دوبارہ قیصر روم نے اور بہت سے عمدہ عمدہ تحائف نذر کرکے اُسی قدیم طراز کا رواج چاہا۔ اور اپنی تحریر کا مناسب جواب طلب کیا۔ عبدالملک نے کوئی جواب نہیں لکھا۔ اسپر شاہنشاہ روم کو اور بھی جوش آیا۔ اور اُس نے عبدالملک کو یہ دھمکی دی کہ اگر میری بات نہ مانوگے تو میں تمہارے نبی عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے خلاف شان الفاظ

منقوش کراتے تھے۔ یہ کتابیں عبدالملک کے چونکا دینے اور اہل اسلامی نقود بنوانے کی محرک ہوئی جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ قرطاسون کا معاملہ تو یہ تھا جس سے ظاہر ہوگیا کہ اہل اسلام کپڑوں پر طراز بنانے کے لئے اُسی وقت سے متنبہ ہو چکے تھے۔ اونہون نے فوجی سپاہیون کے اور عہدہ داران سلطنت کے لباسون پر حکومت کا بنایا جو کہ خلیفہ کا نام یا اوسکا لقب ہوا کرتا تھا یا اسی کے مثل کوئی اور عبارت۔ اس طراز کا علامات حکومت یعنی علمون جھنڈون اور وردیون پر باقی رہنا اُسکے قیام اور بقار پر دلالت کرتا ہے اسلیئے جب کوئی والی (حاکم صوبہ) خلیفہ کی اطاعت سے نکلنے کا قصد کرتا تو اُسکا خطبہ بند کر دیتا۔ اور طراز سے اُسکے نام کو خارج کر دیا کرتا تھا۔ جیسا مامون الرشید نے اپنے گورنر خراسان ہونیکے زمانہ مین کیا تھا۔ جب اُسے یہ خبر لگی کہ اسکے بھائی امین نے خلیفہ تھا اوسکی بیعت کا عہد توڑ ڈالا ہے تو وہ بھی باغی بن بیٹھا۔ اور اپنے حق کا مطالبہ کرنیکے لئے جنگ پر تیار ہوا۔ خلفاء نے اپنے قصرون مین طراز بنانیکے بڑے بڑے کارخانے کھولے تھے جن مین اُن کے خاص لباس بُنے جاتے تھے۔ اور اونپر اس طراز کو منقوش کیا جاتا تھا۔ اس کارخانہ کا نگران اور منتظم (صاحب الطراز) کے نام سے موسوم ہوتا تھا۔ صاحب الطراز۔ رنگ اوزار اور بُننے والون کے کام کا نگران ہوتا تھا اور مزدوری اور تنخواہین تقسیم کراتا۔ اور اونکی کارگزاریون کو اپنے ذریعہ سے بارگاہ خلافت مین پیش کرتا خلفا کا اصول تھا کہ اس کارخانہ کا کاروبار اپنے خاص الخاص اراکین دولت اور معتبر غلامون کے سپرد کیا کرتے اندلس مین دولت امویہ اور مصر مین حکومت فاطمیہ نے بھی اسی طریقہ پر عمل کیا۔ اور اُس زمانہ مین جو اور شاہان عجم حکمران تھے اُنکے یہان بھی یہی حالت تھی۔

حکومت بنی فاطمہ کے عہد مین جس مکان کو دار الکسوۃ کے نام سے نامزد کرتے تھے وہ بھی اسی قسم کا ایک کارخانہ تھا۔ اُس مین طرح طرح کے پہننے کے کپڑے اور بُنے ہوئے دیگر پارچات تیار ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ اُس کارخانہ سے جس قدر کپڑے ایک سال مین بنکر نکلتے تھے اُنکی قیمت ۶۰۰۰۰ دینار ہوتی تھی خلفائے بنو فاطمہ اپنے دربار کے امیرونکو دیبقی پوشاک اور سنہری طراز بنے ہوئے عمامے کا خلعت عطا کرتے تھے۔ اس طراز و عمامہ کی قیمت پانچسو دینار ہوتی تھی۔ مذکورہ بالا حکومت کے حکمران سال مین دو مرتبہ تقسیم کرتے تھے۔ ایک دفعہ گرمی کا لباس اور دوسری دفعہ سردی کا یہ کپڑے ادنی خادمون سے لیکر امرا بارگاہ خلافت تک سب کو حسب لیاقت ملتے تھے۔ اور عمامہ سے لیکر پائجامون تک پورا لباس ہر شخص کو ملتا ۵۱۶ھ مین جتنے قطعات پارچہ کے اُس کارخانہ سے برآمد ہوئے اونکی تعداد ۳۰۵۱۴ تھی۔ اور مقریزی

مین ایک خاص فصل ہے جسمین صرف اُن لباسون کی قسمین بیان کیگئی ہین جو مذکورۂ بالا کارخانہ سے تقسیم ہوتے تھے۔

اسلامی حکومتون مین طراز بافی کے کارخانے اُسی پیمانہ پر برابر قایم رہے جو اوپر بیان ہوچکا ہے لیکن جبکہ اس حکومت کا دایرہ اقتدار تنگ ہوکر اُسکی قوت کمزوری سے بدلگئی اور اوسکی بہت سے قوی شاخین پھوٹ نکلنے سے طوایف الملوکی کی سی حالت پیدا ہوگئی تو اکثر حکومتون مین سے یہ کاربار ناپید ہوگیا۔ مگر طراز بذات خاص باقی رہا۔ اُسکا وجود اُن کے لباسون پر حسب معمول ضرور ہوتا تھا۔ لیکن اب وہ کارخانے قایم کرکے نہین بنوائے جاتے تھے بلکہ جس قدر درکار ہوتے ملک کے کاریگرون سے ریشم یا سنہری سچے کام کے بنوالئے جاتے تھے۔ اور وہ "مزرکش" کے نام سے موسوم ہوتے تھے۔ جنپر سلطان یا امیر کا نام کاڑھا ہوا ہوتا تھا۔ سلاطین ممالیک (غلام سلاطین) نے مصر مین اسی طرح کام چلایا۔ دولت علیہ عثمانیہ کے عہد مین عثمانی طغرا کا نقش اور فوجی افسرونکی وردیون کے سنہری فیتے اور دیگر منصبداران سلطنت کے نشانات اور علامتین دوسری حکومتون سے کچھ کچھ مشابہت رکھتی ہین۔

دولت عثمانیہ کے یہان کا ہلال ایک ایسی علامت ہے جسکے مقابل ہم خلفاء کے عہد مین کوئی چیز معلوم نہین کرسکے۔ ہان جھنڈون کا رنگ البتہ ہر ایک خاندان کے خلفاء نے جدا جدا رکھا تھا۔ اور وہ رنگ اُسی کے ساتھ مخصوص رہا۔ جسکا مفصل ذکر آگے چلکر آجائیگا۔ اور ظاہر ایہ قیاس مین آتا ہے کہ وہ لوگ اپنے جھنڈون اور نشانون پر خلفاء کا نام یا اونکے القاب لکھتے تھے۔ اور یہی نام ولقب جس طرح نقدیات پر منقوش ہوتا تھا اُسی انداز سے اُنکے فوجی نشانات اور اسلحہ پر بھی۔



(اسم السلطان)

ابن خلکان نے عزیز باللہ فاطمی کی سوانح عمری مین لکھا ہے کہ اُسکی مملکت بہت وسیع تھی۔ حمص۔ حماۃ۔ شیزر۔ اور حلب وغیرہ مقامات اُسکے مفتوحات مین داخل ہوگئے تھے اور مقلد بن مسیب فرمانروائے موصل نے اپنے دارالحکومت مین عزیز باللہ کا خطبہ پڑھا۔ اُسکا نام سکون اور دیگر نشانات حکومت پر کھُدوایا۔ بحکم کے بغداد پر قبضہ کرلینے کے بیان مین بھی لکھا ہے کہ "دواین" (دوات) کی خدمت مین

حاضر ہوا۔ اور اوسکی نسبت سے اپنے فوجی نشان پر "رائقی" لکھوایا۔ اِس سے ظاہر ہے کہ فوجی نشان اور دوسری علامتون پر نامون کا طراز بنوانا جو اوائل اسلام مین صرف خلفاء کے ساتھہ مخصوص تہا بعد ازان اُس کا تمام امیرون اور طاقتور لوگون مین رواج پڑگیا۔

شخت سلطنت۔ منبر۔ سریر۔ اور کرسی کو بہی مورخین نے حکومت کی نشانیون مین شمار کیا ہے۔ اور یہ بہی ذکر کیا ہے کہ آلاتِ حرب یعنی جہنڈیان اور فوجی نشانات اور فوجی باجے بہی جنکا بیان فوج کے باب مین آئے گا شاراتِ خلافت مین سے شمار ہوتے تھے۔

ولایت اعمال

اسلام سے قبل ولایت کی حالت کیا تھی؟ ولایت صوبون کی گورنری کو کہتے ہین۔ سلطان یا بادشاہ ملکون کے انتظام کیلئے کسی کو اپنا قایم مقام مقرر کرتا ہے۔ ایسے قایم مقام کو اہل عرب کی اصطلاح مین عامل اور اوراس عہدہ کو "عمل" بولتے ہین۔ یہ امر حکومت کا قدیم طرز ہے۔ جن دنون اہل اسلام نے ملک شام کو فتح کیا ہے۔ وہ رومی حکومت کا ایک صوبہ تہا جسکا نام اہل روم نے ولایت شرق رکہا تہا۔ اس صوبہ کی تقسیم گیارہ اقلیمون پر کی گئی تہی۔ جن مین سے ہر ایک اقلیم کے ماتحت متعدد شہر تہے۔ اور نیز ہر ایک کا ایک ایک صدر مقام بہی تہا۔ چنانچہ اس موقع پر ہم ایک جدول مین اُن اقلیمون کے نام۔ اُنکے ماتحت شہرون کی تعداد اور اون کے صدر مقامات کے نام درج کرتے ہین جو حسب ذیل ہین:۔

نمبر	اقلیم کا نام	ماتحت شہرون کی تعداد	صدر مقام
۱	سوریا اول	۹	انطاکیہ
۲	" دوم	۷	حماۃ
۳	" سوم	۱۳	منبج
۴	فینیقیہ اول یا البحریہ	۱۲	صور
۵	" دوم یا لبنانیہ	۱۳	دمشق

نمبر	اقلیم کا نام	تعداد شہر فوجی	صدر مقام
۶	عربیہ۔ حوران۔	۱۴	بصری۔
۷	الجزیرہ یا بین النہرین	۱۳	دیار بکر
۸	اسروانا۔	۱۲	اورفا
۹	فلسطین اولی	۶	قیساریہ
۱۰	〃 ثانیہ		بیسان
۱۱	〃 ثالثہ		بطرا حجریہ

انمین سے ہر ایک اقلیم کا ایک حاکم یا عامل ہوتا تھا جو غالباً بطریق کے فرقہ سے ہوتا ہوگا۔ اہل روم کے یہاں بطریک لوگون کے علاوہ ایک اور معزز فرقہ تھا جس نے شہر روستہ الکبار کے ساتھ ساتھ نشو ونما پائی تھی اور رومن امپائر کے دورمین اُسکا اقتدار واثر بہت کچھ بڑھا ہوا تھا۔ اس فرقہ کے لوگ جاثلیق کہلاتے تھے پکارے جاتے تھے جس وقت رومانی حکومت کے حصے بخرے ہو گئے۔ یہ شرفا کا گروہ ہی بادشاہ گر دیوتا پہیرمین آگیا اور اسکا جاہ وجلال چھن گیا۔ حکومت کے تمام اہم کاروبار جو ان ہی بطریقون کے ہاتھ مین ہا کرتے تھے۔ اُنکے قابو سے نکل گئے۔ اور آیندہ کے لئے یہ لوگ اُن سے محروم ہو گئے۔ لیکن جس زمانہ مین روم امپائر کی فتوحات کا سلسلہ مشرقی ممالک مین شروع ہوا۔ اور گورنمنٹ روما کو ان جدید مفتوح ملکون مین گورنر کے مقرر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ گروہ بطارقہ کا اختر بخت بھی چمکا۔ اور چونکہ اس گروہ کے لوگ دبنگ منتظم اور لایق ہونیکی وجہ سے حکومت کے شایان تھے۔ لہذا اُن سے بڑھکر اور کسی گھرانے کے لوگ اس کام کے لئے موزون نہ پائے گئے۔ اُنکو جدید ممالک مقبوضہ مین بڑے بڑے عہدے ملنے لگے۔ انہی مقبوضہ مقامات مین ممالک مصر وشام بھی معہ اپنے قرب وجوار کے داخل تھے۔ ملک شام کی ہر ایک اقلیم پر ایک افسر اعلے ہوتا تھا جو صدر مقام مین مقیم اور فوج۔ سامان جنگ اور قلعہ پر متصرف رہتا تھا۔ ان سب اقلیم پر ایک اور اعلے حاکم ہوتا تھا۔ جیسے آجکل ملک ہندوستان مین ہر ایکلسنسی وائسرائے بہادر ہین اُسے صوبون کے گورنرون کی برطرفی وبحالی فوجی نقل وحرکت کا اختیار تھا۔ اور وصول خراج تقسیم تنخواہ وغیرہ ملکی وبارکنا پر اُسی کو حق بھی اسی کو حاصل ہوتا تھا۔ اس اعلی حاکم کا قیام الفاکیہ مین رہتا تھا اور وہین سے وہ تمام ماتحت حکام کے نام احکام ہدایات شایع کیا کرتا تھا۔ ملک مصر کی انتظامی حالت بھی اسی انداز پر تھی۔ اور وہان

افسر بالادست اسکندریہ مین قیام رکھتا تھا۔

ملک عراق اور ممالک فارس کے نظم ونسق کا بھی یہی ڈھنگ تھا۔ اور اکثر حالتون مین ان ملکون کے حکام بہ نسبت حکام مصر وشام کے زیادہ تر پابند قیود وضوابط ہوتے تھے۔ کیونکہ پائے تخت انکی ولایت قریب تھا اور انہین براہ راست دربار شاہنشاہی سے حکم واحکام ملتے رہتے تھے۔

اسلامی دورمین والیون کے تقرر کی صورت

اسلام کے ظہور اور مسلمانون کے فتوحات کیطرف متوجہ ہونیکے زمانے قاعدہ یہ تھا کہ جو سردار فوج کسی مقام کے فتح کرنیکے لئے بھیجا جاتا۔ روانگی پہلے ہی اُسکو اُس مقام کا والی بھی مقرر کر دیا جاتا تھا۔ یا مشروط کر دیا جاتا کہ اس مقام کو فتح کر لیگا تو وہاں کا جائیگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مین بھی اسی طرز پر عملدرآمد رہچکا تھا چنانچہ رسول کریم نے سنہ ۸ ہجری مین ابا زید انصاری اور عمرو بن العاص رض کو ایک تحریر دعوت اسلام سے متعلق حوالہ فرما کر سفر پر چلتے وقت حسب ذیل ہدایت فرمائی تھی:-

"اگر لوگ حق کی شہادت دین اور خدا اور رسول کی اطاعت منظور کر لین تو عمرو بن العاص رض امیر رہیں اور اُنکو نماز پڑھانے اور سُنن وقرآن کی تعلیم دینے کی خدمت انجام دین" چنانچہ اسی وصیت کے مطابق عمل کیا گیا

حضرت ابوبکر رض کے عہد حکومت مین جب ممالک شام کے فتح کرنیکے لئے اسلامی فوجین روانہ لگین تو صدیق اکبر رض کا بھی یہ دستور تھا کہ کسی شہر یا ملک کے فتح کرنیکے لئے جس شخص کے ہاتھ مین فوجی افسر نشان عطا فرماتے تھے اُسے پہلے ہی سے وہان کا حاکم بھی مقرر فرما دیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپنے سب سے اول جو ملک شام کو روانہ کی اُسکی روانگی کیوقت اسی طریق پر عمل کیا تھا۔ اس لشکر کے تین حصے تھے۔ اور ہر ایک حصہ پر ایک علحدہ افسر بنایا تھا جنکو ایک ایک ملک کے فتح کرنیکی ہدایت کیگئی تھی۔ ایک نشان عمرو بن العاص رض کو دیکر اُنہین حکم دیا تھا کہ "ایلیا راستہ سے فلسطین پر حملہ آور ہون۔ دوسرا نشان یزید بن ابی سفیان رض کو سپرد فرما کر ہدایت کی تھی کہ "تبوک" کی راہ سے دمشق پر بڑھ اور تیسرا نشان شرحبیل بن حسنہ کے حوالہ کر کے انکو اسبات کا ایما فرمایا تھا کہ وہ بھی "تبوک" ہی کی راہ سے اردن پر دھاوا کر ان تینون صاحبون مین سے ہر ایک کو اُسی ملک کا والی وحاکم بھی بنا دیا گیا تھا جسکے فتح کرنے پر وہ مامور تھے۔ اور یہ حکم ملا تھا کہ "اگر ایک دوسرے سے جدا ہونے کے قبل کوئی جنگ کرنی پڑے تو اُس وقت دو سب پر امیر ہوگا جسکے ملک مین تم موجود ہوگے"

عمر بن الخطاب رض نے مسند آرائے خلافت ہو کر ابو عبیدہ بن الجراح رض کو ملک شام کا حاکم مطلق اور بالادست افسر مقرر

اور حالت جنگ و امن دونون مین اور امیرون کی نسبت اُن کے احکام کی پابندی کرنے کا فرمان صادر کیا تھا یہ کام اُس حالت سے بالکل مشابہ تہا جو اسلامی فتوحات سے قبل ملک شام مین پائی جاتی تہی یعنی یہ کہ ہر اقلیم ایک جُداگانہ عامل ہونے کے علاوہ تمام اقلیمون کے حکام پر ایک اور بالادست حاکم ہوتا تہا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ فرق صرف اس قدر رکھا گیا کہ رومی حاکم بالادست انطاکیہ مین مقیم رہتا تہا۔ اور مسلمانون نے دمشق کو ملک شام کا دارالسلطنت قرار دیا۔ اسلئے کہ یہ شہر ساحل بحر سے دور اور ممالک عرب سے نزدیک ہونے کے علاوہ حضرت عمر رضہ کی اس خواہش کے بہی مطابق تہا کہ مسلمان ایسے مقام پر قیام نہ کرین جسکی وجہ سے اُن اور دیگر مسلمانون کے مابین دریا حائل ہو۔ اس بات کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

اسلامی حکومت کے پہلے دور مین ولایت اعمال (گورنری) بہ نسبت ملک پر قابض و متصرف بنجانے کے محض فوجی مداخلت سے زیادہ ملتی جلتی تہی۔ عاملون یا والیون سے وہ فوجی افسر مراد ہوا کرتے تہے جو فتوحہ ملک کے قرب و جوار مین قیام رکہتے تہے۔ اور جنکو رابطہ یا۔ حامیہ کے لقب سے ملقب کر سکتے ہین۔ اسلامی فوجین بہ سی جمعیتون پر منقسم تہین جو ایسے مقامات پر فوجی چہاونیون مین مقیم رہتی تہین کہ وہ بہ نسبت ساحلی مقامات اور دریائی راستون کے صحرا اور دق و دق بیابانون سے زیادہ قریب ہون۔ اس طرز عمل کے اسباب ہم نے پہلے ہی خوب مفصل بیان کر دیئے ہین۔ لہذا اونکے اعادہ کرنے کی ضرورت نہین۔ شامی افواج کے چار دستے تہے۔ یہ دستے۔ دمشق۔ اردن حمص۔ اور فلسطین مین مقیم رہتے تہے۔ اسی وجہ سے اُن اقلیمون کا نام اجناد رکہا گیا تہا۔ ملک عراق کی فوجی جمعیتون کا قیام کوفہ اور بصرہ مین رہتا تہا۔ اور مصری سپاہ فسطاط اور اسکندریہ کے قرب و جوار مین۔ یہ فوجی جمعیتین بستیون اور شہرون مین نہین رہتی تہین اور نہ اہل ملک سے ملنے جلنے پاتی تہین عمر بن الخطاب رضہ نے انکو کاشتکاری مین مصروف ہونے سے بہی نہایت سختی کے ساتہہ روکا تہا۔ وہ محض اپنی چہاونیون مین مقیم رہتے اور بہار کا موسم آتے ہی اپنے گہوڑون کو سائیسون اور غلامون کے ہمراہ دیہات مین چرانے چگانے کو بہیج دیتے۔ مزید نگرانی کے لئے احتیاطاً کچہہ سوار اور چند افسر بہی گلون کے ہمراہ جایا کرتے تہے۔ اونکو گہوڑون کی پرداخت کا خیال تمام باتون سے مقدم تہا۔ اونکی تیاری اور نگرانی کا کام بہ سرگرمی سے کیا کرتے۔ ایکبار امیر عمرو بن العاص نے ملک مصر مین اپنی فوج کے افسرون سے یون کہا کہ "مجہکو اس بات کا علم نہ ہونے پائے کہ تم نے کسی شخص کے گہوڑے کو دُبلا اور اُس شخص کو موٹا تازہ دیکہکر مجہسے اطلاع نہین کی ہے۔ مین گہوڑونکا معائنہ بہی اُسی طور پر کرونگا جس طرح فوجی جوانون کا معائنہ کرتا رہتا ہون"

جس شخص کے گھوڑے کو لاغر دیکھونگا۔ اُسکی تنخواہ گھٹا دونگا۔ اور اوسکا انعام کم کردونگا۔

عمرو بن العاصؓ کا دستور تھا کہ موسم بہار شروع ہوتے ہی فوجی دستون کو اُن کے حسب دلخواہ مقامون پر بہار کے دن بسر کرنے اور روز رشین کرنے اور دو وہ پینے کے لیئے بھیجنے کا فرمان صادر کردیا کرتے تھے اہل عرب اپنے اپنے قبیلون اور فوجی نشانون کے ماتحت ہوکر ملک مصر کے دیہات مین پھیل جاتے۔ اور منوف۔ سمنود۔ رہناس۔ اور طحا وغیرہ موضعے اونکے رہنے کے لئے اکثر مخصوص ہوا کرتے تھے اور ان مقامات پر بکثرت عربی قبائل بہار کا موسم گزارتے تھے۔ چونکہ اسلامی فوج کے جوان (اہل عرب) عام ملکی رعایا سے ملنے جلنے نہیں پاتے تھے۔ لہذا ملک مصر کی بستیان رومیون اور قبطیون سے آباد تھین۔ اور اون مین پہلی صدی ہجری تک اسلام کی اشاعت مطلقاً نہین ہوئی تھی۔ ہجرت کی ایک صدی گزر جانے کے بعد اسلامی حکومت کا ڈھنگ بدل چلا اور اسی وجہ سے ملک مصر کے دیہات مین مذہب اسلام کا پھیلنا شروع ہوگیا۔ اگرچہ دوسری صدی ہجری کے وسط مین دین اسلام کی اشاعت قریباً دوگنی ہوگئی تھی۔ تاہم غیر مذہب ملکی رعایا کے مقابلہ مین اہل اسلام کی تعداد بہت کم تھی تیسری صدی کے آغاز مین یہ نسبت پلٹی۔ اور اہل اسلام کی تعداد غیر مذہب رعایا سے بڑھ گئی۔ ہمارے کلام کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ تیسری صدی ہجری سے پہلے ملک مصر کے دیہات مین مسلمانون نے مسجدین نہین بنائی تھین۔ اور نیز اس سے قبل جب کبھی قبطی لوگ عہد شکنی کر بیٹھتے تھے تو مسلمانون کو سخت دقت کا سامنا ہوتا۔ اور اُنہین بدقت تمام زیر کرسکتے تھے۔ یہ حالت ایک زمانہ تک قایم رہی۔ سنہ ۲۱۶ھ مین خلیفہ مامون الرشید عباسی نے ملک مصر پر حملہ کرکے اُسپر تسلط کرلیا۔ اُس وقت سے مصر کے دیہات مین اسلام کی اشاعت بہت تیزی کے ساتھ ہونے لگی۔ اندلس کی حالت کو بھی اسی طرز پر قیاس کرنا چاہیئے مسلمانون نے اس ملک کو سنہ ۹۲ھ مین فتح کرکے وہان کے اصلی باشندون کو اونکی حالت پر چھوڑ دیا۔ ملکی انتظام حکومت صنعت و حرفت۔ مراسم مذہبی و عبادت۔ غرضکہ اُنکے تمام رسم و رواج کو قایم رکھا اور کل کاروبار اُنہین کے ہاتھون مین تفویض کرکے خود فاتح ہونیکی حیثیت سے محض عام افسری اور فوجی طاقت پر متصرف رہنے پر ہی بس کیا۔

اوایل اسلام مین عاملون کی جو حالت تھی وہ ہم مفصل بیان کرچکے ہین۔ لیکن جو مقامات مرکز خلافت کے نزدیک واقع تھے اُن کی کیفیت مذکورہ بالا حالت سے جداگانہ تھی۔ مثلاً بنو امیہ کے عہد مین شام کا ملک اور بنو عباس کے دور مین عراق کا ملک مقبوضہ ممالک کی حیثیت رکھتے تھے۔

خلفائے راشدین کے مبارک زمانہ مین جو لوگ افسر فوج ہوتے وہی عامل بھی ہوا کرتے تھے۔ اور وہ خود

ہی اُس ملک کے فاتح بھی ہوتے تھے۔ اُن کے فرایض اکثر حالتون مین حسب ذیل ہوا کرتے تھے:۔
ممالک مفتوحہ کی نگرانی و انتظام۔ اقامت نماز۔ وصولی خراج۔
ہمنے تواریخ کے بعض اور موقعون پر یہ بات بھی دیکھی ہے کہ مصر شام۔ اور عراق کے ممالک مفتوحہ مین کاروبار سلطنت اسلامی فتوحات کے بعد بھی مدت تک اُسی نہج پر جاری رہے جس پر پہلے سے چلے آتے تھے چنانچہ عہد بنوامیہ کے وسط تک یہی کیفیت رہتی چلی آئی۔ یون تو خلفائے راشدین کے آخری زمانہ سے ولایت اعمال نے مقامی حکومتون کی صورت اختیار کر لی تھی۔ مگر عبدالملک بن مروان نے اپنے عہد مین ملکی دفاتر کو عربی زبان مین منتقل کرنے اور اوسکے کاروبار کو مسلمان عمّال کے ہاتھمین دیدینے سے اسلامی تسلط اور حکمرانی کو مکمل کر دیا۔ اسکے بعد ملکی عہدون کی قسمین مقرر ہوئین اور وقت و موقعے کے لحاظ سے رفتہ رفتہ اُن کے بھی مختلف درجے قایم ہوتے گئے۔ اِن سب مرتبون اور منصبون کی اصل صرف دو طرح کے عہدے یا حکومتین تھین (۱) امارت عامہ (۲) امارت خاصہ۔ اور امارت عامہ کی بھی دو صورتین تھین۔ (۱) امارت استکفاء۔ (۲) امارت استیلاء

امارت استکفاء امارت استکفاء یا امارت تفویض وہ عہدہ تھا جسے خلیفہ وقت کسی اپنے کنبہ والے کو سپرد فرما کر اُسے کسی اقلیم کے باشندون کے جان و مال کا حاکم مطلق مقرر کر دیتا تھا۔ ایسے حاکم کے اختیارات اُس ملک مین بطور خود سر حکمران کے نافذ رہتے۔ اور وہ سات ضروری امور ذیل کا عام نگران رہا کرتا تھا:۔
(۱) فوجی نظم و ترتیب۔ اُنکا نواحی بلاد مین اور سرحدون پر مناسب طریقہ سے رکھنا اور اگر خلیفہ نے خود نہ کی ہون تو اونکی تنخواہین مقرر کرنا۔ (۲) کاروبار حکومت کی نگرانی۔ ماتحت حاکمون اور قاضیون کا تقرر۔ (۳) وصولی خراج فراہمی صدقات (زکوٰۃ) اور ان دونون صیغون کے عامل مقرر کرنا نیز مستحق لوگون پر اُسکا تقسیم کرانا۔ (۴) دین کی حمایت کرنا اور خلافت کی عزت و عظمت قایم رکھنا۔ (۵) شرعی سزائین جاری کرنا۔ (۶) نماز کی امامت۔ (۷) حاجیون کی روانگی کا اہتمام اور اونکے سفر مین سہولت و حفاظت کا بندوبست کرنا۔ ان اُمور کے علاوہ اگر اُسکا ماتحت صوبہ غیر مذہب والے غنیم کے حملون سے پامال رہتا ہو تو اُسے ایک آٹھوین بات یعنی اُس غنیم سے جہاد کرنے کا بھی پابند ہونا پڑتا تھا۔ جہاد مین جس قدر لوٹ کا مال ہاتھ لگتا اُسے اہل خمس کیلئے پانچوان حصہ نکالنے کے بعد فوجون مین تقسیم کرنا ہوتا تھا جسکا مفصل بیان فوج اور مال کے باب مین دیکھنا چاہیئے۔ اکثر اسلامی ولایتون مین اسی صورت سے حکمرانی ہوتی تھی۔ اور خصوصًا جبکہ وہ مقامات اور اقلیمین مرکز خلافت سے دور ہوتین جسکی مثال بنوامیہ کے عہد حکومت مین ملک عراق اور بنوعباس کے زمانہ مین ملک شام تھی۔ اور ان دونون حکومتون کے عہد مین

خراسان کا صوبہ۔ بنوامیہ کے عہد مین ملک عراق کے زیادہ تر مشہور عمال استکفار نوبت بہ نوبت حسب ذیل ہے۔ زیاد بن ابیہ۔ عبیداللہ بن زیاد۔ بشر بن مروان۔ حجاج بن یوسف۔ یزید بن مہلب و مسلمہ بن عبدالملک۔ عمر بن ہبیرہ۔ خالد بن عبداللہ قسری۔ یوسف بن عمر ثقفی۔ عبداللہ بن عمرو بن عبدالعزیز۔ و یزید ابن عمرو بن ہبیرہ۔ +

امارت عراق کا نام باین وجہ کہ وہ کوفہ اور بصرہ دونون ولایتون پر مشتمل تھی "امارت عراقین" بھی مشہور تھا۔ ان امیرون مین سے ہر ایک اپنے اپنے ملک پر خود سر اور مستقل حکمران کیطرح متصرف ہوتا تھا۔ جیساکہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ وہ ماتحت ملکون پر عامل مقرر کرتا۔ خراج وصول کرکے اپنی ماتحت فوجونکی تنخواہین بانٹتا۔ ملکی ضرورتون مین صرف کرتا۔ بقیہ کے مصارف کرتا۔ پل بنواتا۔ نہرین کھدواتا۔ اور ایسی ہی دیگر مفید کامون مین خرچ کیا کرتا تھا۔ اور سالتمام پر بچی کھچی رقم ملک شام کے بیت المال مین ارسال کردیتا۔ ملک مصر مین بھی یہی حالت تھی وہان کا عامل عمال استکفار کے گروہ مین سے ہوتا تھا۔ ملک مصر کے عامل کی ایسی حالت امیر عمرو بن العاص رض کے عہد سے قایم ہوئی تھی اور اونکے بعد بھی برقرار رہی۔ بسا اوقات ملک مصر کا عامل دوسرے ملکون کے عاملون کی نسبت مستقل حکمرانی کی حیثیت مین بڑا ہوا ہوتا تھا۔ خصوصًا امیر عمرو بن العاص رض کو بذات خاص اسوقت بہت کچھ اختیارات اور مطلق العنانی حاصل تھی جبکہ وہ دوسری مرتبہ امیر معاویہ رض کے حکم سے وہان کے حاکم مقرر ہوئے ہین۔ کیونکہ اونہون نے امیر مذکور کو بمقابلہ امام علی بن ابی طالب رض کے بڑی بھاری امداد دیکر اونکو کامیابی سے ہم آغوش کیا تھا۔ نیز امیر معاویہ رض نے زیاد بن ابیہ کو گورنر خراسان اور مغیرہ بن شعبہ رض کو گورنر کوفہ بنالتے وقت ان دونون کو بھی بہت سی مراعات دی تھین۔ اسلئے کہ ملک عرب کے یہ تینون چیدہ مدبر اور پالیٹیز اُن کے زبردست حواریون مین داخل تھے اور امیر موصوف اُنہین دنیاوی مال وجاہ کی طمع مین رکھکر اپنا طرفدار بنائے رکھنا ضروری خیال کرتے تھے۔

بنوعباس کا دور شروع ہوا تو اونہون نے بھی ایسا ہی برتاؤ اختیار کیا۔ لیکن یہ لوگ ملک عراق کی خود مختار حکومت عاملون کو نہین دیتے تھے۔ کیونکہ وہ مرکز خلافت سے قریب تھا۔ البتہ دور دراز ملکون مین اونکو بھی خود سر حکمرانون کے تقرر سے چارہ نہ تھا۔ مثلاً ملک شام۔ مصر۔ خراسان اور ملک عراق کا مشرقی حصہ ترکستان اور ماوراء النہر کی حدود تک ان سب صوبون مین وہ بھی بااختیار عامل بھیجتے تھے۔ برامکہ کو عباسیہ حکومت مین بہت کچھ رسوخ اور اقتدار حاصل ہوگیا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ان مین سے ایک شخص جعفر بن یحییٰ کو اپنا رضاعی بیٹا بنالیا تھا۔ اور اسکے دوسرے بھائی فضل بن

یحییٰ کو شروان سے ملک ترکستان کی حدود تک کل مشرقی صوبجات کا عامل بنا دیا تھا۔ یہ تقرر ۱۷۶ھ مین کیا گیا جسکے دو سال بعد تک وہ مین قیام رہنیکے بعد ممالک شام اور افریقیہ وغیرہ مین بطور خود عامل مقرر کئے۔ فضل نے اپنے پائے تخت خراسان مین جاکر وہان چند روز قیام کیا۔ اور وہان کے ضروری معاملات ٹھیک کرکے انتظامات ملکی و مالی کو درست کرتا رہا۔ اسکے بعد اپنے قایم مقام ماتحت حاکمون کا تقرر کرکے خود عراق کو پلٹ آیا۔ اور آستان خلافت پر حاضر رہنے لگا۔ عباسی حکومت کے دور مین اکثر ایسی صورتین پیش آیا کرتی تہین کہ خلیفۂ وقت اپنے کسی مقرب کو کہین کا والی مقرر کرتا۔ اور وہ شخص اون ممالک مین اپنا نائب بھیجکر خود دربار خلافت مین حاضر باش رہتا۔ یہی امارۃ استکفاء منجملہ اون اسباب کے ایک نہایت قوی سبب تہی جنہون نے آخر کار دولت عباسیہ کے پرخچے اڑا دیئے اور بہت سی مستقل حکومتین قایم ہوکر طوائف الملوکی کی صورت پیدا ہوگئی۔ اسکی وجہ یہ تہی کہ والی (گورنر) اپنی ولایت مین در اصل خود مختار اور مطلق العنان حاکم کی حیثیت سے رہتا تہا۔ چند محض نمایشی اور خفیف باتون کے سوا اُسپر خلیفہ کا کوئی دباؤ نہین پڑتا تہا مثلاً سالانہ ہدیہ کچھ خراج کا دربار خلافت مین بھیجدینا یا خطبہ و سکہ مین خلیفہ کا نام رکہنا یا ایسے ہی چند اور امور جو اسکے بڑہتے ہوئے ارادون کو کسی طرح روک نہین سکتے تہے۔ اور جنکی وجہ سے وہ برائے نام خلیفہ کا ماتحت کہلا سکتا تہا۔ جب کوئی والی مدبر اور چالباز ہوتا اور دیکہتا کہ خلیفۂ وقت کی حکومت مین کچھ کمزوری پیدا ہو چلی ہے تو فوراً اپنے ملک کے عمایدکو جمع کرکے اپنی دوستی و طرفداری پر مستعد بنالیتا اور خود سر حکمران بن بیٹہتا۔ اُسکا یہ استقلال یا بہ وجوہ مکمل ہو جاتا اور یا کسی قدر مال پر جسے وہ سال بسال نذرانہ کے طور پر خلیفۂ بغداد کو دیتا رہے مشروط ہو جاتا اور کبھی بعض اور بہی مناسب موقع شرطین طے ہو جاتی تہین۔ چنانچہ اسی طرح افریقہ مین بنو غالب خراسان مین ابن طاہر۔ اور مصر مین ابن طولون مستقل حکمران بنگئے لیکن یہ تمام صوبے یا ملک حکومت عباسیہ کے ماتحت ہی شمار ہوتے تہے۔ فرق صرف اتنا تہا کہ بجائے "امارت استکفاء" کے ان حکومتون کو امارت استیلاء کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ +

امارت استیلاء اس امارت سے وہ امارت مراد تہی جسکا والی خلیفہ کے حکم سے مقرر ہونیکے بعد خود سر حاکم بن بیٹہے یا زور شمشیر کسی ملک پر قبضہ جمالے اور خلیفۂ وقت اُسکے استیصال سے مجبور ہوکر اُسکو وہان کا حاکم تسلیم کرلے۔ ایسے امیر کو برائے نام خلیفہ کا ماتحت رہنا پڑتا تہا۔ اور خلیفہ اُسے اُسکے ملک مین مطلق العنان حکمران بنا دیتا تہا۔ بجائے اسکے کہ وہ خلیفہ کے سامنے سر نیاز جہکائے خود خلیفہ اُسکی مرضی دیکہتے رہنے کی فکر مین

بڑھجاتا تھا اور اگر اُس ملک مین دینی احکام یا مذہبی امور کا نفاذ کرنا مدنظر ہوتا تو خلیفہ کو استیلا سے اجازت لینی ضروری ہوتی تھی۔ باایہمہ اس امارت کی بھی چند شرطین تھین جو اس امر کے مقابل مین کہ خلیفہ وقت نے اُس شخص کو خود مختار حکمران تسلیم کرلیا ہے۔ اُس امیر پر فرض ہوتی تھین۔ وہ شرائط حسب ذیل ہین :-

(۱) دینی معاملات اور خلافت نبوی کے انتظامات مین منصب امامت کی حفاظت۔ (۲) دینی اطاعت کا اظہار کرنا۔ (۳) باہمی الفت اور ایک دوسرے کی مدد کرنے پر دل سے آمادہ رہنا اور زبان سے ایسے مقرر رہنا۔ تاکہ اغیار کے مقابل مین مسلمانون کی مجموعی قوت قایم رہے۔ (۴) دینی ولایت کے احکام اور اسکے عہد وپیمان جاری رہین۔ (۵) شرعی مال (زکوٰۃ وغیرہ) پوری طرح وصول کیا جائے۔ یعنی ادا کرنیوالے سے کم وبیش نہ لیا جائے۔ (۶) شرعی سزائین ٹھیک ٹھیک قایم رہین اور جو اونکے مستوجب ہون اونپر قایم رہین۔ (۷) امیر حفاظت دین کا خیال ضرور رکھے۔

امیر استیلا کو وزیرون اور دیگر عہدہ دارون کو مقرر کرنیکا حق حاصل ہوتا تھا۔ ان ہی حکومتون نے دولت عباسیہ کے ٹکڑے اُڑا دیئے اور عظیم الشان اسلامی خلافت کا خاتمہ کرکے طوائف الملوکی قایم کردی [illegible] حمدانیہ۔ بنی بویہ۔ غزنوی۔ طولونیہ اور اخشیدیہ وغیرہ گورنمنٹین ایک ہی وقت مین مستقل حکمرانون کی حیثیت رکھتی تھین۔ صرف خلیفہ کا خطبہ اور سکہ اُنکے ملک مین رائج تھا اور وہ ایک مقررہ رقم سالانہ بطور پیشکش کے خلیفہ کو نذر کردیتی تھین۔ خلیفہ کو اپنے صرف اتنا اختیار تھا کہ وہ اُن حکومتون کے والیون کو اُن کے ممالک مین قایم رکھے اور اونکی حکومت کو تسلیم کرتا رہے۔ ایسی حکومتین موروثی طور پر اُن والیون کے خاندان مین نسلاً بعد نسل چلی جاتی تھین [illegible] مین پیش کیا جاسکتا ہے۔

امارت خاصہ اس قسم کی امارت تھی کہ اُسکا حکمران اپنی حدود اثر کے اندر فوجی نظم وترتیب ملکی کاروبار خلافت کی حمایت اور اُسکی عظمت واقتدار کی حفاظت کرتا رہتا۔ معاملات اور مقدمات فیصل کرنے اور خراج وصول کرنے اور تحصیل زکوٰۃ کا اختیار اُسے نہین ملتا تھا۔ اور بسا اوقات نماز کی امامت بھی اُسکے ذمہ نہین ہوتی تھی۔ بلکہ یہ منصب قاضی کو حاصل ہوتا تھا۔ ایسی امارت مین قاضیون اور خراج وزکوٰۃ وصول کرنیوالون کا عملہ خود خلیفۂ وقت مقرر کیا کرتا تھا جو بعد از وصولیابی تمام آمدنی کو معہ حسابات سنٹرل بیت المال (صدر خزانہ) مین بھیجتے رہتے۔ اور انہی محاصلات مین سے اُس ملک کی فوجون کی اور عہدہ دارون کی تنخواہون اور دیگر ضروری

مصارف پر خرچ کرتے تھے۔ ایسی خاص امارتین بنوعباس کے عہد خلافت مین بہت کم تھین۔ +

عاملون کی تنخواہین خلیفہ عمر بن الخطابؓ نے دفترون کی درستی اور فوج والون کی تنخواہین مقرر کرنیسے فراغت پائی تو آپ کو عاملون کے وظائف متعین کرنیکی جانب توجہ ہوئی۔ سب سے پہلے عامل کا تقرر جو خلیفہ ممدوح کے زمانہ مین ہوا۔ عمار بن یاسرؓ کا "کوفہ" کیطرف دیمان کا افسر فوج اور امام نماز بناکر بھیجا جانا تھا۔ عمارؓ کا وظیفہ دونون خدمتون کی انجام دہی کے لحاظ سے (۶۰۰) درم ماہوار مقرر ہوا۔ علاوہ اسکے اُن کے ماتحت محررون اور مؤذنون وغیرہ کی جداجدا تنخواہین مقرر ہوئین۔ عثمان بن حنیفؓ زمین کی پیمایش کے افسر بناکے گئے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ کے قاضی اور شریحؒ بصرہ کی قضا پر متعین ہوئے۔ عثمان بن حنیفؓ کا وظیفہ پانچ درم فقد یومیہ اور پانچہزار درم سالانہ قرار پایا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کو سو درم ماہوار اور چوتھے دن ایک بکری ملتی تھی۔ اور قاضی شریحؒ کو سو درم ماہوار نقد کے علاوہ ہر ماہ مین دس جراب بوری غلہ بھی ملتا تھا۔ اس بیان سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ خلیفہ عمر بن الخطابؓ نے عمارؓ کو اور لوگون کے مقابل مین افضل قرار دیکر اونکی تنخواہ بھی زائد مقرر کی۔ اسلئے کہ وہ نماز پڑہانے اور فوجکی سپہ سالاری کی اہم خدمتون کو انجام دینے پر متعین ہوئے تھے۔ اور اُس زمانہ مین امارت (گورنری) سے اسی خدمت کا انجام دینا مراد ہوتا تھا۔ +

عمرؓ نے امیر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو والی شام مقرر کرتے وقت اُنکا وظیفہ ہزار درم سالانہ مقرر کیا تھا۔ خلیفہ موصوف عاملون کا محاسبہ کرنے اور اُنکے حالات کی جانچ کرنے مین بہت سختی اور بیدار مغزی سے کام لیا کرتے تھے۔ جب آپ دیکھتے کہ ممالک اسلامیہ کے عاملون نے کسی طرح بہت سا نفع کمایا اور دولت کا بڑا ذخیرہ جمع کرلیا ہے تو فوراً اُن کے مال کا حصہ بانٹ لیتے۔ اور آدہا مال اُن سے لیکر بیت المال مین داخل کر دیتے۔

بنوامیہ کے عہد مین عاملون کے حقوق اور اختیارات زیادہ وسیع ہونے لگے۔ معاویہؓ نے عاملون کو اپنا طرفدار بنائے رکھنے کے خیال سے اُنکو بہت سی رعائتین ابتدا دی تھین جو مابعد کے زمانہ مین بھی قایم رہتی چلی گئین۔ امیر مذکور نے زیاد بن ابیہ کو بصرہ خراسان اور سجستان کا گورنر مقرر کرکے اُسے دیمان کا حاکم مطلق بنادیا اور سیاہ و سفید کا اختیار کامل دیدیا تھا۔ تنخواہ کی بھی کچھ تعیین نہ تھی۔ بلکہ محاصل ملکی مین سے ضروری مصارف ادا کرنیکے بعد جس قدر اُسکا دل چاہتا خود لے لیتا۔ اور جو چاہتا امیر معاویہؓ کو بھیجدیتا۔ امیر عمروؓ بن العاص کے والی مصر بنائے جانے مین بھی ایسی ہی رعائتین ملحوظ رہی تھین۔ بنوعباس نے بھی اپنے عہد حکومت مین اسی طرز کی پیروی کی۔ چنانچہ مامون الرشید عباسی نے فضل بن سہل کو مشرقی ممالک پر والی مقرر کرکے اُسکا وظیفہ

تیس لاکھ درہم سالانہ مقرر کیا تھا۔ اور اسکے علاوہ کام کی اقسام اور منصبوں کی وسعت و اہمیت کے لحاظ سے بھی عمال کے وظیفے مختلف ہوا کرتے تھے۔ +

وزارت

اور امیر الامرار اور سلطان

بادشاہی عہدوں میں وزارت کا عہدہ سب سے بڑا ہے اور معزز ہے۔ اور یہ عہدہ اسلام کی ایجاد نہیں بلکہ اسکی اصل فارس سے ہے۔ عباسی حکومت کے ایام میں مسلمانوں نے اُنہیں سے اخذ کر کے اپنے یہاں بھی اس منصب کو قائم کیا۔ لیکن اگر وزیر کے لفظ سے وہ شخص مراد لیا جائے جو خلیفہ کی مدد کرتا ہے یا حکومت میں اُسکا دست و بازو بنتا ہے تو اس حالت میں یہ عہدہ صدر اسلام تک متواتر پایا جائیگا۔ کیونکہ خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم عام اور خاص معاملات میں اپنے اصحاب سے صلاح و مشورہ لیتے اور اون سے ہر امر کے متعلق بحث فرمایا کرتے تھے اور ابوبکر رضؓ بھی چند اور خصوصیتوں کے ساتھ مخصوص پائے جاتے ہیں۔ عرب کے وہ باشندے جو اسلام کے قبل روم اور فارس والوں سے ملتے جلتے رہے تھے۔ ابوبکر رضؓ کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وزیر کہتے تھے۔ ابوبکر رضؓ کے عہد خلافت میں عمر رضؓ کی اور عمر رضؓ کے زمانۂ خلافت میں عثمان رضؓ اور علیؓ کی حالت بھی اسی طرز پر رہی مگر اسلام کے بے تکلف اور سادگی پسند دور میں مسلمانوں کے یہاں وزیر کا لفظ مشہور نہیں ہوا تھا۔

اگرچہ جس زمانہ میں بنی امیہ نے خلافت کو ملکداری بنا دیا۔ اور بقائے مملکت کے لئے مدبرانہ چالیں چلنا اور لوگوں کی تالیف قلوب کرنا نہیں ضروری معلوم ہوا تو یہ حاجت پیش آئی کہ قبیلوں اور جتھوں کی تالیف قلوب کرنے اور اون کے حلقوں میں اپنا اثر پھیلا کر اُن سے اپنی طرفداری کے لئے گروہ بنانے میں چند معاملہ فہم اور مدبر لوگ اُن کے مشیر ہوں۔ لہٰذا اونہوں نے کئی شخصوں کو اسی غرض سے اپنی خدمت میں لیا جنکا تقرر وزارت کے معنوں میں استعمال ہو سکتا ہے۔ مگر یہ امر ظاہر ہے کہ وہ لوگ (بنو امیہ) اس عہدہ کو وزارت کے نام سے موسوم نہیں کرتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بنو امیہ کی حکومت کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ اور وزارت صرف ایسے ہی معاملات پر غور کرنے پر مشتمل رہی جنکا بیان اوپر کیا گیا ہے۔

خلافت کا بنی عباس کے ماتحت میں پہونچنا تھا کہ ملک کی عظمت و شان کا ستارہ چمک اُٹھا۔ اُس کے

مراتب اور مناصب بھی شاندار ہوئے وزیر کا درجہ بھی بڑھا اور ملکی انتظامات کی عنان اُسکے قابو مین دیدی گئی۔ تمام بندوبست بحیثیت نائب خلیفہ ہونیکے وزرا کے ہاتھون انجام پانے لگے۔ پھر اسپر اتنا اور بھی اضافہ ہوا کہ حسابات کا دفتر اور خلافت کے خطوط۔ رازداری کا شعبہ بھی وزیر ہی کے اختیارات مین شامل ہوگیا جسکی وجہ سے وزارت قلم و شمشیر دونون پر قابض ہوگئی۔

بنو عباس کا سب سے پہلا وزیر ابو سلمہ حفص بن سلیمان ہمدانی ابو العباس سفاح کا وزیر تھا۔ اور اسلام مین یہی پہلا شخص ہے جو وزیر کے نام سے موسوم ہوا۔ ابن خلقان کا قول ہے "ابو سلمہ سے پہلے اس خاص تعریف کے ساتھ کوئی شخص مشہور نہین ہوا تھا۔ بنو امیہ کی حکومت مین نہ کسی اور عہد سلطنت مین۔ وہ ابو سلمہ وزیر آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے پکارا جاتا تھا جس طرح کہ ابو مسلم خراسانی امیر آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لقب سے موسوم تھا۔ اور یہ دونون شخص فارسی نسل کے تھے" سب سے پہلے جن حکمرانون نے سلطنت کے کاروبار کو وزیرون کے اعتبار پر چھوڑا اور اونپر پورا بھروسا کیا ہے وہ بنو عباس ہی تھے اور ان کے تمام وزیر فارس کے باشندے تھے۔ بنو عباس کے سب سے زیادہ مشہور وزیر برامکہ کے خاندان سے تھے۔ اور حکومت مین اُنکی دست درازی اور خودسری کا معاملہ اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ آخر کار ہارون الرشید نے مجبور ہوکر اُنکو بالکل تباہ و برباد کر ڈالا۔ جسکا قصہ مشہور ہے۔

بنو عباس کے عہد مین وزارت نے کئی قالب بدلے۔ اور کئی مرتبہ اوسکی حالت مین عظیم الشان انقلابات واقع ہوئے۔ چوتھی صدی ہجری کے اندر وزیر کے نام کے ساتھ "صاحب" کا لقب اضافہ ہوا۔ اور سب سے پہلے جسکو یہ لقب دیا گیا وہ ابو القاسم اسمٰعیل بن ابی الحسن عباد بن العباس تھا۔ جو ابتداً معید الدولہ بن بویہ کا وزیر اور "صاحب" کے ساتھ مشہور تھا۔ اُسکے بعد جس شخص کو وزارت کا عہدہ حاصل ہوتا وہ صاحب ہی کہلاتا تھا۔ ٭

بنی عباس کے گھرانے مین خلفا کا دائرہ اختیارات تنگ ہونیکے ساتھ ہی وزارت کا اثر بھی کم ہوتا گیا یہان تک کہ جس زمانہ مین عاملون نے اپنی اپنی ولایتون مین خودسر ہوکر خلافت عباسیہ مین بہت سی آزاد و خودمختار حکومتین قایم کرلین اُن دنون وزارت بھی خلافت کیطرح نام ہی کو باقی رہگئی تھی۔ لہذا خلفا نے اُسے توڑکر امیر الامرائی کے لقب سے بدلدیا۔ +

امیر الامرا ایک لقب تھا جو خلفائے بنو عباس نے بعض ایسی چھوٹی چھوٹی حکومتون کے والیون کو عطا کیا تھا۔

جواسی کے ٹکڑے ہوکر خود مختار ریاستیں قائم ہوگئی تھیں۔ یہ صورت چوتھی صدی ہجری میں واقع ہوئی تھی۔ اور بعد بھی قائم رہی جیسے بنو حمدان۔ اور بنو بویہ کی گورنمنٹیں بھی ایسا ہی ہوتا تھا کہ امیر الامرا مستقل بادشاہ یا اور سکے مشابہ ہوا کرتا تھا سے پہلے یہ لقب ابن رائق کو دیا گیا جو بنی حمدان میں سے تھا۔ اور ولایت بصرہ اور واسط کا حاکم تھا۔

۳۲۴ھ میں خلیفہ راضی باللہ عباسی نے اُسے امیر الامرا بنا کر انتظام ملک کی باگ اُسکے ہاتھ میں دیدی۔ اور حکم دیدیا کہ منبروں پر اُسکے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ اسے خلعت اور نشان (ماہی مراتب) بھی عطا کیا گیا اسی ابن رائق کو شاہنشاہ اور یا سلطان بغداد بھی کہتے تھے۔ ۳۴۵ھ تک یہ لقب بنی بویہ میں قایم رہا۔ اسکے بعد ترکی قوم کے سلجوقی بادشاہوں میں منتقل ہوگیا۔ جنکا پہلا حکمران طغرل بک تھا۔ طغرل کے بعد اوسکا بیٹا الپ ارسلان دنیا کے نامور عظیم الشان بادشاہوں میں گزرا ہے۔ یہ لقب ۵۴۷ھ تک سلجوقی گھرانے میں قایم رہکر بغداد سے اونکی حکومت کے ناپید ہونے پر جاتا رہا۔ بنو بویہ اپنے اقتدار اور اثر کے زمانہ میں امیر الامراء بھی اپنی جانب سے مقرر کرتے تھے۔ اُنہوں نے خلفاء کے ہاتھ میں سوا ایک نام کے تقرر کے جسکو رئیس الرؤساء کہتے تھے۔ اور کوئی اختیار باقی نہ چھوڑا تھا۔ مگر سلجوقی خاندان کے عہد میں خلفاء کو پھر دوبارہ امیر الامراء کا منصب عطا کرنیکا حق حاصل ہوگیا۔

سلطنت عباسیہ کے منصب وزارت کی تاریخ کو نظر غایر سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ منصب اس حکومت کی شکست اور کمزوری کے اسباب میں سے ایک قوی سبب تھا۔ اسلئے کہ خلفائے کاروبار حکومت کی نگہبان وزیروں کے ہاتھوں میں دیکر اپنے تئیں بیکار بنالیا تھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی صدیاں اسی حالت میں بسر کرنیکے بعد حکمرانی کا ملکہ اُنکی طبیعت سے زایل ہوگیا۔ اور وہ حکومت کرنیکے بارہ میں عاجز ہوگئے۔

دوسری اسلامی گورنمنٹوں میں بھی وزارت کا منصب کسی نہ کسی حیثیت سے پایا ضرور جاتا تھا چنانچہ ملک مصر کی فاطمی حکومت کا پہلا وزیر یعقوب بن کلس عزیز باللہ کا وزیر تھا جسکا تقرر ۳۶۳ھ میں ہوا تھا اُندلس میں جو امیوی حکومت تھی اُس میں وزارت کی وہی شان تھی جو ملک شام کی اموی حکومت میں قایم رہچکی تھی۔ یعنی منصب وزارت ایک ایسی جماعت میں مشترک رہتا تھا جنکو خلیفۂ وقت اپنی امداد اور مشورت کے لئے مقرر فرماکر اُنہیں اپنی نشینی کے ساتھ مخصوص کرتا تھا۔ اور اُن ہی مشیروں میں سے کسی ایک سربرآوردہ شخص کو منصب نائب السلطنت کیلئے چن لیتا اور اُسے حاجب کے نام سے موسوم کرتا۔ اسی عہدہ دار کو عباسی حکومت نے وزیر کے نام سے موسوم کیا تھا۔ اور آخر میں اُندلس کی حکومت نے بھی حاجب کا لقب ترک کرکے اُسے وزیر کے لقب سے بدلدیا

خلفائے اُندلس کے ہان یہ رتبہ وراثت کے طور پر چند خاص گھرانون کے لئے مخصوص تہا۔ جیساکہ بنی عباس کے ہان (بغداد مین) برامکہ کا خاندان وزارت کے لئے مخصوص ہوگیا تہا۔

اسلامی حکومتون مین وزارت کی دو قسمین تہین۔ (۱) وزارت تفویض۔ (۲) وزارت تنفیذ مثل گورنری کے۔

وزارت تفویض ایسی وزارت ہوتی ہتی کہ خلیفہ کسی شخص کو وزیر مقرر کرکے تمام کاروبار کی نگرانی اور انجام دہی اُسکی رائے اور سمجھہ پر چہوڑ دیتا تہا۔ یہ وزیر تین باتون کے سوا اور تمام اس قسم کے معاملات انجام دیتا تہا۔ جنہین خلیفہ انجام دیا کرتا۔ جو تین باتین اُسکے اختیار سے باہر تہین وہ حسب ذیل ہین:-

(۱) ولیعہدی۔ اس معاملہ مین جس شخص کو خلیفہ مناسب سمجہتا ولیعہد بنا دیتا تہا وزیر کو اسمین مداخلت کا کوئی حق نہ تہا۔

(۲) جس شخص کو وزیر نے کوئی عہدہ دیا ہو یا کہین کا حاکم بنایا ہو خلیفہ اُسے معزول کرسکتا تہا۔ لیکن وزیر خلیفہ کے مقرر کردہ شخص کو برخاست کرنیکا مجاز نہ تہا۔

(۳) خلیفہ کو یہ حق حاصل تہا کہ وہ قوم سے امامت کی معافی طلب کرلے مگر وزیر کو نہین۔

عباسی حکومت کے دور مین خاندان برامکہ یحییٰ برمکی اور اکثر ابن الفرات وغیرہ وزرا تفویض رہے۔ اور بنو فاطمہ کے ہان سے پلارا فواج کو یہ منصب حاصل رہا۔ بنو عباس کے ہان وزیرون کو تمام معاملات مین مختار بنانے کی انتہا ہوگئی تہی۔ وہ بسا اوقات خاتم خلافت بہی وزیرہی کو دیدیا کرتے تہے تاکہ وہ فرامین اور تحریرون پر مہر لگانیکے لئے بہی خلفا کے دست نگر نہ رہین۔ رشید کے اُس قصر مین جسمین سے ایک دن جعفر سے خلافت کی انگوٹہی لیکر فضل کو سپرد کی ہے۔ اس امر کی پختہ دلیل موجود ہے کہ وزیرون کا اثر کس قدر بڑہا ہوا تہا۔ اسکے علاوہ جعفر بن یحییٰ برمکی کا واقعہ جو اُسے عبدالملک بن صالح کے ساتہہ پیش آیا ہمارے اس دعوے کی کافی دلیل ہے۔ اور وہ یہ ہے:- جعفر مجلس نشاط مین بیٹہا ہوا تہا۔ کہ عبدالملک بن صالح (رشید کا چچیرا بہائی) اُسکے پاس آیا۔ جب دونون نشہ مین چور ہوئے۔ تو جعفر نے عبدالملک کی طرف متوجہ ہوکر کہا "کیا آپکی کوئی ایسی غرض ہے جو میرے اختیار مین ہو؟ اگر ہے تو فرمایئے۔ تاکہ مین آپ کی اس تشریف آوری کے شکریہ مین اُسکی تعمیل کی کوشش کرون"۔ عبدالملک نے کہا "ہان ہے" امیرالمومنین مجہہ سے کسی قدر رنجیدہ ہین لہذا مین چاہتا ہون کہ وہ مجہپر مہربان ہوجائین"۔

جعفر "چلئے امیرالمومنین آپسے خوش ہوگئے۔ اور کچہہ؟"

عبدالملک "اور مجہپر دس ہزار دینار قرض ہین"۔

جعفر "وہ میرے خاص مال مین سے آپکے لئے حاضر ہین۔ اور امیر المومنین کے مال مین سے بھی آپکو اسی قدر ملینگے۔ کچھہ اور ہے؟"

عبد الملک "مین چاہتا ہون کہ امیر المومنین مجھے اپنا سمدھی بنا کر میرے فرزند ابراہیم کو اپنی دامادی مین قبول فرمائین"

جعفر "اچھا امیر المومنین نے اپنی بیٹی غالیہ کو اُسکے ساتھہ منسوب کر دیا۔ کچھہ اور ہے؟"

عبد الملک "ہان اور مین اسکا بھی خواہشمند ہون کہ میرے لخت جگر ابراہیم کے سر پر نشانِ حکومت کا سایہ ہو اور اوسکو ماہی مراتب کے ساتھہ کسی ملک کی گورنری ملے"

جعفر "بہتر ہے۔ امیر المومنین نے اُسے ملک مصر کا والی مقرر فرما دیا"

اتنی گفتگو کے بعد عبد الملک بن صالح خوش وخرم اپنے گھر چلا گیا۔ اور جعفر نے بلا اسکے کہ خلیفہ سے اجازت لے ان تمام باتون کی تکمیل کر دی۔ دوسرے دن صبح کو جس وقت جعفر خلیفہ ہارون الرشید کے حضور مین حاضر ہوا۔ خلیفہ نے اُس سے پوچھا "جعفر! کل کی رات تم نے کیونکر بسر کی؟" جعفر نے ادب کے ساتھہ پچھلی رات کا واقعہ عرض کرنا شروع کیا چنانچہ جس وقت جعفر نے عبد الملک بن صالح کا اپنے پاس آنا بیان کیا ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید جو تکیہ کے سہارے بیٹھا ہوا تھا سنبھل بیٹھا۔ اور بولا "جعفر! تجھے خدا کی قسم ہے سچ کہنا اُس نے تجھہ سے کیا مانگا تھا؟"

جعفر "امیر المومنین اُنھون نے مجھہ سے آپ کی رضامندی کی خواہش کی تھی"

رشید "پھر تو نے کیا جواب دیا؟"

جعفر "مین نے عرض کی کہ امیر المومنین تم سے خوش ہو گئے"

رشید "بیشک مین اُس سے راضی ہو گیا۔ پھر کیا چاہا؟"

جعفر "اُنھون نے بیان کیا کہ مین دس ہزار دینار کا مقروض ہون"

رشید "پھر تو نے کیا کہا؟"

جعفر "مین نے عرض کی کہ امیر المومنین نے آپکی جانب سے یہ قرض بھی ادا کر دیا"

رشید "بہتر ہے مین نے ادا کیا۔ پھر کیا ہوا؟"

جعفر "اور اونھون نے یہ خواہش ظاہر کی کہ امیر المومنین اُنکے بیٹے ابراہیم کو اپنی فرزندی مین قبول فرمائیں"

رشید" اور تو نے کیا جواب دیا؟"

جعفر" مین نے عرض کی کہ امیرالمؤمنین نے اپنی لڑکی غالیہ آپکے صاحبزادہ سے منسوب کردی"

رشید" اچھا مین نے اسے بھی منظور کیا۔ پھر آگے؟"

جعفر" اور حضور اُنہون نے آرزو کی کہ اُنکے فرزند کے سر پر شاہی مراتب کا سایہ ہو۔ مین نے کہدیا کہ امیرالمؤمنین نے اونکو ملک مصر کا گورنر مقرر کردیا"

رشید" مینے یہ بھی بخوشی منظور کیا"

اِسکے بعد فوراً ہی خلیفہ نے اِن تمام باتون کا سرانجام فرمادیا۔

اکثر حالتون مین خلفا اپنے وزیرون کو عہدۂ وزارت کے ساتھ ہی ایک اور بڑا منصب بھی حوالہ فرماتے تھے۔ جیسا کہ فضل بن سہل نے وزارت کے ساتھ تلوار کی ریاست یعنی سپہ سالاری بھی پائی تھی۔ اسی لئے اُنکا نام ذوالریاستین رکھا گیا (یعنی دو افسری والا)۔

وزارت تنفیذ اِس وزارت مین محض خلیفہ کے احکام اور قوانین کا جاری کرنا مدنظر رہتا تھا۔ گویا وزیر خود اور رعایا کے مابین ایک واسطہ ہوتا تھا اور فوجوں کی روانگی۔ امیر و نکا تقرر خلیفہ کے حکم سے کیا کرتا۔ ملک کی ضروری خبرین جو پیشگاہ خلافت مین عرض کرنے کے قابل ہوتین سمع ہمایون تک پہنچاتا۔ اور تازہ واقعات و معاملات خلیفہ کے گوش گزار کرکے اُن کے متعلق مناسب احکام حاصل کرتا۔ غرضکہ یہ وزیر وزیر تفویض کے بالکل خلاف ہوتا تھا جیسے وزیر تفویض کو عزل و نصب اور بندوبست ملکی مختیارات بلاکسی حد و پایان کے حاصل ہوتے تھے ویسے ہی وزیر تنفیذ اختیارات سے معرا ہوتا تھا اور محض ایک ایلچی کی حیثیت سے خلیفہ کے احکام رعایا تک پہنچانے کا کام کرتا رہتا۔ خلیفہ کو مختیار ہوتا تھا کہ وہ ایک ہی زمانہ مین دو وزیر تنفیذ مقرر فرمائے۔ ایک سو انتظامات کے لئے۔ اور دوسرا ملٹری کاروبار کے واسطے۔ مگر وزیر تفویض ایک سے زائد نہین رکھے سکتا تھا

وزیر کی تنخواہ وزیر کا وظیفہ زمانہ اور شخصون کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتا تھا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ وزیرونکا وظیفہ صرف اونکی ذاتی تنخواہون پر منحصر نہین رہتا تھا۔ اس لئے خلفا اُن کے بھائیون بیٹون اور ملازمون کے وظیفے علیحدہ مقرر کرلیتے تھے۔ ہم اس مقام پر صرف حکومت بنو فاطمہ کے ایک وزیر کا حال دکھاتے ہین جس سے معلوم ہوجائیگا کہ ایک وزیر کو معہ اُسکے گھرانے والون اور ماتحت ملازمون کو کیا ملا کرتا تھا۔

وزیر . . . . . کا ماہوار وظیفہ ۵۰۰۰ دینار تھا
وزیر کے ہر ایک بھائی اور بیٹے 〃 〃 〃 ۲۰۰ — ۳۰۰ 〃
ہر ایک اُسکے خاص ملازم اور تحت 〃 〃 〃 ۳۰۰ — ۵۰۰ 〃

یہ تمام اُن جاگیروں کے علاوہ تھا جو وزیر اور اوسکے کنبہ والوں کو ملتی تھیں۔ نیز اون تحفوں اور خلعتوں کی قیمت بھی اسکے علاوہ ہوتی جو تہواروں یا خوشی کی اور تقریبوں پر انکو ملا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض اوقات وزیر کا وظیفہ مع اپنے ماتحتوں کے وظائف اور جاگیروں کی آمدنی کے مل ملا کر قریب ۱۰۰۰۰۰ دینار سالانہ کے ہو جاتا تھا۔ +

سلطان ابتداءً یہ منصب عباسی حکومت کے وزیروں کا لقب ہوا کرتا تھا جو بلحاظ تفخیم (تعظیم) انکو خلفاء کے حکم سے ملا کرتا تھا جسکی صورت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ ابن خلدون نے بیان کیا ہے کہ جعفر بن یحییٰ سلطان کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ مؤرخین عرب کی کتابیں پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل عرب سلطان کا لفظ خاص بغداد یا ملک شام کے والی کی شان میں استعمال کیا کرتے تھے اور ممکن ہے کہ یہ والی جسکو سلطان کہا جاتا تھا پولیس کمشنر ہوتا رہا ہو۔ یا وہ عہدہ دار جو اندلس کے محافظ کے مشابہ ہوا کرتا ہو۔ بعض حالتوں میں سلطان کے لفظ سے خاص خلیفہ کی ذات بھی مراد لیتے ہیں لیکن یہ سب استعمالات مجازی تشبیہ و استعارہ کی قسم سے ہیں۔ غرضیکہ سلطنت کا ایک رسمی رتبہ ہونا صرف محمود غزنوی اور سبکتگین کے عہد سے شروع ہوا۔ اور اسلام میں وہ پہلا سلطان تھا۔ چوتھی صدی ہجری کے آخر میں امیر الامرا کے لقب کو بدلکر اُسے سلطان کا لقب دیا گیا۔ یا یوں کہئے کہ جس طرح اس سے قبل وزیر کا لفظ کم درجہ کا قرار پا گیا تھا۔ اسی طرح رفتہ رفتہ امیر الامرا کا لقب بھی بے حیثیت ہو گیا لہذا اُسے "سلطان" کے لقب سے بدلدیا۔ اسکے بعد سے پھر یہی لفظ ترکی کر دی۔ اور چرکس وغیرہ بادشاہوں اور حکمرانوں کا (جو سلجوقی۔ الپی۔ مماایک۔ اور عثمانی خاندان سے تھے اور ہیں) لقب قرار پا گیا۔ وزارت میں وراثت کا قاعدہ مشروط نہ تھا۔ لیکن جب وہ عہدہ سلطنت سے بدلگیا۔ تو میراث بھی اوسکے ساتھ مشروط ہو گئی۔ اسی بنا پر سلطان اپنی موت سے پہلے کسی کو اپنا ولیعہد بنالیا کرتا تھا۔ +

ابن خلکان نے مشہور اسلامی طبیب رازی کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ سامانی بادشاہ اپنے حکمران کو "ملطان السلاطین" کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ سامانی خاندان کی حکومت غزنوی دور سے قبل تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لقب پہلے ہی سے مشہور تھا۔ اور اگر اس بات کو صحیح مانا جائے تو غزنویون کا لقب سامانی گھرانے کی وراثت قرار پائیگا۔ لیکن ہم نے اس لقب کے بارہ مین بعض محققین کا ایسا قول دیکھا ہے جو ہمارے پہلے قول کو ترجیح دیتا ہے۔ اور نہین تو یہ بھی ممکن ہے کہ سامانی حکمرانون مین مذہب اسلام قبول کرنے سے پہلے یہ لقب پایا جاتا ہو۔ اس لحاظ سے محمود غزنوی ہی اسلام کا پہلا سلطان قرار پائیگا واللہ اعلم

اگرچہ ملکی حکمرانی کی طاقت خود سلاطین کے قبضۂ قدرت مین ہوتی تھی لیکن بلحاظ عقیدت مذہبی کے انکو اپنا تقرر سلطان کے عہدہ پر خلفاء کے ہاتھون کرانا پڑتا تھا چنانچہ خلفا کسی کو "سلطان" کا منصب عطا فرماتے وقت بہت شان و شوکت کا دربار مرتب کرتے۔ سلطان کو اپنے ہاتھون سات پارچون کا خلعت پہناتے۔ طوق اور تاج اور کنگن سے آراستہ کرکے اپنے ہاتھون سے اُسکا نشان افسری درست کرتے اور اُسکے گلے مین تلوار حمائل کرتے۔ پھر اوسکے نام کا خطبہ پڑھواتے۔ اسکی مثالون مین سے ایک مثال وہ دربار ہے جو خلیفہ مستظہر باللہ عباسی نے محمد بن ملک شاہ کو متولی سلطنت بناتے وقت بغداد مین منعقد کیا تھا۔ اور اُس موقع پر ملک شاہ کا بھائی "سنجر" بھی موجود تھا۔ خلیفہ نے "قبہ تاج" کے اندان دونوں بھائیون کو اپنے تخت کے پایہ پر بٹھایا۔ اُس وقت خلیفہ کے بازو و پر چادر نبوی تھی۔ سر پر عمامہ۔ اور عصائے خلافت سامنے رکھا تھا۔ خلیفہ نے محمد کو خلعت عطا فرمایا۔ اپنے ہاتھون سے اُسکے گلے مین طوق۔ سر پر تاج اور ہاتھون مین کنگن پہنائے۔ اسکے واسطے نشان اپنے دست خاص سے مرتب کیا۔ تلوار اُسکے گلے مین حمایل کی اور اُسے پانچ گھوڑے بھی ساز و سامان سے آراستہ عطا فرمائے۔ اسکے بعد جامع بغداد مین محمد بن ملک شاہ کی سلطنت کا خطبہ پڑھا گیا۔ سلطان کو اُسی دربار مین جسمین اُنہین یہ منصب عطا ہوتا تھا اس قسم کے لقب بھی دیئے جاتے تھے جنکی عبارتون سے اُنکی وجہ سے خلافت کی تائید ظاہر ہوا کرتی تھی۔ مثلاً ناصر الدولہ۔ سیف الدولہ۔ اور عضد الدولہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

فوج اور اُسکے متعلقات

فوج کی تاریخ

فوج کی اصل و بنیاد دورِ تمدن کی ابتدا مین انسانون کی جرگہ بندیان ہوا کرتی تھین۔ اور اونکی فوجین وہی خاندان کے لوگ۔ جس وقت لڑائی کی ضرورت پیش آتی۔ ہر ایک قبیلہ کے لوگ بلا کسی نظام و ترتیب کے

جمع ہو جاتے تھے۔ اور جنگ کے بعد ہر شخص کو مال غنیمت میں سے بنسبت اسی قدر حصہ حاصل ہوتا تھا جسکو وہ اپنی جوانمردی اور قوت بازو سے حاصل کر سکتا۔ مگر جس زمانہ میں لوگوں نے حضریت (شہری زندگی) اختیار کی۔ اور کاروبار کو باہم تقسیم کر لیا۔ اور حکومتیں قایم ہوئیں۔ تو سب سے پہلے جو پیشے اختیار کئے وہ کہانت اور فوجی ملازمت تھی۔ سب سے پہلی حکومت جسنے فوجی حکومت کا وہ مصر کی فراعین کی حکومت تھی۔ اُس نے تیسویں صدی قبل میلاد کے قریب زنگیوں اور حبشیوں سے ایک فوج بھرتی کی۔ اور انکی مدد سے بحر احمر کے ساحلوں پر بسنے والی قوموں کو زیر کیا۔ اسکے بعد اشور۔ بابل اور فینیقیہ اور یونان کی قدیم حکومتوں نے اسی کا تتبع کیا۔ اُن سے رومانیوں نے اور اُن سے مسلمانوں نے اخذ کیا۔

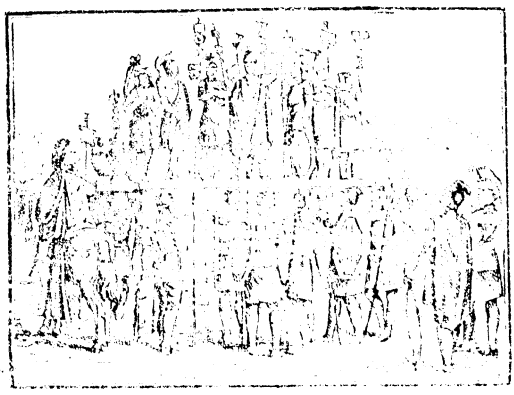
فراعنہ مصر کے یہاں فوجی نظام اس شکل سے قایم ہوتا تھا کہ میدان جنگ میں پے در پے گنجان اور سیدھی صفیں آستادہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ اُنکے دستوں کی شکستہ عمارتوں نے کھنڈروں پر اُن صفوف کی بہت سی تصویریں پائی جاتی ہیں۔ فراعنہ مصر سے اہل یونان نے اس نظام کو کسی قدر ترمیم کے ساتھ لیا۔ انہوں نے پلٹنیں تیار کیں جنہیں وہ اپنی زبان میں لفظ (Phalanx) سے تعبیر کرتے تھے۔ اور انکے نظم و ترتیب کی صورت یہ تھی کہ فوجی سپاہی پے در پے صفوں میں سیدھ باندھکر کھڑے ہو جاتے۔ ایک پلٹن ۴۰۰۰ آدمیوں سے مرتب ہوتی تھی۔ جسکے سپاہی ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو چند قدموں کے فاصلہ سے استادہ ہوتے اور صفیں ایک دوسرے کے پیچھے برابر چلی جاتی تھیں۔ "فیلپس" والی مقدونیہ نے پلٹن کے جوانوں کی تعداد مذکورہ بالا شمار سے دُگنی کر دی۔ اور "فیلپس" کے بعد اُسکے بیٹے اسکندر نے چوگنی۔ اسکندر نے سپاہیوں کو اس قدر پاس پاس کھڑا کرنا شروع کیا۔ کہ اُنکے کندھے باہم قریباً ملے ہوتے تھے۔ اور اُنکی ڈھالیں ایکدوسری سے لڑ جاتی تھیں۔ نیز اسی اسکندر نے اپنے سپاہیوں کے لئے نیزے بنوائے تھے جنمیں سے بعض سترہ ۱۷ فیٹ لمبے ہوتے تھے۔ اگلی صف کے نیزے چھوٹے ہوا کرتے۔ اور اوسکی مابعد کی صفوں میں درجہ بدرجہ بڑے ہوتے چلے جاتے۔ یہانتک کہ پانچویں صف کے نیزے تقریباً تین قدم آگے کو نکلے رہتے تھے "فلپس" نے سواروں کی بھی ایک جماعت مرتب کی تھی۔ اُسکے بیٹے نے اس جماعت کے ہتھیاروں میں اضافہ کیا۔ منجملہ انمیں جدید اسلحہ کے ایک ہتھیار منجنیق بھی تھا۔ چنانچہ چوتھی صدی قبل ولادت مسیح میں اسکندر نے اسی نظام کے ذریعہ سے تمام دنیا پر غلبہ حاصل کیا تھا۔

رومی فوج رومانی حکومت قایم ہوئی تو اُس نے یونانی صف بندی کے نظام کو اپنی فوج میں رواج دیا۔

رومانی لشکر انغاز حکومت مین ایک ایسی گروہ سے مرکب ہوتا تہا جسکے آدمیونکی تعداد ۶۰۰۰ ہوا کرتی تہی۔ اور اس تعداد کو تین طبقہ کے آدمیون سے ترتیب دیتے تہے۔ (۱) نوجوان لوگ جنکی صف لڑائی مین سب سے آگے ہوتی تہی (۲) ادہیڑ لوگ جو دوسری صف مین رہتے تہے۔ (۳) تجربہ کار اور جنگ آزمودہ لوگ سب سے پیچھے تیسری صف مین۔ ہر ان تین صفون مین سے ہر ایک کے آگے ایک جماعت سوارونکی موجود رہتی جو تلوارین حمایل کئے ہتیارون اور غیر ضروری اس خدمت پر مامور کیے جاتے تہے کہ پیادہ فوجکو پیچھے کام آمین اور دشمنونکو اپنی جنگ مین آنے سے روکین۔

اس کے کچھ دنون بعد رومانیون نے فوجکی اس فرقہ بندی کو بلا ترتیب صفکے مستقل ڈویژنون مین تقسیم کردیا۔ ہر ایک ٹکڑی کی تین قسمین اور ہر قسم کے دو حصے۔ اور ہر حصے مین سو سپاہی ہوتے تہے۔ یہ نظام اگلے نظام مذکورہ سے بالکل جدا تہا کیونکہ اس مین سپاہیونکی صرف ایک ہی صف یا ایک ہی پلٹن نہوتی تہی۔ بلکہ متعدد ٹکڑیان ہوتی تہین۔ اور ہر ٹکڑی کی بجائے خود ایک فوج ہوا کرتی تہی۔ چنانچہ آگے چلکر اسکی پوری تفصیل بیان کیجائیگی اسلامی فتوحات شروع ہونے تک رومانی فوج کا نظام اسی صورت سے قایم رہا۔ پہر اوس مین کوئی تغیر نہین کیا گیا۔

جسوقت اسلام کا ظہور ہوا ہے رومی افواج کی تعداد ۱۲۰۰۰۰ تہی۔ جسکے ہر دس ہزار سپاہیونکا ایک جنرل ہوا کرتا تہا جو بظن غالب بطریق ہوتا رہا ہے۔ اس بطریق کے ماتحت دو کپتان ہوتے تہے جنکو "طرمخان" کہتے تہے۔ ان مین سے ہر ایک ۵۰۰۰ سپاہیون پر کمان کرتا تہا اور ہر ایک "طرمخان" کے ماتحت پانچ "طرخنارہ" ہوتے تہے جنمین سے ہر ایک ہزار آدمیونکا افسر ہوتا۔ پہر ہر ایک طرخنارہ کی ماتحت پانچ "قومس" ہوتے تہے جنمین ہر ایک قومس ۲۰۰ سپاہیونکا افسر بنایا جاتا۔ قومس سے نیچے "قنطرخ" اور ایکے بھی ماتحت "دامرخ" ہوتا۔ جسکے ماتحت دس سپاہی ہوتے۔ اس نظام مین اندونکے فوجی نظام کے ساتھ پوری مشابہت نظر آتی ہے۔



اہل فارس کے ہاں لشکر کے چار رسالے ہوتے تھے۔ پہلا طبقہ بڑے بڑے سردار و نکاجن مین سے ہر ایک کو بیدان کہا جاتا تھا۔ اُسکے ماتحت چار افسر ہوتے تھے جن مین سے ہر ایک کو "سپہبد" کہتے۔ اور ہر سپہبد کے نیچے چار مرزبان اور ہر مرزبان کے نیچے ہزار سالار۔ اور ہر سالار کے نیچے دس سوار۔ اور پانچ پیدل ہوا کرتے جنھین پیادہ کہتے تھے۔

عربی فوج اسلام سے قبل اہل عرب بالکل بدوی و جنگلی رہتے۔ اُنکے ہان کوئی فوجی نظام نہ تھا۔ بلکہ قبیلے قبیلے جدا تھے۔ اُنکی حالت یہ تھی کہ جب کوئی قبیلہ لڑنے کے لئے تیار ہوتا تو اپنے ہان کے مرد و نکو چھانٹ کر انھین سے فوج مرتب کر لیتا جن مین سوار اور پیدل دونون قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ اور اونکے پاس زمانہ جاہلیت کے مشہور اسلحہ مثلاً کمان۔ نیزہ۔ اور تلوار موجود ہوتے۔ ہان اُن عربی سلطنتون مین جنھون نے اسلام سے قبل تمدن کا کچھ رنگ اختیار کیا تھا فوجی نظام بھی پایا جاتا تھا جیسے شاہان غسان۔ اور حکمران حمیر اور سندی گھرانے کے فرمانروا جنکا دارالملک "حیرہ" کا مشہور شہر تھا۔ مؤرخین نے [illegible] دفوج و تعداد کا ذکر کیا ہے جو مین سے ایک کو "دوسک" اور دوسری کو "شہ بار" کے نام سے موسوم کرتے تھے باقی رہے حجاز کے عرب وہ اسلام سے پہلے اُسی بدوی فطرت پر قایم تھے جسکا اوپر ذکر کر چکے ہین۔

اسلام کا ظہور ہوا تو اہل اسلام باقی تمام اہل عرب سے علیحدہ ہو گئے۔ اور دین کی اتباعی قوت نے انھین یکدست بنا کر دشمنون کے ساتھ جنگ کرنیکے لئے مستعد اور متحد کر دیا۔ اس وجہ سے وہ چھوٹے بڑے سب کے سب سپاہی تھے۔ مسلمانون کے پہلے سپاہی مہاجرین تھے۔ مگر وہ مدینہ مین آئے تو انصار سے ملکر سب ایک ہی لوگ بنگئے۔ جن کے کہ ان افسر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور اُنکا باہمی رابطہ معاہدہ دوستی اور اسلامی بھائی چارہ کی قوت تھی۔ اون دنون مسلمانون کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔

اسکے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابی بکر رض کے زمانون مین غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مسلمانون کی تعداد بڑھتی گئی۔ کیونکہ اب روز بروز عربی قبائل کے چھوٹے بڑے سب لوگ نجد۔ یمامہ۔ یمن اور حجاز سے۔ اُن مین ملتے جلتے تھے اور اسلامی اجتماع اُنکو کھینچ کر لاتا تھا۔ آخر کار وہ نہروں سے بہت ہو گئے۔ اور اونہون نے ہمدوش ہو کر شام۔ عراق۔ اور مصر کے ملکون پر حملے کر کے ان سب کو فتح کر لیا۔ نئے نئے شہر آباد کئے اور مختلف حصون مین تقسیم ہو کر علیحدہ علیحدہ مقامات مین رہنے لگے۔ چنانچہ کچھ مصر مین کچھ شام مین اور بعض عراق مین مقیم ہوئے اور باقیون نے خاص خاص چھاونیون مین ڈیرے ڈالدیئے۔ ہر ایک چھاونی کی فوج قبایل

اور گھر انون کے اعتبار سے منقسم ہوا کرتی تھی۔ مثلاً (عساکر) "بصرہ" کے پانچ حصے تھے جنکو "اخماس" کہتے تھے ہر ایک حصہ (خمس) مین ایک قبیلہ حسب ذیل قبائل مین سے رہتا تھا:-

ازد۔ تمیم۔ بکر۔ عبدالقیس اور اہل عالیہ (قریش۔ کنانہ۔ ازد۔ بجیلہ۔ خثعم۔ تمام گھرانا قیس عیلان کا اور مضر) یہ سب مسلمان عربون کے قبیلے تھے اور اہل عالیہ اور کوفہ کے رہنے والون کو اہل مدینہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ ہر ایک خمس پر انہین قبایل کے امرا مین سے ایک شخص امیر ہوا کرتا تھا۔ اسی اندازپر۔ مسلمانون کی تمام فوجی طاقتون کو قیاس کرنا چاہیے خواہ وہ کوفہ مین رہتے ہون یا فسطاط وغیرہ شہرون مین جنکو مسلمانون ہی نے آباد کیا تھا یا انکے علاوہ عراق۔ شام۔ اور مصر کے دوسرے اہمی شہرون مین قیام رکھتے ہون۔ گویا کہ مسلمانون کی فوجین ہر ایک ملک مین تھین۔ اور انکی تقسیم اسی ڈھنگ سے ہوتی تھی۔

باوجود اسکے کہ تمام مسلمان جنگجو سپاہی تھے اُنمین سے کوئی شخص سوائے شمشیر زنی کے دوسرا کوئی پیشہ یا کام نہین کرتا تھا۔ عمر بن الخطاب رض نے انہین کھیتی باڑی کے دھندون مین پڑنے سے بھی منع فرمادیا تھا۔ گویا کہ خلیفہ ممدوح نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا تھا کہ مسلمانون نے ممالک کو فتح کرنے اور سرسبز زمینون پر قابض ہونے کے بعد آرام طلبی اور جنگ سے دست کشی کرنی چاہی تھی۔ لہذا آپنے تمام ملکون مین منادی کرادی کہ امیر افواج (جنرل) اپنی عیت (سپاہ) سے کہدین کہ اُنکا وظیفہ کردیا گیا ہے۔ اور اونکے بال بچون کے لیے بھی وظائف مقرر ہوچکے ہین۔ اسلیے وہ لوگ کھیتی کرنے کی جانب مایل نہ ہون۔ شاید حضرت عمر رض نے اس قسم کے حکم مین یہ مصلحت بھی رکھی ہو کہ جنگجو مسلمان کسی ملک مین وطن نہ بنالین۔ تاکہ انہین اپنے اُن بھائیون کی کمک کے لئے جو کہین اور مصروف جنگ ہون۔ یا کسی علاقہ کی حفاظت کی خوض سے جانے وقت جبکا کہ اکثر اتفاق پڑتا رہتا تھا نقل و حرکت شاق نہ گزرے۔ +

مسلمانون کی عام جماعتون کے علاوہ فوجی ایک علیحدہ جماعت کا منتظم کرنا حضرت عمر رض کے عہد مین فاتر کہلانے کے وقت سے شروع ہوکر بنی امیہ کے عہد مین مکمل ہوا۔ جسکا بیان آگے آئیگا۔ تواریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگی خدمت کا لزوم اور باقاعدہ فوجی ملازمت کا دستور زمانہ بنی امیہ کے وسط مین شروع ہوا۔ اس سے پہلے لوگ دینی جہاد کے طور پر لڑائیون مین شریک ہوکر مال غنیمت اور اپنے ہاتھون سے قتل کئے ہوئے دشمن کے سامان سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ حضرت عثمان رض کی شہادت (۳۵ھ) کے بعد اہل اسلام بیرونی دشمنون کو چھوڑ کر آپسمین کٹنے مرنے اور خانہ جنگیان کرنے لگے۔ ایک مدت تک انکا یہی وتیرہ رہا اور اونکا

ہر ایک گروہ اپنے خیال اور اعتقاد کو محفوظ رکھنے کے لئے۔ اس لحاظ سے کہ وہ حق پر ہے اور حق کو باطل کے صدمہ سے بچا رہا ہے۔ اپنے مخالف اعتقاد والے فرقہ کے ساتھ مصروف جنگ رہا۔ مگر جس وقت کاروبار حکومت بنی امیہ کے قابو میں آگیا۔ اور مسلمانوں کی حکومت متحد ہوگئی۔ اور اموی عصبیت کے غالب آجانے سے گروہ بندیوں کا زور گھٹ چلا۔ اُس وقت لوگوں کے خیالات کسی ایسے معاملہ کیجانب مائل ہونے لگے جو انہیں جنگ پر آمادہ کرے اور لڑتے رہنے کا شوق دلائے۔ اس وجہ سے لوگوں نے خانہ نشینی اور آرام طلبی اختیار کرنی شروع کی۔ اس حالت کو دیکھکر خلفاء مجبور ہوئے کہ فوجی ملازمت کا سلسلہ شروع کریں۔ سب سے پہلے جس شخص نے فوجی ملازمت کی بنیاد ڈالی وہ شاید حجاج بن یوسف ثقفی تھا اور اُس نے عبدالملک بن مروان کے عہد میں یہ سلسلہ قایم کیا۔ اُس زمانہ میں اموی حکومت اپنی ترقی کے بلند ترین زینہ پر پہونچ چکی تھی۔ مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تھی۔ اور وہ لوگ دنیا میں ہر قسم کے کاروبار خصوصاً کشور ستانی کی جانب مائل ہو چلے تھے۔ نیز جنگی مشغلوں کے باقی نہ رہنے سے وہ ایک طرح مطلق العنان ہی ہو چکے تھے۔ اگرچہ اکثر اہل اسلام نے امیر معاویہؓ ہی کے زمانہ میں جنگ اور فوجی خدمت سے الگ رہکر گوشہ نشینی اختیار کرنے یا دیگر مشاغل کیطرف متوجہ ہونیکا قصد کیا تھا۔ لیکن امیر ممدوح نے انکو اپنی حکمت عملی سے قابو کرلیا۔ اور اس ارادہ سے باز رکھا۔ اور سب کو دفع الفتنہ اور عصبیات سے اونکو اپنا گرویدہ بنالیا۔ جس وقت معاویہؓ کے بعد اونکا بیٹا یزید اور اوسکے بعد معاویہ دوم پھر اُسکے بعد مروان بن حکم حکمران ہوئے تو چونکہ ان لوگوں میں سے ایک بھی اس ڈھنگ کا آدمی نہ تھا کہ لوگوں کے دل اپنی جانب مائل رکھتا اور مسلمانوں کو اپنی اطاعت سے باہر نہ ہونے دیتا۔ اسلئے فوجی لوگوں کو بیٹھہ رہنے اور آرام طلبی کی جرأت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ جب عبدالملک خلافت کا والی ہوا ہے اُس وقت بھی فوجکی یہی حالت تھی۔ نہ تو سپاہی لوگ اُسکے ساتھہ کوچ کرتے اور نہ اُسکے مقام کے ساتھہ مقام کرتے تھے۔ عبدالملک نے اس حالت کی شکایت اپنے "صاحب شرطہ" (پولیس کمشنر) "روح بن زنباع" سے کی۔ وہ خلیفہ سے کہنے لگا کہ:۔ امیرالمؤمنین! امیری ماتحتی میں ایک شخص ہے۔ اگر آپ اُسے اپنی فوج کا افسر بنادیں تو وہ سب کو سیدھا کردیگا اور آپکے ساتھہ ہی ساتھہ کوچ و مقام کرائیگا۔ اُس شخص کا نام حجاج بن یوسف ہے۔" عبدالملک نے اُسکی بات مان لی اور حجاج کو فوج کا افسر بنادیا۔ حجاج نہایت تند مزاج اور ظالم شخص تھا۔ اسلئے کسی سپاہی کو اُسکے حکم سے سرتابی کرنے کا یارا نہ تھا۔ اُس وقت سے فوج برابر خلیفہ کے ساتھہ ہی ساتھہ کوچ و مقام کرتی جاتی تھی۔ مگر روح بن زنباع کے ماتحت پہرہ بھی اس قاعدہ کی پابندی یا حجاج کے حکم کی ذرا بھی پروا نہ کرتے تھے۔ ایک دن حجاج نے ان لوگوں کو دیکھا کہ اور سب تو کوچ

کر گئے ہین لیکن وہ ابھی کہانا کہا رہے ہین۔ حجاج نے یہ حالت دیکھکر اُن سے دریافت کیا "تم لوگ امیر المؤمنین کے ساتھہ کوچ کرنیسے کیون رک گئے؟" روح بن زنباغ کے ملازمون نے بجائے اسکے کہ کوئی عذر یا اپنی خطا کا اقرار کرتے۔ حجاج کو مخاطب کرکے یہ بات کہی "ابے بُہتنی کے تو بھی کھوٹے سے اُتر کے ہمارے ساتھہ کہانا کھالے" حجاج نے اُنکی یہ گستاخی دیکھکر کہا۔ افسوس اب تو مجھے جو کچھہ انکی پاسداری تھی وہ بھی جاتی رہی۔ یہہ کہکر اپنے ماتحتون کو حکم دیدیا کہ ان لوگون کو کوڑون سے پیٹ کر تمام فوج مین پھراؤ اور تشہیر کرو۔ تاکہ اوروں کو عبرت حاصل ہو۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ روح بن زنباغ کے خیمون کو آگ لگاکر جلادو۔ حجاج کے ماتحتون نے اس حکم کی فوراً تعمیل کردی۔ روح بن زنباغ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ روتا پیٹتا عبد الملک بن مروان کی خدمت مین پہونچا۔ عبد الملک نے دریافت کیا کہ تمہین کیا ہوگیا ہے رو تے کیون آئے ہو۔ ابن زنباغ نے عرض کی۔ "امیر المؤمنین! حجاج بن یوسف جو کل میری ماتحتی مین ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت رکھتا تھا آج اُس نے میرے غلامون کو کوڑے لگوائے اور میرے خیمے جلوائے ہین" عبد الملک نے جھلاکر حکم دیا۔ اُسے ابھی میرے روبرو حاضر کرو۔ حجاج خلیفہ کے حضور مین پیش ہوا تو خلیفہ نے بگڑکر اوس سے پوچھا "تو نے کیون اس قسم کی نامناسب حرکت کی۔ اسکی وجہ کیا تھی؟"

حجاج "امیر المؤمنین! مینے کیا کیا؟"

عبد الملک "او امین تو کس لئے کیا؟"

حجاج "واللہ اے امیر المؤمنین یہ کام آپکے کیا۔ میرا کوڑا اور میرا ہاتھہ آپکا ہاتھہ ہے امیر المؤمنین کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات نہین ہے کہ وہ ابن زنباغ کو ایک غلام کے بدلے دو غلام اور ایک خیمے کے بدلے دو خیمے عطا فرماوین۔ اور مجھے جو مرتبہ امیر المؤمنین نے عطا فرمایا ہے روح بن زنباغ کی خیال سے اوسکو بھی نہ گھٹائین" خلیفہ نے یہ عاشقانہ اور معقول گفتگو سنکر روح بن زنباغ کو اوسکے ضائع شدہ سامان کا معاوضہ دلوادیا۔ اور حجاج کے منصب مین ترقی کردی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ خلیفہ کو حجاج بن یوسف کی لیاقت اور کارگزاری کا علم حاصل ہوا۔

یہ بیان پڑھنے کے بعد شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید اسی زمانہ سے لازمی فوجی خدمات کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ اسکے بعد پھر تو یہ ایک قابل عمل طریقہ بنگیا۔ اور اسلامی فوج کے دو گروہ ہوگئے۔ (۱) تنخواہ دار۔ (۲) خوشی خاطر سے فوجی خدمت بجا لانے والے (والنٹیر) یہ دونون جماعتین اہل عرب ہی کی ہوتی تھین جو اپنے نسب کے لحاظ سے یا تو قحطان کی جانب راجع ہوتے تھے اور وہ لوگ یمن کے باشندے تھے۔ یا عدنان سے منسوب

اور یہ لوگ "مضر" کے کہلاتے تھے۔ فوجکے اِن دونوں گروہوں مین آزاد شدہ غلامون اور ایسے لوگون کی جو غلامی کی حالت مین ہوتے ایک کافی تعداد ہوا کرتی تھی۔ +

عہد اسلام مین اہل عجم کی فوجین | بنو عباس کا زمانہ آیا اور اُنکو اپنی حکومت کے پُر زور بنانیکے لئے غیر ملکی لوگون سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوئی تو خالص عربی فوجون مین غیر اقوام کی بھی متعدد جماعتین داخل ہوگئین عجمیون مین سے اول اول جن کو قدم بقدم لشکر اسلام مین آیا وہ اہل خراسان تھے۔ کیونکہ اسی قسم کے لوگون نے ابی مسلم خراسانی کی ماتحتی مین بنو عباس کی دعوت پھیلانے مین امداد دیکر اُنکو عثمان خلافت پر قابض کردیا تھا چنانچہ خلیفہ منصور کے زمانہ مین فوجی سپاہی تین گروہ پر منقسم تھے۔ (۱) یمن کے عرب۔ (۲) مُضری گھرانے کے عرب۔ (۳) خراسانی (۴) عجم۔ پہلے ان کے علاوہ ایک اور چوتھے فرقہ کا بھی اضافہ کیا گیا جو محافظ خاص کا دستہ تھا۔ خلفاء نے اس فوج کو اپنی جان کی حفاظت کے لئے مرتب کیا تھا کیونکہ اُس زمانہ مین حکمرانون کے واسطے طرح طرح کے جال بچھائے جاتے تھے۔ ملک مین عام طور پر خفیہ منصوبے اور سازشین کیجاتی تھین اور خلفاء پر حملے ہوتے رہتے تھے۔ لیکن یہ عجیب واقعہ ہے کہ جس طریقہ سے خلفاء نے اپنی حکومت کا تحفظ کرنا چاہا تھا۔ وہی آخر کار حکومت کو اُنکے ہاتھون سے نکل دینے کا سبب بنگیا۔ +

سنہ ۲۱۲ھ مین جبکہ خلافت کا دور معتصم باللہ تک پہنچا ہے اُس زمانہ مین غیر ملکی لوگون کا عنصر حکومت پر غالب آچکا تھا۔ اور خلفاء اپنی جان سے بہت خائف رہا کرتے تھے معتصم بھی اسی لئے اپنی فوجکی جانب سے ڈر کر مجبور ہوگیا کہ مصر کے زیریں قریہ ودیہاتی باشندگان اہل حوف سے ایک فوج اپنی حفاظت کے لئے تیار کرے چنانچہ اس نے انہین اپنے بادی گارڈ یعنی رکھیا بنکا نام "مغاربہ" رکھا۔ اور ممکن ہے کہ اُن لوگون مین کچھ ملک مغرب کے رہنے والے بھی ہون۔ نیز معتصم باللہ نے اشروسنہ۔ سمرقند اور فرغانہ کے رہنے والون کی بھی ایک بڑی تعداد اون کے بازارون سے وقتاً فوقتاً خرید کر جمع کی تھی۔ اور ان غلامون کی بھی ایک خاص فوج مرتب کرکے اون کا نام پہلے "فراغنہ" رکھا تھا۔ پھر "ترکون" کے نام سے موسوم کیا۔ یہ سپاہی عباسی حکومت کے لئے اور تمام فوجی لوگون سے بڑکر خطرناک نکلے یعنی آخر کار ان کے ہاتھون امرار سلطنت پر بڑی بڑی سختیان ہونے لگین اور یہ لوگ اصل عربی فوج کی تحقیر اور تمام اہل بغداد کی ایذا رسانی کے بھی مرتکب ہوئے۔ یہان تک کہ اکثر بغداد کی سڑکون پر سوار ہوکر نکلتے اور گھبرو جوانون کو اٹھا لگاتے جسکی وجہ سے مرد۔ عورت اور بچے انکی چیٹ مین آکر پچھاڑ کھاتے۔ زخمی ہوتے یا مرجاتے۔ لوگون نے تنگ ہوکر معتصم باللہ سے فریاد کی۔ معتصم باللہ کو اس آفت کے ابتدا

کی اسکے سوا اور کوئی ترکیب نہ سوجھی کہ اپنی فوج کو بغداد سے باہر نکال دے۔ لہٰذا اُس نے ۲۲۱ھ مین قلعہ "سامرہ" بنوایا اور معہ اپنی فوج کے اُس مین قیام کیا۔

معتصم باللہ کی خلافت اہل عرب کے لئے اپنے خلفا سے بیزار ہونے اور اُنکی شکایت کرنیکا مقدمہ تھی فوج کے لفظ سے اندنون ترک غیر عجمی قومون کے سپاہی مراد ہوتے اور "حربیہ" (جنگی سپاہ) سے عربی النسل مردان نبرد جنکی پیادہ جمعیت تھی۔ ان دو فرقون کے علاوہ ایک فرقہ "متطوعہ" کا اور بھی تھا۔ یہ لوگ اپنی مرضی سے جنگ مین شریک ہوتے اور غالباً مملکت اسلامی کی حدود سے باہر ملکون مین جہاد کرتے رہتے تھے۔ افواج خلافت مین کچھ اور گروہ بھی ہوتے تھے جو حسب مندرجہ ذیل ہین:-

(۱) نشاب۔ (تیر انداز)۔ (۲) نفط (ایک مشتعل ہوجانیوالا تیل جس سے دشمن کے قلعون وغیرہ کو آگ لگاتے تھے) پھینکنے والے۔ (۳) منجنیق چلانیوالے جو اس زمانہ کے توپچیون کے قایم مقام ہوتے تھے۔ (۴) عیار۔ گوپھن کے ذریعہ سے پتھرون اور ڈیلون کی مار کرنیوالے۔ نیز فوج کے لئے طبیبون اور جراحون کا بھی عملہ رہتا تھا جو امن اور جنگ ہر حالت مین موجود رہتا جس طرح آجکل کی متمدن اقوام مین فوجی ہسپتال ضرور ہوتے ہین۔

اسکے بعد ترکی فوج مین سے کئی ایک اور گروہ تیار ہوتے گئے جنہون نے حکومت مین اپنا اپنا اثر اور اقتدار بڑھانے کی نکرین اور کوششین شروع کین۔ ان فرقون مین سے ایک "شاکریہ" نامی گروہ تھا جو مہتدی باللہ کے عہد حکومت مین پیدا ہوا تھا اور معتضد باللہ کے دور مین پروان چڑھا۔ اسی اثنار مین خلفاء کے بلاط مین ایک قسم کا خاص محافظ دستہ مقرر ہوگیا جنکا نام "غلمان حجریہ" رکھا گیا۔ بنی فاطمہ کے عہد مین بھی ان لوگون کا ایک فرقہ تھا۔ عرب پیدل فوج کا ایک بڑا حصہ ایکبار اُس سے جدا ایک گروہ تیار ہوا جو "مردان نبرد" کے نام سے مشہور ہوا اسکے بعد ایک اور فرقہ پیدا ہوا جو معتضد باللہ عباسی کے ایک عامل ابن الساج کی نسبت سے "فرقہ ساجیہ" کہلاتا تھا اس موقع پر ہم عباسی حکومت کی تاریخ کا مطالعہ کرنے مین اور بھی کئی گروہون کے نام پاتے ہین مثلاً "بالبیہ" اور "سعدیہ" وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام گروہ اپنی اپنی جگہ اسبات کی پوری کوشش کرتے رہتے تھے کہ سلطنت مین انہین کا اثر غالب ہے۔ اسی وجہ سے اکثر اوقات خود انکے مابین یا انکے اور خلفاء کی محافظ فوجکے مابین فساد اور دنگے ہوجایا کرتے جنکا انجام یہ ہوا کہ حکمرانی کا سلسلہ اہل عرب کے ہاتھون سے نکل گیا۔ اور قریش اور اہل عرب کا معاملہ بالکل بھول بسر گیا۔ جسکا بیان آگے چلکر آجائیگا۔ اور حکومت کے کاروبار تک کون غیر عجمی النسل اقوام کے قابو مین چلے گئے جنکی کئی مشہور حکومتین قایم ہوئین اور مدت تک بڑی شان و شکوہ کے ساتھ حکمران رہین۔

فوجی دفتر

فوجی دفتر کی بنیاد مدینہ میں اول اول عمر بن الخطابؓ کے ہاتھوں پڑی۔ اس دفتر میں مسلمان مردوں کے نام لکھے گئے اور اونکے وظیفوں کی شرح قرار پائی۔ ابتدا یہ دفتر فوجی دفتر نہیں کہلاتا تھا بلکہ صرف "دیوان" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اُس میں تمام مہاجرین۔ انصار۔ اور اُن کے تابعین کے نام بشرح تنخواہ درج کئے گئے تھے۔ اور وظیفہ کی مقدار کا کم و بیش ہونا نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی قرابت اور اسلام قبول کرنے میں سبقت کے لحاظ سے ہوا کرتا تھا۔ ہر ایک مسلمان مرد اپنی تنخواہ خود پاتا تھا اور اوسکے بیوی بچوں کا وظیفہ علیحدہ مقرر ہوتا تھا۔ اس بات کو ملحوظ رکھکر یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ وہ دفتر مسلمانوں کا تھا۔ کیونکہ اُن دنوں جملہ اہل اسلام فوجی سپاہی تھے جس زمانہ تک سابق الاسلام لوگ موجود رہے وظائف کی کمی بیشی میں اون کا اور نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے رشتہ داروں کا لحاظ کیا جاتا رہا۔ مگر اُن کے رفتہ رفتہ نابود ہوجانے پر جبکہ اسلامی فوج مسلمانونکی ایک خود بخود قایم رہنے والی جماعت بنگئی اُس وقت اُسکی ترتیب شجاعت اور جنگ میں استقلال و پامردی ظاہر کرنے پر منحصر ہوگئی اور جوہر ذاتی کی بنا پر عہدے اور مرتبے ملنے لگے۔

عام لوگوں میں سے فوج کے لئے سپاہیوں کے بھرتی کرنیکا ایک خاص طریقہ تھا اور جنگی خدمت کے خواہشمند کے واسطے چند شرطیں مقرر تھیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جو شخص فوج میں بھرتی ہونا چاہتا وہ طلب ہونے پر "افسر دیوان فوج" کے پاس پیش ہوتا جو یہ دیکھتا تھا کہ آیا امیدوار فوج میں رکھنے کے قابل ہے یا نہیں۔ اگر وہ آزاد بالغ مسلمان۔ تندرست صحیح الحواس اور دلیر نہ ہوتا تو فوجی خدمت انجام دینے کے ناقابل سمجھا جاتا اور جو وہ تمام شرطوں میں پورا اُترتا تو اوسکا نام معہ نسب اور حلیہ کے دفتر میں لکھ لیا جاتا۔ نام لکھتے وقت اُس شخص کے تمام امتیازی اوصاف و علامات کو بڑی احتیاط سے قلمبند کرتے تاکہ اگر ایک نام کے کئی آدمی ہوں تو گڑبڑ نہ پڑے۔

دفتر میں سپاہیوں کی ترتیب کے وقت ہمیشہ انہیں قواعد کا لحاظ ہوتا تھا جنکو عمر بن الخطابؓ نے سابقہ اور نسب کے اعتبار سے قرار دیا تھا۔ اولاً فوجکی ترتیب جنسوں اور قبیلوں سے شروع ہوتی۔ جس وقت ہر ایک قبیلہ اور جنس دوسری سے متمیز ہوجاتی تو وہ دو حال سے خالی نہ ہوتی یعنی عربی یا عجمی۔ پس اگر سپاہی عربی النسل ہوتے

تو اونکے قبیلوں کی ترتیب باعتبار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت مندوں کے ہوتی۔ ترتیب کی ابتدا خاندان نبوی کی اصل سے کیجاتی۔ اسکے بعد اسکی شاخوں کی نوبت آتی۔ مثلاً اہل عرب کی دو قسمیں ہیں عدنانی۔ اور قحطانی عدنانی عرب قحطانیوں پر مقدم کئے جاتے تھے۔ کیونکہ نبوت اُنہی کے گھرانے میں تھی۔ عدنان مجموعہ ہے ربیعہ اور مُضر کا ان میں سے مُضر کو فوقیت ہے اسلئے کہ نبوت اُن میں تھی۔ مُضر کی شاخیں ہیں قریش۔ اور قریش کی علاوہ دوسرے کُنبے۔ اُن میں قریش کو فضیلت دیجاتی تھی۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُسی خاندان سے تھے۔ قریش کے گھرانے میں بنو ہاشم اور بنو اُمیہ وغیرہ ہیں۔ مگر تقدم بنو ہاشم کو تھا اس وجہ سے کہ نبوت اُنکے گھرانے مین تھی۔ گویا کہ بنو ہاشم اس ترتیب کے قطب اور مرکز تھے۔ اور انکے بعد وہ لوگ تھے جو انکے ساتھ نسبی قرابت مین درجہ بدرجہ زیادہ نزدیک ہوتے۔ اور اگر فوجی سپاہی عجمی ہوتے اور کسی نسب پر مجتمع نہ ہو سکتے تھے تو اونکو جنس پر مجتمع کیا جاتا جیسے ترکی۔ ہندی۔ یا ملک اور سکونت پر مثلاً خراسانی۔ فراغنہ۔ اور مغربی۔ پھر اگر ان عجمی لوگون کو کسی قسم کا سابقہ حاصل ہوتا تو دیوان میں اُسکے مطابق ترتیب پاتے تھے۔ ورنہ قرب حاکم کے اعتبار سے۔ اور اگر اس معاملہ میں بھی برابر ہوتے تو اس بات کا خیال کیا جاتا کہ کس فرقہ نے پہلے اُس حاکم کی اطاعت اختیار کی ہے۔

فوجی دفتر کی کئی شاخیں تھین۔ کوئی مراسلت (پیغام رسانی) کے لئے۔ کوئی عطاء (تقسیم تنخواہ اور انعامات) کی غرض سے۔ اور کوئی شاخ فوجی اور جنگی مصارف یا دیگر مختلف ضروریات وقت کے لئے۔

فوجی تنخواہیں

فوجی عطیات سے اُنکے وظیفے یا تنخواہیں مراد ہیں جو سال کے اندر مقررہ اوقات میں اُنکو ملتی تھیں۔ یہ عطیات نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں غیر معہود تھے۔ اُن دنوں میں جس قدر مال غنیمت آتا اُسکا ایک خُمس (پانچواں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علیحدہ نکالنے کے بعد باقی چار حصے تمام صحابہ میں بلا کسی امتیاز و تفریق کے بانٹ دیئے جاتے۔ ابوبکر رضؓ نے بھی اسی دستور کی پابندی رکھی۔ حضرت عمر رضؓ کا دور شروع ہوا تو اُنھوں نے دفتر ترتیب دیا اور لوگوں کے وظائف میں باعتبار نسب اور سابقہ کے تمیز کی۔ اس لحاظ سے اُنکی ترتیب طبقوں کے اعتبار سے رکھی اور ہر ایک کا راتب بلحاظ قرابت نبوی یا سابق الاسلام ہونیکی حیثیت سے مقرر کیا۔ یا اسکے علاوہ اور حیثیتوں سے جیسا کہ فہرست ذیل سے واضح ہوگا۔ یہاں پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اس جدول مین وظائف

کی جو مقدار درج کیجاتی ہے یہ صدر اسلام میں سالانہ وظائف ہوتے تھے :-

ہر ایک ایسے مہاجر اور انصاری کیلئے جس نے بدر کبریٰ کے جنگ میں شمولیت کا شرف حاصل کیا ہو۔	۵۰۰۰ درم
ہر ایک ایسے مہاجر اور انصاری کے واسطے جو اس میں شریک نہ ہو سکا۔	۴۰۰۰
ازواج نبی صلے اللہ علیہ وسلم۔	۱۲۰۰۰
عباسؓ بن عبدالمطلب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا۔	۱۲۰۰۰
حسنؓ اور حسینؓ	۵۰۰۰
عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ (خلیفہ کے بیٹے)	۳۰۰۰
مہاجرین اور انصار کی ہر ایک لڑکی کو۔	۲۰۰۰
ہر ایک اہل مکہ کو۔	۸۰۰
ہر ایک مسلمان کے لئے جو مختلف طبقوں میں سے ہوں۔	۳۰۰-۵۰۰
مہاجرین اور انصار کی عورتیں۔	۲۰۰-۶۰۰

بعض روایتوں کے خفیف اختلاف کے ساتھ عمرؓ کے زمانہ میں فوج کی تنخواہیں یا مسلمانوں کے وظیفے حسب مندرجۂ بالا ہی تھے۔ اگر ان وظیفوں کی مقدار پر غور اور پھر انکا آجکل کے وظائف سے مقابلہ کریں تو بہت بڑا فرق نظر آئیگا۔ اگر ہم درم کو ایک فرانک کے مساوی سمجھیں جو قیمت میں قریباً اتنا ہی ہوتا ہے تو اسلام کے بڑے سے بڑے لوگوں کا وظیفہ بھی پانچ ہزار فرانک سے زیادہ نہیں قرار پاتا۔ جو قریباً دو سو گنی" سالانہ ہوتا ہے۔ اور اگر ہم مسلمانوں کو سپاہی مان لیں تو مہاجرین اور انصار انکے افسر ہوئے جن میں خود عمرؓ بھی تھے۔ اور جنکو ہم نے عام مسلمان لکھا ہے وہ نفر خیال کئے جا سکینگے۔ خواہ وہ کسی طبقے کے ہوں۔ اور انکے وظیفے اُن لوگوں (مہاجرین و انصار) سے کہیں کمتر تھے۔ کیونکہ وہ تین سو درم سے پانچسو درم تک قبیلہ جہاد اور فضیلت اسلامی کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتے تھے۔ تو گویا عمر بن الخطابؓ کے عہد میں اسلامی فوج کے افسروں کی تنخواہیں چار ہزار سے پانچ ہزار درم سالانہ تک اور سپاہیوں کی تین سو درم سے پانچسو درم سالانہ تک ہوتی تھیں۔ یہ تنخواہیں اُن نقد وظائف کے جو اُنکی بیوی بچوں کو ملا کرتے تھے اور اس غلہ گندم کے علاوہ تھیں جو ہر ایک شخص کو دو جریب ماہوار کے حساب سے ملا کرتا تھا۔ ایک جریب ۳۶۰۰ گز مربع ہوتی تھی اور اس سے یہ مراد تھی کہ اس قیمت میں جتنا غلہ پیدا ہو وہ سب اُنکو ملتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ اوائل اسلام میں چھوٹے چھوٹے فوجی

سپاہیوں کی تنخواہین بہی اس زمانہ کے سپاہیون کی تنخواہون سے زیادہ ہوتی تہین۔ مگر اُن کے افسرون کا معاملہ اسکے بالکل برعکس تھا۔

خلفائے راشدین کے عہد مین فوجی وظائف کی مقدار اسی قدر رہتی چلی گئی۔ مگر جبکہ بنو اُمیہ نے حکومت کی طمع کی اور معاویہؓ کو اہل عرب سے کمک لینے کی ضرورت پیش آئی تو اُنہون نے جن باتون کی عربی قبائل سے کمک لی اُن مین ایک بڑی چیز مال تہی۔ اور اس سے انہون نے فوجکے وظائف بڑہا دیئے۔ اُنکی فوج مین ساٹھ ہزار سپاہی تھے جنپر وہ سالانہ ساٹھ ملین درہم صرف کرتے تھے۔ اور یہ تعداد اُس خرچ کے مقابلہ مین جو عمر رضی اپنی فوج پر کیا کرتے تھے دُگنی سے بہی زیادہ تہی۔ +

جن قبایل نے معاویہؓ کی دستگیری کی اور اُنکی طرف سے جنگ کر کے اُنکی دعوت کو مدد پہنچائی۔ اُن مین قبائل یمن کا قدم سب سے آگے تہا۔ اور انہون نے محض بطمع مال و زر ایسا کیا۔ کیونکہ صرف جہاد کی غرض سے اُنکا شوق اور ولولہ خلفائے راشدین ہی کے زمانہ تک تہا۔ اور نبوت کی دہشت زائل ہوجانے سے اب وہ لوگون کے دلون مین کچہہ بھی باقی نہ رہا تہا۔ معاویہؓ نے یمن کے لوگون کا ایک مستقل دستہ اپنی فوج مین بہرتی کیا جنکی تعداد دو ہزار سوار تھی ان کے وظیفے دُگنے مقرر کئے۔ اور انکو تمام فوج سے الگ اور سب سے ممتاز بنا دیا تہا۔ اُن کے امیرون سے اپنے اہم معاملات مین رائے لیتے اور اپنا مقرب بنائے رکہتے جس سے اہل یمن کا اس قدر زور ہوگیا اور انکی عظمت و اقتدار کو اتنی ترقی حاصل ہوئی کہ آخر کار وہ بنو امیہ کی حکومت کو اپنا زیر بار احسان سمجہنے اور جا بجا اسکے چرچے کرنے لگے کہ اگر ہم چاہین تو بنو مُضر کو جن مین بنو امیہ بھی داخل تھے ملک شام سے بالکل نکال باہر کرین۔ اس وجہ سے معاویہؓ اون لوگون کو اپنا مقرب منظور نظر بنا کر نادم ہوئے۔ اور اس قدر امتیاز دیکر بڑے پچتائے۔ اور انکا غرور توڑنے کے لئے ایک اور فرقہ کو جسکا لقب "قیسیہ" تھا اپنا مقرب بنالیا اور اُنکو بھی ویسے ہی عطیات دینے لگے جیسے یمنیہ کو ملتے تھے۔ اسکے بعد سے اُنہون نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بحری جنگون مین یمنیہ فرقے کو اور خشکی مین "قیسیہ" گروہ کو مصروف پیکار رکہتے۔ یمن والون کو یہ امر شاق گزرا۔ کیونکہ "قیسیہ" فرقہ کے لوگ مُضر کے خاندان سے تہے۔ اور اُنہون نے معاویہؓ پر اپنی خفگی اسباب مین ظاہر کی۔ جسکے سبب سے معاویہؓ نے دونون کو اکٹہا کر دیا اور انکے واسطے دونون قسم کی لڑائیون مین شرکت کا دروازہ کہول دیا۔

معاویہؓ صرف فوجکے رضامند رکہنے ہی مین مال نہین خرچ کرتے تہے بلکہ اپنے ساتہہ مخالفت اور عداوت

رکھنے والوں کی شورشیں کم کرنے اور اپنے موافق لوگوں کی جماعتیں تیار کرتے رہنے میں بھی دل کھولکر روپیہ لگاتے تھے۔ چنانچہ اکثر اوقات وہ اپنے عاملوں کو ایسے لوگوں کے عطیات میں اضافہ کی ہدایتیں کرتے رہتے جن کو سمجھتے کہ وہ علی رضہ سے کوئی غرض رکھتے ہیں۔ اور انکے عمال اُن اغراض کو سمجھ نہ سکنے کی وجہ سے نفاذ احکام نہیں کرتے تھے اس قسم کی باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ اہل کوفہ کو علی رضہ کے ساتھ بہت اُلفت تھی لہذا معاویہؓ نے وہاں کے عامل نعمان بن بشیر کو اسبات کا حکم بھیجا کہ کوفہ کے باشندوں کے عطیات میں دس دینار کا اضافہ کردے۔ نعمان نے گو اس حکم کے ماننے سے انکار کیا لیکن اسے کچھ فایدہ نہ ہوا۔

یزید۔ مروان اور عبدالملک کے زمانہ میں بھی عطیات کی یہی حالت برابر قایم رہی۔ عبدالملک کے چونکہ ایک اور سخت وقت یہ بھی درپیش تھی کہ اُسکے عہد میں خلافت کے بہت سے دعویدار پیدا ہوگئے تھے۔ اس وجہ سے وہ اپنے دعویداروں کی دلجوئی کرتے رہنے کی غرض سے اور بھی زیادہ انعام واکرام دیتا رہتا تھا۔ حجاج نے عبدالملک کے حکم سے "رتبیل" کیجانب جو فوج روانہ کی تھی اُسکی تعداد چالیس ہزار تھی۔ اس لشکر کی روانگی کے مصارف دو ملین درم تک پہنچ گئے تھے۔ یہ اخراجات اُنکے عطیات اور اُن رقموں کے علاوہ تھے جو اُس فوج کے افسروں کو بطور انعام دیگئی تھیں۔ ولید بن یزید نے متولی خلافت ہوکر اپنے خلیفہ ہونیکے دن فوج کے عطیات میں دس درم کا اور بھی اضافہ کردیا۔ ممکن ہے کہ اُس نے اپنی کمزوری حکومت اور عیش پرستی کی خرابی کو دباکر فوجکے رضامند کرنے کی نیت سے ایسا کیا ہو۔ دولت بنوامیہ کے آخر زمانہ میں فوج کے وظیفے گھٹ گئے۔ یہانتک کہ آخری خلیفہ کے عہد میں صرف پانچسو درم سالانہ فی سپاہی باقی رہگئے تھے۔ +

بنوعباس کو خلافت حاصل ہوئی تو سفاح نے سپاہی کی تنخواہ اسّی درم ماہوار (۹۶۰ درم سالانہ) کردی گویا اُس نے فوجکا مشاہرہ اُلٹ کر پہروہی مقرر کردیا جو بنوامیہ کے ابتدائی دور خلافت میں رہ چکا تھا۔ سوار کو اس سے دوگنا وظیفہ ملتا تھا۔ تاکہ نصف تنخواہ وہ اپنے گھوڑے کے مصارف میں اُٹھائے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت عباسیہ کی ترقی کے ساتھ فوجکے وظایف میں کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کے برعکس وہ روز بروز کم ہوتے گئے چنانچہ عہد مامون الرشید میں پیدل کی ماہوار تنخواہ صرف بیس درم اور سوار کی چالیس درم رہگئی۔ ۲۰۱ھ میں عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد کا لشکر چالیس ہزار سپاہیوں کا تھا۔ اور اُس نے سوار کی تنخواہ چالیس درم ماہوار کر رکھی تھی۔ اور پیدل کی بیس درم اس بات پر اتنا اور بھی اضافہ کردینا چاہیئے کہ اُس زمانہ میں بہ نسبت ابتدائے اسلام کے سونے کی قیمت چڑھ گئی تھی اور جو دینار عمر رضہ کے عہد میں

دس درم کے مساوی ہوتا تہا وہ مامون کے زمانہ مین ۱۵ درم کے مساوی ہوگیا تہا۔

بیان بالا سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ فوجکی تنخواہین بنوامیہ کے عہد خلافت مین خلفائے راشدین کے زمانہ کی نسبت سے بڑہکر پہر بنوعباس کی حکومت مین کم ہوگئین اسکا سبب یہ تہا کہ بنی اُمیّہ نے عربی قبیلون کو اپنی خدمت کی رغبت دلانے اور اپنی حکومت کو تائید پہنچانیکی خواہش سے فوج کے عطیات بڑہا دیئے تہے جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ لیکن بنوعباس کے دور مین اہل عرب اسلامی ملکون مین ہر چہار طرف منتشر ہوگئے اور اہل عجم سے مِل جُل گئے تہے۔ عباسی خلفاء نے اہل عجم کی تعداد اپنی فوجمین بہت بڑہا دی تہی جسکی ایک وجہ یہ بہی تہی کہ اُنہین لوگون نے اُنکی قیام حکومت مین پوری پوری مدد دی تہی۔ اِن وجوہ سے عباسی حکومت کو یہ اختیار حاصل ہوگیا تہا کہ وہ اِن دو گروہون مین سے جس سے چاہے فوجی خدمت لے۔ اہل عجم تہوڑی تنخواہون کو قبول کرلیتے تہے۔ اور باوجود اسکے پہر بہی وہ تنخواہین اُن وظائف سے کہین زیادہ تہین جو رومی والے اپنے سپاہیونکو دیا کرتے تہے۔ ابن حزداذبہ ناقل ہے کہ رومیون کے مان سپاہیون کی تنخواہ ۱۸ سے ۱۲ دینار سالانہ تک ہوا کرتی تہی۔ اور اسکے ساتھہی وہ لوگ تیسرے چوتہے برس صرف ایکبار اپنے وظیفے حاصل کرسکتے تہے۔ بخلاف اسکے عربی فوجون کی تنخواہین سالانہ ماہوار یا سہ ماہی اور ششماہی جیسا دستور ہوتا ٹہیک وقت پر ملا کرتی تہین لیکن عباسی حکومت کے آخری دور مین یہ بات نہ رہی تہی۔ اُن دنون تنخواہون کے ملنے مین دیر ہوتی اور اکثہے کئی کئی مہینے چڑہجاتے اور اسکی وجہ سے جو شخص فوجکو رانہی کرنے کی قدرت یا تادیبی خلافت حاصل کرنے مین کامیاب ہوتا تہا جیسا کہ انحطاط اور کمزوری کے ایام مین تمام حکومتون کا انتظام بگڑ جایا کرتا ہے۔

سلجوقی خاندان کی حکومت تک فوجکی تنخواہین برابر نقد ملا کرتی تہین لیکن جس وقت اس خاندان کی حکومت کو عروج ہوا تو بجائے نقد تنخواہ کے سپاہیون کو جاگیرین ملنے لگین۔ فوج والون کو جاگیرین دینے کا طریقہ سب سے پہلے نظام الملک طوسی نے نکالا۔ یہ نامور شخص جس نے ۴۸۵ھ مین وفات پائی ہے آل سلجوق کا وزیر اور بڑا فاضل شخص تہا۔ اس نے سلجوقی حکومت مین بحالت وزارت بہت سی مفید اصلاحین کین۔ یہی سب سے پہلا مسلمان تہا جس نے بغداد مین مدرسون کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ شہر بغداد کا مشہور مدرسہ نظامیہ اسی کے نام سے موسوم ہے۔ یہ نامی گرامی شخص الپ ارسلان کا وزیر تہا۔ اور پہر اُسکے نامور بیٹے ملک شاہ کا بہی وزیر رہا۔ اسکی قابلیت اور مدبرانہ پالیسی کا اس قدر گہرا اثر پڑا تہا کہ حکومت کے تمام کاروبار اسی کے قابو مین ہوگئے تہے۔ سلطان کو صرف تخت نشینی اور سیر و شکار سے سروکار رہگیا تہا۔ نظام الملک نے بیس برس تک اسی شان و شکوہ کے ساتھہ وزارت کے

نام سے حکمرانی کی۔ وہ ایک دانشمند اور نیکدل خیر خواہ ملک و ملت تھا۔ اُس نے خیال کیا کہ سلجوقی حکومت کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا ہے۔ ایسا نہ ہو اسپر زوال آکر بہت جلد یہ ملک قابو سے نکل جائے۔ لہذا اُس نے یہ ضروری سمجھا کہ جاگیروں کے طریق سے حفظ مملکت کا سلسلہ قایم کرے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا کہ ملک کو مختلف چھوٹی بڑی جاگیرون مین تقسیم کرکے اہل فوج کے حوالہ کردیا۔ نظام الملک کا یہ خیال واقعی مناسب تھا کہ زمینون کو جاگیرداردن کے سپرد کرنا۔ اُنکی سرسبزی اور زرخیزی کی ضمانت ہے۔ کیونکہ وہ جاگیردار اپنے نفع کی خاطر اُسکی اچھی طرح دیکھ بھال کرینگے اور ملک کو اس طرح سرسبزی و خوشحالی نصیب ہوگی بخلاف اسکے اگر صرف ایک دفتر (شاہی دفتر) ملک کے تمام معاملات اور کاروبار کا نگران رہا تو خرابیان بڑھتی جائینگی اور سلطنت مین خلل واقع ہوگا۔ اس خیال کی بنا پر نظام الملک نے جاگیرون کا انتظام جاری کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مملکت آباد ہوگئی اور ملکی پیداوار نہایت افراط سے ہونے لگی۔ چنانچہ گذشتہ صدی کے آغاز تک جس قدر حکمران اور سلاطین نظام الملک کے بعد گزرے ہین سبھون نے اس بارہ مین اُسی کی پیروی کی اور اپنے ملکون مین بھی جاگیرون کا انتظام رکھا۔ اس کا مفصل حال جاگیردن کے بیان مین آگے چلکر بیان کیا جائیگا۔ +

فوجی تعداد

ہم نے یہ پہلے ہی بیان کردیا ہے کہ صدر اسلام میں تمام مسلمان فوجی خدمت کے انجام دینے والے تھے۔ اسلئے اُس زمانہ مین جس قدر اُنکی تعداد تھی بالکل وہی تعداد اسلامی فوجکی تھی۔ پہلے ہجری سال مین اسلامی فوجکی تعداد چند سو مایون سے زایدنہ تھی جو مدینہ منورہ مین رہتی تھی۔ بعد ازان دیگر قبائل عرب کے داخل اسلام ہونے سے اُنکی تعداد بڑھنے لگی۔ ایک صحیح حدیث بخاری مین ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جن لوگون نے کلمۂ اسلام اپنی زبان سے ادا کیا ہے اُنکی تعداد لکھی جائے" تو ہم نے ڈیڑھ ہزار نام قلمبند کرکے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیے"

غزوہ تبوک مین جو سب سے آخری غزوہ تھا اور ہجرت سے نویں برس واقع ہوا۔ مسلمانون کی تعداد تیس ہزار تک پہونچ گئی تھی جنکے ساتھ دس ہزار گھوڑے تھے۔ گویا یون کہنا چاہیے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت مین اسلامی فوج کی اتنی تعداد تھی۔ اسکے بعد ابی بکر رضہ اور عمر رضہ کے عہد دن مین اُنکی تعداد زیادہ ہوتے ہوتے ڈیڑھ

لاکھ سے بڑھ گئی تھی۔ اور خلفائے راشدین کے آخری عہد میں اس تعداد کو دوچند ہوجانا نصیب ہوا تھا۔
بنوامیہ کے ابتدائی دور میں بصرہ اور کوفہ کے رہنے والے لوگوں میں سے فقط مردوں ہی کی تعداد ۱۴۰۰۰۰ ہوگئی تھی جن میں سے اسی ہزار بصرہ میں اور ساٹھ ہزار کوفہ میں تھے۔ ان آدمیوں کے ساتھ جو متعلقین تھے اُنکی تعداد ۲۰۰۰۰۰ تھی جسمیں عورتیں اور بچے سب شامل تھے۔ ملک مصر میں اہل عیال کے علاوہ چالیس ہزار مرد تھے۔ اور ملک شام کی فوج بھی اتنی ہی تھی۔ اسکے علاوہ فارس وغیرہ کے ملکوں میں جو سپاہ تھی اُسکا شمار علیحدہ کہنا چاہیئے۔

صدر اسلام میں خلفاء کو مسلمانوں کی مردم شماری کرنے کی جانب بہت توجہ رہتی تھی اُنکا یہ طریقہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اقتدا کرنیکے خیال سے تھا۔ اُنہوں نے عربی قبیلوں میں سے ہر ایک قبیلہ پر ایک شخص کو مقرر کر رکھا تھا جو ہر روز صبح کو اُٹھکر تمام اسی جگہوں میں گھومتا پھرتا جہاں لوگ جمع ہوکر باہم باتیں چیتیں کیا کرتے اور سبھوں سے دریافت کرتا جاتا کہ کیا آج رات کو تمہارے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ اور کیا آج تمہارے ہاں کوئی مہمان آیا ہے؟ لوگ بتا دیتے کہ ہاں فلان فلان شخص کے لڑکی یا لڑکا پیدا ہوا ہے جنکے نام وہ لکھ لیتا۔ اور یہ بھی بتا دیتے کہ آج ہمارے قبیلے میں فلان شخص اپنے بال بچوں سمیت آکر ٹھہرا ہے اُس نووارد کا اور اُسکے گھر والوں کے نام بھی لکھ لئے جاتے۔ جس وقت وہ شخص اس پوچھ گچھ سے فراغت پاتا تو دفتر میں آکر اُن سب نوزائیدہ بچوں اور آنے والوں کے نام درج رجسٹر کر لیتا تھا۔

اسکے علاوہ ہر ولایت میں کچھ عرصہ بعد علیحدہ علیحدہ بھی مردم شماری ہوا کرتی تھی بمثال کے طور پر ایک ملک مصر کو لیجئے۔ وہاں سب سے پہلے جو رجسٹر مردم شماری کے تیار ہوئے وہ عمرو بن العاص نے کرائے تھے۔ پھر عبدالعزیز بن مروان نے اس کام کی تجدید کی۔ اور نئی مردم شماری کے بعد رجسٹر از سر نو ترتیب دلائے۔ عبدالعزیز بن مروان نے یہ کام اپنی امارت مصر کے زمانہ میں ۶۵ھ سے ۸۵ھ تک کے عرصہ میں انجام دیا تھا۔ اسکے بعد ۹۰ھ سے ۹۶ھ تک قرۃ بن شریک نے اور ۱۰۱ھ میں بشر بن صفوان نے اسے تازہ کیا۔ سب سے آخری مردم شماری جسکے ذریعہ سے تمام ملکوں اور شہروں کے عربی النسل لوگوں کی تعداد جانچی گئی ۱۰۵ھ سے ۱۲۷ھ تک ہشام بن عبدالملک کے عہد خلافت میں ہوئی تھی۔ مگر افسوس کہ اُن مردم شماریوں کی روئداد ہمکو نہیں ملی کیونکہ وہ بھی بنوامیہ کے آثار کے اندر ضائع ہوگئیں۔ بنوعباس والے خلافت ہوئے تو اُنہوں نے اہل عرب کیجانب توجہ کرنی لاحاصل سمجھی۔ بلکہ انکے بجائے اپنی تمام توجہ فارسیوں اور ترکوں وغیرہ عجمی قوموں

گروہ تیار کرنے اور اُنکو اپنے کام کا بناتے رہنے مین صرف کی جسکی کیفیت ہم پہلے بیان کر آئے ہین۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس زمانہ مین (۲۱۸ھ) معتصم باللہ کی بیعت ہوئی تو اُس نے اپنے تمام عاملون کے نام جو ممالک محروسہ مین مقرر تھے۔ یہ فرمان بھیجدیا کہ جتنے عرب دفتر وںکے اندر باقی رہے ہیں اُنکو نکالدیا جائے اور اُنکے وظیفے بند ہوجائین۔ اہل عرب کو یہ بات نہایت شاق گذری۔ اُنہون نے بہت کچھ شور وغل مچایا کیا۔ لڑے بغاوت کی لیکن عبث۔ اُسی وقت سے عربی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور حکومت اسلامی کی سپاہ عجمی قومون اور غلامون سے مامور ہوگئی۔ یہی باعث تھا کہ جس وقت معتصم کا انتقال ہوا اور اوسکے بعد واثق باللہ کو خلافت پہونچی تو بنی خزاعہ کے مشہور شاعر دعبل نے جو اُس وقت مقام سُمیرہ میں تھا اور وہان اوسکو معتصم کے مرنے اور واثق کے تخت نشین ہونے کی خبر لگی۔ اُس نے فی البدیہہ یہ دو بیتین کہین

الحمد للہ لا صبرٌ ولا جلدُ	(ترجمہ) خدا کا شکر ہے صبر وشکیب کا موقع نہین۔
ولا عزاءٌ اذا اھل البلاء رقدوا	اور ماتم پرسی کی اُس وقت کوئی حاجت نہین ہوتی
خلیفۃ مات لم یحزن لہ احدٌ	جبکہ اہل بلا سو رہیں (مرجائیں) ایک خلیفہ مرگیا تو
واخر قام لم یفرح بہ احدُ	کسی نے اُسکا غم نہ کیا اور دوسرا قایم ہوا تو کسی کو اُسکی خوشی نہوئی

بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومتون مین فوجکی کیا تعداد رہی؟ یہ ایک ایسی بات ہے جسکا پتہ نہین چل سکتا مگر ہم اُس تعداد پر غور کرکے جو خلفاء جنگ کے وقت میدان مین لاتے تھے یہ استدلال کر سکتے ہین کہ بیشک اُن کے یہان کی فوج بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ یزید بن مہلب نے صرف جرجان اور طبرستان پر حملہ کرنے کے لئے ۱۲۰۰۰۰ ایسی سپاہ روانہ کی تھی جنکو باقاعدہ تنخواہین ملتی تھین اور غلامون اور (الطور والنٹیر) خوشی خوان لڑنے والون کی تعداد اسکے علاوہ تھی۔ رشید نے ہر قلہ پر ۱۳۵۰۰۰ تنخواہ دار فوج کے ساتھ حملہ کیا تھا غلام اور مقطوعہ (فالودر) اس سے علاوہ تھے۔ محمد بن طغج اخشیدی بانی حکومت کی فوج جو ملک مصر مین تھا ۳۲۳ھ سے ۳۳۴ھ تک ۴۰۰۰۰ سپاہی رہے۔ اور آٹھ ہزار غلام تھے جن مین سے باری باری ہرات مین دو ہزار اُسکا پہرہ دینے پر مقرر رہتے۔ ابن خلدون نے روایت کی ہے کہ معتصم باللہ عموریہ پر ۹۰۰۰۰ سپاہ لیکر اُترا تھا۔ اس مین کوئی تعجب کی بات نہین ہے۔ کیونکہ ہم جس وقت تمام ملک کے نزدیک اور دور سرحدون کی محافظ فوجون کی تعداد کا لحاظ کرین تو یہ مقدار کچھ زیادہ نہین معلوم ہوتی۔ کاروباری لوگ۔ غلام اور خاص سپاہ اسکے علاوہ شمار کرنی چاہیئے۔ کیونکہ خلفائے بنی عباس مین مامون الرشید کے ایسے صرف مخصوص لوگون کا شمار ۳۳ ہزار

تک پہونچا تھا جو محض عباسی خاندان کے لوگ تھے۔ +

فوجی رتبے اور انکی قسمیں۔ چونکہ زمانہ جاہلیت مین اہل عرب کے ہان کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی اسلئے اُن کے ہان فوجی رتبے اور عہدے بھی مقرر نہ تھے لیکن وہ قبیلے کے اوپر ایک امیر مقرر کردیا کرتے تھے۔ اس امیر کو کسی غزوہ وغیرہ مین کوئی فوجی جماعت بھیجنے کی حاجت پڑتی تو وہ اُس جماعت پر ایک شخص کو سردار مقرر کرکے روانہ کیا کرتا اس سردار کو "منکب" کہتے تھے۔ اور ہر ایک منکب کے ماتحت پانچ "عریف" ہوتے۔ ایک عریف بہت سے نفرون پر افسر ہوا کرتا تھا۔ +

ابتدائے اسلام مین عرب کے لوگ برابر اُسی اصول پر قایم رہے جو اُنکے ہان عہد جاہلیت سے رائج تھا۔ اسی لحاظ سے اُنہون نے فوجی سپاہیون کو بہت سے عریفون پر تقسیم کردیا تھا۔ ہر عریف کے ماتحت دس سپاہی تھے۔ اور فوجکی کمان افسری ایسے لوگون کو دی جاتی جو سابق الاسلام تھے۔ چنانچہ اسلامی فتوحات کے زمانہ مین اُن کے فوجی نظام کی یہی صورت تھی۔ اسکے بعد عریف لوگونکی تعداد سات کردی گئی اور ہر عریف کے ماتحت تیس چالیس سپاہی رہنے لگے۔ کسی عریف کے ماتحت صرف بیس ہزار جوان بھی ہوتے تھے۔ اسکی وجہ سابقہ وغیرہ کی سبب سے فوجی طبقون کا لحاظ رکھنا تھی۔ ان عریف لوگون پر جو افسر ہوتے اُنکو "امراء اسباع" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اُنکے ذمہ یہ خدمت بھی ہوتی تھی کہ فوجکی تنخواہین صدر دفتر سے برآمد کرکے عریف لوگون کو بانٹ دیتے اور عریف لوگ اپنے ماتحت سپاہیون مین تقسیم کرتے تھے۔

بنی اُمیہ کے عہد مین فوجی رتبون کے اندر بہت کم تغیر و تبدل واقع ہوا۔ مگر عباسی حکومت کے دور مین اُسکی صورت بدلکر یون ہوگئی۔ ہر دس جوانون پر ایک "عریف"۔ ہر پچاس پر ایک "خلیفہ" اور ہر سو پر ایک "قائد" (جنرل) اسکے بعد ترتیب کی صورت پھر بدلگئی۔ اور یہ شکل قایم ہوئی:- دس جوانون پر ایک عریف دس عریفون (یا سو جوانون) پر ایک "نقیب" اور ہر دس نقیبون (یا ... ہزار جوانون) پر ایک قائد (جنرل) اور ہر دس قائدون پر ایک امیر (کمانڈر انچیف)۔ نیز دیگر مختلف حکومتون کے حالات پر غور کی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نظام مین تغیر و تبدل کو جگہ ملتی رہی تھی۔ +

اگرچہ یہ امر ضروری ہے کہ ہر ایک رتبہ کیواسطے ایک علامت اس قسم کی مقرر ہو جسکی وجہ سے وہ عہدہ دار دوسرے عہدہ والے سے تمایز ہو سکے۔ جیسا کہ آجکل فوجی افسرون مین دیکھا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسری سے متمائز اور عام فوجی سپاہیون سے نمایان ہوتے ہین لیکن افسوس ہمین اس امر کے متعلق کوئی صریح چیز اسلامی

فوجون مین نہین ملی۔ البتہ جو کچھہ ہم نے طراز کے بیان مین لکھدیا ہے اُس سے کوئی سُراغ چل جائے تو ممکن ہے گھوڑون کا داغ دیا جانا بھی اسی قبیل سے تہا تاکہ حکومت کے گھوڑے اور گھوڑون سے ممتاز رہین۔ اس کام کے لئے ہر ایک بادشاہت کا ایک خاص نشان تہا۔ بنی اُمیہ کے عہد مین فوجی اور شاہی گھوڑونکی علامت "جدہ" کا لفظ تہا جسے گرم کرکے گھوڑے پر داغ لگاتے تہے۔ اہل عرب ایام جاہلیت مین اپنی اونٹون کے ساتھہ یہی کرتے تہے۔ اُن کے ہان ہر ایک قبیلے کا ایک جداگانہ "یسم" (نہیہ) تہا جس سے اُس قبیلہ کے اونٹ دوسرے گہرانون کے اونٹون سے پہچانے جاتے تہے۔ یہ بات کچھہ اُسی زمانہ کے ساتھہ مخصوص نہ تہی بلکہ آجکل کی مہذب حکومتین بھی ایسا ہی کرتی ہین۔ +

فوجی معائنہ اسلام سے پہلے جتنی متمدن حکومتین گزری ہین اُن مین بھی فوجی معائنہ یا ریویو کا دستور قدیم سے چلا آیا ہے۔ چنانچہ سکندر اعظم خود بذات خاص فوج کا معائنہ کیا کرتا اور اُنکی اور اُن کے ہتیارون کی حالت کی دیکھہ بہال رکہتا تہا۔ اور گھوڑون کا بھی جائزہ لیتا رہتا۔ جس زمانہ مین اسلام کا ظہور ہوا ہے اُن دنون اہل فارس کا دستور تہا کہ سال کے اندر مقررہ وقتون مین فوج کا معائنہ کیا کرتے تہے۔ اس معاملہ مین اُنکا طریقہ یہ تہا کہ سب سے اعلےٰ طبقہ کا سوار گھوڑے پر چڑہکر اعلےٰ حکام اور بادشاہ کے سامنے گزرتا تہا اس سوار کے ہمراہ پہلو بہ پہلو ایک غلام ہوتا تہا وہ زرہ۔ خود۔ دستانے۔ چار آئینے جوشن پہنے ہوتا۔ گھوڑے پر آہنی پاکھر پڑی ہوتی جسکو برگستوان کہتے تہے۔ ڈہال۔ نیزہ۔ تلوار۔ گرز۔ خنجر۔ رسّی۔ لوتبرہ۔ آہنی چہرہ بان۔ باگ ڈورین۔ تاگون کی تہیلی۔ سوتالی۔ تیغچی۔ تہوڑی۔ کاز۔ لنبا سوا۔ چہوٹی سوئیان۔ تاگے۔ زناد۔ طرطور۔ باران کوٹ۔ دوچلہ چڑہی ہوئی کمانین معہ دو زائد چلّون کے جو ٹوٹنے پہوٹنے پر بوقت ضرورت کام آسکین دو ترکش ایک خود سوار کے پاس اور دوسرا اُسکے غلام کے پاس۔ غرض سوار اس تمام سامان سے لیس ہوتا تہا۔ +

تمدن اہل عرب کا آغاز ہوا اور اُنہون نے فوجی حالت کو درست کیا تو اس معاملہ مین انہون نے بہی اہل فارس کی ہی پیروی کی لیکن اس بات کا بہی سُراغ ملتا ہے کہ عرب والون نے شہرون کے بسانے اور فوج کو باقاعدہ مرتب کرنے سے پہلے بہی فوجی معائنہ کا دستور اختیار کر رکھا تہا۔ کیونکہ خود نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نفسِ نفیس اپنے اصحاب کا جنگ کے وقت معائنہ فرماتے تہے چنانچہ کتب سیر مین آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کبریٰ کے دن ۲ھ مین اُنکا معائنہ کیا تہا اور اُنکو کئی صفون مین کہڑا کرکے صفون کو درست اور سیدھی

بنانے کی کوشش کی تھی۔ جس وقت آپ صفوں کو درست فرما رہے تھے۔ آپکے ہاتھ مین ایک سادہ تیر تھا۔ آپ سواد نام ایک شخص کے پاس ہوکر گزرے جو صف کی سیدھ سے ہٹا ہوا کھڑا تھا۔ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُس تیر کو جو آپکے ہاتھون مین تھا اُس شخص کے پیٹ مین چبھوکر فرمایا "استوِ یا سواد بن غزیۃ" (اے غزیہ کے بیٹے "سواد" سیدھا اور برابر ہوجا) آخر کار آپ صفوف کی ترتیب اور درستی سے فارغ ہوکر اُس خیمہ مین واپس تشریف لے آئے جو صحابہ نے آپکے لئے وہین میدان جنگ مین نصب کر رکھا تھا۔

خلفاء راشدین بھی اسی طرز پر فوجکا جایزہ لیتے رہے۔ اور اُنکے بعد بنو امیہ نے بھی اس وضع کو قایم رکھا۔ حجاج بن یوسف فوجکا جایزہ لیتے وقت ایک اک شخص سے دریافت کیا کرتا تھا کہ تو کون ہے اور تیرا قبیلہ کونسا ہے۔ اور ہتھیارون کی حالت بہت غور کے ساتھہ دیکھنے کے علاوہ سپاہی کی کیفیت پر بھی پوری طرح نظر کیا کرتا تھا۔ +

عباسی عہد حکومت مین فوجکا جایزہ اہل فارس کی وضع پر لیا جاتا تھا جسکی وجہ یہ بھی تھی کہ بنو عباس نے اس معاملہ مین فارسیون کی شاگردی کی تھی۔ اُن کے ہان یہ دستور تھا کہ خلیفہ یا خلیفہ کا وزیر فوج کے معائنہ کے لئے ایک منظر عام مین جاکر بیٹھتا۔ اکثر اوقات خود خلیفہ جلوس فرما ہوتا۔ اور اُس وقت وہ خود اور زرہ پہنے ہوا کرتا گویا کہ آمادہ پیکار رہے۔ خلیفہ کے جلوس فرما چکنے کے بعد "منادی" افسرونکو نام بنام پکارتا اور وہ سامنے سے ہوکر گزرتے جاتے۔ پھر جب خلیفہ اُن کے گھوڑون اور ہتھیارون کا جایزہ لیکر سب سامان سے لیس پاتا تو اُن کے وظیفے اور انعام عطا کئے جانیکا حکم صادر کردیتا۔ یہ وظیفے خاص جایزہ کے دن کے لئے مقرر تھے۔ کبھی کیا بلکہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ "علے" افسر فوج اپنا انعام ماتحتون مین سے کسی کو بخش دیتا تھا۔ اس کارروائی کی مثال خلیفہ معتصم باللہ عباسی کے عہد (۲۱۸ھ) مین "عمرو بن اللیث" کا طرز عمل ہے۔ عمرو بن اللیث خلیفہ کے حضور مین نہایت مقرب اور سر پر چڑھا ہوا تھا۔ قوانین سلطنت مین دخیل ہوکر فوجی صیغہ کا منتظم اور افسر مقرر ہوگیا تھا۔ اُس نے یہ قاعدہ جاری کر رکھا تھا کہ ہر سہ ماہی مین ایکبار تمام فوجی افسرون اور سپاہیون کو علی قدر مراتب انعامات تقسیم کیا کرتا۔ اور اس تقسیم انعام کے موقعہ پر خود ہی حاضر ہوتا۔ اس وقت عارض یعنی فوجی افسر معائنہ روپئے اشرفیون کے توڑے سامنے ڈھیر لگا کے بیٹھہ جاتا۔ اور منادی سب سے پیشتر عمرو بن لیث کا نام لیکر آواز دیتا۔ عمرو بن لیث اپنے گھوڑے پر سوار اور ہتھیارون سے آراستہ اردلی بنا ہوا "عارض" کے مقابل جاکھڑا ہوتا اور "عارض" اُسکے سازوسامان کا جایزہ لیکر حکم دیتا کہ عمرو کو تین سو درم عطا کئے جائین۔ درہمون کی تھیلی عمرو بن لیث کی طرف بڑھائی جاتی اور

وہ اُسے اپنے ہاتھون مین لیکر بوسہ دیتا اور کہتا "خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے امیر المومنین کی ایسی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے جسکی وجہ سے مین انعام کا مستحق ہوا" یہ کہکر تھیلی کو اپنے موزہ مین رکھ لیتا اور وہ تھیلی اُس شخص کا حق ہوتی جو اُسکا موزہ اُتارتا تھا۔ اسکے بعد منادی ایک ایک کرکے تمام نامی لوگونکو ترتیب مدارج آواز دین دیتا۔ وہ عارض کے سامنے آتے۔ اور عارض اُن کے پورے ہتیارون کو دیکھتا۔ گھوڑون کا جائیزہ لیتا اور سپاہی و سوار دونون کے تمام ہتیار ایک ایک کرکے ملاحظہ کرتا۔ اگر کوئی شخص کوئی چیز چھوڑ آیا ہوتا تو اُسکا انعام ضبط ہوجاتا۔ "عمرو بن لیث" نے ایک دن ایک سوار کا معائنہ کیا جسکا گھوڑا بیحد لاغر اور کمزور تھا۔ "عمرو" نے اُس سوار سے کہا "کیون جی! تم ہمارا روپیہ لیجاکر اپنی جورو کو کھلاتے اور اُسے موٹی تازی بناتے ہو۔ اور اپنی سواری کو ایسا لاغر کر دیا ہے جسپر چڑھکر لڑتے اور جسکے ذریعے سے انعام حاصل کرتے ہو؟ جاؤ تمہارے واسطے میرے پاس کچھ بھی نہین ہے" سوار نے عمرو بن لیث کو جواب دیا "قربان جاؤن۔ اگر مین اپنی بیوی کا ملاحظہ کرتا تو اس مین شک نہین کہ اُسے دیکھکر آپ میرے گھوڑے کو خوب موٹا تازہ بناتے" عمرو یہ سُنکر ہنس پڑا اور اُس سپاہی کو انعام دلواکر اُس سے کہا "اچھا اب اپنا جانور بدلوالے۔ +

فوجی جہاد نیان صدر اسلام مین جبکہ مسلمان خود ہی فوجی سپاہی ہی ہوتے تھے۔ انکا دستور یہ تھا کہ کسی شہر کو فتح کرکے اُسکے آس پاس کسی مقام کو اپنا مسکن قرار دے لیتے۔ اور ایسی جگہ قیام کرنے سے پرہیز کرتے تھے جسکے اور "مدینہ" کے مابین راہ مین کوئی نہر یا دریا حائل ہوتا ہو۔ اس طرز عمل کے اختیار کرنے مین انکو عمر بن الخطابؓ کی مذکورہ بالا وصیت پر چلنا ملحوظ تھا۔ اسی وجہ سے مصری سپاہ اسکندریہ مین نہین رہی جو مصر کا پایۂ تخت تھا بلکہ بجائے اُسکے اس نے "حصن بابل" کے نزدیک خیمون مین سکونت اختیار کی اور پھر وہ مقام فسطاط کے نام سے مشہور ہوکر ایک آباد شہر بنگیا۔ عراق کی فوجین کسرے کے دارالسلطنت بابل مین نہین رہین بلکہ نہر فرات کے اُن کنارون پر جو بادیۂ شام سے متصل واقع تھے بصرہ اور کوفہ مین مقیم ہوئین۔ ان دونون فوجون کے علاوہ اور افواج نے بھی اسی طرح اُن تمام دیگر ملکون مین سکونت رکھی جو صدر اسلام سے فتح ہوتے رہے یا فتح ہوئے تھے۔ وہ لوگ مفتوحہ شہرون کے باہر اُن کے اطراف مین صرف اُن مقامات کی حفاظت کرنیکے لحاظ سے قیام کرتے تھے جنکا ہم ولایت اعمال کے بیان مین ذکر کر آئے ہین۔ لیکن یہ ضرور تھا کہ اُس زمانہ مین اہل عرب لڑائی پر جاتے ہوئے اپنی بیوی بچون کو بھی ساتھ لیجاتے تھے۔ اور جب کسی شہر کو فتح کرتے تھے تو سب کے سب وہین مقیم ہوجاتے۔ اسی لئے شدہ شدہ وہ فوجی جہاد نیان مرور زمانہ سے خاصے

آباد شہر بنگئیں۔

عرب والوں نے تمدن اختیار کیا تو جنگ پر جاتے وقت عورتوں کو ہمراہ لینے کا دستور ترک کر دیا۔ مگر اس قاعدہ پر برابر عامل رہے کہ فوجی چھاؤنیاں شہروں کے باہر رکھیں۔ اکثر حالتوں میں یہی چھاؤنیاں بڑے بڑے شہر بنجاتی تھیں جو صدیوں تک بہت آباد اور پر رونق رہتے۔ جیسا کہ فسطاط۔ بصرہ۔ اور کوفہ میں واقع ہوا۔ "فسطاط" کیا تھا؟ صرف امیر عمرو بن العاصؓ کے خیمہ کے گرد چھوٹے چھوٹے خیموں کا اک پڑاؤ تھا جو بعد میں بڑا بارونق شہر ہوگیا۔ اُسکے آباد ہونیکے ایک صدی سے کچھ زیادہ بعد جس زمانہ میں عباسی خاندان والوں نے مطالبہ خلافت پر قیام کیا ہے مروان بن محمد بنو امیہ کا آخری خلیفہ وہاں آکر پناہ گزین ہوا عباسیوں نے صالح بن علیؓ کی ماتحتی میں اُسکا تعاقب کیا اور مصر میں آپہونچے۔ انہوں نے فسطاط کے قرب وجوار میں اپنا کیمپ قایم کیا اور اُس مقام کا نام "عسکر" یعنی چھاؤنی رکھا۔ بعدہٗ لوگوں نے وہاں مکانات بنالئے اور وہ جگہ جو پہلے ایک میدان تھی اب مثل فسطاط کے ایک شہر بنگئی جسکا نام "عسکر" مشہور ہوا۔ اس کے ایک صدی سے کچھ زائد عرصہ کے بعد ۲۵۶ھ میں "احمد بن طولون" مصر کا فرمانروا ہوا۔ اُس نے افواج آلات حرب۔ اور حاشیہ نشین لوگوں کا اضافہ کیا تو فسطاط میں اُنکی سمائی نہ ہوسکی۔ اسلئے ابن طولون نے "جبل مقطم" کے پاس ایک جدید کیمپ قایم کیا جس میں خود اپنے واسطے ایک قصر تعمیر کرایا اور میدان بنوایا۔ نیز اُس نے اپنے غلاموں اور خاص لوگوں کو حکم دیا کہ وہ لوگ بھی وہاں مکانات بنوائیں۔ ان سب عمارتوں کی تعمیر کے بعد وہ مقام بھی ایک عظیم الشان شہر ہوگیا۔ اور عمارتوں کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے فسطاط سے مل گیا۔ اس نئے شہر کا نام "قطائع" رکھا گیا۔ فاطمی خلفاء کے نامور سپہ سالار "جوہر" نے بھی اسی طرح ایک جدید آبادی بڑھائی جس زمانہ میں وہ ملک مصر کو فتح کرنے آیا۔ اُس نے اپنی فوجیں "مقطم" کے دامن میں قطائع سے باہر ٹھہرائیں جب ملک کی فتح سے فارغ ہولیا تو اُسی کیمپ کے میدان میں مشہور شہر "قاہرہ" کی بنیاد ڈلوائی جو آجتک باقی ہے انہی واقعات سے ملتی جلتی روئیدادیں تمام اسلامی شہروں کے بارہ میں بیان کی جاتی ہیں خلیفہ منصور عباسی نے بغداد کو اپنی فوج کے اور اپنے واسطے ایک قلعہ کی صورت پر تعمیر کرایا تھا اور اسی طرح اُسکے بیٹے "مہدی" نے بغداد سے باہر چھاؤنی ڈالی تھی۔ اسی طرز پر تمام اسلامی چھاؤنیوں کو قیاس کرنا چاہئے۔ کیونکہ مسلمان حکمران یا اُمرا ان (چھاؤنیوں) کو شہر سے باہر بہت دور عام رعایا کے مکانات سے الگ بنوایا کرتے تھے۔ یہی باعث تھا کہ جب حجاج بن یوسف ثقفی نے واقعہ "جماجم" کے بعد اپنی سپاہ کو اہل کوفہ کے گھروں میں لا اُتارا تو وہاں کے

باشندے اُس سے بہت ناخوش ہوئے۔ اور اُس کے اس فعل کو ظلم وستم مین شمار کرنے لگے۔ حجاج کا یہ طریقہ خصوصًا اسلئے اور بھی ناپسند ہوا کہ اُسکے بعد آنے والے امیرون نے اکثر اسی طریق کو اپنا معمول بنایا اور بالخصوص عجم کے ملک مین تو اس طرز نے پوری طرح رواج پالیا۔ اور اس مین عام رعایا کی حق تلفی ہوتی تھی۔ ❋

لِواء - یا - رایت

فوجی نشانون کی تاریخ لوار اور رایت ایک ہی شے ہے۔ اکثر اوقات لوار رایت سے چھوٹا ہوتا تھا۔ یا یون ہوتا کہ جس وقت رایت کسی جنگ کے لئے معقود ہوتا تو اُسی کو لوار کہا کرتے تھے۔ زمانہ حال کی اصطلاح مین اسکو علم۔ بنود اور بیرقین کہتے ہین۔ رایت کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ زمانۂ قدیم کے مصری فرمانروا ون اور اُنکے معاصرین نے اسکے استعمال کی بنیاد ڈالی یا اُنہین لوگون سے اخذ کی گئی۔ اسلام سے قبل عرب جاہلیت مین بھی اسکا استعمال عام تھا ہر قبیلہ کا ایک نشان ہوتا تھا جسکے نیچے میدان جنگ مین وہ جمع ہوا کرتا تھا۔ جنگ دیکھا کے وقت نشان کی بہت بڑی عظمت ہوتی ہے۔ اسلئے کہ لوگ اپنے نشان ہی کے برقرار رہنے سے لڑتے رہتے ہین جس وقت نشان گرا وہ بھی ہزیمت کھاکر بھاگ نکلتے ہین جس موقع پر ہم نے زمانۂ جاہلیت کی حکومت کا انداز بیان کیا ہے وہان یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ اہل قریش کے منصبون مین ایک منصب علم برداری کا بھی تھا۔ اور وہ اس عہدہ کا نام اپنے اُس زمانہ کے علم کے نام پر "عقاب" کہتے تھے۔ جس وقت اہل قریش کسی جنگ کے لئے نکلتے تو اُس نشان کو بھی نکالتے اور مشورہ کرکے اگر کسی خاص شخص پر رائے قایم ہوتی تو وہ نشان اُسکے حوالہ کردیتے ورنہ اُس شخص کے سپرد کرتے جو اس خدمت کے لئے ہمیشہ سے نامزد چلا آتا تھا۔ یہ علم بردار کسی موقع پر بنو اُمیہ کے گھرانے سے ہوتا تھا اور کبھی کبھی بنو عبدالدار سے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب والون نے اپنے نشان کا نام "عقاب" اہل روم سے اقتباس کرکے رکھا تھا کیونکہ "عقاب" اور "نسر" رومانیون کا نشان حکومت (مارکہ) تھا۔ جسکو وہ لوگ اپنے علمون پر اور مکانات پر نقش کرتے تھے۔ اہل عرب نے اُن سے اقتباس کرلیا۔

"سیرۂ حلبیہ" مین لکھا ہے کہ غزوۂ بدر کبریٰ مین مسلمانون کے پاس تین نشان تھے ایک سفید تھا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُسے "مصعب بن عمیرؓ" کے حوالہ فرمایا تھا اور باقی دو سیاہ تھے جن مین سے ایک کو (حضرت)

علیؓ بن ابی طالب اُٹھائے ہوئے تھے اور یہ نشان "عقاب" کہلاتا تھا جو کہ (بی بی) عائشہؓ کے ایک "مرط" (صوف یا سیاہ ریشم کا کپڑا جسکو عورتیں اوڑھنی یا تہ بند کے کام میں لاتی تھیں) سے بنایا گیا تھا۔ اور دوسرا سیاہ علم ایک انصاری شخص کے پاس تھا۔ اسی واقعہ میں ابوسفیان سرداروں کا نشان لئے ہوئے تھے۔ اس کا نام بھی "عقاب" ہی تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "عقاب" ایک خاص قسم کے نشانوں کا نام تھا جو رومانیوں کے ہاں استعمال ہوا کرتے تھے وہ کسی ایک ہی نشان خاص کا نام نہ تھا۔

مذہب اسلام کا ظہور ہوا۔ اور اہل عرب شام۔ فارس اور مصر کے اطراف میں پھیلے۔ اُنکی متعدد حکومتیں قایم ہوئیں اور بہت سے قبیلے ہوگئے تو نشانوں کی قسمیں بھی اُن کے ہاں بکثرت ہوگئیں۔ اُنکی شکلیں طرح طرح کی ہونے لگیں۔ اور رنگ برنگ کے فوجی نشانات نظر آنے لگے۔ اب اُنکے دامن بھی وسیع ہوتے اور وہ بہت لمبے لمبے بنائے جانے لگے تھے۔ اور اون نشانوں کے نام بھی جُدا جُدا رکھے جاتے۔

"ابومسلم خراسانی" نے عباسی دعوت پر قایم ہوتے وقت جو نشان نکالا تھا۔ وہ "ابراہیم" امام نے بنا کر اسکو بھیجا تھا۔ اس نشان کا نام "ظل" تھا اور وہ ایک چودہ ہاتھ لمبی چھڑ پر بندھا ہوا تھا۔ نیز اسی ابومسلم نے ایک اور نشان بھی کھڑا کیا تھا جسکا نام "سحاب" تھا جسکی چھڑ تیرہ گز لمبی تھی۔ یہ نشان بھی امام ابراہیمؒ نے ابومسلم کو بھیجا تھا۔ اتنے بڑے بڑے نشانوں کے استعمال سے مقصود یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں پر رعب چھا جائے اور وہ بلا جنگ و جدل اطاعت پر آمادہ ہوجائیں۔ ۲۳۵ھ میں متوکل نے اپنے بیٹوں کیلئے ولیعہدی کی بیعت لی تو اُن میں سے ہر ایک کے واسطے دو نشان بنائے۔ ایک سیاہ ولیعہدی کا نشان اور دوسرا سفید گورنری کا نشان۔ خلیفہ مامون الرشید نے فضل بن سہل کو تمام مشرقی صوبوں کا گورنر مقرر کرکے اُسے وہاں کی فوجی اور ملکی افسری عطا کی۔ اور اُسکا نام "ذی الریاستین" قرار دیکر اُسکے واسطے ایک دوشاخہ نیزہ پر نشان حکومت بنوایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ شدہ شدہ مرور زمانہ سے فوجی نشانوں کی متعدد شکلیں پیدا ہوگئیں۔ اور خلفاء و سلاطین نے نشانوں کی کثرت کے ساتھ تفاخر کرنا شروع کیا جس وقت خلیفہ عزیز فاطمی نے ملک شام پر فوجیں روانہ کی ہیں اور اُسے فتح کرنے کی نیت سے نکلا ہے تو اُسکے ہمراہ ۵۰۰ نشانات اور ۵۰۰ بوق تھے۔ اکثر اوقات نشانوں پر اُن سلاطین و امراء کے نام بھی نقش کئے جاتے تھے۔ جو فوج کے سالار ہوتے۔ جس طرح کہ "ابن بجکم" نے اپنے نشان پر ابن رائق کی جانب نسبت کرنیکی وجہ سے "رائقی" کا لفظ کڑھوایا تھا۔ +

نشانون کے رنگ سو انشان "عقاب" کے جسکی بابت پہلے بیان ہوچکا ہے کہ وہ سیاہ رنگ تھا اور ہمکو نہین معلوم ہوسکا۔ کہ جاہلیت کے زمانہ مین نشانون کے رنگ کیسے کیسے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان بہی "عقاب" ہی کی مانند سیاہ تہا "آثار الاول" کے مصنف نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چند سفید نشانات بہی تھے۔ اسلامی نشانات کی رنگتین اختلاف حکومت کے ساتھ بدلتی رہین۔ بنی اُمیہ کا نشان گہرا سرخ ہوتا تہا علوی حکومت کے داعیون کا سفید۔ اور بنی عباس کا سیاہ۔ اور عباسیون کی تو ساری وردی ہی سیاہ ہوتی تہی جسے اُن لوگون نے اپنے شہیدون کے بنج دالم مین جو بنی ہاشم کے گہرانے سے تھے پہننا شروع کیا تہا۔ اور اس لئے ہی کہ بنی امیہ کو اُن کے قتل کی خبر پہونچائین۔ اسی سیاہ پوشی کی وجہ سے اُنکا نام "مسودہ" مشہور ہوگیا۔ ہاشمی لوگون مین بہی پہوٹ پڑگئی اور بنی طالب ہر سمت سے اور ہر وقت مین عباسیون کے مقابلہ کو تیار اور اُن سے آمادہ پیکار رہوے تو اُنہون نے عباسی لوگون کی مخالفت کے خیال سے سفید نشانون کا استعمال شروع کیا۔ اِن لوگون کا نام "مبیضہ" مشہور ہوا۔ اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی ہاشم کے جو دعاۃ اہل تشیع سے تھے اُنکا خاص لباس سبز تہا کیونکہ جس وقت مامون الرشید نے "امام علی بن موسی رضا" کو اپنا ولیعہد بنایا ہے اُس نے اپنی فوجکو حکم دیا کہ تمام سیاہ رنگ کے لباسون کو علیحدہ کرکے اُنکی جگہ سبز کپڑے استعمال کرین۔ یہان تک کہ جب مامون الرشید اس بیعت سے پہر گیا تو دوبارہ اس نے وہی سیاہ لباس اختیار کر لیا۔ +

صنہاجہ وغیرہ مغربی ممالک کے بربری بادشاہون نے اپنے لئے نشانات کا کوئی خاص رنگ نہ رکہا تہا بلکہ اُنہون نے رنگ برنگ خالص حریر کے کپڑون پر زری کا کام بنواکر اُنہین علمون مین لگالیا۔ مشرقی ممالک کی ترکی حکومتین صرف بادشاہ (سلطان) کے واسطے ایک علم رکہتی تہین جسکے سرے پر بالو نکا بڑا بہاری گچھا لگایا جاتا اور اسکو "شالش" اور "چتر" کے نام سے موسوم کرتے تہے۔ اُن کے ہان یہ خاص سلطان کا شعار ہوتا تھا۔ اسکے بعد رایات کی تعداد زیادہ ہوتی رہی جنکو "سناجق" کہتے تہے۔ اسکا واحد لفظ "سنجق" ہے جسکے معنے اُنکی زبان (ترکی) مین علم کے ہین۔ +

عقد لواء صدر اسلام مین خلفاء کا دستور تھا کہ کسی فوجکو میدان جنگ مین بہیجتے ہوئے اُسکے واسطے نشانات اپنے ہاتہہ سے مرتب کر دیا کرتے تہے اور وہ نشانات امرائے فوجکے سپرد کر دیتے۔ ہر ایک امیر کو اُس کے قبیلہ کا نشان عطا ہوتا تھا اور خلیفہ وقت نشان افسری سپرد کرتے وقت اُنکے

واسطے فتح وظفر کی دعا اور صبر و مردانگی کی وصیت کیا کرتا۔ عمر بن الخطابؓ کسی امیر کو افسری کا نشان حوالہ کرتے وقت اسے ترتیب دیتے ہوئے کہتے جاتے تھے "خدا کے نام اُسکی امداد اور اعانت کے ساتھ (میں نے اسکو مرتب کیا) خدا کی تائید ہمراہ لیکر روانہ ہو۔ اُسی کی قدرت سے فتح حاصل ہوسکتی ہے اور فتح وظفر کے لئے امر حق اور صبر کا لزوم ضروری ہے۔ جو شخص خدا کے ساتھ کفر کرتا ہے خدا کی راہ میں اُس سے لڑو۔ حد سے نہ بڑھنا۔ کیونکہ خداوند پاک حد سے بڑھجانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ دشمنوں سے مڈبھیڑ ہوجانے پر نامردی اور بزدلی نہ دکھانا۔ قدرت پاکر مُثلہ (ناک۔ کان۔ ہاتھ۔ پیر کاٹنا) نہ کرنا فتحیابی کے وقت فضول خرچی نہ کرنا۔ بڈھے مرد اور کسی عورت اور کسی معصوم بچے کی جان نہ لینا۔ جب افواج غنیم تم سے مل جائیں اور بازار جنگ گرم ہو اُس وقت خوب جی کھولکر قتل کرنا۔ اور چھاپے مارتے وقت بھی ایسا ہی کرنا" اگرچہ وہ عادیتہ اور وصیت کرنے میں ہر ایک خلیفہ کا ایک جداگانہ طرز تھا۔ لیکن اصل سب کی ایک ہی تھی۔ اسلامی حکمران عاملوں کو کسی شہر کا والی بناتے وقت اُنکے لئے بھی نشان افسری تیار کرتے تھے۔ خصوصاً صدر اسلام میں جبکہ عامل بھی وہی شخص ہوتا جو سپہ سالار فوج ہو۔ نیز نجوم کے قاعدہ سے گھڑی ساعت دیکھکر بھی نشان بنواتے تھے اور اسکے لئے نیک قرانات میں سے اپنے خیال کے مطابق کوئی ایک قران پسند کرلیا کرتے تھے۔ عباسی خلفاء کا دستور تھا کہ کسی سردار فوج یا صاحب ثغور (حاکم ممالک سرحدی) کو نشان حکومت عطا کرتے تو وہ شخص خلیفہ کے محل سے یا اپنے مکان سے بہت سے علم بردار لوگوں کو جلوس میں لیکر نکلتا تھا۔ اُسکے ساتھ طبل بجتے جلتے تھے اور بہت شان و شکوہ کے ساتھ شہر کے بازاروں میں ہوکر نکلتا تھا۔ یہانتک کہ عامل اور خلیفہ کے سامانِ جلوس میں صرف نشانوں کی کمی بیشی کا فرق رہجاتا تھا۔ یہ نشانوں کی وہ خاص رنگتیں وجہ امتیاز ہوتی تھیں جو محض خلیفہ کے ساتھ مخصوص تھیں۔ +

مصر میں فاطمی حکومت کا ایک خاص مکان تھا جسے "خزانۃ البنود" کہتے تھے۔ اُس میں علم نشانان اور ورق جمع رہتے۔ اس خزانہ پر ۸۰۰۰ دینار سالانہ خرچ پڑتا تھا۔ وہ خلفاء کامل ایک صدی اسی حالت پر قائم رہے۔ اس عرصہ میں جس قدر علم وغیرہ بنائے گئے۔ سب اُسی مکان میں جمع پڑے ہے اور نہ اُسی کے اندر قسم قسم کے ہتھیار اور سنہری روپہلی زین و لگام کا انبار لگا رہا۔ آخرش اس خزانہ میں آگ لگ گئی اور جو کچھ اُس میں اندوختہ تھا سوائے اُس ذرا ظہور کے جو بچایا جاسکا سب جلکر خاکستر ہوگیا اسی جلے ہوئے سامان میں ایک خاص نشان بھی شامل تھا جسکو بنو فاطمہ بہت عزیز رکھتے تھے۔ اور اُسکا

نام اُنہون نے "لوائے حمد" رکھ چھوڑا تھا۔ +

جنگی۔ یا۔ فوجی باجے

فوج مین باجے کا رکھنا قدیمی دستور ہے۔ اسکی اصل غرض یہ ہے کہ جنگ کی حالت مین سپاہیونکی ہمت بندھائی جائے اور تقویت و جرأت دلائی جائے۔ تاکہ اُن خطرات کی فکرین جن کا یقینی خدشہ ہوتا ہے اُن کے پاس نہ پھٹکنے پائین۔ فوج کے آگے آگے گانا یا گنگنانا بھی اسی لئے ہوتا تھا۔ ایام جاہلیت مین عرب والے "طبل" کے سوا اور کسی باجے سے واقف نہ تھے۔ اور مسلمان لوگ صدر اسلام مین طبل و بوق کے استعمال سے بدین خیال باز رہتے اور پہلو تہی کرتے تھے کہ وہ حکومت کے گھمنڈ اور اوسکی شان و شکوہ سے بچنا چاہتے اور اوسکو ناپسند کرتے تھے۔ لیکن جب کہ خلافت ملک اور حکومت دنیاوی سے تبدیل ہوگئی۔ مسلمان خلفا (حکمرانون) نے دنیاوی زیب و زینت کے ساتھ دلبستگی اختیار کی۔ روم۔ فارس اور دیگر گذشتہ سلطنتون کے لوگ اونکے غلامون کی جماعت مین داخل ہوکر مقرب ہوئے اور انہون نے اُنکو بھی وہ طریق سُجھائے جن کے سالک بنکر خود عیش و عشرت کے بحر ناپیدا کنار مین کودے اور آخر اُس مین غرق ہو چکے تھے۔ تو مسلمان فرمانرواؤن نے منجملہ اُن چیزون کے جنکو رومیون اور فارسیون سے اخذ کیا تھا فوجی باجون کو بھی اقتباس کیا۔ خلفا نے اپنے عاملون کو جنگی باجے رکھنے کا حکم ابتداً محض اس غرض سے دیا تھا کہ اُسکے ذریعہ سے بادشاہ اور حکام کی عظمت شان کا پتہ ملتا رہے۔ مگر آخر کار یہ طریقہ بہت رائج ہوتا گیا۔ اور روز بروز ان باجونکو ترقی ہوتی گئی۔ تاہم عہد اسلام مین فوجی باجون کے اندر طبل اور بوق کے سوا کسی اور قسم کا باجہ داخل نہ ہوا۔ اور بسا اوقات صرف ایک فوج مین کئی سو طبل اور بوقین ہوتی تھین۔ +

سلاح

ایام جاہلیت مین اہل عرب کے ہان تلوار۔ نیزہ۔ کمان۔ اور ڈھال کے علاوہ اور کسی قسم کے اسلحہ نہین پائے جاتے تھے۔ انہین اسلحہ کے استعمال کرنے پر اُن کی تمام کوششون کا دار و مدار رہتا خصوصاً کمان کا استعمال بہت مشق کے بعد کیا جاتا تھا۔ عرب والون کے لئے روٹی کمانے کا ذریعہ اور اپنی عزت و آبرو بچائے رکھنے کا وسیلہ صرف یہی ہتھیار تھے۔

قوس | چونکہ جنگلی زندگی بسر کرنیکی وجہ سے عرب والون کی بصارت بہت قوی اور اُنکی نظرین تیز ہوتی تھین

اسلئے اُن کو کمان کے استعمال مین بہت بڑی مہارت حاصل ہوتی تھی۔ اور اس مہارت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اُن کو بہ نسبت اور ہتھیارون کے کمان کی حاجت زیادہ تھی۔ علاوہ حالت جنگ و جدال کے وہ لوگ اُس سے ہرنون کے شکار مین بھی کام لیا کرتے تھے۔ اُنکی تیراندازی کی مہارت اس حد کو پہونچ گئی تھی جسکے سچ سمجھنے مین تامل ہوسکتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی عرب تیرانداز اس بات کا ارادہ کرتا کہ ہرن کی صرف ایک آنکھہ کو نشانہ بنائے تو وہ نہایت آسانی سے اس قصد مین کامیاب ہوجاتا۔ اسی لحاظ سے اعلیٰ درجہ کے قادر اندازون کو "رماۃ الحدق" کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ ایک اچھا قادر انداز عرب "گوہ" (جانور) کو باندھکر درخت سے لٹکا دیتا اور اُسپر تیر چلاکر اُسکے جس عضو کو چاہتا نشانہ بناتا۔ یہان تک کہ پشت کی ہڈی (ریڑہ) کے ایک ایک جوڑ کو تیرون سے چھیدتا جاتا اور کبھی اسکا نشانہ خطا نہ کرتا۔

اسلام کا عہد آیا تو اہل عرب کی یہی مہارت منجملہ اُن اُمور کے ایک نہایت قوی چیز ثابت ہوئی جنہون نے اہل روم کو مغلوب کرنیمین عرب والون کی امداد کی تھی اسلئے کہ رومی لوگ تیراندازی مین بہت خام تھے۔ اور اس بات کو ہم نے فتوح اسلامیہ کے بیان مین ظاہر بھی کردیا ہے۔ مسلمان جنرل اپنی فتحیابی مین تیراندازی کے فوائد اور اسکے احسانات سے غافل نہ تھے۔ بدین لحاظ وہ اپنے سپاہیون کو اس فن کی مشق و مہارت کی برابر تاکید کرتے رہتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے "سوار ہو اور تیراندازی کرو۔ اور اگر صرف تیراندازی کرنا چاہو تو مجھکو یہ بات سواری سیکھنے سے زیادہ پسند ہے" اور یہ بھی آپ ہی کا قول ہے "مرد مومن کے تمام کھیل صرف تین باتون مین منحصر ہین۔ اپنے گھوڑے کو چال ڈھال سکھائے۔ اپنی کمان کو خوب زہ کرکے تیراندازی کرے۔ اور اپنی بیوی سے ہنسی بولے۔ اس میں شک نہین کہ یہ امر حق ہے۔ بیشک اللہ پاک محض خدا کے لئے ایسے کام کرنیوالے اور خدا کی راہ مین تیراندازی کرنیوالے کو جنت مین داخل فرمائیگا" ایک بار منبر پر استادہ تھے اُسی حالت مین فرمایا "تم سے جس قدر قوت بہم پہونچائی جاسکے بہم پہنچاؤ۔ ہوشیار رہو ہوشیار رہو اس مین کوئی شک نہین کہ تیراندازی ہی قوت ہے۔ تیراندازی ہی قوت ہے۔ تیراندازی ہی قوت ہے"۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفا اور امرا سپاہ اپنے سپاہیون کو مشق تیراندازی کی ویسی ہی تاکید کرتے رہتے تھے جس طرح گھوڑون کی خبرگیری کرتے رہنے کی۔ کیونکہ اہل عرب بڑے شہسوار ہوتے ہین۔ وہ نکو گھوڑے تیزی و چالاکی مین اور سوار کے قابو مین بآسانی آجانیکے بارہ مین مشہور و معروف ہین۔ فوجی (اسپیلار) افسر اپنے ماتحت لوگون کو ہمیشہ ہدایت کرتے رہتے تھے کہ اپنے گھوڑونکی بھی اسیطرح خبر لیتے رہا کرین جسطرح اپنی بیویونکی غور و پرداخت

کرتے ہین۔

زمانۂ وسطیٰ مین مسلمانون نے تیراندازی کے اندر تفنن دکھایا اور کمانون کے ذریعہ سے کئی ایک مرکب آلات تیار کئے۔ ممکن ہے کہ ان آلات مین سے کوئی آلہ انہون نے فارس الون سے اخذ کیا ہو جس طرح عجمی لوگون نے تاتاریون سے جنگ کرنیکے وقت ایک آلہ مستنبط کیا تھا جسکا نام "مجراۃ" ہے۔ یہ ایک لوہے یا لکڑی کا نلکہ ہوتا تھا۔ اور اوسکے اندر ایک شق پرزہ اور بھی ہوتی تھی۔ اس نلکہ مین تیر ڈالکر دوسرے پرزہ کے زور سے اُسے پھینکتے تھے اور بہ نسبت کمان سے چلانیکے اس آلہ کے ذریعہ تیراندازی کرنا تیر کے زور سے چلنے کا فایدہ دیتا تھا۔ جس طرح پر آجکل بندوق کے ذریعہ سے گولی پھینکی جاتی ہے۔ جو تیر اس آلہ کے ذریعہ سے پھینکے جاتے وہ بہت چھوٹے ہوا کرتے تھے۔ مگر اہل عرب نے "مجراۃ" کو بہت کم استعمال کیا۔

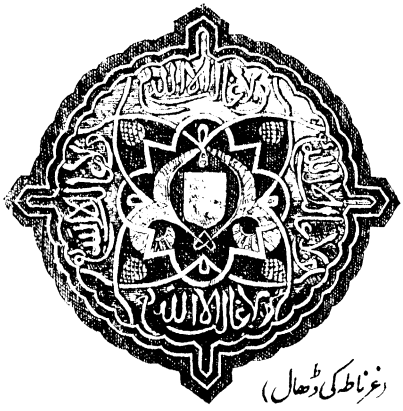
تلوار عرب والے تلوار کو تمام اسلحہ سے افضل و اشرف خیال کرتے تھے اور باہر کے ملکون سے منگوا کر استعمال مین لاتے۔ غیر ممالک کی بنی ہوئی جو تلوارین عرب والون مین بکثرت استعمال ہوتین اُن مین سب سے زیادہ مشہور حسب ذیل تلوارین تھین:۔ یمنی۔ ہندی۔ سلیمانی۔ شامی اور خراسانی۔ یہ سب تلوارین "سیوف عتیقہ" کے نام سے مشہور تھین۔ نیز ان مین سے ہر ایک قسم کے لئے ایک مخصوص شکل یا علامت ایسی ہوتی تھی جسکی وجہ سے وہ بہ نسبت دیگر اقسام کے متمایز ہو۔ مثلاً خالص یمانی تلوار جو زمانہ جاہلیت مین بنی ہو۔ دو سوراخون سے پہچانی جاتی تھی جو "سیلان" کے۔ "سَنبُل" مین ہوا کرتے تھے (سیلان اُس حصہ کا نام ہے جو قبضۂ شمشیر کی اصل جگہ ہے) یہ سوراخ ایک طرف سے زیادہ چوڑا ہوتا اور دوسری طرف سے تنگ۔ باہر دو رخ سے برابر یکسان اور بیچ مین بہت تنگ ہوتا۔ یمنی تلوارون مین سے ایک قسم کی تلوار کا نام "محفورہ" تھا۔ اسکے اندر کی نالیان نہرون کی صورت پر بنی ہوتی تھین جو مدوّر سوہان کے ذریعہ کھودی جاتی تھین بعض تلوارون مین مربع کھُدے ہوئے نشانات بنے ہوتے تھے۔ اور چند تلوارین ایسی بھی ہوتی تھین جن مین متعدد نالیان بنی ہوتین۔ مگر مین کی تلوار رگون سے بہرحال بہت کم خالی ہوتی تھی۔ کبھی کبھی ان تلوارون پر تصویرین بنائی جاتین۔ یا کچھ عبارت لکھی جاتی یا پھول بوٹے بنے ہوتے تھے۔ مگر یہ تلوارین زیادہ تر زرہ اور گداز جسمون کو کاٹ سکتی تھین۔ خشک و سخت چیز یا لوہے پر پڑنے سے کر جاتی تھین۔ اور رومی تلوارین ان سے زیادہ تیز و سخت ہوتین۔ کیونکہ اہل روم اوکی آب بہت اچھی رکھتے تھے۔ وہ تلوارین لوہے کو بلا تامل کاٹ دیتی تھین اسی وجہ سے جب کبھی اہل عرب کو کوئی عمدہ کاٹ کی تلوار دستیاب ہوتی تو وہ اُسکے قصے باہم نقل کرتے رہتے

اور اُسے بہت دور دور شہروں مین مشہور کر دیتے تھے۔ اوائل اسلام مین علیؓ بن ابی طالب کی تلوار "ذی الفقار" اور عمرو بن معدی کرب زبیدی کی شمشیر "صمصامہ" وغیرہ بہت نامی تلوارین تھین۔ ذی الفقار کی شان اسلامی تاریخ مین بہت بڑی ہوئی ہے وہ آل ابی طالب مین مدت تک وراثتہً چلی آئی۔ اسکے بعد اُسے مہدی عباسی نے لے لیا اور "مہدی کے پاس سے یکے بعد دیگرے "ہادی" اور رشید کے قبضہ مین رہی۔ اُسکی بابت کہا جاتا ہے کہ چونکہ اُس مین اٹھارہ "فقرے" (ریڑہ کی ہڈیون کے ایسے جوڑ) تھے اسلئے اُسکا نام "ذو الفقار" رکھا گیا۔

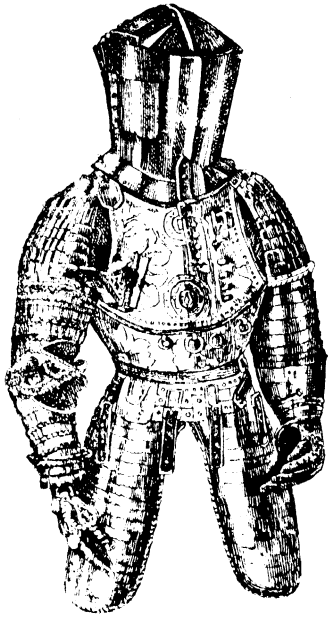
نیزے نیزے کا استعمال اکثر گھوڑون پر سواری کی حالت مین ہوتا تھا لیکن اسکے ساتھ ہی اہل عرب اُسکے ٹوٹ جانیکے خوف سے اُسپر کچھ اطمینان نہ رکھتے تھے۔ حالتِ جنگ مین نیزہ کے استعمال سے متعلق اہل عرب کی جو ہدایتین اور قواعد مین منجملہ اُن کے اُسکے جُنبش دینے کے طریقون اور اُسکے پہرانے اور لگانے کے قاعدون مین صاحب آثار الدول نے مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے:- میدانون (اکھاڑون) مین اور بادشاہون کے سامنے نیزہ بازی کے کرتب دکھانا اَور چیز ہے۔ اور حالتِ جنگ مین اُسکے استعمال کا اور ہی ڈھنگ ہے۔ جنگ کے وقت نیزہ چلانیکے طریقون مین سے ایک طریقہ "مواجہہ" ہے۔ اسکی صورت یُون ہے کہ حریف پر حملہ کرتے ہوئے نیزہ کو بغل کے نیچے دبا کر اُسے اپنے گھوڑے کی دونون کنوتیون کے مابین رکھو اور اُسی طرح سیدھا باندھے مقابل کیجانب بڑھو یہان تک کہ اُسکے قریب پہنچ جاؤ۔ پھر اگر دیکھو کہ حریف نے اپنا نیزہ داہنی جانب ڈالدیا ہے تو تم اپنا نیزہ بائین جانب کر لو۔ یا بصورتِ خلاف نیزہ کا رخ دوسری طرف کر دو۔ اور کوشش کرو کہ پہلے تم ہی حملہ کرو اور خوب ہوشیار اور مستعد رہو۔ نیزہ کو داہنے بائین جنبش دیتے جاؤ تاکہ دشمن پر رعب چھایا رہے۔ اگر تمکو کسی طرف سے چوٹ کرنیکا موقع نہ ملتا ہو تو دشمن سے قریب ہوتے وقت جس مقام کو اُسکے نیزہ کی گرفت سے خالی پاؤ۔ فوراً اُسی طرف سے گھس کر حملہ کر دو۔ اور جس حالت مین تم دشمن کے مقابلہ سے نکلنا چاہو اور اسکی ابتدا کرنیکا ارادہ کرو تو اپنے نیزہ کو نیچے کی طرف سے بائین ہاتھ مین تھام کر اُسکے سرے کو اوپر ہوا مین اُٹھائے رہو اور اُسے اپنے داہنے کندھے پر رکھکر اپنی پوری طاقت کے ساتھ حملہ کر دو۔ ... اور اگر دو سوارون کے مقابلہ کے لئے نکلنا ہو تو سب سے پہلے پاس والے سوار پر حملہ کرنا چاہئے۔ اور جب دونون قریب ہی ہون تو اُس حالت مین ایک کو دکھانا چاہئے کہ اُسپر چوٹ کیجاتی ہے اور حملہ اوسکے دوسرے ساتھی پر کرنا چاہئے لیکن پوری طرح حملہ کو تمام نہ کرکے فوراً دوسرے شخص پر ہاتھ چلاؤ۔ اور سچا اور تُلا ہوا ہاتھ لگا ..... الخ۔

اہل عرب کے یہان نیزون کی انیان مختلف شکلون کی ہوتی تہین - کمر کھی - چوڑی لینبی - ترچھی - اور سیدھی وغیرہ -

ڈھال - عرب والون کے ہان ڈھال کئی قسم کی ہوتی تھی اور ہر ایک قسم ایک امر کیلئے مناسب تھی - کوئی ڈھال مسطح - کوئی مستطیل - وسط مین کہدی ہوئی اور کوئی قبہ نما جسکے کنارے جھکے ہوئے ہوتے تھے - ہر ایک قسم کی ڈھال کا ایک جدا گانہ فایدہ تھا - قبہ دار خمیدہ گرد والی ڈھال سے نیزہ کا وار نہین رک جا سکتا تھا - کیونکہ جہان نیزہ لگا اور اُس مین پیوست ہوا البتہ پتھرون اور تیرون کی بوچھار مین وہ خوب کام دیتی تھی - اور حریف کی تلوار بھی اسپر سے روک جاتی تھی مستطیل ڈھال تیرون سے بچانیکے کام آتی - اُسکا سوار کے سر کو اور اوسکی لنبائی اُسکے جسم کو محفوظ رکھنے مین کار آمد ہوتی - اور اوسکی آڑ مین سوار سر کھولے بغیر ہی اپنی ایک آنکھ سے سامنے کی چیزون کو بھی دیکھ سکتا تھا - اور مسطح ڈھال نیزہ سے بچانے مین مفید ہوتی - کبھی دو شخص ساتھ ساتھ نیزہ بازی مین شریک ہوتے تو ایک شخص دو سرکی ڈھال کا کام دے جاتا تھا - +



(غرناطہ کی ڈھال)



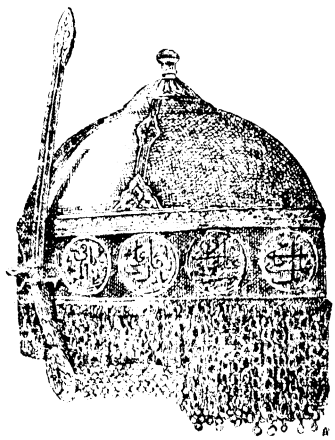
(ابی عبداللہ اخیر سلمان بادشاہ اُندلس کی زرہ)

مسلمانون نے ڈھال بنانے کے کام مین تفنن طبع کے جوہر بھی دکھائے تھے۔ اُنپر آیتین اور پند و نصیحت کے جملے اور اشعار وغیرہ نقش کئے تھے۔ نیز ہر ایک ملک کی ڈھال دوسرے ملک کی ڈھال سے شکل مین جدا ہوتی جن مین دمشقی۔ عراقی اور غرناطہ کی بنی ہوئی ڈھالین اور دیگر مقامات کی ساختہ بھی داخل ہین۔ +



(ابی عبداللہ اخیر بادشاہ اُندلس کا خود)

زرہ اہل عرب کے ہان زرہین بہت سی قسمون کی ہوتی تھین۔ ان مین اسپات۔ فولاد۔ اور کتان کی زرہین عمدہ ہوتی تھین۔ کتان کی زرہ کو "دلاص" کہتے تھے۔ اہل عرب مین غالباً صرف سوار زرہین پہنتے تھے جو روم و فارس کی بنی ہوئی ہوتی تھین۔ نیز اُن کے پاس چند زرہین مقررہ نامون سے مشہور تھین جیسے خالد بن جعفر کی زرہ جسکو "ذات الاذعۃ" کہتے تھے۔ اور اسکی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ اُسمین چند کڑیان یا پٹے اس طرح کے لگے ہوئے تھے کہ جب اسکا پہننے والا اُسمین سمٹنا چاہتا تو انہین پہلون مین دامن کے سرے لٹکا لیا کرتا۔ زرہ اُس پرزہ سے مرکب ہوتی جو سینہ کو محفوظ رکھتا اُس پرزہ کا نام "جوشن" ہوتا اور "بیضہ" "خود" اور مغفر سر کی حفاظت کیلئے ہوتے زرہ کے چند پرزے کلائیون پنڈلیون اور ہاتھون کے پنجون کی حفاظت کے واسطے بھی ہوتے تھے۔ +



(ایک بادشاہ مصر کا خود)

اوائل اسلام مین اہل عرب کے اسلحہ صرف اسی قدر تھے جو اُن اہل عجم سے کچھ اسلحہ اُن کے استعمال مین اضافہ ہوئے مثلاً خنجر، تیر اور کمان وغیرہ اور اُنکی بناوٹ مین موقع اور وقت کے مطابق تفنن بھی کیا گیا دیکھنے مین دمشق کی بنی ہوئی تلوار ملک عراق کی ساختہ تلوار سے جدا لگتا ہے اور مصر کی بنی ہوئی زرہ اندلس کی بنی ہوئی زرہ سے علیحدہ نظر آتی ہے اسکا فرق اشکال (۱۸) اور (۱۹) کے معائنہ سے سمجھ مین آسکتا ہے جن مین پہلی شکل اندلس کے بنے ہوئے خود کی ہے اور دوسری مصر کے بنے ہوئے خود کی۔ اسی پر تمام اسلحہ کی شکلون کو قیاس کر لینا چاہیے جنکی تفصیل سے کیہان بخوف طوالت قطع نظر کرتے ہین۔

محاصرہ کے آلات

اہل عرب کے ہان محاصرہ کے آلات بالکل نہ تھے کیونکہ وہ اسکے عادی نہ تھے کہ قلعون کا محاصرہ کرین۔ اُن کے رہنے کے گھر کھلے میدان مین آباد کئے ہوئے خیمے ہوتے تھے جنکی حفاظت بجائے خندقون اور شہر پناہون کی تعمیر کے وہ اپنی ہمت و شجاعت سے کیا کرتے تھے اہل عرب نے سب سے اول جس خندق کی بنیاد ڈالی وہ وہ خندق تھی جو جنگ احزاب کے دن ۵ھ مین مدینہ کے گرد مسلمانون فارسی کی رائے و مشورہ سے تیار کیگئی تھی۔ مگر جب اہل عرب کا میل جول عجمی لوگون سے بڑھا تو جن چیزون کا اقتباس اُنہون نے اہل عجم سے کیا منجملہ اُن کے آلات محاصرہ بھی تھے۔ اُن مین سے ہی اہم آلات حسب ذیل تھے: منجنیق۔ دبابہ کبش اور یونانی آگ۔

منجنیق ایک قدیم زمانہ مین فینیقیہ والون نے اسے استعمال کیا اور اُن سے یونانیون اور اسرائیلی لوگون نے اخذ کیا۔ اسکا ذکر مکابیین کے سفر مین کئی جگہ آیا ہے۔ یہ صنعت یونانیون کے ذریعہ سے تمام دنیا کی سلطنتون مین پھیلی اور اسکو اہل فارس نے بھی استعمال کیا جن سے اسلام کے بعد اہل عرب نے اخذ کیا۔



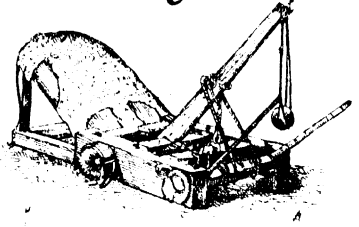
(رومیون کا منجنیق تیرون کے پھینکنے کیلئے)

مشہور ہے کہ قرن اول کے وسط میں رومی و فارس والوں سے لڑکر اہل اسلام نے اس آلہ کا استعمال نہیں کیا مگر ہم نے سیرۃ حلبیہ میں دیکھا ہے کہ عرب والوں نے اس آلہ کو محاصرہ طائف میں استعمال کیا اور اس سے کام لینے کی ترکیب بھی سلمان فارسی نے اسی طرح بتائی تھی جس طرح انہوں نے اہل فارس کے دیگر فنون حرب سکھائے۔ اور کہا جاتا ہے کہ منجنیق تو خود مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں سے تیار کر دیا تھا۔ سیرۃ حلبیہ کے مصنف نے یہی لکھا ہے کہ جس زمانہ میں مسلمانوں نے خیبر کا ایک دشوار گزار قلعہ فتح کیا ہے تو انہیں وہاں سے کئی منجنیقیں اور رسالے دستیاب ہوئے تھے۔

منجنیق کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں بڑی چھوٹی اور بیلنیوں اور رسیوں کے ذریعہ سے کھینچنے والی یا گوپن کی طرح چکر سے چلنے والی ہوتی ہیں۔ انکا استعمال تیر۔ پتھر یا لفظ کی شیشیاں پھینکنے کی غرض سے ہوتا تھا۔ اور کبھی کبھی بچھو وغیرہ موذی جانور بھی ان کے ذریعہ سے پھینکے جاتے تھے۔ اگر وہ چیزیں جنکو پھینکنا منظور ہوتا وزن میں ہلکی ہوتیں تو سیر کے ڈبے رکھکر ان کو بھاری کر دیتے۔ اور اگر سیال ہوتیں جیسے نفط وغیرہ تو اسکے لئے ایک پیالہ نما برتن تار کے پلے کی طرح زنجیروں سے لٹکا ہوا استعمال میں لایا جاتا تھا۔

ہمیشہ میں شکل میں ایک رومانی منجنیق کی تصویر دکھائی گئی ہے جسکے ذریعہ سے تیر اندازی کیجاتی تھی۔ اس تصویر سے معلوم ہوگا کہ ب اور ج، دو ستونوں کے اندر بہت سے تیر لگے ہیں جنکے سرے دشمن کیجانب ہیں۔ د و شخص (د) چرخی کو گھما رہے ہیں۔ اور (د) چرخی (ن) دندانہ دار چرخی کو پکڑ دیتی ہے جسپر ایک قایمہ کے کنارہ سے متصل ہونے والی رسی (ا) لپٹی جاتی ہے جو اس چکر سے اور (ف) کنکر قایمہ (ا) کے کنارہ کو پیچھے کیجانب مڑتی ہے۔ یہ قایمہ ایک لوہے کے ٹکڑے سے بنا ہے اور اس میں تسمے لگے ہیں جس وقت وہ کمان کیطرح کھنچ چکتا ہے اور اسکی قوت اتنی ہوجاتی ہے کہ اگر اسکی زہ کو چھوڑا جائے تو یہ زہ کے سرون پر زور سے گریگا اور انہیں دور تک پھینک دیگا۔ +

(شکل ۲۱)



(پتھر پھینکنے کی منجنیق)

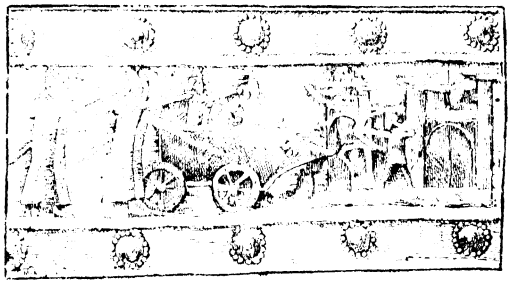
۲۱ ویں شکل میں پتھروں کے پھینکنے کی منجنیق دکھائی گئی ہے۔ یہ ایک لکڑی کا سیدھا پہیہ ہے جسکے سرے پر ایک گوپن نما چمڑا لٹک رہی ہے۔ اس میں پتھر رکھکر پتھر کو تسمہ کی ذریعہ

پنجے کی جانب کھینچتے ہین پھر کے نیچے ایک غلیل لگی ہے جس قوت کمانی پوری طرح ڈب جاتی ہے یکایک اسے چھوڑ دیتے ہین اور وہ پتھر زور کے ساتھ آگے کو جھکے ہوئے ایک بلند تختہ پر جاگرتا ہے۔ اور پتھر نکل کر دور جا پڑتا ہے۔ اسکے علاوہ منجنیق کی چند اور قسمین ہین ہم ان سب کی شکل کے تحت مین لکھ دیتے ہین

منجنیق کا استعمال بڑے بڑے پتھرون کے ذریعہ سے قلعون کے منہدم کرنے۔ دشمنون پر تیر برسانے۔ دشمنون کے مکانات کو نفط کے ذریعہ سے جلانے وغیرہ ضرورتون مین کیا جاتا تھا۔ آگ سے جلانے کا شعلہ زن نفط کو تیل کے پاٹون مین رکھکر اور ہانڈی وغیرہ کے مشکل ظروف مین بھر کر پھینکا جاتا تھا۔

منجنیقین قد و قامت کی چھوٹائی بڑائی مین مختلف ہوا کرتی تھین۔ اکثر اوقات بعض صفتون کے لحاظ سے منجنیقون کے بھی ویسے ہی نام رکھدیئے جاتے تھے۔ جیسے آجکل توپون کے نام ہوتے ہین۔ منہاج ابن یوسف کے پاس جو منجنیق تھی اسکا نام عروس تھا اور اسکے استعمال کے لئے پانچسو آدمیون کا عملہ مقرر تھا۔ اس منجنیق کو سنہ ۹۱ھ مین محمد بن قاسم نے ہندوستان کی جنگ پر بھیجا تھا اور اسکے ذریعہ سے اہل ہند کا ایک بہت بڑا بت خانہ توڑ ڈالا تھا۔

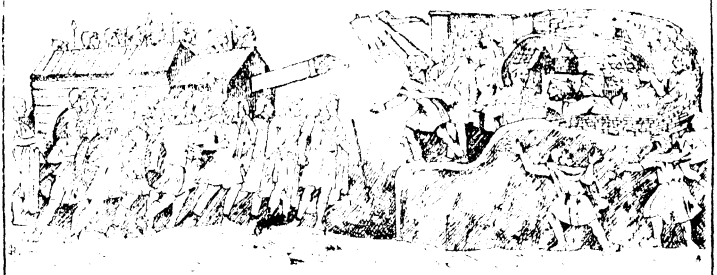
(ایک اشوری دبابہ جسکے ذریعہ سے شہر پناہ منہدم کی جارہی ہے۔)



(شکل نمبر ۲۲)

دبابہ | ایک چلانے کا آلہ ہوتا تھا جو بھاری بھاری لچکدار لکڑی کے تختون سے بنا کر سرکہ مین تر کئے ہوئے نمدون اور کھالون سے منڈھا جاتا تھا تاکہ اُسپر آگ کوئی اثر نہ کر سکے۔ اسکے بعد پہیون پر چڑھا کر اسے چلاتے۔ کبھی اسی طرح ایک لکڑی کا بُرج تیار کیا جاتا۔ اسکو بہت سے لوگ گول گول پہیون کے ذریعہ سے دھکیلتے لے چلتے تھے۔ کبھی لوگ اوسکے اوپر چڑھتے اور اُسپر سے شہر پناہ کی فصیلون پر چڑھ جاتے جسکا بیان آگے چلکر آئے گا۔ یہ آلہ بہ نسبت منجنیق کے زیادہ قدیم ہے

ابتدا اسکو قدیم اہل مصر نے اور اشوریوں نے استعمال کیا۔ اُن سے یونانی پھر رومانی اور پھر فارسیون نے اخذ کیا سب سے آخر مین مسلمانون نے بھی اسکا استعمال سیکھا۔ یہ آلہ کیا تھا گویا پہیون پر چلنے والا ایک قلعہ ہوتا تھا جس کے وسیلہ سے فصیلون پر دھاوا کیا جاتا اور محاصرین سے اُنپر حرکۃ جنگ کیجاتی تھی۔

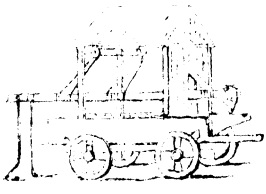


(کبش رومانی)

کبھی قلعہ کی دیوارین منہدم کرنے کے لئے دبابہ کو کام مین لاتے۔ اُسے چلاکر دیوار کے نیچے پہونچا دیتے اور اُس کا سر توڑا بنایا کرتے تھے تاکہ اُس سے دیوارون کو ٹکراکر کھود ڈالین۔ اس طرح پر بالآخر بڑی بڑی فصیلون کو منہدم کر دیتے۔

کبش یہ بھی دبابہ کی شکل کا ہوتا تھا۔ لیکن اتنا فرق تھا کہ اُسکا سر آگے کو مینڈھے کے سر سے مشابہ اور نکلا ہوا کرتا تھا جس کے اندر لوگ پناہ لیکر بیٹھتے۔ اور کبش کو بھی قلعہ یا شہر پناہ کی دیوارین منہدم کرنیکے کام مین لاتے تھے۔ مذکورہ بالا مینڈھے کا سر لکڑی یا لوہے کی ایک موٹی سی بلی مین لگا ہوتا۔ اور وہ بلی دو رسیون مین جو دبابہ کی چھت سے لگی ہوئی چرخیون پر پہنچائی تھین لٹکائی جاتی تھی۔ تاکہ اُسکے کھینچنے مین آسانی ہو۔ اس طریقہ پر صرف ایک آدمی دبابہ کے اندر یا اُسکے پیچھے سے اُس سر کو دیوار مین مارتے رہنے کے لئے کافی ہوتا یہانتک کہ اُسے کھود کر سوراخ بنالیتا۔ +

۲۳ ویں شکل مین ایک رومانی کبش کی تصویر دیکھی ہے جسکے ذریعہ سے برطانیہ والون نے شہر پناہ پر حملہ کیا ہے اور برطانی لوگ اس نئے آلہ کو دیکھکر خوف کھاتے ہین اور نشان صلح دکھاتے ہوئے اطاعت قبول کرنے کو نکلے ہین۔



(کبش دوسرا)

مسلمانوں نے اپنی بہت سی جنگوں مین فصیلون پر چڑھنے کے لئے دبابہ اور کبش سے کام لیا ہے۔ اور انکے منہدم کرنے یا توڑکر راستہ بنانے کا یہی فائدہ ٹہیا ہے۔ مسلمانون کا دستور تہا کہ ایک فوج مین متعدد دبابے رکہا کرتے تہے جن مین زیادہ تر چہوٹے اور مختصر اس قسم کے ہوتے کہ اُن مین صرف چند شخص سما سکین جو موقع بموقع ٹہب لگا کر فصیلون پر چڑہ جاتین خلیفہ معتصم باللہ نے "عموریہ" کو فتح کرنیکے لئے بہت سے دبابے بنوائے تہے جنمین کئی ایک اتنے بڑے بنے تہے کہ اُن کے اندر دس دس آدمی بخوبی سما سکتے تہے۔

فصیلون پر چڑہنے کیلئے دبابون کے استعمال مین لانے کی یہ صورت تہی کہ کچہ لوگ اُن مین سوار ہوکر انہین لڑہکاتے ہوئے شہر پناہ کی دیوارون تک لیجاتے۔ اگر کوئی خندق دیوار تک پہونچنے مین حائل ہوتی تو اُسپر پلون کی طرح تختے اور شہتیر ڈالدیتے۔ اور اگر خندق چوڑی ہوتی تو اسے لکڑیون اور ریت سے بہرے ہوئے بورون اور مٹی وغیرہ سے جو انکے ساتہہ رہتی پاٹ لیتے۔ جو لوگ خندق پاٹنے کے کام مین مصروف رہتے تہے۔ دبابہ کے اندر بیٹہنے والے لوگ انکی حفاظت ڈہالون اور بڑی بڑی تہالیون سے کرتے تہے تاکہ اُن پر اُن تیرون پتہرون اور نفطہ سے شعلون کا اثر نہ ہونے پائے جنکی بارش محاصرین کی طرف سے فصیلون پر سے ہوا کرتی تہی۔ خندق پاٹ کر دبابہ کو دیوار کے متصل لیجاتے اور اُسے ستونون کے ذریعہ قایم کرنیکے بعد چیر کر اُس مین سے نکل پڑتے اور دیوار سے چمٹ جاتے۔ اگر اس طریقہ سے فصیل کی سطح ہاتہہ نہ آتی تو اوپر چڑہنے کیواسطے سیڑہیان لگا لیتے اور اوپر چڑہ کر اندر شہر مین اُتر جاتے بشرطیکہ اس کارروائی کا موقعہ ملتا۔ ورنہ فصیلون کے اوپر ہی لڑتے رہتے تہے۔



دبابہ جس سے کام لے رہے ہین

یونانی آگ اہل عرب نے روم والون سے جن چیزون کا اقتباس کیا منجملہ اُن کے ایک چیز یونانی آگ

بھی تھی۔ یہ آگ اہل ہند و مشرق والوں کی اختراع ہے۔ کیونکہ ہندیائی لوگ اپنی لڑائیوں میں ایک قسم کا جدید مرکب جلنے والا مرکب استعمال کیا کرتے تھے جبکی خبر یورپ والوں کو ساتویں صدی عیسوی سے پہلے نہ ہوئی تھی گمان یہ ہے کہ کالینکوس نامی ایک شامی شخص نے اس مشتعل ہونیوالے مادہ کو اہل یورپ تک پہونچایا اور انہیں اسکے استعمال اور بنانیکا طریقہ سکھایا۔ رومی والے اس زمانہ میں اس کے سخت محتاج تھے تاکہ اسکے ذریعہ سے قسطنطنیہ وغیرہ اپنے ان شہروں سے جو یورپ اور ایشیا میں باقی رہ گئے تھے اہل عرب کو پسپا رکھ سکیں اور اس مرکب مشتعل بنانیوالے مصالحہ کے دستیاب ہونیسے وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ اہل عرب نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کئی مرتبہ کیا مگر اسی آگ کی وجہ سے اُسے فتح نہ کر سکے۔ رومیوں نے ان چیزوں کے نام چھپانے میں بہت کوشش کی جن سے یہ مرکب بنتا تھا۔ یہانتک کہ اہل عرب خود بھی اس سے واقف ہوگئے اور انہیں معلوم ہوا کہ یہ روغن گندھک۔ ذیبض روغن ہشیار اور تیلوں کے میل سے بنتا ہے جو سیال ہونیکی وجہ سے ایک تانبے کے نل کے ذریعہ سے جسکو جہاز یا کشتی کے اگلے حصہ پر باندھ رکھتے تھے مخالفوں پر پھینکا جاتا ہے۔ اس سیال مادہ کو جلاکر پھینکتے تھے یا جلتے ہوئے بانوں کی شکل میں اُسے پھینکتے تھے۔ یا کتان کے چیتھڑے اس میں تر کرکے اور آگ لگاکر جہازوں اور مکانوں پر پھینک مارتے جس سے وہ جلکر خاک ہوجاتے۔ اور یہی ظاہر ہے کہ جس آگ سے عبداللہ بن زبیر کو محاصرہ میں لیتے ہوئے حصین بن نمیر نے خانہ کعبہ کو جلادیا تھا وہ اسی قسم کے مشتعل مادہ سے لگی تھی۔

پیرس کے مکتبہ اہلیہ میں ایک قلمی مسودہ رکھا ہوا ہے جسپر کچھ عربوں کی تصویریں بنی ہیں کوئی ان میں گھوڑے پر سوار ہے اور کوئی پیادہ۔ اُن کے ہاتھوں میں چیتھڑے گدڑے یونانی آگ سے جلتے ہوئے موجود ہیں جنکو وہ اپنے دشمنوں پر پھینک رہے ہیں (دیکھو شکل ۲۵) اور اہل عرب یونانی آگ کو پھینکا جانیوالا نفط کہا کرتے تھے۔ +

بارود کی ایجاد اس مقام پر ایک نہایت اعلیٰ وجہ کی اختراع پائی جاتی ہے جس کے موجد ہونیکا فخر فرنگیوں کو گون کی جانب منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ وہ چیز عرب کی ایجاد ہے۔ اس سے ہماری مراد بارود کا اختراع ہے۔ اہل فرنگ کے مان یہ بات مشہور ہے کہ بارود کا موجد ایک شخص "شوارتز" نام گزرا ہے جس نے ۱۳۲۰ء میں اس مصالحہ کو ایجاد کیا مگر ایک انگریز پادری سمی "روجر بیکن" نے جو تیرھویں صدی عیسوی میں گزرا ہے ایک ایسے مرکب مصالحہ کا ذکر کیا ہے۔ جو بارود کی قسم سے اُسکے زمانہ میں رائج تھا۔ اور صحیح یہی بیان ہے کہ بارود کے استعمال کرنے میں اہل عرب تمام لوگوں سے سبقت لیگئے ہیں اور اگر انہوں نے وہ ایجاد نہیں کی تو کم از کم اس میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے اس مادہ کو [illegible] پہونچایا تھا۔ کہ وہ قرون وسطیٰ میں اچھی طرح رائج و مشہور ہوگیا۔ سپین کے نامور شرقی مؤرخ "کاندی" [illegible]

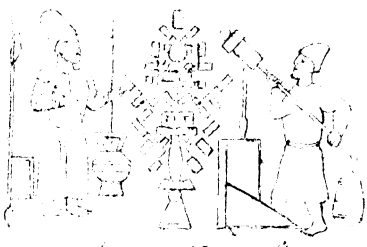
(المتوفی سنہ ۸۰۸ھ) نے بیان کیا ہے کہ مراکش والوں نے سنہ ۱۱۱۸ء مین "سرقوسہ" کے باشندون سے جنگ کرتے وقت آتشبار اسلحہ کا استعمال کیا تھا۔

اسپر اتنی بات اور مستزاد کرنی چاہئے کہ عربی تواریخ اس امر کی جانب اشارہ کر رہی ہے کہ بلاد مغرب مین جنگ کرتے وقت تیرہوین صدی عیسوی مین مسلمانون نے اس قسم کے آتشبار اسلحہ استعمال کئے۔ اس کیفیت کا صریح ذکر ہمیں "ابن خلدون" کے اس بیان مین ملتا ہے جو اُس نے ابی یوسف سلطان مراکش کے "سجلماسہ" کو فتح کرنے اور اُسکو "بنی عبدالواد" کے ہاتھون سے نکالنے کیلئے سنہ ۶۷۲ھ (سنہ ۱۲۷۳ء) مین چڑہائی کرنیکے متعلق لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے:۔ جس وقت سلطان ابویوسف نے مغربی ممالک کو فتح کرکے وہان کے شہر اپنے مطیع و منقاد بنا لئے۔ اور بنی عبدالمومن کے دارالخلافت پر تسلط کرکے انکو مسیت و نابود کر ڈالا طنجہ کو فتح کر لیا مغربی سرحد اور شمالی و قدیمی انگیزی کے بندرگاہ "سبتہ" کو مطیع کر لیا تو اُس وقت اُسے قبلہ رخ والے ملکون کیطرف خیال کرنے کی نوبت آئی۔ اور اُس نے قصد کیا کہ "سجلماسہ" کو فتح کرکے "بنی عبدالواد" کو جو اُس ملک پر قابض و متصرف تھے وہان سے نکالدے۔ اور بجائے اُنکی حکومت کے اپنا اثر و اقتدار قایم کرے۔ سلطان ابویوسف تمام فوجون اور بہیہ و بنگاہ کے ساتھ جب سنہ ۶۷۴ھ مین اُسنے فوجکشی کرنے کو اُٹھایا اور اُسے جاگیر۔ تمام اہل مغرب زناتہ۔ عرب۔ اور بربر کے لوگ اور اپنی ساری فوجین کیا پیدل اور کیا سوار سب وہان جمع کردین۔ ہر قسم کے آلات حصار لگادئے منجنیقین گردون۔ اور نفط اندازی کے آلات۔ انکے علاوہ ایسے آلات جو بارود سے مشتعل ہونیوالی آگ کے ذریعہ سے لوہے کے ٹکڑے برسالتے اور قدرت باری کا تماشا دکہلاتے تھے۔ نصب کرکے کامل ایک سال تک صبح و شام اُنپر دہاوے کئے۔ مگر کوئی صورت کامیابی کی نکلتی نہی۔ آخر کار پتھرون کی بوچہاڑ سے شہر پناہ کا ایک مختصر حصہ ٹوٹ گیا۔ اور ایسی بے خبری مین لوٹا کہ شہر "سجلماسہ" کے لوگ اوسکے درست کرنے کی تدبیر بہی نہ کرسکے اور ابی یوسف کے سپاہی لپک کر شہر مین گہس گئے جسے اُنہون نے بزور بازو فتح کر لیا۔" +

ابن خلدون کے مندرجہ بالا قول سے اس بات کی صریح شہادت ملتی ہے کہ بارود اہل عرب کے یہان ایک مشہور چیز تھی اور وہ لوگ اُس زمانہ سے نصف صدی قبل ہی اسکا استعمال اپنی لڑائیون مین کرتے رہے تھے جس زمانہ مین کہ اہل فرنگ "شورٹس" کو اُسکا موجد بتاتے ہین۔ اور یہ بات بہی ہے کہ تیرہوین صدی عیسوی کے آخر مین اہل عرب نے بارود بنانے کی ویسی ہی ترکیب بیان کی ہے جیسی کہ آجکل پائی جاتی ہے۔

سینٹ پیٹرسبرگ دارالخلافہ روس کے کتب خانہ مین ایک قدیم عربی مسودہ موجود ہے جس مین دو عربون کی تصویرین

بنی ہین جو آتشبار اسلحہ بنانے مین مصروف ہین۔ ایک شخص داہنی جانب ہے اور ہاتھ مین بندوق کی شکل کا ایک آلہ لئے ہے اُس آلہ مین توڑا لگا ہے اور توڑے کے اندر بارود بھری ہے۔ اُس شخص نے اُس توڑے کو ایک شعلہ سے جو اُسکے سامنے ہے قریب کردیا ہے تاکہ بارود مشتعل ہوکر گولی کو دور پھینکدے۔+



(شکل ۲۶- اسلحہ آتشبار مین سرب کی ایجاد)

اسی مقام کے مناسب ایک سوار کی تصویر بنی ہے جو داہنی دار کپڑے مین لپٹا ہوا ایک نیزہ لئے ہے تاکہ ضرورت کے وقت اُنہین روکون کو نوچکر اور لفظ مین ترکرکے دشمن پر پھینکا جاسکے۔ اس سوار کے دونون جانب دو پیادل آدمی ہین۔ ان دونون شخصون اور سوار کے گھوڑے کے جسم پر بھی دلیر یا ہی روئین دار لباس ہے جو وقت حاجت لفظ کے لئے استعمال ہوسکتا ہے۔



(شکل ۲۷- ادوات الفظ)

حالت جنگ مین فوجی نظام

تاریخ فوج کے بیان مین ہم اس بات کا ذکر کرچکے ہین کہ متمدن قومون کے یہان فوجی نظام کی دو صورتین تھین یعنی سیدھی صفین بنانا یا علیحدہ علیحدہ حصے کرنا۔ اہل عرب زمانہ جاہلیت مین کسی قاعدہ اور نظام کے پابند نہ تھے۔ انکی جنگ اس قسم کی ہوتی تھی جسے وہ "کر" اور "فر" سے تعبیر کیا کرتے ہین۔ اور اس طریقہ کا نام خود ہی اپنے مضمون کو عیان کر رہا ہے۔ کیونکہ جس وقت وہ لڑنے کے لئے تیار ہوتے تو یکایک اپنے دشمنون پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور

جب دیکھتے کہ انھین کسی قسم کی کمزوری لاحق ہوئی ہے تو فوراً بھاگ نکلتے۔ اور پھر پلٹ کر حملہ کر دیتے۔ اسی طرح ملکی نظام اور قاعدہ کے لڑتے رہے۔ اسلام کا ظہور ہوا تو منجملہ اُسکے احکام کے ایک حکم جنگ مین صفین مرتب کرنے کا بھی ہوا جو اس آیت مین مذکور ہے "ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفًّا کانّھم بُنیان مرصوص" یعنی "بیشک اللہ پاک اُن لوگون کو دوست رکھتا ہے جو اُسکی راہ مین "بنیان مرصوص" کی طرح صف باندھکر لڑتے ہین یعنی جس طرح دیوار مین ایک اینٹ دوسری اینٹ کی مدد ہوکر باہمی استقامت کا باعث ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ لوگ ایک دوسرے کے استقلال و پامردی کا وسیلہ ہوجاتے ہیں جو قریب ملکر سیدھی صف مین استادہ ہون اور حدیث مین آیا ہے "المومن للمومن کالبنیان المرصوص یشدّ بعضہٗ بعضًا" اسی بنا پر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد مین مسلمانون کی لڑائیان صف بندی کے ساتھ ہوا کرتی تھین اور اسی طریقہ کو "زحف" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین۔ وہ لوگ اس طرح سیدھی صفین مرتب کرتے تھے جس طرح نماز کے لئے صفین سیدھی بناتے ہین۔ اور اُسی انداز سے صفین باندھے اور قدم ملائے ہوئے دشمن پر بڑھتے تھے۔

مسلمانون کا بدوی قبائل کے ساتھ ایک ایسے نظام سے جنگ کرنا بھی جس سے وہ لوگ محض ناآشنا تھے منجملہ اُن امور کے تھا جنکی وجہ سے مسلمانون نے کروفر والے عربی قبیلون کو نیچا دکھایا۔ اس بات کا بڑے بڑے نامور فاتحون کے حالات پر نظر غائر ڈالکر اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہین مثلاً اسکندر، سلطان سلیم عثمانی، اور نپولین بوناپارٹ وغیرہ کی سوانح عمریان دیکھنے کے بعد صاف طور سے عیان ہوجاتا ہے کہ ان لوگون نے دنیا کو محض اُس نئے نظام کے ذریعہ سے فتح کیا جسے انھون نے اپنی فوجون مین جاری کیا تھا۔ یا اُن جدید اسلحہ کے ذریعہ سے غلبہ حاصل کیا جو اُن کے دشمنون کو نصیب نہ تھے۔

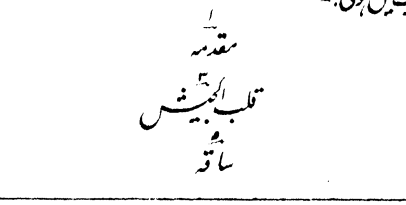
اہل کروفر اپنے جنگجو لوگون کو بذریعہ اپنے اونٹون اور اُن باربرداری کے جانورون کے جنپر وہ سامان رسد اور خیمہ و خرگاہ بار کیا کرتے تھے شکست کھانے اور پیٹھ دکھانے سے روکا کرتے تھے۔ اِن چیزون کو لڑنے والون کے پیچھے صف بستہ کھڑا کر دیا کرتے تاکہ اُنکے واسطے دم لینے اور آرام پانے کا موقع بجائے۔ اس صف کو مجہوذہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اور یہی ایک ایسی چیز تھی جو میدان جنگ مین اُنکو ثابت قدم رکھتی تھی۔ مگر مسلمانون نے باوجود یکہ "زحف" (صف بندی) کے ساتھ اُنکو ثبات کا فائدہ حاصل ہوتا تھا۔ پھر بھی اپنے پیچھے عورتون۔ بچون۔ اونٹون۔ اور سامان رسد وغیرہ کا رکھنا اختیار کیا تھا۔ اسلئے وہ جنگ مین بڑے مستعد اور لڑنے مرنے پر بہت صابر رہتے تھے۔

زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مین فوج اگر قلیل ہوتی تو ایک ہی اور نہ دو صفون مین مرتب ہوا کرتی تھی۔ خلفاء راشدین کے عہد مین مسلمانون کی کثرت ہوگئی تو پھر اُن کی کئی صفین بننے لگین۔ اس صف بندی مین سپاہیون کے اسلحہ اور اُن کے

خاص حالات پر لحاظ کرکے مقدم اور موخر صفین بنائی جاتی تھین۔ یہان ہم نمونہ کے طور پر اُس وصیت کا ذکر کرتے ہین جو علی رضنے مشہور جنگ "صفین" کے دن ۳۷ھ مین اپنے فوجی لوگون کو فرمائی تھی۔ اس وصیت کے مختصر ہی لفظون سے یہ بات بخوبی معلوم ہوجاتی ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانہ مین جنگ کے وقت فوجی نظام کی کیا حالت ہوتی تھی۔ علی رضنے فرمایا تھا:-

"اپنی صفین سیدھی کرو۔ انھین مضبوط دیوار کی مانند بنالو۔ زرہ پوشون کو آگے رکھو۔ اور بے زرہ والے لوگون کو پیچھے دانتون کو بھینچ لو کیونکہ یہ صورت "حسام" سے زیادہ تلوارون کی ضرب مین قوت پیدا کرنے والی ہے۔ نیزہ کی سنانین باہم ملالو۔ اُس سے سنانون کی حفاظت خوب ہوتی ہے۔ آنکھین نیچی کرلو۔ اس سے دل خوب مضبوط رہتا ہے اور قلوب کو تسکین ہوتی ہے۔ آوازین پست رکھو اسلئے کہ یہ صورت ہزیمت اُٹھانیکو دور بھگانیوالی ہے اور وقار کیلئے اولیٰ ہے اپنے نشانون کو قایم رکھو۔ انھین چھکنے نہ دو اور جو لوگ تم مین بہتر بہادر ہین اُن کے سو نشانون کو کسی اور کے حوالہ نہ کرو۔ صدق وصبر سے مدد لو اسلئے کہ صبر ہی کے اندازہ سے فتح ونصرت نازل ہوتی ہے۔"

کراویس اسکے بعد بنی امیہ کے زمانہ مین عربی فوجون کی اور بھی کثرت ہوئی اور وہ اہل عجم سے ملے جلے تو اُن کا خیال "تعبیہ" کی جانب رجوع ہوا یعنی فوجی جماعتون کو کراویس کی شکل مین مرتب کرنیکا طریقہ اختیار کیا جسکی حالت ہم فوجی تاریخ مین بیان کرآئے ہین۔ کراویس کی ترتیب یون ہوتی تھی کہ اہل روم جنگ کے وقت اپنی فوجون کے کئی حصے کردیا کرتے تھے جنھین یونانی زبان مین "کوہرتیس" کہتے تھے۔ اس لفظ کے معنی ٹکڑہ یا فوجی جماعت کے ایک حصہ کے ہین۔ ہر ایک کروس کی کئی صفین کرکے اُسے فوجی مربع کی شکل مین بنالیتے تھے۔ بادشاہ یا رکمانڈر انچیف اعلیٰ سپہ سالار اور اسکے حاشیہ کے لوگون کو معہ نشانون اور شعار وغیرہ کے ایک کتیبہ مقرر کرکے بیچ مین استادہ کرتے اور اُسے قلب کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اس کتیبہ کے مقابل سامنے کیطرف ایک اور کتیبہ ہوتا جو کہ لشکر غالب صرف سوارون سے مرتب قایم کیا جاتا۔ اُسکا نام مقدمہ ہوتا۔ بادشاہی کتیبہ کے داہنے طرف ایک کتیبہ "میمنہ" نامی اور اسی طرح بائیں طرف ایک کتیبہ "میسرہ" نام کا متعین ہوتا۔ اور ایک ٹکڑا فوج کا سب سے پیچھے رہتا۔ اسکو "فوجکا ساقہ" کہتے تھے جسکی صورت حسب ذیل ہوتی ہے:-



فوجوں کو اس طرح جمانے میں اُس کے پانچ ٹکڑے ہوتے ہیں اسی وجہ سے فوج کو "خمیس" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ غرضکہ اس صورت پر فوج مرتب ہوکے قدم ملائے صفین درست کئے دشمن کیطرف چلا کرتی تھی۔ اور اکثر اوقات اپنے پیچھے کوئی اس قسم کا سامان کر لیا کرتے جو انکی پیشقدمی میں ثبات و استقلال پیدا کر سکے جس طرح کہ اہل فارس جنگ کے میدانوں میں بہت سے ہاتھیوں پر ہودج اور عماریاں بندھوا کر اُن میں طرح طرح کی ہتھیار اور لڑنے والے لوگوں کو بھر دیتے اور نشانات بھی اسی جماعت کے ساتھ ہوتے۔ اس گروہ کو وہ لوگ میدان جنگ میں اپنے پیچھے اس طرح رکھا کرتے تھے جیسے بہت سے قلعے ہوں۔ اور ان کے ذریعہ سے اُن کے دلوں کو تقویت رہتی تھی۔ بعض اوقات اہل فارس شاہی تختوں کو اپنا جائے پناہ مقرر کر لیا کرتے۔ اسکی یہ صورت ہوتی کہ لڑنے والوں کے پس پشت میدان جنگ ہی میں بادشاہ کا تخت نصب کیا جاتا۔ شاہی خدم حشم اور اردے کے حاشیہ کے لوگ اور بعض وہ فوجی افسر جو علاوہ بادشاہ کے فوج کا دل بڑھانے کا کام دیتے تھے یہ سب لوگ شاہی تخت کو اپنے حلقہ میں لئے رہتے۔ اس شکل سے شاہی تخت کی ہیکل میں ایک عجیب قسم کی عظمت پیدا ہو جاتی۔ اور وہ مقام لڑنے مرنے والوں کے لئے پناہ لینے اور ستانے کا ایک عمدہ موقعہ بنجاتا۔ اکثر حالتوں میں عجمی باشندے بھی کروفر کے ساتھ لڑا کرتے تھے۔ اور اپنی سپاہ کے پیچھے اسی طرح کی جائے پناہ بنا لیا کرتے۔ جسکے اقسام کا شمار کرنا دشوار ہے۔ رومیوں اور فارس والوں سے جنگ چھیڑ کر اہل عرب کو اکثر میدانوں میں اس بات پر مجبور ہونا پڑا کہ وہ بھی "کراویس" کے طریقہ سے جنگ کریں۔ اسکی ایک مثال یہ ہے۔ کہ خالد بن ولیدؓ نے ۱۳ھ میں مشہور واقعۂ یرموک کے وقت یہ طرز اختیار کیا۔ اور انہوں نے اہل عرب کی فوجوں کو اس شکل سے میدان میں جمایا کہ وہ اس سے پہلے کبھی اُس طرح مرتب نہ ہوئی تھیں۔ خالدؓ نے اپنی فوج کے (۳۶) سے (۴۰) تک کردوس بنائے۔ قلب کو کئی حصوں میں بانٹ کر اُسکا افسر ابا عبیدہؓ کو بنایا۔ میمنہ کے کئی ٹکڑے کر کے اُسپر عمرو بن العاصؓ اور شرحبیل بن حسنہؓ کو سردار کیا۔ اور میسرہ کے کئی اجزا کر کے اُسپر یزید بن ابی سفیان کو افسر بنا دیا۔ الخ۔ اور ۱۴ھ کی جنگ قادسیہ میں سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی اسی ترتیب سے کام لیا تھا۔

مگر بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ کہ عربے اس ترتیب کا برتاؤ رومیوں سے لڑنیکے لئے اُن کے بالمقابل مجبوراً کیا تھا۔ اور دراصل اپنی جنگوں کا اصول تعبیہ کے ساتھ فوجوں کا مرتب کرنا مروان بن محمد بنی اُمیہ کے آخر خلیفہ کے وقت ۱۲۸ھ میں قرار دیا۔ کیونکہ اسی خلیفہ نے صفوں کو توڑ کر "کراویس" کو منظم کیا۔ اور یہ اصول اختیار کرنیکے بعد پہلے یہ ضحاک، خارجی اور بعدہٗ "جہیری" سے لڑا۔ صفوف کے اصول کو باطل کر دینے کے بعد رفتہ رفتہ یہ "زحف" کا

قاعدہ لوگوں کو بھول گیا۔ اور اسکے بعد لڑنے والوں کے پس پشت کسی زائد صف کا رکھنا بھی اسلامی حکومت میں عیش پسندی کا دخل ہونے کی وجہ سے مٹ گیا۔ شدہ شدہ اہل عرب میدان جنگ میں عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ لیجانا بھی ترک کرنے لگے۔ یہاں تک کہ آخر کار بالکل چھوڑ بیٹھے۔

علاوہ ازیں بعض اُن دعویداران خلافت نے جو اہلبیت نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تھے صف بندی کے اصول کو ترک کرکے "کرادیس" کا نظام اختیار کرنا اسلام میں بدعت پہلیا نا سمجھا۔ وہ صفوں کے ساتھ "زحف" کو اچھا سمجھکر اُسی پر قائم رہے گو اسکا نتیجہ اُنکے حق میں خطرناک ہی کیوں نہ ثابت ہوا۔ اس امر کا شاہد وہ قصہ ہے جو ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب کیجانب منسوب ہے جس وقت خلیفہ منصور عباسی نے عیسیٰ بن موسیٰ کو اُن کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ اور یہ دونو جماعتیں کوفہ سے ۱۶ فرسخ کے فاصلہ پر مقام "باخمرا" میں مقابل ہوئیں تو امام ابراہیم کو انکے کسی دوست نے صلاح دی کہ وہ اپنی فوج کو کراوس میں مرتب کریں کیونکہ کراوس بحالت جنگ زیادہ ثابت قدم رہتے ہیں۔ اگر ایک کردوس کو شکست ہوجائے تو اوسکی جگہ پر دوسرا کردوس جم سکتا ہے لیکن صفوں میں یہ بات حاصل نہیں ہوسکتی۔ اگر اسکا ایک حصہ بھی منہزم ہو تو سب کی سب پامال ہوجائے۔ اس نیک صلاح کے جواب میں خود ابراہیم اور اوسکے تمام رفقا نے کہا "ہم اہل اسلام کی صف بندی کے علاوہ کسی اور صف بندی کو اختیار نہیں کرینگے اس سے اونکی مراد اس آیت کا حکم تھا "ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ ..... الآیہ" مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ابراہیم کو شکست ہوئی۔ اور وہ تباہ و برباد ہوگئے۔

مسلمانوں نے "مدینت" میں رسوخ حاصل کرنیکے بعد قدما کے فنون جنگ میں تفحص بھی کیا۔ اور اونکی کتابوں کا ترجمہ کرنے اور انمیں پڑھنے کے بعد اس صیغہ میں بہت سے جدید طرز اور اصول رائج کئے۔ مسلمانوں کے یہاں فوجی تعبیہ کی قسمیں متعدد ہوگئیں۔ یہانتک کہ سات شکلیں قایم ہوئیں۔ اگرچہ وہ ان تمام صورتوں کو ایک ساتھ نہیں برتتے تھے۔ تاہم انہوں نے اُنکو اپنے فنون جنگ میں داخل ضرور رکھا پہلا تعبیہ یہ تھا کہ فوج کی ترتیب ہلال کی شکل پر کیجاتی۔ کہتے ہیں کہ قدیم اہل فارس نے ہلالی ترتیب کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک سیدھا ہلال یا نوکدار ہلال۔ یہ صورت بہت آسان اور سادہ ہے۔ جیسے آسمان کا چاند ہوتا ہے ☽

دوسری ترتیب ہلال مرکب کی اسکی یہ صورت تھی کہ ہلال کے دونوں طرف بھی دو ہلال نما صفیں بنائی جائیں گویا کہ اسکے دو بازو ہیں۔ تیسرا تعبیہ مربع مستطیل ہوتا۔ اور چوتھا اُلٹے ہلال کی وضع کا ☾۔ پانچواں تعبیہ یہ تھا کہ فوج کو معین یا ترچھے مربع کی شکل میں منتظم کیا جاتا۔ چھٹا تعبیہ مثلث △ اور ساتواں "دائرہ مزدوجہ" کی شکل پر یعنی دو دائرے اس طرح ہوتے کہ ایک دوسرے کے اندر بنایا جاتا۔ یہ آخری قسم کا تعبیہ اُس وقت اختیار کیا جاتا جبکہ اُنکی فوج قلیل اور غنیم کی سپاہ بہت زاید ہوتی۔ اور یہ تعبیہ اُس تعبیہ سے ملتا جلتا ہے جو متمدن لوگوں نے تفنن کرتے

کرتے سب سے آخری اور مکمل تعبیر دریافت کیا ہے۔ اس سے ہم وہ تعبیہ مراد لیتے ہین جو کہ بونا پارٹ نے قایم کیا تھا اور جس کے ذریعہ سے اس نے تمام ملکون کو پامال کر ڈالا۔ اور جو آجتک کی تمام منتظم فوجون کا بہترین نظم ہے۔

مسلمان لوگ فوج کو جنگ کیلئے مرتب کرتے تو اُسے کرادیس۔ یا مربعون۔ یا شلثون کی صورت مین ترتیب دیتے اور یا فوج کا کچھ حصہ کرادیس کی شکل مین رکھتے اور کچھ حصہ کو مربع یا ہلالی یا معین۔ یا مثلث کی صورت پر مرتب کرتے جیسا موقع ہوتا۔ یا جیسی حالت پیش آتی۔ ؎۱

فوجی کمپ اوائل اسلام مین نظم و ترتیب لشکر کا کوئی خاص علم نہ تھا۔ بلکہ اہل عرب اپنے خیمون کے نصب کرنے مین اور انکو ترتیب دیتے مین اُسی ڈھنگ پر چلتے تھے جسپر وہ زمانہ جاہلیت مین چلتے آئے تھے۔ امیر کا بڑا خیمہ وسط مین ہوتا تھا۔ اور اوسکے گرد ماتحت افسرون اور خاص لوگون کے خیمے نصب ہوتے تھے۔ اگر اونکے ساتھ عورتین اور بچے ہوتے تھے تو اونکو پڑاو کے پیچھے ٹھہراتے۔ مگر جب اونھون نے بال بچون کا ساتھ رکھنا ترک کیا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تو اونھون نے کمپ قایم کرنے مین روم اور فارس والونکی پیروی اختیار کی۔ اور حسب اقتضائے حالات اس مین تفنن بھی کیا۔ اور جس زمانہ مین فوجی فرقون کی تعداد بڑھ گئی حاشیہ کے لوگون اور غلامون کی کثرت ہوئی تو فوجی کمپ نے ایک خاصے بارونق و آباد شہر کی صورت حاصل کرلی جسمین فوجی سپاہیون کی اقسام کے علاوہ منشی۔ عالم۔ طبیب۔ کحال۔ اور طبل بجانے والے (نقارہ نواز) اور اتباع وغیرہ بھی ہوا کرتے تھے۔ جیسا شکل ۲۸ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اور یہ نقشہ اسلامی عہد مین فوجی کمپ کا سب سے بڑھیا ترقی یافتہ نظام کا ہے۔

فوجی قواعد اور شعار

فوجی قواعد اوائل اسلام مین جس وقت فوج جنگ پر آمادہ ہونیکو ہوتی تو اوسکے سردار "النفیر النفیر" کی آواز دیتے تھے۔ یہ صدا اُسکے محاورہ مین حملہ کرنے کی علامت تھی جسطرح آجکل مصر کے فوجی افسر ایسے موقعہ پر پہلے "ہجوم حاضر اُل" اور پھر صرف لفظ "ہجوم" کی صدا لگاتے ہین۔ اور اگر سپاہ کو جنگ سے باز رکھنے کی خواہش ہوتی تو اہل عرب "الرجعۃ الرجعۃ" کہتے تھے۔ جسکی جگہ اندنون ملک مصر مین "جریہ" کا لفظ بولا جاتا ہے۔ سوار دن کا

؎۱ اسلامی کمپ کے لئے دیکھو نقشہ فسلکہ ۔ ✦

لڑنے پر تیار ہونے کا اشارہ کرنا مقصود ہوتا تو "الخیل الخیل" کی ندا دیجاتی تھی۔ اس غرض کیلئے مصری فوجون مین پہلے "ہین مایہ حاضر اُل" اور اسکے بعد صرف لفظ "ہین" کا استعمال ہوتا ہے جب یہ منظور ہوتا کہ سوار لوگ گھوڑون سے اُتر آئین تو "الارض الارض" کہتے۔ اسکی مثال مصری افواج مین "ہین مایہ حاضر اُل" اور اسکے بعد تنہا لفظ "ہین" کا استعمال کرنا ہے۔ جب اہل اسلام متمدن قوم کی حیثیت مین آئے۔ اور انکی فوج کی مختلف حصے اور قسمین بن گئین۔ اور فوجی حرکتون کی جدا جدا شکلین قائم ہوئین تو انہون نے ہر ایک حرکت کے لئے ایک خاص ندا مقرر کی جسکا لفظ اپنے معنے اور مراد پر دلالت کرتا تھا۔ اُن صداؤن کے نام حسب مندرجۂ ذیل ہین:-

(۱) المیل۔ (۲) الانقلاب۔ (۳) الانفتال۔ (۴) تسویۃ الانفتال۔ (۵) استدارۃ صغری۔ (۶) استدارۃ کبریٰ۔ (۷) تقاطر۔ (۸) اقتران۔ (۹) رجوع الی الاستقبال۔ (۱۰) استدارہ مطلقہ۔ (۱۱) اضعاف۔ (۱۲) اتباع المیمنہ۔ (۱۳) اتباع المیسرہ۔ (۱۴) جیش منحرف۔ (۱۵) جیش مستقیم۔ (۱۶) جیش مورب (۱۷) رض (۱۸) تقدم۔ (۱۹) حشو۔ (۲۰) رادفہ۔ (۲۱) ترتیب بعد ترتیب۔

جس وقت فوجی افسر کا ارادہ ہوتا کہ اپنی فوج کو کسی طرف مایل کرے۔ یا اوسے کوئی خاص صورت اختیار کرائے وہ انہین کلمات مین سے ایک کلمہ پکار دیتا۔ اور فوجی سپاہی جو ان کلمات کے معنی اور مراد سے واقف ہو چکے ہوتے تھے فوراً وہی حرکت اور شکل اختیار کر لیتے۔ جس طرح آجکل کی فوجین کرتی ہین اسکے کچھ مدت بعد ان سب کلمون کو صرف دو کلمون مین منحصر کر دیا جو حسب ذیل ہین:-

"ہوجوآ" اور "ہوبرا"۔ اور اپنی مراد کے پورا کرنے مین اشارون سے مدد لیا کرتے تھے۔ اس لئے فوجی سپاہیون پر لازم ہوتا تھا کہ وہ اپنے افسر کی حرکات وسکنات کو غور سے دیکھتے رہین جس وقت وہ کسی طرف پھرے خود بھی اُسی کے ساتھ پھر جائین۔ ان دونون لفظون کی تشریح یون کی گئی ہے "ہوجوآ" سے یہ مراد ہے کہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہو جاؤ۔ اور "ہوبرا" سے اسکے برعکس۔ +

فوجی شعار ایام جاہلیت مین عرب نے چند خاص لفظ مقرر کر رکھے تھے جن کے ذریعہ سے وہ حالت جنگ وپیکار مین اپنے موافق اور طرفدار شخص کو شناخت کیا کرتے ان الفاظ کا نام "شعار" تھا۔ وہ الفاظ معین نہین تھے۔ بلکہ حالات اور ضرورت کے مطابق ایک لفظ کو اپنی اصطلاح ٹھہرا لیا کرتے۔ جنگ "اُحد" کے دن کفار عرب کے قبایل کا شعار "یا للعزّیٰ یا لھبل" کا کلمہ تھا۔ خیبر مین تنوخ کے قبیلہ والون کا شعار "یا آل عباد اللہ" مقرر ہوا تھا۔ اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مہاجرین اور انصار مین سے ہر ایک کے واسطے ایک علیحدہ شعار مقرر فرما دیا تھا

مہاجرین کا شعار تہا۔ "یا بنی عبد الرحمن" قبیلہ اوس (انصار کا ایک قبیلہ) کا شعار تہا۔ "یا بنی عبید اللہ" اور "خزرج" (انصار کا دوسرا خاندان) کا شعار "یا بنی عبد اللہ" تہا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے خیل کو "خیل اللہ" کے اسم سے موسوم فرمایا تہا۔ اسکے بعد اہل اسلام اپنی فوجوں کے مختلف شعار مقرر کرتے رہے جن کے ذریعہ سے وہ اپنے لوگوں کو باہم پہچانتے تھے۔ اور یہ شعار اسی انداز پر مقرر کئے جاتے جس طرح اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ +

ثغور اور عواصم

اس سے اسلامی مملکت کی بری اور بحری حدود مراد ہیں۔ بیانات مندرجہ بالا میں دیکھا گیا ہے کہ اہل عرب ملک شام کی فتح کے لئے بڑہے تو انہوں نے پہلے ملک شام کے اس خشکی کے حصہ کی طرف پیش قدمی کی جو صحرا سے متصل "حوران" کی سمت میں واقع ہے۔ چونکہ رومیوں کی بڑی بڑی توپیں زیادہ تر ساحلی شہروں میں رہتی تہیں اسلئے اہل عرب نے اپنی فتوحات کو بر سے بحر کی جانب بڑہانا اور پہیلانا شروع کیا۔ اور ملک کے اصلی باشندوں پر غلبہ حاصل کرنیکے بعد رومیوں کو بہی زیر کر لیا۔ دمشق کو فتح کر لینے کے بعد وہ لوگ سواحل کیجانب بڑہے۔ جو اسلامی فوجیں ساحلی مقامات کی طرف بڑہی تہیں انکے افسر "یزید بن ابو سفیان" اور انکے بھائی "معاویہ" تہے یہ فوجکشی اس زمانہ میں ہوئی جبکہ دمشق پر "ابو عبیدہ" حکمران تہے۔ "یزید بن ابی سفیان" نے حملہ کر کے "بیروت" "صیدا" اور "جبیل" کو فتح کر لیا۔ مگر چند روز کے بعد اہل روم نے پلٹ کر پہر ان مقامات کو مسلمانوں سے واپس لیلیا۔ جسکی وجہ یہ تہی کہ روم والوں کی بحری قوت بہت بڑہی ہوئی تہی۔ یہ مقامات زمانہ دراز تک برابر رومیوں ہی کے قابو میں رہے جبکہ حضرت "عثمان" خلیفہ مقرر ہوئے۔ اور امیر "معاویہ" انکی طرف سے ملک شام کے عامل تہے تو انہوں نے "طرابلس" وغیرہ مقامات کو فتح کیا۔ معاویہ بحری جنگ کے بہت شائق تہے۔ اور "عثمان" اس جنگ سے اسی طرح روکتے تہے جس طرح خلیفہ "عمر بن الخطاب" "معاویہ" سے "عثمان" سے بہت کچھ الحاح و اصرار کے بعد آخر کار بحری جنگ چہیڑنے کی اجازت حاصل کر لی۔ اور اس وقت ملک شام کی سرحدیں (دریا کے ساحلی شہر) مسلمانوں کے قابو میں آ گئے۔ عرب لوگ چاروں سمت سے آن آن کر ان شہروں میں آباد ہونے لگے اور بہت سے مسلمان وہاں مقیم ہو گئے۔ +

خلفائے راشدین کے عہد میں ثغور (سرحدیں) شام۔ انطاکیہ وغیرہ وہ ساحلی مقامات تہے۔ جنکو خلیفہ رشید عباسی نے "عواصم" کے نام سے موسوم کیا۔ اہل اسلام عواصم سے پرلی طرف کے مقامات پر حملے کرتے رہتے تہے۔

"اسکندرونہ" اور "طرطوس" کے مابین چند قلعون مین تھوڑے بہت اہل روم باقی رہ گئے تھے۔ بنو امیہ نے اپنی حکمرانی کے زمانہ مین ان مقامات کو بھی فتح کرلیا۔ سرحدی مقامات کی آبادی اور رونق عباسی خاندان کے دور مین بہت بڑھ گئی۔ اور وہان بہت بڑی تعداد محافظ سپاہ کی مع سامان جنگ کے اس غرض سے رکھی جانے لگی کہ رومیون کی لوٹ مار کو روک سکے۔ کیونکہ وہ لوگ عرب والون سے چھیڑ چھاڑ رکھنے پر آمادہ رہتے۔ اور موقع پاکر نہایت سخت قتل و غارت کر جاتے تھے۔ اہل عرب نے ان مقامات پر بہت سے پائدار جدید قلعے بنائے اور ان قلعون کی بھی مرمت کرلی جو رومیون کے بنائے ہوئے تھے۔ اور وہان کے باشندون کے وظائف مین بڑی بڑی رقمین مقرر کرکے انکو جہاد کا حکم دیا۔

اسلامی مملکت کی سرحدون پر بھی جو خشکی مین واقع تھین انہون نے ایسا ہی کیا۔ کئی ایک مضبوط شہر چن کر انہین سرحدی شہر بنا دیا۔ ان مین فوجین رکھین اور اسلحہ خانے بھی متعین کئے تاکہ وہ سپاہ غنیم کے حملون کو روکنے مین کام آئین اور وقتاً فوقتاً دشمنون پر خود بھی جہاد کیا کرین۔

بنا برین اسلامی ممالک کی سرحدین بعض اہل روم کے محاذی اور کچھ اہل فارس کے برابر مین واقع تھین۔ اور جو سرحدین رومیون کے مقابل واقع تھین۔ اُن مین سے کوئی مقام سمندر کیطرف رومی ممالک سے متصل ہوتا تھا اور کوئی خشکی کیجانب۔ اور بعض مقامات ایسے تھے جہان خشکی اور تری دونون سمتون سے اہل روم کے حملہ کا خطرہ ہتا تھا۔

بحری حدود مطلق طور پر مصر اور شام کے سرحدی مقامات تھے۔ اس لئے اگر ہم شمال کیطرف سے شامی سرحدون کو گننا شروع کرین تو سب سے پہلے طرطوس اُسکے بعد اذنہ پھر مصیصہ یعنی زریۃ۔ کیسہ۔ مارونیہ۔ بیاس۔ اور نقابلس وغیرہ مقامات واقع ہوتے ہین۔ ان تمام مقامات کی آمدنی ۔۔۔ ۱۰ دینار ہوتی تھی جو انہین کی ضرورتون اور کامون۔ شلاً فوجی تنخواہون قلعون اور شہر پناہون کی مرمت۔ اونٹون اور گھوڑون کے رسمنے بنوانے اور جدید قلعون کی تیاری وغیرہ اُمور مین یہ سب رقم خرچ کردیجاتی تھی۔ اُس مین سے بچا کر بیت المال مین کچھ بھی نہین داخل ہوتا تھا۔ بلکہ کبھی کبھی فوج کی تنخواہین بیت المال سے ادا کرنی پڑتی تھین مصری سرحدی مقامات مین بلاد فرج عریش ومیاط۔ اور اسکندریہ شمار ہوتے تھے۔

شمالی سمت کی شامی سرحدون سے وہ سرحدی مقامات بھی متصل تھے جنکو جزیرہ عراق کیجانب منسوب ہونیکی وجہ سے "جزائری" کہتے تھے۔ ان مین سب سے پہلا مقام "مرعش" تھا۔ اسکے بعد "الحدث" اور الحدث کے بعد "شیشاط" کی ثغور تک مسلسل بہت سے قلعے چلے گئے تھے۔ اور شیشاط کے بعد "ملطیہ" (مالٹا) واقع تھا۔ ان

سرحدی ممالک کی سالانہ آمدنی "مالیٹا" کی آمدنی سمیت ۷۰۰۰۰ دینار ہوتی تھی جس مین سے ۴۰۰۰۰ دینار سالانہ انہین مقامات کی ضرورتون مین صرف ہوجاتا اور ۳۰۰۰۰ دینار باقی بچتے جن مین ۱۷۰۰۰ دینار اور ملاکر یعنی پورے دولاکھ دینار کی رقم اُن اولیاء اللہ اور گداگرون کے مصارف مین اٹھتی تھی جو وہان رہتے تھے جہاد کے لئے جو فوجین روانہ ہوتین اُن کے اخراجات اسکے علاوہ تھے۔ مذکورہ بالا سرحدین ہی جہادون کے واقع ہونیکا ذریعہ تھین۔ ان "ثغور" کے "عواصم" (صدر مقامات) "دلوک" "رعبان" اور "منبج" تھے۔ اور جو سرحدین مشرقی سمت مین ممالک ہند سے ملتی تھین اُن کے بیان سے ہم بخوف طوالت قطع نظر کرتے ہین۔

غزوات

سرحدات متذکرۂ بالا اسلامی ممالک کی حدود تھین۔ انہین کو ۱۷۰ھ مین ہارون الرشید عباسی نے جزیرہ اور قنسرین سے توڑکر انکا نام "عواصم" رکھدیا تھا۔ اہل اسلام ہر سال ان مقامات سے خشکی اور تری مین جہاد کرنے کو نکلا کرتے۔ اور اشاعت اسلام کیلئے سعی کیا کرتے تھے۔ جہاد مسلمانون پر فرض تھا اور خلفاء انکو اسکا خیال دلاتے رہتے تھے۔ جسکی مثال ابوبکر صدیق کا یہ قول ہے:۔ "لایدع احدٌ منکم الجهاد فانه لایدعه قوم الا ضربهم الله بالذل" یعنی اے اہل اسلام تم لوگون مین سے کوئی شخص جہاد کو ترک نہ کرے کیونکہ کوئی قوم ایسی نہین جو جہاد کو چھوڑدیتی ہو اور اللہ پاک اسے ذلیل وخوار نہ کردیتا ہو۔ یہ فقرہ خلیفہ ممدوح نے اپنے خلیفہ مقرر ہونیکے دن فرمایا تھا۔ بحری غزوات کی یہ صورت تھی کہ مسلمانون کے جہاز سواحل مصر وشام پر اکٹھے ہوکر جزیرہ "قبرس" مین باہم ملجاتے۔ ان جہازون کی تعداد ۸۰۔ اور ۱۰۰ کے مابین ہوتی تھی جس قدر جہاز "قبرس" مین مجتمع ہوتے انکو "اسطول" (بیڑہ) کہتے تھے۔ اور "اسطول" کی کمان ثغور شام کے جہازی افسر کے حوالہ ہوتی۔ جس زمانہ مین یہ بیڑہ مصر اور شام کے سواحل پر جنگ مین مصروف رہتا تھا اس وقت اسکے مصارف مین ایک لاکھ دینار خرچ ہوتے تھے۔ +

اہل عرب کے غزوات فصلون اور موسمون کے اعتبار سے معین ہوتے تھے کوئی غزوہ "صیفی" ہوتا (موسم گرما کا) تو کوئی "شتوی" (ایام سرما کا) اور کسی کو "ربیعی" (موسم بہار کا) کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ربیعی غزوہ ماہ "ایار" (مئی) کی دسوین تاریخ کو واقع ہوتا تھا یعنی جبکہ مسلمان اپنے چارپایون کو موسم بہار مین خوب چرا چگا چکتے اور اون کے گھوڑون کی حالت عمدہ ہوجاتی تھی۔ اسکے بعد وہ لوگ جہاد پر نکلتے تھے۔ پورے تیس دن یعنی "یونیو" (جون) تک وہ لوگ جہاد مین مصروف رہتے۔ گویا اُس زمانہ مین اُن کو رومی ممالک کے اندر عمدہ چارہ ملسکتا تھا جسکی وجہ سے اُن کے گھوڑے دوسری بار موسم بہار کا لطف اُٹھا لیتے تھے اور خوب چرائی کرلیتے تھے۔ بعد ازین

اہل اسلام جنگ و جہاد بند کر دیتے۔ اور ۲۵ دن یعنی ۵ "تموز" (جولائی) تک مقیم رہتے۔ پھر اس عرصہ میں اون کے گھوڑے تر و تازہ اور قوی ہو جاتے تو "صیفی" غزوہ کے لئے مجتمع ہو کر دسویں تموز (جولائی) کے بعد سے جہاد میں مصروف رہتے۔ اور اسکے بعد سے اپنے قفول (جہاد سے رُکے رہنے) کے وقت تک پورے ساٹھ دن اسی حالت پر قایم رہتے۔ بعض سالوں میں موسم گرما کے اندر دو بار غزوہ کرتے۔ اور اون حملوں کا نام "صائفۃ الصیفی" اور "صائفۃ الصیر" رکھتے تھے۔

جاڑوں کے موسم میں وہ لوگ بہت کم جہاد کیا کرتے۔ اور بیس راتوں (دن) سے زیادہ اُس میں مصروف نہیں رہتے اور زیادہ دور بھی نہ جاتے تھے۔ یہ حملہ شباط (فروری) کے آخر میں ہوا کرتا اور غازی لوگ شروع اذار (مارچ) تک دشمنوں کے ملک میں پڑے رہکر اپنے ملک میں واپس آجاتے اور اپنے گھوڑوں کو موسم بہار میں آرام دیتے۔

اس بیان سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ مسلمان خلفاء نے صرف اپنی قلمرو کی حفاظت ہی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ وہ ممالک متصلہ پر حملہ آور ہوتے رہنا بھی اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اور یہ صورت خدا کی راہ میں جہاد کرنے کی قسم سے تھی۔ جیسے کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اس (جہاد کے) معاملہ میں بنو عباس کا شوق تمام خلفاء سے بڑھکر دیکھا جاتا ہے اون کو اطمینان کے ساتھ حکومت کرنا نصیب ہوا۔ اور اسلامی مملکت پوری طرح اونکے تابع فرمان ہو گئی تو اونہوں نے مغازی (جہاد) کیجانب توجہ کی۔ اپنی حکومت کے اوائل میں ہر سال اپنے یہاں کے ایک یا چند سپاہیوں کو اہل روم سے جہاد کرنیکے لئے اسی طرح بھیجتے رہتے جس طرح کہ حاجیوں کی جماعت حج کے لئے روانہ کیا کرتے تھے۔ اسکے بعد بذات خاص رومیوں پر حملہ کرنے میں شریک ہونے لگے۔ ۱۶۳ھ میں خود خلیفہ مہدی عباسی نے رومیوں کے ملک پر حملہ کیا اور ۱۶۵ھ میں اپنے بیٹے رشید کو ۹۵۹۳۰ سپاہیوں کے ساتھ روم والوں سے جہاد کرنیکے لئے روانہ کیا۔ رشید اپنی جرار فوجوں کو لئے ہوئے رومی ممالک میں گھستا ہوا اور راستہ میں رومی لوگوں کے "مسالح" پر گذرتا ہوا خلیج قسطنطنیہ تک جا پہنچا۔ راہ میں جس قدر قلعے رومیوں کے ملے وہ سب پامال ہو کر مسلمانوں کے قابو میں آ گئے مگر اُن مقامات کے سردار نے ۴۵۰ ۱۹۳ دینار۔ اور ۸۰۰ ۱۴۰ ۲ درہم نذر کر کے مسلمانوں کو صلح پر رضامند کر لیا۔ اور اپنی بستیوں کو بچا لیا۔ رشید بڑھتا ہوا جب قسطنطنیہ کے قریب پہونچگیا تو وہاں کے باشندے سخت خائف ہوئے اُس زمانہ میں ایرینی "ایرین" قسطنطنیہ کے تخت پر جلوس فرما تھی۔ اُس نے رشید سے ستر ہزار دینار سالانہ فدیہ ادا کرتے رہنے کی شرط پر صلح کر لی۔ اور یہ بھی شرط قرار پائی کہ رشید کی واپسی میں راہبر دیئے جائینگے اور راہ میں تباہ کرنیکے مقامات پر بازار کھلوا دیئے جائینگے تاکہ اسلامی فوج اور مسلمان خلیفہ کو کسی چیز کی تکلیف نہ ہو۔ اس صلح کی میعاد تین

سال تھی۔ اس حملہ مین مسلمانون کو علاوہ رقوم متذکرہ بالا کے ۶۴۳ نفر اسیران جنگ بیش بہا ہزار راس چارپائے اور ایک لاکھ راس گائین اور بکریان بھی غنیمت مین ملین۔ اور صرف اسی ایک غزوہ مین ۵۴ ہزار رومی علاوہ قیدیون کے انکے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اسی قدر بیان کر دینا اس امر کی توضیح کیلئے کافی ہے کہ مسلمانون کو جہاد کی غنیمت کیونکر زیادہ ہوتی تھی۔ ✣

جنگی جہازون کے بیڑے

دریائی سفر اہل عرب اسلام سے قبل دریائی سفر کے عادی نہ تھے۔ البتہ "تبالعہ" بادشاہون کے عہد مین جو حمیر اور سبا کے گھرانے سے تھے۔ کچھ کشتیان اُن کے یہان تھین۔ وہ بھی محض اس وجہ سے کہ یہ لوگ خشکی اور تری دونون مین کاروبار تجارت کیا کرتے تھے۔ حجازی عرب ہمیشہ سے دریائی سفر کرنے مین خائف رہتے چلے آئے تھے۔ اور انکو اس سفر مین قدم رکھنے کی جرأت نہین پڑتی تھی چنانچہ بدوی لوگون کی آجتک یہی حالت ہے۔ ظہور اسلام کے بعد مسلمانون کے نشانات حکومت مصر اور شام کے سواحل پر لہرانے لگے۔ اور اُنہون نے اہل روم کے جنگی جہازون اور اُنکی دریائی جنگ کا مشاہدہ کیا تو اُن کے دل بھی دریا مین جہاد کرنیکے لئے گدگدائے۔ مسلمانون مین سب سے اول جس شخص نے دریا کا سفر کیا وہ "علاء بن الحضرمی" تھے۔ جو عمر بن الخطابؓ کے عہد خلافت مین بحرین کے عامل تھے اُنہون نے سواحل فارس کو فتح کرنے کی خواہش کی لیکن چونکہ خلیج فارس کے بیچ مین حایل ہونیکی وجہ سے انکو سواحل مذکورہ تک پہونچنا بغیر دریائی سفر کے ناممکن تھا لہذا وہ جہازون کے ذریعہ سے اس خلیج کو عبور کر گئے۔ اُنہون نے عمرؓ سے اس امر کی اجازت نہین لی تھی۔ اور انکو اپنے حملہ مین فتح بھی نصیب ہوئی۔ اسلئے عمرؓ کو اُنکا خود مختارانہ حیثیت سے یہ کام کرنا ناپسند ہوا۔ اور خلیفہ ممدوح نے اُنکی سزا یہ تجویز فرمائی کہ وہ امیر کوفہ "سعد بن ابی وقاصؓ" کے ماتحت مہم عمرؓ نے مسلمانون کو دریائی سفر سے روکنے مین نہایت سختی سے کام لیا تھا۔ "معاویہ بن ابی سفیانؓ" "دمشق" اور اردن" کی افواج کے کمان افسر جنکا حوصلہ اور بلند خیال شخص تھے۔ اُنکو "بحر روم" کے اُس پار والے ملکون پر حملہ آور ہونے کے شوق نے عمرؓ سے دریائی سفر کی اجازت لینے پر آمادہ کیا۔ خلیفہ ممدوح نے انکی درخواست کو سختی سے انکار کیا۔ پھر معاویہؓ نے اصرار کے ساتھ خلیفہ کی خدمت مین سود مند امیدون کا طومار لکھ بھیجا۔ خلیفہ ممدوح نے "عمرو بن العاصؓ" ملک مصر کے امیر سے یہ خواہش کی کہ وہ دریائی سفر کی صحیح حالت کا خاکہ تحریر کرین

اور ایک خط بھیجکر اُن سے اِس سفر کی ٹھیک ٹھیک حالت کا اندازہ لینا چاہا۔ جسکے جواب مین امیر مذکور نے حسب ذیل تحریر بھیجی :- امیر المومنین! مین نے دریا کی یہ حالت دیکھی ہے۔ کہ وہ گویا ایک بہت بڑی مخلوق ہے جسپر چھوٹی مخلوق (انسان) سوار ہوتا ہے۔ وہان آسمان اور پانی کے سوا کچھ نظر نہین آتا۔ اگر پانی گدلا ہوتا ہے تو دلون کو غمگین بنا دیتا ہے اور تلاطم مین آتا ہے تو ہوش اُڑا دیتا ہے۔ اُس مین یقین کی کمی اور شک کی زیادتی بڑھ جاتی ہے۔ انسان کی دریائی سفر مین ایسی حالت ہوتی ہے جیسے ایک لکڑی پر کیڑا بیٹھا ہو۔ اگر وہ لکڑی اُلٹ پلٹ جائے تو کیڑا ڈوب جائیگا۔ اور وہ لکڑی سلامتی کے ساتھ کنارے جا لگے تو کیڑا خوشی سے چمک کر اُڑ جائیگا۔" عمرؓ کے پاس یہ تحریر پہونچی تو اُنہون نے معاویہؓ کو لکھ بھیجا۔ "اُس ذات پاک کی قسم ہے جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ مین ہرگز دریائی سفر مین ایک مسلمان کو بھی نہ بھیجونگا۔" مگر عثمانؓ کی خلافت کا دور آیا۔ تو اُنہون نے معاویہؓ کا اصرار دیکھکر اُنکی درخواست منظور کر لی لیکن ساتھ ہی یہ شرط لگا دی کہ دریائی سفر مین جہاد کرنیکے لئے جانا اختیاری فعل ہے۔ جسکا دل چاہے جائے جسکا نہ چاہے نہ جائے۔ اِس اجازت کے بعد ۲۸ھ مین معاویہؓ دریا کی راہ سے "قبرس" پر حملہ آور ہوئے۔ جزیرہ مذکور کے باشندون نے ۷۰۰۰ دینار سالانہ ادا کرنے کے اقرار پر امیر مذکور سے صلح کر لی۔ یہ سب سے پہلا حملہ تھا جو مسلمانون نے دریائی سفر کے ذریعہ سے کیا۔ اور چونکہ اِس مین اُنکو فتح مندی نصیب ہوئی۔ اسلئے اُنکے شوق کی آگ زیادہ بھڑک اُٹھی اور اسکے بعد سے وہ دریائی جنگون مین بخوبی حصہ لینے لگے۔ اسکے واسطے بھی اُنہون نے گرمی اور سردی کے موسم مین خاص خاص اوقات اُسی طرح مقرر کر لئے جیسے کہ خشکی مین حملہ کرنیکے معین کر رکھے تھے جنکا بیان اوپر آچکا ہے۔ +

اسلام مین جہازون کے بیڑے

اہل عرب کو فن ملاحی مین کچھ دخل نہ تھا۔ اسلئے پہلے اُنہون نے اون رومی لوگون کو جو اُنکے قبضہ مین آچکے تھے۔ اِس کام پر لگایا۔ جن مین جہاز بنانے والے کاریگر اور ناخدا لوگ بکثرت موجود تھے۔ ان لوگون نے مسلمانون کے لئے جہاز وغیرہ تیار کئے اُن کو فوجی جوانون اور اسلحہ جنگ سے آراستہ کیا۔ اور اُنپر فوجین اور جنگی سپاہیون کو سوار کرا کے دریا کے اُس پار والے مقامات پر حملہ کی تیاریان کین۔ جہازون کے مجموعہ کا نام اہل عرب نے "اسطول" مقرر کیا جو دراصل ایک یونانی زبان کا لفظ (STOLOS) ہے۔ جسے اہل عرب نے معرب کر لیا تھا۔ اہل عرب نے اپنے اسطولون کی خاص قیام گاہ بحر روم کو ٹھیرایا۔ دریائی سفر (ملاحت) مین شام۔ افریقیہ اور اندلس کے مسلمان شریک ہوئے اور ان سبھون نے جہاز سازی کے کارخانے (ترسانہ) قایم کئے جو ان ممالک مین ہر ایک جگہ جہازون کی ساخت اور اونکے ضروری

سامان کی تیاری و بہم رسانی کا کام دیتے تھے۔ عہد اسلام مین سب سے پہلا دار الصناعۃ عبد الملک بن مروان کے دور مین مقام "طرطوس" بنایا گیا خلیفہ مذکور نے اپنے عامل "حسان بن نعمان" کو جو افریقیہ پر حکمران تھا۔ اسکی ہدایت کی تھی جس نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل مین کارخانہ کھولا جہاز بنوائے اور انکو سامان رسد۔ اسلحۂ جنگ اور جنگی سپاہی بہر کر "صقلیہ" (سسلی) پر حملہ کرنیکے لئے روانہ کیا۔ مگر اس حملہ والے لوگون کو جزیرہ مذکور کا فتح کرنا نصیب نہ ہوا۔ بلکہ یہ کام خاندان بنو غالب کے حکمرانون کے عہد مین مکمل ہوا۔ اور "زیادۃ اللہ بن ابراہیم بن اغلب" کے زمانہ مین اس جزیرہ کی فتح کا "اسد بن فرات" کے سر سہرا بندھا۔ بلکہ اسکے ساتھ ہی اُس نے "قوصرہ" کو بھی فتح کرلیا۔ اسکے بعد سے مسلمانون کو دریائی جنگون کا شوق بڑھتا گیا اور انہون نے افریقیہ اور اُندلس مین اسطولون کی تیاری کا کام بڑھا دیا۔ چنانچہ "عبد الرحمن ناصر" کے عہد مین صرف اُندلس کے اندر جنگی جہازون کی تعداد دو سو تک پہونچگئی تھی۔ اور اسیطرح افریقیہ مین بھی جہازون کی کثیر تعداد پائی جاتی تھی۔ یہ واقعہ چوتھی صدی ہجری کے وسط کا ہے۔ اُندلس کے سب سے زیادہ مشہور بندرگاہون مین "بجایہ" اور "مریہ" کا نام لیا جاتا ہے۔ اندلس مین متعدد دار الصناعۃ بنگئے تھے۔ اور ہر ایک کارخانہ ایک اسطول تیار رکھتا تھا جسپر ایک کمان افسر اور رئیس مقرر ہوا کرتا تھا۔ کمان افسر بیڑہ کے اسلحہ جنگ اور سپاہیون کے معاملات کا انتظام کیا کرتا تھا۔ اور رئیس اوسکو بادبانون یا چپوؤن سے چلانے کا اہتمام کرتا جب بہت سے جنگی جہازون کے بیڑے کسی جگہ حملہ کرنے یا اور کسی غرض سے ایک ہی مقام پر مجتمع ہوجاتے تو وہ اپنی خاص بندرگاہ مین صف باندھکر کھڑے ہوتے۔ اور اُن سپہون پر سلطنت کے اعلیٰ طبقون مین سے کسی امیر کو منتظم اور مہتمم بنا دیا جاتا تھا۔

ملک مصر مین ان ترسانون کی بنیاد پہلی صدی ہجری کے اواخر ہی مین پڑگئی تھی جسکا بیان آگے چلکر آئیگا اور سب سے پہلے جس شخص نے مصر مین اسطول کو قائم کیا وہ "عنبۃ بن اسحٰق" مصر کا امیر تھا جو منجانب خلیفہ متوکل علے اللہ عباسی وہان کا حکمران مقرر تھا۔ اس جنگی بیڑے کے قائم ہونیکا باعث یہ امر تھا کہ اہل روم ۲۳۸ھ مین دمیاط پر حملہ کرکے اُسپر قابض ہوگئے اور دل کھولکر قتل و غارت کیا۔ امیر مصر کو اس بات کا سخت صدمہ ہوا اُس نے اسطول کے واسطے جہازون کے تیار کرنے کا حکم دیا۔ اور دریائی مجاہدون کی بھی اُسی طرز پر ایک جماعت مرتب کی جس طرح بری فوجون کی جماعتین مرتب تھین اور انکے روزینے خود انکی پیدا کی ہوئی آمدنیون مین سے مقرر کردیئے۔ لوگون نے یہ صورت دیکھکر اپنی اپنی اولاد کو تیر اندازی اور اصول جنگ کے سکھانے مین بہت کوشش شروع کردی۔ اس کام کے لئے امیر "مصر" نے تجربہ کار اور ہوشیار افسر منتخب کرکے اُن جہازون پر فوجین سوار کین۔ اور اسلحہ وغیرہ سامان جنگ و رسد سے

اُن کو لیس کر کے۔ اُن جہازی بیڑوں کے زمرہ مین شامل کر دیا۔ جو افریقیہ۔ اندلس اور شام کیطرف سے رومیون کے مقابلے پر جارہے تھے۔ مسلمانون اور اہل روم کی دریائی لڑائی مذبذب حالت مین رہتی تھی کبھی رومی غلبہ پاتے اور کبھی مسلمان۔ چونکہ غالب فریق مغلوب لوگون کو گرفتار کر لیجاتا تھا۔ اسلئے خلفائے اسلام کو ایک نئی ضرورت "فدیہ" دیکر اپنے ہم قوم اسیرون کو آزادی دلانے کے متعلق پیش آئی۔ اور اس زر تاوان کا نام اُنہون نے "فداء" رکھا۔

(شکل ۲۹) عربی جنگی جہازون کا ایک بیڑہ رومی والون کے ساتھ مصروف جنگ ہے اور اہل روم اُنپر یونانی آگ برسا رہے ہین۔

شکل نمبر ۲۹



عربی بیڑہ رومیون سے لڑ رہا ہے اور رومی یونانی آگ پھینک رہے ہین

مسلمان اسیران جنگ کو زر فدیہ دیکر سب سے اول ہارون الرشید عباسی نے ۱۸۹ھ مین آزادی دلائی تھی۔ اس واقعہ سے قبل فدیہ کی صورت یہ تھی کہ آدمی سے آدمی بدل لیا جاتا تھا۔ جتنے مشہور "فدائے" مسلمانون نے ادا کئے اُنکی تعداد تیرہ ہے اور وہ سب بنی عباس کے عہد مین دیئے گئے تھے جن مین سب سے آخری فدیہ ۳۳۵ھ مین مطیع اللہ عباسی کے عہد کے اندر ادا کیا گیا۔ اور جن لوگون کو خلفاء نے اس تمام مدت کے اندر فدیہ دیکر آزادی دلائی اُنکی تعداد پچاس ہزار کے قریب پہونچتی ہے۔ "زر فدیہ" ادا کرنے یا اسکے متعلق گفتگو کرنیکا کام اکثر اوقات "ملاش" کے مقام پر انجام پاتا تھا جو بحر روم کے سواحل مین طرطوس کے قریب ایک جگہ ہے "فداء" کے موقعہ پر مسلمانون اور رومیون دونون کی بڑی بڑی جماعتین موجود ہوکر اسکے تصفیہ اور تبادلہ فدیہ مین دو تین ہفتے بلکہ

اس سے زیادہ عرصہ تک مصروف رہتے تھے پہلی فتاء کے موقعہ پر مسلمانون کے قریب ۵۰۰۰۰ آدمیون کا بہت بڑا مجمع تھا۔ اور وہ ہر طرح کے عدہ سامان۔ اسلحہ اور گھوڑون اور زرق برق سامانون سے آراستہ تھے۔ انھون نے تمام کوہستان اور ہموار زمینون کو بھر دیا تھا۔ اور اپنے زور قوت کو پوری طمطراق سے دکھایا تھا۔ اسی کے مقابلہ مین رومی لوگون کے جنگی جہاز دوسری طرف بہت ہی آراستہ ہوکر اپنا جاہ وجلال دکھاتے ہوئے آئے تھے۔ اور مسلمان قیدی اُن کے پاس تھے۔ اس فدا مین جتنے آدمیون کا فدیہ ادا کیا گیا اُنکی تعداد ۳۰۰۰ تھی۔ چنانچہ اسی کے بابت مروان بن ابی حفصہ (شاعر) خلیفہ ہارون الرشید کو مخاطب کرکے کہتا ہے:-

وفکت بک الاسری التی شیدت لها	آے خلیفہ تیری وجہ سے وہ قیدی اسیری سے چھوٹے۔ جنکے واسطے اس
محابس ما فیها حمیم یزورها	قسم کے مضبوط قید خانے بنوے تھے جنمین کوئی رشتہ دار بھی نہین نظر آتا تھا جو انکے ملنے
علی حین اعیی المسلمین فکاکها	کو آتا ہو۔ جس وقت مسلمانون کو اُن قید خانون سے آزادی پانیکی طرف سے یاس ہو چکی تھی اور
وقالوا بجون للشرکین قبورها	قیدنے اونکو تہکا دیا تھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ مشرکونکے بندیخانے اُنکی قبرین ہین۔

جب یہ معرکہ عبیدیین (فاطمی لوگون) کے قبضہ اقتدار مین آیا جو افریقیہ کے فرمانروا تھے۔ ان لوگون نے اسکندریہ ودمیاط اور مصر کے اندر جنگی بیڑون کے بنانے مین بڑی سرگرمی سے کام لیا اور ان کے زمانہ مین بحری فوجون کی تعداد پانچ ہزار تک پہونچگئی تھی جنکی تنخواہین مقرر تھین۔ ان تنخواہ پانیوالے فوجی ملازمون مین دس جانکی افسر تھے جنکو وش سے ستر دینار تک ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ اور ایسے سپاہی بھی تھے جو اس سے کم تنخواہین پاتے۔ یہان تک کہ بہت سے لوگون کی تنخواہ صرف دو درم ماہوار تھی اور یہ سب سے کم درجہ کی تنخواہ تھی۔ بحری فوج کے ملازمون کو جاگیرین بھی دیجاتی تھین اور اون جاگیرون کا نام "غازیون کے ابواب" مقرر تھا۔ یہ جاگیرین نقد تنخواہ کے علاوہ ہوتی تھین۔ جنگ کے وقت "جانکی افسرون کے حلقہ مین سے کسی ایک افسر کو بیڑہ کا کمانڈر بنا دیا جاتا تھا۔ اور جہاد پر جانے کی حالت مین وہی کمان افسر اونکو حکم احکام دیتا رہتا۔ اس رئیس کے ساتھ سلطنت کے امرا مین سے کوئی بڑا امیر بھی ہوتا تھا۔ جنگی جہازون کے بیڑون پر جو مجاہدین رہتے تھے اُنکی تنخواہ خود خلیفہ بذات خاص وزیر کے مواجہہ مین اپنے ہاتھ سے تقسیم کیا کرتا۔ اور اس کارروائی سے بحری مجاہدین کی عزت وتکریم مقصود ہوتی تھی۔ فاطمی خلفاء کے سب سے اول خلیفہ معز الدین اللہ کے عہد مین جہازون کی تعداد ۶۰۰ ہوگئی تھی۔ اور اسکے بعد گھٹتے گھٹتے صرف ستر تک رہگئی۔ +

جنگی بیڑہ کو لڑنے کیلئے روانہ کرتے وقت بہت دھوم دھام کا جلسہ اور خوب شان وشکوہ کا اظہار کیا کرتے خود خلیفہ بھی جہازات کی روانگی اپنی نظر سے دیکھنے مین شریک ہوتا۔ اور وہ ایک جہرو کے مین جو بمقام "مقس" نیل کے

ساحل پر اُسکی نشست اور سیر کے واسطے مخصوص تھا (قاہرہ کے بیرونی جانب) جلوس فرما ہوتا۔ اور جہازی بیڑے کے افسر اُس مکان کے نیچے جہازون کو لاتے۔ جہاز اسلحہ اور سامان جنگ سے خوب سجے ہوئے اور جھنڈیان اُڑاتے سامنے سے گزرتے۔ جہاز و نیز منجنیقین نصب کی ہوتی تھین اور وہ اونکے ذریعہ سے سنگ باری کرتے جاتے تھے دوسرے جہاز پتھرون کی مار بچاتے اور جنگی کرتب کھاتے۔ باری باری سے سلامی اُتارتے ہوئے نکل جاتے غرضکہ جہازات اُس وقت مین تمام وہ حرکتین کرتے تھے جو اُنکو حالت جنگ مین کرنی پڑتی تھین اور جسے آجکل مصنوعی جنگ کہتے ہین۔ اسکے بعد رئیس اور مقدم خلیفہ کے روبرو حاضر ہوتے اور خلیفہ اونکو رخصت کرتے ہوئے مقدم کو ۱۰۰ دینار اور رئیس کو ۲۰ دینار عطا فرماتا۔ اور اسی طرح کا جلسہ اُسوقت بھی کیا جاتا جبکہ جنگی بیڑے لڑائی سے فارغ ہوکر واپس آتے تھے۔ سلطان صلاح الدین کے زمانہ مین جنگی بیڑون کا ایک خاص دفتر بھی قایم ہوگیا تھا جسکا نام "دیوان الاسطول" تھا۔ اور اس کام مین جس قدر اخراجات پڑتے تھے وہ اسی دفتر سے ادا کئے جاتے تھے۔

اسلامی مملکت کو وسعت دینے مین اسطولون کو بہت بڑا اثر حاصل تھا اس لئے کہ مسلمانون نے اسکے ذریعہ سے بحر روم کے مشہور جزیرے فتح کر لئے تھے جن مین سسلی۔ مالٹا۔ کریٹ۔ اور قبرس وغیرہ سب شامل تھے۔ ان جزائر کے علاوہ اہل اسلام نے بحر روم کے اکثر ساحلی مقامات بھی جو اب مین ملکون سے متصل تھے فتح کر لئے تھے اور اس دریا کے اندر اُنکے جہازات آمد و رفت رکھتے ہوئے اسلامی فوجون کو ایک سرے سے شمال کی سمت مین براعظم یورپ کے اُس حصہ کو جو اٹلی کے مقبوضات مین داخل تھا پامال کرتے تھے۔ اور اسلامی فوجین ممالک فرنگ کے بادشاہون پر حملہ کرکے اُن کے ملکون مین بڑھتی چلی جاتی تھین۔ ایسے حملے یون تو عموماً ہوتے رہے لیکن شاہان بنوالحسن کے عہد مین جو سسلی کے حکمران اور فاطمی خلفا کی دعوت کے موید تھے۔ بہت زور شور کے حملے مسلمانون کی طرف سے ممالک فرنگ پر ہوئے اور اُن سے تمام یورپ مین ایک تہلکہ مچ گیا۔ فرنگی لوگ اپنے جنگی بیڑون کو بحر روم کے شمالی مشرقی گوشہ کی جانب ہٹا لیگئے۔ اور اہل اسلام اپنے بیڑون اور جہازون کے ذریعہ سے تمام سمندر کے مالک ہوگئے۔ اور بحری دنیا مین بھی ویسے ہی بادشاہ بن گئے جیسے کہ خشکی کے سلطان تھے۔ اس وقت یورپ مین اقوام کی کمزوری حد کو پہونچ چکی تھی۔ اور یہ حالت ایک مدت تک قایم رہی تا آنکہ سولہوین تاریخ کے متصل سے مصر مین عبیدی حکومت اور اندلس کی اموی سلطنت مین کمزوری اور ادبار کے آثار نمایان ہوئے۔ اور اہل یورپ غفلت کی گہری نیند سے چونک کر سنبھلے اور اپنے قبضہ سے نکلے

ہوئے ملکون کو اہل اسلام سے واپس لینے پر آمادہ ہوکر انہین پھر فتح کرنے لگے۔ یورپ کی قومون نے قبل اسلامی ممالک پر حملے کئے اور اسکے بعد سے صلیبی لڑائیون کے جو واقعات گزرے وہ نہایت مشہور و معروف ہین۔

مسلمانون نے جنگی جہازون کا معاملہ مہمل کر دیا تھا اور بحری قوت کو گھٹا دیا۔ اس صیغہ کا خاص دفتر بھی انکی حکومت سے نیست و نابود ہوگیا تھا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ دریائی فوجون کے سپاہی "مجاہدین فی سبیل اللہ اور غزاۃ فی اعداء اللہ" کے معزز لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ اور لوگ انکی دعاؤن سے برکت حاصل کرنیکے متمنی رہتے تھے۔ یا ایک وقت ایسا آیا کہ "اسطولی" کا لفظ ملک مصر مین ایک اہانت کا لفظ خیال کیا جانے لگا۔ اور جنگی جہازون کی خدمت انکے یہان شرم و ذلت کا کام سمجھی جانے لگی۔ مصر والون کی یہ کیفیت اُس زمانہ تک برابر قایم رہی جبکہ ملک طاہر سیرس بندقداری کا ظہور ہوا ہے۔ جو ممالیک (غلامون) کے خاندان کا مشہور بادشاہ تھا۔ اس فرمانروا نے جنگی بیڑون کی حالت دوبارہ کچھ درست کی۔ مگر اب وہ بات کہان حاصل ہوسکتی تھی جو عروج اسلام کے عہد مین تھی۔

مصر اور شام مین اسطولون کی شان بہت گر گئی تھی۔ مگر اُندلس اور افریقیہ مین اسکی قوت قایم تھی یعنی مغربی حکومت دریائی طاقت کے لئے مخصوص تھی۔ اور انکی یہ حالت اُن کے عہد حکومت کے آخر زمانہ تک قایم رہی۔ مغربی مسلمان حکمرانون کے اسطولون کی تعداد یورپ اور افریقیہ کے دونون خطون مین صرف ایک سو اسطول رہگئی تھی۔ یہ روایت ابن خلدون کی ہے۔ اسی اثنا مین ملک مغرب کے اسطولون کا مشہور امیر البحر احمد منقلی پیدا ہوا جو چھٹی صدی ہجری مین گزرا ہے۔ اسکے عہد مین مسلمانون کے اسطولون نے اس قدر ترقی کی کہ نہ کبھی اُس سے قبل اتنی زیادتی ہوئی تھی اور نہ بعد مین رہی۔ اور اسکے بعد سلطنت کی کمزوری کے ساتھ ساتھ اسطولون کی قوت بھی کم ہوتی گئی۔ یہان تک کہ اُندلس کے ملک مین اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوتے ہی مسلمانون کی بحری طاقت کا وجود بھی گم ہوگیا۔ +

دار الصناعۃ اہل عرب کے نزدیک دار الصناعت سے وہ کارخانہ مراد ہے جسکو ہم آجکل "ترسانہ" یا "ترسخانہ" کے نام سے موسوم کرتے ہین۔ اور یہ دونون لفظ اُسی دار الصناعۃ سے منقول ہین۔ اسلئے کہ اہل یورپ نے ممالک عرب کو فتح کرنیکے بعد جن باتون کو اُن سے حاصل کیا منجملہ اُن کے ایک جہازسازی کا فن بھی تھا جس طرح پر اہل عرب نے اس فن کو اپنے اسلاف سے سیکھا تھا۔ اسی طرح یورپین اقوام نے اس فن مین اہل عرب کی شاگردی کی۔ سپینین والون نے دار الصناعۃ کا نام (Darsinah) رکھا تھا۔ اور ویگر یورپین زبانون نے اس لفظ کو ہسپانی زبان سے لیا جسکی وجہ سے تلفظ کا فرق ہوتے ہوتے یہ لفظ (Arsenal) ہوگیا۔

بنگیا اور عرب کے لوگون نے اس لفظ کو سپین والون کی زبان سے لیا جسمین اسکا تلفظ ترکی طرز پر (Tarsana) تھا۔ اسلئے انہون نے اسے ترکی لفظ سمجھکر اسکا معرب "ترسخانہ" یا "ترسانہ" بنالیا۔ مگر بہتر یہ تھا کہ اسکا نام دارالصناعۃ کہا جاتا۔ اسی طرح کی وجوہ یورپین زبان کے لفظ (Admiral) (امیرال) کے عربی لفظ "امیرالبحر" سے بدلجانے کے بارہ مین بیان کی جاتی ہین۔

منجملہ اسلامی ممالک کے اندلس۔ افریقیہ۔ شام اور مصر مین بکثرت دارالصناعۃ واقع تھے۔ اسی لئے سب سے پہلے جو کارخانہ مصر مین بنایا گیا وہ فسطاط کے مقابل جزیرہ روضہ مین پہلی صدی ہجری کے اندر تعمیر ہوا تھا اسکے بعد احمد بن طولون نے اسے بڑھانے اور اعلے درجہ کا بنانے پر توجہ کی۔ اور بعد ازان وہ کارخانہ اخشید کے عہد مین جو چوتھی صدی ہجری کے شروع مین گزرا ہے خاص فسطاط مین منتقل کر دیا گیا تاکہ اُس کارخانہ اور فسطاط کے مابین دریا حائل رہے۔ اسکے بعد آنیوالے زمانہ مین فاطمی خلفاء نے ایک دارالصناعۃ بمقام "مقس" اپنے آباد کئے ہوئے شہر قاہرہ کے قریب بنوایا۔ ان کارخانون مین طرح طرح کے جہاز بنائے جاتے تھے جن مین جنگی مصرف کے بھی ہوتے اور معمولی کاروبار کے اغراض مین کام دینے والے بھی۔ اور بعض باربرداری کے لئے بھی مستعمل ہوتے اگرچہ قدیم جہازیہ کارخانہ تیار کرتا انکی الجملہ دو قسمین ہوتی تھین۔ ایک جنگی دوم "نیلی" یعنی جہاز۔ وہ کہلاتے تھے جو صرف دریائے نیل مین اسکے سرسبز اعلے چراگاہون سے دہانہ تک آمد و رفت کرتے۔ اور غلہ وغیرہ سامان تجارت لاتے اور لیجاتے تھے۔ اور جنگی جہاز وہ ہوتے تھے جو جنگ مین استعمال ہوا کرتے اور لڑنے والون کو جہاد مین لیجاتے۔ انہین جہازون کے مجموعہ کا نام اسطول ہوتا تھا۔ +

جنگی جہازون کی صورتین اور انکے اسباب

جنگی جہاز کئی قسم کے ہوتے تھے جو شکل مین متفاوت۔ قد و قامت اور زور و قوت مین کم و بیش ہوتے تھے۔ ایک قسم کے جہاز کو "شونہ" کہتے تھے۔ یہ بڑے بڑے جہاز ہوا کرتے تھے جن مین دشمنون کے حملہ سے اپنی مدافعت کرنیکے لئے قلعے اور برج بنائے جاتے تھے۔ دوسری قسم کا نام "حراقہ" تھا۔ اس مین منجنیقین رہتی تھین جن کے ذریعہ سے دشمنون پر جلتا ہوا لفظ پھینکا جاتا تھا۔ اور منجنیق کو "عرادہ" کہا کرتے تھے۔ تیسری قسم "طرادہ" یہ ایک چھوٹی سی تیز رکشتی ہوتی تھی۔ چوتھی قسم کے جہاز جنکے ذریعہ سے نیل مین گشت لگایا جاتا تھا "عشاریات" کہلاتی تھے۔ نیز چند اور خاص قسمون کی کشتیان بھی اور کامون کے لئے پائی جاتی تھین مثلاً "شلندات" اور "مسطحات" وغیرہ اہل عرب اپنے یہان کے جہازون کو یونانی اور رومانی اقوام کے جہازون کی مانند بنایا کرتے تھے جسکی وجہ یہ تھی

(۱) ہونے اس فن مین مذکورہ بالا قوموں سے بڑی ہشیاری دکھائی تھی

اہل عرب کے ہان جنگی جہازون کے ضروری سامان مین حسب ذیل اشیا داخل تھین:۔ زرہ۔ خود۔ ورق آہنین۔ نیزے۔ کمانین۔ کلابیب۔ اور باسلیقات جو لوہے کی زنجیرین ہوتی تھین۔ اور انکے سرون پر آنکڑے لگے رہتے تھے۔ اور عمارات آتشین (اور عرب والون نے ایک اور طریقہ بھی نکالا تھا۔ وہ یہ تھا کہ مستولون کے بالائی حصہ پر لوہے کی چادر سے لپٹے ہوئے ٹوکرے رہتے تھے۔ اور دشمن کے آنیسے قبل اون صندوقون مین کچھ لوگ جا بیٹھتے تھے جس وقت غنیم قریب آجاتا اور جنگ چھڑ جاتی تو اُن ٹوکریون مین سے جو صندوقون کے برابر لٹکتی رہتی تھین۔ پتھرون کی بوچھار کرتے تھے اور خود بخوبی تمام صندوقون کے اندر محفوظ بیٹھے رہتے۔ اور کبھی کچھ لوگون کے پاس دیبلون اور پتھرون کی جگہ پر جلتے ہوئے نفط کے قارورے ہوا کرتے تھے جنکو زیر سے وہ دشمنون پر اشتہاری کرتے تھے۔ یا بن بجھے چونہ کا سفوف ہوتا تھا جو خام چونہ اور ہرتال کو باہم ملا کر اور باریک پیس کے رکھ لیا جاتا تھا۔ اُس کو دشمنون پر پھینکتے تھے اُسکے غبار سے غنیم اندھے ہو جایا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات جب یہ غبار کثرت سے جسم پر پڑ جاتا تو بدن مین سوزش پیدا کر دیتا تھا۔ یا دشمنون پر سانپون اور بچھوون سے بھرے ہوئے ظروف پھینکا کرتے تھے۔ یا گھوالے صابون ڈالتے تھے تاکہ دشمنون کے قدم پھسل جائین اور وہ جمکر لڑ نسکین۔ اہل اسلام جہازون کے بیرونی سطح باہر کی طرف کہالین اور نمدے سرکہ۔ پانی پہٹکری وغیرہ مین تر کر کے لٹکا دیا کرتے تھے تاکہ وہ نفط کی بلا سے محفوظ رہین اور آگ اپنا اثر نہ کرنے پائے۔ اور بعض اوقات احتیاطاً بورق اور نفطرون مین ملی ہوئی مٹی یا سرکہ مین گندھی ہوئی خطمی استعمال کرتے تھے کیونکہ یہ چیزین بھی نفط کے اثر کو باطل کرنے والی ہین۔

اثنائے جنگ مین اہل عرب جس قسم کی احتیاطین کرتے تھے منجملہ اون کے ایک یہ امر بھی تھا کہ وہ رات کی تاریکی غالب ہونے پر اپنے جہازون مین آگ نہ جلاتے تھے اور نہ اُس مین کسی مرغ کو رکھتے تھے۔ اور جب احتیاط مین زیادہ مبالغہ منظور ہوتا تو جہاز پر پالین بھی نیلے رنگ کی چڑھا دیتے تھے تاکہ وہ دور سے نمایان نہونے پائے۔

مسلمان اپنے جہازون کے نکڑ پر ایک آلہ نیزہ کی شکل کا لگاتے اور اُسکو "لجام" کہا کرتے تھے۔ یہ ایک لوہے کا لمبا اور نہایت تیز نوکدار ٹکڑا ہوتا تھا۔ اُسکا پچھلا حصہ نیزہ کی انی کی طرح پولا (تہوتھا) بنایا جاتا تھا اور اُسکے پچھلے حصہ کیطرف سے ایک لکڑی مین لگایا جاتا تھا جو جہاز کے اگلے سرے پر برچھی کیطرح نکلی رہتی تھی اور اوسے "اسطام" کے نام سے نامزد کرتے تھے۔ اس طرح "لگام" کی صورت جہاز کے اگلے سرے پر ایک نکلے ہوئے

نیزہ کیطرح ہوجایا کرتی تھی اور اوس سے دوسرے جہازون کو صدمہ پہنچانے مین کام لیتے تھے جسوقت یہ آلہ کسی جہاز کے پہلو مین زور سے لگتا تھا اُسے پھاڑ دیتا تھا۔ اور اُس مین پانی بھر جانے سے ڈوبنے کا خطرہ پیش نظر ہوجاتا تھا جس سے اُس جہاز کے لوگ امان کے طالب ہوتے اور اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ کلالیب (یعنی آنکڑے دار زنجیرون) کا فائدہ یہ تھا کہ جس وقت دشمن کے جہازون مین سے کسی جہاز کے قریب جا پہونچتے تو ان زنجیرون کو اُسپر ڈالکر اُسے پھنسا لیتے اور روک کر اُن زنجیرون کو تان دیتے۔ پھر جلد جلد اُنپر تختے بچھاکر پل باندھ لیتے اور غنیم کے جہاز مین گھس جاتے تھے۔ مگر جب دشمن زور آور ہوتا تو وہ انکے آنکڑون کو فولادی بہاری تبرون کے ذریعہ سے کاٹ کر بیکار کر دیتا تھا۔ +

بیت المال

بیت المال سے بحث کرتے وقت اس بات کی ضرورت ہے کہ حکومت کے مالی صیغہ سے متعلق . . . خراج۔ صدقہ۔ عُشر۔ خُمس۔ اور جزیہ وغیرہ شاخہائے آمدنی پر بھی نظر ڈالی جائے اور اُن سب کے حالات بیان کئے جائین۔ بیت المال کی تعریف یہ ہے کہ "جس چیز کے مسلمان لوگ مستحق ہون اور اُسکا کوئی خاص مالک متعین نہوسکے وہ بیت المال کا حق ہے۔ اور ہر ایک ایسا خرچ جو مسلمانون کی ضروریات اور اسباب بہبود سے متعلق وجب ہو اُسکا برداشت کرنا بیت المال کے ذمہ ہے۔ جن مالون کے مسلمان لوگ مقدار قرار پاسکتے ہین وہ تین قسم کے ہین۔ صدقہ۔ غنیمت۔ اور فَیٔ۔ ان اموال مین سے ہر ایک کے واسطے خاص احکام بھی ہین جنکا بیان آگے چلکر آئیگا۔ اور جو مصارف بیت المال کے ذمہ ہوتے ہین وہ حسب ذیل ہین:۔ فوجکی تنخواہین اور روزینے دینا ہتھیارون یا دیگر سامان حرب کی قیمتین ادا کرنا اور اسکے علاوہ امور رفاہ عام پر صرف کرنا۔ +

صدقہ صدقہ کیا ہے؟ زکاۃ ہے۔ اُس مین اور زکاۃ مین نام کا فرق ہے اور معنی ایک ہی سے ہے۔ وہ مالدار مسلمانون سے لیکر اُن کے محتاج لوگون مین تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اور اُسکی حقیقت ہم اوپر بیان کر آئے ہین۔ صدقہ کا ایک صدر دفتر مرکز خلافت مین رہتا۔ اور ماتحت کلایتون یا شہرون مین اُسکی شاخین ہوتی تھین۔ ہر ایک مقام پر صدقہ کا والی (حاکم محصل) مستقل طور پر وہان کے مالدار لوگ سے

صدقہ کو وصول کرکے وہین کے غربا پر تقسیم کرنیکا مجاز ہوتا تھا۔ زکاۃ کے مصادر چار تھے۔ چوپایون کی زکاۃ۔ سونے چاندی کی زکاۃ۔ پیداوار مزدورون کی زکاۃ۔ اور کھیتی کی زکاۃ۔

چوپایون کی زکاۃ اونٹ۔ گائے اور بھیڑ بکریون پر ہوتی تھی اُسکے چند احکام بھی ہین جنکو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع فرمایا تھا۔ اسبات پر ایک خط سے استدلال کیا جاسکتا ہے جو ابوبکر رضہ نے انس بن مالک رضہ کے نام اُسوقت لکھا تھا جبکہ اونکو بحرین کا عامل بنا کر بھیجا تھا جسکا خلاصہ یہ ہے :-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ صدقہ فریضہ ہے جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانون پر لازمی مقرر فرمایا اور جسکا خداوند پاک نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے۔ اسلئے جس مسلمان سے اس صدقہ کا واجبی حق مانگا جائے اُسے فوراً ادا کرنا چاہیئے۔ اور اگر کسی سے زیادہ طلب کیا جائے تو وہ نہ ادا کرے۔ چوبیس اونٹون یا اس سے کم کی زکاۃ بکریون کے ساتھ ادا کیجائے گی۔ اس طرح پر کہ ہر پانچ اونٹون پر ایک بکری زکاۃ کے طور پر دیجائے۔ جب اونٹون کی تعداد پچیس تک پہونچ جائے تو پینتیس اونٹون تک زکاۃ مین ایک مادہ "بنت مخاض" (ایک سالہ کامل اونٹ کا بچہ) دیجائیگی۔ ۳۵ سے ۴۵ اونٹون تک ایک مادہ "بنت لبون" (دو سالہ کامل اونٹ) ۴۶ سے ۶۰ اونٹون تک ایک "حقہ" (پورے تین سال کی اونٹنی جو بلوغ کو پہونچ گئی ہو) ۶۱ سے ۷۵ تک ایک مادہ "جذعہ" (پانچ برس کی پوری اونٹنی) ۷۶ سے ۹۰ اونٹون تک دو بنت لبون۔ ۹۱ سے ۱۲۰ تک دو "حقے" جسکے پاس صرف چار اونٹ ہون اُسپر کچھ زکاۃ نہین ہے تاوقتیکہ خداوند پاک اُسے اس قابل بنادے کہ وہ زکاۃ ادا کرسکے۔ مگر جس وقت پانچ اونٹ ہوجائین تو اونپر ایک بکری دیجائے۔ چرائی پر چھوٹی رہنے والی بکریون پر جبکہ وہ چالیس یا اس سے اوپر ہون۔ ایک سو بیس تک ایک بکری زکاۃ دینی چاہیئے۔ ۱۲۰ بکریون سے زاید دو سو تک دو بکریان۔ اور دو سو کے اوپر تین سو تک تین بکریان زکاۃ مین نکالی جائینگی لیکن اگر بکریون کا ریوڑ جو محض چرائی پر بسر کرتا ہے چالیس سے ایک بھی کم ہو تو اُسپر زکاۃ نہین ہے لیکن اُس وقت جبکہ خدا کو منظور ہو اور وہ شخص قابل ادائے زکاۃ یعنے صاحب نصاب ہوجائے۔

لہ فاضل مؤلف کا یہ بیان اُنکے پندار کے مطابق خواہ کیسا ہی کیون نہو لیکن ہمارے زعم و اعتقاد مین باطل ہے۔ کیونکہ ہمارا صحیح عقیدہ یہ ہے کہ حضور انور روحی فداہ کا قول کلام اللہ کی تفسیر ہوتا ہے۔ اور احکام مین جمہور علمائے اسلام اسی کے قایل ہین۔ لہذا در اصل تو انہین زکوٰۃ حضرت خداوندی کے وضع کردہ ہین۔ اور اُن کا اعلان پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہوا ہے۔ قرآن مجمل ہے اور حدیث اُسکی تفصیل۔ ۱۲ مترجم عفی عنہ۔

مسکوک چاندی (روپیہ درم وغیرہ) پر ۲½ حصہ زکوۃ دینی واجب ہے لیکن اگر ۱۹۹ درم سے زایدہ ہوان تو زکوۃ واجب نہوگی۔ البتہ اگر خداوند کریم نے مالک نصاب کامل یعنی (۲۰۰) درم کا مالک بنایا ہے تو اور فقہ کو کوان نے اس بارہ مین بہت سی تفصیل بیان کی ہے جسکو ذکر کا یہ موقع نہین ہے۔ گھوڑون۔ گدہون) اور تجارتون پر زکوۃ نہین ہوتی۔ اور چاندی کی زکوۃ ۲۰۰ درم سے کم پر واجب نہین ہوتی (۲۰۰) درم پر سالانہ ۵ درم زکوۃ ہے یعنی ۲½ فی صدی یا ۱/۴۰ حصہ۔ اسی حساب سے سونے کی زکوۃ بھی لیجاتی ہے یعنی ۲۰ مثقال سونے پر نصف مثقال سونے کے بیس مثقال سے کم پر زکوۃ نہین ہے۔ اور جب بیس مثقال سے زایدہ ہو تو اسی نسبت سے زکوۃ کی مقدار بڑھتی جائیگی۔ تجارتی مال یا اوسکے مثل چیزین سونے چاندی کی قسم سے سمجھی جاتی ہین۔

پھلونکی زکوۃ انکی آب رسانی کی مختلف اقسام کے لحاظ سے جدا جدا ہوتی تھی۔ اگر اس قسم کے پھل ہوتے کہ انہین پانی دینے مین صاحب مال کو زیادہ وقت یا صرف برداشت کرنا نہ پڑتا تھا۔ یعنی بارانی یا نہری پانی سے آبپاشی کرتے تھے تو اونکی زکوۃ پیداوار کا دسواں حصہ نکلتی تھی۔ اور اگر اس قسم کے پھل ہوتے جنکی آب رسانی مین محنت اور صرف کثیر اٹھانا پڑتا تو اونکی زکوۃ بیسواں حصہ نکالی جاتی۔ اور یہ حالت ہین پھلون پر اس وقت تک زکوۃ واجب نہوتی تھی جبتک کہ وہ پانچ وسق یا اس سے زایدہ نہون۔ ایک وسق "ساٹھ صاع" کا اور ایک صاع عراقی کی تول سے ۵½ رطل (۵½ پونڈ) کا ہوتا تھا۔ انگور کی بیل اور کھجور یا اسی قسم کے دیگر پھل دار درخت میوہ جات کی قسم مین داخل تھے۔

کاشت کی جنس پر بھی جن سے تمام قسمون کے غلے مراد ہین مثلاً گیہون۔ چاول۔ لوبیا اور چنا وغیرہ اُسوقت تک زکوۃ نہ لیجاتی تھی جبتک کہ یہ پانچ وسق تک نہ پہونچ جائین اور انکا کم بھی مثل پھلونکی زکوۃ کے ہے۔ جہان جہان زکوۃ کے مال کا صرف کرنا مناسب ہے اُسکا قرآن پاک مین صریح ذکر آیا ہے۔ اور وہ یہ ہے:۔ "انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل" اسی بنیاد پر زکوۃ کی آمدنی اُنھہ بالا حصون پر تقسیم کر دیتے تھے۔ ایک حصہ فقیرون کو دیتے تھے۔ فقیر وہ لوگ جنکے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ دوسرا حصہ مسکینون کو دیا جاتا۔ یہ ایسے لوگ ہوتے جنکے پاس تھوڑا بہت مال ہوتا تو سہی لیکن اُن کے بسر اوقات کے لئے کافی نہین۔ یہ لوگ فقیرونکی نسبت ذرا خوشحال

---

۵ خیرات کا مال تو بس فقیرون کا حق ہے اور محتاجونکا۔ اور اُن کارکنون کا جو مال خیرات کے وصول کرنے پر تعینات ہین اور اُن لوگونکا جنکے دلونکا پرچانا منظور ہے۔ اور نیز رہائی قید غلامی سے غلامون کی گردنین چھڑانے مین اور قرضداروں کے قرضدین۔ مجاہدین کے ساز و سامان مین اور مسافرون کے زاد راہ مین خرچ ہونا چاہیئے

ہوتے تھے۔ ان مین سے ہر ایک کا حصہ اُسکی حالت کے لحاظ سے اتنا مقرر کرتے جو اُسکی گزران کو کافی ہوتا۔ یا جیسا ولی الصدقہ (صیغہ زکوۃ کا افسر) کو مناسب معلوم ہوتا اُسی کے موافق وہ تقسیم کر دیتا۔ مگر شرط یہ تھی کہ انمین سے کسی ایک شخص کو اتنا مال نہ دیا جائے جو ۲۰۰ درم سے زائد ہو کیونکہ جب اُسے اس قدر مال ملجائیگا تو اُسپر خود بھی زکوۃ دینی واجب ہو جائیگی۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج مین جو روایت لکھی ہے اُسکے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارہ مین یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "المساکین" کا لفظ اہل ذمہ (یہود و نصاریٰ) کے فقرا کو بھی شامل ہے لیکن "فقراء" کا لفظ صرف مسلمان محتاجون پر بولا جاتا ہے تیسرا حصہ اُن لوگون کو ملتا تھا جو زکوۃ کے وصول کرنے پر اور بانٹنے پر عامل مقرر ہوتے جنمین امین اور سیاسۃ (وصول کرنے والے) نساخ (نقل کرنے والے) ماتحت ہر قسم کے عملے ہوتے اور وہ اپنی اپنی اُجرتین لیتے تھے جب اُن کے حصہ کا مال فاضل بچ رہتا یا اُنکے حقوق سے بڑھ جاتا تو وہ نو مسلم رقم یا قیمانہ حقداروں پر حصہ رسدی تقسیم کر دی جاتی تھی۔ چوتھا حصہ مؤلفۃ القلوب پر خرچ کیا جاتا تھا یہ وہ لوگ ہوتے تھے جنکو نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) اور اونکے خلفا یا مسلمانون کو اُنکے شر سے بچانے کے لئے اور یا انہین اُنکی قوم اور قبیلہ کو اسلام کی طرف رغبت دلانیکی غرض سے مالی امداد دیکر اُنکو اپنی جانب مائل کرنے کے لئے دیا کرتے تھے۔ جسکا بیان اوپر آچکا ہے۔ مگر جبکہ مؤلفۃ القلوب لوگون مین سے کوئی شخص مسلمان ہوتا تھا تو اُسے مال زکوۃ مین سے کوئی رقم نہین دیجاتی تھی۔ بلکہ مال غنیمت یا فئی مین سے اُسکو مل جاتا۔ پانچوان حصہ غلامون کو خرید کر آزاد کرنے مین خرچ کر دیا جاتا تھا۔ چوتھا حصہ قرضداروں کو دیا جاتا تھا تاکہ وہ ادائے قرض سے سبکدوش ہون ساتوان حصہ راہ خدا مین جہاد کرنے والون کیلئے سامان جنگ بہم پہنچانے پر خرچ ہوتا۔ اور آٹھوان اُن مسافرون کو ملتا تھا جنکے پاس سفر خرچ نہین ہوتا تھا۔

صدقات کا عامل دیگر صیغہ مال کے عاملون سے یون ممتاز ہوا کرتا تھا کہ اُسے اپنی تحصیل کردہ آمدنی مین سے بلا اجازت غیرے خرچ کرنیکا حق حاصل ہوتا تھا بجز اُس صورت کے جبکہ اسے اسکی کسی وجہ سے ممانعت کر دیگئی ہو۔ بخلاف اموال فئی و غنیمت کے جنکے عاملون کو بجز خلیفہ یا اُسکے قائم مقام والی یا وزیر کا حکم حاصل کرنیکے کسی طرح اُن مالون کو خرچ کرنیکا اختیار نہین ہوتا تھا۔ +

غنیمت غنیمت اُس آمدنی کا نام ہے جسکو مسلمان جنگ کرکے حاصل کرین۔ اور اسکی چار قسمین ہین۔ جنگی قیدی۔ لونڈی غلام جو جنگ مین پکڑے گئے ہون۔ ارافیان۔ اور نقد مال و دولت۔ اسیر وہ مرد ہوتے تھے جو حالت جنگ مین پکڑے جاتے۔ اسبارہ مین اسلامی شریعت کے بہت سے احکام و شرائط ہین

اور امامون نے اسکی حد مقرر کرنے مین اختلاف کیا ہے۔ جسکے بیان کا یہ موقع نہین منجملہ اُن شرطون اور حکمون کے فدیہ کا قبول کرنا بھی ہے یعنی وہ مال جو گرفتار شدہ دشمن اپنی آزادی کے معاوضہ مین دے اُسے لے لینا۔ جو مال اس طرح لیا جاتا وہ باقی مال غنیمت پر نافذ کر دیا جاتا تھا۔ "سبی" وہ عورتین اور بچے جو حالت جنگ مین مفتوحہ ملکون سے گرفتار ہوکر مسلمانون کے ہاتھ آتے اُنکا قتل کرنا ناجایز تھا۔ مگر وہ مال غنیمت مین شامل کرکے فاتح لوگون پر تقسیم کر دیے جاتے تھے۔ ہان فدیہ کا لینا ان لوگونکی بابت بھی درست تھا۔

زمین جو حالت جنگ مین لیجاتی تھی اُسکی یا تو یہ صورت ہوتی کہ بزور شمشیر اُسپر قبضہ کیا جاتا تھا اور وہان کی باشندے زبردستی نکالدیے جاتے تھے۔ یا یہ کہ وہان کے لوگ بلا کسی جنگ کے محض خوف کی وجہ سے خود ہی اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے ہوتے تھے۔ اور یا یہ صورت ہوتی تھی کہ وہ زمین چند شرطون کے ساتھ مسلمانون کی صلح مین داخل ہوجاتی تھی یہ آخری شق فئی کے قسم سے تھی۔ اسمین حالات واختلافات کی وجہ سے اُن زمینون پر مختلف قسم کے لگان مقرر ہوتے تھے مثلاً عشر وغیرہ۔

منقولہ جایداد کو جنگ مین قتل کرنا آسان ہوتا تھا مثلاً چوپائے اور مال وغیرہ لڑنے والے لوگون پر تقسیم کر دیتے تھے ابتدائے اسلام مین یہ تقسیم باقاعدہ طور پر ہوتی تھی۔ خود نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنے خیال کے مطابق اُسے تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ مسلمانون کو سب سے پہلے جو مال غنیمت ہاتھ لگا وہ ۲ھ کے اندر واقعہ "بدر" کے موقع پر ملا تھا۔ مہاجرین اور انصار اُسکے بانٹ لینے مین جھگڑنے لگے تو نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) ہی شامل ایک مسلمان کے تھے آپنے اپنا حصہ بھی سب کے برابر ہی رکھا۔ اسکے بعد آیت "واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل" کے حکم سے خمس کا قاعدہ مقرر ہوا۔ اور سب سے پہلی غنیمت جس مین سے خمس (۱/۵ حصہ) نکالا گیا غزوہ بنی قینقاع کی غنیمت تھی جو اسی سال حاصل ہوئی۔ اُسکے مال کو پانچ حصون مین تقسیم کیا گیا جسمین سے چار حصے لڑنیوالونکو برابر برابر بانٹ دیے گئے۔ اور ایک پانچوان حصہ جو کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خمس تھا پانچ حصون مین بانٹا گیا۔ پہلا حصہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ذات خاص اور اپنی ازواج مطہرات پر صرف فرماتے تھے اور اُس مین سے مسلمانون کی ضرورتون کو بھی پورا کرتے تھے۔ دوسرا حصہ قرابتمندون پر صرف کرتے تھے جو خاصکر بنو ہاشم نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہم قوم اور گھرانے کے لوگ اور بنو عبدالمطلب اور بنو عبد مناف ہوتے۔ ان کے سوا قریشی لوگون مین سے اور کسی گھرانے والیکو یہ حق حاصل نہ تھا۔ تیسرا حصہ حاجتمند یتیمون پر خرچ کیا جاتا اور اس حصہ مین لڑکے اور لڑکی دونون کے لئے یکسان حکم تھا۔ چوتھا حصہ اُن مسکینون

پر تقسیم کر دیا جاتا۔ جنکے پاس بقدر ضرورت خرچ نہ ہوتا۔ اور پانچوان حصہ اُن مسافرون کے لئے مخصوص تھا جنکے پاس سفر خرچ وغیرہ نہ ہوتا تھا۔

اسلاب یعنی مقتول لوگون کے کپڑے اور اُن کے ہتھیار بھی مال کی قسم سے شمار ہوتے تھے اور اونکو قاتل لوگون پر تقسیم کر دیتے تھے۔ اور ہر ایک شخص اپنے مقتول دشمن کا "سلب" پاتا تھا۔

جو زمینیں مسلمانون کے قبضہ مین آئی نہین خواہ وہ بزور شمشیر لی گئی ہون یا صلح کے ذریعہ سے اُنکی بابت صدر اسلام مین چند شخصون نے یہ چاہا تھا کہ اُنہین بھی مال غنیمت مین داخل کر کے فاتح لوگون پر اُسی طرح تقسیم کر دیا جائے جس طرح اور مالون کو بانٹ دیا جاتا ہے۔ مگر عمر بن الخطاب رض نے اُنکو اس امر کی اجازت نہین دی جیسا کہ اونکی ایک تحریر سے عیان ہوتا ہے۔ جو اُنہون نے فتح عراق کے بعد دہان کے عامل سعد بن ابی وقاص رض کو ارسال فرمائی تھی۔ خلیفہ ممدوح اس مین رقم فرماتے ہین:۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ میرے پاس تمہاری وہ تحریر پہونچی جس مین تم نے یہ ذکر کیا ہے کہ لوگون (مسلمانون) نے تمسے درخواست کی ہے کہ مفتوحہ اراضیان بھی اونکو اُسی طرح تقسیم کر دی جائین جس طرح اور اموال غنیمت بانٹ دیے جاتے ہین اسلئے جسوقت تمکو میری یہ تحریر ملے۔ تم دیکھو کہ فوجی لوگ مال و اسباب کی قسم سے تمہارے پاس کیا کیا لائے ہین۔ اُس سب کو موجودہ لوگون مین تقسیم کر دو۔ اور اراضیون اور نہرون کو اُنکے کاروبار کرنے والون کے ہاتھون مین رہنے دو۔ تاکہ مسلمانون کے عطیات مین کام آئین کیونکہ اگر تم اراضیون کو بھی موجودہ لوگون مین تقسیم کر دو گے تو جو لوگ اُنکے بعد ہونگے اُنکے واسطے کچھ بھی باقی نہ رہیگا"

عمر بن الخطاب رض کی تحریر پر بعض لوگون نے یہ اعتراض کیا کہ اراضیان بھی ہمارا حق ہے کیونکہ ہم نے انکو اپنی تلوارون کے ذریعہ سے فتح کیا ہے۔ مگر سعد بن ابی وقاص رض نے اُن سے بحث کر کے اُنکو بند کر دیا۔ اور کہا کہ اسپر خراج مقرر کیا جائیگا۔ اور دہان کے باشندون پر جزیہ متعین ہوگا۔ اور یہ دونون آمدنیان بہت عرصہ تک مسلمانون کے لئے مال غنیمت رہین گی۔ اسی بنیاد پر عمر رض نے جزیہ اور خراج مقرر کیا اور عراق اور اوسکے علاوہ دیگر ملکونکی سب زمینون پر جو فتح ہوئی تھین یہ لگان مقرر کر دیا گیا۔ اسکی تفصیل کتابون مین لکھی گئی جس طرح اہل فارس اور رومیون کے ہان اندراج کا قاعدہ تھا۔ اور اسی صورت کو ترتیب دفاتر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

فئی فئی بیت المال کے اموال مین سے تمام باقی حصہ کا نام ہے۔ اور شرع مین "فئی" ہر ایسے مال کو کہتے

ہین جو مشرک لوگون سے بغیر جنگ اور فوجکشی کے ہاتھ آیا ہو۔ اس مین جزیہ۔ خراج اور عشر وغیرہ سب داخل ہین۔ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کو فئی کے مال مین سے بھی ویسا ہی خمس ملتا تھا جس طرح مال غنیمت مین سے۔ مگر اونکے دنیا سے رحلت فرما جانیکے بعد انکا وہ حصہ بھی جو فئی مین سے مقرر تھا بیت المال کا حق ہوگیا۔ صدر اسلام مین فئی کے چار باقی حصے فوج والون پر تقسیم ہوجاتے تھے۔ جو مہاجرین اور انصار کا گروہ تھا اور سب کو برابر برابر حصہ ملتا تھا۔ یہانتک کہ عمر رضؓ نے دفعہ مرتب کیا اور جنگی لوگون کی تنخواہین مقرر کین جنکا ہم اوپر ذکر کر آئے ہین۔ اُس وقت سے فئی کی آمدنی بیت المال مین جمع ہونے لگی۔ اور اُس مین سے فوجی سپاہیون اور دوسرے لوگون کو اُنکے مقررہ صفوق دینے مین خرچ کیا جانے لگا۔

اِس سے قبل جو اُمور بیان ہوچکے ہین اُن مین دکھا دیا گیا ہے کہ اہل صدقات فئی اور غنیمت پانیوالون کے علاوہ ہوتے تھے۔ اِس لئے صدقے فئی کے مستحقون مین اور فئی کا مال صدقون کے حقدارون مین تقسیم نہین ہوتا تھا۔ مال غنیمت ہجرت کرنے والون اور اون جنگی لوگون کا حق تھا جو اشاعت اسلام مین سعی کرتے تھے۔ اور صدقہ کے مستحق لوگ نہ تو جنگی لوگون مین سے تھے اور نہ مہاجرین۔ کیونکہ صدر اول مین مہاجر کا اطلاق اُن لوگون پر ہوتا تھا جنھون نے اسلام کی طلب کے لئے اپنے وطن سے مدینہ کیجانب ہجرت کی تھی جس گھرانے کے تمام لوگون نے اسلام قبول کرکے ترک وطن کردیا تھا وہ "بَرَرَۃ" کہلاتے تھے۔ اور جس خاندان کے چند لوگون نے ترک وطن کیا تھا اُنکو "خَیَرَۃ" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ گویا اس لحاظ سے تمام مہاجر لوگ دو قسم کے تھے ایک "بَرَرَۃ" دوسرے "خَیَرَۃ"۔ اسکے بعد ایک وہ زمانہ آیا کہ ہجرت کا حکم منسوخ ہوگیا اور جزیرہ عرب کے اسلامی مفتوحات مین داخل ہونیکے بعد مسلمانون کی صرف دو قسمین رہگئین۔ ایک قسم کے لوگ "مہاجر" کہلاتے تھے۔ اور دوسرے "اعراب"۔ کیونکہ صدقہ پانے والے لوگ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے عہد مین "اعراب" کے نام سے موسوم ہوتے تھے۔ اور فئی کا حصہ پانے والے "مہاجرین" کہلاتے تھے۔ اسی بارہ مین ایک شاعر یون کہتا ہے:-

قد لفہا اللیل بتصابی[1] اروع خراج من الدرابی

مہاجر لیس باعرابی

صدر اسلام مین خلیفہ لوگ مہاجرین اور "اعراب" کے مابین فرق کرنے مین نہایت چہان بین کیا

[1] جسے رات نے سونے کے لئے ایسا بستر دیا ہو جو قیمتی مسند سے زیادہ خوش وضع اور گرانبہا ہو تو وہ مہاجر ہے نہ اعرابی۔ +

کرتے تھے۔ اسلئے جس وقت ذیفہ یا ارادہ کرتا کہ کسی طالب کو کچھ مال عطا کرے تو اوسکو فئی کے مال مین سے اُسوقت تک نہ دیتا تھا۔ جبتک کہ اُس عطیہ کا نفع عام مسلمین کے رفاہ تک پہونچتا ہو۔ ورنہ وہ اُس شخص کو صدقہ کے مال مین سے دیتا۔ اور عمر بن الخطاب رض کی نسبت اس قسم کے بہت سے قصے۔ روایت کئے جاتے ہین جو اس بات پر دلالت کرتے ہین کہ وہ اس قاعدہ پر نہایت سختی کے ساتھ قایم رہے۔ منجملہ اُن قصون کے ایک حکایت یہ بھی ہے:۔

عمر رض کی خدمت مین ایک اعرابی نے حاضر ہوکر عرض کی:۔

"یا عمر الخیر جزیت الجنة ——— اکس بنیاتی وامهنه

وکن لنا من الزمان جنة ——— اقسم بالله لتفعلنه"

عمر رض نے فرمایا "اگر مین اس بات کو نہ کرون تو کیا ہوگا؟"

اعرابی نے کہا "اذن[۵۲] اباحفص لا ذهبنه"

عمر رض "اگر تمنے بسر کرلیا تو پھر کیا ہوگا؟"

اعرابی۔ یکون[۵۳] عمن حالی لتسألنه ——— یوم یکون لاعطایاهنه

وموقف للمسئول بینهنه ——— اما الی نار واما جنه

اعرابی کے برجستہ جوابات سُنکر عمر رض اس قدر روئے کہ اُنکی ریش مبارک آنسوؤن سے تر ہوگئی۔ اور انہون نے اپنے غلام سے کہا "اے غلام! میرا یہ کرتہ اس شخص کو اُس دن کے واسطے دیدے۔ مین کچھ اسکی شاعری کے صلہ مین نہین دیتا۔ بلکہ اُس دن کے ڈر سے دیتا ہون اور خدا تعالی کی قسم ہے کہ اس کرتہ کے سوا مین کسی اور چیز کا مالک بھی نہین ہون" اسکے بعد اعرابی کو جو کچھ انعام وغیرہ دیا صرف اپنے ذاتی مال مین سے عطا فرمایا۔ مسلمانون کے مال مین سے نہین۔ اسلئے کہ اوسکی نغز گوئی کا صلہ اُنکی ذات کے علاوہ کسی دوسرے پر نہین پڑتا تھا۔ لہذا وہ عام مصالح کی حد سے خارج ہوگیا تھا۔

جن باتون نے لوگون کو عثمان رض کا دشمن بنا دیا منجملہ اونکے ایک بات یہ بھی تھی کہ اونہون نے فئی کے مال مین سے

۵۱۔ اے نیک عمر رض تمکو جنت ملے تم میری لڑکیون اور اونکی ماں کو کپڑے پہنا دو۔ تم میرے واسطے زمانہ کے صدمات کو روکنے والی ڈھال بنجاؤ مین خدا کی قسم کھاکر کہتا ہون کہ تم ایسا ضرور کروگے۔ ۵۲۔ تو اسی حالت مین سہی اے اباحفص ہم سب اسکو (زمانہ کو) جون توون بسر کرہی لینگے۔ ۵۳۔ وہ ایسی جگہ ہوگی جہان تم سے اُنکا حال دریافت کیا جائیگا۔ اور ایسا دن ہوگا کہ وہان عطیات نہین دیئے جائینگے۔ وہ ایسی بازپرس کی جگہ ہوگی جسکو یا دوزخ تک پہنچی کرین گے اور یا جنت تک۔

لوگون کو انعامات بانٹنے شروع کر دیئے تھے۔ اور متذکرہ بالا دونون باتون مین کسی فرق کا لحاظ نہین رکھا تھا ہجرت کا زمانہ گزر کر اسلامی دولت (حکومت) کا دور شروع ہوا۔ تو مسلمان حکمرانون نے دونون قسم کی آمدنیون (زکوٰۃ (صدقات) اور فئی) کو دونون مذکورہ بالا فریقون کے مابین حسب ضرورت وقت اور مناسب حال صرف کرنا جائز رکھا۔ جون جون اسلامی مملکت کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اُسی قدر فئی کی آمدنی بڑھتی گئی اور اوسکے ابواب متعدد ہوتے گئے۔ اور آخر کار یہان تک نوبت پہونچگئی کہ ملکی دیوانی کے اصول کردہ رقمین جو امرال کی مختلف اقسام مثلاً زکوٰۃ۔ جزیہ۔ خراج۔ عشر۔ جہاز دن کی آمدنی کا دسوان حصہ۔ خمس کی آمدنیان جو کانون کی پیداوار اور چراگاہون کے محاصل سے اٹھائی جاتی تھین۔ یا ٹکسال کی آمدنی۔ رصدخانون۔ جاگیرون اور محفوظ ذخائر غلہ کے محاصل وغیرہ وغیرہ ان سب کا نام صرف فئی رہ گیا۔ صدقات کے متعلق اوپر بہت تفصیل کر چکے ہین۔ اب آگے چلکر ہم ان آمدنیون کا ذکر کرینگے جو فئی کی آمدنیون مین سب سے زیادہ ضروری اور اہم تھین۔

جزیہ جزیہ اور خراج اس طرح تو باہم بہت ملتے ہوئے ہین کہ وہ دونون مال غیر مسلم لوگون سے وصول کئے جاتے ہین اور فئی کی آمدنیون مین داخل ہین۔ جو ہر سال مقررہ اوقات مین واجب الادا ہوتی ہین مگر اس حیثیت سے اُن دونون مین فرق ہے کہ جزیہ ہر آدمی پر مقرر ہوتا ہے اور اسلام قبول کر لینے سے وہ ساقط ہو جاتا ہے لیکن خراج اسلام لانے سے بھی ساقط نہین ہوتا بلکہ اُسکا ادا کرنا مسلم اور غیر مسلم دونون کیلئے ضروری ہے۔

جزیہ کی تاریخ جزیہ کچھ اسلام کے محدثات (نئی پیدا کی ہوئی باتون) مین سے نہین ہے۔ بلکہ یہ تمدن قدیم کے زمانہ سے رائج چلا آیا ہے۔ ایتھنز کے رہنے والے یونانیون نے پانچوین صدی قبل مسیح مین سواحل ایشیائے کوچک کے رہنے والون پر جزیہ مقرر کیا تھا اور اونہون نے اس جزیہ کا تقرر اُس ذمہ داری کے مقابلہ مین کیا تھا جو انہون نے اُن مقامات کے باشندون کو اہل فینیقیہ کے حملون سے محفوظ رکھنے کی بابت اُٹھائی تھی۔ اور فینیقیہ اُس زمانہ مین اہل فارس کا مقبوضہ ملک تھا۔ اُن سواحل کے باشندون کو اپنی جانون کی حفاظت کے مقابلہ مین مال کا دیدینا آسان معلوم ہوا۔ اور اونہون نے اسے خوشی کے ساتھ منظور کر لیا تھا۔ رومانی لوگون نے جن قومون کو زیر کر کے اپنا تابع فرمان بنایا اُن پر اُنہون نے مسلمانون کی اُس مقدار جزیہ سے جسکو فاتحین اسلام نے اُس زمانہ کے بہت عرصہ بعد مقرر کیا تھا کہین اور کئی حصہ تر کر جزیہ مقرر کر دیا تھا۔ کیونکہ رومانی لوگون نے جس زمانہ مین گال (فرانس) کا ملک فتح کیا ہے تو اونہون نے وہان کے ہر ایک باشندہ پر جزیہ مقرر کیا تھا جسکی مقدار نو (۹) سے پندرہ (۱۵) گنی سالانہ تک کے مابین ہوتی تھی۔ یا یون کہنا چاہئے کہ مسلمانونکے مقرر کردہ جزیہ سے

سات گنی تھی۔ رومانی لوگون نے جن ممالک کو فتح کیا تھا کچھ اُن سبھون مین جزیہ کی مقدار اتنی ہی بھاری نہین رکھی تھی مگر وہ کال یا ایسے ہی بعض اور مقامات مین اتنا بھاری جزیہ لگانے کی یہ وجہ بیان کرتے ہین کہ ان جگھون مین جزیہ کی رقم اشرافت سے انکی اپنی اور انکے نوکرون چاکرون اور غلامون کی بابت وصول کیجایا کرتی تھی۔ فارس والے بھی اپنی رعایا سے جزیہ وصول کیا کرتے تھے۔ ہمارے مشہور بہنوی علامہ دوست شیخ شبلی نعمانی کا یہ خیال ہے کہ جزیہ کا لفظ اصل مین فارسی زبان کا ایک لفظ ہے جسکا اصلی تلفظ "گزیت" ہے چنانچہ علامہ موصوف نے اپنے اس قول کو ایک رسالہ مین جو انہون نے ۱۹۰۴ء کے اندر شائع کیا ہے بہت تفصیل کے ساتھ نبھایا ہے۔ اور علامہ ابن اثیر نے کرے انوشیروان کے اس برتاؤ کا بیان کرتے ہوئے جو اُس نے فوج اور فوجکے بارہ مین برتا تھا لکھا ہے "اور فارس کے حکمرانون نے محکوم لوگون پر جزیہ کا ادا کرنا لازم کر دیا تھا۔ سوائے بڑے بڑے لوگون اور شریف خاندان والون اور فوجی خدمت انجام دینے والون اور مرزبانون اور مشنیون اور اون لوگون کے جو بادشاہ کی خدمت مین رہتے تھے۔ ہر ایک انسان پر اُسکے مرتبہ اور آمدنی کے اندازسے ۱۲-۸-۶ اور ۴ درم سالانہ مقرر کئے گئے تھے" یہ قول بھی ہمارے فاضل دوست شیخ شبلی نعمانی کے کلام کا مؤید ہے۔ اس لئے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اہل عرب نے جزیہ کے لفظ کو لفظاً اور معناً دونون اعتبارون سے فارس والون سے لیا۔ اور اُسے معرب کر لیا جسکی وجہ سے وہ لفظ (جزیہ) ہوگیا۔ اور مسلمانون نے اس آمدنی کے جمع کرنیکی کیفیت مین عدل اختیار کیا۔ جیسا کہ دیکھا جا چکا ہے۔ اور مسلمانون نے بھی اس رقم کو اہل اسلام کے ذمہ سے اُسی طرح اٹھا دیا جس طرح کسریٰ نے معزز لوگون اور بڑے گھرانے والون وغیرہ کو اس سے بری کر دیا تھا کیونکہ مسلمان حکام کے ہان عام اہل اسلام کا وہی درجہ تھا جو کسریٰ کے ہان فوجی سپاہیون اور معزز لوگون وغیرہ کو حاصل تھا اور جنکو اُس نے جزیہ سے بری کر دیا تھا۔ +

جزیہ کی مقدار

مسلمانون نے جزیہ کی جو مقدار مقرر کی تھی اُسکی صورت مختلف ہو۔ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) حالت اور موقع کے مطابق اور اُس باہمی رضامندی کا لحاظ کر کے جو مسلمانون اور اونکے دشمنون کے مابین قرار پا جاتی تھی جزیہ مقرر فرماتے تھے۔ چنانچہ جس وقت اُنہون نے "نجران" کے رہنے والون سے مصالحت کی ہے تو اونکے مابین رضامندی اس بات پر ہوئی تھی کہ نجران والے سال مین دو مرتبہ اس اندازسے جزیہ ادا کیا کرین کہ ۲۰۰۰ حلے صفر کے مہینہ مین اور ۲۰۰۰ حلے رجب کے مہینے مین دین اور ہر حلہ کی قیمت ایک اوقیہ (چاندی) ہو اور اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہونا چاہیئے۔ "ارزح" والون سے ہر رجب کے مہینے مین سو دینار ادا کرنے پر مصالحت کی۔ اور "مقنا" کے باشندون سے اُن کے ہان کی لکڑیون۔ بُنے ہوئے کپڑون۔ زرہون اور پہلون کا چہارم حصہ

سالانہ لیتے رہنے پر صلح کی۔ اور انکے علاوہ اسی طرح پر جزیرہ عرب کے یہودیون سے بھی صلح کر لی تھی۔

ابی بکرؓ کے آخر عہد تک جزیہ کی کوئی مقدار معین نہین رہی۔ مگر جس وقت عمرؓ کا دور خلافت شروع ہوا اور اسلامی فتح مین وسعت و کثرت ہوئی تو جزیہ کی بھی ایک مقدار مقرر کی گئی۔ عمرؓ نے فوجی افسرون کے نام یہ حکم صادر فرمایا کہ ہر ایسے شخص پر جسپر اُسترا چلگیا ہو (یعنی اوسکے داڑھی مونچھین آگئی ہون) جزیہ مقرر کردو اور جسکے پاس صرف چاندی کے سکے ہین اُن سے چالیس درم اور سونے کے سکے رکھنے والو سے چار دینار سالانہ لو۔ اسکے علاوہ اُن جزیہ ادا کرنے والون پر لازم ہے کہ وہ مسلمانون کی خوراک کیلئے ہر مہینہ مین دو "مُدّ" (ایک پیمانہ تھا) گیہون اور تین "اقساط" زیت (روغن زیتون) بھی ادا کیا کرین اور ہر انسان کیلئے جو شام اور جزیرہ مین ہے اتنا ہی ہوگا۔ اسکے بعد جزیہ کی شرح معتدل ہوکر لوگون کے دولت اور مقدرت کے اعتبار سے مقرر کی گئی۔ اب اسکا تعین یون ہوا کہ بظاہر اچھے مالدار شخص پر سالانہ ۴۸ درم واجب الادا کئے گئے جو ۴ درم ماہوار کے قسط سے ادا کرنے پڑتے تھے متوسط الحال آدمی پر ۲۴ درم سالانہ یعنے دو درم ماہوار کی قسط سے۔ اور فقیر پر ۱۲ درم سالانہ۔ اور بچون، عورتون، اہل عبادات اور اُن رہبانون سے جو گوشہ نشینی اختیار کرکے لوگون سے ملنا جلنا ترک کر دیتے تھے۔ کچھ بھی نہ لیا جاتا تھا۔ یہ مقدار جزیہ کی عام طور پر رائج تھی لیکن وہ ممالک اس قاعدہ سے خارج تھے جنکی فتح کے وقت کسی خاص اتفاق سے جزیہ کی شرطین قرار پائی تھین۔ جیسے کہ امیر عمرو بن العاصؓ کے ساتھ مصر کی صلح قرار پاتے وقت یہ ٹھیرا تھا کہ قبطی لوگ شریف ہون یا وضیع جوانون مین سمجھدار اور بالغ ہو چکے ہین وہ سب فی نفر دو دو دینار ادا کرینگے۔ شیخ فانی اور نابالغون اور عورتون پر کچھ بھی نہین ہوگا۔ اور قبطیون پر لازم ہوگا کہ جو مسلمان لوگ اُن کے ملک مین آئین وہ اُنکی تین دن دعوت کرین اور اسکے سوا کئی اور باتین بھی طے پائی تھین۔ اکثر حالتون مین جزیہ کی مقدار اس لحاظ سے مقرر کرتے تھے کہ جو کچھ لوگون کے پاس اُنکی آمدنی اور خرچ کا موازنہ کرنیکے بعد بچ رہے وہ مقدار جزیہ مین لیجائے۔ جیسا کہ ملک عراق مین جزیہ دالون کے ساتھ کیا گیا۔ کیونکہ جس افسر نے اس ملک کو فتح کیا اُس نے وہان کے ہر نفر پر ایک دینار جزیہ مقرر کر دیا تھا۔ مگر جس زمانہ مین عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا تو اُس نے رقم مذکورہ کو بہت کم خیال کیا اور اپنے اُس عامل کو جو جزیرہ پر مقرر تھا اسکی بابت تحقیقات کرنیکا حکم بھیجا۔ اُس نے وہان کی مردم شماری کرائی اور تمام لوگون کو کاروباری اور پیشہ ور بنایا اور حساب کیا کہ ایک پیشہ ور یا کاریگر تمام سال مین کس قدر کماتا ہے۔ اس آمدنی مین سے اُسکے کھانے پہننے کے اخراجات حسب حیثیت کم کئے اور تعطیلون کے دن مجرا دیکر حساب لگانے سے ان سب کا محاصل یہ ہوا کہ فی کس چار دینار سالانہ بچتے ہین۔ اسلئے اُس نے اون لوگون پر چار دینار جزیہ لگا دیا اور سب کو ایک ہی طبقہ

اور درجہ مین رکھا۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہین جزیہ صرف غیر مسلم لوگون سے لیا جاتا ہے۔ اور جس وقت کوئی جزیہ دینے والا مسلمان ہو جائے تو اوسکے ذمہ سے وہ ساقط ہو جاتا ہے۔ مگر عبدالملک بن مروان کے عہد مین اس قاعدہ کی پابندی ترک کر دی گئی تھی۔ کیونکہ حجاج نے اُن ذمیون پر بھی جزیہ مقرر کر رکھا تھا جو داخل اسلام ہو چکے تھے۔ عبدالملک نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو جو اُسکی طرف سے ملک مصر کا عامل تھا فرمان بھیجا کہ وہ بھی مصر مین نومسلم ذمیون کو جزیہ سے بری نہ کرے عبدالعزیز بن مروان نے عبدالعزیز بن حجیرۃ سے جو اُسکے خواص مین سے تھے اس بارہ مین رائے طلب کی۔ "ابن حجیرۃ" نے اس امر کو بہت برا خیال کیا اور کہا۔ "خدا کی پناہ! کیا تمہین کو ملک مصر مین اس بُرے قاعدہ کے رواج دینے مین سب سے اول نمبر لینا ہے؟ واللہ اہل جزیہ اپنے راہبون تک کا جزیہ تو برداشت کرتے ہی نہین۔ اب تم اُسے اُن لوگون پر کیونکر مقرر کر دوگے جو اُن مین سے مسلمان ہو گئے ہین؟" یہ بات سُنکر عبدالعزیز بن مروان اس خیال سے باز آگیا۔ مگر جب مشہور زاہد اور نیک طینت خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا عہد آیا تو اُنہون نے اس بُری قانون کو ملک عراق سے بھی اُٹھا دیا۔ اور اُسکے بعد سے پھر کبھی کسی مسلمان پر جزیہ نہین مقرر ہوا۔ غیر مسلم لوگون سے خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے کیون نہون جزیہ قبول کیا جاتا۔ مگر بت پرست عرب لوگون یا مُرتد (دین اسلام سے پھر جانیوالے) لوگون سے نہین۔ بلکہ اُن کے لئے سوا اسلام یا تلوار کے اور کسی بات کی منظوری نہین ہوتی۔ باقی رہے نصاریٰ۔ یہود۔ مجوس (آتش پرست) اور عجمی بت پرست۔ اُن سے تین چیزون مین سے ایک قبول کیجاتی۔ اسلام۔ جزیہ۔ یا تلوار۔

اِس خاص قید و بند لگانیسے مقصود یہ تھا کہ عربی قوم قوم واحد کی حیثیت سے تیار ہو۔ اسی لئے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنی حیات ہی مین جزیرہ عرب سے بت پرستی کا نشان کھو دیا تھا۔ اور عمر رضہ خلیفہ ہوئے تو انہون نے اُن باقیماندہ یہود اور نصاریٰ کو بھی نکال دیا جو عہد نبوت مین کہین کہین پڑے رہگئے تھے۔

ہم اس بات کو بیان کر آئے ہین کہ جزیہ اون لوگون کے سوا اور کسی پر مقرر نہین ہوتا جو بالغ ہون اور تندرست۔ اور اسکے معنے یہ ہین کہ جزیہ قتل یا قتال (جنگ) کا بدلہ ہے۔ یعنی یہ کہ جزیہ کا ادا کرنے والا شخص نہ قتل کیا جائیگا اور نہ جنگ مین بُلایا جائیگا چنانچہ سلطنت عثمانیہ کی بھی نصرانی رعایا "عسکریہ" کے نام سے مشہور ٹکس ادا کرتی ہے جو اِس لحاظ سے جزیہ کے ساتھ بہت مشابہ ہے۔ کیونکہ یہ ٹکس ان سے فوجی خدمت سے معاف ہونے کے معاوضہ مین لیا جاتا ہے۔

خراج

خراج کی تاریخ

خراج اُسکو کہتے ہین جو لگان کی قسم سے زمین پر مقرر کیا جاتا ہے۔ یا اراضیات کا محصول جو قسم لگان مین سب سے قدیم ہے۔ اسکے وضع ہونیکی اصل یہہ ہے کہ لوگ زمین کو بادشاہ یا شاہنشاہ کی ملک خیال کرتے تھے۔ یہ اعتقاد بھی بہت قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ توراۃ مین زمین کے فراعنہ مصر کی ملکیت مین داخل ہونیکی بابت صاف و صریح اقوال پائے جاتے ہین۔ سفر تکوین (پیدایش) کے سینتالیسوین باب مین مشہور قحط و گرانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس وقت قحط کے زمانہ مین مصر کے رہنے والون کو بھوک نے تنگ کیا تو انھون نے یوسف علیہ السلام کے پاس سے غلہ خریدنے مین اپنی تمام کمائی از قسم سونے۔ چاندی اور چارپایون کے بیچدی۔ اور جب انکے پاس زمین کے سوا اور کوئی چیز نہ بچی تو اُسے بھی روٹیون کے معاوضہ مین بیچدیا۔

دیگر قدیم ملکون مین بھی زمین کی یہی حالت تھی پس زمین بادشاہ کی ملک ہے اور اُسکے رہنے والے صرف اُسکی پیداوار سے نفع اٹھاتے ہین اس پیداوار مین حکومت کا بھی ایک حصہ مقرر ہوتا ہے اُسی کو خراج کہتے ہین یا مالی لوگونکی عادت مین داخل ہوگیا کہ انسان جو اپنی ملک سے مالدار ہوتا ہے۔ باقی رہی زمین۔ اُسکی ملکیت کا حق افراد کو حاصل ہونا وہ ناپسند کرتے تھے۔ قدیم جرمنی والے زمین کو صرف اپنے حکام اور رئیسون کی ملکیت خیال کرتے تھے۔ اسی لیے اُنکے مان جو شخص قبیلہ کا سردار ہوتا تھا وہ اراضیون کو افراد قبیلہ پر تقسیم کر دیتا تھا اور آیندہ سالون مین پھر انکو باری باری سے ادل بدل کر دیتا رہتا تھا۔ غرضیکہ ایک قطعہ کو ایک شخص زیادہ سے زیادہ دو برس تک ہی زیر کاشت رکھہ سکتا تھا۔ چنانچہ "صقالیہ" کے بعض گھرانون مین آجتک ایسی ہی عادت شایع ہے۔

اسی سے رومانی لوگ اپنی سلطنت کی اراضیون پر لگان باندھتے تھے اور مصر و شام وغیرہ بھی جنھین اُنھون نے ممالک کے تھے جنکو مسلمانون نے اہل روم کے ہاتھون سے چھینا اور فتح کیا تھا۔ رومانی لوگون کے زمانہ مین ہر ایک صوبے کے اندر خراج کا ایک خاص دفتر ہوتا تھا جس مین اس صیغہ کے اعمال اور اُسکی آمدنی و خرچ مرتب لکھا جاتا تھا۔ اس صیغہ کے محکمہ مین محرر محصل اور کارکن ملکی لوگون مین سے یا فرقہ حکام سے مقرر کیے جاتے تھے۔ اہل فارس کی بھی عراق و فارس مین یہی حالت تھی کیونکہ فارس والون نے رومان اور یونان کے قوانین مین سے اکثر کا اقتباس کیا تھا۔ +

مسلمانون نے ظاہر ہوکر شام۔ مصر۔ اور عراق وغیرہ ممالک فتح کرنیکے بعد اُن مین کسی قسم کا تغیر نہین کیا بلکہ

وہان جو وہی اسی طرح دفاتر اور محکمے قایم کئے۔ دفترون کے محرر خاص ملکی لوگون مین سے مقرر ہوتے تھے جو زیادہ تر نصاریٰ اور مجوس تھے۔ اور جس طرح اگلی حکومتون کے عہد مین ان خدمتون پر امور رہتے چلے آئے تھے اسی طرح اس دور مین بھی جگہہ پاتے رہے۔ چنانچہ ملک مصر مین محکمہ خراج کے کارکن قبطی لوگ تھے اور اونکے دفاتر قبطی ہی زبان مین لکھے جاتے تھے۔ شام مین جو دفتر تھا اوسکے کارپرداز رومی تھے جو رومی ہی زبان مین لکھا پڑھا کرتے تھے۔ اور عراق کا دفتر فارسی زبان مین تحریر کیا جاتا تھا۔ اہل عرب صرف دفترون کے کام کو دیکھنے بھالنے اور اُنکی آمدنی کو اپنے قبضہ مین کر لینے سے مطلب رکھتے تھے۔ گویا کہ اونکو ملک کے فتح کرنیسے کچھہ وہان کا مالک بننا مقصود ہی نہین تھا اور اسکی اصلی وجہ اُن دنون مین اُنکا دینداری کیجانب مائل اور دنیا کی جانب سے متنفر ہونا تھی۔ مگر جس وقت حکومت کا سررشتہ بنوامیہ کے ہاتھون مین آیا اور مسلمان لوگ بدویانہ زندگی کی تاریکی سے نکلکر شہری زندگی کی روشنی مین آئے اور اُنکی پہلی سادہ لوحی کھٹنے پڑھنے اور باخبر ہوجانے پر فہم و فراست سے بدلگئی۔ اور اہل عرب اور اونکے آزاد شدہ غلاموں مین بہت سے لایق لایق منشی اور حساب دان پیدا ہوگئے۔ تو اونہون نے دفاتر کو اپنی زبان مین بدل لیا۔ اور وہان کے کاروبار پر مسلمانون مین سے کام کرنے والونکا تقرر کرنے لگے اہل عرب مین سے جس شخص نے سب سے اول انقلاب رایج کیا وہ عبدالملک بن مروان تھا۔ اُس نے ۸۱ھ ہجری کے قریب یہ تغیر کیا۔ اُسی وقت سے تمام دفتر عربی زبان مین ہوگئے۔ اور دراصل عربی دفاتر کہلانیکے مستحق ہوئے۔ اور ایک خیال یہہ بھی ہے کہ عبدالملک اس تغیر کا صرف شروع کرنیوالا تھا۔ مگر پھر اسکی تکمیل اُسکے جانشینون نے کی۔ کیونکہ ملک مصر کے دفاتر ۸۶ھ کے قریب جاکر ولید بن عبدالملک کے زمانہ مین پوری طرح عربی مین منتقل ہوچکے تھے۔

باقی رہا حجاز کا صوبہ اُسکا دفتر مدینہ مین اُسی طرز اور انداز پر تھا جس طرح کہ عمر بن الخطاب نے اُسے مقرر کر دیا تھا اور جسے ہم اوسکی جگہہ پر بیان کر آئے ہین۔ اور وہ دفتر اس صورت سے بہت شابہ تھا کہ اُسے فوجی یا اعمال اور وصول لگان کا دفتر کہین۔ اسلئے کہ اُس مین صحابہ کے نام مُدوّن کئے گئے تھے اُنکے وظایف اور طبقے متعین ہوئے تھے اور مصر شام اور عراق کے ممالک سے فوجکی تنخواہین اور روزینے کے بعد جس قدر بقایا حصہ خراج اور جزیہ کا مدینہ کو آتا تھا وہ بھی اسی دفتر مین منضبط کیا جاتا تھا۔

ابتدائے اسلام مین راشدین اور بنوامیہ کے عہد کی حالت یہ تھی کہ خود خلفا بنفس نفیس خراج کے کاروبار کی نگرانی اور اُسکی وصولیابی کا بندوبست کیا کرتے تھے۔ مگر جب عنان حکومت بنوعباس کے قبضہ مین آئی تو اُنہون نے خراج کا بھی ایک صدر دفتر دارالخلافت مین قایم کیا اور صوبجات کے دفتر بھی اُسکا ماتحت بنا دیا۔ اس دفتر کا افتتاح خلیفہ سفاح

لئے کیا تھا اور اسکا کاروبار برامکہ کے جد خالدبن برمک کے سپرد فرمایا تھا۔ برامکہ کے معاملات حکومت مین دخل بہہ پہلا زینہ تھا جسکی وجہ سے اونکو سلطنت کے خزانون مین تصرف حاصل ہوگیا جس قسم کے تصرفات برامکہ نے کئے مالی صیغہ مین کئے منجملہ اُن کے ایک یہ بات بھی تھی کہ وہ لوگ اپنے گنبہ زادون اور بیٹون کو ممالک کے خراج کا ٹھیکہ دیدیتے تھے جسطرح پر کہ خلیفہ مہدی کے عہد مین برمک کے بیٹے یحییٰ نے ملک فارس کے خراج کی ضمانت کی اور اسمین اوسکو خسارہ اُٹھانا پڑا۔ اسکے بعد سے خراج کا دفتر بھی دیگر دفاتر کیطرح وزیرون کے قابو مین آگیا۔ بہ بات عباسی حکومت مین ضعف پیدا ہونے پر جبکہ امرا دولت حکومت کے سیغون پر مالک بن بیٹھے تو راضی ہوئے کے ایام مین تمام دفتر توڑ دیئے گئے۔ +

خراج کا مقرر کرنا

ہم اوپر بیان کر آئے ہین کہ اہل عرب اپنے خراج اور اُسکے وصول کرنے کی طرز پر قائم کئے رہے جیسے کہ وہ اگلی حکومتون (روم اور فارس) کے عہد مین رہتے چلے آئے تھے۔ مقررہ بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل عرب خراج کی وصولیابی تعدیل یعنی بٹائی سے کیا کرتے تھے۔ جب بیابان اور بن آباد ہوتین اور ویران کے باشندے بکثرت ہوجاتے تو خراج بھی بڑھجاتا۔ اور اگر ویران کے باشندون کی تعداد کم ہوتی وہ بستیان اُجاڑ ہوجاتین تو خراج کو بھی گھٹا دیا کرتے تھے۔

ملک شام کی آمدنی بھی اسی انداز پر وصول کیجاتی تھی۔ مگر اہل فارس اپنی اراضیات کا خراج مقاسمہ یا بٹوارے کا لیا کرتے تھے۔ یہانتک کہ اسلام سے قبل فیروز کے بیٹے قباد نے اُسکی پیمایش کرائی۔ اور رتبہ کے لحاظ سے خراج مقرر کیا کہ ایک جریب (۳۶۰۰ گز مربع) زمین پر ایک درم نقد اور ایک قفیز جنس پیداوار کی لگان میں وصول کیجائے اس لگان کے وصول کرنے مین اراضیات کی حالت کا کوئی لحاظ نہین رکھا گیا تھا۔ خواہ اُن مین پیداوار ہو یا نہو مگر نا ضروری ہوتا تھا۔ مسلمانون نے ان ممالک کو فتح کرنیکے بعد حسب ضرورت وحالت خراج مین تعدیل کی۔ اور تمام ملک کے طرح طرح کی رعائتین جاری کردین۔ اہل اسلام نے اراضیات کی بابت چند عام قانون اور قاعدے بھی بنائے جو حسب مندرجہ ذیل ہین:-

اسلامی ممالک مین زمین کی چار قسمین ہین۔ (۱) وہ زمین جسکو مسلمانون نے نئے سر سے قابل کاشت بنایا یہ زمین عُشر (دسوین حصہ) کی ہے۔ امام اس اراضی کی پیداوار کا دسوان حصہ لیگا اور وہ اراضی احیا اموات کی قسم سے شمار کیجائیگی۔ (۲) وہ زمین جسکے باشندون نے اُسی پر قابض ہونیکی حالت مین اسلام قبول کیا ہو اسمین وہی لوگ اُسکے پانیکے زیادہ مستحق ہین۔ اور وہ بھی عُشر ہی کی زمین ہے۔ (۳) وہ زمین جسے مسلمانون نے بزور شمشیر

کیا ہے اور وہ اونکے لئے مال غنیمت ہے اور وہ بھی عُشر کی زمین شمار کیجاتی ہے۔ (۴) وہ زمین جسکے باشندون نے دہان قابض ہونیکی حالت ہی مین مسلمانون سے صلح کرلی ہو۔ یہ زمین خراج کیلئے مخصوص ہوتی تھی اور اُسکا خراج کسی حالت مین باطل نہین ہوتا تھا خواہ وہان کے رہنے والے اسلام ہی کیون نہ قبول کرلیون۔ ایسی زمین پر اُسکے تحمل ہونیکے لحاظ سے خراج مقرر ہوتا تھا یعنی اُسپر اُتنا ہی خراج مقرر کیا جاتا تھا جتنا وہ برداشت کرسکے۔ پھر جب ملک عراق فتح ہوا تو عمرؓ نے سواد عراق پر وہی خراج مقرر کیا جو اہل فارس نے اُسپر لگا رکھا تھا یعنی فی جریب ایک قفیز اور ایک درہم نقد قفیز جریب کا دسوان حصہ یعنی ۶۰ گز مربع ہوتا تھا۔ عمرؓ نے عراق کے دوسرے حصہ مین اور طریقہ سے خراج مقرر کیا یعنی اونہون نے خراج کی مقدار کو پیداوار کی قسم کے تابع کردیا۔ اور عثمان بن حنیف کو دہان کی پیمائش کا حکم دیا جنہون نے اُن اراضیات کی پیمائش کرکے انگور کی ٹٹیون اور گھنے درختون کی ایک جریب پر دس درہم اور کھجور کے درختون کے ایک جریب قبہ پر آٹھ درہم اور جَو کی زمینون کے ایک جریب قبہ پر دو درہم لگان مقرر کیا۔ اور عمرؓ نے اس تشخیص جمع کو قبول فرمالیا۔

عراق کی زمین سے خلیفہ منصور کے عہد تک مساحت۔ توظیف یا وظیفہ کی صورتون مین خراج لیا جاتا رہا۔ مگر چونکہ منصور عباسی کے زمانہ مین نرخ گھٹ گیا تھا اور پیداوار زمین کا لگان ادا کرنیکے لئے کافی نہوتی تھین۔ سواد کا حصہ بالکل ویران ہوگیا تھا اسلئے خلیفہ مذکور نے مقاسمہ (بٹائی) کا طریقہ جاری کردیا جسکی وجہ سے غلہ زیادہ ہوتا تو خراج بھی زیادہ ہوجاتا اور وہ کم تو یہہ بھی کم۔ بٹائی کے خراج کی مقدار متعین کرنا خلیفہ کے ذمے تھا۔ مگر وہ نصف غلہ سے زیادہ اور پانچوین حصہ سے کم نہ ہوتا تھا۔

زمین کی ملکیت

زمین کی ملکیت اُسی حالت پر رہی جسپر آغاز اسلام مین قائم ہوئی تھی یعنی وہ امام کی ملکیت تھی۔ اور لوگ اُسے صرف استعمال مین لاتے تھے۔ حکومت کا ایک حق اُس زمین کی پیداوار مین ہوا کرتا تھا۔ اور اسکے علاوہ بعض اراضیان متاز حیثیت رکھتی تھین جنکو "اوسی" اور "رزقہ" وغیرہ کے نام سے موسوم کرتے تھے اور اونکی تفصیل کا یہان موقع نہین ہے۔ اُنیسوین صدی عیسوی کا آغاز جو مملکت عثمانی مین سیاسی اصلاحون کے جاری ہونیکا زمانہ تھا بہت سے مفید تغیرات کا باعث ہوا۔ منجملہ حکومت عثمانیہ کے صوبجات کے مصر بھی ایک صوبہ تھا جب وہ گزشتہ صدی کے اوایل مین محمد علی پاشا اعظم کے تصرف مین آیا تو اونہون نے دوراندیشی سے یہہ خیال کیا کہ جبتک کاشتکار اپنی زمین کا مالک نہوجائیگا اُس وقت تک وہ اُسکے تردد کا پورا اہتمام اور اُسکی حالت کو درست رکھنے کی فکر نہین کریگا جس وقت محمد علی پاشا مصر کے گورنر مقرر ہوئے ہین ملک مصر کی یہ حالت تھی کہ دہاکی

ارضیان چند ذی مرتبہ اور با اثر امرا کے قبضہ مین تھین۔ یہ لوگ کاشتکارون کو زمینین اُٹھا دیا کرتے تھے۔ اور اون کی کاشت کرایا کرتے۔ پیداوار کی آمدنی سے حکومت کا مالیہ (جمع) ادا کرنے کے بعد باقی منافع سے خود فائدہ اُٹھاتے اور عیش و عشرت کی داد دیتے رہتے تھے۔ محمد علی پاشا نے مصر کا ملک کئی مدیریات (کمشنریون) مین مدیریات کو مرکزون مین اور ان کو نواحی مین منقسم کیا اور اُن مین انتظام قایم رکھنے کے لئے تنخواہ دار افسرون کا تقرر کیا اور تحصیلدار لوگ مقرر کئے تاکہ وہ لگان اور گورنمنٹ کی جمع کو وصول کرین۔ التزامات (تعلقہ داریون) کو توڑ دیا اور ہر ہمت کی اراضیان خود دہین کے باشندون پر اس طرح سے تقسیم کر دین کہ کاشتکار اُس زمین کے حصہ پر جو اُسے ملا تھا اور دوسرے شخص کے حصہ کے برابر ہوتا کہ بہتی باڑی کر سکتا تھا۔

مگر سعید پاشا خدیو ہوئے تو اُنھون نے اپنی وہ مشہور یادداشت جو ۵ر اگست ۱۸۵۸ء کو صادر کی تھی جاری کر کے بعد بھی باشندون کے لئے زمین کو پورے طور پر شرعی ملکیت بنا دیا تاکہ وہ نسلاً بعد نسلٍ اُن کے خاندانون مین منتقل ہوتی رہی۔ اُسی وقت سے ملک مصر کی سرزمین مصری باشندون کی ملک ہوگئی۔ اسی قانون کے مطابق سلطنت عثمانیہ کی بھی تمام ممالک محروسہ مین عمل کیا گیا۔ کیونکہ بابعالی نے سعید پاشا کی یادداشت پر جو اس بارہ مین لکھی گئی تھی دستخط ہمایونی کے ساتھ تصدیق فرما دی تھی۔ ٭

ارتفاع خراج اس سے وہ رقم مراد ہے جو ہر سال ممالک کے خراج سے جمع ہوا کرتی ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کا متعین کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ باختلاف اوقات و مقامات یہ بھی مختلف ہوتی ہے۔ اور اس وجہ سے بھی وقت ہے کہ عرب مؤرخین اکثر مقالتون مین خراج کی مقدار بیان کرتے ہوئے جزیہ اور خراج دونون آمدنیون کو اکٹھا کر لیا کرتے ہین اور کہتے ہین کہ خراج کی آمدنی۔ مگر اُس سے مراد خراج اور جزیہ دونون کی آمدنی ہوتی ہے۔ جزیہ خراج سے بہت کم ہوتا تھا۔ اور اُسکی شمولیت مین بھی بہ نسبت خراج کے کمی ہوتی تھی کیونکہ ذمی لوگ مرور زمانہ کے ساتھ اسلام بھی قبول کرتے رہتے تھے۔ اسلئے جزیہ کی مقدار گھٹتی رہتی تھی۔ بعض عرب مؤرخون نے خراج کی آمدنی مین عُشر (دہ یک) وغیرہ کی آمدنیان بھی داخل کر دی ہین۔ اور ہم آگے چلکر جو مثالین دینگے وہ بنوامیہ کے عہد مین وصول جمع کی مثالین ہین جو اُندون اسلامی ممالک مین رائج تھین۔

عمرؓ کے عہد مین ۲۰ھ کے اندر "سواد" کے خراج کی مجموعی آمدنی ۱۲۰۰۰۰۰۰ درہم تھی۔ اور ۶۲ھ کے قریب عبید اللہ بن زیاد کے زمانہ مین ۱۳۵۰۰۰۰۰۰ درہم ہوگئی۔ اسکے بعد ۸۵ھ مین حجاج بن یوسف کے عہد مین ۱۸۸۰۰۰۰۰۰ درہم تک پہنچ گئی۔ مگر ۱۰۰ھ ہجری کے اندر خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے دمان کی تخفیف ۱۲۰۰۰۰۰۰ درہم کر دی۔ اُن کے بعد ابن ہبیرہ نے فوجکی خوراک اور جنگی لوگون کے وظائف کے علاوہ ۱۰۰۰۰۰۰۰ درہم تک

تحصیل کئے۔ پھر یوسف ابن عمر کا زمانہ آیا یہ والی ..... ۶ درہم سے ..... ۷ درہم تک دارالخلافت کو بھیجا کرتا تھا۔ اور اپنے ساتھ والے ملک شام کی فوج کے اخراجات مین ..... ۱۶ درہم اور ڈاک پر ..... ۴ درہم طوارق پر ..... ۲ درہم صرف کیا کرتا تھا۔ اسکے بعد بھی ..... ۱ درہم اعداث اور عوانق کے گھرانون پر صرف کرنے کے لئے اسکے پاس باقی رہجاتے تھے۔ اس حساب سے اُسکے عہد مین "سواد" کی تمام جمعبندی تقریباً ..... اور ہم تھی

ملک مصر سے عمرو بن العاص نے ..... ۱۲ دینار وصول کئے تھے۔ مگر مقریزی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رقم صرف جزیہ کی آمدنی تھی جو فی کس دو دینار کے حساب سے واجب الادا سمجھی گئی تھی چنانچہ مقریزی کا قول ہے اور عمرو بن العاص کے بعد عبدالله بن ابی سرح نے ملک مصر کا مالیہ ۱۴ ملین دینار تحصیل کیا۔ بنوامیہ کے عہد مین مصر کا خراج کم ہوگیا تھا یہان تک کہ ہشام بن عبدالملک کا عہد (۱۰۵ھ نہایت ۱۲۵ھ) آیا تو اُسے اسکی طرف توجہ ہوئی اور اُس نے اپنے دہمان کے عامل کو فرمان لکھا کہ ملک کی پیمایش کرے۔ والی مصر نے خود تمام آباد اور ویران زمینون کی پیمایش کی تو اُس سرزمین کو جسے دریائے نیل کا پانی سیراب کرتا ہے ..... ۳۰ فدان[1] پایا یہ ارنبی بنجر اور شور زمینون کے علاوہ تھی۔ پھر اُس نے اُن اراضیات مین تعدیل کی جسکی وجہ سے اُسپر ..... ۴ دینار قایم ہوئے اور اسی کے ساتھ نرخ ارزان تھا۔ اور سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ خلافت مین اسامہ بن زید نے ملک مصر کا لگان ..... ۱۲ درہم وصول کیا تھا۔ اسکے بعد سے مصر کی توفیر کم اور دہمان کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی خصوصاً جس وقت خلافت بنی عباس کے ہاتھون مین آئی۔ اور مرکز خلافت وادئ نیل سے بہت دور جا پڑا۔ یہانتک کہ مصر کا خراج گرتے گرتے ..... ۸ دینار پر آرہا۔ مگر جس زمانہ (۲۵۷ھ) مین ابن طولون والی مصر مقرر ہوا تو اُس نے دہاقی کی زیر کاشت زمینون کی پیمان مین کرائی جسکی وجہ سے دہمان کی مالگزاری نرخ غلہ کی ارزانی کے ساتھ ..... ۳ دینار تک پہنچ گئی۔ اُس زمانہ مین ایک دینار کو دس "اردب" گیہون آتے تھے۔ اسکے بعد سے برابر بنی عباس کی تمام عہد حکومت مین مصر کا خراج اسی کے قریب رہا۔

ملک شام کا خراج عبدالملک بن مروان کے ایام مین ..... ۱۷۲ دینار تک پہنچگیا تھا۔ اور اسی کے ساتھ نرخ بازار بھی بہت ہی ارزان تھا۔ مذکورۂ بالا رقم مین ..... ۱۸ "اردن" کی آمدنی سے۔ اور ..... ۳۵ فلسطین کی توفیر سے اور ..... ۴ دمشق کے محاصل سے اور ..... ۸ حمص قنسرین اور عواصم کی مالگزاری سے آتے تھے۔

خراج کی ضمانت داری

خراج کی ضمانت لینے کی دو قسمین ہین:-

(۱) عاملون (گورنرون) کو اُسکی کمی بیشی کا ضامن ٹھہرانا اسلامی شریعت مین نادرست ہے

[1] ۱۵۱ء۳ بیگھہ زمین کا مملکت الاسلامیہ کے مأخذ مین ذکر آچکا ہے۔

اسلئے کہ عامل محض ایک معتمد علیہ اور امانتدار ہوتا ہے جو واجب شدہ لگان جمع کرتا اور حاصل کیا ہوا خراج دربار خلافت مین نذر کرتا ہے۔ اس حیثیت سے وہ مثل ایک وکیل کے ہے جس وقت اُس نے اپنی امانت ادا کر دی پھر اُسکے ذمہ کسی امر کی ضمانت نہین۔ صدر اسلام مین صحابہؓ اس ضمانت داری کو بہت زور کے ساتھ منع کرتے تھے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص اُنکے پاس آیا جس نے "ابلہ" کو ایک لاکھ درم خراج ادا کرنیکی ضمانت پر اُسنے لینا چاہا۔ ابن عباسؓ نے اس شخص کو سو کوڑے مارے۔ اور دوسرون کو عبرت دلانے کی غرض سے اُسے زندہ دار پر کھینچدیا۔ مگر جس وقت اسلامی خلافت دنیاوی ملکداری کے لباس مین آگئی تو خلفا نے اس امر کی جانب سے چشم پوشی اختیار کی۔ وہ لوگ اکثر عاملون مین اپنے عاملون کو توفیر خراج کا ضامن بناتے تھے۔ اور اُنکا دستور یہ تھا کہ وہ اپنی ولایتون اور عمال کو ایک خراج کی مقدار مقررہ پر حکام اور والیون کے حوالہ کیا کرتے تھے۔ اور وہ حکام ملک کی مالگزاری کو تحصیل کر کے زائد رقم خواہ وہ کتنی ہی کیون نہو خود لے لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ برمک کے بیٹے یحییٰ اور اُسکے سوا چند اور شخصون نے کیا۔ اور خلفاء اسلام نے اس تضمین کے رواج پا جانے کے بعد قاضیون محتسبون اور پولیس والون کی بھی ضمانتین یعنی شروع کردین جسکا بیان آگے چل کر آئے گا۔ +

(۲) دوسری شکل خراج کی ضمانت لینے کی یہ تھی کہ التزام والون کو اُسکا ضامن بنا دیا جاتا۔ اہل التزام وہ لوگ ہوتے تھے جو مالدار یا صاحب حکومت و مرتبہ ہوتے۔ وہ ارضیون کو قبول کرتے تھے یعنی اُنکی ضمانت لیتے تھے۔ اور متولی خراج سے معاہدہ کر لیتے کہ اس قدر مال پر (جو باہم بڑھا کر بولیان بولنے سے طے پاجاتا) ہم یہ اراضیان لیتے ہین۔ اسطرح پر ایک شخص ایک گاؤن یا ایک شہر (ضلع) یا پرگنہ ضمانت پر لیتا اور اُس مین زراعت کرتا یا کسی کاشتکارون کو اُٹھا دیتا اُسکی پیداوار مین سے اُس زمین کا خراج ادا کرنیکے بعد جو باقی بچتا اُسے اپنے تصرف مین لاتا۔ اس طرح پر اراضیات کی ضمانت لینی یا اُنکا التزام کرنا کچھ اسلام کی اختراعات مین سے نہین ہے۔ بلکہ یہ قاعدہ اہل یونان کے قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ اور رومانی قلمرو مین پوری طرح اسکا رواج تھا۔ انہین سے اہل عرب نے بھی اس قاعدہ کو اخذ کیا۔

اسلامی قلمرو مین اراضی کی تضمین کا دستور اس وقت سے کچھ ہی قبل تک برابر قایم و رائج رہا اور اس طریقہ کے رواج پر کئی دور گذر گئے جنھین اُس نے مختلف انقلابات ہی دیکھے اور اوسکے اندر تغیر و تبدل بھی ہوا۔ اسی قسم کی باتو نہین سے عشر کی آمدنیون کی ضمانت کرانی ہے جو آجتک سلطنت عثمانیہ مین رائج ہے۔ +

خراج کے توابع

اسلامی عہد حکومت مین مالی آمدنیون کے اندر اراضی کے خراج اُسکے عشر ہون اور صدقات اور جزیہ کے علاوہ جہازون کے مال کا دسواں حصہ کانون کی پیداوار کا خمس

(پانچوان حصّہ) دار الضرب (ٹکسال)، رصد خانون اور علاقون کا منافع۔ آبپاشی کی آمدنی اور چراگاہون اور جنگلون اور دریاؤن کے ٹکس وغیرہ بہت سی قسمون کی دوسری آمدنیان بھی تھین جو خراج ہی کی قسم سے شمار ہوتی ہین۔

جہازون کے عُشر اُن جہازون پر لئے جاتے تھے جو بعض سرحدی مقامون پر ہوکر گزرتے تھے۔ ایسی جہازونکے مجموعی بار کردہ مال مین سے دسوان حصہ نقد یا اصل جنس کی صورت مین لیتے تھے۔ یمن کے عامل اس ٹکس کو اُن جہازون سے وصول کیا کرتے تھے جو ہندوستان سے آتے ہوئے اُنکے سواحل سے گزرتے تھے۔ ان جہازون پر مرچ طرحکی خوشبودار لکڑیان مثلاً عود اور صندل اور مشک کافور۔ عنبر۔ اور دارچینی وغیرہ اشیا بار ہوتی تھین اسی لئے حکام یمن ایسے جہازون کا ٹکس اصل جنس کی صورت مین لیا کرتے تھے۔ چنانچہ واثق باللہ عباسی کے عہد مین جہازون کے عُشر کی آمدنی سے بڑی بیش قرار رقم حاصل ہوئی تھی۔

اُندلس کے مسلمان حکمران اُن جہازون سے ٹکس وصول کیا کرتے تھے جو آبنائے جبل طارق کی طرف سے ہوکر آمد رفت رکھتے تھے۔ اہل فرنگ وغیرہ جس وقت اس آبنائے مین ہوکر اپنے جہاز لیجاتے تو ایک شہر مین پہونچکر جو جنوبی ہسپانیہ مین مملکت اُندلس کا آخری سرحدی مقام ہے اور اُس وقت مین اُس کا نام "طریف" تھا اس ٹکس کو ادا کیا کرتے تھے۔ آجکل اُس شہر کا نام طریفہ (Tarifa) ہے۔ اور اہل فرنگ لفظ (Tarif) کے (جو اُنکے یہان درآمد برآمد مال کے محصولون پر دلالت کرتا ہے یا اُس تحریر پر دال ہے جسمین وصول کردہ ٹکس کی تفصیل ہوتی ہے اور جسکو "رونہ" کہتے ہین۔ یا مال کی بیچ پر دلالت کرتا ہے) یہ کہتے ہین کہ وہ اُسی مقام مذکورہ بالا (طریف) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ کیونکہ فرنگستان والے جہازون کی جن رسوم کو ادا کیا کرتے تھے اُنہین "رسوم الطریف" کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اسکے بعد پہلا لفظ (رسوم) ترک ہوکر صرف دوسرا لفظ باقی رہگیا۔ اسکے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ عربی زبان مین "تعریفہ" کا لفظ قریب قریب وہی معنی رکھتا ہے جو یورپین زبان مین "طریفہ" کے معنی لئے جاتے ہین۔ اسلئے ہوسکتا ہے کہ افرنجی لفظ عربی زبان کے لفظ "تعریفہ" سے منقول ہو۔ یا جیسا کہ لوگون کا بیان ہے لفظ "طریف" کی تحریف ہو۔

معادن کے خُمس مین وہ آمدنیان آتی تھین جنکو اہل اسلام زمین کے اندر سے نکلنے والی معدنی اشیا یا اُنکے مثل اور چیزون پر بطور ٹکس کے وصول کیا کرتے تھے۔ معدنی چیزون کی دو قسمین ہین۔ ظاہری معادن اور باطنی معادن۔ ظاہری معدنی پیداوارین مثلاً سرمہ۔ نمک۔ قیر۔ اور نفط ہین۔ یہ معادن وہی حکم رکھتی ہین جو دریاؤن کے بہتے ہوئے پانی کا ہے یعنی انکا استعمال اسلامی شریعت مین مباح ہے۔ ان چیزون کا احتکار

جائز نہیں۔ ان مین تمام آدمیون کا حق یکسان ہے جو ان کے قریب پہنچ جائے وہ اُن مین سے بے تامل جسقدر مرضی یہ چیزین لیلے۔ باقی رہے وہ معادن جو اندر وفی ہین یعنی جنکا جوہر زمین کے اندر قرار پذیر ہے۔ اور وہ بلا کیمیائی عمل کے نکل نہین سکتے۔ مثلاً چاندی۔ سونے۔ پیتل۔ لوہے۔ اور سیسے کی کانین۔ ان معادن کا اجارہ ایسے لوگون کو دیدیا جاتا تہا جو انکے نکالنے کا کام کیا کرتے تہے۔ اور اُنپر یہ شرط لگادی جاتی تہی کہ حاصل شدہ مال کا پانچوان حصہ بیت المال کو ادا کرتے رہین۔

ٹکسال کی آمدنی اس قسم کی ہوتی تہی کہ دہان بننے والے سکون پر فیصدی کے حساب سے کچہہ محصول لیا جاتا تہا جسے ہم اسی کتاب مین ٹکسال کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرآئے ہین۔ اسی دار الضرب کی آمدنی اُندلس کے حکمران بنی مروان کے عہد مین ایک سال کے اندر ۲۰۰۰۰۰ تک پہونچ گئی تہی۔

جس قسم کے ٹکس اسلامی عہد حکومت مین لئے جاتے تہے منجملہ انکے ایک قسم کا نام "مکوس" تہا جسکا واحد "مکس" ہے۔ یہ ٹکس اجناس تجارت پر لیا جاتا تہا۔ جس طرح موجودہ زمانہ مین چنگی یا "فروہ" وغیرہ طرح طرح کے محصول لئے جاتے ہین۔ "مکس" یا "مقس" زمانہ جاہلیت مین بہی رائج تہا۔ اور "مدینہ" مین قبطی اور فارسی سوداگرون سے اُنکے مال تجارۃ کا دسواں حصہ لیا جاتا تہا۔ اسلام کا ظہور ہوا تو عمر بن الخطاب رض نے اسکو برقرار رکھا یہ محصول تاجرون سے صرف اُسی وقت لیا جاتا تہا جبکہ وہ اپنے ملک سے باہر کسی دوسرے ملک کو جانا چاہتے اس وجہ سے اگر ایک شامی تاجر تمام ملک شام مین اپنا مال لئے پہرتا تو اُس سے کوئی عُشر یا مکس کا طالب نہین ہوتا تہا۔ لیکن جب وہ مصر یا عراق کو جانا چاہتا تو اُس سے فوراً مکس وصول کر لیا جاتا۔ عمر رض کے مقرر کرنیکے اعتبار پر مکس کے تین درجے تہے:۔ ذمی لوگون (نصاریٰ اور یہود) سے عُشر کا آدہا یعنی بیسواں حصہ لیا جاتا تہا۔ اور مسلمانون سے عُشر کا چہارم یعنی چالیسواں حصہ (یہ چالیس درہم مین سے ایک درہم) لیا جاتا۔ مگر دو سو درہمون سے کم پر کچہہ نہین لیا جاتا تہا۔ اور اُن عرب لوگون سے جو رعایا مین داخل نہین تہے پورا دسواں حصہ وصول کیا جاتا۔ ٹکس کا رواج عہد اسلام مین نہین ہو سکا۔ کیونکہ پرہیزگار اور خدا ترس لوگ اسے بُرا سمجہتے تہے۔ اسی انداز پر باقی ٹکسون کو بہی سمجہہ لینا چاہیئے۔ +

اقطاع جاگیرین۔ جو اموال خراج کے ساتھ ملحق تہے منجملہ اُن کے ایک قسم جاگیرون کی آمدنی سے بھی حاصل ہوتی تہی۔ جاگیرون کا دستور سلطنتون مین قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ اسکی اصل یہ تہی کہ جس وقت بادشاہ کسی ملک کو فتح کرتا اور اُسے یہ منظور ہوتا کہ اُس مفتوحہ ملک کو اپنے قبضہ مین نہ رکہے

یا اوسکی آمدنی سے نفع اُٹھائے تو وہ اسے اپنے سپہ سالارون کے مابین اونکی سرفروشی وجانبازی کے صلہ مین تقسیم کردیا کرتا۔ گویا کہ یہ اونکی اُجرت ملتی تہی۔ اس امر کی تائید یون اور بہی ہوتی ہے کہ افرنجی زبان مین اصل لفظ انقطاع کے معنے اُجرت ہی کے ہین۔ سپہ سالار لوگ اپنے حصہ کی اراضیون کو اپنے ماتحت افسرون مین تقسیم کردیتے اور وہ لوگ عام فوجی سپاہیون پر بانٹ دیا کرتے یا اونکے قایم مقاموں کو دیدیتے جسوقت بادشاہ اپنے سپہ سالارونکو جاگیرین عطا فرماتا تو اونپر مشروط کردیتا کہ وہ لوگ امن اور جنگ دونون حالتون مین اُسکے مددگار رہین گے۔ اسی لئے جس وقت اُن سردارون مین سے کوئی شخص بددیانتی اور عہدشکنی کرتا تو زمین اپنے ہبہ کرنیوالے کو واپس ملجاتی (یعنی شاہی ملک ہوجاتی) اور اگر کوئی ادنی درجہ کا فوجی سپاہی بددیانتی کا مرتکب ہوتا تو اوسکی اراضی ضابط (کپتان) کو ملجاتی۔ اور ماتحت افسر بغاوت یا عہدشکنی کا مرتکب ہوتا تو اُسکی جاگیر سپہ سالار ضبط کرلیتا۔ اسی طرح سپہ سالارون کی جاگیر کو خلاف ورزی معاہدہ کی صورت مین شاہی ملکیت بنالیا جاتا تہا۔ بہرحال اس آغاز کا انجام یہ تہا کہ مختلف شرطون اور ڈہنگون سے جنہین اسی غرض کے لئے وضع کیا تہا۔ ملک کی زمین بادشاہ کے قبضہ مین رہے۔ مگر چونکہ اون قواعد اور قانون کا بیان کرنا اس موقع پر ضروری نہین۔ اسلئے ہم انہین چہوڑے دیتے ہین۔ لیکن اس بات کا بیان کردینا ضروری ہے کہ انہین قوانین کا مقتضا تہا کہ بادشاہ اوسکی رعایا اور اُسکی فوج یہ سب لوگ متفق یکدل اور ملک کو بیرونی دشمنون کے حملون سے بچانے پر تیار رہتے تہے کیونکہ اُس ملک مین اُن سبہون کی ضرورتین مشترک تہین اور تباولہ حالات کا سلسلہ اُن کے مابین قایم رہتا تہا یہی جاگیرون کا طریقہ یورپ کے ملکون مین بہی پہیلا اور اسی نے دمان کے رہنے والون کو ردمانی نوگون کے اپنے ملک سے نکال باہر کرنے پر قوی بنادیا۔

مگر اسلام مین جاگیرون کی کچہہ اور ہی کیفیت تہی۔ امام ابو یوسف رح نے اسکے متعلق جو کچہہ لکہا ہے اُس سے یہہ مطلب نکلتا ہے کہ جو اراضیان اس قسم کی تہین کہ اُنکا کوئی مالک یا طلبگار اور دعویدار نہ تہا۔ مثلاً وہ زمینین جو قبل مفتوح ہونے کے حاکم ملک یا ایسے شخص کی ملکیت تہین جو جنگ مین قتل کردیا گیا۔ یا ترائی وغیرہ کی اراضیان تہین۔ اور یہ سب اقسام اراضی مسلمانون کے ہاتہہ لگتین تو انکے مالک خلفائے راشدین ہوتے تہے اور وہ جسکو چاہتے بطور انعام کے ایسی اراضیون مین سے جاگیرین دیتے ہوئے اُنپر یہ شرط لگادیتے تہے کہ اُنکی آمدنی کا عشر یا کچہہ کم بہیش جیسا خلیفہ کو مناسب معلوم ہوتا بیت المال کو ادا کرتے رہین۔ عمر رض کے ایام مین سواد کے ملک کی ایسی اراضیون کا خراج ۔۔۔۔۔ درہم تک پہنچ گیا تہا۔ اور ان سے بعد کے خلفا اور امرا بہی اسی اصول پر قایم رہے

عثمانؓ کے عہد میں اُن اراضیوں کی آمدنی ..... ۵۰ درہم ہوگئی تھی۔ اور ۸۲ھ میں جسے "جماجم" کا سال کہتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن اشعث کے فتنہ کے دوران میں خراج کا دفتر باغیوں کے ہاتھ آن جل گیا۔ اس وجہ سے ہر ایک گروہ اپنی اپنی مقبوضہ اراضیوں پر مالکانہ قبضہ کر بیٹھا۔

بنو امیہ اور بنو عباس کا یہ بھی دستور تھا کہ وہ اپنے بعض کنبہ والوں اور خاص لوگوں کو بہت سی اراضیاں جاگیر میں دیکر اُنکا خراج نہ لیتے تھے۔ فوجکی تنخواہیں اور تمام اخراجات خراج کی آمدنی میں سے وضع ہونیکے بعد جس قدر رقم باقی بچتی وہ بیت المال میں داخل کر دیجاتی۔ اور جاگیریں اُنکے مالکوں کے ہی قبضے میں رہتیں۔

مگر جب حکومت کی باگ خلفاء کے قابو سے نکلکر سلجوقی سلاطین کے قبضہ میں چلی گئی تو اُنہوں نے جیسا کہ پہلے بھی فوج کی تنخواہوں کے ذکر میں بیان ہو چکا ہے نظام الملک طوسی اپنے وزیر کے ہاتھ میں جاگیریں دینے کے تمام اختیارات دیدیئے۔ اور اونکے بعد میں آنیوالے سلاطین نے اسی نظام الملک کے قاعدہ کی پیروی کی جنمیں کردی خاندان کے حکمران یعنی ملک مصر کے حکام بنی ایوب بھی داخل ہیں۔ کیونکہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے تمام ممالک اپنے امراء اور اہل فوجکو جاگیروں میں دیڈالے تھے۔ خاصکر مصر کا ملک تو بالکل جاگیروں ہی میں تقسیم ہوگیا تھا۔ اس کے بعد جاگیروں میں تبدیل کی گئی اور اس قاعدہ کو تبدیل کر دیا گیا۔ یعنی ملکی اراضیاں تین قسموں پر تقسیم ہوگئیں۔ کچھ اراضیاں جاگیروں میں دیجاتی تھیں اور کچھ فروخت ہو جاتی تھیں اور بعض موقوف ہوتی تھیں۔ مقریزی نے اپنے زمانہ (نویں صدی ہجری) میں سرزمین مصر کا حال یوں بیان کیا ہے :-

"مصر کی اراضی سات قسموں پر منقسم تھی۔ (۱) جو شاہی دیوان میں اجرا پاتی تھی یعنی نزول کی اراضی۔ (۲) جو امراء اور فوجی لوگوں کو جاگیروں میں دیدی گئی تھی۔ (۳) جو جامع مسجدوں۔ مدرسوں۔ خانقاہوں اور وقف کرنے والوں کی ذریات کیلئے وقف تھی۔ (۴) اس قسم کی اراضی تھی کہ کچھ لوگ جو کسی مسجد وغیرہ کے کاروبار کو انجام دیتے تھے وہ اسکی آمدنی سے متمتع ہوتے رہتے۔ اس قسم کی اراضیوں کا نام "احباس" تھا۔ (۵) ایسی اراضی جو ملک خاص ہو کر خرید۔ فروخت میراث اور ہبہ کی قابل ہوگئی ہو۔ کیونکہ وہ بیت المال سے بقیمت خرید لیجاتی تھی۔ (۶) اراضی ناقابل زراعت۔ (۷) وہ اراضی جو دریائے نیل سے سیراب نہ ہوتی تھی۔ یہ زمین غیر آباد (اوسر) کہلاتی تھی"

جاگیر کی بھی دو قسمیں تھیں۔ (۱) انقطاع استغلال[۱] (۲) انقطاع تملیک[۲]۔

(۱) ایسی جاگیریں جنکی آمدنی سے جاگیردار رفع اُٹھانے اور شاہی مالگزاری ادا کرتے تھے گو مالک وہ زمینیں بادشاہ کی ملک ہوتی تھیں۔ جاگیردار کو ان اراضیوں کے انتقال کا حق نہیں ہوتا تھا۔

(۲) وہ جاگیریں جو جاگیردار کی کامل ملکیت ہوتی تھیں اور اُسے اونکے انتقال بیع وغیرہ کے بھی حقوق حاصل ہوتے۔

اِن ہر دو اقسام جاگیر کی نوعیت۔ آبادی، سرسبزی زمین۔ اور حالت جنگ و صلح کے تغیر و تبدل کے ساتھ بدلتی رہتی تھی اور ان تمام امور کا خلیفہ کی رائے پر دار و مدار تھا۔ +

اسلامی دولت کی تحصیل ملکی خراج و محاصل کی مقدار جو عباسیون کے زمانہ مین تھی۔ نیز اس آمدنی کا وہ علاقہ جو اسی سلطنت کی ثروت کے ساتھ تھا۔ ہم انشاء اللہ کتاب ہذا کے حصہ دوم مین سلطنت اسلامی کی دولتمندی کا بیان کرتے ہوئے مفصل لکھینگے۔ +

ڈاک برید

اسلامی عہد حکومت مین "برید" کے جو معنے لئے جاتے تھے وہ آجکل کے استعمال و محاورہ سے بالکل جدا گانہ تھے۔ اُس زمانہ مین "صاحب البرید" یا "صاحب الخبر" خفیہ پولیس یا حکام ملک کے خفیہ نگران اور پرچہ نویس لوگون کے افسر سے ملتا جلتا ہوا کرتا تھا۔ یا اُس سے وہ شخص مراد ہوتا جو خلیفہ یا امیر کا جاسوس یا اُسکی وہ دوربین آنکھ اور تیز سننے والا کان ہوتا جو اُسکے عاملون کی خبرین اور اوسکے دشمنون کی چالین اُس سے بیان کرتا رہتا۔ اسطرح کا "برید" آجکل کے صیغۂ جنگ کے محکمۂ خبر رسانی سے بہت کچھ مشابہ کہا جا سکتا ہے۔

خلیفہ لوگ برید کی خدمت اُن لوگون کے سوائے اور کسی کو نہین دیتے تھے جو بہت سمجھدار اور عاقل فہیم ہونیکے علاوہ اونکے معتمد الیہ بھی ہوتے۔ کیونکہ جیسی خبرین وہ لوگ پہونچاتے اُنہین پر خلفاء کے اپنے عاملون اور ہم عصر حکمرانون سے تعلقات قائم رکھنے کا دار و مدار ہوتا تھا۔ اور کسریٰ شاہ فارس تو برید کی خدمت پر اپنے بیٹون کے سوا کسی اور کو مقرر ہی نہ کرتا تھا۔ +

برید کی مصلحت (ضرورت) خبر رسانی کی ضرورت قدیم الایام سے تمام حکومتون مین پائی جاتی ہے رومی اور فارسی سلطنتون مین اسکا پورا محکمہ قائم تھا۔ مسلمانون مین سب سے پہلے جس حکمران نے اس صیغہ کو اخذ کیا۔ وہ معاویہ بن سفیانؓ تھے۔ اس بارہ مین اُنہون نے اپنے سے قبل گزرے ہوئے فرمانروایان شام کی پیروی کی تھی یا اُنکے اُن عاملون نے جو ملک عراق مین متعین تھے۔ اونکو یہ صیغہ قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ پہلے پہل اس محکمہ کے وضع کرنیکا مقصد یہ تھا کہ خلیفہ اور اوسکے اُن عاملون کے مابین جو ممالک

مصر عراق اور فارس پر متعین تھے تیزی کے ساتھ خبر رسانی کا سلسلہ قایم رہ سکے۔ اسکے بعد اس صیغہ مین توسیع کرتے کرتے اُسے اس حد تک پہونچا دیا گیا کہ وہ خلیفہ کے عاملون اور اوسکے رازدار لوگون پر خفیہ نگرانی کا صیغہ بنگیا۔ کیونکہ "طاہر ذی الیمینین" گورنر خراسان نے جس وقت اپنے صوبہ مین خلیفہ مامون الرشید کا خطبہ ممبرون پر پڑھا جانا بند کر دیا تو صیغۂ خبر رسانی کے افسر نے اُسے اس بات سے متنبہ کیا اور ملامت کی۔ پہلے تو طاہر نے یہ عذر پیش کیا کہ مینے بھولکر خلیفہ کا خطبہ نہین پڑہا تم اسکی اطلاع دربار خلافت مین کر دینا مگر جب تین دفعہ ایسا ہی ہوا۔ اور ہر بار طاہر صیغہ خبر رسانی (پرچہ نویس) کے افسر سے یہی درخواست کرتا رہا کہ خلیفہ کو اس بات کی اطلاع نہ دے تو آخر کار پرچہ نویس نے اُس سے کہا۔ "تاجرون کے خطوط بغداد آتے جاتے رہتے ہین اسلئے اگر کسی غیر سے یہ خبر امیر المومنین کو پہونچا دی تو مجھکو اپنی ملازمت سے برطرف ہو جانے اور جان سے ماندہ ہونے کا خوف ہے" طاہر نے اس بات کو سنکر جواب دیا کہ "اچھا لکھدے" اُس وقت پرچہ نویس نے دربار خلافت کو تمام واقعہ لکھ بھیجا۔

برید (پرچہ نویسی کا محکمہ) خلیفہ اور اُسکے ملکی حکام کے مابین تعلق قایم رکھنے کا ذریعہ تھا۔ خلفاء کے احکام گورنرونکو اور گورنرونکی خبرین خلفاء کے دربار مین پہونچانا اسی محکمہ کا فرض تہا۔ پرچہ نویس لوگ گورنمنٹ کیجانب سے خبرون کی تفتیش اور حکام کے چال چلن کی نگرانی کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ وہ لوگ فوج اور مال وغیرہ امور مملکت کے حالات مفصل لکھکر دربار خلافت مین ارسال کرتے رہتے تھے۔ اسلیئے جس وقت خلیفہ اور اُسکے کسی عامل (گورنر) کے مابین تعلقات مین کدورت پیدا ہوتی اور عامل اسبات کا ارادہ کرتا کہ سرکشی کرکے خود مختار حکمران بنجائے تو وہ خلیفہ کے پاس خبر رسانی کا انتظام بند کر دیتا تھا جسکی نظیر مامون عباسی کا فعل ہے۔ کیونکہ جس وقت مامون خراسان کا گورنر تہا اور اُسے یہ خبر ملی کہ اُسکے بھائی "امین" نے اُسکی بیعت توڑ دی ہے اور بجائے اُسکے اپنے بیٹے "موسیٰ" کو ولیعہد بنالیا ہے تو مامون نے طرازین سے "امین" کا نام نکالڈالا اور خبر رسانی کا سلسلہ بند کر دیا۔

صیغہ خبر رسانی (برید) کے معاملہ مین بنی عباس کی توجہ سب سے زیادہ تہی۔ اُنہون نے اس محکمہ سے بہت بڑا کام لیا۔ یہانتک کہ اُن مین سے بعض حکمرانون کی نسبت یہ بھی سُنا جاتا ہے کہ اُنہون نے خاص اپنی ذات سے یہ کام کیا تاکہ اپنے عاملون۔ نوابون اور رعایا کے حالات سے پوری واقفیت بہم پہونچائین۔ اور بسا اوقات اس طریقہ سے اونکو عوام اور خاص شخصون کے خفیہ حالات سے آگاہی مل بہی گئی۔ بعض خلفاء نے علانیہ اس قسم کے لوگ ہر ایک حاکم کے ساتھ مقرر کر دیئے تھے۔ ایک معتبر مخبر وزیر کے ساتھ مقرر کیا جو دربار و نار سے کے تمام حالات پوست کندہ خلیفہ کے حضور مین پہونچایا کرتا تہا۔ اور وزیر بغیر اس شخص کی موجودگی کے کسی کے ساتھ کوئی سلوک نہین کر سکتا تہا۔ اور

نہ دربار کرسکتا۔ اسی طرح سے قاضی۔ نائب اور دوسرے حاکمون کے ساتھ بھی ایک ایک نگران تعینات کئے تھے۔ خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کہا کرتا تھا کہ "مجھکو اس بات سے زیادہ کسی چیز کی احتیاج نہین ہے کہ میری دردولت پر چار شخص اس طرح کے ہون جنکے بالمقابل میرے درباریون مین کوئی شخص زیادہ پرہیزگار و پاکباز نہو اور وہی چار شخص ارکان دولت ہین کہ انکے بغیر ملک کی اصلاح نہین ہوسکتی۔ ان چار شخصون مین ایک شخص ایسا قاضی ہو جسپر خدا کے حکم جاری کرنے مین کسی کی ملامت یا بدگوئی کا اثر نہ ہو۔ دوسرا ایوبیس کا افسر جو کمزور کو زور آور کے مقابلہ مین اپنے انصاف سے قوی بنادے۔ اور تیسرا وہ خراج وصول کرنیوالا افسر جو تشخیص جمع مین ملک کی اصلی آمدنی کا سراغ لگائے اور رعایا پر ظلم نہ کرے۔ اسکے بعد منصور نے اپنی کلمہ کی انگلی کو تین مرتبہ دانتون سے کاٹا اور ہر بار وہ "آہ! آہ!!" کا لفظ کہتا تھا۔ لوگون نے دریافت کیا "اے امیرالمؤمنین وہ کون ہے جسکے وجود سے آپ مایوس ہورہے ہین؟" منصور نے کہا "ایسا پرچہ نویس جوان (مذکورہ بالا) حکام کی خبرین سچائی کے ساتھ مجھکو لکھے لہذا اس موقع پر خبر دینے والے لوگون سے آجکل کے جاسوس مراد ہین۔ اور صاحب برید (پرچہ نویس افسر) اور خلیفہ یا سلطان کے مابین کوئی واسطہ نہ ہوتا تھا۔ بلکہ یہ براہ واسطہ مل سکتے تھے۔ چنانچہ جس وقت پرچہ نویسون کا افسر کوئی خبر لاتا تو خلیفہ سے پہلے کسی شخص کو اُسپر مطلع نہین کرتا تھا۔ تاکہ خود خلیفہ ہی اُس خبر کو یا تو عام طور پر فاش کردے یا مخفی رکھے جیسا چاہے کرے۔ اکثر حالتون مین بادشاہون اور امیرونکا قاعدہ تھا کہ وہ اپنے اور اپنے پرچہ نویس کے مابین کوئی خاص علامت رازداری کے لئے قرار دیدیتے تھے۔ اسلئے جبتک وہ علامت موجود نہوتی اونکو پرچہ نویس کی اُس تحریر پر اعتماد نہین ہوتا تھا۔ اگرچہ وہ خاص اُس پرچہ نویس ہی کے ہاتھ کی لکھی اور اُسکی مُہر سے مختوم کیون نہ ہو اسلئے کہ ممکن تھا کہ وہ کسی مجبوری یا دباؤ مین آکر ایسا کرنے پر آمادہ ہوگیا ہو۔ اسکی ایک مثال ابوسلم خراسانی کا یہ قصہ ہے کہ جس وقت خلیفہ منصور نے اوسکو اپنے حضور مین طلب کیا تو وہ انجام بینی کے لحاظ سے اپنی جان کا خوف کرکے ابانصر مالک بن الہیثم کو اپنی فوج کا افسر بناکر اُسے حسب ذیل ہدایت کرگیا تھا "تم اُسوقت تک ٹھہرے رہنا جبتک کہ تمہارے پاس میرا خط نہ آئے۔ اگر وہ خط آدھی مُہر سے مختوم ہو تو سمجھنا کہ میری خاص تحریر ہے اور مین نے اوسپر مُہر لگائی ہے۔ لیکن اگر پوری مُہر چسپان دیکھو تو جانا کہ مین نے اُسے مختوم نہین کیا اور تم اُسکی تعمیل ہرگز نہ کرنا" یہ حکم دیکر ابوسلم بغداد کی جانب روانہ ہوگیا اور جس وقت وہ "مدائن" مین پہونچا تو اُسکے قتل کا جو واقعہ پیش آیا اُس سے تمام لوگ واقف ہین۔ ابوسلم کو قتل کرادینے کے بعد منصور نے اُسکی طرف سے "ابی نصر" کو ایک تحریر لکھوائی جس مین یہ حکم تھا کہ جس قدر مال و اسباب اُس نے تمہارے پاس چھوڑا ہے اُسے ہمراہ لیکر دربار

خلافت مین حاضر ہو۔ پھر اُس تحریر کو اُسی مسلم کی مُہر سے مختوم کرایا اور روانہ کر دیا۔ ابوالفضل نے پوری مُہر چسپان دیکھکر معلوم کر لیا کہ اس تحریر کا لکھنے والا خود ابومسلم نہین ہے۔

خبر رسانی کا صیغہ ایک بہاری عہدہ ہے۔ اسکا افسر بہت سے ماتحتون اور بیش قرار اخراجات کا حاجتمند ہوتا ہے تاکہ اپنے ماتحتون کو بہاری بہاری تنخواہین اور انعام دے کر اونہین راضی اور امانت داری پر قایم رکھ سکے "صاحب البرید" کے فرایض مین یہ بات بھی داخل تھی کہ وہ راستونکی حفاظت کرے۔ اور اونکو چورون۔ لٹیرون اور دشمنون کے حملون سے بچائے۔ اور خشکی و تری مین مخالفین کے جاسوسون کا آنا بند کرے۔ سرحدی مقامات کے افسرون اور اطراف ممالک کے حاکمون کے تمام خطوط "صاحب البرید" ہی کے پاس آیا کرتے اور وہ اُن خطون کو جس قدر جلد ممکن ہوتا قریب ترین راستون اور تیز رو سواریون کے ذریعہ خلیفہ کے حضور مین پہنچاتا تھا۔

بریدِ ڈاک کے راستے

ڈاک کے چند خاص راستے تھے جو مرکز خلافت سے اطراف سلطنت تک ہر چار جانب پھیلے ہوئے تھے جہان تک کہ وہ غیر ملکون کے راستون سے جا ملتے تھے ان مین سے ہر ایک راستہ چند منزلون پر اور ہر منزل چند دم لینے کی جگہون یعنی چوکیون پر منقسم ہوتی تھی اور ہر ایک چوکی پر تازہ دم گھوڑے یا اونٹ تیار رہا کرتے تھے۔ ڈاک کے ہلکارے ان چوکیون پر اپنے تھکے ہوئے گھوڑونکو تازہ دم گھوڑون سے بدل لیا کرتے تھے۔ تاکہ راستہ تیزی کے ساتھ طے ہو سکے۔ اہل عرب کے یہان تو گمان غالب یہ ہے کہ ڈاک کی سواریون مین اونٹ مستعمل ہوتے ہے ہون۔ مگر فارس والے اپنے یہان گھوڑون کا استعمال کرتے تھے۔ عباسی حکومت کی ترقی کے زمانہ مین ڈاک کے راستون کی تعداد ترانوے تک پہنچ گئی تھی اور جانورون کی قیمتین انکا خرچ خوراک اور ملازمین کی تنخواہ وغیرہ کے تمام مصارف سال مین (۱۵۹۱۰۰) دینار تک ہوتے تھے۔

ہم نے جس مقام پر ملک "سواد" کے اُس خراج کی حالت بیان کی ہے جو بنو امیہ کے زمانہ مین دہقان سے حاصل ہوتا تھا اُسی جگہہ یہ بھی کہا ہے کہ بنی امیہ ڈاک کے انتظام پر چار ملین درہم یعنی قریب قریب بنو عباس کے اخراجات سے دگنی رقم صرف کرتے تھے۔ اور یہ بات ہمارے اُس قول کی تائید کرتی ہے جو ہم بنو امیہ کے اپنی حکومت کو زور آور بنانے کی غرض سے بیدریغ مال و دولت صرف کرنیکے بارہ مین کئی بار لکھہ آئے ہین۔ +

ڈاک کا ہر ایک راستہ ایک گھوڑے سے بڑھتے بڑھتے چالیس پچاس جانورون تک ترقی پاتا اور اکثر حالتون مین ڈاک کے گھوڑون کو بعض لوگون کے جلد لانیکے واسطے اور اُنہین خلیفہ یا امیر کے روبرو عجلت کے ساتھہ حاضر کرنیکے لئے بھی استعمال کرتے تھے۔ ڈاک کی تیز روی راستون اور سواری کی قسمون کے اختلاف کے ساتھہ مختلف

ہوا کرتی تھی۔ یہ سواریاں اونٹ اور گھوڑوں ہی کی ہوتی تھیں۔ اور ان جانوروں کے گلوں میں زنجیریں یا گھنٹیاں لٹکا دیجاتی تھیں۔ جب چلنے سے انکو جنبش ہوتی تو دور تک آواز سنائی دیتی اور اس آواز کو اُنکے محاورہ میں "بقبقۃ البرید" کہتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ڈاک کی روانگی دریائی راہ سے کشتیوں پر عمل میں آتی۔

ڈاک کے ذریعہ خبر بھیجنے میں علاوہ اسکے کہ جانوروں یا کشتیوں پر خطوط کے تھیلے روانہ ہوں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ پیدل ہرکاروں کی معرفت جنکو "سعاۃ" کہتے تھے۔ ڈاک روانہ کی جاتی تھی۔ یہ ہرکارے ایسے لوگ ہوتے تھے جو چھریرے بدن والے اور تین تین منزلوں کی ایک ہی منزل کرنیکے عادی ہوجاتے تھے۔ عموماً جنگلوں کے رہنے والے اس کام کیلئے زیادہ مستعد پائے جاتے تھے۔ سب سے پہلے جس شخص نے "سعاۃ" کا گروہ قایم کیا وہ معزالدولہ تھا اس نے عباسی عہد حکومت میں بغداد کے اندر اس جماعت کو تیار کیا اور اُسکی غرض یہ تھی کہ اپنے بھائی رکن الدولہ کو بہت جلد جلد حالات کی اطلاع دیتا رہے۔ معزالدولہ کے عہد میں دو "ساعی" بہت نامور نکلے۔ جن میں سے ایک کا نام "فضل" تھا۔ اور دوسرے کا "مرعوش"۔ یہ دونوں تمام دوسرے "سعاۃ" پر سبقت لیگئے تھے۔ ان دونوں میں سے ہر شخص ایک دن میں چالیس سے بھی کچھ زیادہ "فرسخ" یعنی تقریباً (۱۴۰) میل راہ طے کرلیتا تھا۔

ایک صورت خبر رسانی کی نامہ بر کبوتر دنکا استعمال بھی تھا۔ اہل عرب اس صیغہ کو بہت کارآمد خیال کرتے۔ اور اسکا اہتمام بڑی توجہ سے کیا کرتے تھے۔ کبوتروں کے ذریعہ سے پیام رسانی کا کام نکالنا قدیم اقوام میں بہت دنوں سے رائج چلا آتا تھا۔ مگر مسلمان لوگ اس بارہ میں اور تمام لوگوں سے زیادہ سرگرم پائے گئے۔ اور ہم نے سال دہم کے الہلال نمبر سات میں اسکا مفصل ذکر کیا ہے۔

مسلمانوں کے یہاں مراسلت کے جو طریقے مستعمل تھے منجملہ اونکے ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ کاغذ کا ورق لکھکر ایک بانس کے پہرے میں لٹکا دیا جاتا اور وہ ایک گھاس کے گٹھے میں گاڑ کر گٹھے کو پانی میں ڈالدیا جاتا۔ گھاس بہتی ہوئی نہر کے بہاؤ پر چلی جاتی۔ یہاں تک کہ وہ شخص جسکے پاس پیام بھیجا جاتا وہ اُسے دیکھتا اور نکال لیتا۔ ایک قاعدہ یہ بھی تھا کہ تیروں کی پیکان پر خبریں لکھکر انہیں مقام مقصود کیجانب پھینکا جاتا تھا۔ مگر اس صورت کی بابت گمان غالب یہ ہے کہ حصار اور راستوں کے بند ہوجانیکی حالت میں مستعمل ہوتی تھی۔

ڈاک کے ملازموں میں "سعاۃ" کے علاوہ ایک قسم کے ملازم "شموذی" ہوا کرتے تھے۔ یہ امیروں کے قاصد ہوتے جو ڈاک پر روانہ کئے جاتے تھے۔ اور ایک دوسری قسم کے ملازم "نکوہانی" ہوتے تھے۔ یہ ایسے مخبر ہوتے جو تجسس حالات کی غرض سے روانہ کئے جاتے تھے۔ بعض وہ ملازم تھے جو خلفاء کے روبرو ڈاک کی تھیلی

کھولتے تھے۔ یہ تھیلے عموماً کپڑون یا چمڑی کے بنے ہوئے ہوتے تھے جن مین خطوط رکھکر اوپر بھیجنے والے کی مُہر لگا دی جاتی تھی۔ اور مرسل الیہ کے پاس پہونچنے پر وہ خود اپنے ہاتھون سے اسکی مُہر کھولتا تھا یا جو اس خدمت پر مامور ہوتا اُسکے حکم سے وہ کھولا کرتا۔ ٭

قضاء

قضا کی تاریخ

اسلام سے قبل قضا کی کیا حالت تھی؟

قضاء (جس سے لوگون کے مابین واقع ہونیوالے جھگڑے کا فیصل کرنا مراد ہے) نہایت قدیم صیغہ ہے کیونکہ انسان اپنے وجود مین آنیکے اول زمانہ سے ہی اس بات کا محتاج پایا گیا ہے کہ اوسکے قضایا کوئی شخص فیصل کرے۔ تمام قبیلون اور گھرانون کے قاضی اُن مین کے معزز اور عقلمند لوگ ہوا کرتے تھے۔ اور وہی لوگ اُن قبائل کے حکمران اور امیر بھی ہوتے تھے۔ جب کوئی شخص جسمانی اور دماغی قوتون مین نامور ہوتا تو وہی اپنے قبیلہ کی امارت اور اُسکے قضایا فیصل کرنیکا ذمہ دار ٹھیرتا۔ فطرت انسانی کے مطابق زمانۂ "بدو" (وحشت) کی یہی حالت تھی۔ اہل عرب بھی ایام جاہلیت مین اسی طریقہ پر قائم تھے۔ انکا دستور تھا کہ اپنی قوم کے وجیہہ اور عقلمند لوگون سے اپنے معاملات کا فیصلہ کرایا کرتے۔ اسلام سے قبل کے قاضیون کی ایک بڑی جماعت مشہور ہے جن مین سے ہر شخص اپنے قبیلہ مین فیصلہ معاملات کا کام انجام دیا کرتا تھا چنانچہ قبیلۂ تمیم مین سے "حاجب بن زارہ" اور "اقرع بن حابس" اور "ربیعۃ بن مخاشن" اور قبیلۂ ثقیف مین سے "غیلان بن مسلمہ" اور خاندان قریش مین سے "ہاشم بن عبد مناف" "عبد المطلب بن ہاشم" اور ابو طالب بن عبد المطلب نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے چچا اور "عاص بن وائل" بنی اسد مین سے "ربیعۃ بن حذار" اور کنانہ مین سے "سلمی بن نوفل" وغیرہ اشخاص تمام قبائل مین مشہور ہوگزرے ہین قضا کا کام کرتے تھے جیسے اکثم بن صیفی اور عامر بن الظرب وغیرہ۔ اور اہل عرب کاہنون اور عرافون سے بھی اپنے معاملات فیصل کراتے تھے۔ ٭

قضا کا عہدہ اسلام مین

اسلام مین سب سے پہلے قضا کے اختیارات خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم صاحب

شریعت اسلامیہ کو منصب نفیس حاصل رہا۔ اور اونکے بعد خلفائے راشدین اس منصب پر قائم رہے۔ کیونکہ قضا کا عہدہ بھی کاروبار خلافت کے تحت مین داخل ہے۔ صدر اسلام مین خود خلفائے راشدین بذات خاص اس فرض کو انجام دیا کرتے تھے۔ اور اپنے سوا کسی کو یہ کام سپرد نہ فرماتے تھے۔ مگر جب وہ وقت آیا کہ اسلامی قلمرو کا دایرہ وسیع ہوا نئے نئے ممالک فتح ہوئے اور خلفا کے فرایض منصبی روز بروز بڑھنے لگے تو وہ اسبات پر مجبور ہوئے کہ خاص دارالخلافت اور بیرونی ممالک مین اپنے قایم مقام قاضی مقرر کرین۔ خلفائے راشدین مین سے سب سے اول جنہون نے اس کام کو کیا وہ عمر بن الخطابؓ خلیفہ دوم تھے۔ اونہون نے مدینہ مین اپنے ساتھ "ابی الدرداء" کو قاضی بنایا اور "شریح" کو "بصرہ" مین۔ اور "ابوموسی اشعری" کو "کوفہ" کا قاضی مقرر فرمایا اور انہین ابی موسی کے نام ایک فرمان لکھا جو اسلامی فقہ کا دستور العمل ہے اور اُسی کے محور پر آجتک قاضیون کے احکام دورہ کرتے ہین۔ اُس فرمان کی عبارت مشہور ہے۔

عمر بن الخطابؓ کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح اُنہون نے مدینہ اور بصرہ مین قاضی مقرر کیے۔ ویسے ہی ملک مصر مین بھی قاضی کا تقرر کرین۔ کیونکہ ملک مصر مین منصب قضا پر کسی شخص کا تقرر وہین کے والی (گورنر) کے قبضہ مین تھا اسکی وجہ یہ ہوئی کہ عمر بن الخطابؓ نے مصر کے امیر عمرو بن العاصؓ کو لکھا کہ وہ "کعب بن یسار بن ضُبَیۃ" کو مصر کا قاضی مقرر کردین۔ شخص مذکور اُن لوگون مین سے تھا جنہون نے جاہلیت کے عہد مین قضا کا کام انجام دیا تھا "کعب" نے اس عہدہ کے قبول سے انکار کرتے ہوئے کہا "مین نے جاہلیت کے زمانہ مین قضا کا فرض انجام دیا ہے۔ اور اسلام مین اب پھر دوبارہ اُس کام کو نہ کرونگا" امیر عمرو بن العاص نے اسکو منکر پاکر "عثمان بن قیس بن ابی العاص" کو قاضی مصر مقرر کردیا۔ اسکے بعد سے اُس وقت تک مصر کے امیرون ہی کو قاضیون کے تقرر کا اختیار حاصل رہا۔ اور جب بنی عباس کی حکومت کا دور شروع ہوا تو اونہون نے ملک مصر پر اپنا پورا قبضہ جمانے کی نیت سے وہانکی قضا کا منصب کسی کو حوالہ کرنا اپنے اختیار مین لے لیا۔ سب سے پہلا ملک مصر کا قاضی جو خلفا کی جانب سے مقرر ہوا۔ وہ "عبداللہ بن لھیعہ حضرمی" تھا اسکو ابوجعفر منصور عباسی نے ۱۵۵ھ ہجری مین مصر کا قاضی بنایا۔ اور اسکے بعد سے قاضی مصر کا تقرر خلفا کے اختیار مین چلا گیا اور آجتک برابر یہی دستور جاری ہے۔

ابتدا ہر ایک اقلیم مین ایک ہی قاضی ہوا کرتا تھا۔ مگر جبکہ اسلامی مملکت کی آبادی اور وسعت کا دایرہ بڑھ گیا۔ تو قاضیون کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔ یہانتک کہ یہ نوبت آپہونچی کہ بڑے بڑے شہرون مین کئی کئی قاضی مقرر کیے جاتے تھے۔ یعنی شہر کی ہر ایک جانب (حصہ) مین ایک قاضی ہوتا تھا اور خود خلیفہ بذات خاص اُنکا تقرر کیا

کرتا۔ خلیفہ رشید عباسی کے عہد سے قبل تک یہی طریقہ رائج رہا۔ مگر رشید کے عہد میں بغداد کی وسعت ترقی پذیر ہوئی اور مشہور قاضی ابو یوسفؒ اُن دنوں میں بہت نامور اور معتبر قاضی ہوئے۔ رشید انکی بہت عزت اور تکریم کیا کرتا تھا۔ اسلئے اُس نے انکو "قاضی القضاۃ" کا لقب عطا کیا اور یہ پہلے قاضی القضاۃ ہیں۔ قاضی ابو یوسفؒ بڑے عالی ہمت شخص تھے۔ انہوں نے اس منصب کے فرائض نہایت کامیابی کے ساتھ ادا کئے اور علماء کے گروہ کو ایک خاص لباس سے امتیاز بخشا۔ ورنہ اس سے پہلے وہ بھی عام آدمیوں کا سا لباس پہنتے تھے قاضی ابو یوسفؒ کے بعد قاضی القضاۃ کو شہر بغداد کے ماتحت قاضیوں کے تقرر کا اختیار حاصل ہوگیا۔ اور اسکے بعد اقلیموں کے قاضیوں کا عزل و نصب بھی اُسی کے قبضۂ تصرف میں آگیا۔ مصر اور اُندلس کے اُن خلفاء نے جو عباسی خلفاء کے معاصر تھے انہیں کی پیروی کی۔ اور وہ بھی قاضی القضاۃ کو مقرر کرکے اُسے ماتحت قاضیوں کے تقرر کا اختیار دینے لگے۔

صدر اسلام میں قاضی کا فرض منصبی صرف لوگوں کی خصومتوں کا فیصلہ کرنا تھا۔ مگر بعد میں مقتضیات احوال کے مطابق خلفاء کے دیگر اشغال سیاسی میں مصروف رہنے کی وجہ سے بعض اور امور بھی اُن لوگوں کے ماتحتوں میں آنے لگے۔ چنانچہ قاضی کے اصلی فرائض منصبی کے علاوہ مسلمانوں کے بعض عام حقوق کا ادا کرنا بھی اُنکے ذمہ آپڑا۔ مثلاً دیوانوں یتیموں مفلسوں اور اہل سفاہت کے مال جو حکومت کی زیر نگرانی (بطور کورٹ آف وارڈس) رہتے تھے اُنکی نگرانی۔ مسلمانوں کی وصیتوں اور اوقاف کا جاری کرنا۔ اور جب کوئی ولی نہ ہو تو یتیموں کا نکاح بیاہ کرا دینا۔ اسکے بعد اُنکے اختیارات کا دائرہ۔ راستوں کے مصالح۔ تعمیرات کی ضرورتوں۔ گواہوں امینوں کے اور نائبوں کے تصفح (یعنی جستجوئے حالات اور اُنکے چال چلن کی دیکھ بھال) تک وسیع ہوگیا اور اُنکو حق ملگیا کہ عدالت اور جرح کے ساتھ انکا علم و تجربہ حاصل کریں۔ بعض خلفاء نے ان اختیارات کو اور بھی وسعت دی یہانتک کہ "صوائف" کی فوجوں میں جہاد کی افسری بھی اُنہی کے حوالہ کردی۔ چنانچہ ایسے قاضیوں کے ایک قاضی "یحییٰ بن اکثم" بھی تھے جو "مامونؒ" کے عہد میں "صیفی" مجاہدوں کے ہمراہ ممالک روم پر حملہ آور ہوا کرتے تھے۔ اسی طرح عبدالرحمن الناصر اموی حکمران اُندلس کے قاضی منذر بن سعید کو بھی اختیارات وسیع حاصل تھے۔ "عزیز فاطمی" (خلیفہ) نے "علی بن نعمان" کو مصر کا قاضی مقرر کرکے شام مغرب حرمین اور تمام مملکت کا عہدۂ قضا اسکے اضافہ کردیا۔ نیز خطابت۔ امامت۔ اور سونے چاندی کے کھوٹے کھرے کی پرکھ۔ ترازوؤں اور پیمانوں کی کمی و بیشی کا اندازہ اور جانچ یہ سب امور بھی اُسی کے حوالہ کردیئے۔ حاکم بامر اللہ کا عہد آیا تو ۴۰۱ھ میں "ابو محمد

بازدری یا قاضی کے منصب پر مامور ہوا۔ اور اُسپر عہدۂ وزارت کا بھی اضافہ کیا گیا۔ وہ پہلا قاضی تھا جسے حکومت کے دو جلیل مناصب کا باہم جمع کرنا نصیب ہوا۔ اگرچہ اُسکے بعد اور دن کو بھی ایسے موقعے ملے۔

پس جو بیانات بالا سے صاف عیان ہے کہ قضا کا منصب بعید وسیع ہے۔ مگر وہ ہر ایک زمانہ مین اتنا ہی وسیع نہین رہا بلکہ حکومتون کے اختلاف اور تغیر و تبدل کے ساتھہ اولتا بدلتا رہا۔ اور اوسکے اختیارات مین رفتہ رفتہ وسعت پیدا ہوتی گئی جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اوائل اسلام مین خلفائے راشدین محض اُنہین لوگون کو قاضی کے منصب پر مامور کیا کرتے تھے جو اُنکے عصبہ (رہم خاندان) اہل عرب مین سے ہون یا حلف یا رق (غلامی سے آزاد ہونیکے بعد) یا دیگر وجوہ سے اون کے گھر کے دوست ہون اور وہ اُنپر کفایت اور رشوت لینے سے بے پرواہ ہونیکی بابت کامل اعتبار رکھتے ہون۔ لیکن جب اسلامی خلافت دینی رنگ سے بدلکر سیاسی رنگ مین رنگی گئی اور حکومت کا معاملہ شاہی حالت مین آگیا تو یہ شرط کمزور ہو گئی۔ اسکے بعد حکمرانی کی باگین عجمی النسل لوگون کے ہاتھون مین پہونچ گئین۔ اور رفتہ رفتہ قاضی کے فرایض کم ہوتے ہوتے محض مقدمات کے فیصل کرنے اور شخصی حالات کا فیصلہ کرنے تک ہی محدود رہ گئے۔ اور بعد ازان محض شرعی امور مین شخصی حالات کی بنا پر حکم دینا ہی اُنکا کام باقی رہگیا جس طرح آجکل کے زمانہ مین دیکھا جاتا ہے۔

قاضی لوگ مسجدون مین بیٹھکر لوگونکے معاملات فیصل کیا کرتے تھے۔ اگر شخاصمین اُن کے پاس آتے تو وہ مین بیٹھے ہوئے فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔ علمائے اسلام اور دیگر پرہیزگار مسلمان علم و فہم والے لوگ قضا کے منصب کو دینی پہلو کے لحاظ سے ایک امر دشوار و خطیر سمجھا کرتے تھے۔ کیونکہ اس مین قاضی کے خطا کرنیکی صورت مین جبکہ وہ غلطی سے کسی حقدار پر ظلم کر بیٹھے یا خلاف حق فیصلہ کر دے تو مستوجب مواخذہ ہونیکا ڈر لگا رہتا تھا۔ اسی لئے بہت سے علما اور متقی لوگون نے اس منصب کے قبول کرنیسے انکار کیا تھا۔ جیسا کہ کعب بن یسار کے معاملہ مین دیکھا جا چکا ہے کہ اُنہون نے عمر بن الخطاب کے حکم سے مصر کا قاضی ہونا منظور نہ کیا۔ اور امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ نے خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے فرمان سے جبکہ اُس نے انکو قاضی مقرر کرنا چاہا انکار کر دیا اور کہا "خدا سے ڈر اور اپنی امانت مین اُسی شخص کو حصہ دے جو خدا سے خوف کھانیوالا ہو۔ واللہ مین خداوند پاک کی خوشنودی سے بھی بیخطر نہین ہون۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اُسکے غضب سے بیخوف بنجاؤن؟ اگر کوئی موقعہ ایسا آپڑا کہ خود تمپر حکم دینے کی نوبت آئی پھر تمنے مجھکو یہ دھمکی دی کہ یا تو اپنا حکم بدلدو۔ ورنہ مین تمکو دریاے فرات مین غرق کرا دونگا۔ تو یقین مان لو کہ مین دریا مین ڈوب مرنیکو پسند کرونگا۔ اور تمہارے حاشیہ کے لوگ اس امر کے محتاج ہین کہ

قاضی اُنکی عزت وحرمت کرے۔ مین بیچارہ اس کام کے قابل نہین ہون (لہذا مجھے معاف ہی رکھو) یہ مسلمانون کا قاعدہ تہا کہ جس وقت کوئی قاضی مقرر کرتے تو اُسکو جامع مسجد مین لیجاکر وہان بہت بڑے مجمع کے سامنے وہ فرمان پڑہکر سناتے جو اُس شخص کے تقرر کی نسبت دربار خلافت یا بارگاہ سلطانی سے صادر ہوتا۔

مصر کے قاضی امام شافعیؒ کا مذہب ظاہر ہونیکے وقت سے اسی مذہب کے پابند ہوا کرتے تہے۔ مگر وہان کے قاضی کو یہ اختیار حاصل ہوتا تہا کہ اپنی رائے کے موافق دوسرے مذہبون کے قاضی بطور نائب کے مقرر کرلے۔ چنانچہ ۲۵۸ھ مین قاضی ابواحمد بن افضل نے چار قاضی اپنی نیابت مین متعین کئے تہے۔ اور یہ سب قاضی چار دن مسجدون (حنفیؒ۔ مالکیؒ۔ حنبلیؒ۔ شافعیؒ) کے مطابق علیحدہ علیحدہ فیصلے کیا کرتے تہے۔ اسکے بعد سے یہ قاعدہ "مملوک" (غلام خاندان حکمران مصر) کے ایام مین بھی برتا جاتا رہا۔

قاضی کا وظیفہ (تنخواہ) حکومتون اور زمانون کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتا رہا۔ اس مقام کے علاوہ کسی موقع پر ہم دکھا چکے ہین کہ عمر بن الخطابؓ نے شریحؒ کو بصرہ کا قاضی مقرر کرکے اُنکا وظیفہ سو درم ماہوار نقد اور خرچ خوراک کے لئے کچھ مقدار گیہون کے بورون کی قرار دیا تہا۔ خلفائے راشدین کے عہد مین قاضیون کے وظائف اتنے ہی رہے۔ مگر بنی امیہ کے زمانہ مین اُنکی تنخواہون مین ترقی ہوئی اور صرف انہین کے وظائف نہین بڑہے بلکہ فوجی اور ملکی عہدہ دارونکی تنخواہون مین بہی اضافہ کیا گیا۔ عباسیون کا زمانہ آیا تو قاضی مصر کا مشاہرہ تیس دینار قرار پایا۔ سب سے پہلے جس شخص کو اس قدر تنخواہ ملی وہ قاضی ابن لہیعہؒ تھے جنکو خلیفہ منصور نے مقرر کیا تہا اور جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ پہر خلیفہ مامون الرشید کے عہد مین قاضیونکی تنخواہین بہت بڑہگئین۔ اُن دنون مصر کے قاضی "عطا بن منکدر" کی تنخواہ ۴۰ ہزار درم یا تقریباً ۲۷۰ دینا تھی جو ایک بیش قرار مشاہرہ ہے۔ شاید خلیفہ مذکور نے اتنی زائد تنخواہ کسی خاص غرض سے مقرر کی ہو۔ کیونکہ اسکے علاوہ خلیفہ نے قاضی مذکور کو ہزار دینار اور بھی بطور انعام دیئے تہے۔ اسکے بیس سال سے کچھ عرصہ بعد قاضی مصر کا وظیفہ پہر دوبارہ ایک ہزار دینار سالانہ تک گھٹ گیا۔ اور جس شخص نے سب سے پہلے اس وظیفہ کو منظور کیا وہ "بکار بن قتیبہ" تہا جو احمد بن طولون کے عہد (۲۶۵ھ) مین قاضی مصر مقرر ہوا۔ فاطمی حکومت کے دور مین پہر قاضیون کی تنخواہین بڑہنے لگین۔ اُن دنون مین جو شخص قاضی القضاۃ ہوتا تہا اُسکو علاوہ مصارف خانگی سامان خورونوش اور تحفہ تحائف کے بارہ سو دینار سالانہ ملا کرتے تہے۔ اور یون معلوم ہوتا ہے کہ ایوبی خاندان کے حکمرانون اور اُنکے بعد آنیوالے حکام کے عہد مین یہ وظیفہ اسی حالت پر قائم رہا۔ +

بغداد کے قاضیوں کے وظائف ہمکو معلوم نہیں ہوسکے کہ عباسیون کے زمانہ مین کسقدر ملتے تھے۔ مگر ہم نے یہ ضرور دیکھا کہ قضاء کا عہدہ التزام مین داخل ہوگیا تھا جسکی وجہ سے قاضی لوگ قضاء کی آمدنی کو خلیفہ یا سلطان وقت سے ایک مقدار مال کے سعادنہ مین جو وہ ادا کرتے رہتے تھے ضمانت لیتے تھے۔ پہلا شخص جس نے منصب قضا کی ضمانت کی وہ عبید اللہ بن حسن بن ابی الشوارب تھا۔ اُس نے معز الدولہ بن بویہ کے عہد ۳۵۰ھ مین اسبات کی ضمانت کی تھی کہ بغداد کا قاضی القضاۃ ہونیکی حیثیت سے وہ ہر سال ۲۰۰۰۰ درہم سلطان کو نذر کرتا رہیگا۔ اسکے بعد سے منصب قضاء کی ضمانت کرنا ایک عام بات ہوگئی اور محتسب اور شرطی (پولیس افسر) کی جگہین بھی ضمانت مین دیجانے لگین۔ +

دیوان المظالم یہ عدالت بھی منصب قضا کے ماتحت تھی اور جسکو ہم اجکل "مجلس استئناف" (عدالت اپیل) کہتے ہین اُسکے ساتھ بہت مشابہ تھی۔ اس محکمہ سے اصل غرض یہ تھی کہ لوگون کی جو فریادین قاضیون وغیرہ کے فیصلہ سے ناراضی مین کیجائین۔ اُنکو سنکر داد رسی کیجاسکے۔ اہل عرب زمانہ جاہلیت مین اسبات کی جانب بہت التفات رکھتے تھے اور لوگون کی فریادین سُننے کیلئے باہم مخالفت کرلیتے تھے۔ جیسا کہ اسلام سے پہلے قریش کے گھرانے نے کیا تھا۔ یہ واقعہ اس طرح پر ہوا تھا کہ جس وقت قریش کے گھرانے مین سردارونکی کثرت اور باہم کشمکش اور ایک دوسرے پر غالب آجانیکی کوشش مین زیادتی ہوئی تو اُنکے بطون (گھرانون) نے باہم جمع ہوکر اسبات پر ایک حلف اُٹھایا کہ ظلمون کو روکرین اور ظالم سے مظلوم کا انصاف دلائین۔ اسی حلف کا نام "حلف الفضول" مشہور ہے جو مکہ مین کیا گیا تھا اور اُس وقت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ اس اقرار کا موضوع یہ تھا کہ شہر مکہ مین جس شخص پر ظلم ہوا اُسکا انصاف کرین اور حق دلادین۔ خلفائے اربعہ مین سے کسی نے مظالم (فریادین) سُننے کیلئے کبھی اجلاس نہین کیا۔ اسلئے کہ اسلام کے صدر اول مین لوگونکی یہ حالت تھی کہ خود اُنکو انصاف پسندی حق بات کی جانب کھینچتی تھی یا وعظ و نصیحت اُنکو ظلم سے مانع آتا تھا۔ مگر علی رضؓ کو اس قسم کا اجلاس کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔ کہ وہ زبردست لوگون کے ظلمون پر خیال کرین۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ اس کام کی نوعیت اُس زمانہ مین ایسی نہ تھی جیسی اُنکے بعد ہوگئی۔ علاوہ اسکے یہ بات بھی تھی کہ انہون نے فریادین سُننے کیلئے کوئی دن یا گھنٹہ مقرر نہین کیا تھا۔ بلکہ جس وقت کوئی شخص فریاد لیکر آجاتا فوراً اُسکا انصاف کردیتے تھے۔ مگر زمانہ مابعد مین فریادیون کی باتین سُننے اور اُنکے قصون کا تصفیہ کرنیکے لئے ایک خاص دن مقرر کردیا گیا جس شخص نے سب سے پہلے اس قسم کا تعین کیا وہ عبد الملک بن مروان اموی تھا لیکن اُسکی حالت

یہ تھی کہ جس وقت اس کام مین اُسے کوئی مشکل پیش آجاتی اور یہ ضرورت پڑتی کہ کسی کو اُس معاملہ مین حکم بنائے تو وہ مقدمہ اپنے قاضی "ابن ادریس ازدی" کے سپرد کر دیا کرتا تھا گویا کہ ابن ادریس کام کرتا تھا اور عبدالملک صرف حکم سنا دیا کرتا۔ اور جس شخص نے پہلے پہل بذات خاص لوگون کی فریادین سُننے کا کام انجام دیا وہ مشہور عادل خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اموی تھے۔ اُنکے بعد سے عباسی حکومت کے آغاز تک پھر یہ دستور متروک رہا۔ البتہ فرمانروایان بنو عباس نے اسکو دوبارہ جاری کیا چنانچہ عباسیون مین سے ابتداً خلیفہ مہدی۔ پھر خلیفہ ہادی پھر رشید اور اسکے بعد مامون۔ نے سماعت مظالم کیلئے اجلاس کئے اور عباسی خاندان مین سب سے آخر مین جس حکمران نے یہ فرض انجام دیا وہ مہتدی باللہ محمد بن الواثق تھا۔ خلفاء اس اجلاس مین بڑے بڑے معزز لوگون مثلاً گورنرون اور عاملون اور خراج وصول کرنیوالون کے ماتحت سے عام رعایا پر جو زیادتیان ہوجاتی تھین اُنکی شکایتین سُنکر انصاف کیا کرتے تھے۔ ایسے لوگون مین جنکی شکایت خلفاء کے پاس کیجاتی تھی۔ دفتر دنکے عملہ والے اور خود خلفاء کی اولاد بھی داخل تھی۔ یہ لوگ عام رعایا کے وظایف جاری کرنے مین اُنکو فق کرتے یا زبردستی کسی کا مال اڑا لیتے۔ زمین غصب کر لیتے۔ تو وہ مظلوم شخص خلیفہ کے پاس جاکر فریادی ہوتا تھا۔ قاضی لوگ معاملات کا فیصلہ کرنے مین کسی قسم کی زیادتی یا کمی سے کام لیتے تو اسکا مرافعہ بھی خلفاء کے حضور مین کیا جاتا۔ یا جو شخص خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا کسی پر ظلم کرتا تو ان سبھون کی فریادین دربار خلافت مین پیش ہوتی تھین اور اُنپر مناسب منصفانہ احکام صادر ہوتے تھے۔ اس بات پر نظر کرنیسے خیال کیا جاسکتا ہے کہ دیوان المظالم کا دائرہ عدالت اپیل کی حدود سے بہت زیادہ وسیع تھا اور اس عدالت کی طاقت وقوت سب سے بالاتر تھی۔ نیز اسکے احکام بہت جلد نافذ ہوجاتے تھے۔ اس طرح سے جن استغاثون کو سُنا گیا ہے اور لوگون کی دادرسی کیگئی ہے اُسکی ایک مثال خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اموی کا یہ قصہ ہے کہ وہ ایک دن نماز پڑھنے کو جارہے تھے یکایک راہ مین ایک یمن کا رہنے والا شخص اُنکے روبرو آکر فریادی ہوا۔ خلیفہ نے دریافت کیا کہ "تجھکو کیا شکایت ہے؟" اُس نے عرض کی "ولید بن عبدالملک نے میری ارانہی غصب کر لی ہے" عمر بن عبدالعزیز نے یہ سُنتے ہی حکم دیا "مراجم سے کہو کہ وہ صوافی کا رجسٹر میرے پاس لے آئے" رجسٹر مین دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اُس مین لکھا ہے "عبداللہ بن ولید بن عبدالملک نے فلان شخص کی زمین ضبط کر لی ہے" یہ بات معلوم کرکے خلیفہ نے حکم دیا کہ "اس ضبطی کو دفتر سے نکالدو اور ولید بن عبدالملک کو فرمان لکھدو کہ اسکی ارانہی اسے واپس دینے کے علاوہ جو اسکا وظیفہ مقرر تھا اُسے دُگنا کردے" ✣

مامون کا ذکر ہے کہ وہ شنبہ کے دن دربار عدالت منعقد کیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ اسی دربار سے اُٹھکر چلا ہی تھا کہ ایک عورت میلے کچیلے کپڑے پہنے اُسکو ملی اور فریاد کرنے لگی کہ آپکے فرزند عباس نے مجھپر ظلم کیا ہے خلیفہ نے اپنے بیٹے کو اُسکے برابر کھڑا کرکے اُسکا انصاف کر دیا اور اوسکی شکایت دور کردی۔ خلیفہ مہتدی کے بعد عباسی خلفا میں سے پہر کسی خلیفہ نے بذات خاص مظالم کا فیصلہ کرنیکے لئے اجلاس نہین کیا بلکہ اکثر یہ خدمت اپنے وزرا کے حوالے کر دیا کرتے تھے جس طرح مامون نے اپنے وزیر یحیی بن اکثم کو اور معتصم نے احمد بن ابی داؤد کو یہ خدمت سپرد کر دی تھی۔ اور اسکے بعد جب کہ عباسی خلفا پر سلاطین کا غلبہ ہوگیا تو وہ لوگ اس کام کو انجام دینے لگے۔

ملک مصر میں جس شخص نے سب سے پہلے مظالم کے بارہ میں نظر کی وہ احمد بن طولون تھا۔ جبکہ وہ ۲۵۴ھ میں مصر کا مستقل حکمران بنگیا تو ہفتہ میں دو دن اس غرض کیلئے دربار کیا کرتا تھا۔ احمد بن طولون کے بعد اُسکے جانشین حکمرانوں نے اس فرض کے ادا کرنیوالے عہدہ دار مامور کئے یہانتک کہ فاطمی خاندان کے حکمرانوں نے ملک مصر کو فتح کرلیا اور شہر "قاہرہ" تعمیر کرایا۔ "قاہرہ" کی تعمیر کے بعد فاطمی خاندان کے حکام بہت سرگرمی سے اس صیغہ کیجانب متوجہ ہے۔ اُن میں سے پہلا حاکم جس نے یہ کام انجام دیا وہ فاطمیون کا مشہور جنرل "جوہر" فاتح مصر تھا۔ وہ فریادیون کی درخواستون پر خاص اپنے ہاتھ سے حکم لکھتا اور دستخط کیا کرتا تھا۔ مگر جوہر کے بعد والے خلفا نے یہ خدمت قاضی القضاۃ یا بعض اور بڑے بڑے ملکی عہدہ داروں کے سپرد کرنی شروع کر دی۔ فاطمیون کی حکومت کمزور ہوئیں جب ایوبی سلطان کے وزیر لوگ حکومت کے کاروبار میں خودسری برتنے لگے۔ تو مظالم کا صیغہ بھی اُنہین کے قابو میں آگیا چنانچہ اس بارہ میں فاطمی خاندان کے وزیرون میں سے "امیر الجیوش" بہت مشہور گزرا ہے۔ وہ بذات خاص ہفتہ کے ہفتہ کے لئے اجلاس کرتا تھا اور اُسکے بعد آنیوالے جانشینون نے بھی اُسی کی پیروی کی۔ اُن وزیرون کا دستور تھا کہ دربار کے دروازہ پر ایک منادی مقرر کر دیتے جو آواز دیا کرتا تھا کہ "فریادیو! چلو اور اپنی درخواستین گزرانو"۔ صدا سنکر وہ لوگ حاضر ہوجاتے اور وزیر اُنکے ساتھ انصاف کیجانیکا حکم دیدیتا تھا۔

دارالعدل

حکومت مصر جب ایوبی سلاطین کے گھرانے مین آئی تو اُنہون نے سماعت مظالم کے لئے ایک خاص مکان بنوادیا۔ اور اُسکا نام "دارالعدل" رکھا۔ ایوبی سلاطین سے پہلے دمشق کے حکمران ملک عادل نورالدین زنگی نے بھی ایک ایسی قسم کا دارالعدل بنوایا تھا اور یہ سلطان بھی ہفتہ میں دو دن کی طرح کردی تھا دیا تھا۔ ایوبی سلاطین دارالعدل میں صرف مظلومون کی داد رسی کی غرض سے اجلاس کیا کرتے تھے۔

غلام سلاطین بھی ایوبیون کے بعد اسی طریقہ پر چلتے رہے۔ ایوبی خاندان کے حکمرانون اور غلام خاندان کے سلطانون کو لوگون کا اذعان کرنے مین بہت بڑی توجہ تھی وہ لوگ اپنے اُس اجلاس کا بھی بہت احترام کرتے تھے جسمین داد رسی کے لئے جلوس فرماتے۔ تخت سلطنت کو خالی چھوڑ کر اُسی کے برابر ایک کرسی پر جلوس فرما ہوتے تاکہ اُن کے پیر زمین سے ملے رہین۔ چار دن بہبون کے قاضی القضاۃ اُنکے داہنے ہاتھ کی جانب بیٹھتے اور بیت المال کا وکیل یا اور لوگ جو دوسرے عہدہ پر مامور ہوتے اور حرس (سنتریون کا دستہ) اور خاص درباری لوگ سلطان کے روبرو استادہ ہوتے۔ انہین لوگون مین وہ شخص بھی ہوتا جو دادخواہون کی عرضیان پڑھکر سلطان کو سُناتا جاتا۔ اور سلطان قاضیون اور فوجی سردارون سے جس چیز مین کچھ کہنا سُننا ہوتا۔ کہتا سُنتا۔ اور آخر مین اپنی رائے سے فیصلہ کر دیتا۔

مسلمان سلاطین اور امرا اور اپنی رعایا کے مظالم سُننے مین نہایت توجہ کیا کرتے تھے اور انکی شکایتون کے رفعدا مین پوری کوشش سے کام لیتے خواہ انکے اپنے ہی بیٹون نے لوگون پر ظلم کیا ہو۔ اسلامی تاریخ مین ایسے واقعات کی بہت سی مثالین موجود ہین۔ رعایا کو بھی اس بات کی عادت پڑگئی تھی کہ مقررہ دنون مین اپنی شکایتین اپنے خلفاء اور سلاطین کے حضور مین گزرانین۔ وہ لوگ اسے ایک ضروری فرض خیال کرتے تھے۔ اسی لئے اگر ایک دن یا کئی دن تک خلیفہ اجلاس عدالت نہ کرتا تو وہ رنجیدہ اور بد دل ہو جاتے تھے۔ بعض خلفاء کا یہ طریقہ تھا کہ وہ شکایتون کی سماعت کو کئی حصون مین تقسیم کر دیتے تھے۔ کوئی فوجی لوگون کی شکایتین سُننے کے لئے مخصوص ہوتا۔ اور کوئی عاملون کی بداطواریان معلوم کرنیکے لئے۔ علی ہذا ہر صیغہ کے افسرون کی شکایتین باری باری سُنی جاتی تھین۔

حسبہ یہ بھی ایک دینی خدمت اور قضا کی اقسام مین سے ہے۔ صیغہ حسبہ کا عہدہ دار یعنی محتسب نامشروع باتون اور حرام چیزون کا سُراغ لگایا کرتا تھا اور انکے مرتکبون اور استعمال کرنے والون کو واجبی سزا اور تنبیہہ کیا کرتا تھا۔ محتسب کا ایک فرض یہ بھی تھا کہ اہل شہر کو عام مصلحتون کا پابند بنائے مثلاً راستون کے تنگ کرنیسے لوگون کو روکے اور جہازون اور مزدورون پر زیادہ بوجھ لادنے سے منع کرے۔ جن لوگون کے مکانات گرنے کے قریب ہوگئے ہون اُنکو ہدایت کرے کہ وہ بنظر حفظ ماتقدم اُن مکانونکو منہدم کر دین تاکہ راستہ چلنے والونکو اُنکے اچانک گرنے سے کوئی ضرر نہ پہونچے۔ اگر مکتبون کے معلم شاگردونکو بہت مارین تو اُنکے ہاتھون پر لکڑیان لگائے۔ محتسب کو کھوٹی چیزون کے بیچنے اور ضروریات زندگی کے

ذرہ ملاوٹ کرنے والوں پر ناقص پیمانہ سے دینے والوں کو سزا دینے کا بھی حق تھا۔ وہ باٹوں اور پیمانوں کو بھی جانچتا رہتا تھا۔ غرضکہ جو امور آجکل (میونسپلٹی) کے فرائض میں داخل ہیں وہ سب محتسب کو حاصل تھے۔ جن باتوں کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ عمل تو وہ قاضی کے فرائض میں داخل ہیں چنانچہ ہیں لیکن ان پر قاضی کی بذات خود ایسی باتوں کی تلاش و جستجو سے بچانے کے لئے یہ ایک مستقل عہدہ نکال دیا تھا۔ اسکے علاوہ اکثر حالتوں میں جبکہ ملک مصر میں بنی فاطمہ کی سلطنت تھی تو یہ عہدہ بھی قضاء کے اعمال میں داخل ہو چکا تھا۔ اور اندلس کے اموی حکمرانوں نے بھی یہی طریقہ برتا تھا۔ مگر جبکہ سلطان کا منصب خلافت سے علیحدہ ہو گیا اور انتظامی معاملات کی عام نگرانی اسکے قابو میں آگئی تو یہ محتسب کا وظیفہ ولایت (گورنری) کی خدمات میں داخل ہو گیا۔

محتسب کا عہدہ کسی مسلمان وجیہہ شخص کے سوا اور کو نہ ملتا تھا۔ کیونکہ یہ ایک دینی خدمت تھی۔ صیغہ احتساب کا افسر تمام اطراف ملک میں اور صوبوں میں اپنی جانب سے نائبوں کا تقرر کیا کرتا تھا اور اوسکا اجلاس جامع مسجد میں ہر روز ہوا کرتا تھا۔ اُسکے نائب پیشہ وروں اور تاجروں کے مکان گشت لگایا کرتے تھے۔ جو محتسب کہ ملک مصر میں تھا وہ ایک ایک دن باری باری قاہرہ اور فسطاط کی جامع مسجدوں میں اجلاس کرتا اور اپنے نائبوں کو ہر گلی کوچے میں اس غرض سے بھیجا کرتا تھا کہ وہ گوشت اور یکی ہوئی چیزوں کی جانچ کریں۔ باربرداری کے جانور رکھنے والوں کی نگرانی کریں کہ وہ اپنے بے زبان خادموں پر انکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادنے پائیں۔ سقوں کو حکم دیں کہ وہ اپنی مشکوں کو تھیلوں سے ڈھانک کر رکھیں۔ نیز سقوں کے واسطے ایک پیمانہ بھی مقرر تھا جسکی مقدار (۲۴) ڈول تھی۔ اور ہر ڈول چالیس رطل کا ہوتا تھا۔ انکو یہ بھی حکم تھا کہ نیلے رنگ کے چھوٹے چھوٹے پاجامے پہنا کریں جو اونکے ستر عورت کو بخوبی چھپائے رہیں۔ یہی محتسب کے نائب مکاتب کے اُستادوں کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ بچوں کو سخت سزائے جسمانی نہ دیں۔ اور انہیں اس طرح نہ ماریں کہ کہیں سیاہ چوٹ لگنے سے وہ مر جانیکے قریب ہو جائیں۔ اسی طرح عام معلموں کو بھی حکم سنا دیا جاتا تھا کہ وہ بچوں کو ذرا احتیاط سے سزا دیا کریں۔ جو شخص بدمعاملہ ہوتا اُسکو بدی سے روکتے اور باٹوں اور پیمانوں کو جانچتے۔ محتسب کو کسوٹی گھر میں بھی جانچ کرنیکا اختیار رہتا تھا۔

اُندلس میں اس عہدہ کا نام "حظۃ الاحتساب" تھا۔ اور اسکا متولی ایک قاضی ہوتا تھا۔ اس ملک میں دستور تھا کہ جو قاضی محتسب ہوتا وہ خود سوار ہو کر بازاروں میں گزرتا اُسکے ماتحت سپاہی ہمراہ ہوتے اور ایک سپاہی کے ہاتھ میں درہ ترازو ہتی جس سے بازاری ٹٹیوں کا کم و بیش وزن جانچا جاتا تھا۔ اسی طرح گوشت کا بہاؤ بھی ایک کاغذ پر لکھا رہتا تھا۔ قصاب کی مجال کیا تھی کہ مقررہ نرخ سے کم و بیش دے سکے

اگر وہ بددیانتی کرتا تو چپ نہ رہ سکتی تھی۔ کیونکہ محتسب کسی چھوٹے بچہ کو قصاب کے پاس گوشت خریدنے بھیجتا اور جب وہ گوشت لے آتا تو اُسے تولکر دیکھتا کہ کم تو نہیں دیا۔ اگر کم نکلتا تو اسی پر اندازہ کر لیتا کہ گاہکوں سے یہ ایسا ہی معاملہ کرتا ہوگا۔ محتسب لوگوں کے احتساب کے اوضاع میں کچھ خاص قوانین بھی تھے جنکو وہ اُسی طرح پڑھتے اور مشق کرتے تھے جس طرح فقہا احکام فقہ کا درس دیتے ہیں۔

شرطہ یعنی (پولیس) شرطہ کا محکمہ بھی اصل میں فقہا کے تابع تھا کیونکہ اس شرطہ سے مراد یہ تھی کہ قاضیوں کے احکام نافذ کئے جائیں۔ ثبوت جرایم سے پہلے عبرت کے لئے سزاؤں کا تقرر۔ اور جو شخص جرائم کے ارتکاب سے باز نہ رہے اُسے سزا دینا یا تادیب کرنا وغیرہ بھی اسی صیغہ کے ذریعہ سے عمل میں آسکے۔ اس لحاظ سے شرطہ کا محکمہ قضا کا خادم تھا اور ملزموں پر جرم ثابت کرنے میں قاضی کی امداد کیا کرتا اور حکومت کو اُسکے احکام نافذ کرنے میں مدد دیتا تھا۔ شرطہ کا افسر زنا۔ اور استعمال مسکرات پر حد شرعی بھی قایم کیا کرتا تھا اور اسکے علاوہ بہت سے ایسے امور شرعی کو بھی انجام دیا کرتا تھا جنکے لئے قاضی کا اجلاس کھلا رہتا تھا۔ اسکے بعد عباسی۔ اُندلس کی اُموی۔ اور مصر کی فاطمی حکومتوں میں جرائم کی سماعت اور اُنکا فیصلہ اور حدود شرعی کا اجرا محکمہ شرطہ کے افسر کا فرض قرار پاکر قاضی کے حدود اختیارات سے نکال لیا گیا۔ اور اس منصب کو بڑے بڑے سرداروں اور خاصہ کے لوگوں میں سے ذی عزت اشخاص کیلئے مخصوص کر دیا گیا۔ اُندلس میں شرطہ کی دو شاخیں کر دی گئی تھیں۔ شرطہ صغریٰ۔ اور شرطہ کبریٰ۔ شرطہ کبریٰ کا محکمہ خاص لوگوں۔ سرداران قوم اور اہل مراتب سلطانی کے حلقہ میں اپنے اختیارات برتتا تھا۔ اور استغاثوں میں شاہی خاندان کے لوگوں اور ذی مرتبہ نوابوں اور امیروں کو گرفتار کرنا۔ سزا دینا اسی محکمہ کے سپرد تھا۔ شرطہ صغریٰ۔ عام رعایا اور معمولی لوگوں کے معاملات کا نگران رہتا تھا۔ شرطہ کبریٰ کے اعلیٰ افسر کے لئے سلطانی دربار کے دروازہ پر کرسی بچھتی تھی۔ اور اسکے ماتحت لوگ بھی وہیں اُسکے روبرو اپنے اپنے قرینہ سے بیٹھتے تھے۔ اور بلا اُسکے حکم کے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ اس افسر کی ولایت (عہدہ) وزارت یا حجابت کا ایک زیور خیال کیجاتی تھی۔

مملکت اُندلس میں صاحب الشرطہ کا نام حاکم شہر یا صاحب اللیل بھی تھا۔ سلاطین کے عہد حکومت میں صاحب شرطہ کو "والی" اور افریقیہ کی گورنمنٹوں میں "حاکم" کہتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ شرطہ کا وجود عہدۂ قضا کے ساتھ ساتھ تھا۔ مگر بنی امیہ کے عہد حکومت میں وہ ایک علیحدہ صیغہ یا ممتاز عہدہ بنگیا۔ اس سے قبل وہ قضا کے ماتحت تھا۔ +

دیوان الانشار

کتابت ایام جاہلیت مین بہت تہوڑے اہل عرب لکھنے سے واقفیت رکھتے تہے۔ اُنکی کتابت عربی حروف مین نہ ہوتی تہی جو اندنون مروج ہین۔ بلکہ وہ عبرانی خط مین لکھتے تہے۔ جسے اُنہون نے آداب معاشرت وغیرہ کے سلسلہ مین اہل یہود سے اقتباس کرلیا تہا جس شخص نے عبرانی خط مین عربی عبارت تحریر کی۔ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زوجہ بی بی خدیجہؓ کا مامون زاد بہائی ورقہ بن نوفل تہا۔ یا بعض اہل عرب نبطی خط مین لکھتے تہے۔ جسے اُنہون نے اُن نبطیون سے سیکہا تہا جو پہلی دوسری عیسوی صدیون مین رومن قوم کے ظلم سے دق ہوکر ملک عرب مین بہاگ آئے اور آباد ہوگئے تہے۔ ہمارے خیال مین یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ موجودہ عربی خط اُس نبطی خط سے نکلا ہے جسکی نقل ہمنے اس کتاب کے شروع مین دی ہے اُس خط اور عربی خط نسخ کی طرز دانداز مین ایک قسم کا تشابہ بھی پایا جاتا ہے۔ کوفی خط کی نسبت معلوم ہوتا ہے کہ وہ وسط بطیلی یہ طرز تحریر سے نکلا ہے جو سریانی اور کلدانی۔ اقوام عراق اپنی تحریر مین استعمال کیا کرتی تہین۔ اہل عرب نے جس وقت شروع مین اُس خط کو اپنی لغت کی تحریر مین استعمال کیا تو اُسکی کشش اور روش مین کچہہ تبدیلی پیدا ہوگئی اور رفتہ رفتہ اُسکی یہ صورت ہوگئی جو آج موجود ہے۔ ہمارے اس قول کی تائید یون اور بہی ہوجائیگی کہ وہ ملک عراق کا خط ہے اور اُسکا یہ نام اسلام کے بعد پیدا ہوا ہے کیونکہ کوفہ اُن شہرون مین سے ایک مشہور شہر ہے جنکو مسلمانون نے ملک عراق مین بسایا ہے۔ جب مذہب اسلام کا ظہور ہوا ہے اُن دنون عربی خط مین لکھنے والے بہت تہوڑے آدمی تہے اور وہ سب نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے صحابی تہے۔ اُن مین عمرؓ بن الخطاب علی بن ابی طالبؓ۔ طلحہؓ۔ عثمانؓ۔ ابوسفیانؓ اور اُنکے دونون بیٹے معاویہؓ اور یزید وغیرہ سب شامل ہین۔ علیؓ عثمانؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ اور عبداللہ بن ارقم اُن لوگون مین سے تہے جنہون نے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین محرری کا کام انجام دیا ہے کیونکہ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے لکہا پڑہا کچہہ نہ تہا۔ ان ہی لوگون نے اُن کے حکم سے قرآن شریف کی سورتین اور وہ خطوط تحریر کئے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہان روئے زمین کے نام دعوت اسلام کی غرض سے ارسال فرمائے تہے۔ بعض وہ اصحاب جو لکھنے سے واقف تہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ضرورتون مین محرری کا کام کرتے تہے۔ اور بعض لوگ اہل مدینہ کے خطوط وحسابات تحریر کیا کرتے تہے

کچھ لوگ اس قسم کے تھے جو قوم کے بانیون اور قبیلون اور انصار کے گھرانون کے مردون اور عورتون مین کتابت کرتے رہتے تھے۔ ابوبکرؓ کی خلافت ہوئی تو عثمان بن عفانؓ انکے منشی تھے۔ اور عاملون اور فوج کے سرداروں کو خطوط لکھا کرتے تھے۔ اسی وقت سے محرری بھی مناصب حکومت مین سے ایک ایسا منصب ہوگیا جو کسی حالت مین بغیر رہوئے نہ رہتا تھا۔ عمرؓ کے دور خلافت کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے انکے کاتب (میر منشی) زید بن ثابتؓ رہے۔ اور انکے بعد اور اور لوگ۔ پھر جب شہر فتح اور دفاتر مرتب ہوگئے تو عمرؓ نے ہر ایک ولایت مین ایک ایک محرر مقرر فرما دیا جو اس ولایت کے دفتر مین تحریر کا کام کیا کرتا تھا۔ ابتدا مین یہہ محرر فوجی دفتر اور بیت المال کا حساب لکھا کرتے تھے۔ عثمانؓ اور علیؓ کے عہد تک جنکے بعد سے خلفاء راشدین کی خلافت کا خاتمہ ہوگیا ایک ہی محرر ہوا کرتا تھا جو فوجی عطیات کا حساب دفترون مین درج کرتا اور انکے نام رجسٹرون مین مرتب کہتا اور اسکے ساتھ ہی خطوط و فرامین بھی لکھا کرتا تھا۔ اور بعض اوقات دو بھی ہوگئے جن مین سے ایک شخص بیت المال کا حساب لکھنے پر مامور ہوتا تھا۔ خلافت کا عہدہ بنوامیہ کے قابو مین آیا اور کاروبار حکومت بڑھے لوگا تبون کی تعداد مین بھی اضافہ ہوا۔ اور کتابت کی پانچ قسمین بنگئین۔ ۱۔ عاملون۔ امیرون اور بادشاہون وغیرہ کے نام خطوط اور فرمان لکھنے والا منشی۔ ۲۔ محرر خراج جو خراج کے داخل خارج کا حساب مرتب کہتا تھا۔ ۳۔ فوجی دفتر کا محرر۔ اسکا فرض یہہ تھا کہ فوجی سپاہیون کے نام انکے چہرے مہرے (حلئے) انکے درجے اور انکی تنخواہین یا وظیفے اور اسطرح کے اخراجات سب لکھا کرتا تھا۔ ۴۔ محکمہ شرطہ کا محرر۔ یہ عقود (اقرارنامون) اور خون بہاؤن وغیرہ کے معاہدون کی بیانات لکھتا تھا۔ ۵۔ قاضی کا محرر جو شرطون اور احکام کو قلمبند کیا کرتا تھا۔

دیوان الانشاء جسکو ہم آجکل کے سکریٹریٹ دفتر سے مشابہ کہہ سکتے ہین۔ اس مین قریبن متعدد اقسام کے کاتب (انشاپرداز منشی) ملازم رہتے تھے۔ شاہی خطون اور فرمانون کا لکھنے والا سب سے مقدم ہوتا تھا اور اسکو کاتب السر (رازدانون) بھی کہتے تھے۔ یہ شخص خلیفہ کا دست و بازو اسکا پرائیویٹ سکریٹری اور اسکے اہم رازون کا امانتدار رہتا تھا جس طرح ابی بکر صدیقؓ کے میر منشی عمرؓ تھے۔ اور عمرؓ کے کاتب السر عثمانؓ تھے۔ اسلام کے ابتدائی دور مین خلفاء نے اس منصب کے نازک فرایض کو ملحوظ رکھکر اسے سوا اپنے مخصوص لوگون یا نہایت قریبی عزیزون کے کسی اور شخص کے حوالہ نہین کیا۔ اور بنی عباس کے عہد تک اس امر کا خیال برابر قایم رہا۔ ابتدائی حکومت مین بنو عباس کے کاتب خلیفہ سے اجازت لینے یا اسکے احکام کو مناسب طرز سے لکھنے مین خیانت برتنے لگے تھے۔ اسلئے آگے چلکر خلفاء عباسیہ نے یہ خدمت ہی وزیرون کے سپرد کردی مگر

وزیر اپنے ہاتھ سے رقعے اور خطوط نہیں لکھتا تھا بلکہ وہ اُنپر صرف دستخط کر دیا کرتا تھا جس طرح آجکل پرائیویٹ سکریٹری کیا کرتا ہے اور وزیر دستخط کر دیتا ہے۔ عباسی خلفا کے وزیروں میں سب سے پہلے جس شخص نے فرمانوں اور خطوں پر دستخط کئے وہ یحییٰ برمکی تھا جب خلیفہ رشید نے تمام کاروبار حکومت اُسکے قبضہ اختیار میں دیدیئے تو جس وقت کوئی شخص کوئی درخواست پیش کرتا یحییٰ اُسپر حکم لکھدیتا اور یحییٰ کے بعد جس قدر وزیر ہوئے وہ سب تحریر اور توقیعات پر حکم لکھتے تھے اور یہ عہدہ کہ کوئی وزیر علیحدہ طور پر صرف "دیوان الرسائل" یا "دیوان الانشاء" کا عہدہ رکھتا ہو

بنی عباس کے اخیر عہد حکومت میں کتابت کا ایک مستقل عہدہ ہوگیا اور وزیروں کے علاوہ اس صیغہ کا ایک جداگانہ افسر معین ہونے لگا۔ یہ عہدہ دارِ خلافت ہی میں رہتے اور "دیوان الانشاء" کے محرر کہلاتے تھے۔ انکا افسر "صاحب دیوان الانشاء" یا صاحب "دیوان الانشاء" یا کاتب السر کہلاتا تھا۔ اور اُسے "دیوان العزیز" بھی کہتے تھے یہی افسر خلیفہ کی جانب سے ہمعصر شاہانِ ممالک غیر کے نام خطوط لکھا کرتا تھا جسکی نظیر اندنوں میں "نظارت خارجیہ" یا "بابعالی" سے دوائر حکومت اسلامیہ میں آجکل توقیع سے دستخط مراد لیجاتی ہے۔ مگر خلفاء کے عہد میں اس سے وہ عبارت

توقیع

مفہوم ہوتی تھی جو خلفاء درخواستوں یا استغاثوں پر اپنے قلم سے لکھا کرتے تھے جو کسی امر کی طلب یا شکایت سے متعلق انکے حضور میں پیش ہوا کرتے تھے خلیفہ اُن کاغذوں پر کوئی ایسی عبارت لکھدیا کرتا جسکا اجرا لازم ہوتا یا جو مضمون درخواست کا جواب ہوتی جسکی مثال میں ہم مصری حکومت کی "تاشیرہ" یا "تسلیم" کو پیش کر سکتے ہیں۔ توقیع دیوان الانشاء کے افسر کا خاص فرض تھا۔ یا وہ شخص اس کام کو انجام دیتا تھا جو خصوصی طور پر اسکے لئے مامور ہوتا۔ فصل مقدمات کے وقت اور مجالس فرمانروائی میں کاتب (منشی) ہمیشہ خلیفہ یا سلطان کے روبرو حاضر رہتا تھا۔ اور خلیفہ عرضداشتوں اور رقعوں کو دیکھکر اُسے اس غرض سے دیدیتا جاتا تھا کہ وہ اُنپر توقیع احکام تحریر کرتا جائے۔ اور منشی اپنے امکان بھر نہایت بلیغ عبارتوں میں اُنپر احکام لکھتا جاتا تھا توقیعوں کے واسطے اہل بلاغت اور اُستادانِ سخن کی کوئی عمدہ کتاب بطور نمونہ مقرر ہوتی تھی جس سے عبارت کا مقابلہ اور اُسکی درستی یا نادرستی کا اندازہ کیا جاتا تھا جعفر برمکی کا قاعدہ تھا کہ وہ خلیفہ رشید عباسی کے حضور میں پیش ہونیوالے نام درخواستوں پر توقیع کرتا۔ اور اونکو اونکے پیش کرنیوالوں کی طرف پھینکتا جاتا تھا۔ اور باوجود اس قدر عجلت کے جواب دینے کے اُسکی توقیع کی عبارتیں اسالیب بلاغت اور تحصیل فنون میں بڑے بڑے بلیغ لوگوں کو نیچا دکھاتی تھیں یہانتک کہ اُن عبارتوں کی وجہ سے لوگوں کا بیان ہے کہ جعفر کی توقیع کی ہوئی درخواستیں ایک ایک دینار کو بکا کرتی تھیں۔

صدر اسلام مین خلفا بذات خاص درخواستون اور استفتاؤن پر توقیع کیا کرتے تھے یا اپنے منشیون کو اُن کے مکمل اور مرتب کرنیکا حکم دیتے تھے۔ اُنکی توقیعات مین اکثر تو کسی آیت۔ حدیث یا مشہور حکمت کا اقتباس ہوتا تھا ورنہ کوئی ایسا شعر جسکے معانی حکمت آمیز ہون۔ اسکی ایک مثال یہ ہے کہ "سعید بن ابی وقاص" عراق کے عامل نے عمر بن الخطاب رض کو ایک تحریر اس غرض سے بھیجی کہ اُن سے ایک مکان بنوانیکی اجازت لے۔ عمر رض نے اُسی تحریر کے نیچے یون جواب لکھدیا۔ "ابن مایکنك من الھواجر واذی المطر" یعنی ایسا مکان بنالو جو گرمی مینہ اور آندھی وغیرہ کی تکلیفون سے پناہ دیسکے۔ نیز عمر رض نے اپنے عامل عمرو بن العاص کو جو حاکم مصر تھے اُن کے ایک خط کے جواب مین یون لکھا تھا "کن لرعیتك کما تحب ان یکون لك امیرك" یعنی اپنی رعیت کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرو جیسا کہ اپنے امیر سے اپنے واسطے چاہتے ہو۔ کچھ لوگون نے عثمان بن عفان رض سے مروان بن حکم کے کسی حکم پر شکایت کی۔ عثمان رض نے اس درخواست پر تحریر فرمایا "فان عصوك فقل انی بری مما تعملون" یعنی پھر بھی اگر وہ لوگ تیری بات نہ مانین تو اُنسے کہدے کہ مین تنہا ذمہ معاملہ سے الگ ہون۔ اور اسکے بعد وہ درخواست مروان کے پاس بھجوادی۔ حضرت علی بن ابیطالب رض کی توقیعین مشہور ہین جن مین سے ایک عبارت یہ ہے جو اُنہون نے اپنے فرزند "حسن رض" کے خط کے جواب مین لکھی تھی "رأی شیخ خیر من جلد غلام" یعنی ایک بڈھے کی رائے نوجوان لڑکے کی جوانمردی سے بہتر ہے۔ ایکبار سلمان فارسی رض نے علی رض کو لکھکر دریافت کیا کہ قیامت مین لوگون سے حساب کیونکر لیا جائیگا؟ علی رض نے اُسی رقعہ پر لکھدیا "یحاسبون کما یرزقون" (جیسے رزق دیا جاتا ہے ایسے ہی حساب لیا جائیگا) معاویہ بن ابی سفیان رض کی توقیعین حسب ذیل ہین۔ عبداللہ بن عامر نے امیر معاویہ سے بذریعہ تحریر درخواست کی کہ وہ اُنکے لئے "طائف" کی آمدنی مین سے کچھ مال مدد خرچ کو مقرر کردین۔ معاویہ رض نے اُسی کاغذ پر یہ حکم لکھدیا "عش رجبا ترعجبا" (یعنی رجب تک زندہ رہو تو پھر نتیجہ دیکھ لوگے)۔ زیاد بن ابیہ نے معاویہ رض کو اس امر کی اطلاع دی کہ "عبداللہ بن عباس رض" تمہاری خلافت مین طعنہ زنی کرتے ہین اور اسکو بُرا سمجھتے ہین۔ اسکے جواب مین معاویہ رض نے یون لکھا "ان اباسفیان وابا الفضل کانا فی الجاھلیۃ فی مسلاخ واحد وذلك حلف لا یجعله سوء رایك" (یعنی ابوسفیان اور ابوالفضل زمانہ جاہلیت مین ہم مشرب تھے اور یہ ایک ایسی قسم ہے جسے تمہاری بدخیالی نہین توڑ سکتی)۔ عبدالملک بن مروان نے اُس تحریر پر جو حجاج بن یوسف عامل عراق نے اُسے بھیجی تھی اور اُس مین یہ لکھا تھا کہ اہل عراق بہت سرکشی کرتے ہین اگر اجازت ہو تو اُن کے چند اشراف کو قتل کر دیا جائے۔ یہ جواب لکھا تھا "ان من یمن السائس ان یتالف بہ المختلفون ومن شؤم

ان یختلف المؤتلفون" (سیاست والے کی برکت یہ ہے کہ وہ پراگندہ (جماعت) کو اکٹھا کر دے۔ اور اسکی بدقسمتی یہ ہے کہ اکٹھوں کو علیحدہ علیحدہ کر دے) اور ایک خط میں جو "اشعث" کے نام آیا تھا (اشعث وہ شخص تھا جو عبدالملک سے بغاوت پر آمادہ تھا) یہ لکھا۔

"فما بال من اسعی لاجبر عظمه + حفاظاً ویثنی من سفاهته کسری"

(یعنی اُس شخص کا کیا حال ہے جو جبراً اپنی عظمت و عزت کا خواہاں ہو۔ حالانکہ کسریٰ شاہ فارس اپنی سفاہت کے باعث اوس سے دم دباتا ہوا)

قتیبہ بن مسلم نے سلیمان بن عبدالملک کو خلافت سے معزول کر دینے کی دھمکی لکھی تو سلیمان نے اُسی تحریر پر یوں لکھدیا۔ "زعم الفرزدق ان سیقتل مربعاً + فابشر بطول سلامة یا مربع"

(یعنی کیا فرزدق نے یہ گمان کیا ہے کہ مربع قتل کیا جائیگا لیکن تو مربع کی سلامتی کی خوشخبری دے کہ اسکی نیک عادت کے باعث کوئی اوسے قتل نہیں کر سکتا۔) اور جبکہ قتیبہ نے دوبارہ اُسے دھمکی آمیز تحریر بھیجی تو اوسکے اوپر یہ عبارت لکھدی۔ "وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدهم شیئاً" (یعنی اگر تم صبر و تقویٰ سے کام لو تو انکے فریب تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔) عمر بن عبدالعزیز کے کسی عامل نے انکو ایک عرضداشت بھیجی جس میں ایک شہر کی مرمت کے لئے اجازت طلب کی تھی۔ اُس درخواست کے آخر میں عمر بن عبدالعزیز نے حسب ذیل توقیع لکھی۔ "ابنها بالعدل ونق طرقها من الظلم" (یعنی شہر کی مرمت عدل سے کرو اور اسکے رستوں کو ظلم سے پاک صاف کر دو۔) عمر بن عبدالعزیز کے عامل نے جو ملک عراق پر مامور تھا انکو اس بات کی شکایت لکھی کہ میرے ملک کے باشندے سرکشی کرتے ہیں۔ اسکا جواب یہ دیا۔ "ارضهم بما ترضی لنفسك وخذ بحجزهم بعد ذلك" (یعنی تو انکے لئے انہیں باتوں میں راضی ہو جن باتوں میں تو اپنے لئے راضی ہوتا ہے اور اسکے بعد جبراً ہم انکی گرفت کر۔) عمر بن عبدالعزیز کی توقیعیں بکثرت تھیں۔ یزید بن عبدالملک نے ایک شخص کے رقعہ پر جس نے اُسکے کسی عامل کی شکایت کی تھی لکھا تھا:۔

"وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون" (یعنی جن لوگوں نے ظلم کئے ہیں انہیں عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ کیسی جگہ انکو لوٹ کر جانا ہے۔)

بنو عباس کی توقیعات کے نمونے ہم ذیل میں دکھاتے ہیں:۔

شہر "انبار" کے کچھ لوگوں نے خلیفہ سفاح عباسی کی خدمت میں اس بات کی شکایت لکھی کہ انکے مکانات چھینکر اُس عمارت میں داخل کر دیئے گئے ہیں جسکی تعمیر کا حکم خلیفہ نے دیا ہے۔ اور انکو ان مکانوں کی قیمتیں ابھی تک نہیں دیگئی ہیں

اس درخواست پر "سفاح" نے حسب ذیل توقیع لکھی تھی :- "ھذا بناء اسس علی غیر تقوی" یعنی یہ ایسی عمارت ہے جسکی بنیاد پرہیزگاری پر نہیں رکھی گئی ہے۔ اور حکم دیا کہ اون لوگون کے مکانات کی تنتیش دیدی جائین۔ کوفہ کے لوگون نے ابوجعفر منصور خلیفہ عباسی سے اپنے عامل کی بدمعاملگی کا شکوہ کیا منصور نے اونکی عرضداشت پر لکھدیا "کما تکونوا یؤمر علیکم" (جیسے تم ہوگے ویسی ہی تم پر حکومت ہوگی) اور ایک شخص کی درخواست پر جس نے ناداری و افلاس کی شکایت کی تھی یہ لکھا "سل اللہ من رزقہ" (خدا سے رزق مانگ) منصور کے پاس اُس کے ایک عامل کا خط آیا جو خمس کا متعین تھا اُس خط مین کہین کچھہ لکھنے مین غلطی ہوگئی تھی منصور نے اوسکے نیچے یہ عبارت لکھدی "استبدل بکاتبک الا استبدل بک" (اپنے محرر کو بدلدے ورنہ مین تجھہ بدل دونگا) آرمینیا کے حاکم نے خلیفہ مہدی کو اپنی رعایا کی سرکشی کی شکایت لکھی مہدی نے اُسی عرضداشت پر لکھدیا "خذ العفو وأمر بالعرف واعرض عن الجاھلین" (عفو خو اختیار کر امر بالمعروف کرتا رہ اور جاہلون سے روگردانی کر) کچھہ لوگون نے مہدی سے اس بات کی شکایت کی کہ اسکا وہ عامل جو خراسان مین ہے کام مین سستی کیا کرتا ہے۔ مہدی نے اُن لوگون کے شکایت نامہ پر لکھدیا۔ "انا اساھر وانت نائم" (یعنی مین جاگتا ہون اور تو سوتا ہے) اور اُسے اُس عامل کے پاس بھیجدیا۔ ہارون الرشید عباسی نے اپنے عامل خراسان کو لکھا تھا "داوجرحک لا تتعہ" (اپنے زخم کی دوا کر کہ پڑھنے نہ پائے) اور عامل مصر کو لکھا "احذران تخرب خزانتی وخزانۃ اخی یوسف فیاتیک منہ مالا قبل لک بہ ومن اللہ الکثیر منہ" (خبردار کہین یہ نہ ہو اور میرے بھائی یوسف کا خزانہ برباد نہ کر ڈالے ورنہ ایسی طرح تجھہ سے وہ کچھہ لیگا جواب تک نہین ملا تھا۔ اور اللہ تعالی سے اور بھی زیادہ ملیگا) ابن ہشام نے ہارون الرشید خلیفہ کو کسی معاملہ کی شکایت لکھی جسپر ہارون نے تحریر کیا "من علامۃ الشریف ان یظلم من فوقہ ویظلم من دونہ فای الرجلین انت" (شریف کی ایک علامت یہ ہے کہ ظالم بنے اس طرح پر کہ زبردست پر ظلم کرے۔ یا مظلوم بنے اس طرح پر کہ زبردست کا ظلم سہے) پس تو ان دونون شخصون مین سے کونسا ہے؟) اسی نمونہ پر خلفا کی تمام توقیعات کو قیاس کر لینا چاہیئے۔

اسکے علاوہ توقیع کا دستور صرف خلفاء کے واسطے مخصوص نہ تھا۔ بلکہ امیرون اور بڑے بڑے لوگون مین بھی اسکا رواج تھا جسمین زیادہ بن ابیہ۔ ابی مسلم خراسانی۔ اور جعفر بن یحیی برمکی۔ آخرالذکر کی توقیعات بلاغت کے اعتبار سے بہت مشہور اور مقبول ہوتی تھین جسکا اوپر بیان ہوچکا ہے۔ اُس نے ایک قیدی کی درخواست پر لکھا تھا "ولکل اجل کتاب"

اور ایک عرضداشت پر جو کسی عامل کی شکایت میں گذری لکھا تھا "لقد کثر شاکیک وقل شاکروک فاما اعتدلت واما اعتزلت" (یعنی تیرے شاکی بہت ہیں اور شکر گذار کم پس یا تو تو اعتدال اختیار کر ورنہ معزول کر دیا جائیگا)۔ اور ایک شخص کے رقعہ پر جس نے سفر حج کی اجازت مانگی تھی یہ لکھا "من سافر فی اللہ افلح" (جو اللہ کیطرف سفر کرے وہ نجات پائیگا) اور ایک شخص کی درخواست پر جو کسی ولایت (گورنری) کا خواہشمند تھا لکھا "لا اولی بعض الظالمین بعضاً" (میں ظالموں کو ظالموں پر ولی نہیں بنانا چاہتا) اور ایک شخص کو یہ جواب لکھا تھا جبکہ وہ بار بار اُس سے بہت کچھ انعام و عطیات لے چکا تھا اور پھر اُس نے طلب کیا "دع الضرع یدر لغیرک کما درّ لک" (جب تو نے فایدہ اُٹھایا ہے دوسروں کو بھی اُٹھانے دے) اور بھی بہت سی قابل تدریعبارتیں ہیں جنکا بیان علاوہ طوالت کے مناسب مقام بھی نہیں ہے۔ اور فضل بن سہل اور طاہر بن حسین وغیرہ کی بھی اسی طرح کی توقیعات موجود ہیں۔

اہل عرب (سلمانوں) کو مراسلات لکھتے وقت اختصار کرنیکے بارہ میں عجیب تسمح کا شوق تھا جو بلاغت کے لیئے ایک قابل تقلید امر ہے۔ اسکی مثال عمر بن الخطاب رض کی وہ تحریر ہے جو اُنہوں نے اہل مدینہ کے قحط سے تنگ آجانے پر گیہوں اور غلہ کی امداد طلب کرنے کے واسطے عمرو بن العاص عامل مصر کو لکھی تھی۔ اُنہوں نے لکھا۔ "من عبد اللہ امیر المومنین الی العاصی بن العاصی سلام اما بعد فلعمری یا عمرو ما تبالی اذا شبعت انت ومن معك ان اهلك اذا ومن معی فیاغوثاه ثم یاغوثاه" (عبد اللہ امیر المومنین کیجانب سے عاصی بن عاصی کو بعد سلام واضح ہو کہ مجھے قسم ہے اپنی زندگی کی اے عمرو کہ تو اور تیرے ساتھی تو شکم سیر ہوں اور میں اور میرے ساتھی جو تیرے اہل ہیں بھوکے رہیں! فریاد! فریاد!) عمرو بن العاص نے اسکا جواب یوں دیا۔ "لعبد اللہ امیر المومنین من عبد اللہ عمرو بن العاص اما بعد لبیك لبیك ثم لبیك قد بعثت الیك بعیر اولها عندك وآخرها عندی والسلام" (خدا کے بندے امیر المومنین عمرو بن عاص کیجانب سے ہم نے تیری فریاد سنی اور تیری طرف ایک قافلہ اونٹوں کا بھیجا ہے جسکا ایک سرا تیرے پاس ہے اور دوسرا ہمارے پاس ہے) اسکی بہت سی مثالیں اُن کے مراسلات میں پائی جاتی ہیں جو ادب کی کتابوں میں تلاش کرنے سے ملیں گی۔

انشا کا یہ طریقہ صرف اُنکے اور اُنکے عاملوں کے مابین ہونے والی خط و کتابت ہی پر منحصر نہ تھا بلکہ تمام لوگوں سے مراسلت رکھنے میں وہ اسی انداز کے پابند رہتے تھے۔ اسکی مثال میں ہارون الرشید خلیفہ کا وہ جواب پیش کرنا

کافی ہے جو اُس نے نقفور (نیسوفورس) رومی شاہنشاہ کو دیا تھا۔ نیسفور کو رنے خلیفہ مُوصوف کے نام ایک نامہ بھیجکر اُسے دھمکی دی تھی اور مطالبہ کیا تھا کہ مجھ سے پہلے جو ملکہ (ایپرس) روم کی حکمران تھی اُس سے جس قدر خراج تمنے وصول کیا ہے وہ مجھکو واپس بھیجدو۔ ورنہ تمہاری خیر نہین۔ خلیفہ رشید اس خط کو پڑھتے ہی غصہ سے کانپنے لگا۔ اور جوش غضب مین آپے سے باہر ہوکر قلم دوات اُٹھا اسی خط کی پُشت پر لکھا: "بسم اللہ الرحمن الرحیم من ھرون امیر المومنین الی نقفور کلب الروم قد قرأت کتابک یا ابن الکافرۃ والجواب ما تراہ لا ما تسمعہ" (بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ امیر المومنین ہارون کیجانب سے روم کے کُتے نقفور کے نام۔ اے کافرہ کے بچے مینے تیرے خط کو پڑھا۔ اور تیری باتون کا جواب یہی ہے جو تو دیکھتا ہے۔ نہ کہ وہ جو تو نے سُنا ہوگا۔) ایسا ہی بلکہ اس سے بھی مختصر جواب مراکش کے حکمران یوسف بن تاشفین نے افرنج تاجدار "اذفونش" کو دیا تھا کیونکہ اُس نے ایک طویل تحریر مین اُسے بہت کچھ ڈرایا دھمکایا تھا۔ ملک یوسف نے خط پڑھنے کے بعد اُسکی پُشت پر لکھدیا "الذی یکون ستراہ" یعنی جو کچھ ہونیوالا ہے وہ خود تم بہت جلد دیکھ لوگے۔

خلفاء کی مکاتبت

خلفاء کی خط و کتابت مین جن قواعد کا لحاظ رکھا جاتا تھا اُن مین سے ایک اہم امر یہ تھا کہ وہ لوگ اپنے مخاطب کا ذکر کرنے سے قبل ابتدا اپنے ذکر کے ساتھ کرتے تھے۔ اور جو لوگ اُن کے کاتب ہوتے اُنپر فرض ہوتا تھا کہ اس بات کا خوب خیال رکھین۔ اسکا نمونہ اُن تحریرون مین دکھایا جا چکا ہے جو خلیفہ عمر بن الخطابؓ اور عمرو بن العاصؓ عامل مصر کے مابین ہوئین۔ گویا کہ اس قاعدہ سے خلاف ورزی ناقابل معافی گناہ تھا۔ جن اسباب نے منصور عباسی کو ابی مسلم خراسانی کے قتل پر آمادہ کیا۔ بحالیکہ عباسی حکومت جس قدر اُسکی زیر بار احسان تھی وہ لوگون سے مخفی نہین۔ پھر بھی منجملہ اُور اُمور کے ایک یہ بات بھی تھی کہ ایک مرتبہ اُس نے خلیفہ منصور کو عرضداشت لکھتے ہوئے پہلے اپنا ذکر کر دیا تھا۔ اسیلئے اگر بعض مراسلون مین اس قاعدے کے خلاف صورت نظر آتی ہو تو اُسے کتاب لکھنے والون کا سہو سمجھنا چاہیئے۔

بنو بویہ کے اختیارات بڑھنے کے زمانہ تک یہی حالت قایم رہی۔ مگر جب ان لوگون کی قوت زیادہ ہوجانے سے یہ لوگ خلافت کے کاروبار مین دخیل ہوچلے اور خلفاء کو دبانے اور مسلوب الاختیارات بنانے لگے تو اُس وقت سے خلفاء نے حجاب مین رہنا شروع کر دیا۔ اور اب اُن کی طرف سے سوا فرمان حکومت اور سند سلطنت کے جو دیگر ممالک کے فاتح لوگون اور حکمرانون کے نام دربار خلافت سے عطا ہوتی تھی اُور کوئی چیز نہ بھیجی جاتی تھی خط و کتابت کے اکثر شعبے وزیرون کے حوالہ ہوگئے۔ اور اب یہ صورت قایم ہوگئی کہ جس وقت خلیفہ کے ذکر کی

ضرورت پڑتی تو "مواقف المقدسہ۔ مقامات الشریفہ۔ سدۃ النبویہ۔ دار العزیزۃ۔ اور المحل المجد وغیرہ الفاظ سے کنایۃً انکا ذکر کردیا جاتا تھا۔ مواقف کے لفظ سے وہ جگہیں مراد ہوتی تھیں جن مین خلیفہ ٹھہرتا تھا یا کھڑا ہوتا۔ اسکے بعد امیرون اور وزیرون کے لئے مجلس عالی الحضرۃ السامیہ۔ ایسے ہی اور تعظیمی الفاظ کا رواج ہوگیا۔

اشارہ یا رمز

مسلمانون نے مکاتبات مین جو تفنن کئے ہین منجملہ اُن کے ایک بات یہ تھی کہ صرف ایک حرف کے ذریعہ سے کسی بڑی عبارت کیجانب اشارہ کیا کرتے تھے۔ جیسا واقعہ کہ سلطان محمود ابن سبکتگین غزنوی کو پیش آیا۔ اس سلطان نے مستقل سلطنت قایم کرنے کے بعد خلیفۂ بغداد کو ایک نامہ لکھا جس مین اسبات کی آرزو ظاہر کی کہ خلیفہ اُسکے نام کو خطبہ مین داخل کرکے پڑھے۔ اور سکون پر بھی اُسکا نام مضروب کرائے۔ خلیفہ اس بات سے منکر ہوا تو محمود نے طیش مین آکر اُسکو ایک خط لکھا جسمین بہت دھمکیان دی تھین منجملہ اور باتون کے ایک یہ بات بھی لکھی تھی کہ "اگر مین ارادہ کرون کہ بغداد کے پتھرون کو ہاتھیون پر لادکر غزنی مین لے آؤن تو یہ کام کرسکتا ہون"۔ خلیفہ نے اس طویل الذیل تحریر کے جواب مین جو خط بھیجا وہ محمود کے سامنے آکر کھولا گیا۔ محمود اسبات کو دیکھکر سخت حیرت زدہ رہگیا کہ خط مین کوئی عبارت نہین لکھی صرف شروع مین بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے اُسکے بعد ایک الف ممدودہ (آ) اور خط کے بیچون بیچ مین لام (ل) اور آخر مین میم (م) تحریر ہے۔ اور اسکے بعد صلوٰۃ وحمد خدا ہے۔ سلطان اور اُسکی مجلس کے لوگ بہت حیران ہوئے۔ اور اس تحریر کا کچھ مطلب نہ سمجھ سکے۔ یہان تک کہ علامہ ابو بکر قہستانی جو اُس زمانہ کا بڑا ذیعلم شخص تھا اور محمود کے دربار کی زینت دربار مین داخل ہوا اور اُس نے دیر تک خط کو غور سے دیکھکر آخر کار اُسکا مطلب پالیا۔ ابو بکر نے سلطان سے کہا "مین اسکا مطلب جانتا ہون"۔ سلطان نے حکم دیا "بیان کرو اور اسکے صلے مین تم جو مانگو گے ملیگا"۔ ابو بکر نے کہا "میں نے خلیفہ کو جو تحریر لکھی تھی اُس مین اُس کو دھمکی دی تھی کہ مین تیرے ہاتھی لے کر فوجکشی کرونگا۔ اُسکے جواب مین خلیفہ نے یہ خط لکھا ہے۔ اور اُس مین الف لام۔ میم تحریر ہے ان حروف مقطعات سے اُس نے خداوند پاک کے ارشاد "اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ الآیۃ" کی جانب اشارہ کیا ہے۔ سلطان اس بات کو سنکر کانپ گیا اور اسے بدفالی خیال کرکے اپنی حرکت پر نادم ہوگیا۔ اور اسکے بعد حسن سلوک کے سوا کبھی کوئی بدخیال خلیفہ کی بابت دل مین نہ لایا۔

اسی قبیل کی ایک اور حکایت بھی ہے جو "سدید الملک علی بن مقلد" حاکم قلعہ شیزر کو پیش آئی تھی۔ یہ شخص نہایت دلیر جنگجو۔ اور فطانت مین مشہور۔ پانچوین صدی ہجری کے وسط مین گزرا ہے۔ شخص مذکور قلعہ شیزر کا

مالک ہونے سے قبل حلب کو بہت آیا جایا کرتا تھا۔ اُن دنوں حلب کا والی تاج الملوک محمد بن صالح تھا۔ اتفاقاً سدید الملک اور تاج الملوک کے مابین کوئی ایسی بات آپڑی جسکی وجہ سے اول الذکر آخر الذکر کی جانب سے خائف ہوگیا اور اسی خوف میں طرابلس شام کی جانب نکل گیا۔ اُس زمانہ میں طرابلس کا حکمران جلال الملک بن عمار تھا۔ سدید الملک اُسکے یہاں مقیم ہوگیا۔ تاج الملوک کو یہ خبر ملی تو اُس نے کسی حیلہ سے سدید الملک کو اپنے ہاں بلالیا اور اُسکے ساتھ فریب کرنے کا قصد دل میں کرکے اپنے کاتب ابی النصر محمد بن الحسین کو اشارہ کیا کہ سدید الملک کو ایک شوقیہ خط جس میں اُس سے ملنے اور اُسکے اپنی جانب مائل کرنے پر زور دیا گیا ہو لکھ کر اُسے یہاں بلائے۔ ابو النصر اصل غرض کو سمجھ گیا اور اُسے معلوم ہوگیا کہ خط کیوں لکھا جاتا ہے۔ چونکہ وہ سدید الملک کا دلی دوست تھا اسلئے وہ دل سے تو خواہاں تھا کہ سدید الملک یہاں نہ آئے مگر حکم سے انکار بھی نہ کرسکتا تھا خط لکھنا ضروری تھا۔ بہرحال اُس نے تاج الملوک کے حکم کی تعمیل کی۔ اور جیسا مضمون اُس نے بتایا تھا ویسا ہی خط لکھکر تیار کردیا یہاں تک کہ جب وہ لکھتے لکھتے ایک مقام پر "انشاء اللہ تعالیٰ" کے فقرہ تک پہنچا تو اُس نے نون کو تشدید اور فتحہ دیکر "انّ" بنادیا۔ اور خط روانہ کردیا۔ سدید الملک کو خط پہنچا تو اُس نے پڑھکر اُسے ابن عمار حاکم طرابلس کی خدمت میں پیش کیا اُس وقت دربار لگا ہوا تھا۔ ابن عمار اور اُسکے خواص نے خط کی عبارت بہت پسند کی اور تاج الملوک کا وہ شوق جو اُس نے سدید الملک سے ملنے اور اُسے تقرب سے سرفراز کرنے کی بابت ظاہر کیا تھا عظمت کی نگاہ سے دیکھا۔ سدید الملک نے اُن لوگوں کی بات سنکر کہا۔ میں تو اس خط میں ایک ایسی بات دیکھتا ہوں جو علو ہمت کو نظر نہیں آتی۔ اسکے بعد سدید الملک نے موقعے اور مناسبت کا لحاظ کرکے خط کا جواب لکھدیا۔ اور جہاں کہیں کہ باتیں لکھی تھیں ایک فقرہ یہ بھی تحریر کیا "انا لاطرام المقترحة بالفعام" اور "انّ" کے نون کو کسرہ اور نون کو تشدید و فتحہ دیدیا جسکی وجہ سے یہ لفظ "اِنّ" ہوگیا۔ جب یہ خط تاج الملوک کے پاس پہونچا اور ابو النصر کاتب اُسپر واقف ہوگیا تو اُسے بہت مسرت ہوئی اُس نے اپنے دوستوں سے تذکرہ کیا۔ کہ "مجھکو یہ بات معلوم ہوگئی کہ میری تحریر سدید الملک کی سمجھ میں آگئی" ابو النصر نے "انّ" کے نون کو مشدد بنانا اُس سے آیۃ "اِنّ الملأ یأتمرون بک لیقتلوک" کی جانب اشارہ کرنے کا قصد کیا تھا جسکو جواب میں سدید الملک نے اُسے نون "انّا" کو مشدد اور ہمزہ کو مکسور کرکے "اِنّا" لکھا اور اس سے اس آیۃ "انّ الذین عند ربک" کی طرف اشارت کردی۔

[illegible] کی ایک اور مثال وہ تحریر ہے جو عضد الدولہ بن بویہ نے "ابی منصور نقتکین" والی

دمشق کو بھیجی تھی رانتکین نے عضد الدولہ کو لکھ بھیجا تھا کہ "شام کا ملک دشمنوں سے صاف ہو چکا۔ اور میرے قبضہ میں آگیا۔ حکمران مصر کا اب یہاں کوئی اثر باقی نہیں رہا ہے۔ اور اگر تم مال اور سامان سے مجھکو مدد دو گے تو میں دشمنوں سے خاص اُن کے ملک میں جاکر لڑنے کے لئے مستعد ہو لگا" عضد الدولہ نے اس خط کا جواب ایسے متشابہ الفاظ کلموں میں لکھا جو بلا نقطہ دیئے اور منضبط کرنے کے پڑھے نہ جا سکتے تھے۔ اور اُس تحریر کا نمونہ یہ ہے "غرك عزك فصار تصار ذلك ذاك فاخش فاحش ذلك نحلك بهذا تهذا۔ الخ" عضد الدولہ کی اس قسم کی تحریر سے مراد یہ تھی کہ مبادا یہ خط کسی غیر کے ہاتھ میں جا پڑے۔ اور وہ اصل مدعا پر واقف ہو جائے۔ انتکین اُسکے مدعا کو سمجھکر اُسپر عمل پیرا ہوا +

تحریر کے آلات اور سامان

اہل عرب قلم سے [illegible] ہیں۔ باقی [illegible] کو باریک پیکر کا جل سا نچل لیتے تھے جس میں کوئی چکنائی والی شے مثل گوند وغیرہ کے ملا دیتے تھے۔



کاغذ کے متعلق سب سے قدیم چیز جسکو اہل عرب نے آغاز اسلام سے لکھنے میں استعمال کیا وہ "رق" یعنی باریک پتلی کھالوں کے ٹکڑے تھے۔ اور اسکے علاوہ کپڑا بھی لکھنے کے جن میں سب سے زیادہ مشہور ملک مصر کا بنا ہوا قباطی نام ایک کپڑا تھا۔ اور سوتی کپڑے پر اسلام سے قبل معلقات سبعہ لکھے گئے تھے۔ اور جب مذکورہ بالا چیزوں کا لکھنا دشوار ہوتا تھا تو وہ لوگ لکڑی کے تختوں۔ چوڑی ہڈیوں۔ ٹھیکریوں یا پتھروں وغیرہ پر بھی لکھ لیا کرتے تھے۔

جب مسلمانوں نے ملک مصر کو فتح کیا تو اُنہوں نے "بردی" (پاپیروس) کو تحریر کے مصرف میں [illegible] پایا

۱؎ اہل عرب کی زبان آوری مشہور ہے۔ اسلام سے قبل اُن کے نزدیک مخزونات کی صرف دو چیزیں تھیں تلوار اور زبان۔ شعرائے عرب جو قصاید نظم کرتے تھے اور اُن کے بے مثل ہونے کا فیصلہ ہوتا تھا وہ قصیدے لکھکر خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیئے جاتے تھے۔ ظہور اسلام کے وقت تک سات قصیدے مشہور شاعروں کے لٹکائے جا چکے تھے۔ اور وہی قصائد معلقات سبعہ کے نام سے مشہور ہیں۔ +

چنانچہ اموی خاندان والون کی اکثر تحریرین پاپیروس اور قباطی پر لکھی گئی ہین۔ قاہرہ مین خدیوی کتب خانہ کے اندر کچھ آثار عربی خط مین لکھے ہوئے موجود ہین جو قطر مصری کے بعض اطراف مین دستیاب ہوئے ہین۔ ان مین ہم نے ایک صفحہ پاپیروس کا اور ایک قطعہ قباطی کا دیکھا ہے۔ اگرچہ یہ پرچے پرانے ہونیکے باعث جابجا سے گل گئے ہین تاہم لکھائی اُنپر صاف ظاہر ہے۔ اسکے علاوہ ہمنے "فخار" کا بھی ایک قطعہ دیکھا جسپر عربی کتابہ موجود ہے۔ ان سب کتابون مین قدیم سے قدیم تحریر بھی پہلی صدی ہجری کے آخری زمانہ سے قبل کی نہین ہے۔ اور یہ سب خدیوی کتبخانہ کے بڑے ہال مین لوگون کے دیکھنے کے لئے لگی ہوئی ہین۔



(عربی تحریر کپڑے پر دوسری صدی ہجری کے اوائل مین لکھی ہوئی)

چنانچہ اکتیسوین شکل مین ایک عربی خط دکھایا گیا ہے جسکی بابت گمان ہے کہ دوسری صدی ہجری کے آغاز مین لکھا گیا تھا۔ یہ عبارت کپڑے پر لکھی گئی ہے اور لندن کے برطانی عجائب خانہ مین محفوظ رکھی ہے۔ +

عباسی حکومت کا دور شروع ہونے کے بعد اہل عرب نے کاغذ کا استعمال شروع کیا۔ فضل بن یحییٰ برمکی نے اسکی جانب رہنمائی کی اور مسلمانون نے کاغذسازی کو رواج دیا۔ گمان غالب یہ ہے کہ اہل عرب نے کاغذ بنانے مین چینیون کی شاگردی کی ہے۔ کیونکہ چینی لوگ ولادت مسیح سے قبل کاغذ کی ساخت مین اُستادی کے پایہ پر پہنچ گئے اور مشہور ہو چکے تھے۔ اور یہ صناعت اُن کے ملک مین پھیلی ہوئی تھی۔ مسلمانون نے سمرقند کا شہر فتح کیا تو وہان کے لوگون سے یہ ہنر سیکھا۔ لیکن اسکے فروغ دینے اور کام مین لانے کی طرف عباسی عہد حکومت

مین متوجہ ہوئے۔ اور وہ بھی اُس وقت جبکہ خطوط مراسلات۔ اور اقرار نامون وغیرہ کے لکھنے کی کثرت سے کہانوکا دستیاب ہونا مشکل ہوگیا۔ ایسے وقت مین فضل برمکی نے کاغذ بنانے کا حکم نافذ کیا اور مسلمانون نے بغداد اور شام وغیرہ مقامات پر اسکے کارخانے کھولدیئے جو کہ اُن دنون اسلامی حکومت کے پایہ تخت تھے۔ کاغذ بنانے کی صناعت کو دنیا مین پھیلانے کے متعلق مسلمان لوگ اگر یکتائی کا دعوٰی کرین تو زیبا ہے۔ اسلئے کہ ان کے سوا اور کوئی ذریعہ ایسا نہین معلوم ہوتا جس نے اس دستکاری کو رواج دیا ہو۔ اور نیز اس بات سے بھی اسکا پتہ چلتا ہے کہ جس وقت وسطی صدیون مین اہل یورپ غفلت کی گہری نیند سے بیدار ہوئے۔ تو اُنہون نے ملک شام کا بنا ہوا کاغذ استعمال کیا جسکا نام اُنکی زبان مین (Charta Damascena) تھا کاغذ بنانے کی صنعت یورپ مین اندلس (سپین) کے راستہ سے داخل ہوئی۔ کیونکہ شاطبہ بلنسیہ اور طلیطلہ وغیرہ مقامات مین کاغذسازی کے بڑے بڑے اسلامی کارخانے موجود تھے۔ چنانچہ جب اُندلس کا ملک افرنجی لوگون کے قبضۂ تصرف مین آیا تو اُنہون نے اُن کارخانون کو قایم رکھا اور اسکے بعد یہ صنعت سپین سے تمام یوروپین ملکون مین پھیلتی گئی۔ عربی خط مین کاغذ پر لکھی ہوئی چیزون کا سب سے قدیم نمونہ کتاب "غریب الحدیث" کا ایک نسخہ ہے جو لیڈن کے "کتبۂ جامعہ" مین محفوظ ہے۔ اور گمان کیا جاتا ہے کہ وہ تیسری صدی ہجری کے آغاز مین لکھا گیا تھا۔ اور ایک کتاب "دیوان الادب" برٹش میوزیم لنڈن کے کتب خانہ مین پائی جاتی ہے جو چوتھی صدی ہجری کے شروع مین لکھی گئی ہے۔ ✦

حجابت۔

اسلامی حکومتون کے حاجب سے وہ عہدہ دار مراد ہے جسکو آجکل "تشریفاتی" سے تعبیر کرتے ہین اور تشریفاتی اُسے کہتے ہین جو امرا۔ بادشاہ۔ یا شاہنشاہ و سلطانون کے حضور مین لوگون کی حاضری کی اجازت حاصل کرتا۔ اور بعد اجازت اُنہین دربار مین لاکر پیش کرتا ہے۔ شاہی ہیبت کو محفوظ رکھنے کے لئے اس عہدہ دار کا ہونا لازمی ہے۔ جس جس طرح سے حکومت مدنیت اور عیش و عشرت مین ڈوبتی جاتی ہے۔ اُسی طرح رفتہ رفتہ اُسکے بادشاہ اور رعایا کے مابین گہرے پردے قایم ہوتے جاتے ہین۔ خلفائے راشدین کا دستور تھا کہ اُن کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے رہتے تھے۔ وہ فقیر اور مالدار سے کمزور اور زبردست سے یکسان بلا کسی

حجاب یا وقت کے گفتگو کیا کرتے تھے۔

مگر جبکہ خلافت کا سلسلہ ملکداری سے بدل گیا تو جو نئی باتیں آئین حکومت مین داخل ہوئین منجملہ اُن کے ایک بات حجابت مین دقتین پیدا کرنا اور لوگون کو خلفاء کے حضور مین درجون مرتبون اور خاندانون اور نسبون کے اعتبار سے بار ملنا بھی تھا۔ سب سے پہلے جس خلیفہ نے اس بات کا خیال قایم کیا وہ امیر معاویہ بن ابی سفیان تھے انکو زیاد بن ابیہ انکے مشیر خاص نے اس طرف توجہ دلائی تھی اُنکے وقت مین صرف اس قدر امتیاز قایم ہوا تھا کہ خلیفہ کے دربار مین سب سے پہلے اہل بیوتات یعنی بڑے عالی نسب لوگون کو بار ملتا تھا۔ اور جب بار یاب ہونے والونکے نسب برابر ہوتے تو عمر کو فضیلت دیا کرتے تھے۔ اور سن و سال کی برابری مین علم و ادب کو مابہ الامتیاز ٹھہراتے تھے۔ مگر اسکے ساتھ ہی چار شخصون کو عام حکم تھا کہ وہ جس وقت چاہین خلیفہ کے پاس چلے آئین۔ وہ چار شخص حسب ذیل تھے :-

(۱) مؤذن - (۲) رات کو گشت کرنے والا افسر جو کہ عام محافظت کا ذمہ وار تھا - (۳) سرحدی افسر کا قاصد اور (۴) خون سالار (کہانا کھلانیوالا شخص جو خلیفہ کو کھانا دیتا تھا)۔ چنانچہ اسی امر کی تشریح زیاد کے اُس قول سے بھی ہوتی ہے جو اُس نے اپنے حاجب سے کہا تھا۔ اور وہ یہ ہے "مینے تجکو اپنے حاجب کی خدمت حوالہ کی ہے۔ مگر چار شخصون پر تجھے کوئی اختیار نہین۔ ایک تو نماز اور فلاح مین خدا کی طرف پکارنے والا اسکو میرے پاس آنے سے نہ روکنا۔ تجھکو اُسپر کوئی حق نہین۔ اور دوسرے رات کے گشت کرنیوالے کو بھی نہ روکنا۔ کیونکہ ضرور وہ کوئی بری خبر لیکر آیا ہوگا۔ اگر اچھی خبر ہوتی تو ایسے وقت مین نہ آتا۔ اور تیسرے سرحدی قاصد کو نہ روکنا کیونکہ اُسکو مجھ تک نے مین ایک ساعت کی دیر لگنے سے ایک سال کا کام بگڑ جائے گا۔ لہذا اگر مین اپنے لحاف مین بھی ہون تو اُسے میرے پاس بھیجدینا۔ اور چوتھے داروغہ مطبخ کو نہ روکنا۔ کیونکہ جس وقت کھانے کو دوبارہ گرم کیا جاتا ہے تو وہ بگڑ جاتا ہے"

بنی عباس کی حکومت آئی اور اُسکو ترقی ہوتے ہوتے مشہور عظمت و کامرانی کا درجہ نصیب ہوا تو اُن لوگون نے عام رعایا کے خلیفہ سے ملنے جلنے مین اور بھی زیادہ روک ٹوک کی۔ البتہ جب کوئی سخت حاجت یا ضروری کام ہوتا تو اسکی دوسری بات تھی۔ ابن خلدون نے اس حجاب کا نام "حجاب ثانی" رکھا ہے۔ بنو عباس کے عہد مین رعایا اور خلیفہ کے مابین دو دربار قایم ہوگئے۔ ایک تو دربار خاص اور دوسرا دربار عام۔ ہر ایک گروہ حاجب کی رائے اور تجویز کے مطابق ایک دربار مین خلیفہ کی حضوری کا شرف پاتا تھا۔ بنو عباس اپنی حکومت

کمزور ہونیکی حالت مین ایک تیسرا حجاب بھی اختیار کیا تھا جو پہلے دونون حجابون کی نسبت کہین زیادہ پائدار اور گہرا تھا۔ یہ حجاب صرف اسی صورت مین ہوتا تھا جبکہ خلیفہ پر وزیرون (سلطانون) کی جانب سے دباؤ زیادہ پڑنے لگتا تھا اور وہ گویا ایک طرح سے قیدی یا نظر بند کر دیئے جاتے تھے۔ اسکی صورت یہ تھی کہ جس وقت ارکان دولت خاندان خلافت کے چھوٹے چھوٹے بچون کو خلیفہ بنا کر اُنپر دباؤ ڈالے رکھنا چاہتے تھے تو سب سے پہلے اس بات کا انتظام کرتے تھے کہ اُن کے خاندان والے اور اُن کے اولیاء اُن سے ملنے نہ پائین اور اپنی اس غرض کو مخفی رکھنے کے لیے اِن کم فہم خلفاء کو یہ پٹی پڑھا دیتے تھے کہ اُن لوگون سے ملنے جلنے مین ہیبت خلافت زایل ہو جائیگی اور اُن کے مؤدب رہنے کی عادت جاتی رہے گی۔ یہ حالت عباسی دور حکومت کے اخیر مین پیدا ہو گئی تھی اور قاعدہ کی بات ہے کہ ہر سلطنت کے آخری زمانہ مین جب اُسکے قوی کمزور ہو جاتے ہین تو ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ ٭

نقابت

نقابۃ جو اشراف کی نقابت ہوتی تھی اُسکا نام نقابت اشراف اسلئے رکھا تھا کہ اسکو اشراف مسلمانون کے ساتھ تعلق تھا جو کہ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اہلبیت سمجھے جاتے ہین۔ یہ بات یون تھی کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کنبہ اوائل اسلام مین اسوجہ سے کہ اُنکا زمانہ نبوت سے بہت قریب تھا قابل تعظیم و تکریم مانا جاتا تھا۔ مسلمانون کا دستور تھا کہ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے گھرانے پر اُنہین کے افراد مین سے ایک شخص کو رئیس یا سردار بنا دیتے جو اپنے کنبہ کے معاملات کو درست اور اُن کے نسب ناموں کو منضبط اُنکی ولادتون اور فوتیون کو مرتب رکھتا۔ اور ادنے پیشون مین مصروف ہونے سے اُنکو الگ رکھتا تھا۔ بدعادتون کے اختیار کرنے اور گناہون کے ارتکاب سے روکتا رہتا اور اُن کے حقوق کا مطالبہ کیا کرتا۔ خود اون لوگون کو دوسرون کے حقوق ادا کرنے کی ہدایت کرتا رہتا اور مال غنیمت اور فئی کی آمدنی مین سے ذوی القربیٰ کا جو حصہ نکلا کرتا تھا حکومت سے اُسکا مطالبہ کر کے حاصل کرنے کے بعد اُنکے مابین تقسیم کر دیا کرتا۔ اون کی لڑکیون کو اس بات سے باز رکھتا کہ وہ ہم کفو کے سوا غیر کفو سے نکاح کرین۔ اسی طرح کی اور باتین جو ولایت عامہ سے مشابہ ہوتی تھین اُسکے ذمہ واجب تھین گویا کہ اشراف کا نقیب اُنکا "وصی" ہوا کرتا تھا۔ +

اشراف کی نقابت نہایت معزز منصب تھا۔ اور بلحاظ شرف کے اُسکی شان بعد از خلیفہ سب سے اول تھی۔ اسی وجہ سے اشراف کے نقیب شریف "رضی" نے ایک قصیدہ مین خلیفہ قادر باللہ عباسی کو مخاطب کر کے یون کہا ہے:-

عطفاً امیر المؤمنین فاننا فی دوحۃ العلیاء لانفرق ما بیننا یوم الفخار تفاوت ابدًا کلانا فی المعالی معرق الا الخلافۃ میزتک فانہا انا عاطل منہا وانت مطوق	امیر المومنین ہمپر مہربانی کی نظر رکھیو اسلیئے کہ ہم اور آپ اعلیٰ خاندانی مین جدا جدا نہین ہین۔ فخر کیلئے دن ہم مین اور آپ مین ہرگز کوئی تفاوت نہین ہی ہم دونو معالی بلند مرتبون مین اعلےٰ درجہ رکھتے ہین۔ مگر خلافت نے تمکو ممتاز بنادیا ہے اسلیئے کہ بیشک مین اُس سے عاری ہون اور تمکو خلافت کا طوق نصیب ہے۔

خلفاء اشراف کے نقیبون کے لیئے ایسے عہدنامے اور فرمان سرداری لکھا کرتے تھے جن کے حرف حرف سے اُنکی جلالت وعظمتِ مرتبہ کا اظہار ہوا کرتا تھا۔ اور اکثر حج کے زمانہ مین آب زمزم پلانے کی خدمت اور دیوان المظالم (عدالت مرافعہ) کے مثل اعلےٰ مناصب ان کے حوالہ کرتے تھے۔ اسلامی حکومتین اپنی تواریخ کے تمام دورون مین نقابہ اشراف کی تعظیم وتکریم کرتی رہین۔ یہان تک کہ موجودہ عثمانی (ٹرکی) حکومت بھی اس بات کا پورا لحاظ رکھتی ہے۔ اس حکومت مین نقیب اشراف ہی وہ شخص ہے جو تمام رہی اعزازون مین دولت علیہ کے سارے عہدہ دارون پر فوقیت رکھتا ہے یہان تک کہ اُسکا رتبہ وزیر اعظم اور شیخ الاسلام سے بھی بڑھکر ہے۔ 4

صوفیہ طریقون کے مشائخ

یہ ایک دینی منصب ہے جو وجود صوفیہ کے بعد رائج ہوا ہے۔ اس منصب کا پانے والا صوفیہ کے تمام طریقون پر کلام کرسکتا ہے۔ صوفیہ کرام کے طریقون مین یہ دستور ہے کہ ہر طریقہ کا ایک شیخ ہوتا ہے۔ اور دیگر کانون اور بستیون مین اُسکے خلفاء ہوتے ہین جن مین سے ہر ایک خلیفہ کے بہت سے مرید ہوا کرتے ہین۔ شیخ خلیفہ لوگون کے معاملات کا انتظام کرتا ہے اور خلفاء عام مریدون کی دیکھ بھال رکھتے ہین یعنی اونکو ہدایت وارشاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مراقبہ اور تربیت کرتے رہتے ہین۔ شیخ المشائخ جو شخص ہوتا ہے وہ سب کے اوپر والی عام ہونیکا حق رکھتا ہے۔ جس وقت تک صوفیون مین عام شیخت کا دستور نہ تھا اُس وقت تک انکا ہر ایک گروہ مستقل بالذات اور اپنی افراد کا حاکم تھا۔ مگر اسکی وجہ سے یہ قباحت آپڑتی تھی کہ اُن کے مختلف گروہون مین باہم آتش فتنہ وفساد برپا رہتی تھی۔ کیونکہ کوئی عام شیخ تو تھا نہین جسکے زیر حکم سب فرقون کے لوگ ہون اور گو مختلف طریقون سے

ایک کام کو کرتے ہون لیکن اصل سب کی ایک ہو جسکے سبب سے کوئی معاملہ متنازعہ فیہ پیش آجانے کے وقت ایک حکم کی جانب رجوع کرکے باہمی جنگ وجدل سے باز رہین۔ لہذا اسکی ضرورت تہی کہ کوئی اعلےٰ پایہ اس طریق مین قایم ہو جسکے سامنے سب کی گردنین خم رہین۔ چنانچہ جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے سعید السعداء کی خانقاہ قایم کی اور اوسکا "دویرۃ الصوفیہ" نام رکہا تو وہان کے شیخ کو دوسرے مشایخ پر مقدم اور افسر کی امتیازی حیثیت دیدی۔

سلطان صلاح الدین کا دستور تہا کہ سوائے سلطنت کے بڑی بڑے رکنون کے اور کسی کو اس عہدہ پر مامور نہ کیا کرتا تہا۔ مثلاً شیخ الشیوخ ابن حمویہ کی اولاد کو جنکو وزارت۔ امارت۔ انتظام سلطنت اور فوجی افسری کے اہم کامون کی ذمہ داری بہی سپرد تہی۔ چنانچہ "ذوالریاستین وزیر صاحب تقی الدین عبدالرحمن بن بنت الاعز وغیرہ کے مثل لوگ اس عہدۂ شیخ الشیوخ پر مقرر کئے گئے۔ اور یہ حالت برابر اُس وقت تک قایم رہی۔ جبکہ نوین صدی ہجری کے اندر ملک مصر مین صوفیہ کرام کی واحد ریاست قایم ہوگئی اور اسکی ولایت سید محمد شمس الدین بکری کے حوالہ ہوئی جو اپنے زمانہ مین علم اور دین دونون کے اعتبار سے بڑے کامل فرد تہے۔ شعرانی اُن کے بارہ مین یون لکہتے ہین۔ کہ "اگر مین انکو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم کہون تو کچہہ خلاف نہ کہونگا"۔ شیخ موصوف کے بعد اُن کے بیٹے "امام شیخ الاسلام مشہور مفسر ابوالسرور البکری" جانشین ہوئے۔ اور اُن کے بعد یہ منصب اُنہین کے گہرانے اور اولاد مین منتقل ہوتا رہا۔ اور آجتک برابر یہ منصب "بکری صدیقی" کے ہی گہرانے مین قایم ہے جو ملک مصر کا مشہور خاندان ہے۔ +

تمام شد

روز بازار
دمطبع نامی ——— امر مطبوع شد
جنرل لائبریری

اخبار وکیل

ایڈیٹر ہفتہ مین بار شنبہ و شنبہ او چہار شنبہ کے دن روز بازار پریس امرتسر سے شائع ہوتا ہے اسکے پُرزور آرٹیکلون نے ملک کے نامی گرامی قدر دانون اور مشہور معاملہ فہم ناظرین کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔ دنیا بھر کی ضروری اور دلچسپ خبرون کے نہایت جلد اور سب سے پہلے ہم پہنچانے مین اپنا نظیر نہین رکھتا اسلامی دنیا کے حالات معلوم کرنیکے لئے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہین۔ اسکی طرز تحریر آزادی سچی ہمدردی۔ اعلے درجہ کے لٹریچر نے ثابت کردیا ہے کہ یہی ایک اخبار ہے جسکو اخباری دنیا مین لاثانی ہونیکا دعوے ہے۔ اسکی اشاعت کے مقاصد یہ ہین:- جو اُمور ملک اور قوم کی بہبودی سوشل اور مارل حالت کی اصلاح کے واسطے مفید ہون۔ انکو اہل ملک کی خدمت مین پیش کرے۔ اور حاکم و محکوم کے اُن تعلقات کو بیان کرے جو رعایا کی جان نثاری اور حکام کی رعایا پروری کے اصل الاصول ہین۔ اس کے ضمن مین رعایا کے واجب مطالبات اور جائز حقوق گورنمنٹ کے حضور مین عرض کرے۔ اور گورنمنٹ کی حکمت عملی جو انتظام ملک کے متعلق ہے اس سے رعایا کو آگاہ کرے اور جو غلط فہمیان کسی فریق کیطرف سے عمل مین آئین انکے ازالہ مین متانت سنجیدگی اور آزادی کے ساتھ ایسا طریق عمل اختیار کرے۔ جو بدظنیون کے دفعیہ اور آتحکام سلطنت کا باعث ہو۔ علاوہ برین جیسا کہ موقع ہو مسلمانون کی درماندہ قوم کی علمی حالت کی ترقی کیواسطے وقتاً فوقتاً اپنے کالمون کو نذر کرے۔ اور بالخصوص اس کا فرض اہم ہوگا کہ ہندو مسلمانون مین برادرانہ اتفاق قایم کرنے اور آئے دن کے باہمی نزاع سے جو نقصان ایک دوسرے کو پہونچتے ہین اُن کے دور کرنے مین کوشش کرے۔

چندہ	پیشگی ..... سالانہ ... ششماہی	پیشگی ..... سالانہ ... ششماہی	
	ممالک غیر ملکی ... ۱۲ شلنگ ... ۶ شلنگ	خام خریداروں کے لئے	
	دوسالہ اور عہدیداران ... ۹ ... ۵ ... ۳	طلبا اور کل اشخاص جنکے پتے	

المشتہر

منیجر اخبار وکیل امرتسر

لاثانی اوستانی جس مین مسلمان مستورات اور اڑکیون کے لئے تاریخ جغرافیہ۔ اخلاق۔ حفظان صحت۔ تربیت اولاد وغیرہ کے متعلق تمام ضروری معلومات قصہ کے پیرایہ مین بیان کئے گئے ہین۔ اس کتاب کو ملک وقوم کے بڑے بڑے مسلم الثبوت مصنفون ایڈیٹرون اور برگزیدہ افراد نے مستورات کے لئے نہایت مفید اور دلچسپ اور قابل قدر تسلیم کیا ہے۔ طرز بیان لکھائی چھپائی اور کاغذ غرض ہر ایک لحاظ سے قابل داد اور لائق دید ہے حجم ۲۹۰ صفحے قیمت صرف عمر

الصدیق اس کتاب مین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے حالات تاریخی طور پر ابتدا سے تا وفات تک درج کئے گئے ہین۔ زمانہ جاہلیت کا فضل وکمال۔ زمانہ اسلام کی مالی اور جانی خدمات ہجرت مدینہ۔ شمول غزوات۔ بیعت خلافت مہارت فوجی وملکی انتظام ہر ایک مضمون کو ترتیب وار علیحدہ علیحدہ بابون مین لکھا ہے۔ اور واقعات پر حسب موقعہ آزادانہ رائے بھی دی ہے مضامین متنازعہ خاص اہل تسنن اور اہل تشیع خصوصاً مسئلہ خلافت کو نہایت متانت اور وسیع خیالی سے لکھا ہے۔ جمع قرآن پر طرز جدید سے استدلال کیا ہے۔ لڑائی سے پیشتر افسران فوج اور باغیون کے نام جو فرامین جنگ کے متعلق خلیفہ وقت نے جاری کئے تھے انکا پورا ترجمہ بغیر کمی بیشی کے درج کیا ہے۔ تاریخی مقامات کا پتہ لگانیکے واسطے عرب کا ایک صحیح اور عمدہ نقشہ شامل کر دیا ہے قیمت عمر

المرتضیٰ اس کتاب مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زندگی کے حالات تاریخی طور پر ابتدائے پیدائش سے زمانہ وفات تک درج ہین۔ قبول اسلام۔ ہجرت مدینہ۔ غزوات۔ خلافت کی تاریخ۔ تذکرہ امامت۔ محاربات فوجی اور ملکی انتظام۔ فیصلہ جات۔ عرض ہر مضمون علیحدہ علیحدہ بابون مین لکھا گیا ہے۔ حدیث تفسیر اور تاریخ کی معتبر اور مستند کتابین اسکا ماخذ ہین۔ اور اہلبیت اطہار کے مناقب آیات قرآنی واحادیث صحیحہ سے درج ہین۔ مضامین متنازعہ خصوصاً مسئلہ خلافت کے بیان کرنے مین بہت کچھ وسیع خیالی دکھلائی ہے۔ اور طرز بیان ایسا رکھا ہے کہ جسکو شیعہ لوگ دلی رغبت سے پڑھ سکتے ہین۔ چند مواقع پر بنظر احتیاط حدیث اور تاریخ کی اصل عبارتین مع ترجمہ کے لکھدی ہین اور واقعات پر حسب موقعہ آزادانہ رائے بھی دی ہے۔ تاریخی مقامات پتہ لگانیکے واسطے عرب کا ایک صحیح اور مکمل نقشہ آخر مین شامل کر دیا ہے قیمت عمر

سفرنامہ ابن بطوطہ جلد اول ودوم۔ ابن بطوطہ اسلامی سیاحون مین بہت بڑا مستند اور معتبر سیاح گذرا ہے جسوقت نہ مین جبکہ وسائل سفر اس قدر آسان نہ تھے جیسے آجکل ہین۔ اس فاضل سیاح کا نام بلاد شرقیہ مین سفر کرنا اسکی علو ہمت کی بین دلیل ہے یہ کتاب عبرت وبصیرت کا خزینہ ہے۔ جسکے ملاحظہ سے زمانہ کے انقلاب کا فوٹو۔ قومون کے عروج وزوال کا نقشہ اور تغیر تمدن تشار وتمدن من تشاء کا جلوہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے ترجمہ بالکل اصل عربی کتاب کے موافق ہے قیمت ہر دو حصہ علاوہ محصول ڈاک ۱۲ عمر

المشتہر

مینجر روز بازار پریس ایجنسی امرتسر



یہ اخبار ہفتہ مین تین بار شنبہ۔ دوشنبہ اور چارشنبہ کو روز بازار پریس امرتسر سے شایع ہوتا ہے اسکے پرزور آرٹیکلون نے ملک کے نامی گرامی قدردانون اور مشہور معاملہ فہم ناظرین کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے دنیا بھر کی ضروری اور دلچسپ خبرون کے نہایت جلد اور سب سے پہلے ہم پہونچانیمین اپنا نظیر نہین رکھتا۔ قومی انجمنون تعلیم گاہون اور کارخانون پر آزادی سے ریویو کرتا اور انکی ہمت بندھاتا ہے۔ اسلامی دنیا کی حالات معلوم کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہین۔ اسکی طرز تحریر طرز آزادی سچی ہمدردی اعلے درجہ کے لٹریچر نے ثابت کردیا ہے کہ یہی ایک اخبار ہے جسکو اردو اخباری دنیا مین لاثانی ہونیکا فخر حاصل ہے پیشگی قیمت وصول ہوئے بغیر جاری نہین کیا جاتا۔ نمونہ کا پرچہ آدہ آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے

شرح قیمت حسب ذیل ہے:-

پیشگی	سالانہ	ششماہی
ممالک بیرون سے	۱۲- شلنگ ..	۷- شلنگ .. ..
رؤسا- امراء- معززین سے	تیرہ روپے (۱۳)	آٹھ روپے (۸)
عام خریدارون سے	آٹھ روپے (۸)	پانچ روپے (۵)
طلباء و کم استطاعت اصحاب سے	چھ روپے (۶)	چار روپے (۴)

المشتہر

منیجر اخبار وکیل امرتسر

تمدن اسلام ۱۹۰۶ء

حصہ دوم

مصر کے نامور عیسائی عالم "جرجی زیدان" اڈیٹر رسالہ "الہلال" کی
کتاب "تاریخ التمدن الاسلامی" کے حصہ دوم کا ترجمہ

جس میں

اسلامی حکومت کی ثروت عہدہ داران حکومت و خلفاء کی دولتمندی اس
ثروت کے فراہمی کے اسباب پھر اس کے انحطاط کے وجوہ عام ملک کی ثروت
اور خاص شہروں اور دیہاتوں کی مالداری سے بالترتیب تفصیلی بحث
کی گئی ہے اور مملکت اسلام کی مالی آمدنی کے قدیم گوشوارے درج کرکے
ان پر تنقیدی بحث کی ہے

مولوی محمد حلیم انصاری صاحب ردولوی نے سلیس اردو میں
ترجمہ کیا

روز بازار الیکٹرک پریس ہال بازار امرتسر میں
شیخ عبداللہ پرنٹر کے اہتمام سے چھپا

تمام حقوق بحق مطبع روزبازار محفوظ ہیں

کارخانہ "وکیل" کی بے نظیر کتابیں

ذیل کی پر تاثیر کتابیں جو مشرق و مغرب کے بہترین دلوں دماغوں کا نتیجہ ہیں ظاہری و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے بے نظیر تسلیم کر لی گئی ہیں اور ان کی قومی و مذہبی اثر خیزی کی ایک دنیا قائل ہے مسلمانوں کا کوئی گھر اور کوئی لائبریری ان سے محروم نہیں رہنی چاہیئے۔ محصول ڈاک ہدیہ خریدار ہوگا۔

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
الاسلام	۸ر	ارمغان عید	۴ر	حیات خسرو	۱۲ر
اسلام	۲ر	تفسیر السموات	۸ر	حیات صالح	۴ر
اسلام کی دینوی برکتیں	۸ر	تعلیم نسوان	۲ر	سوانح حیدر علی سلطان	عہ
اسلامی حکومت	۲ر	تنزل علوم دینیہ	۱ر	" ٹیپو "	۱۲ر
احسان عام	۱ر	تدبیر	۲ر	دمشق	عہ
الکرین لبسہ	۳ر	تقلید علی بالحدیث	۸ر	روح کی بیداری	۴ر
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	۱۰ر	تعصب و انصاف	۱ر	رسائل شبلی	۴ر
اساس الاخلاق	عہ	تاریخ التاریخ	۳ر	زیب النساء	۱ر
البرامکہ مجلد سے مرصع مجلد	۸ر	جہانگیر	۲ر	سوانح مولانا روم	عہ
اشاعت اسلام	۸ر	جسمانی تعلیم	۴ر	سلیمان باسلام	۴ر
الخطبات الاحمدیہ	عہ	حضرت عیسے و صلیب	۱ر	سیاحت ہند	عہ
القانون	عہ	حضرت خواجہ	۲ر	شکوہ ہند	۱ر
بیوہ کی شادی	۲ر	حضرت زینب	۴ر	صلہ رحم	۲ر
پھل اور سبزیوں کا مخاطرہ	۱ر	حقیقۃ المسیح	۲ر	صناعت العرب	۳ر
تاریخ عرب قدیم	۸ر	حب وطن	۱ر	عربوں کا فن تعمیر	۴ر

فہرست مضامین تمدن اسلام حصہ دوم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱	تمدن کے ظاہری نتائج اور اس کی ماہیت	۴۲	دیار مغرب
۳	اسلامی حکومت کی دولتمندی	۴۳	مصر
〃	پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا عہد ۱۱ھ سے ۱۱ھ تک	〃	ملک شام
〃	خلفائے راشدین کا زمانہ ۱۱ھ سے ۴۱ھ تک	۴۴	بحر روم
۴	بیت المال	〃	الجزیرہ
۶	خلفاء اور ان کے عاملوں کی دولتمندی	۴۵	عراق
۹	مسلمانوں کا مال و دولت جمع کرنے کیطرف متوجہ ہونا	۴۶	خوزستان
۱۵	عہد بنی امیہ ۴۱ھ سے ۱۳۲ھ تک	〃	بلاد فارس
۱۷	بنی امیہ کے عاملوں کے مظالم	〃	کرمان
۲۹	دولت عباسی	〃	مکران
〃	خلافت بنو عباس کا پہلا دور	۴۷	طوران
	۱۳۲ھ سے ۲۱۸ھ تک	〃	سندھ
〃	اس حکومت کے قائم ہونے کے اسباب	〃	آرمینیا
۳۲	بیعت خلافت کا تعلق اہل عرب کے ساتھ	〃	آذربائیجان
۳۶	دولت عباسیہ کی ترقی پہلے دور میں	〃	بلاد ران
〃	اوائل حکومت میں مالی حالت کیسی تھی؟	۴۸	کوہ الجبال
۴۱	اسلامی قلمرو کا جغرافیہ مامون کے ایام میں	〃	دیلم
		〃	طبرستان
〃	اس کے حدود ۔ (دیار عرب)	〃	جرجان
۴۲	بحر فارس	۴۹	ترمسیں

صفحہ	مضمون
۴۹	صحرائے خراسان
〃	سجستان
〃	خراسان
〃	ماوراء النہر
۵۰	خوارزم
〃	**عباسی اعمال کا تعلق پائے تخت کے ساتھ**
۵۳	**دولت عباسیہ کے ملکی محاصل پہلے دور میں**
〃	قائمہ ابن خلدون
〃	کنکر
〃	طبرستان۔ رویان۔ نہاوند
۵۴	مابین الکوفہ والبصرہ
〃	ماسبذان اور دینار
۵۷	قدامہ ابن جعفر کا قائمہ (گوشوارہ)
〃	قائمہ ابن خرداذبہ
۵۸	**اولاً حکومت عباسیہ کی جبائیتہ** مامون کے عہد میں جو ابن خلدون کے بیان سے لی گئی ہے۔
۶۱	**ثانیاً عباسی حکومت کی خراج** خلیفہ معتصم کے عہد میں بروایت قدامہ بن جعفر
۶۶	**ثالثاً عباسی حکومت کی جبائیت** تیسری صدی ہجری کے وسط میں۔ بروایت ابن خرداذبہ
۶۸	**عباسی حکومت کی ملکی آمدنی کا اجمالی گوشوارہ**
۷۰	**عباسی حکومت کے مصارف**
۷۱	**عباسی سلطنت کے اخراجات**۔ جو خلیفہ معتضد باللہ عباسی کے عہد ۲۷۹ھ میں روانہ کئے جاتے تھے
۷۵	**موجودہ زمانہ کے سکوں سے اس دولتمندی کا اندازہ**
۷۷	**عباسی ثروت کے اسباب**
〃	**جبائیت کے مصادر**
۷۸	**کثرت خراج کے اسباب** عباسی قلمرو کی وسعت
۷۹	**مملکت عباسیہ کی پیمائش** تیسری صدی ہجری میں
۸۰	لوگوں کا زراعت میں مشغول ہونا۔
۸۳	سواد
۸۴	بطائح
۸۵	خراسان
۸۶	مصر
۹۰	**لگان کا ثقل** (بھاری ہونا)
〃	سواد
۹۴	مصر
۹۶	دیگر ممالک

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۷	جبائت کے دوسرے مصادر (ذمی بھی)	۱۲۶	اموال خاصہ کی جبائیت
۱۰۱	جمع شدہ رقم کے شاہی خزانہ میں بھیجنے کی بابت عاملوں کی صداقت اور دیانتداری	۱۳۰	اسباب انحطاط ثروت عباسیہ
۱۰۲	قلت مصارف کے اسباب	۱۳۱	عباسیوں کے دوسرے دور میں قلت جبائت کے اسباب
۱۰۳	ملازموں اور عہدہ داروں کی قلت	″	عباسی قلمرو کی تنگی
۱۰۵	مصری گورنمنٹ کے طبقۂ عمال کے مؤظفین کی تعداد بابت ۱۹۰۲ء	″	لگان کی تخفیف
۱۰۷	حکومت مقروض نہیں تھی	۱۳۳	جزیہ اور زکوٰۃ
۱۰۸	دنیا کی مشہور حکومتوں کے قرضے	″	عاملوں کا خراج کی رقموں سے اپنا گھر بھرنا
۱۰۹	آگے خلفاء کی کفائت شعاری اور تدبیر ملکداری	۱۳۴	لوگوں کا ظلم وستم اور فسادات کی رو میں کاروبار سے رک جانا۔
۱۱۲	دولت عباسیہ کی ثروت انحطاط کے زمانہ میں	۱۳۵	ملک کے اکثر حصوں کا تعلقہ کی صورت میں آجانا
″	انحطاط کے اسباب کی تمہید	۱۳۷	الجبا
۱۱۳	اہل عرب اور اہل فارس	۱۳۹	سلطانی اراضیاں (خالصہ شاہی)
۱۱۴	اہل ترک	۱۴۰	ایغار
۱۱۷	مال	۱۴۱	کثرت مصارف کے اسباب
۱۲۰	عہد انحطاط کی جبائت کی مقدار	″	خلفاء اور انکی بیویوں کی فضول خرچیاں۔
۱۲۱	دولت عباسیہ کی جبائیت بابت سنہ ۳۰۰ھ	۱۴۲	خلفا کی عورتوں کی ثروت
″	سواد کی جبائیت	۱۴۴	لونڈیاں اور غلام
۱۲۳	مشرق کی جبائیت	۱۴۵	سخاوت
۱۲۴	مغرب کی جبائیت	۱۵۰	سلطنت میں ارباب مصارف کی زیادتی
		۱۵۲	تنخواہوں کی زیادتی
		″	عاملوں کی تنخواہیں
		۱۵۴	کاتبوں کی تنخواہیں
		۱۵۸	وزیروں کی تنخواہیں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵۶	قاضیوں کی تنخواہیں	۱۸۴	عمال
〃	خلفاء اور ان کے گھر والوں کے وظائف	۱۸۶	وزیروں کی مصادر تہ
۱۵۸	انگلستان کے شاہی خاندان کے وظائف	۱۸۸	اہل قلم
۱۵۹	خلیفہ کے حاشیہ والوں کے راتب	۱۸۹	حاجب لوگ
۱۶۱	فوج کی تنخواہیں	۱۹۰	خلاصہ
۱۶۲	افشین اور بابک	۱۹۲	**مملکت عباسیہ کی ثروت دینے**
۱۶۷	موجودہ زمانہ میں فوجی تنخواہوں کی شرح کس قدر ہے۔		ملک اور اہل ملک)
		〃	شہر
۱۶۸	دیگر راتب	۱۹۶	دیہات
۱۷۰	مہینوں کے دنوں کی تعداد	۱۹۸	**اسلامی شہر**
۱۷۱	بیعت کے مصارف	۲۰۰	بصرہ
۱۷۵	ارکان دولت کا اپنی ذات کے لئے بافراط مال جمع کرنا	۲۰۳	کوفہ
		〃	فسطاط
۱۷۷	وزراء	۲۰۶	بغداد

تمدّن اسلام حصہ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمدّن کے ظاہری نتائج اور اسکی اصل ماہیت

ہمنے اس کتاب کے پہلے حصہ میں مختصر طور پر اسلامی حکومت کے قیام اور اُسکی ملکی مالی اور انتظامی کاروبار کی تاریخ بیان کی ہے مگر وہ باتیں اسلامی تمدن کی حالتوں پر غور کرنے کے لئے صرف تمہید کے طور پر تھیں کیونکہ ہر ایک تمدن کی چند نمائشی حالتیں ایسی ہوتی ہیں جن سے ناظرین کو دلچسپی اور توجہ پیدا ہوتی ہے مگر اس کی اصل حقیقت پر غور کرنے سے ایسی باتیں ظاہر ہوتی ہیں جنپر مورخین کو بحث کرنے اور زور قلم دکھانے کا موقعہ ملتا ہے۔

تمدن کے نمائشی حالات اس کے کھلے ہوئے نتیجے ہیں۔ مثلاً دولتمندی۔ شان و شوکت علم و ادب صناعت و تجارت اور سوسائیٹی کی ترتیب اور اداب معاشرت مگر تمدن کی حقیقت اور ماہیت اسکے سائہ میں رہنے والوں کی اچھی یا بری حالت ہے جسکو خوشحالی فارغ البالی یا ادبار اور پریشان روزگاری کے نام سے بھی موسوم کر سکتے ہیں۔

اسلامی تمدن کا نمائشی رخ یوں تو دولتمندی۔ علم۔ ادب۔ صناعت تجارت اور اہل ملک کی طرز معاشرت کو شامل ہے لیکن ہم ان میں سے اس حصہ میں صرف مملکت اسلامی کی دولتمندی سے بحث کرینگے اور باقی چیزوں کو ان کے موقعہ پر ذکر کرنے کے لئے چھوڑیں گے۔

کسی ملک کی دولتمندی کا بیان کرنیکے لئے اس بات کا علم درکار ہے کہ اسوقت کی سلطنتوں اور مقتضیات زمانہ کے لحاظ سے اسکے حصول کے ذریعے اور اسباب کیا تھے اور ان حکومتوں اور زمانوں کے تغیر و تبدل کا اثر ملک کی عام حالت پر کیا پڑتا تھا ہر زمانہ کی دولتمندی عام ملکی باشندوں میں ہوتی تھی یا کسی خاص طبقہ میں محصور رہتی تھی اور یا دولت کے خزانے صرف ارباب حکومت اور اصحاب حل و عقد کے ہاتھوں میں رہا کرتے تھے اسی کے ساتھ ساتھ مشہور شہروں کی دولتمندی اور قابل ذکر

عمارتوں کا حال بھی بیان کرنے کے لائق ہوتا ہے۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اسلامی مملکت کی انتہائی دولتمندی کا عہد بنو عباس کا دور حکومت تہا اور اگر ہمیں صرف اوسی دولتمندی کا بیان کرنا مدنظر ہوتا تو ہمارے واسطے اسقدر لکھدینا کافی تہا کہ بیت المال کی آمدنی خرچ کیا تہا۔ خلفا کے شاہانہ مصارف کس قدر تہے اون کے درباری امیروں اور اہل مناصب کی ثروت و آسودہ حالی کے کیا ذرائع تہے لیکن اس کتاب کی تالیف شروع کرنیکے وقت سے اب تک جس خیال کو ہمنے مرعی رکہا ہے وہ یہہ ہے کہ ہر ایک واقعہ کو اس کے اسباب کی طرف منسوب کرکے اصلی وجوہات کا پتہ لگایا جائے اور اسکے بعد ان تمام امور کے تعلقات بیان کئے جائیں جو مجموعی طور پر حالت عام سے متعلق ہوسکتے ہیں اور نیز وہ حالات درج کئے جائیں جو ہر زمانہ کے تغیر و تبدل کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ مملکت اسلامی اور دولت اسلامی دو جداگانہ چیزیں نہیں کیونکہ دولت (حکومت) کا مصداق حکمرانوں کی ذات اور ارکان سلطنت ہیں اور مملکت سے مراد ممالک اور اس کے باشندے ہیں اس صورت میں یہ مناسب ہوگا کہ ہم مضمون زیر بحث کو دو حصوں میں تقسیم کریں پہلے حصہ میں حکومت اسلامی کی ثروت ہو اور دوسرے حصہ میں مملکت اسلامی کے تمول کی تشریح اور ان دونوں کو ایسے طریق سے بیان کریں کہ ازمنہ متقدم الزکر کے لحاظ سے اون کا امتیازی فرق معلوم ہوسکے۔

اس تمہید کے بعد حکومت اسلامی کی دولتمندی کا تفصیلی بیان اس کے ازمنہ کے اعتبار سے کیا جاتا ہے یہ عہد چار زمانوں پر منقسم ہے :-

(۱) دور نبوت (۲) دور خلافت راشدہ (۳) دور بنو امیہ (۴) دور بنو عباس۔

ہر زمانہ کی حالت چند بابوں پر منقسم ہوگی کسی میں خاص حکومت کے تمول یا بیت المال کی ثروت کا مذکرہ ہوگا اور کسی میں ملکی عہدہ داروں اور ارباب حل وعقد کی ثروت کا بیان کیا جائیگا اسی کے ساتھ اس دولتمندی کے سببوں پر نظر غائر ڈالی جائیگی اور اسکی کمی اور زیادتی کے اسباب سے بحث ہوگی خراج اور جزیہ وغیرہ کی تاریخ۔ مصارف کے ابواب اور اس کے علاوہ دوسری قابل ذکر باتوں کا بھی بیان ہوگا

ایک مبصر کی رائے میں اسلامی حکومت کی دولتمندی کا انقسام پانچ زمانوں پر حسب ذیل ہوسکتا ہے

(۱) دور نبوت (۲) دور خلفائے راشدین (۳) دور بنو امیہ (۴) بنو عباس کا پہلا دور یا انکی حکومت کا روز افزوں ترقی کرنیوالا زمانہ (۵) عباسیوں کا آخری دور یا ان کے تنزل اور انحطاط کا عہد۔

انکے علاوہ مصر اور اندلس وغیرہ میں جو دوسری اسلامی سلطنتیں موجود تہیں اونکی ثروت کا بیان بھی استہاداً یا تمثیل کے طور پر اثنائے کلام میں آتا رہیگا کیونکہ اسلامی تمدن سے مراد صرف عباسی تمدن ہی اور وہی مقصود اصلی ہے

اسلامی حکومت کی دولتمندی

۱۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا عہد سنہ ہجری سے سنہ ۱۱ھ تک

اگر حکومت کی دولتمندی کے یہ معنی سمجھے جائیں کہ اوس کی آمدنی اخراجات سے زائد ہو یا اس کے ضروری مصارف پورے کرنے کے بعد محاصل کی جو رقم بچ رہے وہ خزانہ میں داخل کیجاتی ہو تو حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اسلامی حکومت کو فی الحقیقت کوئی قابل یا ثروت حاصل نہ تھی اس لئے کہ اون دنوں کوئی رقم خزانہ میں جمع نہیں ہوتی تھی اور نہ اُسوقت تک مُسلمانوں کے ہاں بیت المال کا وجود تھا بلکہ اون کی حالت یہ تھی کہ جب کبھی غنیمت کا مال ہاتھ آتا اوسے فوراً آپس میں بانٹ لیا کرتے تھے اسی طرح صدقات زکوٰۃ کی آمدنی مستحق لوگوں پر تقسیم کر دیجاتی تھی اور اگر اس قسم کے مال میں کچھ باقی رہ جاتا تو اُسے وقتی ضرورتوں کے لئے محفوظ رکھا جاتا تھا اوسکی حفاظت اور نگرانی خود پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اور چونکہ اس مد میں زیادہ تر بھیڑ۔ بکریاں۔ اونٹ اور گھوڑے ہوا کرتے تھے اس لئے ان کو ایک خاص نشان سے داغ دے کر دوسرے اُسی قسم کے جانوروں سے ممتاز بنایا جاتا تھا۔

غرضیکہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حکومت کا تمول زکوٰۃ کے باقیماندہ اونٹ گھوڑوں بھیڑ اور بکریوں کے گلوں سے مراد تھا جو خصوص چراگاہوں میں رکھے جانے کی وجہ سے عام لوگوں کے مملوکہ جانوروں سے متمیز ہوتے تھے ایسی چراگاہیں "مدینہ" کے قریب "بقیع" میں واقع تھیں اور انکو "حمیٰ" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا (۱) اور اُس خاص داغ کے سبب سے جو ان جانوروں پر لگایا جاتا تھا یہ اپنی جنس کے دوسرے جانوروں میں ممتاز ہوتے تھے (۲) حضور انور کے زمانہ میں اونٹوں اور گھوڑوں وغیرہ کی تعداد ملا کر چالیس ہزار راس تک پہنچ گئی تھی (۳)۔ یہ مال اور جو نقد آمدنی صدقات سے ہوتی تھی غزوات کے وقت سامان جنگ کی درستی پر صرف کیجاتی تحصیل زکوٰۃ کے محکمہ کا خرچ اور فقیروں اور یتیموں کی مد خرچ بھی اس مال سے کی جاتی تھی۔

۲۔ خلفائے راشدین کا زمانہ سنہ ۱۱ھ سے سنہ ۴۱ھ تک

خلفائے راشدین کا عہد اسلامی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے یہ مبارک زمانہ حقیقی انصاف اور خدا ترسی کا دور تھا۔ اس دور

(۱) ماوردی۔ صفحہ ۱۷۶۔ (۲) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۱۹۔ (۳) شرح مؤطا۔

ہیں حکومت حق پسندی۔ راستبازی اور سچی غیرتمندی کے قابل قدر اصول پر قائم تھی اسوقت کے مسلمان دین پر وہی ہیں نہایت راسخ تھے اور دنیا کو حقیر سمجھنا ان کا شیوہ تھا یہ وہ زمانہ ہے جس کو اسکے مابعد کے مسلمانوں نے اپنی طرز عمل کا رہنما بنایا اور اسکی پیروی کو اپنا فخر سمجھا اور جس وقت کسی اسلامی حکومت نے اون اصول کی خلاف ورزی کی تمام مسلمان پبلک برافروختہ ہو جاتی تھی اور حکومت کے شاہ راہ حق کیطرف رجوع کرنے اور خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش کرتے تھے اون برگزیدہ حکمرانوں کے بعد اسلامی حکومت کا طرز عمل بدل گیا اور دینی خلافت کی جگہ دنیوی ملکداری کے قانون قائم ہو گئے خلفا اور انکے عاملوں (گورنروں) کے دلوں میں حرص و طمع نے گھر کیا اور وہ ہر ایک جائز اور ناجائز وسیلہ سے صرف مال و دولت کا جمع کرنا اپنا اصلی مقصد خیال کرنے لگے۔

بیت المال حضرت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اس دار فانی سے رحلت فرمانے کے بعد مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ خود ہی ارکان سلطنت تھے اور خود ہی عام فوجی سپاہی ان کے پاس قلت مداخل کے باعث کوئی بیت المال (خزانہ عامرہ) نہیں تھا اور نہ ضروری مصارف کے علاوہ ان کو مال و زر کی خواہش ہوتی تھی ان کے پاس جس قدر مال زکوٰۃ اور مال غنیمت سے آتا تھا وہ زیادہ تر بھیڑ بکریوں اونٹ اور گھوڑوں یا غلات کی قسم سے ہوتا تھا نقد روپیہ ان کے پاس بہت کم ہوتا تھا البتہ جس وقت شام فارس اور مصر کے ممالک انہوں نے فتح کر لئے تو زرخیز وسعید کے ڈھیر ان کو نظر آئے اور انکی آنکھیں کھل گئیں کہتے ہیں کہ صوبہ "بحرین" کے گورنر "ابو ہریرہؓ" ایک بار وہاں کے محاصل کا بہت سا روپیہ لیکر خلیفہ عمر بن الخطاب کے حضور میں آئے تھے جس وقت خلیفہ ممدوح نے ان سے دریافت کیا کہ کیا لائے ہو؟ تو ابو ہریرہؓ نے کہا پانچ لاکھ درہم۔ عمرؓ نے یہ رقم کثیر التعداد سمجھ کر پھر کہا۔ تم سمجھتے ہو کیا کہہ رہے ہو۔ ابو ہریرہؓ نے لاکھ لاکھ درہم پانچ دفعہ کہا۔ اس جواب کو سنکر عمرؓ فوراً منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد کیا۔ صاحبو! آج ہمارے پاس بے شمار مال آیا ہے جس کے تقسیم کرنے کے لئے تمہاری رائے دریافت کی جاتی ہے کہ آیا پیمانوں سے ناپ کر تقسیم کیا جائے یا شمار کر کے بانٹا جائے (۱)؟ زر و مال کی یہی فراوانی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ عمرؓ کو مالی دفتر قائم کرنے اور تمام مسلمانوں کی تنخواہیں بنسبت فی الاسلام اور قرابت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے مقرر کرنی ضروری معلوم ہوئیں (۲) مگر انہوں نے مسلمانوں کو روپیہ جمع کرنے سے روکا اسی اثنا میں ایک شخص نے یہ مشورہ دیا کہ اگر آپ حوادث آئندہ کے واسطے کچھ روپیہ بیت المال میں بھی رہنے دیں تو مناسب ہوگا

(۱) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۹۲۔ (۲) دیکھو حصہ اول تاریخ تمدن اسلام صفحہ ۱۲۵۔

آپ نے سختی کے ساتھ جھڑک کر اسکو جواب دیا یہ ایک وسوسہ ہے جو شیطان نے تمہارے دلمیں ڈالا ہے۔ خداوند پاک مجھکو اس کے شر سے محفوظ رکھے میرے بعد آنے والے لوگوں کے حق میں یہی مرفتنہ ہوگا میں ہر ایک مصیبت اور حادثہ کیلئے بجز اطاعت خدا اور رسول کے کوئی دوسرے قسم کا ذخیرہ نہیں رکھنا چاہتا اور یہی ہمارا دہ سودمند ذخیرہ ہے جس نے ہمیں ایسے اعلےٰ مرتبہ پر فائز کیا ہے (۱)۔ عمر رضی اللہ کے عہد میں جب مال کی آمد بکثرت شروع ہوئی تو آپنے دفتر مال قائم کرکے عاملوں (گورنروں) اور قاضیوں (ججوں) کی تنخواہیں مقرر کیں مسلمانوں کو روپیہ جمع کرنے سے روکا۔ اراضی خریدنے۔ خود کھیتی کرنے۔ یا نقد لگان پر دوسروں سے کاشتکاری کرانے سے منع کیا۔ (۲) اور ان کی ضرورتوں کے لئے خود ان کے اور ان کی بیویوں اور بچوں کے علی قدر مراتب روزینے اور وظیفے مقرر کردیئے جو ان کو بیت المال سے برابر ملا کرتے تھے یہانتک کہ مسلمانوں کے غلاموں اور ان کے موالی (آزاد شدہ غلاموں) کی بھی تنخواہیں مقرر کردیں اس طرز عمل سے آپ کا مدعا یہ تھا کہ مسلمان ہر حالت اور موقع پر فوجی خدمت کے لئے مستعد رہیں زمینداری اور کاشتکاری کے مشاغل ان کے مانع نہوں نہ ایک جگہ کی بود و باش ان کی نقل و حرکت کی مزاحم ہو خاص ملکی باشندوں میں سے جو اہل ذمہ کہلاتے تھے جب کوئی شخص مشرف باسلام ہوجاتا تو اس کی مقبوضہ اراضی اور مکان اس کے ہموطن اور قرابتداروں میں تقسیم کردیجاتی تھی اور وہ اپنے حصوں کا مقررہ لگان ادا کرتے رہتے تھے البتہ لونڈی غلام اور مویشی اس کے قبضہ میں باقی رہتے تھے اور دفتر مال سے دیگر مسلمانوں کی طرح اس کی تنخواہ مقرر ہوجاتی تھی (۳)

اس قاعدہ کے اجراء سے حضرت عمرؓ کا مدعا یہ تھا کہ ذمی لوگوں کی ذات اور ان کی اراضیاں آمدنی کا چشمہ بنی رہیں اور ان کے محاصل مسلمانوں کو غیر قوموں سے پولیٹکل جنگ کا سامان فراہم کرنے اور ان کی ضرورتوں کے پورا کرنے میں ہمیشہ کام دیں کیونکہ موجودہ مسلمانوں کو زمینیں خریدنے کی اجازت ہوتی تو یہی لوگ اس کے فوائد سے متمتع ہوتے اور دیگر لوگ محروم رہ جاتے اور کچھ مدت کے بعد یہ اراضیات ان کی ذاتی جائداد بن جاتی (۴) حالانکہ عمرؓ کا خیال یہ تھا کہ مفتوحہ ملکوں کی اراضیاں مسلمان مجاہدین کے لئے نسلاً بعد نسلٍ ہمیشہ سودمند رہیں اور غیر مفتوح مشرک قوموں پر جہاد کرنے میں تقویت کا باعث ہوں اسی غرض سے اونہوں نے اُن زمینوں کو وراثت اور بیع سے روک کرنا قابل انتقال اور محفوظ بنا دیا تھا اور اہل اسلام کو جنگی خدمت ادا کرنے پر مجبور کردیا تھا + (۵)۔

(۱) ابن اثیر طبقہ ۲۴۸۔ اور فتوحی صفحہ ۷۵۔ (۲) مقریزی جلد ۲ صفحہ ۲۵۹۔ (۳) ابن عساکر (کریر کا نسخہ)۔ (۴) ابو یوسف کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۴۔ (۵) ابن عساکر +

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اموی جو عمر بن الخطاب کے نقش قدم پر چلنا ضروری خیال کرتے تھے انہوں نے بھی اپنے عہد حکومت میں اس قاعدہ کو جو مردہ ہو چکا تھا از سر نو زندہ کیا اور ایک فرمان اس مضمون کا صادر کیا۔ "جو ذمی اسلام قبول کرے اس کا مال اور اس کی جان محفوظ ہو جائیگی مگر اُس کے قبضہ کی زمین مُسلمانوں کے لئے خداداد عطیہ شمار ہوگی اور جو لوگ ادائے جزیہ کے اقرار پر مُسلمانوں سے صلح کرلیں گے ان میں سے جب کوئی شخص مشرف باسلام ہو اس کی متصرفہ اراضی اور مکان اس کی برادری کے لوگوں کا حق ہوگا (۱)" ان احکام کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل اسلام صنعت حرفت اور تجارت وغیرہ سے محض بے تعلق اور جنگی خدمت کے لئے مخصوص رہے۔

خلفاء اور اون کے عاملوں کی دولتمندی

اس سے پیشتر جو کچھ لکھا جا چکا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کو مال و زر کی ذرا بھی خواہش نہ تھی جس وقت حضرت ابو بکرؓ کا انتقال ہوا تو ان کے پاس سلطنت کے مال کا صرف ایک دینار نکلا تھا جو ناداستگی میں کسی تھیلی کے اندر رہ گیا تھا اور اس کو جھاڑنے کے وقت نکل آیا (۲) کیونکہ ان کا دستور تھا کہ جس قدر مال ان کے پاس جمع ہوتا اس کو مُسلمانوں میں بحصہ مساوی تقسیم کر دیتے تھے اور اپنی ذاتی ضرورتوں کا مطلق خیال نہیں کرتے تھے قبول اسلام سے پیشتر چالیس ہزار درہم جو ان کے پاس تھے اونہوں نے صرف کر ڈالے اور اپنی گذر اوقات کیواسطے تجارت کا شغل کیا کرتے تھے مگر جب خلافت کا بار ان پر ڈالا گیا تو انکی ذات اور ان کے متعلقین کی بسر اوقات کیواسطے ایک مقدار وظیفہ کی مقرر کر دیگئی تاکہ کسب معاش سے بے فکر ہو کر مسلمانوں کے انتظام میں مصروف رہیں اور اپنی پوری توجہ کاروبار حکومت پر رکھیں اس وظیفہ کی بابت بھی انتقال کے قریب اونہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کے قبضہ کی ایک زمین فروخت کر کے اس کی قیمت اس مال کے بدلہ میں دیدیجائے جو اُنہوں نے مسلمانوں کے مال سے لیکر اپنی ذات پر صرف کیا تھا (۳) اور رحلت کے وقت یہ بھی وصیت کی کہ دو کپڑے جو ان کے پاس ہیں اونہیں میں وہ کفنائے جائیں۔

حضرت عمر بن الخطاب کے حالات زہد اور پاکیزگی نفس کے بارہ میں اس قدر مشہور ہیں کہ محتاج بیان نہیں صرف مجمل طور پر اس بات کا بیان کر دینا کافی ہے کہ درحقیقت اسلامی سلطنت کے بانی مبانی اونہیں کی ذات والاصفات تھی اور اُنہوں نے حکومت اسلامی کی عمارت ملکداری کے نہایت مستحکم ستونوں پر قائم کی تھی اونہوں نے اسلامی حکومت کی بنیاد عدل۔ خدا ترسی۔ پرہیزگاری اور نصرت حق میں جان فدا کر دینے کے اعلےٰ اصول پر رکھی تھی جن صفتوں کا تنہا ایک شخص کی ذات میں جمع ہونا شاذ

(۱) مقریزی جلد ۱۔ صفحہ ۷۷۔ (۲) ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۴ (۳) ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۷

اور نادر بات ہے اور اسی غرابت کیوجہ سے بعض اوقات میں اُن کی صفتوں کی نسبت مبالغہ اور رنگ آمیزی سے کام لئے جانے کا وہم پیدا ہوتا ہے مگر جب ہم اُن نتیجوں پر غور کرتے ہیں جو ان مثیل اوصاف پر مترتب ہوتے ہیں تو ہمیں اُنکے حالات کو سچا اور راست تسلیم کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں پیش آتی اور اس کے شواہد میں صرف اُن بے شمار فتوحات کا خیال کر لینا کافی ہوتا ہے جن کی وجہ سے "مدینہ" کے بیت المال میں زر و جواہر کے انبار لگے رہتے تھے اور باوجود اس قدر کثیر دولت قبضہ میں موجود ہونے کے عمر رضؓ اس کیطرف مطلق التفات نہیں کرتے تھے بلکہ اُسی وظیفہ پر بسر کرتے تھے جسے مثل دوسرے صحابہ اولین کے مساوی طور پر اُنہوں نے اپنے لئے مقرر کر رکھا تھا کبھی ایک حبہ اس سے زائد نہیں لیا اور ضرورت ہوئی تو بیت المال کے نگران سے قرض لے لیا جسے فوراً دوسری تنخواہ کے برآمد ہونے پر بجرا دیدیا (۱) جسوقت اُن کی عمر زیادہ ہوگئی اور اُنہیں اپنی وفات کا زمانہ قریب آتا نظر آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہؓ سے کہا تھا کہ میں نے مسلمانوں کے بیت المال سے اسی ہزار درہم تلف کر ڈالے ہیں وہ میری اولاد کے مال سے واپس کئے جائیں اور اگر میری اولاد کا مال اس کیلئے کفائت نہ کر سکے تو تمام آل خطاب کے مال سے اوسکی کمی کو پورا کیا جائے" (۲) غذا اور لباس کے بارہ میں اُنکی احتیاط مشہور ہے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

امام علی کے حالات بھی قریب قریب اسی طرح کے بیان کئے جاتے ہیں وہ بھی زہد اور عدل کے اعلےٰ صفتوں سے متصف تھے اور نہایت سختی کے ساتھ اس کے پابند۔ ان کا ایک قول ہے کہ "میں نے حضرت بی بی فاطمہؓ کے ساتھ عقد کیا ہے اُسوقت میرے پاس صرف ایک دنبہ کی کھال تھی جسپر رات کے وقت بستر بنا کر سویا کرتا تھا اور دن کو اوسی پر دھوئے ہوئے کپڑے پھیلایا کرتا تھا اور میرے پاس سوا بی صاحبہ کے کوئی خادم تک نہ تھا" اُن کے عہد خلافت میں اصفہان سے ایک بار کچھ مال اور سامان آیا جسے انہوں نے سات برابر حصوں میں تقسیم کیا اتفاقاً اُسی سامان میں ایک روٹی بھی تھی اُس کے بھی سات ٹکڑے کئے اور امرائے اسباع کو بلا کر پہلے قرعہ ڈالا تاکہ جس کے نام نکلے اُٹھے ابتداءً تقسیم کی اوسی کے حصہ سے کی جائے

حضرت علی نے کوئی پختہ یا خام عمارت تعمیر نہیں کی اپنے رہنے کے واسطے بھی مکان نہیں بنوایا اور ان کے کھانے کے واسطے غلہ "مدینہ" سے آیا کرتا تھا جسے وہ خود ایک تھیلے میں رکھکر اپنے ساتھ لایا کرتے تھے ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ امام ممدوح نے اپنی تلوار اس بات کو ارشاد فرما کر فروخت کے لئے بازار میں بھیجی کہ اگر میرے پاس ایک تہبند کے واسطے چار درم ہوتے تو میں اس کو فروخت نہ کرتا اس کے علاوہ ان کے اور بھی صدہا مناقب ہیں جن کا حصر اور شمار نہیں ہو سکتا۔ (۳)

(۱) ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۹۔ (۲) یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۔ (۳) ابن اثیر جلد ۳۔ صفحہ ۲۰۲ ؛

خلفائے راشدین کو عدل اور حق کی تائید میں اس بات سے اور بھی زیادہ مدد ملی کہ ان کے عامل (گورنر) زیادہ تر خدا ترس اور سچے خوش اعتقاد مسلمان تھے عمرؓ کی یہ حالت تھی کہ جہاں انہوں نے اس بات کو دیکھا کہ ان کے عامل نے تجارت یا کسی دوسرے شغل سے اپنی مقررہ تنخواہ کے علاوہ کچھ اور دولت جمع کر لی ہے تو فوراً اس کا آدھا مال منگوا کر بیت المال میں داخل کر دیتے تھے اور اس کو بددیانتی یا ظلم نہیں تصور کرتے تھے چنانچہ سعدؓ بن وقاص عامل کوفہ۔ عمروؓ بن العاص عامل مصر اور ابی ہریرہؓ عامل بحرین اور ان کے سوا کئی اور شخصوں کے ساتھ انہوں نے یہی برتاؤ کیا تھا (۱) اور یہ امر ذرا بھی حیرت انگیز نہیں ہے اسلئے کہ جب عامل اپنے حکمران کو خدا ترس اور بے لوث دیکھے گا اور اس کے پاکدامن اور خیر خواہ ہونے کا ثبوت پائیگا تو باوجود اس بات کے کہ وہ امر اس کی طبیعت کے خلاف واقع ہوتا ہو پھر بھی وہ ضرور اپنے حاکم اور افسر کی پیروی کرے گا اور اس کو بھی جانے دیجئے سب سے مقدم تو یہ بات ہے کہ خود خلیفہ کسی ایسے شخص کو ملکی کاروبار کا ذمہ دار نہیں بنائیگا جو اس کے طرز عمل اور خیالات سے مخالفت رکھتا ہو خصوصاً عمرؓ تو ایسا ہرگز نہیں کر سکتے تھے جن کی عاملوں پر سخت گیری مشہور ہے ہر سال تمام کے موقع پر وہ اپنے عاملوں کی حالت جانچا کرتے تھے اور معمولی سی بدعملی پر بھی اونکو برطرف کر دیا کرتے تھے۔

حمص کی ولائت میں عمرؓ کی طرف سے "عمیر بن سعدؓ" نامی ایک شخص عامل مقرر ہوئے سال تمام کے موقعہ پر خلیفہ نے محاسبہ کیواسطے اونہیں "مدینہ" میں طلب فرمایا کچھ دنوں کے بعد ایک دن عمرؓ کیا دیکھتے ہیں کہ عمیر بن سعد عامل حمص ننگے پیر پاپیادہ اس حالت سے چلے آرہے ہیں کہ ہاتھ میں ایک لاٹھی ہے اور چمڑے کا توشہ دان۔ اور کاٹھ کا ایک پیالہ اور ایک طباق پشت پر پڑا ہے گورنر حمص کی یہ ہیئت کذائی دیکھ کر عمرؓ نے ان سے دریافت کیا "عمیرؓ! تمہاری یہ حالت ہماری حکم کی تعمیل میں ہوئی ہے یا وہ ملک برا ہے جہاں کے تم حاکم کئے گئے ہو؟"

عمیرؓ۔ امیر المومنین! بدزبانی اور بدگمانی خدائے پاک کے نزدیک دونوں باتیں ناپسند ہیں میں تو آپ کے پاس دنیا کے تمام ضروری سامانوں سے لیس ہو کر آیا ہوں کسی چیز کی خدا کی عنایت سے کمی نہیں۔"

عمرؓ۔ آخر میں بھی تو معلوم کروں کہ تمہارے پاس دنیاوی سامانوں سے کیا کیا چیزیں ہیں؟"

عمیرؓ۔ ایک تو یہ عصا ہے جسپر میں ٹیک لگاتا ہوں اور دشمن سے مقابلہ ہو تو اس کے ذریعہ سے اپنا بچاؤ کرتا ہوں دوسرا یہ توشہ دان ہے جس میں خوراک کا سامان رکھتا ہوں۔

(۱) یعقوبی جلد ۲۔ صفحہ ۱۸۱۔

عمرؓ اور تم نے اپنے ملک کا کیا انتظام کیا ہے؟"

عبیرہ۔ اونٹوں کے مالکوں سے زکوٰۃ میں اونٹ وصول کئے۔ ذمی رعایا سے جزیہ لیا اور پھر اس تمام محاصل کو فقیروں مسکینوں اور مسافروں پر تقسیم کر دیا خدا کی قسم! اے امیر المومنین اگر میرے پاس اس آمدنی میں سے کچھ باقی ہوتا تو میں اسے ضرور آپ کی خدمت میں حاضر کرتا۔

عمرؓ۔ "اچھا تم اپنے ملک کو واپس جاؤ اور اپنا کام کرو۔" (۱)

یہاں پر اس بات کی تشریح کر دینی ضروری ہے کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ عمرؓ دولت کے جمع کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور عام مسلمانوں کو بھی اس بات سے باز رکھتے تھے لہٰذا اگر وہ دولت جو بیت المال میں جمع ہونے کے لئے آتی تھی وہ مثل عہد نبوت اور زمانہ ابوبکرؓ کے فوراً مسلمانوں پر بحصہ مساوی تقسیم کر دیجاتی تو ان کو اپنے خیال کی پابندی آسان ہوتی لیکن چونکہ انہوں نے لوگوں کے وظیفے اور تنخواہیں مقرر کر دی تھیں جو وقت مقررہ پر باقاعدہ تقسیم ہوتی تھیں اس لئے روپیہ کا خزانہ میں جمع رہنا ایک لازمی امر ہو گیا تھا اور اس کے علاوہ اُن کے عہد میں فتوحات ملکی اس کثرت سے ہوئی تھیں کہ اونٹکے جزیہ اور خراج کی آمدنیوں کے سوا مال غنیمت کے خمس کی بیشمار مقدار بھی آتی رہتی تھی اور باوجود اسکے کہ لوگوں کے وظائف برابر تقسیم ہوتے رہتے تھے پھر بھی کافی تعداد مال و زر کی باقی رہ جاتی ہو گی، اس بقیہ دولت کو وہ کیا کرتے تھے اگر فقرا اور مساکین پر بانٹ دیتے تھے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن جسوقت وہ کچھ روپیہ متفرق تقسیم کے لئے جمع رکھنے پر مجبور ہوتے ہوں تو اس کو ہم کیا تصور کریں نظر اس اعتراض کا دفع کرنا مشکل نظر آئیگا۔ لیکن ہمارے خیال میں اس کا جواب بہت آسانی کے ساتھ یوں دیا جا سکتا ہے کہ خلیفہ ممدوح کی ممانعت کا مقصد صرف اسقدر تھا کہ وہ جنگی مصارف کی ضرورت کیلئے روپیہ جمع رکھنے کو ناپسند کرتے تھے اور صرف اسی کی اونہوں نے ممانعت کی تھی اسلئے جو روپیہ خاص تقسیم تنخواہ کی غرض سے خزانہ میں باقی رہتا تھا وہ جمع کرنے کی تعریف سے خارج تھا۔

مسلمانوں کا مال و دولت جمع کرنے کی طرف متوجہ ہونا

یہ بات تسلیم کرنی پڑیگی کہ عمر رضی اللہ کا یہ خیال اس مسئلہ اول کے سراسر خلاف تھا جو استحکام و قیام سلطنت کی بنیاد ہے خزانہ کا معمور رکھنا ملکداری کا جزو اعظم ہے اور حکومت کا بقا اسی پر منحصر۔ لیکن چونکہ ابتدائی زمانہ کے مسلمان خلافت کو سیاسی (پولیٹیکل) حکومت نہیں تصور کرتے تھے اس لئے انہیں اس بات کی طرف توجہ نہیں ہوئی مگر کچھ عرصہ کے بعد جبکہ لوگوں کے

(۱) مستطرف جلد ۱ صفحہ ۹۱۔

دلوں سے عہد نبوت کا رعب وجلال گھٹ چلا تو انسانی فطرت نے ان کو مغلوب کر لیا اور وہی مسلمان جو دولتمندی سے نفرت کرتے تھے مال و زر جمع کرنیکے شائق بن گئے اور بعض ان میں بڑے بڑے مالدار ہو گئے

دولتمندی کیطرف مسلمانوں کا رجحان حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں آغاز ہوا جو ۱۲ھ سے ۳۵ھ تک تیرہ سال کا زمانہ ہوتا ہے اس خواہش کی پیدا ہونیکی وجہ یہ ہوئی کہ خلیفہ موصوف حضرت عمرؓ کی طرح سخت گیر نہیں تھے اور اس کے سوا ایک اور بات بھی تھی وہ یہ کہ عثمان بن عفان اموی خاندان کے ایک ممبر تھے اور اموی لوگوں نے ان کی خلافت سے تازہ عزت حاصل کر کے اس بات پر کمر باندھی تھی کہ وہ اپنی گذشتہ عظمت و شوکت جو ان کو زمانہ جاہلیت میں حاصل تھی دوبارہ از سر نو حاصل کریں اور بنو ہاشم کو جنہوں نے عہد اسلام میں ان کے تمام مناصب چھین لئے تھے اور اپنے گھر میں نبوت کا شرف ہونے سے اونہیں دبا رہے تھے زک دیں (۱) حضرت عثمانؓ نے اپنے قرابتمندوں کو ممالک اسلام کا گورنر مقرر کرنا شروع کیا جن میں بعض لوگ ایسے تھے جو اسلام کے مقابلہ میں زور پانے سے مایوس ہو کر مجبوراً مشرف باسلام ہو گئے تھے حضرت عثمان رضؓ نے ایک اور بے اعتدالی کی وہ یہ کہ فتوحات میں مال غنیمت کا خمس بیت المال کے لئے نکالا جاتا تھا اور وہ عام مسلمانوں کو تقسیم کیا جاتا تھا اس میں انہوں نے اپنے عزیزوں کو اور لوگوں سے زائد حصہ دینا شروع کیا مثلاً ایک بار ۳۱ھ میں اسلامی افواج نے بماتحتی عبداللہ بن سعد کے جو حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی تھے افریقیہ کا ملک فتح کیا تو ۲۵۰۰۰۰ دینار مال غنیمت میں حاصل ہوئے عبداللہ بن سعدؓ نے اس کا خمس بجائے بیت المال میں داخل کرنے کے مروان بن حکم کو بخش دیا اور اپنی لڑکی اس کے عقد میں دیدی (۲) اس کے علاوہ عثمانؓ نے عاملوں سے حساب نہی کا قاعدہ توڑ دیا اسلئے اکثر عاملوں کو جو ان کے رشتہ دار بھی تھے دل کھولکر زر و مال جمع کرنیکا موقع مل گیا خاصکر معاویہ بن ابی سفیانؓ نے جو ملک شام کے عامل اور بڑے بلند نظر اور عالی حوصلہ شخص تھے بیشمار دولت فراہم کر لی اور سب سے پہلے عمرؓ کے اس قاعدہ کو جو مسلمانوں کو اراضیاں خرید لینے اور زراعت کرنے سے باز رکھنے کے بارہ میں تھا انہیں نے توڑا۔

اس کی صورت یوں ہوئی کہ جب وقت اہل اسلام نے شام کا ملک فتح کیا تھا تو وہاں کی اراضیاں خاص ملکی باشندوں کے قبضہ میں بحال رکھیں چونکہ زمین کا بڑا حصہ رومی فوج کے افسروں یعنے بطریقوں کی جاگیروں میں تھا اور اسلامی فتح کے بعد وہ یا تو بھاگ گئے یا قتل ہوئے لہذا انکی جائدادیں اور

(۱) دیکھو حصہ اول تاریخ تمدن صفحہ ۵۹۔ (۲) یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۹۱۔

زمینیں لاوارث رہیں اور فاتح لوگوں کی ملکیت بنگئیں یہ اراضیاں بیت المال پر وقف نہیں اور قاعدہ تھا کہ ہر صوبہ کے گورنر ان زمینوں کو لگان پر لے لیا کرتے تھے اور ان کی آمدنی بیت المال میں داخل کرتے رہتے تھے معاویہ رضؓ کو ملک شام کی حکومت پر استقرار ہوا تو انہوں نے شان حکومت اور نمائش جاہ وجلال میں رومیوں کی پیروی کی اپنے حشم وخدم میں بہت سے لوگ بھرتی کئے اور اسقدر سامان ریاست درست کیا کہ ان کی آمدنی صرف کیلئے ناکافی ہوگئی اور مقررہ تنخواہ میں بسر کرنا مشکل پڑ گیا عثمانؓ کو کمزور حکمران پاکر معاویہؓ نے انہیں لکھا کہ "میری تنخواہ مصارف کے لئے ناکافی ہے کیونکہ فوجوں کے وفد سپہ سالاروں کے قاصد اور دولت روم کے سفیروں کے آتے رہنے سے اونکی مہمانداری کا خرچ مجھ کو برداشت کرنا پڑتا ہے اس تمہید سے حسن طلب کا موقع ثابت کرکے ان اراضیوں کی نسبت جو بیت المال پر وقف نہیں یہ لکھا کہ ان کا کوئی خاص مالک نہیں ہے اور نہ وہ ذمی لوگوں کی ملک ہیں نہ انپر کسی قسم کا خراج مقرر ہے اس قدر تفصیل کے بعد اپنا مدعا یوں لکھا تھا کہ "اگر آپ حکم دیں تو میں انہیں اپنی جاگیر میں لے لوں"۔ (۱)۔

حضرت عمرؓ نے معاویہ رضؓ کو ملک شام کا عامل (گورنر) مقرر فرمایا تھا اور ان کی تنخواہ سالانہ ہزار دینار قرار دی تھی (۲) جو اسوقت کے دوسرے عاملوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی اب حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں انہوں نے موقوفہ اراضیوں کو اپنی جاگیر بنانے کی خواہش کی جسے خلیفہ ممدوح نے منظور کرلیا اس طرح پر معاویہ رضؓ نے ان زمینوں پر قبضہ کرکے اپنے کنبہ کے نادار لوگوں کو بلا حق انتقال تقسیم کردیا۔ اس بات سے ان کو یہ جرأت بھی پیدا ہوگئی کہ وہ جائداد اور علاقہ خریدیں۔ چنانچہ اونہوں نے ایسا ہی کیا اور اس کو صرف اپنی ذات تک محدود نہیں کہا بلکہ خلافت پر مستقل ہونے کے زمانہ میں مسلمانوں کو عام طور پر اس کی اجازت دیدی کہ وہ آزادی کے ساتھ اراضیاں خریدیں۔

امیر معاویہ کی پیروی میں دوسرے صوبجات کے عاملوں نے بھی علاقے خرید کرنے شروع کئے اور تمام صحابہ نے املاکین اور جائدادیں مول لے لیں جن میں حضرات طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ سعدؓ اور یعلیٰؓ وغیرہ کے ایسے اعلےٰ درجہ کے صحابی بھی شامل تھے اور ان کی دولتمندی روز افزوں ترقی کرتی گئی یہانتک کہ خود خلیفہ عثمان بن عفانؓ نے بھی بہت بڑا حصہ زمینوں کا خرید فرمایا اور بے شمار مال وزر جمع کیا چنانچہ ان کی شہادت کے بعد ان کے خزانچی کی تحویل میں ۱۵۰۰۰۰ دینار اور ۱۰۰۰۰۰ درہم نقد موجود نکلے اور وادی القریٰ اور حنین وغیرہ میں انکی جو اراضیاں تھیں ان زمینوں کی قیمت ۱۰۰۰۰۰ دینار تک تخمینہ

(۱) ابن عساکر (خط) ۔ (۲) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۹۰۔

کی گئی اثاث البیت اور اونٹ گھوڑے اس کے علاوہ تھے (۱) اس بات سے قیاس قائم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ چونکہ وہبت بڑے مالدار شخص تھے لہذا انہوں نے اس بارہ میں مسلمانوں کی کوئی روک تھام نہیں کی اور اس کے سوا ان کے عزیزوں خاصکر امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ نے اونہی اور بھی دولت کے جمع کرنے پر امادہ کیا اور اس کے بعد سے مسلمانوں کے یہاں زمینداریاں خرید نا معمولی اور رواجی امر ہو گیا۔

مسلمانوں میں زمینداری کا شوق ایک وجہ سے اور بھی شائع ہوا جو حسب ذیل ہے:۔

حضرت عثمان اور ان کے عاملوں نے چند ایسی زمینیں جن کا کوئی مالک نہیں ٹھہرا اس شرط پر اپنی جاگیر بنالی تھیں کہ ان کے معاوضہ میں ٹھیکہ یا لگان کے طور پر ایک مقررہ رقم بیت المال میں داخل کرتے رہینگے جسکا بیان پہلے ہو چکا ہے مگر جسوقت ۸۲ھ میں اشعث کا فتنہ برپا ہوا تو اس میں سرکاری دفتر جل گیا۔ اور تمام حسابات تلف ہو گئے اس موقع سے ان ٹھیکیداروں کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ لوگ اپنی اپنی متصونہ زمینوں کے غصب کر لینے میں کامیاب ہو گئے اور ان کے مالک بن گئے (۲)۔

اگرچہ معاویہؓ اور ان کے ہمخیال چند دوسرے لوگ اس طریقہ سے دولت کی فراہمی میں مصروف ہوئے تھے تاہم عام مسلمان انکے اس طرز عمل کے مخالف تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سادات کا لحاظ نہیں کیا تھا اور فقیہوں اور پرہیزگار لوگوں کی ناراضی کی تو کوئی حد نہیں تھی۔ حضرت ابی ذرؓ غفاری جو ایک جلیل القدر صحابی تھے ان کی رائے میں عمرؓ کے قاعدہ کا ٹوٹنا بڑا ستم تھا اور وہ اس بات کا پختہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ایک مسلمان کی ملک میں رات اور دن کی خوراک سے زائد سامان رہنا ناجائز ہے اور ہو تو اسے راہ خدا میں غربا پر ایثار کر دینا واجب یا مہمانداری میں صرف کرنا لازم ہے (۳) وہ ملک شام کے دولتمندوں کو کہا کرتے تھے کہ "فقرا کی خدمت اور مسکینوں کی امداد کرو۔ بیشک جو لوگ سونے چاندی کو جمع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں اسے صرف نہیں کرتے ان کو معلوم رہے کہ انہیں سکوں کو گرم کر کے ان کی پیشانیاں پہلو۔ اور پشت داغی جائے گی"۔ ابی ذرؓ نے اپنے اس خیال کا اس قدر اعلان کیا تھا کہ فقیروں کو ایک سند ہاتھ آگئی اور انہوں نے امرا اور اہل دولت کو امداد دینے پر مجبور بنا لیا وہ سوال نہیں کرتے تھے بلکہ گویا اپنا واجبی حق طلب کیا کرتے تھے یہانتک کہ دولتمند لوگوں نے تنگ ہو کر امیر معاویہ رضؓ سے اس بات کی شکایت کی امیر معاویہ رضؓ خود بھی ابی ذر رضؓ سے بہت ناراض تھے کیونکہ وہ ان کو بھی کئی بار مال وزر جمع کرنے کی نسبت لعنت ملامت کر چکے تھے چنانچہ جس وقت امیر معاویہ رضؓ نے شہر دمشق میں "قصر خضراء" کا شاندار محل بنایا تو اس کی تیاری کے بعد ابی ذرؓ سے بطور داد چاہنے کے دریافت کیا کہ آپ کے خیال

(۱) مسعودی جلد ۱ صفحہ ۳۰۱۔ (۲) ماوردی صفحہ ۱۸۳۔ (۳) ابن اثیر جلد ۳۔ صفحہ ۵۵۔

ہیں یہ عمارت کیسی بنی ہے؟" جس کے جواب میں ابی ذر رضؓ نے کہا "اگر تمنے اس کو خدا کے مال سے بنوایا ہے تو تم بد دیانتی کے مرتکب ہوئے ہو اور اپنی ذاتی دولت اسپر صرف کی ہے تو فضول خرچی کے مرتکب ہوئے"(۱) امیر معاویہ رضؓ ان کی اس ناگوار تقریظ سے دل میں بہت رنجیدہ ہوئے۔ بظاہر تو کچھ نہیں کہا لیکن اندرونی طور پر ان کے قانونی شکنجہ میں لانے کی فکر کرنے لگے اس لئے انہوں نے ابی ذر رضؓ کے پاس ایک مرتبہ ہزار دینار رات کے وقت اس خیال سے بھیجے کہ وہ اسوقت ان کو صرف نہیں کرسکیں گے اور صبح کو میں انہیں الزام دونگا۔ مگر ابی ذر رضؓ نے اپنی عادت کے موافق وہ سب روپیہ اُسیوقت غریبوں اور مستحق لوگوں کو بانٹ دیا۔ صبح کو امیر معاویہؓ کے قاصد نے آکر اُن سے کہا "جناب میں غلطی سے وہ دینار آپ کے پاس لے آیا تھا۔ اب امیر معاویہ رضؓ انہیں واپس مانگتے ہیں"۔ ابی ذر رضؓ نے جواب دیا "میں نے تو وہ سب روپیہ اسی وقت تقسیم بھی کردیا" قاصد یہ جواب لیکر پلٹ گیا اور امیر معاویہؓ اپنے ارادہ میں ناکام رہنے سے بہت شرمندہ ہوئے اب انہوں نے الزام کا موقع نہیں پایا تو ابی ذر رضؓ پر نقض امن کا الزام قائم کیا اور خلیفہ عثمان بن عفانؓ کو ان کی شکائت میں لکھا کہ "ابی ذر رضؓ کیوجہ سے تمام ملک شام کے لوگ آپکے دشمن ہو رہے ہیں"۔ اس شکائت نامہ کو پڑھ کر خلیفہ ممدوح نے فوراً یہ حکم تحریر کردیا کہ "ابی ذر رضؓ کو ننگی کاٹھی پر سوار کرکے مدینہ منورہ میں بھیجدو"(۲) غرضیکہ جب وہ اس حالت سے مدینہ پہنچے تو خلیفہ نے اُن سے جواب طلب کیا۔ مگر ابوذر رضؓ نے اپنی سچائی کے زعم میں ان کے حکمران ہونے کی کچھ بھی پرواہ نہ کی اور صاف صاف لفظوں میں بنو اُمیہ کے ظلم و ستم اور دائرہ حق سے خارج ہونیکی حالت بیان کردی۔ عثمان رضؓ نے ان کی باتوں پر بھی خیال نہیں کیا اور انہیں "مدینہ" سے نکلوادیا اور حکم دیا کہ وہ "ربذہ" نامی ایک مقام کو جلاوطن کر دیئے جائیں چنانچہ وہ اپنے آخر وقت تک وہیں رہے۔ ابی ذر رضؓ کے ساتھ اس قسم کا سلوک ہونا عام مسلمانوں کو بہت گران گذرا۔ اور ان کے دلوں میں عثمانؓ کی طرف سے بغض پیدا ہوگیا۔

۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اور ان کے بعد خلافت کے بارہ میں فساد برپا ہوا۔ امیر معاویہؓ کو حصول خلافت کی بڑی تمنا تھی۔ مگر وہ اس بات کو جانتے تھے کہ موجودہ حالت میں خلافت کے ایسے دعویدار موجود ہیں جو قرابت نبوی اور سبقت ایمانی کو اپنے دعوے کی تائید میں پیش کریں گے لہذا انہوں نے روپیہ کی امداد سے اپنے طرفداروں کی ایک قوی جماعت فراہم کرنے کی سعی کی اور اس کے لئے انہیں بافراط زر و مال خرچ کرنا اور اس کی فراہمی میں ان کو کئی قسم کی تدبیروں سے کام لینا پڑا اس میں کوئی شک نہیں کہ مال کی قوت کے سامنے تمام قوتیں ہیچ ہوجاتی ہیں ابتدائے آفرینش عالم سے اسوقت

(۱) ابن الفقیہ صفحہ ۱۵۰۔ (۲) یعنی جس کاٹھی پر بندہ وغیرہ پڑا پایا گیا ہو۔ مقصد یہ تھا کہ تکلیف پہنچے۔ ابن الفقیہ صفحہ ۱۵۶۔

تک دنیا کے تمام بڑے بڑے کاموں کی بنیاد یہی مالی قوت رہتی آئی ہے اور اسی محور پر متمدن دنیا گردش کرتی رہتی ہے کوئی جنگ یا صلح معاہدہ یا فتح یا محاصرہ ایسا نہیں ہوتا جس کی تحریک پیدا کرنے والا "مال" کے علاوہ کوئی دوسرا امر ہو۔ امیر معاویہ رضؓ نے بھی اسی قاعدہ پر عمل کیا اور بیدریغ روپیہ صرف کرکے عرب کے نامور پولیٹیکل لوگوں کی ایک عمدہ جماعت اپنے قابو میں کرلی اور ان سے اپنے منشاء کے مطابق کام لیا ان لوگوں نے اپنی مدبرانہ قوت اور تلواروں سے معاویہ رضؓ کی پوری مدد کی اور جنگ صفین کے بعد اونہیں خلیفہ بنا ہی دیا۔ گو بلاخر خشہ یہ منصب معاویہؓ کو اس وقت ملا جبکہ امام علیؓ ۴۰ھ میں شہید ہوگئے اور ان کے خلف اکبر حضرت امام حسنؓ نے منصب خلافت سے کنارہ کشی کرکے اس بار کو امیر معاویہ کے سپرد کردیا۔ اگرچہ یہ سب مرحلے طے ہوگئے لیکن عام مسلمانوں کا خیال یہی رہا کہ معاویہ رضؓ نے روپیہ کی طاقت سے خلافت حاصل کی ہے چنانچہ امام زین العابدینؒ جو امام علی کے پوتے تھے اونہوں نے ایک بار صریح لفظوں میں اس بات کو کہا۔ کہ امیر معاویہ رضؓ علی رضؓ کے ساتھ روپیہ کے ذریعہ سے لڑتے تھے" (۱)۔ خاندان بنوامیہ کے دوسرے حکمرانوں نے بھی معاویہؓ کی پیروی کی اور خاندان بنوہاشم کے ان لوگوں سے مقابلہ کرنے میں جن کو خلافت کا دعوے تھا یا خارجی لوگوں سے جنگ کرنے میں مال و دولت ہی کو اپنا آلہ اور سپر بنایا۔ اسی لئے ان کو دولت جمع کرنے بلکہ اس کے ہر ایک مناسب اور نامناسب طریقہ سے ہاتھ میں لانے کی فکر پیدا ہوئی جیسا کہ آئندہ بیان سے معلوم ہوگا وہ یہی کرتے رہے۔

خلفائے راشدین کے عہد میں مسلمانوں پر دولت جمع کرنا حرام تھا۔ مگر یہ حرمت زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہی اور فی الواقع رد بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ اس قاعدہ کا بقا حضرت عمر بن الخطابؓ کے وجود کا پابند تھا یا کسی ایسے شخص کا طالب تھا جو عادات اور اطوار میں اونہیں کا نظیر ہوتا اسی کے ساتھ یہ بات بھی شرط تھی کہ اہل عرب کی بدوی فطرت بھی برقرار رہتی جو اصول عمران کے منافی ہے اسی لیئے اہل عرب کا رومیوں اور فارسیوں سے میل جول ہونا ان کے دلوں میں دولتمندی اور عیش و عشرت کا تخم بوگیا اور بنوامیہ کو دولت کے ذریعہ سے اپنی کامیابی کا منہ دیکھنا ان کے دلوں میں بیشمار دولت فراہم کرنے کی خواہش کا پیش خیمہ بن گیا اور وہ اس خیال سے بہت جلد متاثر ہوئے خلفائے راشدین کا مبارک اور پرامن زمانہ گذرنے کے بعد مسلمانوں نے پھر ویسا عہد نہیں دیکھا اور کئی صدیوں تک ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نام لوگوں کے نزدیک ضرب المثل رہا۔ خاصکر حضرت عمرؓ جن کے عدل و دوراندیشی اور حق شناسی کے اعلےٰ صفات مشہور تھے۔ اکثر لوگوں نے اون کی پیروی کرنی چاہی مگر کسی سے بن

(۱) یعقوبی جلد ۳۔ صفحہ ۱۹۹۔

آئی بنو امیہ کے بعض عمال جن کے ظلم وستم اور پولٹیکل چالوں کی ایک زمانہ میں دھوم مچی تھی دراصل وہ عمرؓ کی پیروی کے شائق تھے لیکن ان سے لغزش ہوگئی اور وہ بجائے عادل وحق شناس بننے کے ظالم وناخداترس ہوگئے بعض مورخین کی رائے ہے کہ "زیاد بن ابیہ" نے انتظامی قابلیت۔ دوراندیشی اور حسن سیاست میں عمرؓ کی اقتدار کرنی چاہی مگر وہ حد سے باہر نکل گیا اور حجاج بن یوسف نے زیاد کی پیروی کرنے کا قصد کیا۔ لیکن وہ بھی اعتدال کے دائرہ سے خارج ہوگیا اور بجائے عادل وحق پسند ہونیکے ظالم وسفاک بن گیا (۱) +

۳۔ عہد بنی امیہ ۴۱ھ سے ۱۳۲ھ تک

بنو امیہ کا دور عہد راشدین اور عہد عباسیہ دونوں سے کسی نہ کسی حیثیت میں ممتاز نظر آتا ہے خلفائے راشدین کے زمانہ سے اوسے اسلئے امتیاز ہے کہ دینی خلافت کے اصول مٹ کر دنیاوی حکومت کی بنیاد اوس میں پڑی اور عہد عباسی سے یوں ممتاز ہے کہ اموی حکومت خالص اور متعصب عربی نسل کی حکومت تھی جو غیر اقوام سے طبعی نفرت رکھتی تھی اسیوجہ سے امویوں کے زمانہ میں ملک کے اصلی باشندے جو ذمی کہلاتے تھے خلفاء اور ان کے عاملوں کے ہاتھوں بیحد ظلم وستم اٹھاتے تھے اور دین اسلام قبول کرلینے پر بھی اُنکے ساتھ نفرت کے قابل برتاؤ ہوا کرتا تھا ان نومسلموں کا نام اہل عرب نے اپنی اصطلاح میں "موالی" رکھ چھوڑا تھا اور ان سے بالکل غلاموں کی طرح کا برتاؤ برتتے تھے اور اپنے تئیں اونکا محسن ومربی اور آقائے نعمت سمجھتے تھے اہل عرب کا خیال تھا کہ ہمنے ان کو کفر اور گمراہی کی تاریک غار سے نکالکر مذہب اسلام کے صاف اور روشن شاہ راہ پر کھڑا کردیا ہے اس لیئے انہیں ہمیشہ ہمارا ممنون رہنا چاہیئے۔ اونہیں وہ اسقدر حقیر جانتے تھے کہ اگر کبھی ان کے پیچھے نماز پڑھنی پڑتی تو اس کو محض اس خیال سے گوارا کرتے کہ ہم ثواب کے واسطے عاجزی کا برتاؤ کرتے ہیں بعض لوگوں کا یہ دستور تھا کہ ان کے سامنے سے کوئی جنازہ گزرتا تو وہ پہلے دریافت کرتے کہ کس کا جنازہ ہے اگر معلوم ہوتا کہ کسی "قرشی" کا جنازہ ہے۔ تو "واقوماہ" کہتے اور عربی کا جنازہ ہوتا تو "واہلتاہ" کے لفظ سے اوسپر افسوس ظاہر کرتے۔ لیکن جب یہ معلوم ہوتا کہ "مولی" یعنے نومسلم کا جنازہ ہے تو حقارت اور لاپروائی سے کہدیا کرتے "ہومال اللہ یاخذ ماشاء ویدع ماشاء" یعنے خدا کی امانت میں کس کو اختیار ہے اوس کی مرضی چاہے واپس لے یا چھوڑ دے "موالی" اپنے لئے کنیت نہیں مقرر کر سکتے تھے اور اہل عرب ان کو صرف ان کے اصلی ناموں یا لقبوں کے ذریعہ سے پکارتے تھے وہ لوگ جنگ کے میدان میں اہل عرب کی صفوں کے برابر نہیں چل سکتے تھے (۲) اور ان کا تحقیراً "علج" نام

(۱) ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۲۴۔ (۲) عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ +

رکھ چھوڑا تھا۔ ان لوگوں کے حالات میں "۔ جاحظ" نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "کتاب الموالی" ہے وہ لکھتا ہے کہ "جن موالی" نے "ابن اشعث" کا ساتھ دیکر بنو امیہ کے ساتھ جنگ کی تھی حجاج بن یوسف ثقفی ملک عراق کے گورنر نے اوسپر قبضہ پانے کے بعد ان کا جتھا توڑنا چاہا لہذا اس نے ہر شخص کے ہاتھ پر اس شہر کا نام نیل سے گدھا دیا جہاں اوسے بھیجنا منظور تھا اس گدھا گدانے کی خدمت "بنی عجل" کے ایک آدمی کو سپرد ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک شاعر نے اس بارہ میں کہا ہے۔

وانت من نقش الجبال رأسه	اور تو وہ شخص ہے جسکی ہتھیلی پر عجلی نے گدھا گودا ہے اور تیرا سردار
وفرشجبات حتی عاد بالحلم	بھاگ گیا تھا یہاں تک کہ پھر اس کی حکومت نہ ہوئی۔

اس بحث کی تفصیل ہم اسوقت کریں گے جبکہ اس کتاب کے کسی حصہ میں اسلامی قلمرو کی طرز معاشرت کا بیان کریں گے۔ اس جگہ پر صرف اتنا ظاہر کرنے کیلئے کہ اموی حکومت کے دور میں اہل عرب غیر قوموں کے ساتھ خواہ وہ مسلمان بھی ہوں کیسا تعصب رکھتے تھے ہمنے ایک مختصر تذکرہ کر دیا ہے۔

بنو امیہ کے تعصب اور ان کے غیر اقوام کو بیجا ذلیل سمجھنے کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ انہوں نے اپنے مفتوحہ ملکوں کی رعایا کا جان اور مال اپنا رزق حلال سمجھ رکھا تھا اس کی دلیل ملک عراق کے عامل "سعید بن العاص" کا یہ قول ہے "ما السواد[1] الا بستان قریش ماشئنا اخذنا منه وما شئنا ترکنا" (۲) اور عمرو بن العاص حاکم مصر سے "اخناذ" کے حاکم نے ایک بار دریافت کیا کہ بہ سے ملک پر کس قدر جزیہ مقرر کیا گیا ہے تو انہوں نے اسے جواب دیا "تم ہمارے خزانے ہو اگر ہم پر زیادتی ہوگی تم سے زیادہ لیں گے اور ہم تخفیف کی جائیگی تو ہم پر بھی تخفیف کرینگے" (۳) غرضیکہ اسی قسم کی زیادتیوں اور زبردستیوں سے انہوں نے رعایا کا خون چوسنا اپنے اصول میں داخل کر لیا تھا اور یہ سب خرابی امیر معاویہؓ کی ڈالی ہوئی تھی جنہوں نے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں بعض عاملوں کو ان کے صوبہ کی آمدنی خود برداشت کر لینے کا وعدہ دیا اور اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ وہ لوگ ان کے معین و ناصر بنے رہیں قاعدہ ہے کہ جس کے ساتھ ایک مرتبہ کوئی رعایت کی جائے وہ ہمیشہ اسی مراعات کا امیدوار رہیگا اور خاصکر ایسی حالت میں جبکہ رعایت غرض سے کیجائے لہذا جب ایک دفعہ ان سے جواب طلب نہیں ہوا تو آئندہ کے لئے وہ لوگ سرکاری آمدنی غبن کر لینے کے نوگر ہو گئے اور امیر معاویہؓ یا ان کے جانشینوں کو بوجہ خارجی لوگوں اور بنو ہاشم کے طرفداروں سے معرکہ آرا رہنے کے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اسی وطیرہ پر پابند رہیں اور جس طرح ممکن ہو خراج

(۱) عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۴۷ (۲) آغانی جلد ۱۱ صفحہ ۳۰ (۳) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۷۷ ۔

[1] سواد قریش کا باغ ہے اس میں سے ہم کو جس چیز کا دل چاہے لینے نہ لینے کا اختیار ہے ۔

جزیہ کی مقدار بڑھا کر محاصل ملکی کو زائد کریں اور رعایا کو پیٹ بھر کے روٹیں عامل بھی ایسے لوگوں کو مقرر کیا تھا جن کی حسن کارگذاری اور توفیر محاصل میں کوشش کرنے کے علاوہ اس بات پر بھی اعتماد تھا کہ وہ لوگ جنگ کے موقعہ پر سچے جاں نثار ثابت ہوں گے ان عاملوں میں اول نمبر کا ظالم اور سفاک حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا گورنر تھا۔ عبدالملک بن مروان کو اپنی خلافت کے زمانہ میں کئی ایک خلافت کے دعویداروں کا مقابلہ کرنا پڑا جن میں عبداللہ بن زبیرؓ اور مختار بن ابی عبید دوسرے آدمی بڑے دلیر شخص تھے اور حجاج ہی کا جگر تھا کہ اس نے ان لوگوں سے معرکہ آرائیاں کیں اور انہیں تباہ و ہلاک کیا اس نے حق یا ناحق جس طور پر ہو سکا اہل ملک سے روپیہ سمیٹ کر بے پایان جنگی مصارف پورے کئے اور ناقابل بیان سفاکی اور ظلم سے کام لیکر اپنے آقا کیلئے خلافت کا میدان پاک و صاف بنا دیا (۱)۔

بنو امیہ کے عاملوں کے مظالم | بنو امیہ کے عامل ذمی زمینداروں سے خراج اور جزیہ کے وصول کرنے میں بیحد ظلم و ستم توڑنے والے تھے وہ اس بات کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتے تھے کہ اون بیچارے کسانوں کے پاس اپنا پیٹ پالنے کو بھی کچھ باقی رہتا ہے یا نہیں اوس زمانہ میں زمین پر پیمائش کے حساب سے خراج کا تعین کیا گیا تھا اور قرارداد یہ تھی کہ قابل کاشت یا ناقابل زراعت سب پر ایک معین مقدار خراج کی وصول کی جاتی تھی اور زمینداروں کا حق صرف اسقدر چھوڑا جاتا تھا کہ اوس سے وہ آفات ارضی و سماوی کے نقصان کو پورا کر سکیں اور زمین کو افتادہ نہ رہنے دیں۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ ایک بار حجاج نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کے حضور میں رپورٹ کی کہ اگر آپ کا حکم ہو۔ تو زمینداروں سے پیداوار کا وہ حصہ بھی لے لیا جایا کرے جو ان کو زمین کی حالت درست رکھنے کے واسطے چھوڑ دیا جاتا ہے" جس کے جواب میں عبدالملک نے یہ حکم لکھا:

"لا تکلفن علی درھمک المأخوذ احرص منک علی درھمک المتروک دابق لھم لحومًا یعتدرن بھا شحومًا۔" (۲)	"جو درم ان سے وصول نہیں کیا ہے اسپر وصول کرنے کی روپیہ سے کم توجہ نہ کرو اور صرف ان کا گوشت اور چمڑا رہنے دو" +

اس حکم کی مثال سے صاف ظاہر ہے کہ گاؤں والوں اور زمینداروں پر جب اس حد تک ظلم ہونے لگا تو انہوں نے "تنگ آکر جان بچانے کے لئے اسلام قبول کر لیا لیکن اس صورت میں بھی انکو کوئی فلاح نہیں ہوئی۔ اگر پہلے مشرک اور ذمی تھے تو اب "موالی" کی جماعت میں آگئے اور خراج و جزیہ اونپر بدستور لازم رہا جس کے بارہ میں حجاج کے ستم ناقابل برداشت تھے (۳) اور اوس نے

(۱) ابن اثیر صفحہ ۱۰۱ جلد ۵ اور کتاب الفخری فی الآداب السلطانیہ صفحہ ۶۲ + (۲) ماوردی صفحہ ۱۴۳۔ (۳) ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۲۷۰

ان لوگوں کو خراج سے بری نہیں کیا تھا اگرچہ وہ بیچارے اپنے کھیتوں اور باغوں کو چھوڑ کر اور گھر بار سے بھاگ کر شہروں میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ لیکن حجاج نے یہ حکم دیا کہ انہیں پھر اونکے دیہات میں واپس کیا جائے اور ان پر خراج کا مطالبہ ہو (۱) کیونکہ مسلمان اس زمانہ تک صرف اپنے آباد کئے ہوئے شہروں میں رہا کرتے تھے اور دیہات کی آبادی ملک کے اصلی باشندوں پر منحصر تھی جو زراعت کیا کرتے تھے ان میں سے کوئی شخص مسلمان ہوتا تو اس کے ذمہ سے خراج ساقط ہو جاتا اور اس کی زمین اور گھر وغیرہ اس کی برادری کے لوگوں کو دلا دیا جاتا جو اس کے مقررہ خراج کو ادا کرتے رہتے تھے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور وہ نومسلم ان شہروں میں جا رہتا تھا جو مسلمانوں کی سکونت کے لئے مخصوص تھے۔ مثلاً بصرہ کوفہ اور فسطاط (مصر وغیرہ) حجاج کے ایام حکومت میں بہت لوگوں نے ایسا ہی کیا اور اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ کسی طرح آفت سے تو بچیں لیکن حجاج نے انہیں پھر بھی نہیں چھوڑا اور تمام شہروں میں یہ تحریری حکم بھیجدیا کہ "جن لوگوں کی دیہات میں زمینداریاں ہوں اور وہ انہیں چھوڑ کر شہروں کو بھاگ گئے ہوں ان کو پھر گاؤں میں واپس بھیجا جائے تاکہ ان سے جزیہ اور خراج وصول کیا جائے" حجاج نے یہ کارروائی "ابن اشعث" کے زمانہ میں کی تھی جس کی وجہ سے وہ تمام مصیبت زدہ لوگ سراسیمہ پریشان روتے چیختے (واحمراہ۔ واحمراہ کے نعرے مارتے) شہروں سے نکل گئے چونکہ ان غریبوں کو اب کہیں ٹھکانا نہیں ملتا تھا اس لئے مجبور ہو کر حجاج سے انتقام کشی کیلئے وہ سب اشعث سے جا ملے (۲)

تحصیل خراج کا یہ برتاؤ صرف "حجاج" ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ "یزید بن ابی مسلم" جو عبدالملک کی طرف سے افریقیہ کا عامل تھا (۳) "جراح" حاکم خراسان۔ (۴) اور عکام ماوراء النہر (۵) وغیرہ نے بھی اس سے بڑھ بڑھ کر رعایا پر سختیاں کیں صوبہ سمرقند کے لوگ پہلے اس خیال سے مسلمان ہو گئے تھے کہ ان کے ذمہ سے جزیہ معاف ہو جاویگا۔ لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اس صورت میں بھی بچاؤ ناممکن ہے تو پھر اپنے دین میں داخل ہو کر مرتد ہو گئے۔

جبکہ مسلمان ہو جانے والوں پر جبر و تعدی کا یہ عالم تھا تو ان ذمی اور اہل ذمہ کی حالت بیان کرنی ہی فضول ہے جنہوں نے اپنا دین تبدیل نہیں کیا تھا۔ ان لوگوں پر جزیہ وصول کرنے میں جیسی سختیاں ہوتی تھیں ان کے بیان کرنے سے قلم کا جگر شق ہوتا ہے لیکن چونکہ ہ

(۱) ابن اثیر جلد ۴۔ صفحہ ۲۲۵۔ (۲) ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۲۵۔ (۳) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۴۸۔ (۴) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۴۔ (۵) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۱۱۔

لوگ اس بات کو دیکھ چکے تھے کہ اسلام قبول کرنا بھی ان کو اس عذاب سے نجات نہیں دلا سکتا لہذا تنگ آکر رہبانیت اختیار کرنے لگے کیونکہ یہ گروہ جزیہ ادا کرنے سے معاف تھا۔ عمال نے ان کی یہ چال بھی تاڑلی اور راہبوں پر بھی جزیہ مقرر کر دیا سب سے پہلے جس شخص نے اس کی ابتدا کی وہ عبد العزیز بن مروان عامل مصر تھا (۱) اس نے ایک فرمان جاری کیا کہ راہبوں کی مردم شماری کی جائے جب اس کے کاغذات مرتب ہو گئے تو ہر شخص پر ایک ایک دینار جزیہ مقرر کر دیا اور اب بیچارے تارک الدنیا فقیروں سے بھی جزیہ لیا جانے لگا غرضیکہ ایسی ہی نئی باتیں بنو امیہ کی تاریخ میں بکثرت ملتی ہیں جن سے ان کی سخت گیری اور مظالم کا پتہ چلتا ہے۔

بنو امیہ نے روپیہ جمع کرنے کیلئے صرف انہیں باتوں پر اکتفا نہیں کی بلکہ انہوں نے خلفائے راشدین کے عہد سے نسبتاً خراج کی مقدار بھی اضافہ کر دی۔ یہ کارروائی امیر معاویہؓ کے زمانہ سے شروع کی گئی تھی اونہوں نے پہلے ایک قیراط اضافہ کرنے کی تجویز کی اور مصر کے امیر عمرو بن العاصؓ کے غلام "دردان" کو یہ حکم تحریر کیا کہ "ہر قبطی پر ایک قیراط جزیہ میں اضافہ کر دو" جس کے جواب میں دردان نے عرض کی کہ میں نہیں کیونکر اضافہ کروں اون کے عہد نامہ کی شرائط میں صاف طور پر لکھا ہے کہ جزیہ کی مقدار میں کبھی اضافہ نہ ہوگا (۲) لیکن اس بات کی ایک یہ وجہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ شاید ملک مصر کے امیر عمرو بن العاصؓ نے امیر معاویہؓ کی رائے کو نہیں منظور کیا کیونکہ اس میں ان کی ایک ذاتی مصلحت بھی مضمر تھی وہ ملک مصر کو خاص اپنا ملک سمجھتے تھے اور وہاں کسی دوسرے کی تجاویز اور وہ بھی عام ناراضی پھیلانے والی رائج نہیں کرنا چاہتے تھے مگر جس وقت ان کے بعد "مصر" کی حکومت منتقل ہو کر خلفائے بنی امیہ کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو انہوں نے اپنی مرضی کے موافق جزیہ اور خراج میں اضافہ کر لیا ان اضافہ کرنے والوں میں سب سے مشہور شخص "عبید اللہ بن حبحاب" گذرا ہے جو ہشام بن عبد الملک کی طرف سے ملک مصر کا خراج تحصیل کرنے کی خدمت پر مامور تھا اور ۱۰۵ھ سے ۱۲۵ھ تک اس عہدہ پر قائم رہا اس نے قبطی لوگوں پر فی دینار صرف ایک قیراط کا اضافہ کیا تھا۔ لیکن قبطی اس کو بھی برداشت نہیں کر سکے اور بغاوت پر آمادہ ہو گئے چونکہ اسوقت تک ملک مصر کی آبادی کا بڑا حصہ خود وہاں کے اصلی باشندے تھے اس لئے وہ تحریک بغاوت میں کامیاب ہوئے اور مسلمانوں کو ان سے جنگ کرنی پڑی اور اس اندرونی جنگ میں بیشمار قبطی قتل ہوئے ایسا ہی حادثہ اسامہ بن زید تنوخی متولی خراج کے ہاتھوں بھی ہوا تھا جس نے فساریٰ کا قلع قمع کر کے اون کا تمام مال و متاع لوٹ لیا اس کے زمانہ میں بہت لوگ راہب بن گئے جس کو رد کرنے کے ارادہ سے اس نے تمام خانقاہوں اور راہبوں کے شمار کئے

(۱) مقریزی جلد ۲ صفحہ ۴۹۲ — (۲) بلاذری صفحہ ۲۲۷ +

جانے کا حکم دیا جب اس کی تعمیل ہو چکی تو ہر ایک راہب کے ہاتھ میں ایک لوہے کا کڑا ڈلوا دیا جس پر اس راہب کا نام معہ خانقاہ نمبر کے پتے کے کندہ تھا اس کے بعد جس کو بغیر نشانی کے راہب بنا پایا اوسکا ہاتھ کٹوا ڈالا۔ یہ سب تدبیریں محض اس لئے کی گئی تھیں کہ لوگوں کے رہبانیت اختیار کرتے جانے سے خراج اور جزیہ کی آمدنی میں کمی ہونے کا اندیشہ تھا اس کے علاوہ اس نے اس بات کا التزام کر رکھا تھا کہ ہر نصرانی کے پاس ہر وقت ایک سند رہا کرے جس سے معلوم ہو سکے کہ آیا وہ اپنے ذمہ کا جزیہ ادا کر چکا ہے یا نہیں اور عاملوں کو حکم بھیجا کہ جس نصرانی کو بلا سند کے گرفتار کریں اس سے دس دینار جرمانہ میں وصول کر لیں ان انتظاموں سے فارغ ہو کر اس نے خانقاہوں کی تلاشی لی اور کئی راہب ایسے گرفتار کئے جن کے پاس نشانی نہیں تھی ان میں سے چند کی گردن مروادی اور کچھ لوگوں کو اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ ضرب کے صدمہ سے مر گئے (۱) مگر یہ سب ظلم و ستم اصل میں خلیفہ کی رائے کے خلاف تھے چنانچہ جب وقت ہشام بن عبدالملک کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی اس نے اپنے عامل کو جو ملک مصر میں متعین تھا یہ فرمان لکھا کہ "نصاریٰ کے ساتھ وہی برتاؤ برتا جائے جو ابتداء میں تھا اور جسکی بابت اون کے پاس عہد نامے بھی موجود ہیں" اس حکم کی تعمیل زیادہ عرصہ تک نہیں کیگئی اور عاملوں نے پھر ویسے ہی ہیر پھیر تعدی پر کمر باندھ لی جس کے وہ عرصہ سے عادی تھے حنظلہ بن صفوان نے دوبارہ خراج میں اضافہ کر دیا آدمیوں اور جانوروں کو شمار کرایا۔ اور ہر نصرانی کو علامت کے طور پر ایک ایک شیر کی تصویر پاس رکھنے کا حکم نافذ کیا اور اس حکم کے نافذ کرنے کے بعد بڑی سختی سے ان لوگوں کی جانچ کی جس کے پاس وہ علامت نہیں ملی اوسکا ہاتھ کٹوا دیا (۲) غرضیکہ بنی امیہ کے عاملوں نے ذمیوں موالی اور ان کے سوا دوسرے لوگوں سے بھی بعزتی النسل نہ تھے برابر ایسی ہی سختی کا برتاؤ کیا۔

بنی امیہ کے مقدار خراج یا جزیہ کو نفاذ کرنے کی ایک اور مثال یہ ہے کہ "جزیرہ" جو کہ ملک عراق کا ایک حصہ ہے وہاں کے باشندوں پر ابتداء میں سالانہ ایک دینار نقد دو مد (پیمانہ) ہو دو قسط (پیمانہ) روغن زیتون اور دو قسط سرکہ ادا کرنا مشروط ہوا تھا۔ عبدالملک بن مروان نے اپنے عہد میں اس کو کہ تصور کر کے وہاں کے عامل کو حکم بھیجا کہ جزیرہ کی مردم شماری کرا کے رپورٹ کرے جب اسکی تعمیل ہو گئی تو ہر شخص کو مزدوری کرنیوالا فرض کر کے اسطرح حساب بنوایا کہ ایک شخص سال بھر تک دستکاری کے ذریعہ سے کس قدر روپیہ کما سکتا ہے۔ کتنا اپنی ضروریات میں خرچ کرتا ہے اور کیا پس انداز کر سکتا ہے اس حساب میں سال کے اندر واقع ہونے والے تیہاروں کے دن بھی وضع کر دیئے تھے۔

(۱) طبری جلد ۲ صفحہ ۱۴۹۰ (۲) بلاذری صفحہ ۷۳

نتیجہ سب کا یہ نکلا کہ چار دینار سالانہ بچت ہوسکتی ہے اسی قدر فقد جزیہ فی کس مقرر کردیا گیا اور سب کو یکسان کردیا امیر و غریب باکار و بیکار کسی کی تفریق نہیں کی (۱)۔"

بنو امیہ کے عہد میں جو ٹیکس لگائے گئے وہ صرف ذمیوں اور موالی ہی پر محدود نہیں رہے بلکہ خاص مسلمان اہل عرب بھی ان سے نہیں بچے اس کی تفصیل یہ ہے کہ حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف نے حاکم یمن ہونے کے زمانہ میں بڑی بے اعتدالی اور ظلم پر کمر باندھی اس نے بلا کسی استحقاق کے لوگوں کی امانیاں زبردستی چھین لیں اور یمن کے باشندوں پر "وظیفہ" کے نام سے ایک جدید ٹیکس لگادیا جس کو خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد میں وہاں کے عامل کو حکم امتناعی بھیجکر بند کرایا اور صرف حشر کا مطالبہ قائم رکھا (۲)۔

ملک فارس میں جو عامل تھے انکا یہ شیوہ تھا کہ میوہ جات جو وہاں کے باشندوں کے باغوں میں پیدا ہوتے تھے اپنے لئے محفوظ رکھتے تھے اور عام بازاری نرخ سے زائد مال لیکر زبردستی لوگوں کو محض اپنی تخمینہ کی ہوئی قیمت دیدیا کرتے تھے جسے اون بیچاروں کو قبول ہی کرتے بن آتا تھا ورنہ اس سے بھی ہاتھ دھوتے (۳)۔

وہ بنجر زمینوں پر بھی خراج مقرر کردیتے اور اس طرح پر ملکی محاصل کو بڑھاتے تھے اہل ملک پر عہد نوروز کا تذرانہ واجب تھا جسکی آمدنی امیر معاویہؓ کے عہد میں ۱۰۰۰۰۰۰ درہم تک پہنچ گئی تھی (۴) اور ان کے عہد میں نئی شادی کرنیوالوں اور عرائض نویسوں پر بھی ایک رقم ادا کرنی فرض تھی (۵) اگر عاملوں کو کوئی جنس خریدنی ہوتی تو اور بچانے سے لیتے اور عام گاہکوں کے لئے دوسرے پیمانے مستعمل ہوتے تھے خراج ادا کرنیوالوں پر عاملوں کے نرخ خانگی مدی اور جنس لانیوالوں کی مزدوری، مجسٹروں اور کاغذات کی قیمت اور ناپنے تولنے والوں کی مزدوری اور مصارف کا بھی بار ڈالا جاتا تھا (۶) اور جو وقت کوئی شخص خراج کا روپیہ جمع کرنیکو لاتا تو تحصیلدار لوگ اسمیں سے ایک حصہ بٹا دان کے نام سے کاٹ لیتے تھے۔

بنو امیہ کے عامل محض اپنی رائے ہی سے ایسے کام نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اکثر خود خلفاء کی جانب سے ان کو اس طرح کے احکام بھی ملتے تھے جیسا کہ ایک بار امیر معاویہؓ نے زیاد ان کو لکھا تھا اور وہ اسی انداز سے اپنے عاملوں کو مال جمع کرنے کی پرچک دیا کرتے تھے اور وہ لوگ اس کے طریقے اختراع کرتے رہتے تھے (۷) اسی طرح معاویہؓ کے بعد آنیوالوں حکمرانوں خصوصاً عبدالملک بن مروان نے بھی اس کی

(۱) بلاذری صفحہ ۷۳۔ (۲) کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۲۴۔ (۳) طبقات ابن سعید (دان بلوٹ) (۴) یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۵۸
(۵) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۶۷۔ (۶) کتاب الخراج لابی یوسف صفحہ ۶۲۔ (۷) یعقوبی جلد ۲۔ صفحہ ۲۵۸

بہت فکر کی جس کو روپیہ کی بیحد ضرورت تھی اور خدا نے اسے اس غرض کے پورا کرنے کے واسطے حجاج کا سا آدمی عطا کر دیا جس نے روپیہ پیدا کرنے کا کوئی وسیلہ نہیں چھوڑا جسے استعمال نہ کیا ہو۔ لیکن اگر خلفاء ان ظلموں کو روکنا چاہتے تو بہت آسانی کے ساتھ یہ بات ممکن تھی کیونکہ آخر عمر بن الخطاب کے بھی عامل ایسی زیادتیاں کرتے تھے لیکن وہ چپ نہیں رہتے تھے بلکہ ان سے مواخذہ کیا کرتے تھے ان کے زمانہ میں "اہواز" کے عاملوں نے رعایا پر کچھ ظلم و تعدی کی۔ اس بات کی شکایت "ابو المخارز یزید بن قیس" نے ایک قصیدہ کے ذریعہ کی اور کھلے لفظوں میں لکھدیا کہ آپ کے عامل کسانوں اور زمینداروں سے نذرانے لیکر مالدار ہو گئے ہیں آپ ان کے مال میں سے نصف بٹوا لیجئے اوس کا قول ہے۔

فقاسمهم اهلی فداک انهم یرضون ان قاسمتهم منک بالشطر ولا تدعونی للشهادة انی اخیب ولکنی اری حجب اللهم	"یعنے اے امیر المومنین آپ ان کے مال میں سے حصہ بانٹ لیں وہ خوشی سے اپنی نصف دولت آپ کو دینگے اور مجھے گواہی کیلئے نہ طلب فرمائیے ورنہ یہ بات میرے حق میں مضر ہوگی۔"

عمر رضؓ نے اس بات کو معلوم کر کے ان عاملوں کے پاس اپنا اپنا نصف مال بیت المال میں داخل کرنیکا حکم بھیجا اور ایک ایک جوتا تک بٹوا لیا انہوں نے صرف عاملوں ہی کی دولت کا حصہ لینے پر اکتفا نہیں کی بلکہ ان کے بہاموں کی دولت میں بھی حصہ لیلیا جسپر ان لوگوں نے اعتراض کیا اور ایک شخص نے صریحاً یہ کہا کہ "میں آپ کو کچھ نہیں دونگا" اوس کے جواب میں عمر رضؓ نے فرمایا "تیرا بہائی بیت المال اور اونٹوں کی ایک آمدنی کی حفاظت پر متعین ہے اور وہ تجھ کو تجارت کرنے کیلئے سرکاری روپیہ دیدیتا ہے جس کا نفع تو اپنے پاس رکھتا ہے" آخر اوس سے دس ہزار دینار وصول ہی کر لئے۔ (۱)

حضرت عمر رضؓ کا یہ طریقہ معاویہ رضؓ نے بھی اپنے عاملوں کے ساتھ برتا۔ جب ان کا کوئی عامل مرجاتا تو وہ اوس کے وارثوں سے اوس کی نصف دولت لے لیا کرتے اور کہتے۔ "یہ عمر رضؓ کی سنت ہے کچھ میری ایجاد نہیں" پھر بتدریج وہ رعایا کی دولت پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگے اور اس معاملہ میں اوّل نمبر اونہیں کا ہے (۲)

اصل یہ ہے کہ معاملات کے درست رہنے کا اعتبار حکمران وقت پر ہے اگر دماغ صحیح ہے تو جسم کے تمام اعضاء درست رہ سکتے ہیں ورنہ سب گڑبڑ ہو جاتے ہیں تم دیکھ چکے ہو کہ خلفائے بنو امیہ نے اپنی حکومت قائم رکھنے کے واسطے ہر طرح دولت کی فراہمی میں کوشش کی اور اپنے عاملوں کو اس امر کی

(۱) بلاذری صفحہ ۳۸۵ — (۲) ابن الفقیہ صفحہ ۱۰۹ +

تکمیل کا آلہ بنایا۔ ان لوگوں نے جو ماتحت تھے اپنے فرمانرواؤں کی رضاجوئی کے لئے ان کیواسطے دولت کے انبار لگائے اور طرح طرح کی ترکیبوں سے اوسے حاصل کیا اس صورت میں اپنی ذات خاص کیواسطے بھی انہوں نے فراہمی مال کی گنجائش نکالی اور ان بڑے عاملوں کی حالت دیکھکر چھوٹے عہدہ داروں مثلاً محرروں اور تحصیلداروں وغیرہ نے بھی ہاتھ پیر پھیلائے جس کی وجہ سے زمینداروں کی فریاد وزاری حد سے گزر گئی اور صوبہ دار لوگ اس بات پر مجبور ہوئے کہ مالی تحصیل کا کام اہل عرب کے ہاتھوں سے نکال کر موالی اور ان لوگوں کے سپرد کریں جو ملک عراق کے رہنے والے اور مدت سے زمینداری کا کاروبار کرتے آتے تھے یہ روائی ۶۴ھ میں ابن زیاد عامل خراج نے کی تھی جسپر بعض لوگوں نے اسے برا بھلا بھی کہا۔ مگر اس نے ان ملامت کرنے والوں کو یہ جواب دیا۔ "جب میں عربی شخص کو خراج کا محصل بناتا تھا تو خراج کی آمدنی میں خسارہ ہوجاتا تھا اور جسوقت اسپر مواخذہ کرتا تھا یا اس کے کنبہ والوں سے اس کا مطالبہ کرتا تھا تو ان کے دلوں میں کینہ اور ناراضی کی آگ مشتعل ہوتی تھی۔ چھوڑ دیتا تو خدا کے مال کا نقصان ہوتا تھا جسکی ذمہ داری سے میں واقف ہوں اس لئے میں نے غور کرکے یہ بات معلوم کی کہ ذمی زمیندار اس کام کے بڑے بہتر نہائت دیانتداری سے کام کرنے والے اور آسانی کے ساتھ مطالبہ کئے جانے کے قابل ہیں لہذا ان کو اس کام کا ذمہ دار بنایا اور تمہیں انپر افسر کیا۔ تاکہ تم ان کی طرز عمل کو غور کے ساتھ جانچتے رہو اور وہ کسی پر ظلم وستم نہ کرنے پائیں (۱)

قاضی ابو یوسف رح نے خلیفہ ہارون الرشید کو خراج تحصیل کرنے والوں کے بارہ میں جو نصیحتیں کی ہیں اون کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے عہدہ دار کن طریقوں سے دولت جمع کیا کرتے تھے وہ فرماتے ہیں "میں نے سنا ہے کہ عامل یا والی کے حاشیہ نشینوں کی جماعت جن میں دو قسم کے لوگ ہوتے تھے ایک تو وہ جنکو حاکم کی جانب سے تقرب یا اعزاز دیا جاتا تھا اور دوسرے وہ لوگ جو اس کے متوسلین میں ہوتے تھے دراصل نیک چلن اور دیانت دار نہیں ہے مگر والی اون کو اپنا مددگار اور معین بناتا ہے اور انہیں اپنے صوبوں میں نگرانی کے لئے بھیجا کرتا ہے وہ لوگ اپنے فرض کو بالکل نہیں ادا کرتے اور اہل معاملہ کے ساتھ غیر منصفانہ برتاؤ برتتے ہیں اونکا مذہب صرف یہ ہے کہ جس طرح ممکن ہو کچھ خورد برد کرلیں چاہے وہ خراج کی آمدنی کا مال ہو یا رعایا کا اور جو رقمیں وہ اسطور پر حاصل کیا کرتے ہیں وہ سب ظلم اور جبر کے ذریعے لیتے ہیں۔ خراج دینے والوں سے وصولی میں سختی کرکے اونکو تیز دھوپ میں کھڑا کرتے اونہیں خوب مار پٹواتے اور اسطرح بند ہوا دیتے ہیں کہ وہ نماز نہ پڑھ سکیں اور ایسی باتیں خدا کے نزدیک گناہ کبیرہ اور مذہب اسلام میں قابل ملامت ہیں (۲)"

(۱) ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۶۹۔ (۲) کتاب الخراج صفحہ ۶۱ و ۶۲ +

۹۹ھ تک جسوقت خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے مسند خلافت پر جلوس کیا ہے بنی امیہ کے عمال اور حکام کا یہی انداز تھا جو اوپر بیان ہوا۔ مگر اس خلیفہ نے جو نہایت خدا ترس اور منصف مزاج تھے اس بات کا عزم کیا کہ حکومت کے کاروبار کو پھر اسی طرز پر لے آئیں جس پر اونکے ہمنام اور نانا عمر بن الخطاب رض کا عمل تھا۔ انہوں نے ایک فرمان جاری کیا جس میں تفصیل وار تمام مظالم اور زیادتیوں کا ذکر کرکے اون کے بند کرنیکی تاکید کی تھی (۱) اور اس بری رسم کو بھی روکا جو بنی امیہ نے حضرت علی رض کو سر منبر برا کہنے کی اختیار کر رکھی تھی اون کے خاندان کے لوگوں نے بہت سی اراضیاں خریدی تھیں جنمیں سے اکثر زمینوں کی وہ زمینیں بھی تھیں جن کو انہوں نے ناجائز طور پر دبا لیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے بار عام کا حکم دیکر منادی کرادی کہ "جسکو کوئی شکایت کرنی ہو وہ مجھسے آکر فریاد کرے"۔ مظلوموں کے جوق کے جوق آنے لگے جن میں یہود۔ نصاریٰ اور موالی وغیرہ ہر مذہب وملت کے لوگ تھے کوئی اس بات کی شکایت کرتا تھا کہ اس کا مال چھین لیا گیا ہے اور کوئی اپنی زمین کے غصب کرلئے جانے کی فریاد کرتا تھا اور خلیفہ ممدوح انصاف اور حق رسی کے ساتھ ادنکی دادرسی کرتے تھے چاہے اوس فیصلہ کا نتیجہ اون کے بیٹے بھائیوں اور چچا لوگوں کے لئے برا کیوں نہ نکلتا ہو (۲) ان کے خاندان والوں میں سے کچھ لوگوں نے ان سے یہ بات کہی۔ کہ "آخر تم اپنے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہو؟" جس کے جواب میں اونہوں نے شفقت پدری کے اقتضاء سے رو کر کہا "میں اونہیں خدا کے حوالہ کرتا ہوں"۔ خلیفہ موصوف نے اپنے چچاؤں اور چچیرے بھائیوں کی تمام دولت ضبط کرلی اور اوسے "مظالم" کے نام سے موسوم کیا اون کے کنبہ والوں نے یہ حالت دیکھی تو انہوں نے اپنی حکومت کے ہاتھ سے جانے کا ہول سما گیا جو صرف مال کے ذریعہ سے قائم ہوئی تھی کیونکہ جب مال وزر اور اراضیاں اون کے ہاتھ سے نکل جائینگی تو مفلسی کی وجہ سے حکومت بھی کھو دینی پڑے گی وہ لوگ متفق ہو کر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی پھوپھی "فاطمہ بنت مروان" کے پاس پہونچے اور کہہ سنکر انسے خلیفہ کے پاس اس طرز عمل کی خرابی سمجھانے کے واسطے بھیجا۔ وہ بی بی خلیفہ کے پاس آئیں اور انہوں نے بہت کچھ سبز باغ دکھائے لیکن عمر بن عبدالعزیز رض نے انہیں صرف یہ جواب دیا کہ "خداوند پاک نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رحمت بنا کر خلق کی طرف مبعوث فرمایا تھا نہ کہ تمام عالم کے لئے عذاب بنا کر (۳)" یہ جواب پاکر وہ پھپھی واپس چلی گئیں۔

موالی جو مدت سے ظلم وتشدد سہتے رہے تھے خلیفہ کے انصاف اور خدا ترسی کو دیکھکر اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے مستعد ہوگئے اور اپنی زار حالت عرض کرکے فریاد وزاری کرنے

(۱) طبری جلد ۳ صفحہ ۶۶ (۳)۔ (۲) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۷۹۔ (۲) نہیں جلد ۲ صفحہ ۳۵۳۔ (۳) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۸۰۔

لگے جراح بن عبداللہ حکمی عامل خراسان نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک وفد تین شخصوں کا روانہ کیا تھا۔ جن میں دو عربی تھے اور ایک شخص موالی میں سے تھا۔ یہ ڈیپوٹیشن خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دونوں عربی شخصوں نے اپنی حالت عرض کرنی شروع کی۔ موالی بیچارہ چپکا کھڑا تھا خلیفہ نے اس سے دریافت کیا کہ "کیا تم اس وفد میں شریک نہیں ہو؟" وہ بولا "بیشک ہوں" خلیفہ "تم بھی کچھ کیوں نہیں کہتے ہو؟" اب اس کو جسارت ہوئی اور اس نے کہا "امیرالمومنین بیس ہزار موالی بلا کسی تنخواہ اور راشن کے جہاد میں مصروف رہتے ہیں وہ بیچارے ذمی تھے اب شرف باسلام ہو گئے مگر خراج کا بار اونکی گردن سے نہیں اتارا گیا۔ ہمارا حاکم جو کہ حجاج کی ایک تلوار سمجھا جاتا ہے ظلم وستم کے سوا کوئی عمدہ برتاؤ جانتا ہی نہیں ہم اپنی حالت کیا عرض کریں (۱)" خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اس کی گفتگو سن کر فرمایا اس میں شک نہیں کہ تمہارے ایسے آدمی وفد میں بھیجنے کے قابل ہوتے ہیں"۔ اسی وقت جراح کو فرمان لکھا کہ تحقیق کرو اور دیکھو جو شخص تمہارے روبرو نماز پڑھے اس کے جزیہ کو معاف کر دو۔ اس فرمان کا یہ اثر ہوا کہ بکثرت لوگ مذہب اسلام قبول کرنے لگے اور جوق کے جوق روزمرہ دائرہ اسلام میں آنے لگے اس حالت کو دیکھ کر بعض لوگوں نے جراح کو یہ رائے دی کہ یہ لوگ جزیہ سے بچنے کے واسطے اسلام قبول کرتے ہیں تم ختنہ کرانے میں ان کی آزمائش کرو۔" جراح نے خلیفہ سے اس امر کی اجازت طلب کی۔ تو وہاں سے یہ جواب ملا "خداوند پاک نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت کرنے کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ کچھ ختنہ کرانے کے واسطے نہیں بھیجا تھا (۲)" خلیفہ ممدوح نے ملک مصر کے عامل "حیان بن شریح" کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کیا جس نے ان کو ایک درخواست اس مضمون کی بھیجی تھی کہ "اسلام نے جزیہ کی آمدنی کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ مجھکو ملازموں کی تنخواہیں ادا کرنے کے لئے "حارث بن ثابتہ" سے بیس ہزار دینار قرض لینے پڑے ہیں۔ اگر امیرالمومنین کا حکم ہو تو میں اسے آمدنی بڑھا کر ادا کر دوں" خلیفہ نے اس کے جواب میں لکھا "تمہاری درخواست آئی میں نے تم کو مصر کا حاکم تو ضرور مقرر کیا لیکن یہ جانتا تھا کہ تم نہایت کمزور اور بیوقوف ہو۔ میں نے اپنے قاصد کو حکم دیدیا ہے کہ وہ تمہارے سر پر بیس کوڑے لگائے تاکہ تمہاری عقل درست ہو جائے۔ اے احمق! خدا نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو راہ حق دکھانے کے لئے بھیجا تھا یا خراج وصول کرنے کو۔ اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ہرگز اس قدر بدبخت نہیں ہونگا کہ لوگ میرے ہاتھوں پر اسلام بھی قبول نہ کریں" (۳)

اسی پر ان کے دوسرے عاملوں کی حالت کا اندازہ کرلو جنہیں سے انہوں نے بہتیرے اپنی رائے

(۱) طبری جلد ۲ صفحہ ۱۳۵۴۔ (۲) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۴۔ (۳) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۷۸

سے خلاف چلنے والوں کو برطرف ہی کر دیا تھا اور انہیں باتوں کی وجہ سے تمام سلطنت کے ارکان اون کے جانی دشمن بن گئے کیونکہ انہوں نے ایکبارگی سختی کے ساتھ مدت کے بگڑے ہوؤں کو سدھارنا چاہا تھا اور طرفہ کا خیال ہونا ظاہر ہے بنی امیہ اور اون کے تمام عامل دل سے ان کی ان باتوں پر ناراض تھے اور پورے تین برس یہی انکی خلافت کو نہیں گذرنے پائے تھے کہ ان ظالموں نے زہر دیکر اون کا کام ہی تمام کر دیا مورخین اس انصاف دوست خلیفہ کو خلفائے راشدین کے شمار میں داخل کرتے ہیں (۱) اور جب وہ "عمرین" کہتے ہیں تو اس سے عمر بن عبدالعزیز اور عمر بن الخطاب مراد لیتے ہیں (۲)

یہاں تک کہ ہیں قدر حالات بیان ہو چکے ہیں ان کے پڑھنے سے یہ رائے ضرور قائم ہو گی کہ اسلام کے بنیادی اصول انصاف اور نرمی پر مبنی تھے مگر اون کے مظاہر حکام اور والیان ملک کے اختلاف طبائع سے بدلتے رہے اگر عمر بن عبدالعزیز کو اپنے اس ارادہ میں کامیابی ہوتی کہ وہ حکومت کی طرز و روش کو عمر بن الخطاب کے زمانہ کے انداز پر لے آئیں تو اس میں شک نہیں کہ بنو امیہ کے مظالم نیست و نابود ہو جاتے مگر افسوس یہ ہے کہ ان کی کوشش بہت تھی اس لئے بیکار گئی ان کے انتقال کے بعد پھر وہی ڈھنگ حکام کی جبر و تعدی کا عود کر آیا اور چونکہ کچھ دنوں کے واسطے لوگوں کو امن و امان کی زندگی نصیب ہو گئی تھی لہذا دوبارہ نئے سرے سے بدامنی کا ہونا اور زیادہ شاق ہونے لگا۔ عمال جو ایک عرصہ تک مجبوری اپنی دست درازیوں سے رک گئے تھے پھر کھل کھیلے اور انہوں نے خراج کی مقدار میں اتنا اضافہ اور اس کے وصول کرنے میں ایسی سختی برتی کہ بعض زمینداروں نے تنگ آکر اپنی اراضیاں خلیفہ کے عزیزوں یا عاملوں کے زیر اثر دیدیں تاکہ وہ اس طرح پر تحصیلداروں کے پنجۂ ظلم سے بچ سکیں جس کا مفصل بیان آئندہ کیا جائے گا۔

اب خلفاء بھی عیش و عشرت میں پڑنے لگے تھے۔ یزید بن عبدالملک کو بجز عیش پرستی اور شہر ابخوری کے امر سلطنت کی طرف بالکل توجہ نہیں رہتی "سلامۃ" اور "حبابۃ" دو لونڈیاں اس کی منظور نظر تھیں انہیں کے ساتھ لہو و لعب میں مصروف رہتا تھا ابن کے قصے بہت مشہور ہیں (۳) اس کے بعد اسکا بھائی ہشام حکمران ہوا۔ یہ پرلے درجہ کا بخیل تھا اس کے عہد میں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے "ابن حجاب" عامل مصر نے خراج میں اضافہ کیا تھا۔ ہشام کے بعد ولید بن یزید بن عبدالملک فرمانروا ہوا۔ یہ عیاشی اور شہ ابخوری میں اپنے باپ کا نمونہ نکلا۔ بجز اخاندان والوں نے اُسے قتل کر کے یزید بن الولید بن عبدالملک کو اس کی بجائے خلیفہ بنایا اس کی فرمانروائی ۱۲۶ھ میں شروع ہوئی اس نے ارادہ کیا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز

(۱) تمیس جلد ۲ صفحہ ۳۵۱۔ (۲) قرمانی + (۳) حصہ اول تاریخ تمدن اسلامی صفحہ ۶۸۔ + بغیر بیڑی کی چھت پر چڑھنا

کی پیروی کرکے معاملات کی اصلاح کریگا جیسا کہ اس کی بیعت لینے کے وقت کی تقریر سے سمجھ میں آتا ہے مگر اوسے بھی ویسی ہی ناکامی ہوئی جیسی عمر بن عبد العزیز کو ہوئی تھی اب حالت اس قدر بگڑ گئی تھی کہ اصلاح ناممکن ہو چکی تھی اس خلیفہ کے جانشین مروان بن محمد کے زمانہ میں اموی حکومت کا چراغ ہی گل ہو گیا اور عباسیوں کا دور شروع ہوا۔

آخری دور میں بنو امیہ اس قدر آرام طلب و عیش پسند ہو گئے تھے کہ ملکی کاروبار کی دیکھ بھال سے غافل رہتے اور اپنے حکومت کے تحکام کی تدبیروں سے کام نہیں لیتے تھے عاملوں کا منتخب کرنا بھی بند ہو گیا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کسی لونڈی کی سفارش یا کسی تحفہ کے معاوضہ میں لوگ عامل بنا دیئے جاتے خلیفہ ہشام نے جنید بن عبد الرحمن کو صرف اسبات پر خراسان کا گورنر مقرر کر دیا کہ اس نے خلیفہ کی بیوی کے واسطے ایک جواہر کا بیش بہا اکلوتا تحفہ نذر کیا تھا اور وہ خلیفہ کو پسند آگیا۔ جنید کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے خود خلیفہ کو بھی ایک دوسرا اکلوتا نذر کیا جس کے صلہ میں (۱۱۱ھ میں) وہ گورنر خراسان کر دیا گیا (۱) بنی امیہ ہی کے دور حکومت میں صرف ایک لونڈی کی قیمت ..... ۱۰ درہم دی گئی جس کا نام "دلفاء" تھا (۲) عاملوں کو بجز مال جمع کرنے کے کوئی فکر باقی نہیں رہتی تھی یا غلاموں اور خانہ زادوں کی بڑی جماعتیں قائم کرتے تھے دیانتدار اور لائق لوگ عامل مقرر ہونے سے بچتے اور دور بھاگتے تھے ان کو اس بات کا خوف رہتا تھا کہ اگر ہم سے خلیفہ کا طلب کیا ہوا روپیہ بہم نہ ہو سکا تو ملازمت کے علاوہ آبرو اور جان پر بھی حرف آئیگا۔ خلیفہ سلیمان بن عبد الملک نے یزید بن المہلب کو عراق کا گورنر مقرر کیا تھا مگر اوس نے اپنے دل میں غور کیا کہ "ملک عراق کی حالت یہ ہے کہ حجاج نے اسے بالکل ویران کر دیا ہے اور میں وہاں جاؤنگا تو رعایا یہ خیال کرے گی کہ شاید یہ ہمارے واسطے رحمت بنکر آیا ہے مگر جسوقت میں ان سے خراج وصول کرنے لگونگا اور انپر سختی کرونگا تو میری حالت بھی حجاج کی کیفیت سے مشابہ ہو جاویگی وہی روز لوگوں سے لڑنا ان کو قتل اور بند کرنا پڑے گا جس جینا نہ سے خدا نے ان غریبوں کو آزادی عطا فرمائی ہے میں پہراسی میں اون کو بھروںگا اگر میں نے حجاج کی پیروی نہیں کی تو خلیفہ سلیمان مجھسے ناخوش رہیگا (۳)" ان خیال کی بنا پر اس نے قبول نہیں کیا اس کے علاوہ جن لوگوں کے دل میں رحم اور نرمی ہوتی تھی وہ سب سی خیال سے ملازمت نہیں کرتے تھے اب جو لوگ گورنری کے عہدوں کو قبول کرتے وہ ایسے لوگ ہوتے تھے کہ مال و دولت کی طمع نے ان کو اندھا کر دیا تھا اور خلفاء بھی اونہیں بڑی بڑی تنخواہوں کی لالچ دلاتے تھے چنانچہ بنو امیہ کے آخری دور میں یزید بن عمر بن ہبیرہ حاکم عراق کی تنخواہ ..... ۶۰ درہم تھی (۴) عاملوں سے جہانتک بن آتا تھا وہ اپنے واسطے روپیہ جمع کیا کرتے تھے

(۱) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۳۱ (۲) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۷۲ - (۳) طبری جلد ۲ صفحہ ۱۳۰۶ - (۴) ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۷۱

کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہماری ملازمت کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے آج ہے تو کل نہیں اس وجہ سے عاملوں کی دولت و ثروت بیحد بڑھ گئی تھی۔ خلیفہ ہشام کے عہد میں "خالد قسری" گورنر عراق کا سرمایہ ۱۳۰۰۰۰۰۰ درہم تک پہنچ گیا تھا جو دو ملین دینار کے برابر ہوتا ہے (۱)

اس بات کو دیکھ کر خلفاء نے یہ ڈھنگ اختیار کیا کہ جب وہ کسی عامل کو برطرف کرتے تھے تو اس کا محاسبہ کراتے تھے۔ معاویہؓ کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ عمرؓ کی پیروی کر کے وہ عاملوں کا نصف سرمایہ لے لیا کرتے تھے اس کے بعد یہ کرنے لگے کہ اول کا محاسبہ کرتے اور جتنا ان کی دولت کا پتہ لگتا سب چھین لیتے تھے جیسا کہ خالد قسری کے ساتھ کیا اس کے میر منشی جہان نبطی نے خلینہ سے شکایت کی کہ خالد نے ۳۶۰۰۰۰۰۰ درہم اڑا دیئے ہیں۔ ہشام نے فوراً ایک کمیشن مقرر کر کے اونکی تحقیقات کرائی اور مذکورہ بالا روپیہ کا بڑا حصہ اس سے اور اس کے ماتحت عاملوں سے اگلوا لیا (۲) اس طریقہ کا نام انہوں نے استخراج رکھا تھا اور اس کے بارہ میں بہت سختی برتتے تھے مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلفاء اور عمال کے مابین عداوت کا تخم بویا گیا اور بنو امیہ کی حکومت سخت خطرناک حالت میں پہنچ گئی۔

بنی امیہ کے عہد میں اسلامی حکومت کی مالی آمدنی جو خراج اور جزیہ وغیرہ کی مدوں سے ہوا کرتی تھی معلوم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بنی عباس کی خونریز جنگوں اور اندرونی فسادوں کی بھرمار میں اونکے تمام آثار ضائع ہو گئے لیکن اس بات میں شک نہیں کہ اون کے دور حکومت میں اسلامی قلمرو کی وسعت عباسیوں کے زمانہ سے ہرگز کم نہیں تھی گو اونکا صدر مقام اور دائرہ اثر شام۔ جزیرہ عراق اور مصر سے آگے نہیں بڑھا۔ باقی اطراف مملکت کا خراج عاملوں نشیوں اور تحصیلداروں کے جیبوں میں جاتا رہا اور اس کے علاوہ بعض ممالک اس قسم کے تھے جو کوئی قابل ذکر خراج کی رقم بھی اس لئے نہیں ادا کرتے تھے کہ امویوں کا اقتدار اونپر کامل طور سے نہیں جما تھا۔

ممالک مصر عراق اور شام کی مالی آمدنی سنین اور عمال کے تغیر و تبدل کے ساتھ مختلف حالتیں اختیار کرتی رہی جس کی تفصیل ہم اس کتاب کے پہلے حصے میں بیان کر چکے ہیں جس کو دیکھنا ہو اس کے صفحہ ۱۷۵ کو ملاحظہ کرے خلاصہ اس تفصیل کا یہ ہے کہ امویوں کے دور حکومت میں ملک عراق کے محاصل میں ۱۳۰۰۰۰۰۰ درہم اور ملک مصر کے محاصل میں ۳۰۰۰۰۰۰ دینار یا ۳۶۰۰۰۰۰۰ درہم اور ملک شام کے محاصل میں ۱۷۰۰۰۰۰ دینار یا ۱۲۰۰۰۰۰۰ درہم آتے تھے گویا کہ ان سب ملکوں کی مالی آمدنی ۱۸۶۰۰۰۰۰ درہم تھی جبکہ دوسرے ممالک کی آمدنی کو اور بڑھانا چاہیئے اور اس کی مقدار ہم کو معلوم نہیں ہو سکی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ گو بنو امیہ کے زمانہ میں مالی آمدنی نہایت افراط کیساتھ ہوتی تھی مگر اونکو حکومت

(۱) ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۹۶ (۲) یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۳۸۸ ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۶۷

کی دولتمندی میں شمار کرنا غلطی ہے اس لئے کہ وہ سب روپیہ اون کی شوکت کے قائم رکھنے والی لڑائیوں میں صرف ہو جاتا تھا اونہوں نے امام حسینؓ بن علیؓ۔ مختار بن ابی عبید۔ عبداللہ بن زبیرؓ اور خوارج وغیرہ سے جنگ کرنیکے علاوہ عرب کے یمنی اور بنو مضر کے قبائل اور اہل عرب اور موالی کے ہنگاموں کو فرو کرنے میں بھی بہت کچھ وقت اور روپیہ برباد کیا اور اسپر طرہ یہ کہ خلفاء اور عمائد سلطنت نے سامان جلالت مہیا کرنے اور عیش و عشرت کے مزے لوٹنے میں بھی بہت سی دولت اڑا دی۔

دولت عباسی

حکومت عباسی کے دو زمانے ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں پہلا زمانہ جسکی بابت ترقی کا دور کہنا زیبا ہے اس حکومت کے ابتداء ۱۳۲ھ سے خلیفہ مامون الرشید کے عہد ۲۱۸ھ تک شمار کرنا چاہیئے اس زمانہ میں عباسی حکومت اپنی ترقی کے بلند ترین زینہ پر پہنچ گئی تھی اور اس نے اس تمدن کی بنیاد ڈالدی تھی جس کا بیان کرنا ہمیں مقصود ہے اسی زمانہ میں اسلامی حکومت کی دولتمندی بھی درجہ کمال کو پہنچی تھی جسپر اس کتاب میں بحث کی جائیگی۔

دوسرا زمانہ جس کو انحطاط اور تنزل کا دور کہنا مناسب ہوگا خلیفہ معتصم باللہ کے عہد ۲۱۸ھ سے آغاز ہو کر اسوقت تمام ہوتا ہے جبکہ حکومت عباسی کا چراغ بغداد میں گل ہو گیا تھا اس دور میں اسلامی تمدن نے جسقدر ترقی کی تھی اور حکومت کی دولتمندی اور قوت بتدریج اسقدر کم ہو گئی تھی کہ آخر وہ تمام ہی ہو گئی +

خلافت بنو عباس کا پہلا دور ۱۳۲ھ سے ۲۱۸ھ تک

اس حکومت کے قائم ہونیکے اسباب

یہاں تک جس قدر حالات بیان ہو چکے ہیں ان کو پڑھ کر معلوم ہو گیا ہوگا کہ امویوں کا عہد راشدین کے زمانہ سے بوجہ اس بات کے کہ اس میں حکومت کا ڈھچر دینی خلافت کے خرقہ سے عاری ہو کر سیاست دنیاوی کے لباس فاخرہ سے اراستہ کیا گیا اور جس کے حکمرانوں اور حکام کی تمام کوششیں روپیہ جمع کرنے پر مصروف رہیں ممتاز نظر آتا ہے اور عباسی دور سے اس کا امتیاز یوں ہوگا کہ وہ منتصب اہل عرب کی سلطنت تھی اور دنیا کی دو ہی قوموں کو عموماً اور ان قوموں کو جو ان کے زیر اقتدار تھیں خصوصاً سخت حقارت کی نظر سے دیکھنے والے تھے بو ممالک اون کے ماتحت تھے مثلاً۔ مصر۔ شام۔ عراق۔ فارس اور خراسان وغیرہ وہاں کے ناس باشندے

خواہ وہ قبطی تھے یا نبطی سریانی تھے یا کلدانی رومی تھے یا فارسی اور ترک تھے یا سوڈانی وغیرہ ان میں علاوہ ذمیوں کے مشرف باسلام ہو جانے والے اشخاص بھی حکومت بنو امیہ کے دور میں کسی عزت کے مستحق نہیں تھے اسی لئے یہ قومیں اون کے معاملہ سے روتی تھیں اور رونے نہیں پاتی تھیں انپر خراج کے وصول کرنے میں جو سختیاں کی جاتی تھیں وہ اور بھی نفرت اور عداوت کی باعث ہوئیں اور ان کے دلوں میں بنی امیہ کے اقتدار سے نکلنے کی خواہش اور جوان کے مقابلہ پر کمر بستہ ہو اس کی اعانت کرنیکا خیال ترقی کرتا گیا(۱) خاصکر موالی بہت تنگ تھے وہ غریب ایک تو اسلام قبول کر کے یونہیں اپنی املاکیوں اور گھر بار سے ہاتھ دھو چکے تھے اسپر طرہ یہ تھا کہ ان کو حکومت کی حمایت کیلئے جنگی خدمت بھی ادا کرنی پڑتی تھی بنو امیہ اس لوگوں سے پیدل فوج میں کام لیتے تھے اور سامان رسد اور مال غنیمت کا حصہ بھی ان کو نہیں دیتے تھے جو لوگ اموی حکومت کے مخالف تھے وہ موقعوں کے منتظر رہا کرتے اور انہیں موالی سے مدد لیکر ان سے مقابلہ کیا کرتے تھے وہ ان کو صرف خوراک دیا کرتے اور اسی پر ان غریبوں کو بیحد خوشی حاصل ہوا کرتی تھی پہلی مرتبہ مختار بن عبید نے ۶۶ھ میں موالی کو اسوقت اپنی فوج میں بھرتی کیا جبکہ وہ امام حسینؓ بن علیؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کی غرض سے کوفہ پر حملہ آور ہوا تھا مگر اہل عرب کو موالی کا اپنے ساتھ لیکر اپنی ہم قوموں سے جنگ کرنا شاق گذرا چنانچہ اونہوں نے آپس میں یہ بات کہی۔ مختار نے ان موالی کو سواریاں اور مال غنیمت جو ہمارے خاص حقوق تھے دیکر ہم کو تکلیف پہنچائی ہے" جس کی خبر پاکر مختار نے اون سے دریافت کیا "میں تمہارے موالی کو علیحدہ کر دوں اور تمہارے حق کا مال غنیمت تمہیں کو دوں تو تم میرے ساتھ ہو کر بنو امیہ سے لڑو گے ہو" جس کے جواب دینے کے لئے وہ لوگ دیر تک آپس میں مشورہ کرتے رہے اور ان میں سے ایک شخص نے اپنی جماعت سے کہا "اگر تم ہماری صلاح مانو تو اس کی اطاعت سے سر نہ پھیرو۔ کیونکہ مجھے تمہارے مابین باہمی اختلاف اور تفرقہ پیدا ہو جانے کا خوف ہے اور اس شخص کے پاس تمہارے ہم قوم شہسواروں اور بہادروں کے علاوہ تمہارے غلاموں اور موالی کی ایک کثیر جماعت موجود ہے پھر یہ موالی تمہارے غنیم سے بھی زیادہ خود تم سے خار کھاتے ہیں وہ لوگ متفق اور ایکدل ہیں وہ تم سے اہل عرب کی دلیری اور اہل عجم کی کینہ وری کے ساتھ جنگ کرینگے (۲)"

اسی طرح سے موالی ان تمام لوگوں کا ساتھ دیتے رہے جو بنو امیہ کے ہاتھوں سے انتزاع حکومت کرنے کو اٹھے اور یہی وجہ تھی کہ امویوں کے عہد میں خوارج کی کثرت ہوئی جس نے اہل عرب کے دلوں میں اس خیال کو پیدا کر دیا کہ خلافت میں قریشی النسل ہونا کوئی شرط نہیں ہے (۳) مگر یہ اعتقاد تمام مسلمانوں کے دلوں میں پوری طرح کئی صدیوں کے بعد جگہ پا سکا ورنہ ان دنوں خلافت کے مدعی زیادہ تر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم

(۱) ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ (۲) ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۱۳۔ (۳) استقصاء جلد ۱ صفحہ ۶۰۔

کے کنبہ والے تھے یعنی علوی یعنے امام علیؓ کی نسل کے لوگ تھے جو کہ رسول پاک (صلے اللہ علیہ وسلم) کے چچیرے بھائی ہیں اور بعض عباسی یعنی حضور انورؐ کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب کی اولاد سے تھے جن اسباب کو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اون کی وجہ سے خراسان کے لوگ سب سے بڑھ کر بنو اُمیہ کے دشمن تھے اونہوں نے عباسیوں کو قابل قدر مدد دی اور عباسیوں کا نامور سپہ سالار ابومسلم بھی خراسانی تھا جس وقت بنو عباس خلافت حاصل کرنے کو اُٹھے تو اہل عرب کے ساتھ جس قدر مسلمان اطراف لطرنت میں تھے وہ سب اون کے ساتھ ہوئے اور ملک کے اصلی باشندے جو ذمی تھے وہ بھی معین و ناصر بنے نتیجہ یہ ہوا کہ بنو امیہ بالکل برباد کر دیئے گئے اور عنان حکومت عباسیوں کے قبضۂ اقتدار میں چلی آئی عباسیوں نے اپنا مرکز خلافت بھی ملک عراق ہی میں قائم کیا جو اون کے مددگاروں کے قریب واقع تھا۔

عباسیوں کو بنی امیہ کی بربادی کی اصل وجہ معلوم ہو چکی تھی لہذا وہ خود بھی ویسی ہی غلطی میں مبتلا ہونے سے بچتے رہے اونہوں نے اپنی فوجوں اور مددگاروں کی جماعتیں اہل فارس سے مرتب کیں اور عزلی عصبیت کو قائم رکھنے کے لئے ربیعہ اور مضر کے قبائل کی عربی فوجوں کو بھی بحال رکھا کیونکہ وہ عماد اسلام تھے بنو عباس عربی اور فارسی دونو مختلف عنصروں کو باہم موافق نہیں بنا سکے جس کی وجہ یہ تھی کہ کاروبار اور معاملات حکومت کی اقتدا سے ان کو اہل فارس کے ساتھ اختلاط رکھنا لازم آیا وہ لباس بھی فارسی وضع کا پہننے لگے اور ویسی ہی اونچی اونچی ایرانی ٹوپیاں استعمال کرنے لگے اس بات کو بنو عباس نے اپنے لئے فرض بنا لیا تھا اور سب سے پہلے جس شخص نے لوگوں کو فارسی وضع کی ٹوپیاں پہننے پر مجبور کیا وہ خلیفہ منصور عباسی تھا[1] اوس نے ۱۵۳ھ میں اپنے درباریوں کو بہت اونچی اونچی ٹوپیاں پہننے کا حکم دیا جس کے بارہ میں ابو دلامہ شاعر نے بطور ہجو کے کہا ہے :-

وکنا نرجی من امام زیادۃ فزادا الامام المصطفی فی القلانس نراها علی هام الرجال کانها دنان یهود جللت بالبرانس	یعنے ہم امام زمانہ سے اضافہ کے امیدوار تھے تو اوس نے اضافہ کیا مگر کس چیز میں؟ ٹوپیوں میں۔ جن کو ہم لوگوں کے سر پر اس طرح کبھی دیکھتے ہیں جیسے یہودیوں کے مٹکوں پر چادریں پڑی ہوں ۔

گو اہل عرب فارسیوں کے دخیل ہونے سے ناراض تھے لیکن اس ناراضی نے کاروبار سلطنت میں کوئی نقص نہیں پیدا کیا۔ عباسی خلفاء نے فارسی لونڈیوں کو ام ولد بنایا جو اون کیلئے لائق و فائق بچے جنیں اور وہ لڑکے بھی خلافت کے رتبہ پر فائز ہوئے جن کو فطری طور پر عنصر فارسی کی طرف خاص جھکاؤ رہا اور یہ عنصر روز بروز بلا طخلافت میں غلبہ حاصل کرتا گیا کیونکہ وزیر برادر اہل شوریٰ سب

(۱) طبری جلد ۳ صفحہ ۳۰۱ ۔

اونہیں میں سے منتخب ہوتے رہے مثلاً برامکہ وغیرہ اہل فارس عباسی حکومت کی خدمتیں نہایت صدق اخلاص اور دیانت وامانت کے ساتھ پوری کوشش سے انجام دیا کرتے تھے اس لئے کہ اس کے قائم رہنے میں خود ان کا بھی بھلا ہوتا تھا۔

بیعت خلافت کا تعلق اہل عرب کے ساتھ

یہ سب تھا مگر خلفاء کو جزیرۂ عرب کی طرف بالالتفاتی برتنا ناممکن تھا جس میں حرمین شریفین یعنے حرم کعبہ اور حرم روضۂ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) واقع تھے اور ان کی عزت کرنا گویا دین اسلام کی حرمت کرنا تھا جس پر خلافت کا قیام منحصر تھا اس کے سوا بنو عباس کو یہ خوف بھی دامنگیر رہتا تھا کہ مبادا حرمین کے لوگ امام علیؓ کی اولاد کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں اس کے لئے ان کو مدینہ (منورہ) کے فقہا سے اپنی بیعت لینی لازمی تھی کیونکہ ان لوگوں کو خلافت اور بیعت کے بارہ میں بہت بڑی قدرت حاصل تھی اور پابند شرع خلفاء بغیر ان کے مشورہ کے کسی معاملہ کو طے نہیں کیا کرتے تھے (۱) اہل فارس پر یہ بات شاق تھی اور ان کو یہ بھول سمجھایا ہوا تھا کہ ایسا نہو پھر اہل عرب کا اقتدار قائم ہو جائے اور وہ ہم سے بدلہ لینے پر تیار ہو کر ہماری تمام محنتوں کو ملیامیٹ کر دیں اس لئے انہوں نے خلفاء کو ملک عرب کیطرف سے غافل بنانے کی کوشش کی مگر اس میں مشکل یہ تھی کہ وہاں خانہ کعبہ موجود تھا جس کی زیارت کے لئے مسلمان جایا کرتے تھے اور حج اسلام کا ایک رکن بھی تھا پھر بھی چند مقرب لوگوں نے خلیفہ منصور عباسی کو ترغیب دلائی کہ وہ خانہ کعبہ کے مقابلہ میں ملک عراق کے اندر کوئی اس قسم کی متبرک جگہ بنائے جس کے حج کو لوگ یہیں آیا کریں منصور نے ان کی باتوں میں آکر ایک عمارت "قبہ خضرا" کے نام سے تعمیر کی اور اس کے ذریعہ سے خانہ کعبہ کی وقعت کم کرنی چاہی (۲) اور بحری راستہ سے جو غلہ وغیرہ بطور امداد خوراک کے مدینہ (منورہ) کو بھیجا جاتا تھا وہ بھی بند کر دیا (۳) اس کا روائی کو اہل عرب نے عباسیوں سے مخالفت کرنے کی حجت بنا کر محمد بن عبداللہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی جو کہ امام علیؓ کی اولاد میں تھے اور خلیفہ منصور کی بیعت توڑ دی اس کی بابت فقہ اسلامی کے مشہور امام مالک بن انسؒ نے انہیں فتوے بھی دیدیا (۴) اس کے علاوہ ملک اندلس میں بنو امیہ نے کچھ عرصہ بنو عباس کی خلافت تسلیم کرنے کے بعد ان کی دعوت قطع کر دی (۵) اور جب عبدالرحمن بن معاویہؓ وہاں پہنچ گیا تو خود مستقل حکمران بن گئے کیونکہ وہ ملک مرکز خلافت سے بہت دور تھا (جیسا کہ ہم اسی کتاب کے پہلے حصے میں بیان کر آئے ہیں اس کے صفحہ ۷۰ میں دیکھنے سے معلوم ہو سکیگا۔)

(۱) ابوالفداء جلد ۱ صفحہ ۲۰۹۔ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۷۔ (۳) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۶۱ (۴) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۱۲۔

(۵) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۳۵ و جلد ۶ صفحہ ۴۵ و ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۲۸۰۔

محمد بن عبداللہ نے مدینہ (منورہ) پر تسلط قائم کر لیا اور منصور اون سے بیحد خائف ہو کر اپنی تمام کوششیں اون کے قتل کرانے میں صرف کرتا رہا۔ مگر وہ اس ارادہ میں بڑی مشکلوں سے کامیاب ہوا۔

منصور کو حرمین کی طرف سے بے توجہی کرنے کی جو سزا ملی وہ اس کے بعد آنیوالے خلفاء کے حق میں تازیانۂ عبرت تھی چنانچہ مہدی اس کے بیٹے نے مسند خلافت پر جلوس کرتے ہی اہل حرمین کی بہت تعظیم و تکریم کی اور خانہ کعبہ کو نیا غلاف پہنایا اور بہت سا روپیہ وہاں کے لوگوں میں تقسیم کیا جو خاص اسی غرض سے عراق سے ساتھ لے گیا تھا اور جس کی مقدار ..... ۳ درہم تھی اور جب وہ مدینہ میں تھا تو اس کے پاس ملک مصر سے ..... ۳ دینار اور ملک یمن سے ..... ۲۰ دینار آئے وہ سب اس نے وہیں تقسیم کر دیئے اور اس کے علاوہ ..... ۵ اکپڑے بھی تقسیم کئے۔ مسجد نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی عمارت میں توسیع کی اور قبیلۂ انصار سے اپنی باڈی گارڈ کیواسطے پانچسو جوان منتخب کر کے انہیں اپنے ساتھ بغداد لے گیا اور ان کو اراضی اور جاگیریں عطا کیں (۱) مقام "واسط" میں نہر "صلہ" کے کھودے جانے کا فرمان صادر کیا اور اس کے کناروں کی زمین کو زراعت میں اٹھا کر اس کی آمدنی اہل حرمین کے انعام (تنخواہوں) اور وہاں کے مصارف کے لئے خاص کر دی (۲) پھر تو اسی طرح پر حرمین کا اکرام اور وہاں نوچ کرنا خلفائے بنو عباس میں رواج پا گیا جب وہ خود حج کو جاتے یا اپنی اولاد کے لئے بھیجتے لیتے تو اس وقت وہاں ایسے ہی مصارف کیا کرتے تھے خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے ۱۸۶ھ میں حج کیا اس کے دونوں بیٹے امین اور مامون بھی ساتھ تھے جب وہ مدینہ پہنچا تو اس نے تین عطیے دیئے ایک خاص اپنی طرف سے اور دو اپنے دونوں بیٹوں کی جانب سے ایسا ہی مکہ والوں کیساتھ بھی کیا غرضیکہ کل مقدار اس روپیہ کی جو ہارون الرشید نے حرمین میں صرف کی ..... ۵ دینار تک پہنچی تھی اور وہیں اس نے دو دستاویز خلافت کے اپنے بیٹوں کی بابت تحریر کئے ایک امین کے نام اور دوسرا مامون کے نام اور وہ دونوں کاغذ خانہ کعبہ میں امانت کے طور پر رکھوا دیئے (۳) اس کے بعد سے حرمین کے مصارف ملک کے ضروری اخراجات کا جزو بن گئے اور اہل عرب کی شان پہرہ دار ہونے لگی کیونکہ خلفاء اپنے برسر حکومت رہنے کے لئے اس بات کو ضروری تصور کرتے تھے۔

دوسری طرف عباسی خلفاء کو اہل فارس سے بے پروائی کرنے کا بھی موقع نہیں تھا کیونکہ وہی لوگ اون کے وزیر اور صلاحکار تھے اس لئے پھر دونوں عنصروں میں رقابت بڑھتی گئی اور اس چشمک کا نتیجہ امین و مامون کی باہمی جنگ و جدل تھی۔ جس میں مامون نے اہل فارس سے استمداد کی (۴) جہاں اس کا

(۱) طبری جلد ۳ صفحہ ۴۸۳ ۔ (۲) قدامۃ صفحہ ۲۴۲ ۔ (۳) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۶۹ ۔ (۴) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۹۰، ۹۲ ۔

ننہال تھا اور امین نے اہل عرب سے نصرت حاصل کی۔ کیونکہ اس کی ماں ہاشمی خاندان کی بیٹی تھی (۱) مگر چونکہ غلبہ ماموں کی فوج کو حاصل ہوا اس لئے عنان خلافت اس کے ہاتھوں میں آتے ہی اہل فارس کا نفوذ و وقار خلافت میں ترقی کر گیا اور اہل عرب کو یہ امر ناگوار گذرا انہوں نے ماموں سے ناراض ہو کر اسباب کی فکر کی کہ کسی اور سے بیعت کریں اور ماموں کے ہاتھوں سے ملک کو نکال دیں (۲) اس بات کے آثار دیکھ کر ماموں بھی اہل عرب سے بہت بدظن ہو گیا اور ان کے ذلیل و خوار کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی چنانچہ ایک مرتبہ جب وہ ملک شام کا دورہ کر رہا تھا کسی شخص نے بطور ملامت اس سے کہا کہ "امیر المومنین" آپ ملک شام کے عربوں پر بھی ویسی ہی نظر عنایت کیجئے جیسی آپ نے خراسان کے عجمیوں پر کر رکھی ہے"۔ ماموں نے اس شخص کو جواب دیا تم نے مجھ پر الزام کا بہت بڑا بار ڈال دیا۔ واللہ! میں نے قبیلہ قیس کو محض اس لئے ان کے گھوڑوں کی پشت سے اوتارا ہے جبکہ میں نے دیکھا کہ میرے خزانہ میں ایک درہم بھی باقی نہیں رہا۔ میں کے لوگوں کو نہ میں نے کبھی پسند کیا ہے نہ وہ کبھی میرے ہمدرد رہے ہیں اور بنو نضاعہ کے سردار کسی "سفیانی" کے منتظر ہیں جو انکا طرفدار ہو۔ باقی رہے بنو ربیعہ تو وہ اسوقت سے جبکہ خداوند کریم نے خاندان مضر میں اپنا نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) مبعوث فرمایا ہے خدا سے بھی عداوت رکھتے ہیں (۳)"

۲۱۸ھ میں معتصم نے خلیفہ ہونے کے بعد ترکوں اور "فرغانہ" کے باشندوں کو امتیاز دیا جس کے سبب سے اہل عرب دولتمندوں اور ارکان سلطنت کی نظروں میں اور بھی حقیر ہو گئے اور اون کے ہاتھ کاروبار سلطنت میں پہونچنے سے کوتاہ کر دیئے گئے یہانتک کہ ملک مصر میں بھی ان کو جگہ نہیں ملی جہاں کا آخری عربی عامل عنبہ بن اسحٰق الضبی ۲۳۵ھ میں متعین ہوا تھا (۴) معتصم نے اس بات کا قصد کر لیا تھا کہ جہاں تک ہو سکے گا وہ اہل عرب کی بلا سے اپنا دامن چھڑا لیگا اس نے بغداد کے قریب ایک پر فضا شہر آباد کیا تھا جس میں اپنی فوجی چھاؤنی قائم کی تھی اس شہر کا نام سامرا[1] تھا اور وہاں اس نے ایک خانہ کعبہ کی شبیہ رکھوائی تھی جس کے گرد لوگ طواف کیا کرتے تھے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا تھا۔ بلکہ "منیٰ" اور "عرفات" کے نام سے بھی چند مقاموں کو نامزد کیا تھا اور اپنے ارکان دولت و امرائے دربار کو وہیں پر فرائض حج ادا ہو جانے کا اطمینان دلا دیا تھا گو اس کی یہ کارروائی فریب اور غلط بیانی پر مبنی تھی لیکن اسے یہ خوف تھا کہ

(۱) طبری جلد ۳ صفحہ ۹۳۷۔ (۲) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۶۔ (۳) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۷۶۔ (۴) مقریزی جلد ۲ صفحہ ۲۵۵۔

[1] اس شہر کا اصلی نام "سُرَّ مَن رَأیٰ" رکھا گیا تھا مگر بول چال میں کثرت استعمال سے "سامرا" رہ گیا اصلی نام کا ترجمہ "دلکشا" کے ساتھ کرنا مناسب ہے یعنے جو اس کو دیکھتا مسرور ہو جاتا تھا۔

مبادا یہ امراخانہ کعبہ کے حج کو جائیں تو ان کے دل میری جانب سے پھر جائیں اور مجھ کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں (۱) ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ "عزلی" کا لفظ محاورہ میں سب سے حقیر و مبتذل حالت والے شخص کے لئے بولا جاتا تھا اور دوسری نسل کے مسلمان لوگ کہا کرتے تھے "عزلی مثل کتے کے ہے ایک ٹکڑا اس کے سامنے ڈال کر چاہو تو اس کا سر بھی پھوڑ دو (۲)" یا وہ کہا کرتے کہ "اہل عرب اب اُسوقت تک ہرگز فلاح نہیں پا سکتے جب تک ان کی مدد پر کوئی مؤید من اللہ نبی نہ ہو (۳)" دربار خلافت کے تمام امیر اور وزیر اور اہل مناصب اہل فارس۔ ترک اور دیلم وغیرہ تھے جن کو خلفاء بڑے بڑے منصب اور فوج و حشم رکھنے کا اعزاز عطا فرماتے رہتے اہل عرب اور اون کی جماعتوں کی طرف سے بے التفاتی بڑھتے بڑھتے اس حد کو پہنچی کہ سلطنت کے کاموں میں اونکا کہیں وجود نہیں رہ گیا دوسری طرف اہل عرب کہلے بندوں فارسی وغیرہ غیر اقوام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جو شخص ان کی جماعت میں سے ان لوگوں کی طرف مائل ہوتا اُسے برا بھلا کہا کرتے خواہ وہ خلیفہ ہی کیوں نہ ہو چنانچہ معتصم کی وفات اور واثق باللہ کی خلافت کیوقت عرب کے مشہور شاعر "دعبل خزاعی" نے بوا سوقت صیرہ میں تنہا اسبات کی خبر پاکر حسب ذیل دو شعر کہے تھے

الحمد للہ لا صبر ولا جلد ولا عزاء اذا اهل البلا رقدوا خليفة مات لم يحزن له احد واخر قام لم يفرح به احد (۴)	خدا کا شکر ہے اور صبر و تحمل کی اسوقت کوئی حاجت نہیں جبکہ اہل بلا (مفسد مرجائیں ایک خلیفہ مرگیا تو کسی نے اس پر افسوس نہیں کیا اور دوسرا قائم ہوا اسکی کسی نے خوشی نہیں منائی +

یہاں تک جن واقعات کا ذکر ہوا ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ راشدین کے عہد میں اسلامی متفقہ قوت عزلی الاصل تھی اور ان کی متحدہ غرض روئے زمین پر اپنے مذہب اسلام کی اشاعت جس کی خواہش اونہیں رسالت کے سچے ہونے پر مضبوط اعتقاد رکھنے اور اس کی بابت خدا کا حکم ہونے سے پیدا ہوئی تھی اور جب بنو اُمیہ حکمران ہوئے تو اونہوں نے مذکورہ بالا اعتقاد کی جگہ پر مال جمع کرنا اپنا شیوہ بنایا اور سلطنت کو دنیا کے سیاسی اصول پر قائم کیا مگر عرب کی متفقہ قوت اسی طرح مستحکم اور متین رہی عباسیوں نے عزلی تعصب کو خیرباد کہہ کر غیر ملکی لوگوں کی قوت بڑھائی اور انہیں اپنا بنانے میں اور اون سے حکومت کی خدمت لینے میں، مال و زر صرف کرنے کے علاوہ ان کی نسل کی عورتوں کو اپنے حرم میں داخل کرنا بھی میل جول کا ذریعہ بنایا۔ آخر کار فارسی ترکی۔ دیلم۔ حبشہ اور فرغانہ کے لوگ اور ان کے سوا دوسری قومیں جو عزلی النسل نہ تھیں دولت کے ذریعہ سے رقیبانہ کوششیں دربار خلافت میں اقتدار اور رسوخ پانے کی کرنے لگیں جس کا نتیجہ آگے چلکر معلوم ہو جائے گا +

(۱) مقدسی صفحہ ۱۲۶۔ (۲) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۱۱ (۳) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۸۸۔ (۴) حصہ اول تاریخ تمدن اسلامی صفحہ ۱۷

دولت عباسیہ کی ثروت

پہلے دور میں

آب ہم اس کتاب کے موضوع پر آپہنچے ہیں کیونکہ اسلامی ثروت اسی زمانہ میں پایہ کمال کو پہونچی تھی اور اسی پر ہماری کلام کا مدار ہوگا۔ کسی دولت کی مالی حالت کا اندازہ اوس باقی رہنے والے روپیہ کے حساب سے کیا جاتا ہے جو اوس کے خزانہ میں تمام مصارف منہا کرنے کے بعد جمع ہوتا ہے۔ صرف آمدنی پر حکومت کے تمول کو قیاس کرنا غلطی ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سلطنت کی آمدنی بے شمار ہونے کے ساتھ ہی اس کے مصارف محاصل سے بڑھے ہوتے ہیں اور اس حکومت کو مجبور ہو کر ملکی یا غیر ملکی قرض لینا پڑتا ہے اپنے اس مسلمہ اصول کے لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ عباسی حکومت کی دولتمندی پہلے دور میں نہایت اعلےٰ درجہ کی تھی گو ہم کو پہلے پانچ عباسی خلفاء کے زمانوں کے آمد و خرچ کے گوشوارے نہیں دستیاب ہوئے جن کے رو سے ہم ان کے سالانہ محاصل کی وہ مقدار معلوم کرتے جسکو سلطنت کی توفیر کہتے ہیں کیونکہ وہ تمام حسابات امین و مامون کے باہمی جنگ و جدل میں اس وقت تلف ہوگئے۔ جبکہ کچہریوں میں آگ لگ گئی تھی (۱) اور تمام دفاتر ویسے ہی تلف ہوگئے جس طرح ہزامیہ کے "کاغذات" عام جماجم میں (۲) مگر ہم کو ان کے عہد کی دولتمندی کا پتہ اون رقموں سے ملتا ہے جنکو وہ اثنائے حکومت میں خزانہ کے اندر جمع رکھتے تھے۔

اوائل حکومت میں مالی حالت کیسی تھی

سب سے پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح صرف سنہ ۱۳۲ھ سے سنہ ۱۳۶ھ تک کل چار سال حکمران رہا اوس کا تمام دور حکومت جنگ اور خونریزی میں صرف ہوا۔ اور وہ کچھ بھی مال و زر جمع نہیں کرسکا چنانچہ جس وقت اس نے وفات پائی ہے تو اس کے گھر میں صرف نو جبے۔ چار قمیص۔ پانچ پاجامے۔ چار ریشمی چادریں۔ تین خز کے مطارف نکلے (۳) اس کے سوا اور کچھ نہ تھا خلیفہ منصور نے بائیس سال سنہ ۱۳۶ھ سے سنہ ۱۵۸ھ تک فرمانروائی کی وہ بڑا دور اندیش۔ ہوشیار اور مال و دولت جمع کرنے والا تھا مگر اس کو بخل پر محمول کرنا ٹھیک نہیں۔ بلکہ وہ

(۱) تذکرہ ۲۳۶ ج (۲) مادوی ۱۸۲ ج عام جماجم یعنے کہہ پریوں کا سال چونکہ اس سال میں بنو عباس نے امویوں کو بکثرت قتل کیا تھا ان کی کہوپریاں بازاروں میں پڑی ماری پھرتی تھیں لہذا مورخین نے اس کا نام ہی کہہ پریاں رکھدیا۔

(۳) طبری جلد ۳ صفحہ ۸۸ ج

اندرونی فسادات اور ہنگاموں کے ڈر سے روپیہ کا جمع رکھنا ضروری خیال کرتا تھا جس وقت اس نے وفات پائی تو اس کے بیت المال میں ۶۰۰۰۰۰۰۰ درہم اور ۱۴۰۰۰۰۰۰ دینار[1] جمع تھے اگر ان دیناروں کو آجکل کے حساب سے درہموں کی صورت میں بدل دیا جائے یعنے فی دینار پندرہ درہم فرض کئے جائیں۔ تو تمام روپیہ جو منصور نے جمع چھوڑا اٹھارہ کروڑ درہم تھا اور ایک درہم "فرانک" کے برابر ہوتا ہے منصور کا آخری وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے مہدی کو یہ وصیت کی۔ میں نے اس شہر میں تمہارے واسطے اسقدر مال جمع کر دیا ہے کہ اگر دس برس تک تمکو خراج کی مطلق آمدنی نہ ہو تو وہ دولت فوج کی تنخواہوں اور مصارف سلطنت۔ کنبہ والوں کے وظائف اور سرحدوں کی حفاظت کے اخراجات کو کافی ہوگی۔ تم اس کی بہت اچھی طرح حفاظت کرنا اس لئے کہ جبتک تمہارا خزانہ معمور رہیگا تمہاری ساکھ قائم رہیگی (۲) اس بات سے منصور کی مدبرانہ قوت اور زمانہ شناسی کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کیسا دور اندیش تھا اس کے علاوہ اس کی عادتیں بھی صاف صاف بتاتی ہیں کہ وہ بڑا دانا اور مدبر صاحب فطرت و شوکت حکمران تھا فی الحقیقت یہ اوسی کا کام تھا کہ اس نے عباسی حکومت کی بنیاد استوار کر دی اس نے سلطنت کے سلامت رکھنے کے لئے بہت سی لڑائیاں لڑیں اور ان میں بے شمار روپیہ صرف کیا محض خارجی لوگوں سے جنگ کرنے میں اس نے ۶۳۰۰۰۰۰۰ درہم خرچ کئے جو ملک افریقہ میں (۱۵۴ھ کے زمانہ میں) ہوئی تھی اسی پر اس رقم کو بھی قیاس کر لینا چاہیئے جو دوسری لڑائیوں میں صرف ہوئی ہوگی اور جن کی تعداد بہت زیادہ ہے یہ مصارف اس خرچ کے علاوہ ہیں جو اپنے کنبہ والوں کے ساتھ سلوک کرنے میں وہ کیا کرتا تھا چنانچہ صرف ایک دن کے اندر اس نے اپنے عزیزوں کی ایک جماعت کو ۱۰۰۰۰۰۰ درہم دے ڈالے (۳) اور محض بغداد کی تعمیر ۴۸۳۳۰۰۰ درہم صرف کئے (۴) اسکے سوا وہ ذرائع آبپاشی اور پلوں کے بنوانے پر بھی بہت کچھ صرف کیا کرتا تھا۔ ان سب اخراجات کو پیش نظر رکھکر منصور کے زمانہ کی آمدنی کا خیال کیا جائے تو وہ کم از کم ایک ارب درہم سے نیچے نہ ہوئی ہوگی اور اس مقدار کو اس کی بائیس سالہ حکومت پر تقسیم کرو تو سالانہ اوسط چار کروڑ پچاس لاکھ درہم نقد علاوہ اون اموال کے پڑیں گے جو وہ عاملوں کو معزول کرتے وقت "استخراج" کے ذریعہ سے وصول کرتا تھا اوس کا قاعدہ تھا کہ عامل کو موقوف کرنے کی صورت میں اس کی تمام دولت ضبط کر کے ایک جداگانہ خزانہ میں جمع کیا کرتا جس کو "بیت مال المظالم" کے نام سے موسوم کر رکھا تھا اور ہر شخص کے مال پر اس کا نام اور ضبطی کا سنہ اور تاریخ لکھوا دیتا تھا اس نے اپنے آخری وقت میں مہدی کو جو اس کا فرزند اور ولیعہد تھا یہ وصیت کی تھی۔ کہ میں نے تمہارے واسطے ایک ذریعہ بیکناری کا جیسا کر رکھا ہے جس وقت میں اس دار فانی سے رحلت کر جاؤں

(۱) مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۷۷ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۴۴۴۔ (۳) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳ (۴) مقدسی ۱۲۱ و سیر الملوک ۵۴

تم اون لوگوں کو طلب کرنا جن کا مال میں نے ضبط کر لیا ہے اور وہ بجنسہٖ انہیں واپس دے دینا اس بات سے تم ان کے دلوں میں گھر کر لو گے اور عام لوگ تمہاری تعریف میں رطب اللسان رہینگے(۱)۔ چنانچہ مہدی نے خلافت پر مستقل ہو کر اس بات پر عمل کیا اور یہ بات بھی خیال میں آتی ہے کہ خلیفہ منصور نے بنو امیہ کو برباد کر کے اون کی دولت بھی بہت کچھ حاصل کی ہوگی جس کا شمار نہیں معلوم ہو سکتا مگر وہ دولت بھی ایک جداگانہ خزانہ میں جمع تھی جس کو "مال اہل بیت اللعنۃ" کہتے تھے (۲)

خلیفہ ہارون الرشید نے جس قدر دولت جمع کی اس کی نسبت سے منصور کی مالداری بالکل ہیچ نظر آتی ہے ہارون نے اپنی وفات کے وقت یعنے ۱۹۳ھ میں ..... ۹ درہم سے زائد بیت المال میں زر نقد چھوڑا تھا(۳) اور اس کی حکومت کا زمانہ منصور کے ایام حکومت کے برابر تھا۔ رشید نے جو مصارف اپنے وقت میں کئے اور جیسے جود و سخاوت کے حالات اس کے بیان کئے گئے ہیں اون کے لحاظ سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ کس قدر بے شمار دولت اس نے پیدا کی ہوگی اس موقعہ پر ایک خیال یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ دولت منصور کے زمانہ سے جمع ہوتی آتی تھی جسپر مہدی اور ہادی نے بھی اضافہ کیا ہوگا اور ان کے بعد رشید کا زمانہ آیا تو اس نے بھی بڑھایا صرف رشید ہی نے اتنی دولت اپنے ایام میں نہیں جمع کی مگر واقعی امر یہ ہے کہ خلیفہ مہدی نے اپنے ایام میں منصور کا تمام اندوختہ مع اس تازہ آمدنی کے اڑا ڈالا تھا جو اس کے عہد یعنے ۱۵۸ھ سے ۱۶۹ھ تک کے مابین ہوئی کیونکہ وہ بڑا سخی تھا اور ہادی نے صرف ایک سال سے کچھ زائد عرصہ تک حکومت کی اس کی سخاوت کی بابت یہ روایت کی جاتی ہے کہ اس نے عبداللہ بن مالک کو چار سو خچر عطا کر دی تھی جنپر درہم دینار وغیرہ کے توڑے لدے تھے اس لئے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کے پاس کوئی قابل ذکر مال جمع رہ سکا ہو پس جو کچھ رشید نے بیت المال میں چھوڑا وہ خود اسی کا اندوختہ تھا۔ اگرچہ ہم رشید کے ایام حکومت کو پیش نظر رکھکر اس کے اندوختہ پر خیال کرتے ہیں تو وہ منصور کے اندوختہ کے مقابلہ میں کچھ ایسا زائد نہیں ٹھہرتا۔ لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان دونوں میں باعتبار سخاوت زمین و آسمان کا فرق تھا۔ رشید ایسا کریم الطبع تھا کہ مال کی اس کے نزدیک کوئی ہستی نہ تھی (۴) اور بخلاف اس کے منصور بخل کے ساتھ متہم تھا (۵) اور اس کے علاوہ رشید کے زمانہ میں ایک برامکہ ہی کا خاندان ایسا تھا کہ اس کی جاگیروں اور بخششوں کا حال پڑھ کر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کتنا روپیہ صرف کیا ہوگا۔

۱۹۳ھ میں رشید کے وفات کے بعد اس کے دونوں بیٹوں امین و مامون کے مابین خلافت

(۱) طبری جلد ۳ صفحہ ۴۱۵۔ (۲) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۰۔ (۳) طبری جلد ۳ صفحہ ۶۴۷۔ اور ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۵۸

(۴) طبری جلد ۲ صفحہ ۱۳۳۔ (۵) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۔

پر فساد برپا ہوا اور دونوں باہم جنگ آور ہو گئے امین بغداد میں تھا اور اس کی ماں "زبیدہ" نے اس کو اسکے باپ کے خزانے جنگ میں صرف کرنے کے لئے دیدیئے تھے (۱) اور مامون صرف خراسان کا گورنر تھا کئی برس تک دونوں بھائیوں میں کشت وخون ہوتا رہا اور امین نے خزانہ کا تمام روپیہ صرف کر ڈالا جس میں جنگی مصارف کے علاوہ اس کے عیش وعشرت کے سامان بھی شریک تھے اس نے اپنی خلافت میں لہو ولعب کا رنگ جما رکھا تھا فوجیں میدان جنگ میں لڑتی تھیں اور وہ قصر خلافت میں رنگ رلیاں مناتا تھا گویوں اور ساقیوں کی تلاش میں دل کھول کر روپیہ صرف کرتا اپنے بھائیوں اور خاندان والوں سے الگ رہتا اور سلطنت کے جواہرات اور شرفیوں کو اپنے خواص خواجہ سراؤں اور مطلوبہ عورتوں پر لٹا رہا تھا (۲)

۱۹۸ھ میں امین قتل ہوا۔ اور اسلامی قلمرو میں مامون کا سکہ اور خطبہ رائج ہوا اس کے دربار میں خراسانیوں کا اقتدار سب سے بڑھا ہوا تھا کیونکہ انہیں لوگوں کی جاں نثاریوں نے اسے ملک ومال پر قابض بنایا تھا مملکت عباسی میں ہر طرف امن وامان تھا خلیفہ مامون نے عربی زبان میں علوم کا ذخیرہ تراجم کے ذریعے بہم کرنے پر توجہ کی اور اس بارہ میں اہل ہنر کی قدر شناسی کا حق ادا کر دیا جسکی تفصیل اس کتاب کے دوسرے حصہ میں بیان ہو گی جو علم وادب کی تاریخ سے مخصوص ہو گا۔

مامون کے عہد میں لوگوں کے بامن وامان کاروبار میں مصروف ہونے اور دولتمندی کے سامان بہم پہنچنے سے تمول کو بھی ترقی ہوئی۔ مامون نے بھی اپنے باپ اور پردادا کے برابر یعنے ۲۲ سال حکومت کی مگر ہم کو اس بات کا پتہ نہیں لگا کہ اس نے اپنی وفات کے بعد بیت المال میں کیا رقم جمع چھوڑی تھی شائد اس زمانہ کے مورخوں کی ان معاملات میں بے توجہی نے اس کی تفصیل کو اسی طرح ضائع کر دیا جیسے کہ اور بہت سی باتیں تلف ہو گئیں۔

البتہ اس میں شک نہیں کہ خلفائے راشدین کے بعد سے مسلمان حکمرانوں کے نزدیک مال کا جمع رکھنا ایک ضروری امر ہو گیا تھا اور یہ بات ان کے ہر ایک ملک اور تمام زمانوں میں پائی گئی ہے بیان کیا گیا ہے کہ اندلس کا مشہور خلیفہ عبدالرحمن بن الناصر جس نے ۳۰۰ھ سے ۳۵۰ھ تک فرمانروائی کی اس نے ۳۴۰ھ تک تقریباً دو کروڑ دینار اپنے خزانہ میں جمع کئے تھے (۳) اس کے زمانہ میں اندلس کے سالانہ محاصل خراج وجزیہ چون لاکھ اسی ہزار دینار تھے اور بازاروں اور مستغلوں کی آمدنی سات لاکھ پینسٹھ ہزار دینار تھی جس کی عام میزان باسٹھ لاکھ بیالیس ہزار دینار ہوتی ہے اور یہ رقم مال غنیمت کے

(۱) ابوالفداء جلد ۲ صفحہ ۔ (۲) ابوالفداء جلد ۲ صفحہ ۲۲ ۔
(۳) ابن خلدون صفحہ ۔ +

خمس کی آمدنی سے علاوہ تھی جو بکثرت آتے تھے (۱) خلیفہ ناصر اس آمدنی کا صرف ایک ثلث اپنی فوج پر خرچ کرتا تھا اور مابقی سب روپیہ جمع رہتا (۲) علامہ ابن خلدون "ناصر" کے چھوڑے ہوئے اندوختہ میں بیحد مبالغہ سے کام لیتے ہوئے اس کی مقدار پانچ ارب دینار تحریر کرتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ ان کی تحریر میں کوئی علامت شک کرنے یا اکل سے کام لینے کی بھی نہیں پائی جاتی کیونکہ وہ اس رقم کو وزن کی صورت میں تحویل کرکے پانچ لاکھ قنطار کے ساتھ اوسے موکد کرتے ہیں (۳) مگر ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ایسے مشہور فاضل اور فیلسوف نے اس قسم کی دور از عقل بات کیوں لکھدی اسلئے کہ "ابن حوقل" جو خلیفہ ناصر کا ہم عہد تھا وہ لکھتا ہے کہ حکم ابن ناصر کے بیت المال میں اس کی باپ کی وفات کے بعد اس کے خدم اور معاصرین ذخیرہ کے ذریعوں سے جو روپیہ جمع ہوا تھا وہ چار کروڑ دینار سے زائد نہیں تھا اور ابن حوقل نے اس کو بہت زیادہ خیال کیا ہے کیونکہ اتنا مال اس زمانہ کی کسی حکومت کے پاس جمع نہیں تھا (۴) وہ زمانہ بغداد کے انحطاط کا تھا اور وہاں کے خلفاء اور سردار مال کے لئے ایکدوسرے سے لڑتے جھگڑتے اور مصادرہ کرتے رہتے تھے۔

مامون الرشید کے ایام میں ملکی لگان کا جس قدر روپیہ خزانہ میں ہر سال آیا کرتا تھا اتنا کسی اسلامی یا غیر اسلامی حکومت کے یہاں کبھی نہیں جمع ہوا۔ ہم کو اس محاصل کی مقدار ابن خلدون کے مقدمہ سے معلوم ہوئی ہے جس کو وہ سلطنت کے مالی دفتر سے نقل کرتا ہے (۵) اور وہ سب سے پہلا جریدہ (دفتر) یا گوشوارہ ہے جو ہم کو اسلامی حکومتوں کے حسابات کے متعلق مل سکا ہے اوس کے بعد ایک اور فہرست کی نقل درج ہوگی جس کو قدامہ بن جعفر نے نقل کیا ہے اور تیسرے حساب کو ابن خرداذبہ روایت کرتا ہے مگر یہ سب کاغذات تیسری صدی ہجری کے وسط سے آگے نہیں بڑھتے جن کو ہم اس کتاب میں درج کرینگے اور اون سے ہماری مراد یہ ہوگی کہ اسلامی سلطنت کی دولتمندی کو اونکا باہم مقابلہ کرکے صاف طور سے بیان کرسکیں۔

اس موقع پر ہم کو یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مالی آمدنی کا ذکر چھیڑنے سے پہلے مختصر طور پر اسلامی قلمرو کی وہ جغرافیائی حالت بھی لکھدیں جو خلیفہ مامون کے عہد میں تھی تاکہ اون اضلاع اور صوبوں کا باہمی تناسب اور عباسی دارالسلطنت سے اون کا تعلق واضح ہو جائے۔

(۱) نفح الطیب جلد اول صفحہ ۱۷۹۔ (۲) ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۳۰۔ (۳) ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۱۱۵۔
(۴) ابن حوقل صفحہ ۷۷۔
(۵) ابن خلدون جلد اول صفحہ ۱۵۰۔

اسلامی قلمرو کا جغرافیہ

مامون کے ایام میں

اس کے حدود اس کے حدود اربعہ ذیل تھے۔ مشرق میں سرزمین ہند تہوڑا حصہ ملک چین کا اور خلیج فارس مغرب میں رومی سلطنت کے حدود جن کو آجکل بحر اسود۔ ایشیائی کوچک۔ بحر روم۔ روس اور بلغاریا سے تعبیر کرتے ہیں۔ شمالی جانب ایشیا میں سربیر۔ خزر۔ اور آلان کے ممالک اور یورپ میں تمیر نیہ کا پہاڑی سلسلہ۔ جو آجکل کے نقشوں میں تمیریا۔ بحر قزوین اور بحر روم پر تیاس کئے جاسکتے ہیں جنوبی سمت میں بحر فارس اور ممالک "نوبہ" کے وہ حصے جو مصر سے ملتے ہیں باقی رہی مملکت اسلامی کی مساحت اور مردم شماری اسے ہم اسی کتاب کے پہلے حصہ میں ذکر کر چکے ہیں دیکھو اس کا صفحہ (۷۹)

اس مملکت کے متعدد اعمال (صوبوں) میں تقسیم کئے گئے تھے جن کی مساحت اور باہمی تناسب میں حکومتوں اور زمانہ کے اختلافوں کے ساتھ کمی بیشی بھی ہوتی رہی ہم اس مقام پر محض اس حالت کو بیان کریں گے جو مامون کے عہد سے چند روز قبل و بعد رہی تھی اور اس کا ماخذ اس زمانہ کے عرب جغرافی لوگوں کی تصنیفات ہونگی خاصکر صاحب ابن حوقل اور ابن الفقیہ سے زیادہ تر استنباط کیا جائے گا ان جغرافیہ دانوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اسلامی قلمرو ستائیس ۲۷ اقلیموں پر منقسم تھا۔ سات اقلیم مغرب میں اور بیس مشرق میں واقع تھے جو حسب ذیل ہیں:

مغربی اقالیم

ممالک[1] عرب۔ شام[2]۔ بحر فارس[3]۔ بحر روم[4]۔ دیار مغرب[5] الجزیرہ[6]۔ مصر[7]۔

مشرقی اقالیم

عراق[1]۔ کوہستان[2]۔ خوزستان[3]۔ رہوان[4]۔ دیلم[5]۔ فارس[6]۔ طبرستان[7]۔ کرمان[8]۔ جرجان[9]۔ مکران[10] توسس[11]۔ طوران[12]۔ خراسان[13] کا جستان[14]۔ سندھ[15]۔ جستان[16]۔ ارمینیہ[17]۔ خوارسان[18]۔ آذربائیجان[19] ماوراء النہر[20]۔ بلاد الران[21]۔ خوارزم[22]۔ جن کا مختصر حال ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

دیار عرب جس کو جزیرہ عرب کہنا چاہیئے اس ملک کو عباد ان لیئے دجلہ کے دہانہ سے بحر فارس نے گھیر رکھا تھا اور وہ بحرین سے ہوتا ہوا عمان کو نکل گیا تھا پھر وہاں سے پھر کاٹتا۔ حضرموت اور عدن کے سواحل کو گھیرتا ہوا بحر ہند تک سواحل یمن کو چلا گیا تھا اور وہاں سے "مدین" تک پھیلتا ہوا "ایلہ" کو جا پہنچتا تھا۔ عربی جغرافیہ دان ان تمام دیاروں کو بحر فارس سے تعبیر کرتے ہیں جو ملک عرب

کو اپنے حلقہ میں لئے ہیں مگر اس میں اتنا فرق ہے کہ تری کا وہ سلسلہ جو باب مندب سے ایلہ تک ممتد ہوتا چلا گیا ہے اسے بحر قلزم کہتے ہیں جو آجکل بحر احمر کہا جاتا ہے اس کی شمال مغربی جانب کی خشکی حدبندی ممالک شام اور فلسطین ایک خمدار خط سے کرتے ہیں جو ایلہ سے بحیرہ مردار کو ملا کر شرقات۔ بلقاء۔ اذرعات سلیہ اور خناصرہ کو سلسلہ میں لیتا فرات سے جا ملا ہے اور وہاں سے رقہ۔ قرقیسیا۔ رحبہ۔ اور کوفہ کو گھیرتا ہوا بطائح اور واسط کو شامل کرتا عبادان تک گیا ہے دیار عرب کی تقسیم یہی کئی صوبوں پر کی جاتی ہے۔ حجاز۔ اس میں مکہ۔ طائف۔ مدینہ اور یمامہ مع اپنے مخالیف کے شامل ہیں۔ نجد حجاز۔ جو سرزمین بحرین سے متصل ہے۔ بادیہ عراق۔ بادیہ الجزیرہ۔ بادیہ شام۔ یمن جو کہ تہامہ پر بھی مشتمل ہے۔ نجدیین۔ عمان۔ حضرموت۔ صنعا۔ اور عدن مع تمام مخالیف ہمن کے۔

بحر فارس اس سے اون کے نزدیک دو دریا مراد ہیں جو دریائے دجلہ واقع ملک عراق کے دہانہ سے ایلہ تک سرزمین عرب کو اپنے حلقہ میں لئے ہیں (۱) اس کے اندر دریا کے وہ سب حصے ہیں کو ہم ان دونوں خلیج فارس۔ بحر عرب۔ خلیج عدن۔ بحر احمر۔ اور خلیج عقبہ کے بعد اگانہ ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ شامل ہیں کہ ان کے تفصیلی حالات بیان کرنے کی ہمیں اس موقعہ پر کوئی حاجت نہیں معلوم ہوتی۔

دیار مغرب اس سے ان کی اصطلاح میں شمالی افریقیا کے تمام وہ سواحل مراد ہیں جو ملک مصر کی سرحد سے اس طرف مغرب میں واقع ہیں اور جن میں ۱۔ برقہ۔ ۲۔ افریقیہ یعنے ٹیونس ۳۔ تاہرت واقع الجزائر اور ۴۔ طنجہ۔ سوس اقصیٰ۔ زویلہ۔ ملک مراکو کے شہر شامل ہیں۔

برقہ ایک متوسط درجہ کا شہر ہے جو شاداب زمین کے سطح مستوی پر واقع اور چاروں طرف بیابانوں سے گھرا ہوا ہے اون بیابانوں میں بربری قبائل سکونت پذیر ہیں اور برقہ اور افریقیہ کے مابین طرابلس الغرب کا مشہور شہر واقع ہے جو ممالک افریقیہ کا ایک شاندار شہر اور سرتاپا سنگین عمارتوں سے بنا ہے اس کے بعد مہدیہ اور پھر ٹیونس ہے جو بڑے آباد شہر ہونے کے علاوہ بہت سرسبز مقام ہیں ابدالزماں تیروان افریقیا کا پائے تخت اور وہاں کا سب سے بڑا شہر ہے یہ صحرائی سرزمین کے اندر آباد ہے اور اسی کے شمال "تاہرت" کو بھی سمجھنا چاہیئے۔ افریقیہ کے باقی شہروں میں ایک قابل ذکر مقام سجلماسہ ہے جو لق و دق بیابان میں واقع ہے۔

اندلس (اسپین) کو بھی عربی جغرافیہ دانوں نے ممالک مغرب کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ فتح ہونے کے زمانہ میں اسی کا ماتحت تھا یہ ایک وسیع ملک ہے جس کا پائے تخت قرطبہ ہے اور اس کی حدود اربعہ

(۱) اصطخری صفحہ ۲۸ ؎

مشہور ہیں۔ اندلس کے دوسرے شہر جو مشہور ہیں۔ جیان۔ طلیطلہ۔ سرقسطہ۔ لاردہ۔ وادی الحجارہ۔ قرطبہ۔ ماردہ۔ باجہ۔ غافق۔ لبلہ۔ قرمونہ۔ استجہ اور ریہ وغیرہ ہیں اور اس کے ساحلی مقامات شنتریں مالقہ اور جبل طارق وغیرہ ہیں۔

مصر اون ایام میں بھی مصر کی حدود انہیں ایام کے برابر تھے اور اس کے ملحقات میں ممالک نوبہ اور بجاوہ بحر احمر کی حدود تک شمار کئے جاتے تھے جس کے بعد خلیج عقبہ واقع تھی۔

ملک شام جس سے عموماً ارض سوریا مراد تھی اس کی سات حصوں پر تقسیم کی گئی تھی۔ فلسطین کی چہاؤنی ۲۔ اردن کی چہاؤنی ۳۔ حمص کی چہاؤنی ۴۔ چہاؤنی دمشق ۵۔ چہاؤنی قنسرین ۶۔ عواصم اور ۷ ثغور (سرحدی اضلاع)

ملک شام کی مغربی چہاؤنیوں میں پہلی چہاؤنی فلسطین کی تھی اس کے حدود اربعہ کی تفصیل یہ ہے۔ مصر کی جانب مقام "رفح" شمال میں "الجون" جس کے ضمن میں یافا۔ اریحا۔ بیت لحم۔ غزہ۔ عسقلان بحر مردار غور بیسان اور نابلس شامل ہے فلسطین کا مرکزی مقام "رملہ" تھا جو دست اور آبادی کے لحاظ سے بیت المقدس کا ہم پایہ گنا جاتا تھا۔

اردن کی چہاؤنی کا صدر مقام شہر "طبریہ" تھا۔

دمشق کا صدر مقام خود شہر دمشق تھا جو ملک شام کے تمام شہروں میں عام طور پر بڑا اور مشہور ہے

حمص کا صدر مقام شہر حمص تھا جو مشہور ہے اور اس کے ماتحت شہر بادیہ کے کناروں پر طرطوس اور سلمیہ ہے ان کے علاوہ شیزر اور حماۃ بھی دو چھوٹے شہر ہیں۔

قنسرین کا صدر مقام شہر حلب تھا جو آج بھی ویسا ہی مشہور ہے اور چونکہ وہ ملک عراق کے راستہ میں پڑتا تھا لہذا اس کی رونق اور شان بہت بڑھ گئی تھی حدی اضلاع (ثغور) اور عواصم کو جاتے ہوئے بھی یہ شہر راہ میں پڑتا۔ اس کے شہروں میں قنسرین چھوٹا شہر تھا اور معرۃ النعمان اوسط درجہ کا۔

عواصم ملک شام کا وہ بالائی حصہ مراد ہے جو حلب کے بعد سکندرونہ تک پھیلتا ہوا گیا ہے عواصم کا صدر مقام انطاکیہ کا شاندار شہر تھا جو خوبی اور خوش اسلوبی میں دمشق کا ہمسر گنا جاتا تھا اور رومیوں کے زمانہ میں ملک شام کا پایۂ تخت رہ چکا تھا اس شہر کے گرد ایک زبردست اور مستحکم شہر پناہ کی دیوار بنی تھی جس کا دورہ ایک سوار کے دو دن قطع مسافت کرنے سے طے ہوتا تھا (۱) کہا جاتا ہے کہ نہر فرات کے کنارہ پر "بالس" اور بحرائی مقامات میں "منبج" بھی عواصم کے نامی شہروں میں شمار ہوتے تھے۔

(۱) اصطخری صفحہ ۶۶ ؎

ثغور یعنے سرحدی مقامات اون ممالک کو کہا جاتا تہا جو عواصم کے اس طرف ایشیائی کوچک کے کوہ "طورس" تک واقع تہے اور ان کے مشہور شہر یہ ہیں۔ نہر فرات کے کنارہ پر "سمیساط" "ملطیہ" یہ سب سے اہم سرحدی مقام تہا اور یہاں محافظ فوج کا زبردست کیمپ رہا کرتا۔ حصن منصور۔ حدث۔ مرعش۔ زبطرہ۔ ہارونیہ۔ بیقصہ۔ اذنہ۔ اور طرطوس۔ اور کبھی ان سرحدی اضلاع کو عواصم کے حلقہ میں شامل کرلیا کرتے اور اس تمام ملک کو عواصم کے نام سے نامزد کرتے تہے اہل اسلام ثغور انہیں مقامات کو کہا کرتے جو ان کے ملک اور رومی ممالک کے مابین حد فاصل تہے اسی وجہ سے سرحدوں کی دو قسمیں کردی گئی تہیں۔ ثغور شامیہ یعنے وہ سرحدیں جو ملک شام سے متصل تہیں اور "حدود جزریہ" یعنے وہ سرحدی تہانے جو الجزیرہ سے ملحق تہے۔

بحر روم اس سے ان مقامات کا بیان مراد ہے جو دریائے روم کے جزیرے تہے اور وہ ہماری بحث سے خارج ہیں لہذا ہم ان کے ذکر سے باز رہتے ہیں۔

الجزیرہ دریائے دجلہ اور فرات کے مابین ایک وسیع ملک کا نام تہا اس کو مابین النہرین بہی کہتے تہے اس ملک کے شمالی حصہ کو الجزیرہ اور جنوبی خطہ کو عراق کے لقب سے ملقب کیا تہا جن کی حد فاصل دریائے دجلہ کے ساحل پر شہر تکریت اور نہر فرات کے کنارہ پر انبار۔ یا۔ ہیت کے شہر تہے الجزیرہ کے طبقات میں چند ایسے مقامات کا شمار تہا جو دونوں دریاؤں کے کناروں پر جا بجا واقع تہے۔ الجزیرہ کے حدود اربعہ یہ تہے۔ شمالی جانب سے میافارقین اور وہ مقامات جو اس کے ساتھ مغرب رویہ ملتے ہوئے ملطیہ کے قریب دریائے فرات تک واقع تہے۔ جنوبی سمت سے ہیت جو نہر فرات پر واقع تہا اور تکریت جو دریائے دجلہ کے کنارے آباد تہا۔ جنوب مغرب رویہ کی حد بندی بلاد الجزیرہ کے صحرائی مقامات کرتے تہے اور مشرق میں کہستانی ملک اور آذربائیجان کا صوبہ اس کی سرحد سے ملحق تہا۔

الجزیرہ کا ملک نہایت سرسبز و شاداب خطہ اور ممالک عراق کا ہم پلہ تہا اس کے مشہور شہر حسب ذیل تہے منزلی جانب دریائے دجلہ کے کنارے شہر موصل۔ دیار ربیعہ میں میدانی سرزمین کے اندر شہر سنجار اس شہر میں کھجور کے باغات بہت کثرت سے تہے جس کے مقابل اس ملک کے کسی اور شہر میں نہ تہے۔ شہر نصیبین الجزیرہ کا سب سے پر رونق شہر تہا ایک چھوٹا قصبہ راس عین ایک ہموار زمین کا خوشنما شہر دارمضر میں۔ بلندی دجلہ میں آمد اور دریائے دجلہ ہی کے کنارے پر جزیرہ ابن عمر بہی تہا اور الجزیرہ کے جو شہر نہر فرات کے لب پر واقع تہے وہ حسب ذیل ہیں: رقہ۔ قرقیسیا۔ الحدیثہ۔ اور ہیت اس سرزمین کے وسط میں شہر حران جو کہ صابئی (ستارہ پرست) لوگوں کا مقام تہا اور "رہا" جو قدیم زمانہ میں

سریانی قوم کا زبردست دارالعلم تھا اور سروج ایک سرسبز شہر جہاں انگور کی پیداوار بکثرت ہوتی تھی واقع تھے۔

الجزیرہ میں چند صحرا بھی تھے جن میں ربیعہ اور مضر کے عربی قبائل رہا کرتے۔ ربیعہ کے خاندان شمال مشرقی حصہ میں اور مضر کے گھرانے جنوب مغربی قطعہ میں آباد تھے اور اسلام سے قبل ان کی سکونت انہیں مقامات میں چلی آتی تھی یہ دونوں عربی قبائل بکثرت اونٹوں اور گھوڑوں اور بھیڑ بکریوں کے مالک تھے اس کے علاوہ وہ شہروں کے متصل دیہات میں رہنے کے عادی تھے جس کی وجہ سے وہ نصف صحرائی اور آدھے شہری تصور کئے جا سکتے تھے دریائے دجلہ کے کنارے پر ملک الجزیرہ کا آخری سرحدی مقام تکریت تھا جس کے باشندے زیادہ تر عیسائی تھے۔

عراق ممالک مابین النہرین کا جنوبی حصہ اور اس کے قرب و جوار کے مقامات اس کا طول شمال میں شہر تکریت واقع کنارہ دجلہ سے سمت جنوب کے شہر عبادان تک تھا جو کنارہ بحر فارس پر واقع ہے اور اسکا عرض مغربی سمت میں قادسیہ کوفہ سے مشرقی جانب کے شہر حلوان تک شمار کرنا چاہیئے ملک عراق کا ضبط معلوم کرنے کے لئے ہم کو تکریت سے مشرقی سمت میں شہر زور تک جانا ہوگا اس کے بعد جنوب مشرقی گوشہ میں حلوان اور بعدہٗ سیروان اور صیمرہ پھر حدود سوس سے عبادان تک طے کرتے ہوئے بصرہ کی جانب پھر جانا پڑیگا اور یہاں سے شمال مغربی گوشہ میں سواد بصرہ کے سنگلاخ مقاموں اور صحرا دل کی جانب کوفہ تک چڑھنا پڑے گا اور اس کے بعد فرات کے کنارے کنارے انبار تک جا کر پھر شمالی سمت میں تکریت کی جانب واپس آنا ہوگا۔ اس قطعہ ملک کو جو دجلہ اور فرات کے مابین واقع تھا۔ سولو کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا اسلامی تمدن کے ایام میں عراق کے حدود مذکورہ بالا بیان کے مطابق تھے جو آجکل کے زمانہ میں بالکل بدل گئے ہیں اور اس تبدیلی کی خاص وجہ دونوں دریاؤں کے بہاؤ کا تغیر ہے جس کی تفصیل ہم کسی اور مقام پر مناسب طور سے بیان کریں گے۔

عراق کے مشہور شہر بغداد اس کا صدر مقام اور اسلامی سلطنت کے عروج و عظمت کے ایام میں اس کا پایۂ تخت خلیفہ منصور نے اس شہر کو تعمیر کرایا تھا بصرہ خاص اہل عرب کی بستی تھی مسلمانوں نے خلیفہ عمر بن الخطابؓ کے عہد میں اس کی بنیاد ڈالی۔ شہر بصرہ کے متصلات میں بہت سی چھوٹی سرزمینیں تھیں جس کا بیان کسی دوسرے موقع پر آئے گا۔ واسطہ یہ بھی اہل عرب کا شہر تھا اس کو "حجاج" نے سرزمین سواد کے وسط میں آباد کیا تھا۔ کوفہ اس کی بنیاد بھی اہل عرب نے ہی نہر فرات کے مغربی کنارہ پر رکھ کر تعمیر کیا تھا نہروان دریائے دجلہ کے شرقی سمت میں ایک نہر پر واقع تھا جو اب بالکل خشک ہوگئی ہے حلوان ملک عراق کا آخری حدی شہر مشرقی گوشہ میں کوہستان کے قریب بہت

پر رونق اور شاندار مقام تھا۔ جبرہ شاہان عراق کا قدیم پائے تخت کوفہ کے قریب اور بابلہ بصرہ کے متصل

خوزستان یہ ملک عراق کے مشرقی جانب اس کے اور ملک فارس کے مابین واقع ہے اس کی شمالی حد کوہ الجبال۔ شرقی حد ملک فارس اور اصفہان۔ غربی حد۔ ملک عراق اور جنوبی حد خلیج فارس ہے خوزستان کا صدر مقام شہر اہواز تھا جس کی طرف منسوب کرکے اس ملک کو بھی اہواز کہا جاتا یہ ملک کئی ضلعوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ پہلا ضلع خوزا ہواز اور اس کے علاوہ جندی سابور۔ شوس۔ تستر۔ رامہرمز۔ سرق۔ عسکر اور مکرم تھے۔ ہر ایک کورہ (ضلع یا کشری) کا صدر مقام وہی شہر تھا جسکے نام سے وہ ضلع موسوم کیا جاتا تھا۔

بلاد فارس یہ مغرب میں ملک خوزستان اور مشرقی سمت صوبہ کرمان کے درمیان واقع ہوا تھا اس کی حدیں شمال میں اصفہان اور صحرائے خراسان سے ملتی تھیں اور جنوب و مغرب کی حد بندی "دریائے فارس" کرتا تھا۔ فارس کا ملک پانچ احاطوں میں تقسیم تھا۔ سب سے بڑا احاطہ اصطخر جس کا صدر مقام شہر اصطخر تھا اس کے بعد احاطۂ اردشیر خرّہ کا نمبر تھا جس کا صدر مقام "جور" تھا اور اسی احاطہ میں شیراز کا شہر بھی جو ملک فارس کا پائے تخت ہے واقع تھا اور شیراز ہی میں تمام ملکی و مالی دفتروں کی کچہریاں اور دار الامارۃ بھی تھا اس کے بعد احاطۂ "دارابگرد" اور احاطہ "ارجان" جس کا صدر مقام شہر ارجان تھا بعد ازاں احاطہ سابور جو ملک فارس کے تمام احاطوں سے چھوٹا تھا اور اسی احاطہ میں شہر "گاردون" واقع تھا ملک فارس میں چند ایسے مقامات بھی تھے جن میں سو سے زیادہ کردون کے خاندان بود و باش رکھتے تھے اور وہ لوگ کیتی باڑی کے ساتھ مویشیوں کی پرورش سے بھی اپنی گذر اوقات کرتے تھے ان مقاموں کو "موم" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ بلاد فارس میں صرف ان قبائل کے تقریباً ..... گھر اندازہ کئے گئے ہیں جو عربی خانہ بدوشوں کی طرح سردی اور گرمی کے موسموں میں کافی چارہ اور پانی رکھنے والی سرزمینوں کو اپنے قیام کے لئے تلاش کرتے رہتے تھے اور کم سے کم صرف ایک گھر میں صاحب خانہ۔ مزدور پیشہ۔ اور چوپائے ملا کر تقریباً دس مرد ہوتے ہیں کے اعتبار سے اگر ہم فی گھر صرف پانچ مردوں کا اوسط لگائیں تو کردون کی قوم میں مردوں کی تعداد پچیس ۲۵ لاکھ ہوتی ہے اور عورتوں اور بچوں کے شمار کو اسپر نظر انداز کرنے سے اس قوم کی مجموعی مردم شماری دس ملین سے کم نہیں ٹھیرتی +

کرمان یہ ملک فارس سے باعتبار وسعت کے بہت بڑا تھا اس کے مغربی حدود خاص فارس سے ملے تھے اور مشرقی حدود مکران اور سجستان سے شمال کی جانب خراسان کا ریگستان اور جنوب کی سمت بحر فارس اس کی حدود سے متصل تھے وہاں کے مشہور شہر شیرجان۔ جم۔ جیرفت اور ہرموز تھے۔

مکران کرمان کے شرقی جانب ہے اور اس کے مشرق میں طوران اور ممالک سندھ کے بعض مقامات

شمال میں جستان اور ممالک ہند اور جنوب میں بحر فارس اس کی حد بندی کرتے ہیں یہ صوبہ کرمان سے بڑا ہے۔ وہاں کے مشہور شہر تنبر۔ کیز۔ درک اور رسک ہیں۔

طوران ملک فارس سے بہت چھوٹا ملک ہے مغربی سمت سے مکران اور شرقی و شمالی جانبوں سے بلاد سندھ کے مابین واقع تھا اور جنوبی طرف کو بحر فارس اس کی حد تھا وہاں کے مشہور شہر ماہ کالی کیز کاناں اور تصدار تھے۔

سندھ سمت مشرق میں اسلامی ممالک کی آخری حد تھی وہاں کے مشہور شہر حسب ذیل تھے منصورہ جسکو ہندی زبان میں بمن آباد کہتے تھے۔ "دیبل" دریا کے کنارہ پر۔ اور ملتان وغیرہ شہر منصورہ نہر مہران کی ایک کھاڑی پر واقع اور بطور ایک جزیرہ نما کے تھا وہاں کے باشندے مسلمان تھے۔ اور مصطفی مشہور عربی جغرافیہ دان۔ مکران۔ طوران اور سندھ تینوں ملکوں پر صرف سندھ کا اطلاق کرتا ہے۔

ارمینیہ اسلامی قلمرو کے بالائی ملکوں میں الجزیرہ کے اوپر واقع تھا اس کی حدود اربعہ حسب ذیل ہیں:۔ مشرق میں "آذربائجان" اور "ران" مغرب میں بلاد روم (ایشیائے کوچک) شمال کی جانب کوہستان قبق (کاکیشین) اور جنوب کی سمت میں الجزیرہ۔ ارمینیہ کا صدر مقام شہر "دبیل" تھا جس میں دارالامارۃ بھی تھا اور وہاں کے رہنے والوں میں غالب تعداد نصاریٰ کی تھی۔ وہاں کے مشہور شہر خلاط ارزن۔ قالیقلا اور میافارقین تھے مگر بعض جغرافیہ دان میافارقین کو الجزیرہ میں شمار کرتے ہیں جس کی پیروی ہم نے بھی کی ہے۔

آذربائجان الجزیرہ کے شرق میں واقع تھا اس کی مغربی حد الجزیرہ اور آرمینیہ سے ملتی تھی اور شرقی حدود کا اتصال بحر خزر اور بلاد دیلم سے تھا۔ شمال میں بلاد "ران" اور جنوب میں "کوہ الجبال" اوس کی حدیں تھیں اس کا صدر مقام شہر اردبیل تھا فوجی چھاؤنی اور دارالامارۃ بھی وہیں تھا اس شہر کا طول و عرض دو میل مربع بیان کیا گیا ہے اردبیل کا ہم پلہ ایک دوسرا شہر "مراغہ" نامی بھی تھا جو پہلے زمانہ میں صدر مقام بھی رہ چکا تھا شہر ارمیہ بحیرہ شرات کے ساحل پر آباد اور بڑا شہر تھا آذربائجان کے باقی شہروں میں قابل ذکر سلماس۔ مرند۔ اور شیز صرف تین اور ہیں۔

بلاد ران آذربائجان کے شمال میں ہے اس کی حدود کا اتصال شرق میں بحر خزر سے غرب میں ارمینیہ سے شمال میں کوہستان قبق سے اور جنوب میں آذربائجان سے ہوتا ہے وہاں کے بڑے بڑے شہر برذعہ۔ تفلیس۔ باب۔ بیلقان اور شاذران وغیرہ ہیں +

کوہ الجبال اس سے ملک فارس کے کوہستانی مقامات مراد ہیں اور اس کی تقسیم کئی حصوں یا کور (دن) پر کی جاتی ہے مشہور کور یہ ہیں۔ ماہ الکوفہ جس کو دینور کہتے ہیں۔ ماہ البصرہ جس کا نام نہاوند ہے ہر اس ملک کی شرقی حد خراسان کا ریگستان اور ملک فارس تھا۔ مغرب میں عراق اور الجزیرہ۔ شمال میں آذربائجان۔ دیلم۔ رے اور قزوین۔ جنوب میں خوزستان اور عراق۔ اس کے مشہور شہروں میں سب سے بڑا شہر ہمدان تھا اور اس کے علاوہ دینور۔ اسبذان۔ اصفہان۔ قم۔ قاشان۔ نہاوند۔ الور۔ الکرج قزوین۔ شہرزور اور حلوان یہ سب کے مشہور شہر تھے۔ ہمدان کی مساحت ایک فرسخ مکعب تھی اور اسکے گرد نہایت مستحکم شہر پناہ تعمیر تھی جس میں آہنی پھاٹک لگے تھے۔ دینور یعنے ماہ الکوفہ اسکی دوتہائی کے برابر تھا۔ اصفہان و قم دو شہروں کا نام تھا بین کے مابین دو میل کا فاصلہ تھا مگر وہ ایک ہی شمار کئے جاتے تھے نہاوند (ماہ البصرہ) ایک پہاڑ پر واقع تھا اور اس کی عمارتیں خام مٹی سے بنی تھیں شہر حلوان اس پہاڑ کے قرب میں آباد تھا جو حد عراق کے قریب واقع ہے اور وہاں سے نظر آتا ہے شہرزور بھی ملک عراق سے نہایت نزدیک تھا۔ قزوین ملک فارس کی بلندی میں واقع تھا اور بلاد دیلم کا سرحدی شہر تھا۔ شہر قم کے گرد بھی شہر پناہ کی دیوار تعمیر تھی اور نہایت شاداب مقام تھا اور قاشان ایک چھوٹا شہر تھا +

دیلم بحر خزر (دریائے قزوین) کے کنارہ پر واقع ہونے والے کوہستانی سلسلہ کا نام تھا اسکی حدود کی تفصیل یہ ہے جنوب میں قزوین اور کچھ حصہ آذربائجان کا شمال میں بحر خزر مشرق میں قومس اور مغربی جانب کو آذربائجان۔ دیلم کے باشندے دو قسم کے لوگ تھے ایک پہاڑی اور دوسرے بیابانی ملکوں کے باشندے دیلم کے ماتحت مقامات رے ابہر زنجان۔ طالقان۔ قزوین اور رویان کے شہر۔

طبرستان مشرقی جانب میں دیلم سے ملا ہوا اور بحر خزر ہی کے ساحل پر واقع تھا۔ اسکی مشرقی حدود جرجان اور مغربی حدود دیلم سے ملے ہوئے تھے وہاں کے بڑے شہروں میں آمل صوبہ کا صدر مقام تھا۔ ساریہ اس شہر یا ضلع میں پانی بکثرت تھا۔ یعنے ندی نالوں اور نہروں کی افراط تھی اور دماوند (یا دیاوند) بھی اچھا مقام تھا۔

جرجان طبرستان کے شرقی جانب اور کچھ اس کے شمال میں بھی واقع تھا اسکی حد بندی شمال میں ترکستان۔ جنوب میں قومس مشرق میں خراسان اور مغرب جانب بحر خزر کرتا تھا اس ملک کا سب سے بڑا شہر جرجان تھا جو آمل سے زیادہ بڑا اور شاندار تھا اور جنوبی حصہ ملک میں استرآباد کا شہر عمدہ تھا اور شہر دہستان جو ساحل دریا پر واقع تھا۔

قومس | جرجان اور طبرستان کے جنوب میں واقع تھا اور اس کی شمالی حصہ انہیں ملکوں سے متصل تھی جنوب و مشرق میں اس کی سرحدیں خراسان کے ریگستان سے ملتی تھیں اور مغرب میں رے کے مضافات اس کے حدود تھے یہاں کا صدر مقام شہر دامغان تھا۔

صحرائی خراسان | وہ بے آب و گیاہ میدان ہو بلاد مشرق کے وسط میں واقع تھے شمال میں قومس جنوب میں بلاد فارس اور سجستان مشرق میں سجستان اور خراسان اور مغرب میں کوہستان اور رے اس کی حدبندی کرتے تھے ان بیابانوں کے رہنے والوں کی تعداد عرب کے صحرائی باشندوں سے بہت کم تھی اور ان صحراؤں کا کچھ حصہ ملک خراسان کے زیر اثر تھا اور کچھ حصے فارس اور کرمان کے صوبوں میں شامل تھے یہ ریگستان نہایت دشوار گذار اور بیٹھر تھے جن میں پانی کی کمی ہونے سے گھوڑوں پر سفر کرسکنا دشوار تھا۔

سجستان | مکران کے شمالی جانب واقع تھا اس کی مشرقی حدود ریگستان تھا جو اس کو اور ملک سندھ کے مابین واقع ہے۔ جنوب میں مکران شمال میں سرزمین ہند اور مغرب میں خراسان کا ریگستان اس کی حدبندی کرتے تھے وہاں کے بڑے شہروں میں زرنج۔ بست اور طاق وغیرہ مشہور ہیں۔

خراسان | مشرقی ممالک میں سب سے بڑھکر وسیع اور زرخیز ملک ہے اس کی حدود اربعہ کی تفصیل یہ ہے شمال مشرقی گوشہ میں ملک ماوراء النہر جنوب مشرقی گوشہ میں بلاد سندھ اور سجستان۔ شمالی سمت میں خوارزم اور ترکستان کے شہر "غز" کے مضافات۔ جنوبی سمت میں خراسان کے ریگستان اور صوبہ فارس اور مغرب میں قومس۔ خراسان کی تقسیم کئی احاطوں پر کیگئی تھی سب سے بڑے احاطے۔ نیشاپور۔ مرو۔ ہرات اور بلخ اور اسی کے قریب توستان کا احاطہ بھی تھا اور طوس۔ نسا۔ ابیورد۔ سرخس۔ اسفرائن۔ بوشنج۔ بادغیس کیخ رستاق۔ مرورود۔ جوزجان۔ طخارستان۔ زم اور آمل یہ تمام شہر ملک خراسان کے ضلعے تھے خراسان کا دارالسلطنت شہر نیشاپور تھا جو وہاں کے شہروں میں سب سے بڑا اور ابر شہر بھی کہلاتا ہے یہ مسطح اور نرم زمین میں واقع ہے۔ عمارتیں خام مٹی سے بنی ہیں اور اس کی وسعت ایک فرسخ (۳ میل) مکعب ہے مرو کا شہر جو مرو شاہجہان کے نام سے بھی معروف ہے بہت پرانا شہر ہے ملک خراسان میں بہت سے پررونق اور آباد شہر ہیں وہاں کی مردم شماری بھی زیادہ ہے سرزمین نہایت سیر حاصل اور زرخیز ہے مسلمانوں کو اس ملک سے مالی آمدنی کی بہت بڑی توقع تھی۔

ماوراء النہر | یہ شمالی مشرقی گوشہ میں اسلامی قلمرو کا سب سے آخری ملک تھا اس کی حدبندی شمال میں بلاد ترکستان اور بلاد خزر سے گوشہ جنوب مغربی میں خراسان سے (جس کی درمیانی حد فاصل نہر جیحوں تھی)

شمال مغربی گوشہ میں خوارزم سے اور جنوبی سمت میں طخارستان سے ہوتی ہے یہ ملک اسلامی ممالک میں سب سے بڑھ کر زرخیز عمدہ اور سرسبز و شاداب تھا۔ اس کے مشہور مقامات بخارا۔ سمرقند۔ کش۔ نخشاب بیکند۔ ساغانیان۔ فرغانہ۔ سغد۔ شاس۔ اشروسنہ اور نخجند ہیں۔

خوارزم اصطخری اس کو ماوراءالنہر کا ماتحت مقام شمار کرتا ہے یہ ملک نہر جیحوں کے کناروں پر شمالی سمت میں بشکل مستطیل پھیلتا چلا گیا ہے اسکی شمالی حد بحر خوارزم اور جنوبی حد خراسان اور بلاد صغد ہیں اور مشرق و مغرب کی جانب ریگستانوں سے گھرا ہوا ہے اس کا صدر مقام شہر خوارزم ہنائت پر رونق ہے۔

خلیفہ مامون الرشید عباسی کے زمانہ سے کچھ آگے پیچھے تک ممالک اسلام کا جغرافیہ بھی تھا جسکو ہم نے بیان کیا ہے اس میں ہم نے اقلیموں کا باہمی تناسب بھی ظاہر کر دیا ہے اور یہ سب باتیں اس بیان کی تمہیدیں ہیں جو ہم مملکت عباسیہ کے ملکی محاصل کی بابت کرینگے عباسی سلطنت میں اندلس کے سوا یہ سب اقلیمیں شامل تھیں مگر ان میں سے ہر ایک اقلیم مستقل اور اپنی جگہ پر ایسی قایم بالذات نہیں تھی کہ اپنے ہی نام سے اپنا خراج ادا کرتی ہو بلکہ اس میں کی بعض اقلیمیں چند دوسری اقلیموں کے عمل میں بھی داخل تھیں اور یہ حالت زمانوں کے تغیر و تبدل کے ساتھ بدلتی رہتی تھی چنانچہ اکثر ملکی محاصل کے گوشوارہ کے اندر کسی ایک اقلیم کے خراج کا ذکر ہوگا لیکن اس سے دو یا دو سے بھی زائد اقلیموں کا خراج مراد ہوگا جو اس کے عامل کے زیر اثر رہی ہوں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ خلفاء ایک ہی شخص کو کئی صوبوں کا عامل مقرر کر دیتے اور اس کے تمام ماتحت ممالک کا ایک ہی نام قرار دے دیتے جو دراصل ان ملکوں میں سے صرف کسی ایک کا نام ہوتا تھا اور ایسی صورتیں جن اسباب سے پیدا ہوتی تھیں ان کا شمار بتانا ناممکن ہے۔

قبل اس کے کہ ہم مملکت عباسیہ کے اعمال کا خراج تفصیل وار بتا کر سلطنت کی مالی توفیر کا صحیح حساب لگائیں ہمیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان اقلیموں یا اعمال کا وہ تعلق بھی بیان کر دیں جو ان کو سلطنت کے پایۂ تخت اور دارالخلافت بغداد کے ساتھ خراج کی آمدنی کے لحاظ سے تھا۔

عباسی اعمال کا تعلق پایۂ تخت کے ساتھ

ہم اسی کتاب کے پہلے حصہ میں ولایات اعمال کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ بظاہر وہ ایک فوجی مداخلت کی شکل رکھتی تھی اور مالکانہ قبضہ سے اسے کوئی مشابہت نہ تھی خلفائے راشدین کے عہد میں جو سپہ سالار کسی ملک کو فتح کرتا وہی اس مفتوحہ ملک کا عامل مقرر ہوتا تھا اس کے

فرائض بہت تھے کہ مفتوحہ ملکوں میں امن و امان قائم رکھنا قانون حکومت کو جاری کرنا مسلمانوں پر پابندی نماز کی تاکید رکھنا اور ملکی رعایا سے خراج وصول کرنا۔ مفتوحہ ملکوں میں اندرونی انتظامات کے متعلق وہی قوانین اور طرز حکومت جاری رہتے جو فتح سے پہلے رائج ہوتے خراج کے وصول اور تحصیل کرنیوالے اور ملکی حکام خاص وہیں کے باوقعت طبقہ کے اشخاص ہوتے تھے جن کو حسب حیثیت تنخواہیں ملتی تھیں جس وقت خراج اور جزیہ کی آمدنی جمع ہو جایا کرتی تو اس کی مجموعی رقم میں سے دفتروں کے پارچہ تحصیلداروں کی تنخواہیں اور دوسرے ضروری مصارف منہا کرنے کے بعد باقی رقم مسلمان حاکم اور عامل کو تفویض کر دیجاتی اور وہ اس رقم میں سے اپنی اور اپنے ساتھی افسروں اور سپاہیوں کی تنخواہیں پلوں کی تعمیر دریاؤں کے بند اور ایسے ہی دوسرے رفاہ عام کے کاموں کے مصارف مجرا لے کر پھر جو رقم بچتی اسے بیت المال یعنے دارالسلطنت کے خزانہ میں ارسال کرتا تھا۔

راشدین کے زمانہ تک اسلامی اعمال کا یہی انداز قائم رہا مگر اون کے بعد بنو امیہ کا دور شروع ہوا اور امیر معاویہؓ کو اپنے طرفداروں کے گروہ قائم کرنے کی حاجت ہوئی تو انہوں نے عاملوں کے اختیارات وسیع کر دیئے اور بعض ولایتوں کو بالکل خود مختار ہی بنا دیا جسکی وجہ سے وہ عمال اپنے زیر حکومت ملکوں کے مستقل فرمانروا بن گئے اس کے بعد ایک اور زمانہ آیا جس میں خود مسلمانوں نے کاروبار حکومت اپنے ہاتھوں میں لیا دفتر کی زبان عربی قرار پائی اور سلطنت کے بڑے بڑے عہدے خواہ ملکی تھے یا مالی مسلمانوں (اہل عرب) ہی کو ملنے لگے یہ صورت عبدالملک بن مروان کے عہد میں قائم ہوئی اور اس کے بعد کے حکمرانوں نے بھی اس کو جاری رکھا مگر اس حالت میں بھی خراج کی تحصیل کا کام خاص ملکی باشندوں سے متعلق رہا۔ مصر میں قبطی اور عراق و فارس میں زمیندار لوگ اس خدمت پر مامور رہتے آئے عاملوں کا یہ دستور رہا کہ خراج اور جزیہ کی وصول شدہ رقوم کو لیکر ملک کے ضروری مصارف منہا کرنے کے بعد باقی رقم دمشق کے بیت المال میں روانہ کرتے تھے اور اس رقم کو "ارتفاع جبایۃ" کے نام سے تعبیر کرتے لیکن جس صورت میں ملک کی مالی آمدنی وہاں کے مصارف کے لئے کافی نہیں ہوتی تھی تو فاضل رقم کا مطالبہ بھی خلیفہ وقت سے کیا جاتا تھا (۱)

بنو عباس کی حکومت شروع ہونے کے بعد بھی اعمال کی یہی حالت قائم رہی ہم اس موقعہ پر بحیثیت خراج گذاری کے اس تعلق پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عباسی دور میں عاملوں کا استقلال امری عہد سے بھی بہت کچھ بڑھ گیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلفائے بنو عباس کو خراج کی تضمین کرنی پڑی

(۱) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۷۷

یعنی کسی ملک کا گورنر مقرر کرتے وقت اس سے اقرار لیا جانے لگا کہ وہ ہر سال ایک مقررہ رقم بغداد کے بیت المال میں ارسال کرتا رہیگا۔ گویا جزیہ و خراج اور تمام قسموں کے ٹیکس وہ بطور خود وصول کر کے اپنے منشا کے موافق اس آمدنی کو صرف کریگا اور خلیفہ وقت اس سے بجز طے شدہ رقم کے اور کسی چیز کا مطالبہ نہیں کریگا اور یہ صورت امارت استیلاء میں ہوا کرتی تھی چنانچہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے عامل ابراہیم بن اغلب کے ساتھ یہی شرط پیش کی تھی جس کو وہ افریقیہ کا گورنر مقرر کرتا تھا ولایت افریقیہ خود سلطنت کے ذمہ ایک بار تھی ہر سال ملک مصر سے اس کے مصارف کی امداد کے لئے ایک لاکھ دینار بھیجے جاتے گویا الٹا تاوان دینا پڑتا تھا ابن اغلب وہاں کا گورنر ہوا تو اس نے اس امدادی رقم کے لینے سے دست برداری کی اور مزید براں سالانہ چالیس ہزار دینار بیت المال میں بھیجتے رہنے کا بھی وعدہ کیا (۱)

اقلیم "برقہ" کے ساتھ بھی رشید نے یہی کارروائی کی کیونکہ اس خلیفہ نے تضمین خراج کو ایک مستقل قانون بنا دیا تھا اس لئے "برقہ" کی حکومت ایک اپنے آزاد کئے ہوئے غلام کو تفویض کی جس نے اس سرزمین کا خراج چوبیس ہزار دینار سالانہ ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا (۲) خلیفہ مامون نے اپنے عہد میں عبداللہ بن طاہر کو ۲۱۱ھ سنہ ۲۱۴ھ میں ایک مقررہ خراج کی رقم ادا کرنے کی شرط پر خراسان اور اس کے ماتحت مقامات کا عامل مقرر کیا اس خراج کی مقدار ہر سال آگے چل کر بیان کریگے اسی طرز پر فضل بن مروان نے فارس اور اہواز کی اقلیموں کا خراج دینا قبول کیا تھا اور عمران بن موسیٰ نے ملک سندھ کا (۳) پھر تو اس قسم کی تقرری مثل ضمانت" کی ہوگئی اور اس کثرت سے رائج ہوئی کہ آخر کار اون دلایتوں کے امر استقلال حکمران بن گئے اور برائے نام ہی دربار خلافت کے ماتحت رہے۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جس مال کو کسی ملک کا خراج کہا جاتا اس سے وہ رقم مراد ہے جو اس اقلیم کی آمدنی سے بیت المال میں داخل ہوا کرتی خواہ وہ رقم اس ملک کے ضروری اخراجات منہا ہونے کے بعد باقی کے طور پر آئی ہو (۴) یا "توظیف" کے قاعدہ سے وصول ہوئی جس کو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں اور اعمال کے مالی محاصل کی جو رقم بیت المال میں جمع ہوتی تھی اس کو ارتفاع سلطنت۔ یا خراج سلطنت کے محاصل کہا کرتے تھے گویا وہ خالص آمدنی جس میں سے خاص بغداد کے صدر دفتروں کے ملازموں اور عہدہ داران ملکی و مالی اور خلیفہ اور اس کے کنبہ والوں کے وظائف کے سوا جن کی تفصیل اپنے موقع پر بیان ہوگی اور کسی قسم کا خرچ نہیں کیا جاتا تھا علامہ ابن خلدون نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں مامون کے عہد کی ایسی آمدنی کی مقدار ان الفاظ میں بیان کی ہے وہ لکھتے ہیں۔ "ما یحمل الی بیت المال ببغداد فی ایام المامون من جمیع النواحی اعلمیہ عن جباب الدولۃ" (۵)

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۶۳۔ (۲) یعقوبی (کتاب البلدان) صفحہ ۱۲۳۔ (۳) ابن خرداذبہ صفحہ ۳۴۔ (۴) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۹۰۔ (۵) ابن خلدون جلد اول صفحہ ۱۵۰۔

یعنے وہ رقم جو مامون کے عہد میں اطراف ممالک سے بیت المال بغداد کے لئے آتی تھی میں نے اس حکومت کے مالی کاغذات کے گوشواروں سے نقل کیا ہے ہمارے اس بیان کو پڑھکر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ "ارتفاع دولت" کی بابت جو کچھ بیان ہوگا اس سے صرف ملکی محاصل کی بے داغ آمدنی مراد ہوگی۔

دولت عباسیہ کے ملکی محاصل

پہلے دور میں

اس تمہید کے بعد ہم ایام مامون کے اون ملکی محاصل کی تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں جو ہر ایک لائت کی سالانہ آمدنی کے اعتبار سے تمام اسلامی تاریخ میں اس بات کا پورا سراغ ملنا ایک نادر بات ہے کیونکہ مسلمان مورخین جنگ۔ فتح اور قتل کے حوادث کے علاوہ کسی اور معاملہ کو بہت کم لکھتے تھے اور ابن خلدون۔ قدامہ۔ اور ابن خرداذبہ کے قائمے جو ہم کو مل گئے یہ بھی ایک اتفاقی امر تھا۔ وہ قائمے حسب ذیل ہیں ؛

۱۔ قائمہ ابن خلدون۔ یہ سب سے قدیم قائمہ ہے جس کو ابن خلدون نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس بات کا ذکر کرتے ہوئے "کہ حکومت کے تمام آثار اس کی اصلی قوت کے مناسب حال ہوا کرتے ہیں" درج کیا ہے اور اس کا حکومت کے مالی کاغذات سے نقل کیا جانا ظاہر کیا ہے اس قائمہ میں اس خراج کی مقدار بیان کی گئی ہے جو مامون کے عہد میں بغداد کے بیت المال میں جمع ہونے کو اسطے اطراف مملکت سے آیا کرتا تھا۔ مگر اس زمانہ کی تحقیق کرنے سے پہلے ہم ناظرین کی توجہ اس غلطی کی جانب مائل کرنا چاہتے ہیں جو ایک مدت دراز تک رہ جانے کی وجہ سے اس فہرست میں داخل ہو گئی ہے ہم نے مقدمہ ابن خلدون کے کئی نسخے جو ممالک مصر اور شام کے چھپے ہوئے تھے غور کے ساتھ دیکھے تو ہمیں اس فہرست کے بعض ملکوں کے ناموں میں غلطی نظر آئی ہمارا گمان ہے کہ یہ غلطی کاتبوں کے نقل کرنے کی حالت میں واقع ہوئی ہے اور اس کا سبب لفظی مشابہت ہو سکتا ہے لہذا ضروری ہے کہ ہم اس غلطی پر آگاہی دے دیں ورنہ یہی خطائے لفظی معنوی غلطی کا باعث ہو جائیگی اور ان شہروں یا اقلیموں کا صحیح نام نہ معلوم ہو سکیگا۔ جہاں سے خراج کی رقم آئی ہوگی اور ان غلطیوں کی تصحیح حسب ذیل ہے :-

نمبر ۱، کنکر (۱) یہ ایک ایسا لفظ ہے جسکے اس مقام پر کوئی معنی نہیں ہو سکتے صحیح لفظ کسکر ہے جو ملک سواد کی ایک اقلیم ہے۔

نمبر ۲، طبرستان رویان اور نہاوند (۲) رویان (ب) کے ساتھ غلط ہے صحیح لفظ "رویان" (ج) کے ساتھ ہوگا جو ملک دیلم کی ایک اقلیم ہے اور ہم اپنے موقعہ پر اس کا ذکر بھی کر چکے ہیں اور نہاوند ماہ البصرہ کا صحیح مقام

(۱) مطبع بولاق کی چھپی ہوئی کتاب کا صفحہ ۱۵۰ سطر ۸ سے ۔ (۲) مطبع بولاق کی چھپی ہوئی کتاب کا صفحہ ۱۵۰ سطر ۱۲ سے

جو کوہ الجبال کے علاقہ کا ایک کورہ تھا اس کا ذکر بھی اپنی جگہ آچکا ہے مگر طبرستان اور رویان سے اوسکا فاصلہ دیکھتے ہوئے گمان غالب یہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی دوسرا شہر ہے جو طبرستان اور رویان کے آس پاس واقع تھا۔ ہمارے خیال میں صحیح لفظ "دماوند" ہے جو طبرستان کا ایک "کورہ" تھا۔

نمبر ۳، مابین الکوفہ والبصرہ (۱) ہم نے ان فہرستوں کے علاوہ کسی دوسری فہرست میں بھی اس نام کا کوئی ضلع نہیں دیکھا۔ ہیرن دان کریمر جرمن کے مشہور مؤرخ نے بھی اس بات کا لحاظ کیا تھا مگر اس نے اس کو سواد کے اون ضلعوں میں سے ایک ضلع خیال کیا جو نہر فرات کے اس جانب کوفہ اور بصرہ کے مابین ہیں اور دوسری فہرستوں میں کسی اور نام سے داخل ہوا ہے (۲) لیکن ہمارے خیال میں یہ کاتبوں کی غلطی ہے جس کو اُنہوں نے "مابین" پڑھا وہ لفظ دراصل "ماھا" یا "ماہین" لفظ "ماہ" کا تثنیہ رہا ہوگا۔ اس صورت میں۔ دونوں ماہ کوفہ اور بصرہ کے مراد ہونگے جو کوہ الجبال کے دو کورہیں پہلے کا صدر مقام نہاوند اور دوسرے کا صدر مقام دینور رہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ہمارے اس خیال کی تائید اس بات سے اور بھی ہوتی ہے کہ مذکورہ بالا دونوں کورہ (ضلعے) ابن خارون کی فہرست میں نہیں ہیں بلکہ ترتیب

نمبر ۴، ماسبذان اور دینار (۳) ماسبذان کوہ الجبال کا ایک کورہ ہے جس کا بیان اوپر آچکا ہے لیکن دینار کا کہیں پتہ نہیں چلتا اور اس نام کا بلاد اسلام میں کوئی شہر ہی نہیں البتہ یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ یہ دینور کی بگڑی ہوئی صورت ہے جو "ماہ الکوفہ" کا صدر مقام تھا مگر اس کو اس حالت میں تسلیم کیا جا سکتا تھا جبکہ اسی فہرست کے اندر ہمکو ایک ہی مقام پر "ماہین" کا نام نہ مل جاتا۔ پس غالب گمان اس بات کا ہوتا ہے کہ یہ لفظ ریان کے نام سے بدل گیا ہے جو ملک عراق میں "کسکر" کے نزدیک ایک ضلع ہے۔

اس فہرست کے اندر بعض اقلیموں کی مقدار خراج کے تعین میں بھی کتابت کی غلطی ہو گئی ہے اور ہمارے اس قول کی صحت صاف طور سے عیاں ہے۔ مثلاً ابن خلدون کورہ دجلہ کے خراج کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ "بیس لاکھ اور آٹھ درہم تھا" اور فہرست کے سیاق کا یہ قاعدہ تھا کہ درہموں کی اکائیاں حساب میں درج نہیں کی جاتی تھیں (۴) اسلئے گمان غالب یہ ہے کہ صحیح عبارت "آٹھ لاکھ درہم" ہوگی اسی طرح جہاذ کے بارہ میں لکھا ہے "اثنا عشرۃ وعشرون الف درہم" اور صحیح "خمسۃ و

---

(۱) کورہ۔ علاقہ یا ڈویژن۔ یا ضلع کے ہم معنی ہو سکتا ہے مترجم عفی عنہ + (۲) متن ص ۱۵ سطر ۲۶ نسخہ مطبوعہ بولاق مصر +

(۲) Cruth. Gyo. Ch. Das Orientat. 356 -

(۳) نسخہ مطبوعہ بولاق صفحہ ۱۵۰ سطر ۲۷ - (۴) بلاذری جلد ۳ صفحہ ۱۷۶ -

عشرون الف الف درہم" (پچیس لاکھ درہم) ہے کیونکہ دوسری دونوں فہرستوں میں اس کی تعداد اسی کے قریب لکھی گئی ہے۔ یا مطبع بولاق کے چھپے ہوئے نسخہ میں تو مس کے خراج کی نسبت لکھا ہے "الف الف مرتین وخمسمئۃ الف من نقر النصفۃ" اور ہمارا گمان ہے کہ صحیح عبارت یوں ہوگی "ومن نقر النصفۃ الف" اس طرح پر تومس کا خراج "پندرہ لاکھ درہم اور ہزار ٹکڑے چاندی کے" ہوگا۔

موصل سے آنے والے شہد کی بابت لکھا ہے کہ وہ ۲۰۰۰۰۰۰ رطل ہوتا تھا مگر اسکو عقل قبول نہیں کرتی اس لئے تقریباً صرف بیس ہزار رطل کہنا ٹھیک ہوگا اور مصر کے خراج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے کیونکہ وہاں اس کی مقدار "ایک لاکھ کئی ہزار دینار" درج ہے اور ہماری رائے میں اس کی اصلی تعداد دو لاکھ کئی ہزار دینار ہونی چاہیئے جو اس زمانہ میں ملک مصر کی مالی آمدنی پر قیاس کرکے ٹھیک کہا جا سکتا ہے یہ سب غلطیاں کاتبوں سے ہوئی ہیں اور اسکی وجہ لفظوں کی صورت کا تحریر میں ایکساں ہونا قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس فہرست کی ترتیب کا زمانہ ابن خلدون نے تو صاف طور پر عہد مامون کو متعین کیا ہے مگر اوسنے کسی سنہ کی تعیین نہیں کی۔ مامون کی حکومت ۱۹۶ھ سے ۲۱۸ھ تک بائیس سال رہی اور بغداد کے بیت المال کا حساب امین اور مامون کی خانہ جنگی میں جل چکا تھا دوبارہ پھر اس کی تدوین ۲۰۴ھ میں ہوئی[1] اس لئے ضروری ہوا کہ یہ فہرست ۲۰۴ھ اور ۲۱۸ھ کے مابین کسی سنہ میں لکھی گئی ہو مگر اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ اس کے اندر ابن طاہر پر مشروط کئے ہوئے خراج سے ملک خراسان کا خراج مختلف ہے یہ خیال زیادہ راجح ہوتا ہے کہ اس فہرست کی تحریر ۲۰۴ھ اور ۲۱۰ھ کے اثنا میں واقع ہوئی۔

ہم نے ابن خلدون کی فہرست پر بیرن وان کریمر کی ایک دُرخانہ نکتہ چینی دیکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ مامون کے عہد سے کئی سال قبل لکھی گئی ہے یعنے مہدی یا ہادی کے ایام ۱۵۸ھ اور ۱۷۰ھ میں مؤلف موصوف اپنے دعوے کی دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ "اس فہرست میں سندھ اور افریقیہ کے خراج کا بھی ذکر ہے جو مامون کے عہد میں بغداد کی سلطنت سے جُدا ہو کر مستقل حکومتیں بنگئی تھیں اور قدامہ اور ابن خرداذبہ نے ان دونوں ولایتوں کا ذکر بھی نہیں کیا ہے" اگر یہ بیرن وان کریمر کی رائے اسلامی تاریخ کے بارہ میں عمارت کی نگاہوں سے دیکھے جانے کے قابل نہیں ہے کیونکہ وہ نسبت اکثر جرمن مورخوں کے اس باب میں زیادہ تحقیقات اور کرید کرنے والا شخص ہے مگر اس فہرست پر حکم لگانے میں ہمارا خیال اس کے برعکس پڑ جانے کا یقین دلاتا ہے جس کے اسباب حسب ذیل ہیں:-

---

(۱) فتوح البلدان بن جعفر صفحہ ۴۳۶۔

اوّل۔ اقلیموں کا قلمرو بغداد سے جدا ہو کر مستقل حکومتیں بنانا کچھ اس بات کا مستلزم نہیں ہے کہ وہ خلافت عباسیہ سے خود سر ہو گئی ہوں اور اس کے نذرانہ کی رقم ارسال کرنی رد کر دی ہو ہم مانتے ہیں کہ اغالبہ نے افریقیہ میں ۱۸۴ھ سے ۲۹۶ھ تک درانتے کے انداز سے مستقل حکومت قائم رکھی مگر ان کی اس خود سری کے یہ معنے لگانے کہ وہ نیابۃ کا مقررہ نذرانہ بھی نہیں دیتے تھے سخت غلطی ہے کیونکہ مصر اور خراسان وغیرہ کے حکمرانوں کا زیادہ حصہ اس نذرانہ کو ادا کرتا رہتا تھا اور خلیفہ بغداد کا خطبہ پڑھتا تھا وہ لوگ اس بات کو ہمیشہ مانتے رہے کہ وہ دینی اعتبار سے خلیفۂ وقت کے خادم ہیں خراسان کی طاہریہ حکومت اور مصر کی طولونیہ سلطنت برابر اس خیال کی پابند رہی (۱) اور وہ قسم اپنے ممالک کی جانب سے مختلف ناموں کے ساتھ پیش ہوا کرتی تھی کسی کی طرف سے ہدیہ کے نام سے اور کسی کی جانب سے خراج یا ضمان وغیرہ کے ناموں سے بارگاہ خلافت میں آتی رہتی مزید بریں اس بات کو بھی تصور کر لینا لازم ہے کہ افریقیہ سے ۱۸۰ھ تک خراج کی کوئی رقم نہیں آیا کرتی تھی مگر جبکہ ۱۸۱ھ میں ابراہیم بن اغلب وہاں کا حاکم مقرر کیا گیا جسنے پانچ لاکھ دینار بیت المال میں ارسال کرنے کی ذمہ داری کی تھی تو اس وقت سے وہاں کا خراج بھی وصول ہو کر داخل بیت المال ہوا کیا اور یہ بات کچھ بعید از قیاس نہیں ہے کہ اغالبہ اس قسم کو مامون کے عہد تک بھی برابر ادا کرتے رہے ہوں اس لئے کہ عباسی خلفائے اغالبہ کے تمامی ایام حکومت میں افریقیہ کو اپنی قلمرو کے اندر شمار کرتے رہے اور وہاں کے والی بغداد سے مقرر ہو کر جاتے تھے جس کا مطلب تھا کہ اغالبہ ان والیوں کے ماتحت رہتے تھے (۲)

سندھ کے بارہ میں بھی اسی حالت کے قریب قریب بیان کیا جاتا ہے بلکہ اس کے بارہ میں ہم کو ابن خلدون کی روایت کے صحیح ماننے کا ایک عمدہ شاہد یہ ہاتھ آتا ہے کہ خود مامون نے ۲۱۶ھ میں ملک سندھ پر عمران بن موسیٰ البرمکی نامی ایک گورنر بھی مقرر کیا تھا (۳) اور اس کے ذمہ اس بات کا بار ڈالا تھا کہ اس ملک کے تمام مصارف پورے کر لینے کے بعد دو ملین درہم وہاں کے خراج سے بیت المال کو بھی روانہ کرتا رہے (۴) اس سے صاف ظاہر ہے کہ مامون کی حکومت کا اثر ملک سندھ پر مسلم تھا اگرچہ مال کا ذکر ہوا ہے وہ ابن خلدون کی بتائی ہوئی تعداد سے بہت کم ہے لیکن اس کی بابت نیاں کیا جا سکتا ہے کہ زمانہ کے اختلاف کے ساتھ ملک سندھ کی حد دکا کم و بیش ہونا ممکن ہے۔ رہی یہ بات کہ ان دونوں ملکوں کا نام تدامہ اور ابن خرداذبہ کے گوشواروں میں نہیں ہے اس کی کوئی اور وجہ ہو گی خواہ ابن خلدون کی غلطی کے بعد ان دونوں ملکوں کا خراج نابود ہو گیا ہو یا کوئی اور سبب اس قسم کا پیش آ گیا ہو جسنے کہ ایک ملک کا دوسرے ملک کے تحت میں آ جانا غیر ہو جس کا حال دونوں بلدانی فہرستوں کا باہم مقابلہ کرنے سے کھلے گا بہرحال ان اسباب کا

فرض کر لینا اس سے ہر طرح بہتر ہوگا کہ ابن خلدون کے ایسے ثقہ اور محقق شخص کو غلطی کا اتہام دیا جائے خصوصاً جبکہ وہ اسبات کو صاف طور سے لکھ چکا ہو کہ یہ جبائتہ مامون کے عہد میں بیت المال کی اندر داخل ہوا کرتی تھی

دوسری بات یہ ہے کہ ابن خلدون کو ایام مامون کے چند سرکاری حسابات آمد و خرچ کے مل گئے تھے جن پر وہ ان معاملات کی بابت کوئی رائے لکھنے میں اپنی تحقیق کا مدار رکھتا تھا (۱)

تیسرے یہ کہ امین کے زمانہ میں دفتر کے کاغذات بالکل جل گئے تھے اور ہم پہلے اسبات کو بیان کر آئے ہیں کہ دوبارہ حساب کی ترتیب ۲۰۴ھ میں ہوئی اس سے قبل کے تمام کاغذات ضائع ہو چکے تھے ۔

ان امور کی بنیاد پر ہمارے نزدیک یہی بات راجح ہے کہ ابن خلدون کا بیان صحیح ہے اور بیرن وان کریمر اس پر جو اعتراض کرتا ہے یہ ایک اس کا وہم ہے واللہ اعلم ۔

۲۔ فہرست قدامۃ ۔ جس کو بغداد کے کاتب قدامۃ بن جعفر نے اپنی تصنیف "کتاب الخراج" کے اندر درج کیا ہے ہم کو اس کتاب کا صرف وہ ناتمام حصہ مل سکا جو ہالینڈ کے مشہور مشرقی عالم ڈی گوئی کی کوشش سے "لیڈن" میں چھپا ہے ۔ قدامۃ بن جعفر نے ۳۳۷ھ میں وفات پائی تھی اس کا باپ عیسائی تھا مگر قدامۃ نے خلیفہ "مکتفی" کے عہد (مابین ۲۸۹ھ و ۲۹۵ھ) میں شرف اسلام ہو کر عباسی حکومت کا ایک بڑا منصب حاصل کیا اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں منجملہ ان کے ایک یہ کتاب "کتاب الخراج" بھی ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدامہ نے اس فہرست کو تقریباً ۳۱۶ھ میں چند سرکاری کاغذات سے اخذ کیا ہے جو اس کو مل سکے تھے کتاب کو غور کے ساتھ دیکھنے سے ہمارے اس قول پر یہ استدلال قائم ہوگا کہ اسکے اندر جس ملکی آمدنی کا ذکر ہوا ہے اس سے تقریباً ۲۲۵ھ کی آمدنی مراد ہے ۔

۳۔ قائمہ ابن خرداذبہ ۔ مصنف کا اصلی نام عبداللہ بن خرداذبہ ہے اس نے اپنے حالات میں بیان کیا ہے کہ وہ الجبال کے ملک میں صیغہ برید (ڈاک) کا نگران (سپرنٹنڈنٹ) تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اسی منصب پر مقرر ہونے کی حالت میں کتاب "المسالک والممالک" تصنیف کی جس کے اندر یہ فہرست بھی ہے اس کتاب کا شائع کرنیوالا ڈی گوئی خیال کرتا ہے کہ ابن خرداذبہ نے اصل کتاب ۲۳۲ھ میں لکھی تھی اور اس کے بعد ۲۷۰ھ کے قریب اس میں کچھ اضافہ بھی کیا انہیں تینوں گوشواروں میں عباسی حکومت کے عروج کمال کی مقدار "جبائتہ" درج ہے اور ہم ان کو قدامت کی ترتیب سے یہاں درج کرینگے یعنے قائمہ ابن خلدون سب سے مقدم اس کے بعد قدامہ اور اسکے بعد ابن خرداذبہ کے قائمے درج ہونگے ۔

(۱) ابن خلدون جلد ۱ ۔ صفحہ ۳۲۹ ۔

اولاً۔ حکومت عباسیہ کی جباتیہ

(ماموں کے عہد میں جو ابن خلدون کے بیان سے لی گئی ہے)

اقلیموں کے نام	دراہم	غلے اور دوسرے سامان
سواد	۲۷۸۰۰۰۰۰	نجران کے ۲۰۰ حلے اور ۲۴۰ رطل گل مختوم (ایک قسم کی مٹی)
کسکر	۱۱۶۰۰۰۰۰	
کورد جلہ	۲۰۸۰۰۰۰۰	
حلوان	۴۸۰۰۰۰	
اھواز	۲۵۰۰۰۰۰۰	۳۰۰۰۰ رطل شکر
فارس	۲۷۰۰۰۰۰۰	۳۰۰۰۰ قرابے عرق گلاب کے اور بیس ہزار رطل روغن بلسان کے
میزان نقدیات	۱۱۷۰۰۰۰۰۰ - درہم	
کرمان	۴۲۰۰۰۰۰	اور پانچسو کپڑے ملک یمن کے بنے ہوئے اور بیس ہزار رطل کھجور
مکران	۴۰۰۰۰۰	
سندھ اور اسکے ملحقات	۱۱۵۰۰۰۰۰	اور عود ہندی ایک سو پچاس رطل
سجستان	۴۰۰۰۰۰۰	مینہ کپڑوں کے ۳۰۰ تھان اور بیس رطل "فانیذ"
خراسان	۲۸۰۰۰۰۰۰	اور دو ہزار چاندی کے ٹکڑے چار ہزار تاتاری گھوڑے پانچ ہزار غلام باندیاں اور بیس ہزار کپڑوں کے تھان اور تیس ہزار رطل ہلیلہ
جرجان	۱۲۰۰۰۰۰۰	اور ایک ہزار طاقہ ابریشم کے۔
قومس	۱۵۰۰۰۰۰	اور ایک ہزار چاندی کے ٹکڑے۔
طبرستان ریان اور دماوند	۶۰۳۰۰۰۰۰	پچھ سو قطعہ طبری فرش۔ دو سو لباس پانچو تھان۔ تین سو مندیلیں اور تین سو جام۔
رے	۱۲۰۰۰۰۰۰	اور بیس ہزار رطل شہد کے
ہمدان	۱۱۳۰۰۰۰۰	ایک ہزار رطل رب الرمانین اور بارہ ہزار رطل شہد
ماہ البصرہ والکوفہ	۱۰۷۰۰۰۰۰	

ماسبذان و ریان	۴۰۰۰۰۰۰	
میزان	۲۷۶۹۰۰۰۰۰ درہم	
(میزان ماسبق)	۲۷۶۹۰۰۰۰۰ درہم	
شہر زور	۶۷۰۰۰۰۰	
موصل اور اسکے متعلقات	۲۴۰۰۰۰۰۰	اور بیس ہزار رطل شہد
آذربیجان	۴۰۰۰۰۰۰	
الجزیرہ اور اس کے متعلقہ فرات کے اعمال	۳۴۰۰۰۰۰۰	اور ایک ہزار راس غلام اور بارہ ہزار کپے شہد اور دس بکریاں اور سیں چادریں ✦
ارمنیہ	۱۳۰۰۰۰۰۰	بیس ٹکڑے عود غرقی کے منقش منبت کار، ۵۳۰ رطل خبازی دس ہزار رطل سوماہی کے مسائح۔ دس ہزار رطل صونج۔ دو سو خچر اور تیس ناکند بھیریاں۔
برقہ	۱۰۰۰۰۰۰	
افریقیہ	۱۳۰۰۰۰۰۰	اور ایک سو بیس فرش وہاں کے بنے ہوئے۔
میزان	۳۱۸۶۰۰۰۰ درہم (دینار)	
قنسرین	۴۰۰۰۰۰ دینار	اور ایک ہزار پیپے تیل کے
دمشق	۴۲۰۰۰۰ ″	
میزان	۸۲۰۰۰۰ دینار	
(میزان سابق)	۸۲۰۰۰۰ ″	
اردن	۹۷۰۰۰	
فلسطین	۳۱۰۰۰۰	اور تین لاکھ رطل زیت
مصر	۲۹۲۰۰۰۰	
یمن	۳۷۰۰۰۰	(علاوہ متاع کے جسکا ذکر نہیں کیا گیا ہے)
حجاز	۳۰۰۰۰۰	
میزان	۴۸۱۷۰۰۰ دینار	جو برابر ہیں ۲۲۵۵۰۰۰ درہم کے جبکہ اس زمانہ کے اندازکے مطابق پندرہ درہموں کا ایک دینار مانا جائے ✦

میزان دیناروں کی درہموں کی صورت میں	۷۲۲۵۵۰۰۰
اضافۂ میزان درہم اور پرزر کی ہوئی اقلیموں کی جبائتہ کے	۳۱۸۶۰۰۰۰۰
میزان کل	۳۹۰۸۵۵۰۰۰ درہم

اس قائمہ کو دیکھ کر معلوم ہوگا کہ مشرقی اقلیموں کا خراج درہموں کی صورت میں اندازہ کیا جاتا تھا اور مغربی اقلیموں کا دیناروں کے ساتھ شمار ہوتا تھا (مگر برقہ اور افریقہ اوان میں سے مستثنےٰ ہیں کیونکہ ان دونوں اقلیموں کا خراج بھی درہموں کے ساتھ شمار ہوتا ہے) اور یہی حالت دونوں دوسرے قائموں کے بھی رہی ہوگی بظاہر اس کا سبب معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی اقلیموں میں چاندی کی کانیں مغربی ملکوں سے زائد نکلتی تھیں اور سونے کی کانیں مغربی اقلیموں میں زائد تھیں اور مشرقی ممالک میں کم۔

اسطرح پر مشرقی اقلیموں کی جبائتہ کی میزان معہ برقہ اور افریقیہ کے فاضل کے اکتیس کروڑ چھیاسی لاکھ درہم ہوتی ہے جسپر مغربی اقالیم کے خراج کی میزان "اڑتالیس لاکھ ستر ہزار دینار" کہ جسکے موجودہ زمانہ کے نرخ بٹاون کے لحاظ سے ہوئی دینار پندرہ درہم ہے درہموں کی صورت میں تحویل کرنیکے بعد مبلغ سات کروڑ بائیس لاکھ پچیس ہزار درہم اضافہ کردیا اب کل میزان "انتیس کروڑ آٹھہ لاکھ پچیس ہزار درہم ہوگئی۔

ہمنے قائمہ ابن خلدون کی اس نقل میں جو "وان کریر" نے تحریر کی ہے "دو ملک" "کرج" اور "جیلان" اپنے پاس والے نسخوں سے زائد لکھے دیکھے ہیں ہمارا گمان ہے کہ "وان کریر" نے یہ دونوں نام "وان ہمر" کے نسخے لئے ہیں جنمیں سے پہلے ملک کا خراج تین لاکھ درہم اور دوسرے کا خراج پچاس لاکھ درہم ہے مگر چونکہ یہ موقع اس کی تحقیق کا نہیں ہے کہ آیا وہ روایت صحیح ہے یا غلط لہذا ہم اسکے قطع نظر کرنا مناسب تصور کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا بیانوں کے اعتبار پر خلیفہ مامون کے عہد میں دولت عباسیہ کی توفیر اموال اور غلات کے علاوہ صرف نقد چار سو بیس درہم کم نہ تھی مال اور غلہ وغیرہ کی اصلی قیمت تو ہم کو معلوم نہیں ہوسکتی لیکن یہ ضرور ہے کہ غور سے دیکھا جائے تو اونکی ایک کثیر مقدار پائی جائے گی اور اس کو شمار و اعداد کے احاطہ میں لانے کے متعلق دستور یہ دیکھا گیا ہے کہ غلات کی قیمت کا تخمینہ کرکے اس کو نقد رقم میں شامل کردیتے ہے جیسا کہ "جواب الدولۃ" کے مؤلف نے "سواد" کے غلات کی تخمینی قیمت لگانے میں کیا ہے جسمیں زیادہ تعداد گیہوں کی آتی تھی اور قدامۃ اور ابن خرداذبہ کو قائموں میں طعام سیج سواد کے خراج کی تفصیل دیکھنے سے اسکی تصدیق بھی ہوسکتی ہے

پہلے اس بات کو بیان کر آئے ہیں کہ خراج کی جو رقمیں ان ملکوں سے بغداد کے بیت المال میں آتی تھیں وہ ملک کے تمام مصارف تنخواہ فوج۔ اخراجات عمل تحصیل وصول اور اصلاح امور رفاہ خلائق اور اس کے سوا دوسرے ضروری خرچوں کو وضع لینے کے بعد باقی کی مقتضی رقمیں ہوتی تھیں اس صورت میں اس آمدنی کا مصرف محض دارالسلطنت کے مصارف رہجاتے تھے مثلاً دارالخلافہ کے صدر دفتروں کے مصارف اور وہاں کے عہدہ دار اور اہل مناصب کے وظائف اور خلیفہ اور اس کے خاندان والوں کے بیب خرچ کی رقمیں وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے ہماری کتاب کے پڑھنے والے ابن خلدون کی روائت کو باور کرنے میں تامل کرینگے کیونکہ موجودہ زمانہ کی حکومتوں کے بجٹ اور آمد و خرچ کے گوشوارے جن کے دیکھنے کے ہم عادی ہیں اسکو بعید از قیاس بتائینگے ہم دیکھتے ہیں کہ آجکل بڑی بڑی سلطنتوں کے خزانوں میں بھی اس مال کا صرف ہزارواں حصہ بھی نہیں رہجاتا ہے اور اسیواسطے ہم دو اور روائتیں بیان کئے دیتے ہیں۔ تاکہ ان میں اور ابن خلدون کی روائت میں باہمی مقابلہ کیا جاسکے +

(ثانیاً) عباسی حکومت کی خراج

خلیفہ معتصم کے عہد میں۔ بروائت قدامہ بن جعفر

ملک سواد کی خراج میں زیادہ مقدار "گیہوں" اور "جو" کی وصول ہوتی تھی۔ قدامہ نے ان دونوں جنسوں کی مقدار نہایت تفصیل کیساتھ باعتبار "مساحت سواد" (یعنے اس کے شرقی اور مغربی اطراف) کے بیان کی ہے)

مساحۃ السواد فی الجانب الغربی ؛

نام پرگنہ	مقدار گندم کے اعتبار سے	مقدار جو کے اعتبار سے	درہم	کیفیت از مترجم
انبار اور نہر عیسیٰ	۱۱۸۰۰	۶۴۰۰	۴۰۰۰۰۰	گز۔ اہل عراق کا ایک پیمانہ ہے ایک گد ہے کا بوجھ تقریباً دو من ہو سکے گا۔ مترجم
پرگنہ۔ مسکن	۳۰۰۰	۱۰۰۰	۱۵۰۰۰۰	
" قطربل	۲۰۰۰	۱۰۰۰	۳۰۰۰۰۰	
" بادوریا	۳۵۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰۰	
بہرسلیبر	۱۷۰۰	۱۷۰۰	۱۵۰۰۰۰	

عہ طسوج۔ ناحیہ یعنے ضلع یا پرگنہ۔ مترجم عفی عنہ +

رومقان	۳۳۰۰	۳۳۰۰	۲۵۰۰۰۰
کوثی	۳۰۰۰	۲۰۰۰	۳۵۰۰۰۰
نہر ورقیط	۲۰۰۰	۲۰۰۰	۲۰۰۰۰۰
نہر جوبر	۱۵۰۰	۶۰۰۰	۱۵۰۰۰۰
بارومسا اور نہر الملک	۳۵۰۰	۴۰۰۰	۱۲۲۰۰۰
زوابی ثلاثہ	۱۴۰۰	۷۲۰۰	۲۵۰۰۰۰
بابل اور خطریہ	۳۰۰۰	۵۰۰۰	۳۵۰۰۰۰
فلوجۂ بالائی	۵۰۰	۵۰۰	۷۰۰۰۰
فلوجۂ زیرین	۲۰۰	۳۰۰۰	۲۸۰۰۰۰
پرگنہ نہرین	۳۰۰	۴۰۰	۴۵۰۰۰
〃 عین التمر	۳۰۰	۴۰۰	۴۵۰۰۰
(میزان)	۴۲۸۰۰	۴۴۹۰۰	۴۱۱۲۰۰۰
(میزان سابق)	۴۲۸۰۰	۴۴۹۰۰	۴۱۱۲۰۰۰
پرگنہ الحیرۃ اور البداۃ	۱۵۰۰	۱۶۰۰	۱۵۰۰۰۰
سوما اور برنیما	۱۵۰۰	۴۵۰۰	۲۵۰۰۰۰
البرس بالائی اور زیرین	۵۰۰	۵۵۰۰	۱۵۰۰۰۰
فرات باوقلی	۲۰۰۰	۲۵۰۰	۶۲۰۰۰
پرگنہ سیلحین	۱۰۰۰	۱۵۰۰	۱۴۰۰۰۰
رودستان اور سوزگرد	۵۰۰	۵۰۰	۲۰۰۰۰
تستر	۱۲۰۰	۲۰۰۰	۳۰۰۰۰۰
ایغار یقطین	۱۲۰۰	۲۰۰۰	۲۰۴۸۰۰
کسکر	۳۰۰۰۰	۲۰۰۰۰	۲۷۰۰۰۰
ملک سواد کے مشرقی پرگنے			
پرگنہ بزرگ سابور	۲۵۰۰	۲۲۰۰	۳۰۰۰۰۰
〃 راذانین	۴۸۰۰	۴۸۰۰	۱۲۰۰۰۰

پرگنہ نہر یوق	۲۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰
کلواذی اور نہر بین	۱۶۰۰	۱۵۰۰	۳۳۰۰۰۰
جاذر اور شہر کہنہ	۱۰۰۰	۱۵۰۰	۲۴۰۰۰۰
روستقباد	۱۰۰۰	۱۴۰۰	۲۴۶۰۰۰
سلسل اور مہروذ	۲۰۰۰	۱۵۰۰	۱۵۰۰۰۰
جلولا اور جلتا	۱۰۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰
نعیبین	۱۹۰۰	۱۳۰۰	۴۰۰۰۰
دسکرہ	۱۸۰۰	۱۴۰۰	۶۰۰۰۰
بند نیجین	۶۰۰	۵۰۰	۳۵۰۰۰
میزان	۱۰۱۶۰۰	۱۰۳۱۰۰	۷۳۷۹۸۰۰
(میزان سابق)	۱۰۱۶۰۰	۱۰۳۱۰۰	۷۳۷۹۸۰۰
پرگنہ براز الروذ	۳۰۰۰	۵۱۰۰	۱۲۰۰۰۰
نہروان بالائی	۱۷۰۰	۱۸۰۰	۳۵۰۰۰۰
نہروان وسطی	۱۰۰۰	۵۰۰	۱۰۰۰۰۰
بادرایا۔ اور۔ باکسایا	۴۷۰۰	۵۰۰۰	۳۳۰۰۰۰
کورد جلہ	۹۰۰	۴۰۰۰	۴۳۰۰۰۰
نہر الصلہ	۱۰۰۰	۳۱۲۱	۵۹۰۰۰
نہروان زیرین	۱۷۰۰	۱۳۰۰	۵۳۰۰۰
(میزان خراج سواد)	۱۱۵۶۰۰	۱۲۳۹۲۱	۸۸۲۱۸۰۰

گویا کہ مجموعی مقدار ملک سواد کے مالی محاصل کی جو اس کے تمام پرگنوں سے ہوتی تھی ۱۱۵۶ کر کس گیہوں ۱۲۳۹۲۱ کر جو اور ۸۸۲۱۸۰۰ درہم تھی۔ مگر اس تفصیلی آمدنی کا ذکر کرچکنے کے بعد رقوم جبائتہ کی مجموعی تعداد بیان کرتے ہوئے قدامتہ بن جعفر نے یہ لکھا ہے کہ "ملک سواد کا ارتفاع ۱۷۷۲۰۰ کر گیہوں ۹۹۷۲۱ کر جو اور ۸۰۹۵۸۰۰ درہم نقد بصرہ کے صدقات کی آمدنی کے علاوہ تھا (۱)" اس لئے ہماری دی ہوئی میزان اور مصنف کی میزان میں بہت فرق ہوتا ہے جسکا سبب شاید یہ ہو کہ ہم نے بعض اعداد کو

(۱) کتاب الخراج مطبوعہ لیڈن صفحہ ۲۳۹ ۔

پڑھنے میں غلطی ہوگئی ہو۔ تاہم یہ فرق باوجود اپنی زیادتی کے ہماری غرض کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا اب صرف اتنی بات باقی رہی کہ ہم گیہوں اور جو کی قیمتیں درہموں کے اعتبار سے لگالیں جیسا کہ خود جعفر نے بھی کیا ہے اس نے گیہوں اور جو کے ملے ہوئے ڈھیر کی قیمت ساٹھ دینار لگائی ہے اور دینار کا تبادلہ فی پندرہ درہم سے کیا جاتا ہے لہذا مجموعی قیمت دونوں جنسوں کی ۱۰۰۳۶۱۸۵۰ درہم تک پہونچتی ہے اور قدامہ بن جعفر کہتا ہے کہ بصرہ کے صدقات کا سالانہ ارتفاع ۶۰۰۰۰۰۰ درہم تھا پس ان سب رقموں کو جمع کرنے سے مجموعی مقدار ۱۱۴۴۵۷۶۵۰ درہم ہوجاتی ہے جسکی صورت حسب ذیل ہے :-

(۱) نقد درہموں کی میزان ۸۰۹۵۸۰۰ -

(۲) اجناس گیہوں اور جو کی قیمت درہموں سے ۱۰۰۳۶۱۸۵۰ -

(۳) بصرہ کے صدقات ۔ ۶۰۰۰۰۰۰ -

(میزان کل) ۱۱۴۴۵۷۶۵۰ - درہم

یہ تو صرف ایک ملک یعنے سواد کا ارتفاع تھا اب ہم تمام مشرقی اور مغربی اقلیموں کی مالی آمدنی کی مقداریں لکھتے ہیں اور سواد کو بھی ان میں شامل کئے لیتے ہیں جو حسب ذیل ہے :-

اقالیم المشرق	درہم
سواد	۱۱۴۴۵۷۶۵۰
اہواز	۲۳۰۰۰۰۰۰
فارس	۲۴۰۰۰۰۰۰
کرمان	۶۰۰۰۰۰۰
مکران	۱۰۰۰۰۰۰
اصفہان	۱۰۵۰۰۰۰۰
سجستان	۱۰۰۰۰۰۰۰
خراسان	۳۷۰۰۰۰۰۰
حلوان	۹۰۰۰۰۰
ماہ الکوفہ	۵۰۰۰۰۰۰
ماہ البصرہ	۴۸۰۰۰۰۰
ہمدان	۱۷۰۰۰۰۰

ماسبذان	۱۲۰۰۰۰۰
ہرجان قذق	۱۱۰۰۰۰۰
الایغارین	۳۱۰۰۰۰۰
قم اور کاشان	۳۰۰۰۰۰۰
آذربائجان	۴۵۰۰۰۰۰
رے اور دماوند	۲۰۰۸۰۰۰۰
قزوین۔ زنجان۔ اور۔ ابھر۔	۱۸۲۸۰۰۰
قومس	۱۱۵۰۰۰۰
جرجان	۴۰۰۰۰۰۰
طبرستان	۴۲۸۰۷۰۰
میزان	۲۷۳۵۹۶۳۵۰۔ درہم
(میزان سابق)	۲۷۳۵۹۶۳۵۰ ۔ درہم
تکریت اور طیرہان	۹۰۰۰۰۰
شہرزور۔ اور۔ صامغان۔	۲۷۵۰۰۰۰
موصل اور اس کے متعلقات	۶۳۰۰۰۰۰
قردی اور بذیدی	۳۲۰۰۰۰۰
دیار ربیعہ	۹۶۳۵۰۰۰
ارزن اور سیافارقین	۴۲۰۰۰۰۰۰
طرون	۱۰۰۰۰۰
آمد	۲۰۰۰۰۰۰
دیار مضر	۶۰۰۰۰۰۰
اعمال طریق فرات	۲۹۰۰۰۰۰
(میزان)	۳۱۱۵۸۱۳۵۰ درہم
مغرب کی اقلیمیں	**دینار**
قنسرین اور عواصم	۳۶۰۰۰۰ ۔ دینار

جند (چھاؤنی) حمص	۲۱۸۰۰۰
〃 دمشق	۱۱۰۰۰۰
〃 اردن	۱۰۹۰۰۰
〃 فلسطین	۱۹۵۰۰۰
مصر اور اسکندریہ	۲۵۰۰۰۰۰
حرمین (مکہ) اور (مدینہ)	۱۰۰۰۰۰
یمن	۶۰۰۰۰۰
یمامہ اور بحرین	۵۱۰۰۰۰
عمان	۳۰۰۰۰۰
(میزان)	۵۱۰۲۰۰۰ دینار

جسکی تحویل (باعتبار پندرہ فی دینار) درہموں میں کرنیسے ۷۶۷۱۰۰۰۰ درہم ہوتے ہیں اور مشرقی اقلیموں اور الجزیرہ کی اوپر بیان کی ہوئی جبائتہ کی میزان پر اس کو بڑھانے سے میزان کل اڑتیس کروڑ بیاسی لاکھ اکیانوے ہزار تین سو پچاس درہم ہو جاتی ہے جو حسب بیان قدامۃ بن جعفر خراج کا واقعی ارتفاع تھا(۱)۔

(ثالثاً) عباسی حکومت کی جبائت

تیسری صدی ہجری کے وسط میں بروایت ابن خرداذبہ

ابن خرداذبہ نے بھی ملک سواد کے مالی حاصل اسی تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں جیسے کہ قدامۃ بن جعفر نے لکھے ہیں بلکہ ابن خرداذبہ نے شعون اور بیادر کی تعداد اور سپر اور اضافہ کی ہے جسکا بیان کرنا ہمارے نزدیک طوالت میں داخل ہوگا۔ اسی لئے ہم صرف نقرئی سکوں اور ابناس گندم و جو کا ذکر کرتے ہیں جس سے یہ مراد ہے کہ ۶۳۴۰۰ کر گیہوں۔ ۹۱۸۵۰ کر جو اور ۴۵۶۸۴۰ درہم نقد ملک سواد کے ارتفاع میں شمار کرنے چاہئیں اور گیہوں اور جو کے ملے ہوئے دو کر ساٹھ دینار

(۱) قدامہ کی فہرست میں تفصیل اور اجمال کے مابین جو ایک قسم کا اختلاف پایا جو شائد کتاب کے نقل کرنے والوں یا کاتبوں کی غلطی سے پیدا ہوا ہے گو ہم نے بقدر امکان اسکو سنبھالا اور درست بھی کر دیا۔ "مؤلف"

قیمت کے مانکرنی دینار پندرہ درہم کے حساب سے ان کو درہم کی صورت میں تحویل کر لینا چاہیئے اسطرح ان دونوں غلّوں کی قیمت ۶۹۸۶۲۵۰۰ درہم قرار پائے گی اور نقد درہم کی میزان اس میں ملا کر مجموعی رقم ۷۸۳۱۹۳۴۰ درہم ہو گی۔

اس کے بعد ابن خرداذبہ نے ملک خراسان اور اس کے ملحقہ اقلیموں کی وہ جبائتہ تفصیل بیان کی ہے جو دولت طاہریہ کے عہد میں تھی اور ۲۱۲ھ میں اس قسم کا دربار خلافت میں ارسال کرتے رہنا اوپر لازم قرار دیا گیا تھا اس رقم کی مقدار حسب ذیل ہے:۔ ۴۴۸۴۶۰۰۰ درہم نقد ۱۳ سواری کے جانور ۲۰۰۰ بکریاں ۲۰۰۰ راس جہاد کے قیدی جنکی قیمت ۶ لاکھ درہم ہو کنیز کی بنی ہوئی کرپاس (ایک موٹی قسم کا کپڑا) کے ۱۱۸۷ تھان اور "مرورد" اور لوہے کی چادروں کے ۱۳۰۰ قطعے دونوں نصف نصف جس زمانہ میں یہ خراج متعین ہوا تھا ان دنوں خراسان کا ملک قریب قریب پچاس ضلعوں پر شامل تھا منجملہ رے۔ قومس۔ جرجان۔ کرمان۔ سجستان۔ نیشاپور۔ طخارستان۔ طالقان اور ماوراالنہر کے اعمال اور بخارا اور سغد وغیرہ تھے طاہری خاندان کے لوگ وہاں کے مستقل حکمران تھے اور اس ملک کے محاصل میں سے صرف مذکورہ بالا وظیفہ ادا کیا کرتے تھے ہم نے طوالت کے خوف سے اس مقام پر بالکل مجمل حالات لکھے ہیں اگر کسی شخص کو اعمال سواد اور اعمال خراسان کی تفصیلی جبائتہ دیکھنے کا شوق ہو تو وہ ابن خرداذبہ کی "کتاب المسالک والممالک" میں دیکھ لے اب ہم اس اجمالی بیان کے قائمہ کے دوسرے اعمال کی آمدنیاں بھی دکھا کر اسے مکمل کرتے ہیں جو حسب ذیل ہے:۔

مشرقی اقلیمیں	دراہم
سواد	۷۸۳۱۹۳۴۰
خراسان اور اس کے توابع	۴۴۸۴۶۰۰۰
شہرزور اور ماسبذان	۲۷۵۰۰۰۰
ماسبذان اور ہرجان قذق	۳۵۰۰۰۰۰
قم	۲۰۰۰۰۰۰
اہواز	۳۰۰۰۰۰۰۰
فارس	۳۳۰۰۰۰۰۰
قزوین	۱۲۰۰۰۰۰
ماہ الکوفہ	۳۸۰۰۰۰۰

اصفہان	۷۰۰۰۰۰۰
دیار مضر	۵۶۰۰۰۰۰
موصل	۴۰۰۰۰۰۰
دیار ربیعہ	۷۷۰۰۰۰۰
ارمینیہ	۴۰۰۰۰۰۰
(میزان)	۲۲۷۷۱۵۳۴۰ درہم

مغربی اقلیمیں	دینار
قنسرین اور عواصم	۴۰۰۰۰۰
چھاؤنی حمص	۳۴۰۰۰۰
〃 دمشق	۴۰۰۰۰۰
〃 اردن	۳۵۰۰۰۰
〃 فلسطین	۵۰۰۰۰۰
مصر	۲۱۸۰۰۰۰
یمن	۶۰۰۰۰۰
(میزان)	۴۷۷۰۰۰۰ - دینار

ان دیناروں کو درہم سے تحویل کرنیکے بعد ۷۱۵۵۰۰۰۰ درہم حاصل ہوتے ہیں جنکو مشرقی اقلیموں کی آمدنی کی مذکورۂ بالا مجموعی میزان پر اس شکل سے اضافہ کریں۔

درہم	
۲۲۷۷۱۵۳۴۰	مشرقی اقلیموں کی جبائتہ
۷۱۵۵۰۰۰۰	مغربی 〃 〃 〃
۲۹۹۲۶۵۳۴۰	جملہ

تو جملہ انتیس کروڑ بانوے لاکھ پینسٹھ ہزار تین سو چالیس درہم ہونگے۔

عباسی حکومت کی ملکی آمدنی کا اجمالی گوشوارہ

اگلی تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ عباسی حکومت کے ارتفاع کی کثرت مامون کے عہد میں سب سے بڑی

ہوئی تھی اور اس کے بعد سے کم ہونے لگی مگر اس کمی کا اظہار تیسری صدی ہجری کے وسط سے ادھر ہوا ہے جس کے اسباب آئندہ بیان ہونگے ورنہ اس زمانہ سے پہلے تو عباسی حکومت کا ارتفاع بہت بڑھا ہوا تھا جو ہمارے بیان کئے ہوئے تینوں قائموں سے واضح ہوتا ہے اور ان کا مختصر گوشوارہ حسب ذیل ہے:-

۳۹۶۱۵۵۰۰۰	عباسی حکومت کی جباۃ مامون کے ایام میں یا بین ۲۰۴ھ و ۲۱۰ھ کے	
۳۸۸۲۹۱۳۵۰	〃 〃 معتصم 〃 یا اس کے بعد بھی ۲۲۵ھ تک	
۲۹۹۲۶۵۳۴۰	〃 〃 تیسری صدی ہجری کے وسط میں	

ان رقموں کا باہم مقابلہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے پہلے پچاس سال ہی کے اندر جباۃ کی مقدار میں نمایاں فرق ہو گیا اور خاصکر یہ صورت اس حالت میں ہو گی جبکہ ابن خلدون کی فہرست میں لکھے ہوئے غلوں اور مال و متاع کو بالکل نکال دیا گیا جو کہ دراصل خراج میں داخل تھے پس بیت المال میں سالانہ داخل ہونیوالی رقم کا اوسط تقریباً (۳۶۰) ملین قرار پاتا ہے جو کہ ممالک اسلامی کی جباۃ سے بعد منہائی اخراجات مقامی کے باقی بچکر سلطنت کے خزانہ میں داخل ہوتی تھی اور جس کی مثال قدیم و جدید سلطنتوں میں سے کسی میں دیکھنا کیسا سنا تک نہیں مگر ہاں جبکہ ہم روم اور فارس کی حکومتوں کی نسبت بعض مورخین کے ان بیانات کا لحاظ کریں جو سبیل تذکرہ انہوں نے کئے ہیں تو یہ اور بات ہے کیونکہ "گبن" رومن امپائر کے مؤرخ نے بیان کیا ہے کہ اس سلطنت کی مالی آمدنی اس کے انتہائی عروج اور وسعت مملکت کے ایام میں چالیس کروڑ درہم کے مساوی تھی جس میں سے تیرہ کروڑ پچاس لاکھ درہم محض ایشیائے (کوچک) سے حاصل ہوتے تھے (۱) اور ابن خرداذبہ نے ذکر کیا ہے کہ کسریٰ پرویز کے ایام میں مملکت فارس کا ارتفاع بیالیس کروڑ مثقال یا تقریباً سات سو بیس ملین درہم تھا مگر ہم ان رقموں کو صحیح بھی مان لیں تو یہ مشکل درپیش رہجاتی ہے کہ ہم کو ان حکومتوں کے اخراجات کے طریقے معلوم نہیں ہو سکتے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اس آمدنی کا زیادہ حصہ خرچ کر ڈالتے رہے ہوں بخلاف عباسی حکومت کے اس کے مصارف کا انداز آئندہ بیان کیا جائیگا مذکورہ بالا دونوں سلطنتوں کو چھوڑیئے۔ دوسری حکومتوں کی حالت سے مقابلہ کرنے میں بھی زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ مثلاً دولت عثمانیہ (ٹرکی) کی ترقی دست سب سے زیادہ سلطان سلیمان قانونی کے ایام میں تھی، جو دسویں صدی ہجری کا وسطی زمانہ ہے مگر اس کے محاصل کا ارتفاع اسّی لاکھ دوکات سے

(۱) Gibbon's Roman Empire v. 1 p. 110 ؎ ایک سکہ مترجم

زیادہ نہیں ہوا (۱) جو تقریباً چھ کروڑ پچاس لاکھ فرانک کے مساوی ہوتا ہے اور عباسی حکومت کے ارتفاع سے اس کو کچھ بھی نسبت نہیں ہے جو اس کے دگنے مقدار سے بھی زائد تھا اسی پر موجودہ زمانہ کی حکومتوں کو بھی قیاس کرنا چاہیئے کہ ان کے خزانوں میں کیا باقی رہجاتا ہے اور اس کا بیان بھی آگے چل کر ہم کرینگے۔

اب ہم ان مدوں کا ذکر کرتے ہیں جن میں یہ آمدنی خرچ کی جاتی تھی ؛

عباسی حکومت کے مصارف

قدیم عربی مورخوں کے بیان سے ہم کو اس بارہ میں کوئی معلومات نہیں ہم پہنچ سکے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ عمداً اس معاملہ کے متعلق کچھ لکھنے سے باز رہے یا انقلاب زمانہ سے ان کی تحریریں ضائع ہوگئیں علاوہ بریں مسلمان مورخوں نے تمدن اسلامی کے وقائع بہت کم لکھے ہیں یا جن امور سے اس کا پتہ چلتا کہ اسلامی حکومتوں کی آمدنیاں انکے اخراجات ملک کی مالی حالت علمی ترقی اور اس زمانہ کا طرز معاشرت کیا تھا۔ ان کے متعلق اگر کوئی بات ان کے قلم سے نکلی بھی ہے تو رزم و بزم کے واقعات لکھتے ہوئے اثنائے کلام ہی میں کہیں پر لکھ گئے ہیں البتہ ابن خلدون نے اتنا کام کیا ہے کہ اسلامی حکومت کے عہد عروج میں اس کے نمائشی ٹھاٹھوں کا ذکر کرتے ہوئے سلطنت کے ملکی محاصل کی تفصیل بھی آمدنی میں دیدی اور قدامہ اور ابن خرداذبہ نے انتظامات جیسے ڈاک کے ذکر میں خراج کی مقدار بھی لکھدی گو خراج کی مقدار کو بعض جغرافیہ نویسوں نے بھی بیان کیا ہے مگر ان سب صاحبوں میں سے کسی نے اس بات کو نہیں بیان کیا کہ ہم جس زمانہ کے حالات تحریر کرتے ہیں ان دنوں خراج کی جمع ہونیوالی رقمیں کن مدوں میں خرچ ہوتی تھیں ؛

ہاں اس تمدن کے حالات کا جو علم ہم کو ہوا ہے اس کے اعتبار سے ظن غالب یہ ہوتا ہے کہ اس تمام آمدنی میں سے فوجوں منشیوں قاضیوں اور بغداد کے صدر دفتروں کے تمام اہل مناصب کی تنخواہوں اور عمال محکمہ ڈاک (۲) وغیرہ کے وظائف دینے کے بعد باقی رقم بیت المال میں جمع ہوتی تھی جس کو صرف کرنے کا مطلق اختیار خاص خلیفہ وقت کو حاصل ہوتا تھا (۳)

فوج کے مصارف اور دفتر وغیرہ کے اخراجات قطعی طور پر تخمینہ نہیں کئے جا سکتے کیونکہ زمانوں

(۱) Parker Cmot History of Yankey

(۲) ابن خرداذبہ ۱۵۳ - (۳) ماوردی ۱۷۹ ؛

کے تغیر و تبدل اور خلفا کی حالتوں کے ساتھ ان کی مقدار بھی گھٹتی بڑھتی رہی اور ہم کو عباسیوں کے پہلے دور یا ان کے دوسرے دور میں اس معاملہ کے متعلق کوئی ایسی صریح بات معلوم نہیں ہوئی جس پر کچھ رائے قائم کر سکیں۔

البتہ بیرن وان کریمر کی کوششوں سے ہمیں ایک فہرست ایسی مل گئی ہے جس میں اس رقم کی تفصیل ہے جس کو احمد بن محمد طائی نے اپنے زمان کی طرف سے بیت المال میں داخل کرنے کی ذمہ داری کی تھی اس فہرست میں بیت المال بغداد کے ان مصارف کی تشریح کی گئی ہے جو کہ خلیفہ معتضد عباسی کی اوائل حکومت یعنی ۲۷۹ھ میں کئے جاتے تھے (۱) اس میں ان وظیفہ خواروں کے تمام فرقوں کے روزانہ عطیات کی رقم معین کی گئی ہے جن کے رواتب بیت المال بغداد سے دیئے جاتے تھے ان رقوم کی سالانہ مجموعی مقدار ۲۵۰۰۰۰۰ دینار تھی اور روزانہ سات ہزار دینار اس سورس سے اہل فوج دفتروں کے ملازم اور شاگرد پیشہ لوگوں کو تقسیم ہوا کرتے تھے۔

عباسی سلطنت کے اخراجات

جو معتضد باللہ عباسی کے عہد ۲۷۹ھ میں روزانہ کئے جاتے تھے

دینار ہر روز	
۱۰۰۰	باری دار لوگ اور ان کی مثل دوسرے لوگ مثلاً دربان نہیں جنابیہ اور بصرہ کے خوبصورت آدمی شامل تھے اور دربار عام کے جلودار سپاہی وغیرہ اور حبشی غلاموں کی جماعتیں اور خلیفہ ناصر کے اکثر غلام
۱۰۰۰	جن غلاموں کو خلیفہ ناصر نے آزاد کر دیا تھا اور وہ ناصر کے غلام کہلاتے تھے انکے روزینے
۱۵۰۰	آزاد اور صاحب امتیاز گھوڑ چڑھوں کے روزینے۔
۶۰۰	مختارین کے روزینے جو کہ تمام فوجوں کے چیدہ بہادر اور کار آزمودہ سپاہی تھے
۵۰۰	ان سواروں کے روزینے جو خلیفہ ناصر کے عہد میں بھرتی ہوئے تھے۔
۱۱۰	ادنیٰ سترہ قسم کے لوگوں کے روزینے جن کو حسب ذیل چند نہیں تفویض تھیں خواجہ سرا خاص درباری قاصد عرضیوں کے پڑھنے والے پرچہ نویس مؤذن منجمین۔ فقہا معلم بردار بوقی نواز مسخرے اور نقارہ نواز اور انکے علاوہ دوسرے اہل خدمت

(۱) Empfme Budjet des Abbasiden Reiches

۵۰	خاص دارالسلام بغداد اور دیگر مقامات کے ملازمین پولیس کے روزینے۔
۳۰۰	غلاموں اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے تحفوں اور ہدیوں کی قیمتیں۔
۵۰۶۰	میزان
۵۰۶۰	دینار میزان سابق
۳۳۳ ۱/۳	عام اور خاص باورچی خانوں کے مصارف۔ روٹی پکنے کے جگہوں کے خرچ حرم اور حشم کی خوراک۔ حبشی غلاموں کی خوراک کے مصارف۔
۱۰۰	خاص اور عام آبدار خانوں کے خرچ اوسکے برتنوں وغیرہ کی قیمت توشہ خانوں اور خلعتوں اور خوشبویات۔ سوائج وغیرہ سلاح خانوں اور فرش فروش وغیرہ کے مصارف۔
۴	شاہی محل۔ نرد انوں۔ لنگر خانوں۔ گہروں۔ حجروں۔ اور شاگرد پیشہ کے مکانات کے قریب کام کرنیوالے سقوں کی تنخواہیں۔
۱۶۷	آزاد اور معزز لوگوں کے علاوہ خلیفہ کے خاصہ کے لوگوں اور ان کے قائم مقاموں یعنے چھوکروں اور غلاموں کے روزینے۔
۱۰۰	آبدار خانہ عام میں کام کرنیوالے اور توشہ خانہ کے ملازمین۔ زرگروں درزیوں علاقہ بندوں وزن کرنیوالوں۔ لوہاروں۔ رفوگروں۔ پوستین سازوں کشیدہ کاروں نجاروں۔ کاغذیوں۔ خوشبو سازوں۔ ڈھنڈورچیوں۔ مددگاروں اور خراطیوں وغیرہ وغیرہ لوگوں کے روزینے۔
۱۰۰	حرم کے مصارف
۴۰۰	پانچواں اصطبلوں کے دانہ چارہ کا خرچ
۶۶ ۲/۳	اونٹوں گھوڑوں اور دوسری سواری کے جانوروں کے دانوں کی قیمت میں صرف ہونے والی رقم۔
۳۰	باورچیوں کی تنخواہیں۔
۳۰	فرش بچھانیوالوں۔ دودھ دوہنے والوں۔ اور داروغہ فراشخانہ اور مزدوروں کے روزینے۔
۵	شاہی سواری کو باڈی گارڈ اور حاشیہ بردار اور ڈاک کے گھوڑوں کے سائیس وغیرہ۔
۶۳۹۶	دینار (میزان)

۹۶ ۹۳ - دینار (میزان سابق)

۴۴	.....	مصاحبین اور ارباب نشاط یا اُن کے قائم مقام لوگوں کی ..... تنخواہیں
۲۳ ۱/۳	.....	طبیبوں کی ایک جماعت مع اپنے شاگردوں کے ..... "
۷۰	.....	شکاری عملہ باز دار شکرہ والے کتوں کے داروغے اور چیتے باز وغیرہ ..... "
۱۶ ۲/۳	.....	بڑی کشتیوں بجروں اور ہلکی ڈونگیوں وغیرہ کے ملاحوں کی ..... "
۴	.....	لفظ اور شاقہ کی قیمت جو لفظا کے شیشوں اور شیشوں کے لئے آتے تھے اور ان کے کام کرنے والوں کی ..... "
۱۵	.....	صدقہ جو کہ ہر صبح کی نماز کے وقت سیاہ کپڑے میں لپیٹ کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر کیا جاتا
۳۳ ۱/۳		روزینہ یا جیب خرچ متوکل کی اولاد کا ..... "
۱۶ ۲/۳	.....	" " واثق "
۱۶ ۲/۳	.....	" " ناصر "
۲۰		بنی ہاشم کے مشائخ اصحاب مراتب اور مسجد کے خطیبوں کے روزینے۔
۳۳ ۱/۳		تمام دوسرے بنی ہاشم عباسی اور طالبی خاندان والوں کے روزینے۔
۳۲ ۱/۳		معمول عبیداللہ بن سلیمان (وزیر) کا مع پانچسو دینار (ماہوار) اس کے بیٹے قاسم کے لئے عارضی طور پر۔
۱۵۶ ۲/۳		اعلےٰ درجہ کے نیشوں دفتروں کے محرروں خزانچیوں۔ دربانوں نقیبوں اور سپاہیوں اور تمام محکموں کے لوگوں کی تنخواہیں اور رجسٹروں مسلوں اور کاغذ کی قیمت۔ احکم۔ اعطاء (انعام) کے عملہ کے اور ان کے قائم مقاموں کے جو کچہریوں پر مقرر تھے اور ان کے چپراسی اور سپاہی اور بیت المال کے خزانچی کہ یہ لوگ اپنے روزینے گرے پڑے مالوں اور جانوروں کو بلا حفاظت چھوڑنے والوں کے اوپر کئے ہوئے جرمانوں کی رقوم سے لیتے تھے۔

۶۸۷۹ دینار (میزان)

۶۸۷۹ دینار (میزان سابق)

۱۶ ۲/۳		معمول اسحاق بن ابراہیم قاضی اور اُس کے خلیفہ یوسف بن یعقوب بن حماد اور ان دونوں کی اولادوں اور دس نفر دوسرے فقیہوں کا۔

۱/۳ ۳ ...	مسجدوں کے مؤذنوں تکبیر کہنے والوں اقامت کہنے والوں اور اماموں کے روزینے روشنی کے لئے تیل۔ چٹائیاں بوریئے۔ پانی جاڑوں کے موسم میں پردوں کی قیمت چادروں کی قیمت مٹی کے ظروف اور ماہ رمضان کی صفائی اور مرمت کے اخراجات۔
۵۰	ہیلمائوں کے مصارف اور قیدیوں کی خوراک کا خرچ۔
۱۰	دونوں پلوں کے خرچ جو بغداد میں بوریائے دجلہ پر بنائے جاتے تھے اور اسکے واسطے تبدیل کیجانے والی کشتیوں کی قیمت اور پل بنانے والوں کی تنخواہیں۔
۱۵	شفاخانہ عامدی کے مصارف ہیں کے علاوہ اُن دنوں کوئی اور شفاخانہ نہیں تھا اور طبیبوں اور کحالوں اور پاگل خانہ کے محافظوں دربانوں اور روٹی پکانے والوں کی تنخواہیں اور غذا دوا اور شربتوں کی قیمتیں۔

۶۹۷۴ ... (میزان کل دینار)

کل تعداد قریب سات ہزار دینار کے ہوتی ہے جو ۳۲۱ھ میں (خلیفہ مقتدر کے عہد میں) عباسی حکومت کا صرف ایک دن کا خرچ تھا اور اس کی سالانہ مجموعی تعداد تقریباً ڈھائی ملین دینار ہوتی ہے اس لئے اگر ہم مامون اور معتصم کے زمانوں کا خرچ بھی اس کے برابر فرض کریں اگرچہ ہمارے خیال میں وہ اس سے بہت کم رہا ہوگا کیونکہ دولت عباسی کے عہد شباب میں غلاموں اور خلوکوں کی اتنی زیادتی نہیں تھی جتنی تیسری صدی ہجری کے اختتام میں ہوگئی تھی پس جبکہ ہم مامون اور معتصم کے زمانوں کے مصارف یکساں مان کر اُن کو باعتبار کثرت فی درہم بیس دینار کی شرح سے درہموں میں تبدیل کریں تو پانچ کروڑ درہم ہونگے اور اس رقم کو نگی کی اوسط سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں ضرب کریں تو ۳۴۰۰۰۰۰۰ درہم ۵۰۰۰۰۰۰۰ درہم سے باقی ۳۱۰۰۰۰۰۰ درہم یا تین سو ملین درہم بچینگے لہذا جس حکومت کے خزانہ میں سالانہ اتنی بھاری رقم کی توفیر ہوا کرے اوسکی دولتمندی نہایت عظیم الشان شمار کئے جانیکے قابل ہے کیونکہ جہاں کسی حکومت کی نسبت یہ بھی نہیں سُنا ہے کہ اس کے خزانہ میں اس نصف تہائی چوتہائی بلکہ دسواں حصہ بھی باقی رہجاتا ہو الا روم اور فارس کی حکومتیں جنکا ہم اوپر بیان کر آئے ہیں وہ اس حکم سے مستثنےٰ ہیں

مزید بریں یہ مصارف ارتفاع سلطنت کے صرف ایک چھوٹے سے چھوٹے حصّے کے برابر تھے کیونکہ اس سے صرف وہی خراج مراد ہے جس کی ضمانت "طائی" نے چند ملکوں کی آمدنی سے کی تھی یعنے دجلہ اور فرات سے شاخیں کٹکے جلنے والے مقامات اور جوخیٰ۔ واسط۔ کسکر۔ طساسیج۔ نہر لوق۔ زیبین کلوازی۔ نہر بین۔ رزامین۔ اور بلادِ خراسان کہ یہ سب ملک عراق کے اضلاع اور اسکا ایک حصّہ

تھے۔ جیسا کہ قدامہ کی تصریح کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے اس لئے اس بات کا کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ عباسی حکومت کے تمام مصارف صرف اس کی ولایت کے ایک حصہ کی آمدنی سے نکل آتے تھے۔

موجودہ زمانہ کے سکون سے اس دولتمندی کا اندازہ

جدید تمدن کے لحاظ سے اس دولتمندی کی توضیح کرنے کے لئے یہ ضرور ہے کہ ہم اس ارتفاع کی رقم کو موجودہ زمانہ کے سکوں میں تحویل کردیں پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ تیسری ہجری کے نصف اول میں دینار کا مبادلہ پندرہ درہموں سے ہوتا تھا اس لئے اس زمانہ کی ثروت دو کروڑ دینار کی مقدار میں تھی اور آجکل ایک دینار کا موازنہ نصف گنی سے کیا جاتا ہے جس کے حساب سے بیت المال میں باقی رہنے والی سالانہ رقم کی مجموعی تعداد دس ملین گنی پونڈ آتی ہے۔

ہاں اس بات کا بھی لحاظ کرنا چاہیئے کہ نقود کی قیمت پیداوار کی افراط اور مزدوری کی ارزانی پر دوچند کے قریب بڑھ جاتی ہے مثلاً جس ملک میں ایک اردب گیہوں پچاس قرش کو ملتے ہیں وہاں کسی کے پاس ایک ہزار گنی ہوں تو وہ اس ملک کے دو ہزار گنیاں رکھنے والے کے برابر تصور کیا جاویگا جہاں ایک اردب گیہوں سو قرش کو آتے ہیں اور زمانہ کے تغیر و تبدل کی وجہ سے ایک ہی شہر میں بھی یہ مثال قائم کرنی ممکن ہے جیسے کہ ہمارے یہاں گذشتہ صدی کے آغاز میں چند ہزار قرشوں کا مالک بڑا دولتمند تصور کیا جاتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں زندگی کی ضرورتیں بہت ارزاں تھیں پھر بتدریج آدمیوں کی کثرت اور طرز معاشرت میں نئی نئی تراش و خراش پیدا ہو چلنے کے سبب سے اور نیز چند دوسری وجوہ سے یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ اب اوسط درجہ کے لوگ صرف ایک مہینے میں کئی ہزار قرش خرچ کر ڈالتے ہیں اس لئے موجودہ زمانہ کے نقود سے عباسی ثروت کا موازنہ کرنے میں پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم ان دنوں کی اور اپنے زمانہ کی پیداوار کے نرخ اور ان ایام کی اور اپنے عہد کی مشرح مزدوری کے تفاوت سے آگاہی حاصل کریں اس سے قبل معلوم ہو چکا ہے کہ قدامہ بن جعفر کے عہد میں ایک کر گیہوں اور جو تیس دینار قیمت پاتا تھا (۱) اور عراق کا ایک کر مصر کے چالیس اردب کے برابر ہوتا ہے (۲) اس اعتبار سے ان دنوں ایک اردب مصری گیہوں اور جو ایک گنی کو ملتے ہیں تو چالیس اردب کی قیمت چالیس گنی یا اسّی دینار ہوئی یعنے اس زمانہ میں غلہ کا نرخ اندنوں سے نسبتاً مہنگا اور ان تھا۔ خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں سنری (راج) کی اجرت ایک قیراط چاندی اور بیلدار یا مزدور کی

(۱) قدامہ ۲۳۹ (۲) محیط المحیط۔

اجرت دو قسم تھی ملک عراق کا ایک قیراط ۱/۶ دینار (۱) اور حبہ ۱/۱۲ دینار کے برابر ہوتا تھا پس گویا کہ ان دنوں کے نقد سے معمار (راج) کی اجرت ۱/۳ درہم یعنے تقریباً تین قروش اور مزدور کی اجرت ایک قرش تھی جو ان دنوں کی شرح سے ہماری یا ہماری کا فرق رکھتی ہے اس لئے عباسی عہد حکومت میں نقود کی قیمت کم سے کم آجکل کے نقود سے تین حصے زائد تھی اور اسی اعتبار سے عباسی بیت المال کی سالانہ باقی رہنے والی رقم تیس ملین دینار کے برابر تصور کرنی چاہیئے جو بیت المال میں جمع رہتی تھی اور اس کے صرف کرنے کا اختیار مطلق طور پر خلیفہ کو حاصل ہوتا تھا جس طرح وہ چاہتا اُس رقم کو خرچ کرتا کیا اس بات سے آگاہ ہونے کے بعد بھی اگر یہ بیان کیا جائے کہ فلان خلیفہ نے ایک شاعر کو ایک لاکھ درہم یا دو ہزار دینار صلہ میں دیدیئے تو ہمیں حیرت ہوگی ؟ حالانکہ ہم زمانہ کے اہل دولت کو دیکھتے ہیں کہ وہ صرف ایک قدیم زمانہ کی تصویر ایک لاکھ گنی کو اور آثار قدیمہ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نصف ملین یا پورے ایک ملین گنی کو خرید لیتے ہیں بے انتہا دولتمندی کے نتائج ہیں اور آجکل کی حکومتوں میں سے کوئی حکومت ایسی نظر نہیں آتی جس کے خزانہ میں بجز نوادرات کے ایک ملین پونڈ سے زائد بچ رہتا ہو حالانکہ عہد عباسی کی نسبت اس زمانہ کی گورنمنٹوں کے ذرائع آمدنی بھی بہت زیادہ ہیں صرف دولت انگلشیہ کی حالت مثال کے طور پر لے لیجئے جو کہ سب سے بڑی گورنمنٹ اور بنسبت اوروں کے ہم سے اسوقت قریب تر ہے سال ۱۹۱۰ء میں اس کی آمدنی بتفصیل ذیل بارہ کروڑ پونڈ تک پہنچگئی تھی۔

	پونڈ
مسکرات تنباکو اور چائے کے محصولوں سے	۲۲۰۰۰۰۰۰
مسکرات اور سمیات وغیرہ کی فروخت لیسنسوں کی آمدنی سے	۳۲۰۰۰۰۰۰
درآمد مال کے محصولات سے	۱۸۵۰۰۰۰۰
اسٹامپ ڈاک سے	۱۳۰۰۰۰۰۰
محصول تار برقی کی آمدنی سے	۳۰۰۰۰۰۰
کاغذات اسٹامپ کے محاصل سے	۸۵۰۰۰۰۰
میزان	۹۷۰۰۰۰۰۰ پونڈ

اس نقشہ سے معلوم ہوگا کہ ۴/۵ حصہ اس گورنمنٹ کی آمدنی کا ایسے مدوں سے تعلق رکھتا ہے جن کا عباسی حکومت کے دور میں نام ونشان بھی نہ تھا۔

موجودہ زمانہ کے گورنمنٹوں کی زیادہ تر یہ حالت ہے کہ ان کی آمدنی مصارف کے ہم پلہ ہوتی ہے یا

(۱) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۷۰

ایک بچت قلیل رقم انہیں باقی بچتی ہے جو شاذ و نادر حالتوں میں ایک ملین پونڈ سے زائد ہوتی ہوگی۔ ورنہ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ لڑائیوں وغیرہ کے مصارف کا بار سر پر آپڑنے سے خرچ کی مقدار آمدنی سے بڑھ جاتی ہے جیسا کہ انگلستان گورنمنٹ کو جنوبی افریقیا میں جنگ چھڑ جانے سے پچھلے سالوں میں پیش آیا اور وہ قرض لینے پر مجبور ہوئی جو ایک مشہور بات ہے پس ہم کو معلوم کرنا چاہیئے کہ عباسی حکومت کے گوشوارہ اور اس زمانہ کی گورنمنٹوں کی بجٹ میں ایسا بڑا فرق کن اسباب سے واقع ہوتا ہے اور یہ بات اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتی جبتک کہ ہم عباسیوں کی دولتمندی کے اسباب نہ بیان کریں جو حسب ذیل تھے :-

عباسی ثروت کے اسباب

یہ ایک بدیہی قضیہ ہے کہ ایسی دولتمندی اس وقت تک نہیں حاصل ہو سکتی جبتک کہ آمدنی زیادہ اور خرچ کم نہ ہو اور جس ثروت کیجانب ہم اشارہ کرتے ہیں اس سے وہ باقی رقم مراد ہے جو آمدنی سے خرچ کو نہا دینے کے بعد بچتی تھی اس لئے ہم کو آمدنی کے ابواب سے بحث کرنی ضروری ہے جو ملکی محصولوں کے مصادر تھے اور خرچ کے مدوں کی تحقیقات کرنی ہے جو مصارف کے راستے تھے پھر ہم ان دونوں کے مابین جو فرق ہوگا اسے دیکھتے ہوئے پہلی مد کی زیادتی اور دوسری مد کی کمی کے اسباب بیان کریں گے۔

جبایت کے مصادر

اوائل ہجرت میں جبایت کا انحصار صرف زکوٰۃ کی آمدنی پر رہا۔ واقعہ بدر کبریٰ کے بعد مال غنیمت کا سلسلہ شروع ہوا اور اس کے بعد جزیرہ عرب کے جن عیسائیوں اور یہودیوں سے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے صلح کی انپر جزیہ مقرر کیا (پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد تک جبایت کے صرف یہی تین مصادر تھے۔ زکوٰۃ۔ غنائم اور جزیہ مگر جونہی ممالک شام عراق اور مصر میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوچلا تو مسلمانوں نے اراضی پر عشر اور خراج اور تجارت پر مکس (ایک قسم کا ٹیکس تھا) بھی قائم کیا اور بنی امیہ کے عہد تک ملکی محاصل کی بہی خانہ شدہ مدیں موجود تھیں جنپر انہوں نے بہت سے غیر قانونی ٹیکس اور بھی بڑھا لئے تھے اور بہت سختی کے ساتھ ان کو رعایا سے وصول کرتے تھے بنو امیہ نے اپنے ایام حکومت میں جو نئے ٹیکس جاری کئے تھے ان میں سے ایک چھلیوں کا ٹیکس تھا اس کو محمد بن مروان نے ۷۳ھ میں قائم کیا جب کہ وہ ارمینیہ کا والی (گورنر) تھا (۱) اور ہمارا خیال ہے کہ جہازوں اور کشتیوں سے وہ ایک وصول

(۱) ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۹۰ ۔

کرنے کی ابتدا بھی بنو امیہ نے کی جو دریاؤں میں آمد و رفت کرنے والوں جہازوں سے وصول کیا جاتا تھا اور معدنی پیداوار کا پانچواں حصہ لینا بھی موجودہ گورنمنٹ کی اختراعات میں شمار کرنا چاہیئے اس کے بعد سے آمدنی کی مدیں بڑھتی اور شاخ در شاخ ہوتی ہیں حتیٰ کہ عباسی عہد حکومت میں ان کی متعدد قسمیں قرار پائیں جو دراصل گیارہ سے زائد نہیں ہوتیں اور وہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) صدقہ یا زکوٰۃ (۲) جزیہ (۳) خراج (۴) عکوس (تجارت کا ٹیکس) (۵) ملاحات اور سماک (۶) اعشار السفن (جہازوں کا عشر) (۷) معدنی پیداوار کے خمس (۸) جنگی محصول درآمد (۹) ٹکسال کی آمدنی۔ (۱۰) غلہ کی پٹائی (۱۱) دستکاریوں کے ٹیکس۔

اور ان کے سوا اور بھی چند قسمیں جو انہیں کی شاخیں تھیں مگر ثروت کی زیادتی میں معتد بہ رقم خراج کی ہوتی تھی اسی لئے بنو عباس کے دور میں تمام آمدنیوں کی مجموعی رقم کا صرف ایک نام "خراج" رکھدیا گیا تھا جسکو یہ سمجھنا چاہیئے کہ جز کا اطلاق کل پر کیا گیا۔ پس جس وقت وہ بیان کرتے تھے کہ ملک فارس کا اتنا اتنا خراج آتا تھا تو اس سے ملکی محاصل کی مجموعی رقم مراد ہوتی تھی جو کئی مدوں سے ہوا کرتی تھی اسی بنا پر ہم پہلے "خراج" ہی کے بارہ میں بحث کرینگے اور عباسیوں کے پہلے دور میں اسکی کثرت کے اسباب بیان کرنے کے بعد دوسری مدوں کی جانب صرف مختصر طور پر اشارہ کر دیں گے۔

کثرت خراج کے اسباب

خراج اس آمدنی کو کہتے ہیں جو زمین پر یا اسکی پیداواروں پر مقرر کی جائے اور عباسی حکومت کے عہد میں اسکی کثرت کے بہت سے سبب تھے جنمیں سے چار اہم اسباب حسب ذیل ہیں :-

۱- **عباسی قلمرو کی وسعت**۔ چونکہ ملکی آمدنی کا اعتبار خراج کی رقم سے کیا گیا ہے اس لئے اوسکا بڑھنا ملک کے زمینی رقبہ کی وسعت اور سرزمین کی سیر حاصل ہونے پر منحصر ہوگا عباسی حکومت کے ابتدائی دور میں مملکت اسلامی کی وسعت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ قدیم تمدن کے ممالک میں سے (خصوصاً جب کہ ہم ملک اسپین کو بھی اس میں داخل شمار کریں) بجز اسکندر اعظم کی مملکت کے کہ یہ اس کے ہم پلہ گذری ہے اور کوئی مملکت اوسکا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

عباسی قلمرو کی پیمائش کا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ ہم ان ملکوں کی مساحت معلوم کریں جو موجودہ زمانہ میں اس کی جگہ پر قائم ہوئے ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں :-

مملکت عباسیہ کی پیمائش

(تیسری صدی ہجری میں)

ملکوں کے نام	اسوقت کس گورنمنٹ کے ماتحت ہیں	انکی پیمائش میلوں کے حساب سے
تمام ملک ایران	شاہ فارس	۶۲۸۰۰۰
افغانستان	خود مختار	۲۱۵۰۰۰
بلوچستان	افغانستان	۱۳۰۰۰۰
سندھ	〃	۴۸۰۰۰
روسی ترکستان (صرف)	روس	۲۵۷۰۰۰
کاکیشیا (ٹفلس)	〃	۱۵۳۰۰
ارمینیہ اور کردستان	ٹرکی	۷۲۵۰۰
عراق العجمیہ	〃	۱۰۲۰۵
عراق العربیہ	〃	۱۰۹۵۰۹
سوریا (شام)	〃	
فلسطین	〃	
جزیرہ عرب (کچھ حصہ)	〃	۲۰۰۰۰۰
ملک مصر	〃	۴۰۰۰۰۰
نوبیہ اور کچھ حصہ سوڈان کا	سوڈان	۳۰۰۰۰۰
طرابلس الغرب	ٹرکی	۳۹۸۰۰۰
جزائر الغرب	فرانس	۱۸۴۵۰۰
تونس	〃	۵۱۰۰۰
مراکش	خود مختار	۲۱۹۰۰۰
(میزان کل)		۳۳۲۸۰۱۴

اس لئے یہ کہنا درست ہوگا کہ عباسی مملکت کی مساحت تینتیس لاکھ اٹھائیس ہزار چودہ مربع میل تھی جو تقریباً تمام یورپ کی مساحت کے برابر ہے پس اگر تمام یورپ کے ملکوں کا خراج مسلمان لوگ ہی تحصیل کرتے تو وہ ان کی مملکت کے خراج سے کسی طرح زائد نہیں ہوسکتا تھا پس اس بات پر غور کرنا چاہیئے

کہ جس ملک میں آجکل دنیا کی عظیم الشان طاقتیں موجود ہیں وہ کس قدر وسیع ہے اور کتنے ملک اس میں شامل ہیں پھر اگر ان سلطنتوں کا اعتماد ملکی آمدنی میں سے صرف خراج ہی پر ہوتا تو کبھی ان کا کام نہیں چل سکتا تھا لہذا ان کے معاش کا مدار صنعت کے ٹیکسوں اور درآمد مال کے محصولوں پر رہتا ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔

علاوہ بریں اسلامی قلمرو کی ثروت کا سبب صرف اس کی وسعت کو قرار دینا بھی کافی سبب نہیں ہوسکتا کیونکہ سلطان سلیمان قانونی کے زمانہ میں حکومت عثمانیہ کی مملکت قریب قریب عباسی مملکت کے برابر وسیع ہوگئی تھی لیکن اس کے ملکی محاصل ایک کروڑ پچاس لاکھ فرانک سے نہیں بڑھے تھے پس معلوم ہوا کہ عباسی ثروت کے اسباب کچھ اور تھے جو لوگوں کا زراعت کے کاروبار میں مشغول ہونا لگان کی زیادتی بہاری محصولوں کا تقرر اور آمدنی کا سیر حاصل ہونا یا اس کے علاوہ اور امور ہو سکتے ہیں۔

۲۔ لوگوں کا زراعت میں مشغول ہونا۔ ہم امویوں کے عہد میں بیت المال پر بحث کرتے ہوئے اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ ان کے عمال خراجگذار لوگوں اور مالکان اراضی پر کسقدر ظلم و ستم روا رکھتے تھے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا نے کاشتکاری کا پیشہ ترک کرنا شروع کیا اور آباد زمینیں پرتی جگہیں پھر ممالک عراق و فارس اور مملکت اسلامی کے دیگر اطراف میں فتنہ و فساد برپا ہوجانا اور خانہ جنگیوں کا ہوٹ پڑنا اسی طرح ہوا جس کے سبب سے لوگوں نے عمداً حکومت کی مالی آمدنی گھٹا دینے کے لئے زراعت کو ترک کر دیا تاکہ وہ اسطرح اوس سے ان مظالم کا بدلہ لے سکیں جو اوسکے یا اس کے عمال کے ہاتھوں سے اوپر ہوئے تھے کیونکہ ان کو اس کام میں بہت کم ذاتی فائدہ ہوتا تھا اس لئے ملک کا بیشتر حصہ غیر آباد ہوگیا (۱) جن میں میووں کے باغات اور غلوں کے مزرعے سب کچھ شامل تھے عباسیوں نے حکومت کی باگ اپنے ہاتھوں میں لیکر عدل و داد کو اپنا شعار بنایا رعیوں اور موالی کے ساتھ بہت سی رعایتیں کیں انکو انکے مالوں جانوں اور حقوق کی جانب سے مطمئن بنایا اسلئے پھر ان لوگوں نے کاشتکاری کو ترقی دی اور اپنے کاروبار کو بخوبی کرنا شروع کیا۔

بنی عباس کے ابتدائی خلفاء کو ملک میں امن و امان قائم رکھنے اس کو آباد بنانے اور اس کے اہلی باشندوں رعیوں اور موالی کے ساتھ رعایتیں کرنے کا بہت کچھ خیال رہتا تھا خلیفہ منصور اپنے ظالم جابر عاملوں کے حالات کی سخت تحقیقات کیا کرتا ان کی تمام دولت ضبط کر کے انہیں معزول کر دیتا۔ اور انکی جگہ دوسرے متدین اور نیک چلن لوگوں کو عامل مقرر کرتا خلیفہ منصور ان ظالم عاملوں کی جرائم یا دولت ضبط کر لیا کرتا وہ ایک جداگانہ خزانہ میں جمع رہتی تھی جسکا نام اس نے "بیت المال المظالم"

(۱) فخری صفحہ ۱۵۷

رکھ چھوڑا تھا(۱) اوس نے سلطنت کے اطراف میں مخبر اور پرچہ نویس متعین کر رکھے تھے جو اس کو تمام خبریں اور غلہ کے نرخ تحریر کرتے رہتے تھے اس سے اُس کی غرض یہ تھی کہ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی پر زبردستی نہ کرنے پائے چنانچہ اس کو قاضیوں کے فیصلوں۔ والیوں کے برتاؤں اور بیت المال میں جمع ہونے والے ملکی محاصل کی رقموں وغیرہ ہر ایک واقعہ کی برابر خبر ملتی رہتی تھی اگر اجناس کے نرخ کا تغیر معلوم ہوتا تو اس کا سبب دریافت کرنیکی کوشش کرتا کسی قاضی کے فیصلہ میں شک پیدا ہوتا تو اس سے جواب طلب اور غلطی پر ملامت کیا کرتا تھا۔(۲)

وہی موالی جو بنو اُمیّہ کے دور میں زرخرید غلاموں سے بھی ابتر حالت میں رہ چکے تھے عباسی عہد میں دولت اور خلافت کے سچے جان نثار بن گئے ایک خلیفہ دوسرے خلیفہ کو ان کے ساتھ مراعات کرنیکی وصیت کر جاتا اور خاصکر خراسان والوں کے ساتھ رعائت کرنیکی تاکید کرتا تھا خلیفہ منصور نے اپنے بیٹے خلیفہ مہدی کو وصیت کی تھی کہ "اپنے موالی کی حالت پر غنائت کی نظر رکھنا ان کے ساتھ ہمیشہ احسان کرتے رہنا انہیں اپنا مقرب بنانا اور جس قدر ممکن ہو ان کی تعداد میں اضافہ کرنا۔ کیونکہ وہ تمہارا مادہ ہیں اگر تم پر کوئی مصیبت نازل ہوگی تو وہی کام آئینگے اور قوت پہنچائینگے ہیں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ خراسان والوں سے عمدہ سلوک کرنا وہ لوگ تمہارے معین و مددگار ہیں انہوں نے تمہاری حکومت قائم کرنے کے لئے اپنا مال اور اپنی جانیں نثار کی ہیں۔(۳) خلیفہ مامون وغیرہ نے بھی ایسی ہی وصیتیں کی تھیں خلیفہ منصور تمام دن خراج کی آمدنیوں سے مصارف۔ اور رعایا کے معاش کی ضروریات کی نگرانی اور ان کے با امن و امان رکھنے کے لئے عنایت آمیز برتاؤں میں مصروف رہا کرتا تھا اوسنے اپنے ولیعہد بیٹے کو ایک وصیت یہ بھی کی تھی کہ "جان پدر! حکومت بغیر خدا ترسی کے ٹھیک نہیں ہوتی اور رعیت بلا اطاعت کے درست نہیں رہتی یاد رکھو کہ کسی بات سے ملک اتنا آباد نہیں ہوتا جتنا کہ انصاف سے" اگلے عباسی خلفاء کے عدل و داد اور خدا ترسی اور مہربانی کی بہت سی دلیلیں پائی جاتی ہیں، خلیفہ مہدی دربار عام کرکے ان لوگوں کی نالشیں سنتا تھا جو اس کے عاملوں قاضیوں اور خاص اسکے کنبہ والوں کی شکایت کیا کرتے اور سب کا پورا پورا انصاف کرتا تھا خلیفہ رشید کے عدل کے حالات مشہور ہیں اسکے سامنے ظلم کا نام بھی لیا جاتا تو وہ خوف خدا سے تھرا کر رو دیا کرتا تھا ایک جلاد شاعر ابراہیم اسیر کو گرفتار کرکے ہیں خلیفہ رشید نے ابوالعتاہیہ شاعر کو قید کر دیا تھا اور اسپر گرفت سے مقرر کر دیئے تھے کہ ہر بات معمولی ذرا اسکی خبر دیں ان لوگوں نے ایکدن ابوالعتاہیہ کو اپنے جیلخانہ کی دیوار پر یہ دو شعر تحریر کرتے دیکھا

(۱) ابن اثیر جلد: صفحہ ۱۳۔ (۲) طبری جلد ۳۔ صفحہ ۳۰۴ (۳) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۸ ۔

اما واللہ ان الظلم لؤم وما زال المسیئ ھو الظلوم الی دیان یوم الدین نمضی وعند اللہ تجتمع الخصوم	ہوشیار ہو جاؤ خدا کی قسم بیشک ظلم ایک بری بات ہے اور ظالم ہی ہمیشہ بدکار ہوا کرتا ہے۔ ہم روز جزا کے مالک کے پاس جائینگے اور خدا کے سامنے باہم خصومت کرنیوالے لوگ جمع ہونگے وہ کہ اونکا انصاف کرے گا۔

رشید کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ رونے لگا اور ابو العتاہیہ کو اپنے پاس بلا کر اسے معافی دے دی اور ایک ہزار دینار انعام بھی دیا۔ اس سے بھی بڑھ کر اس کا ایک عجیب قصہ ابو العتاہیہ کے ساتھ مشہور ہے اور وہ یہ ہے:۔ رشید نے ایک بار عام شاہی دعوت کی جب دسترخوان چنا گیا تو اس نے ابو العتاہیہ سے فرمائش کی کہ اسوقت جس آرام و آسائش سے ہم بہرہ ور کئے گئے ہیں اس کی توصیف (نظم میں) کرو۔ ابو العتاہیہ نے کہا:۔

عش مابدا لک سالماً۔ فی ظل شاھقۃ القصور۔ یسعی علیک بما اشتھیت لدی الوداع وفی البکور۔ فاذا النفوس تقعقعت۔ فی ظل حشرجۃ الصدور فھناک تعلم موقناً۔ ما کنت الا فی غرور	جب تک تیرا دل چاہے آرام کے ساتھ شاندار محلوں کے سایہ میں عیش کی زندگی (سطح سے بسر کرلے کہ ہر شام و بگاہ تیری خواہش پوری کرنے کی کوشش جاری رہتی ہو مگر جس وقت سینہ کی پسلیوں کے پنجرہ میں طائر روح پھڑکنے لگیگا تو اس وقت بالیقین تجھپر یہہ امر کھل جائے گا کہ تو اب تک صرف دھوکے میں پڑا تھا۔ + (یا انجام سے غافل تھا)

رشید ان عبرتناک اشعار کو سن کر رو پڑا اور فضل بن یحییٰ نے یہ دیکھ کر ابو العتاہیہ سے ملاقات کے طریقہ پر کہا "امیر المومنین نے تم کو اس واسطے بلوایا تھا کہ انہیں خوش کرو لیکن برخلاف اس کے تم نے انہیں غمگین بنا دیا" رشید نے فضل کی بات کا ٹکر کہا "اسکو کچھ نہ کہو اسنے ہمیں فنا کی طرف مائل دیکھ کر چونکا دیا ہے کیونکہ اس کو ہمارا اس سے زیادہ خطرناک حالت میں پہنسنا ناگوار گزرا (ا)

"رشید" اور "مامون" کے عہد میں اس کی اتنی افراط سے مثالیں ملینگی جنکے بیان کرنے کے لئے ایک کتاب بھی کافی نہیں ہو سکتی پھر ایسے حکمرانوں کے عہد میں کیونکر عدل و داد کا رواج نہ ہوتا اور کیوں ان کے زیر حمایت زراعت میں پیداوار کی کثرت اور تجارت میں وسعت نہوتی اور کیا وجہ تھی کہ لوگ

ان کے زیر سایہ آباد ہونے اور ان کی خدمتوں میں جان نثاری کرنے کے لئے اطراف عالم سے کھنچ نہ آتے؟ انصاف کے سایہ میں ملک کا آباد نہ ہونا ہی تعجب کا مقام ہے کیونکہ وہ خداوند پاک کا ایسا سایۂ رحمت ہے جس کے بغیر ملک آباد نہیں ہوتا اور انسان کو زندگی کا مزہ نہیں ملتا کسی بادشاہ کو اصلی اور حقیقی عزت اسوقت تک حاصل نہیں ہوتی جبتک وہ انصاف کو اپنے کاموں کا مدار نہیں بناتا اسلئے کہ ملک کی عزت مدبر اور دانشمند تجربہ کار لوگوں سے ہوتی ہے اور ان کے بہم ہونے کا وسیلہ ہے مال۔ مال ملک کی آبادی اور سرسبزی سے حاصل ہوتا ہے اور اسکی سبیل ہے عدل (۱) پس یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ عدل ہی حکومت کی بنیاد ہے۔

مملکت عباسیہ کے آباد ہونے میں بڑی مدد اس بات سے ملی کہ اس کے خلفاء نے ایرانیوں کے ویران و تباہ کئے ہوئے مزرعوں اور باغوں کو ایسے لوگوں کی سپرد کرتے رہنے کی کوشش کی جو اسے عمدہ طور پر آباد اور سرسبز بنائیں (۲) اور اس کے علاوہ انہوں نے نہریں کھدوانے اور سیلاب آنے والی جگہوں پر بند بندھوانے میں بھی بہت کچھ توجہ صرف کی۔

(سواد) ان کی اس توجہ اور کوشش کا نتیجہ ملک کی عام سرسبزی اور کثرت پیداوار برآمد ہوا خصوصاً ملک سواد (یا عراق) کی حالت بہت اچھی ہوگئی یہ ملک دنیا کے ممالک میں اول درجہ کا سیر حاصل اور شاداب ہے چنانچہ اگر ہماری بیان کی ہوئی جبائت کی تفصیل پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ محض اس ایک ملک کی مالی آمدنی ۱۲ کروڑ درہم تھی جو تمام قلمرو کی مالی آمدنی سے تقریباً ایک ثلث کی نسبت کہتی ہے شاہان فارس کے ایام میں بھی اس ملک کی مالی آمدنی بہت افراط سے ہوتی تھی چنانچہ کباد بن فیروز کے وقت میں ۱۵ کروڑ درہم اور کسریٰ بن قباد کے ایام میں اٹھائیس کروڑ ستر لاکھ درہم (۲) اور دیگر بادشاہان فارس کے ایام میں بارہ کروڑ درہم رہ چکے تھے اور یہ بھی اس رقم کے علاوہ تھی جو شاہان فارس کے دسترخوانوں کے مصارف کے لئے رعایا سے وصول کی جاتی اور جسکی مقدار تیس لاکھ درہم سالانہ تھی (۳) یہ خراج بلا کسی ظلم و جبر کے تحصیل کیا جاتا تھا۔ ہاں وہ لوگ آبپاشی کے ذریعے بہم پہنچانے کی طرف بہت توجہ رکھتے تھے نہریں کھدواتے بند بندھواتے اور پل تعمیر کراتے رہتے تھے وادی فرات زمین کی سیر حاصل ہونے اور پانی کی افراط کی وجہ سے وادی نیل کی ہمسر ہے۔ اور جطرح دریائے نیل میں طغیانی آیا کرتی ہے اسی انداز سے فرات اور دجلہ کے دریا بھی بڑھا کرتے ہیں فرق اتنا ہے کہ یہ دونوں شمال سے جنوب کی طرف بہتے ہیں اور جاڑوں کے موسم میں چڑھتے ہیں

(۱) ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۲۴۰۔ (۲) فخری ص ۱۵۷۔

اور نیل کا بہاؤ جنوب سے شمال رخ کی طرف اور اس کے بڑھنے کا موسم گرمی کا زمانہ ہے نیز سواد کا ملک سال دریا کا چڑھاؤ کم ہونے پر ٹوٹے پھوٹے پلوں اور بندوں کی درستی کا محتاج ہوتا ہے۔

اگلے زمانہ میں دریائے دجلہ کا دہانہ موجودہ زمانہ کے دہانے سے الگ تھا اون ایام میں وہ بغداد سے جنوب میں سلمان۔ قیر۔ عاقول۔ جرجرایا اور جابول ہوتا ہوا مذرایا تک سیدھا جاتا تھا اور وہاں سے پچھم رخ گھوم کر عودی چال سے فم الصلح اور واسط سے گذرتا ہوا ترائی میں گر کر فرات کے ساتھ ملجاتا تھا پھر وہ دونوں ملکر "کاسئے دجلہ" سے بصرہ کے قریب ملتے تھے اور وہاں سے بہہ کر خلیج فارس میں عبادان کے قریب گرتے تھے اس کے بعد ایک ایسا زمانہ آیا کہ وہ مقام مذرایا سے شرقی رخ کو پھر گیا اور بعد ازاں جنوب شرقی گوشہ کی سمت بہنے لگا جسحالت پر آجکل قائم ہے فرات کی دو شاخیں ہیں ایک کوفہ کے پہلو میں ہو کر نکلی تھی اور دوسری اسکی مشرقی سمت میں اور یہ دونوں شاخیں ترائی میں جا کر گرتی تھیں۔

(بطائح) بطائح ترائی کی ان سرزمینوں کو کہتے ہیں جن میں پانی کے چکر جابجا اور کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہوں یا بارش اور دریا کی طغیانی کے دنوں میں وہ پانی کے اندر ڈوبی رہتی ہوں یہ اراضی ملک عراق کے اس نشیبی حصہ میں واقع تھیں جو کوفہ اور بصرہ کے مابین ہے اس ترائی کے پیدا ہونے کا سبب یہ تھا کہ "قباد فیروز" شاہ فارس کے ایام میں مقام کسکر کے قریب دریائے دجلہ میں بڑے زور کا سیلاب آیا تھا اس کی روک تھام کی کوئی فکر نہیں کی گئی اور اسکے پانی نے پھیلکر اپنے دونوں کناروں کی بہت سی آباد زمین کو ڈبو دیا مشہور بادشاہ نوشیروان عادل کا زمانہ آیا تو اس نے بند بنوائے اور پانی کا پھیلاؤ روک کر دریا بروز مین کو آبادی اور زراعت کے قابل بنایا اس کے بعد اسکا بیٹا پرویز ملک سخت و تاج ہوا تو اس کے ایام میں بھی فرات اور دجلہ دونوں دریاؤں میں پھر سخت سیلاب آیا (یہ تیسرا زمانہ تھا) کہ اس سے پہلے ایسے بڑے سیلاب کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا پانی کے بہاؤ کا وہ زور تھا کہ دور دور تک زمین کو کاٹتا اور تباہ کرتا گیا پرویز نے اس سیلاب عظیم کا زور توڑنے کی بیحد فکر کی اور صرف ایک دن میں چالیس بند بنوائے مگر پانی کسی طرح نہیں رکا مجبوراً اسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا ابھی یہ صورت قائم ہی تھی کہ مسلمانوں نے ملک عراق پر فاتحانہ حملہ شروع کر دیا اور اہل فارس ان کے مقابلہ میں پسپا ہوتے گئے۔ سیلاب کی یہ کیفیت تھی کہ وہ جدھر رخ کرتا زمین کو درہم برہم کرتا چلا جاتا اور کسی کو اس کے روکنے کی طرف توجہ نہیں ہوتی کسان لوگ اس کے روکنے سے عاجز تھے اس لئے پانی بڑھتا گیا اور دریا بردار اراضی دریا بردہ ہوتی گئی (۱) مگر باوجود ان امور کے اس ترائی کی زمین نہایت خراج

(۱) قدامہ ۲۴۰ ۔

بہت زیادہ تھا چنانچہ معاویہ بن ابی سفیان کی خلافت میں عبداللہ بن دراج نے اس اراضی سے پچاس لاکھ درہم کی تو قیر حاصل کی (۱) مگر اموی حکمرانوں نے اس سرزمین کی اصلاح کرنے اور دریا برد اراضی سے نفع اٹھانے کی طرف بہت کم توجہ کی حجاج بن یوسف ملک عراق کا گورنر مقرر ہو کر جنگ و جدل میں پھنس گیا اور وسائل آبپاشی کی طرف متوجہ ہو کر ان کی اصلاح نہیں کر سکا اس کے ایام میں ایک اور سیلاب بھی آیا جس نے ترائی کا خطہ پہلے سے نسبتاً اور بڑھا دیا حجاج نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کو اس حادثہ کی اطلاع دی اور اسکے روکنے واسطے بند بنوانے کا تخمینہ پیش کیا جس کے مصارف تیس لاکھ درہم تخمینہ کئے تھے ولید نے اس تخمینہ کو بہت زیادہ تصور کیا تو اس کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک نے کہا "اچھا اگر آپ اس شرط کو منظور کریں کہ جن نشیبی زمینوں کے اندر اب پانی رہا کرتا ہے ان کے خراج کی آمدنی مجھ کو عطا فرمائے گا تو میں اپنے ذاتی روپیہ سے اسکے بند بنواتا ہوں اور آپ کے معتمد لوگوں کے ہاتھوں تمام مصارف کئے جائینگے" ولید اس بات پر راضی ہو گیا اور مسلمہ کو بہت سی سرزمینیں اور کئی ایک پرگنے اسطرح پر مل گئے مسلمہ نے دو نہریں کھدوائیں جنکا نام "سیحین" رکھا اجارہ داروں اور کاشتکاروں کو جمع کیا اور وہ سب اراضیاں آباد ہو گئیں چنانچہ ولید کو بھی اور اس کے بعد ہشام اس کے بیٹے کو اس سرزمین سے بہت بڑی مالی آمدنی ہوئی اور بنی امیہ کے اخیر وقت تک لوگ اسی دستور کے پابند رہے (۲) جسوقت خلافت کی باگ عباسیوں کے ہاتھوں میں آئی اور انہوں نے ملک سواد کو اپنی قلمرو کا مرکز اور دارالخلافت قرار دیا تو انہوں نے اپنی تمام توجہ وہاں کی زمین کو آباد بنانے اور نہریں کھدوانے اور پلوں کی تعمیر کرانے میں صرف کی یہانتک کہ سرزمین سواد میں نہروں کا جال بچھ گیا اور دجلہ و فرات کے بیچ کی سرزمین ایک غیر ممیز گنجان سوادبن گئی جس میں مدہائے فرات سے کاٹ کر نہریں لائی گئی تھیں (۳) اسی اندازہ پر ملک عراق کے تمام ضلعوں کا حال قیاس کرنا چاہیئے ملک عراق کی یہ سرسبزی اور زرخیزی صرف عباسیوں کے عہد میں ہوئی اور لوگوں کا باطمینان کاروبار میں مصروف ہونا اور خلفا کا زمین کے قابل زراعت ہونیکے ساتھ ہی اس کی آبادی میں کوشش کرنا اس بات کا موجب تھا۔

(خراسان) جن ملکوں میں خراج کی آمدنی بہت افراط کے ساتھ ہوتی تھی منجملہ ان کے ایک ملک خراسان بھی تھا وہاں کی زمین علاوہ سیر حاصل ہونے کے بہت وسیع بھی تھی اور خراسانی لوگ عباسی حکومت کے بہت بڑے مددگار اور جاں نثار تھے صرف خراسان کا خراج تقریباً ۴ کروڑ درہم تھا اور ملک عراق کا خراج اسپر اضافہ کیا جائے تو دونوں کی میزان مل کر تقریباً تمام قلمرو کی نصف آمدنی کے برابر

(۱) ماوردی ۱۷۱۔ (۲) قدامہ ۲۴۱۔ (۳) اصطخری ۸۳۔

ہوگی اسوجہ سے بنوعباس کی توجہ اپنے عروج کے ایام میں انہیں دونوں ملکوں اور تیسرے ملک حجاز کی طرف زیادہ رہتی تھی۔ عراق پر مالی آمدنی کے خیال سے توجہ تھی اور خراسان پر مالی آمدنی اور جاں نثار سپاہیوں اور ارکان سلطنت کے وہاں سے دستیاب ہونے کے لحاظ سے باقی رہا حجاز اسکی جانب نظر عنایت ہونیکی وجہ یہ تھی کہ خلافت کے استحکام کا مصدر اور بیعت کو قائم رکھنے والا در اصل وہی ملک تھا اس زمانہ میں ملک خراسان کے خوب آباد ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا۔ مقدسی نے عراق کے شہروں کا ذکر کرتے ہوئے اثنائے کلام میں کہا ہے اور وہ اس کی آبادی کا حال ذرا مبالغہ کے ساتھ لکھتا ہے "یہ ملک بغداد کے شہر ہیں مگر خراسان میں بہت سے گاؤں ایسے واقع ہیں جو ان شہروں سے بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں (۱)"۔ اکثر اوقات عباسی خلفاء تمام قلمرو کو خراسان ہی شمار کرتے تھے (۲)۔

خراسان کی ولائت میں بلاد ماوراء النہر بھی داخل تھا جو حد سے زائد سرسبز حاصل اور شاداب مقام تھا ابن حوقل اس کے بارہ میں لکھتا ہے "میں نے تمام اسلامی قلمرو میں کسی شہر کی ظاہری صورت اتنی اچھی نہیں دیکھی اور نہیں سنی جتنی شہر بخارا کی ظاہری صورت حسین معلوم ہوتی ہے اگر وہاں کے پرانے قلعوں پر چڑھ کر اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالی جائے تو دور دور تک ہر طرف صرف ہرے بھرے باغوں کے درختوں پر نظر پڑے گی جنکی سبزی آسمان کی نیلی رنگت کے کنارہ سے ملی ہوئی معلوم ہوگی اور نظر آئیگا کہ گویا آسمان ایک نیلگوں شامیانہ ہے جو سبز مخملی فرش پر تنا ہوا ہے اور ان کے بیچ بیچ میں شفاف مکانات اور عمارتیں اس طرح چمک رہی ہیں جیسے مطلیہ کی ڈھالیں طلوعی ستاروں کے نورانی اجرام جو مستوی اور مسطح باغوں کے آئینہ کی طرح ہموار زمین پر جڑے ہوئے ہیں" اور وہ کہتا ہے۔ جن مقاموں کو روئے زمین کے خوشنما منظر کہا جاتا ہے وہ سمرقند کا شہر سغد اور نہر ابلہ اور غوطۂ دمشق ہیں (۳) اور اس کے سوا اس پر رونق عہد میں تمام اسلامی شہروں کی آبادی بھی ایسی ہی قریب تھی (دیکھو مملکت اسلامیہ کا نقشہ جو اس کتاب میں درج کیا گیا ہے)

(مصر) عباسی حکومت کے زیر سایہ ملک کی آبادی میں ترقی ہونے کا حال کچھ حیرت خیز امر نہیں ہے اس میں کلام کہ عدالت امن و امان کی باعث ہے اور جب لوگ اپنی جانوں اور حقوق کو محفوظ پاتے ہیں تو بیفکر ہو کر کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں ملک آباد اور اہل ملک خوشحال ہوں تو خراج کا زیادہ ہونا بھی یقینی امر ہے اس کے متعلق صرف ملک مصر کی حالت اور اس کے ملکی محاصل کی تاریخ کا اعتبار کر لینا کافی ہوگا مورخین عرب کے متفقہ بیان کی سند پر اسلامی فتح کے وقت مصر کے رہنے والوں کی تعداد دو کروڑ آدمی تھی جبکہ ان دنوں کے لوگ دور از قیاس تصور کرتے ہیں اور ناممکن بتاتے ہیں اس مردم شماری کو زیادہ تعجب سے

(۱) مقدسی ۱۲۲۔ (۲) یعقوبی جلد ۲۔ صفحہ ۵۵۵ (۳) ابن حوقل ۳۷۵

دیکھنے والے پچھلی صدی کے لوگ تھے چنانچہ ڈاکٹر "کلوت بک" نے وادی نیل کی مردم شماری کا اندازہ اہل عرب کے خیال سے بیس ملین آدمی بیان کرکے اسپر اپنی رائے یوں ظاہر کی ہے کہ "یہ بات بعید الاحتمال ہے کیونکہ اس سرزمین کی قدرتی کیفیت ہرگز اسبات کو برداشت نہیں کرسکتی کہ وہاں کی مردم شماری مذکورہ تعداد کی ایک تہائی سے بھی بڑھ سکے (۱)" اور ہم آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ وادی نیل کی مردم شماری اس کے نصف یعنے دس ملین سے بھی زائد ہوچکی ہے اور برابر بڑھتی جاتی ہے۔

ڈاکٹر "کلوت بک" نے مذکورہ بالا مردم شماری کو اس وجہ سے زائد تصور کیا کہ ان کے عہد میں جبکہ انہوں نے اپنی کتاب تصنیف کی ہے یعنے ۱۸۴۲ء میں مصر کی مردم شماری صرف تیس لاکھ تھی اسکے علاوہ انہوں نے وادی نیل کی اس مردم شماری پر بھی حیرت ظاہر کی ہے جو خدیو محمد علی پاشا کے عہد میں تھی اور وہ ممالک کے عہد سے بہت بڑھی ہوئی تھی جسکی وجہ محمد علی پاشا کی مشہور عدالت اور ملک کو آباد رکھنے کی خواہش کہی جاسکتی ہے

اون سے قبل امرائے ممالیک کے ایام میں مصر کے باشندوں کی تعداد بیس لاکھ سے زیادہ تھی اور ہمارا گمان ہے کہ ان دنوں زمین کا زیر کاشت رقبہ بھی ایک ملین فدان سے کچھ ہی زیادہ رہا ہوگا ہمارے اس خیال کی وجہ امرائے ممالیک کا ظلم وستم ہے جو یقیناً ملک کی تباہی اور قلت آمدنی اور کمی آبادی کا موجب ہوتا ہے مگر محمد علی پاشا اور ان کے جانشینوں کے سایۂ عدالت میں وہاں کی مردم شماری اور زیر کاشت اراضی کا رقبہ بڑھنے لگا چنانچہ اسوقت پچپن لاکھ فدان زمین پر کھیتی ہوتی ہے اور دس ملین کے قریب مردم شماری کا نمبر ہے جو یومًا فیومًا ترقی کررہا ہے یہ ایک طبعی امر ہے کہ ملک کی آبادی کے ساتھ ہی ساتھ ملکی محاصل کی مقدار بھی بڑھتی ہے اور یہ دونوں امور بجز اصلی انصاف کے زیر سایہ رہنے کے اور کسی حالت میں حاصل نہیں ہوتے ہمارے اس بیان کی تصدیق یوں ہوسکتی ہے کہ ملک مصر کی مختلف حالتوں پر ایک غائر نگاہ ڈالی جائے اور دیکھا جائے کہ ہر حکومت اور ہر زمانہ میں اس کی کیا حالت رہی تو صاف نظر آئے گا کہ ہمارا قاعدہ کس قدر ٹھیک اترتا ہے مصر کی بہبودی راشدین کے زمانہ میں اسلامی دور کی سب سے بڑھی ہوئی حد کو پہنچ چکی تھی۔ عمرو بن العاص نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے وقت میں وہاں کا مالیہ ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تحصیل کئے مگر اس نے اسقدر خراج سختی اور جبر یہ برتاؤ سے بڑھایا تھا (۲) بنی امیہ کا زمانہ آیا اور عاملوں کے ظلم وستم کا زور ہوا تو خراج پھر کم ہوگیا ان کے ایام میں بشر بن صحاب اور کسی عامل نے تیس لاکھ دینار سے زائد نہیں وصول کئے ابن صحاب خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے عہد میں مصر کا عامل ہوا تھا اس نے وہاں کی مالی آمدنی چالیس لاکھ دینار تک پہنچادی کیونکہ اس نے مالیہ کے وصول کرنے میں

(۱) Afrosiyen. Sur. d. Egypte I. 165 (۲) ابن توقل ۸۸

اور اس کی مقدار بڑھانے میں نہایت کوشش سے کام لیا تھا عباسیوں کا دور آغاز ہونے پر ملک مصر کی دارالخلافت سے دور دراز فاصلہ پر واقع ہونیکی وجہ سے وہاں خراج میں کچھ نمایاں زیادتی نہیں ہوسکی اور وہی حالت قائم رہی جو بنی اُمیہ کے زمانہ میں رہتی آئی تھی پھر جس وقت عباسی حکومت کا تنزل ہونے لگا تو مصر کی مالی آمدنی اور بھی کم ہو چلی یہانتک کہ تیسری صدی ہجری کے چند ابتدائی برسوں میں وہاں کی آمدنی صرف آٹھ لاکھ دینار رہ گئی تھی پھر جبکہ ۲۵۷ھ میں ابن طولون والیٔ مصر مقرر ہوا تو اس نے وہاں کی حالت درست کرنے پر توجہ کی اور ملک کی آبادی اور سرسبزی کی تحقیقات کرائی جس کے سبب سے اسکے ایام میں مصر کی جبایت باوجود نرخ کی ارزانی کے چالیس لاکھ دینار تک پہنچگئی ارزانی کی یہ حالت تھی کہ دس اردب بھی ایک دینار کو آتی تھی (۱) بنی طولون اور خشیدی حکمرانوں کا زمانہ ختم ہونیکے بعد مصر میں فاطمیوں کا راج ہوا تو ۳۶۳ھ میں ساڑھے پانچ جوہر نے ستر لاکھ دینار مالیہ میں وصول کئے (۲) اور بہ صورت اراضی کا لگان بڑھانے سے ممکن ہوئی تھی اس کے بعد خراج کی مقدار حکومتوں کے تغیر و تبدل کے ساتھ کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتی رہی جس کی تفصیل موجب طوالت سمجھ کر ہم بیان نہیں کرتے۔

مصر کے جبایت کی جو سب سے آخر میں ہم کو معلوم ہوسکی وہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخری دور میں امرائے ممالیک کے عہد حکومت کے اندر ہوئی جس کا بیان اوپر آچکا ہے کیونکہ ان کے ایام میں باوجود حکموں کی زیادتی کے [illegible] کے ملکی محاصل بہت ہی کم تھے اور ۱۲۱۳ھ ۱۷۹۸ء میں گورنمنٹ مصر کی سب ذیل مالی رپورٹ تیار ہوئی تھی۔

وارد (آمد)

سیدہ - یا نصف	
۸۰۴۶۰۰۶۸	مال المیری ..... دیہات اور اوقاف پر
۱۰۸۷۰۷۷۳	// ..... ایزادیہ پر
۲۲۱۱۸۰۵	// ..... دستکاریوں اور کھانیکی چیزوں پر
۲۵۰۹۰۸۱	// ..... راسوں پر (آدمیوں پر فی کس)
۱۱۶۶۵۱۷۲۷	

خارج (خرچ)

سیدہ - یا نصف	
۲۹۳۹۲۴۷	بڑے عہدہ داروں کے اخراجات۔

۲۹۸۷۲۶۵۷ ..... فوج کے ..... اخراجات

۲۶۵۳۵۸۵ ..... متفرق اور مختلف ..... "

۸۴۳۸۹۹۴ ..... عالموں۔ تعلیم اور اوقاف کے ..... "

۱۳۸۹۲۱۳۹ ..... دینی لوگوں اور جامع مسجدوں وغیرہ کے ... "

۴۲۰۷۱۶۵۴ ..... حج کے مصارف۔

۹۹۸۶۸۲۷۶ - مصارف کی میزان جسکو اوپر والی آمدنی کی میزان سے منہا کیا جائیگا۔

۱۶۷۸۳۴۵۱ - باقی

جس باقی کیجانب اشارہ کیا گیا ہے اس کو "خزانہ" کہتے تھے اور ہر سال اسے استمانہ کو لیجاتے تھے مگر جبکہ مصر کے حاکموں نے سرکشی اختیار کی تو ان میں سے کسی نے اسے بالکل اڑا دینے کا اور کسی نے صرف کمی کرنے کا قصد کیا پھر آخر میں یہ صورت ہوئی کہ بانوے لاکھ تراسی ہزار چار سو اکیاون نصف اس طرح پر غیر معمولی مصارف کے نام سے اور بھی اڑا دیئے جاتے تھے ۔

میدہ۔ یا نصف

۳۰۰۰۰۰۰ ..... قاہرہ کے قلعوں کی ترمیم کے لئے

۱۵۰۰۰۰۰ ..... تمام ملک کے " " "

۲۰۰۰۰۰۰ ..... شکر اور اس کے برعکس چیزوں کی قیمتیں

۲۷۸۳۴۵۱ ..... دوسرے مصارف جو شیخ البلد کے حکم سے کئے جاتے ہیں

۹۲۸۳۴۵۱ ... میزان۔

اس لئے جبکہ اس رقم کو اوپر بیان کئے ہوئے "خزانہ" کی رقم سے منہا کیا جائے تو صرف ۷۵۰۰۰۰۰ میدہ باقی رہجاتے ہیں (۱)

بہرحال اس مقام پر ہمارے مقصود کا خلاصہ یہ ہے کہ ممالیک کے ایام میں آمدنی کی میزان کل گیارہ کروڑ چھیاسٹھ لاکھ اٹھیاون ہزار سات سو تیس نصف یا میدہ تھی ایک میدہ ان ایام میں تقریباً چار سنٹیم کے سادی تھا (۲) یا ۲۸ نصف ایک فرانک کے برابر ہوتے ہیں اس لئے اسوقت کے مصری ملکی محاصل کی قیمت فرانکوں کے اعتبار سے تقریباً اکتالیس لاکھ پچاس ہزار فرانک تھی اسکے ماسوا الزاموں کے نقود کی یہ قیمت ہمنے بیان کیا ہے آجکل کے نقود کی قیمت سے مختلف تھی اور اس اختلاف کا

(۱) Description de l'Egypte XII (۲) خطط التوفیقیہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۵ ...

قیاس نرخ کی ارزانی اور گرانی سے قائم کیا جاتا ہے ان دنوں بہتر کا ایک رطل گوشت سات نصفوں میں ملتا تھا اور ایک اردب جئی ۲۴۰ نصف میں آتی تھی (۱) لہٰذا اگر ہم ان چیزوں کو ان کی آجکل کی قیمت کی نسبت سے قیاس کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک میدہ یا نصف مصری قرش کے لیے حصہ کے برابر تھا اور اس اعتبار سے ممالیک کے وقت کی مصری جائت تقریباً ۵۸۰۰۰۰۰ قرش مصری یا ۵۸۰۰۰ گنی قرار پائیگی پھر جبکہ خدیوی کنبہ یہاں کا حکمران ہوا اور اس نے ملک کی آبادی پر توجہ مبذول کی تو اس کی جائت بھی بڑھنے لگی یہانتک کہ گذشتہ سال میں مصر کے ملکی محصول ۱۱۸۵۰۰۰۰ گنی یعنے ممالیک کے وقت کی جائت سے تقریباً بیس گنی زائد تھی حالانکہ وہی سرزمین ہے اور وہی نیل کا دریا اور ویسی ہی فصل اور اسی قسم کے موسم ہیں جو ممالیک کے عہد میں تھے پس ثابت ہو گیا کہ عدالت ہی ایک ایسا سبب ہے کہ اسکے سایہ میں آدمیوں کی کثرت اور ملک کی پیداوار اور دولتمندی میں ترقی ہوا کرتی ہے یہ ایک زبردست قانون قدرت ہے جس کے اندر کبھی تغیر آنا ممکن نہیں۔

(۳) لگان کا ثقل (بھاری ہونا)

عباسی عہد حکومت میں زمین کے مقررہ لگان کی شرح بھی ملکوں کے اختلاف کے ساتھ مختلف تھی کسی ملک میں وہاں کے پیمائشی رقبہ کے اعتبار سے لگان باندھا گیا تھا اور اس کا خیال نہیں کیا گیا تھا کہ آیا تمام زمینیں زیر کاشت رہینگی یا کچھ پرتی اور اوسر بنجر بھی ہونگی بلکہ زمین کے ایک معینہ پیمائشی رقبہ پر سالانہ ایک رقم واجب الادا ٹھہرادی گئی تھی خواہ اس میں کاشتکاری ہو یا نہو اور کہیں مقاسمت (بٹائی) کے لحاظ سے لگان کا تقرر ہوا تھا یعنے خراج کی رقم زمین کی پیداوار کا ایک حصہ ہوا کرتی تھی اس لئے جو اراضی زیر کاشت نہیں ہوتی تھی اُس پر خراج کا بھی مطالبہ نہیں کیا جاتا تھا ان پیمائشی اور بٹائی کے خراجوں کے مختلف مراتب اور درجے ہے جن کا مفصل بیان آگے آئیگا اور چونکہ ملک سواد (عراق) مملکت عباسی کا خراج کے لحاظ سے ایک قابل توجہ ملک تھا اسلئے ہم سب سے پہلے اس کا حال بیان کرتے ہیں۔

(**سواد**) جس وقت مسلمانوں نے اس ملک کو فتح کیا ہے تو اسوقت اس کا لگان پیمائشی رقبہ پر فی جریب کے اعتبار سے وصول کیا جاتا تھا ایک "جریب" زمین ساٹھ گز مربع کو اتنی ہی گزوں میں ضرب دینے سے پیمائش کی جاتی تھی یعنے ۳۶۰۰ گز مربع زمین کا رقبہ ایک جریب ہوتا تھا۔ فارسی کر

(۱) خطط توفیقیہ جلد ۲۰ صفحہ ۱۵۵

جریب پر ایک قفیز غلہ اور ایک درہم نقد وصول کیا کرتے تھے (۱) قفیز جریب کا دسواں حصہ ہوتا تھا اور وہ وزن کے اعتبار سے آٹھ رطل ہوتا تھا اس کی قیمت کا اندازہ تین درہم کیا جاتا تھا (۲) قفیز کے ذریعہ سے لگان کا وصول کرنا زمانہ جاہلیت میں بھی عام طور پر معروف تھا اسی کے متعلق زہیر ابن ابی سلمیٰ شاعر کا یہ قول ہے

تغل لکم ما لا تغل لاھلھا
قری بالعراق من قفیز و درھم

میں تم کو وہ حاصل فائدے دیتا ہوں جو اہل عراق کے دیہات اپنے باشندوں کو قفیز اور درہم کے ذریعہ سے (محصل نہیں دیتے۔

پس اگر ہم ایک قفیز تین درہموں کا اعتبار کریں تو ایک جریب اراضی کا پیداوار تیس درہم قرار پائینگے جس پر چار درہم سرکاری لگان بندھتا تھا یعنے فی صدی صرف ۱۳ ۱/۳ اور یہ بہت ہلکی شرح لگان کی ہے بشرطیکہ صد بالکہ پیداوار جریب زمین غیر مزروعہ سمجھی جاتی ہوتی جس کا خراج ہی مالکان اراضی کو اسی شرح سے دینا پڑتا تھا

جس وقت حضرت عمرؓ کے عہد میں ملک سواد مفتوح ہوا اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ اہل فارس اس کی جریب اسطرح وصول کرتے تھے تو انہوں نے اسکے پیمائش کئے جانے کا حکم دیا اراضی کی پیمائش کی گئی اور اقسام زراعت کے اعتبار سے اس کی تعدیل بھی ہوئی جسکا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے گیہوں کی پیداوار پر اہل فارس کے ایام کا خراج بدستور قائم رکھا یعنے وہی فی جریب ایک قفیز اور ایک درہم نقد یا چار درہم چھواروں پر پانچ درہم اور جو پر صرف دو درہم لکھی اور آدمیوں پر فی کس حسب حیثیت ۱۲-۲۴ اور ۴۸ درہم مقرر کئے جس سے عورتوں اور بچوں کو خارج کر دیا تھا (۳) انکے زمانہ میں ملک عراق کے عامل وہاں کے پیمائشی رقبہ کے ..... ۳۰ جریب ہونیکے اعتبار سے ..... ۱۲ درہم مالیہ وصول کیا کرتے تھے راشدین کے ایام میں ملک سواد برابر آباد رہا اور وہاں کی اراضی کا زیادہ تر حصہ زیر کاشت رہتا آیا مگر جبکہ عثمانؓ کی شہادت کے بعد فتنہ و فساد برپا ہوا تو مسلمان لوگ خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو گئے اور بنو امیہ کے زمانہ تک انہیں اس سے نجات نہیں ملی پھر امیر معاویہؓ اور حجاج وغیرہ کے ایام میں وہاں کا مالیہ بھی بڑھا دیا گیا تو سواد کے باشندوں نے کھیتی باڑی کا شغل ترک کر دیا جس کا بیان اوپر آچکا ہے پھر بھی باوجود اس کے حجاج نے وہاں کا مالیہ تقریباً عمرؓ کے زمانہ کے برابر وصول کیا تھا لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس نے اس کیلئے ظلم و ستم کا برتاؤ کیا ہوگا کیونکہ اراضی کے مالک سے اس زمین کا بھی خراج مانگا جاتا تھا جس کا تردد اس نے نہ کیا ہو اور جب کوئی اپنے ذمہ کا پورا لگان ادا نہیں کرتا تھا تو وہ سال بسال اس کے ذمہ قرض کے طور پر چڑھتا جاتا اور آخر میں اُسپر ایک بھاری بوجھ ہو جاتا جس کے سبب سے وہ بڑی بھاری آفت میں پھنس جاتا بدیں وجہ ملک ویران ہو گیا اور وہاں کے باشندے

(۱) ماوردی ۱۶۵ (۲) ماوردی ۱۴۱-۱۴۳ (۳) کتاب الخراج ابی یوسف ۲۰ - ۱ رطل نصف سیر آٹھ رطل = ۴ شمار ÷

گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حجاج کے بعد بھی عراق کے اکثر عاملوں نے یہی وطیرہ اختیار کیا یعنی کہ زمینداروں نے مجبور ہو کر "الجاء" کا ڈھنگ نکالا جس کا بیان آگے آویگا اور یہ تمام امور اس عداوت کے علاوہ تھے جو بنی امیہ کے عربی تعصب اور غیر اقوام سے باوجود مسلمان ہونے کے بھی نفرت اور حقارت کا برتاؤ کرنے سے اہل سواد وغیرہ کے دلوں میں انکی طرف سے جم گئی تھی۔

اسی وجہ سے جبکہ ۱۳۲ھ میں خلافت کی باگ عباسیوں کے قبضۂ اقتدار میں آئی تو انہوں نے خصوصیت کے ساتھ ملک سواد کی جانب اپنی توجہ مبذول کی سب سے پہلے جس عباسی خلیفہ نے اُسپر توجہ کی وہ منصور تھا اس نے ملک سواد کی حالت پر نظر ڈالی تو اُسے معلوم ہوا کہ وہ قریب قریب ویران ہو چکا ہے لہذا منصور نے یہ رائے قائم کی کہ ایسی حالت میں اس ملک پر پیمائشی (قبضہ کے لحاظ سے خراج کا قائم رکھنا سخت ظلم ہے پس اس نے گیہوں اور جو کا خراج بٹائی کے لحاظ سے مقرر کیا (اور یہی دونوں جنسیں ملک عراق کی بیشتر پیداواریں تھیں) یعنے اس نے قرار دیا کہ اگر زمین کا تزوہ کیا جائے تو اس کی پیداوار سے خراج بھی وصول ہو ورنہ کچھ نہ لیا جائے اور بہت تھوڑی مقدار غلوں اور کھجور کے باغوں اور دوسرے میوہ دار درختوں کی پیمائش کے لحاظ سے بھی باجگذار باقی رکھی تاکہ گو ہم کو اس بات کا علم نہیں ہوا کہ اس نے بٹائی میں بیت المال کا کتنا حصہ مقرر کیا تھا مگر ہم یہ بات جانتے ہیں کہ منصور کے بیٹے مہدی نے (جو ۱۵۸ھ سے ۱۶۹ھ تک حکمران رہا) اس کی تعیین اور تحدید کی تھی اس نے ان اراضیوں میں جنکی آبپاشی بلا کسی محنت کے ہو سکتی تھی نصف پیداوار اور جو زمینیں جس سے سیراب کی جاتی تھیں انمیں تہائی اور جو سینچی جانے والی اراضیوں میں جو تہائی حصے بٹائی کے قرار دیئے تھے کھجور کے درختوں انگوروں اور دوسرے میوہ دار درختوں کا خراج بدستور پیمائشی رقبہ پر قائم رکھا تھا اور ایسے درختوں کی پیداوار کو بازاروں یا منڈیوں کی دوری یا نزدیکی کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فضل و علے بنایا تھا۔ مہدی نے اس انتظام کو اپنے وزیر "معاویہ بن یسار" کے مشورہ سے جاری کیا تھا (۱) لہذا ملک عراق کے خراج سے تقریباً اس کی نصف پیداوار مراد تھی کیونکہ اس کی اراضی کا بیشتر حصہ بلا کسی مزید دقت کے سیراب ہوتا تھا اور گو یہ ایک بھاری لگان کی شرح تھی لیکن اسوقت میں لوگوں نے اسی کو خدا کی رحمت سمجھا تھا۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "مہدی" یا "رشید" نے مذکورہ بالا خراج پر عشر کی مقدار اور بھی اضافہ کر دی تھی پس ملک عراق کا خراج اس کی پیداوار کا نصف اور دسواں حصہ یعنے ۲/۱۰ (پانچ بٹے دس حصہ) رعایا سے وصول کیا جاتا تھا ۱۹۲ھ تک یہ دستور قائم رہا اسکے بعد خلیفہ رشید نے عشر

(۱) ابو یوسف ۱۶۸۔ فخری ۱۶۴۔ اور بلاذری ۲۹۱ ۔

معاف کرکے پھر وہی نصف حصہ پیداوار کا قائم رہنے دیا (۱) ۲۱۰ھ تک ملک سواد کے باشندے برابر نصف پیداوار خراج میں حکومت کو دیتے رہے اور اس کے بعد خلیفہ مامون نے اسکی مقدار گھٹا کر صرف دو خمس کردی (۲) گویا اس نے بیس فی صدی مقدار خراج کو کم کر دیا اس نے ملک سواد کے علاوہ چند دیگر ملکوں کا خراج بھی ہلکا کر دیا مثلاً ملک "رے" کہ جب ۲۱۰ھ میں وہاں گیا اور کچھ دنوں قیام کیا تو اس ملک کے خراج میں تخفیف کئے جانے کا فرمان صادر کر دیا۔ مامون ملک "رے" سے واپس ہوا اور "قم" کے ہشندوں کو یہ خبر ملی کہ "رے" میں خلیفہ نے خراج کم کر دیا ہے تو انہوں نے بھی دربار خلافت میں نظر پیش کرکے اپنے ذمہ کے خراج کو کم کرانے کی درخواست دی اور خلیفہ مامون نے اسے نامنظور کیا جسپر وہ لوگ باغی ہو گئے اور خراج دینا بند کر دیا جس کی مقدار ۲۰۰۰۰۰۰ درہم تھی مامون نے انپر فوجکشی کرکے انہیں مغلوب کیا اور سزا دینے کے طور پر اس سال ان سے ۰۰۰۰۰۰ درہم وصول کئے (۳)۔

یہاں تک جسقدر بیان ہوا ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوا ہوگا کہ ملک عراق کا لگان بہ نسبت راشدین کے زمانہ کے جو بلحاظ پیمائش کے تہائی عباسیوں کے دور میں بہت بھاری ہو گیا کیونکہ راشدین ایک جریب اراضی پر چار درہم وصول کیا کرتے تھے اور مصری ایک فدان کے ساتھ ایک جریب کی نسبت ایسی ہے جیسی ۱۲۶۰ : ۴۲۰ یا ۱۰۰ : ۳۳۳ ۱/۳ کی اسلئے اگر ایک جریب پر چار درہم لگان تہا تو ایک فدان پر ۱۳ ۱/۳ درہم ہوگا۔ اور یہ مزروعہ زمین کا لحاظ کرتے ہوئے بہت خفیف لگان ہے لیکن اگر اس خیال سے دیکھا جائے کہ پرتی اور غیر مزروعہ اراضی پر بھی اسی حساب سے خراج لیا جاتا تہا تو یہ مقدار بہت زیادہ متصور ہوگی اور ممکن ہے کہ دونوں حالتوں میں اوسط ایک ہی برآمد ہو اسپر یوں استدلال ہو سکتا ہے کہ جو فرق عہد راشدین کے پیمائشی خراج اور اس کی کثرت کے زمانہ میں تاتاری کے خراجوں کی توفیر میں پایا جاتا ہے وہ کچھ قابل لحاظ نہیں ہے تاہم ان دونوں کے دیکھتے ہوئے ملک سواد کے وہ محصول ہمیشہ بہت گراں نظر آئینگے یہانتک کہ مامون کے عہد میں ہی انکا تسہیل ہونا تسلیم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس وقت ملک عراق میں کوئی قطعہ اراضی کا ایسا نہیں ہے جہاں لگان اس کی پیداوار کے پانچویں حصہ سے بڑھ کر ہو اور بہت بڑا حصہ وہاں کی اراضی کا ایسا ہے جسپر صرف دسواں حصہ لیا جاتا ہے لبنان کے ملک میں گو بظاہر پیمائشی رقبہ پر لگان تجویز ہوا ہے لیکن اس کی بنیاد بٹائی کے اصول پر ہے۔ کیونکہ مسلمان حکمرانوں نے وہاں کی زمین کو پیمائش کرنیکے بعد مختلف حصوں

(۱) طبری صفحہ ۶۰۷ جلد ۳ ۔ (۲) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۴۸ ۔ (۳) فخری ۱۹۸ و ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۴۷ و طبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۹۳ و (۳) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۹۳ ۔

اور درختوں کی کاشت اور لگانے کے اعتبار سے اسے چار قسموں پر منقسم کر دیا تھا جس اراضی میں ایک "کیل" (پیمانہ) زیتون یا ایک "بوجہ" شہتوت کی پتیاں یا ایک "بذار" مد (پیمانہ) جئی یا اس کی جنس پیدا ہوتی تھی جس کی قیمت ۳۶۰ قرش کے مساوی ہو اسکا نام "سہم" رکھا تھا اور "ہر سہم" پر دونے اکیس قرش لگان مقرر کیا تھا اور اسطرح پیداوار پر صرف فیصدی چھ خراج کی مقدار قرار پاتی ہے۔

(مصر۔ ملک مصر کی حالت سیر حاصل ہونے میں ملک عراق کے قریب قریب ہے اس کا لگان بھی پیمائشی رقبہ کے اعتبار سے بحساب فدان مقرر کیا گیا تھا اسکے رقبہ میں ایک فدان اراضی کی پیمائش ۴۰۰ قصبہ تھی ایک قصبہ تجار کے گز سے ۵ گز اور کپڑا ناپنے کے گز سے ۲½ گز ہوتا تھا(۱) اور آجکل گورنمنٹ مصر کے عرف (اصطلاح) میں ایک فدان ۱/۳ ۳۳۳ قصبہ کے برابر ہے اور ایک قصبہ ۳۵۵ میٹر مربع کا جسکو مربع میٹروں میں تبدیل کرنے سے ایک فدان ۴۲۰۰ مربع میٹر یا اس سے کسی قدر کم و بیش قرار پاتا ہے (۲)۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مصری لوگ جو امیہ کے دور میں بسبب اضافہ لگان کیسے ظلم و ستم برداشت کرتے تھے لہذا جس وقت یہ ملک عباسی حکومت کے قبضہ میں آیا تو اس کا بیشتر حصہ بالکل ویران اور تباہ تھا جسکی اصلی وجہ بنو امیہ کے عاملوں کی سختی اور خراج کے بڑھانے میں ظلم کو روا رکھنا کہا جا سکتا ہے امویوں کے جن عاملوں نے مصر کے خراج میں اضافہ کیا ان میں عبداللہ حجاب کا نام بہت مشہور ہے ہشام بن عبدالملک کے ایام میں مصر کا عامل تھا اس نے قبطیوں پر فی دینار صرف ایک قیراط کا اضافہ کیا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے مگر اسکا نتیجہ بہت سخت اور عام بغاوت تھی اسکے علاوہ بھی عاملوں کی سخت گیری سے مصر میں اکثر متواتر بغاوتیں ہوتی رہیں عباسیوں کی حکومت کا دور شروع ہونے پر انہوں نے بھی ملک مصر میں عامل مقرر کئے مگر چونکہ وادی نیل ان کے مرکز خلافت سے بہت دور واقع تھی اسلئے وہاں کے عاملوں کے چالچلن کی اتنی نگرانی نہیں کر سکتے تھے جتنا کہ ملک عراق کے عمال کی کرتے تھے چنانچہ دولت عباسیہ کے آغاز اور بالخصوص بھی مصری عمال خراج میں اضافہ اور اس کے وصول کرنے میں جبر و تعدی سے کام لیتے رہے چنانچہ منصور کے آخری زمانہ ۱۵۶ھ کے اندر موسیٰ بن علی اور مہدی کے دور حکومت میں موسیٰ بن مصعب نے خراج کی مقدار بڑھا کر بہت سختی کے ساتھ اسے وصول بھی کیا(۳) ممکن ہے کہ یہ حرکت خود خلیفہ کے اشارہ سے کیگئی ہو کیونکہ جیسا معلوم ہو چکا ہے خود مہدی نے عراق کے لوگوں پر بھی خراج کا اضافہ کیا تھا۔

(۱) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۱۰۳ (۲) قوانین عقاریہ (حقیقت) صفحہ ۱۹ (۳) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۳۰۸

خلیفہ مامون کے عہد میں جو ثروت اسلامی کے کمال اور عروج کا عہد تھا مصر کا لگان ایک فدان عامی پر دو دینار تھا (۱) اور یہ رقم زمانۂ موجودہ کے خراج پر نظر کرتے ہوئے اس اعتبار سے زائد ہے کہ اندلس اور آجکل کے نرخ اشیاء میں بہت بڑا تفاوت ہے۔ آجکل مصر کی خراجی (لگانی) زمینوں پر محصول کی مقدار بلحاظ اسکے مدارج سیر حاصل ہونے کے جدا جدا ہے اور گو موجودہ لگان پیمائشی رقبہ کے لحاظ سے لیا جاتا ہے لیکن اسکی بنیاد دراصل بٹائی کے اصول پر ہے اندلس ملک مصر کئی ناحیوں پر تقسیم کیا گیا ہے جن کا لگان زمین کی زرخیزی کی مختلف نوعیتوں کی رو سے جداگانہ قرار پایا ہے سب سے زیادہ سیر حاصل زراعت میں ایک فدان زمین کا خراج ۸۰ قرش سے زائد نہیں (۲) اور ایسی زمینیں بہت ہی کم ہیں اکثر آراضیاں تقریباً فی فدان سو قرش لگان کے قابل ہیں اور بعض قطعات تو ایسے ہیں کہ انکا لگان فی فدان صرف بیس یا دس قرش ہوتا ہے اور اگر ہم خراج کے لحاظ سے پیداوار کی حالت پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ وہ تقریباً پیداوار کا پانچواں حصہ ہوتا ہے کیونکہ مثلاً جس فدان کا لگان سو قرش ہے وہ پانچ یا چھ گنیوں پر ضمانت میں دیا جاتا ہے۔

ہم ملک مصر کے تمام فدانوں کے خراج کا اوسط نکالیں تو وہ فی فدان ۸۵ قرش سے نہیں بڑھیگا کیونکہ مصر میں تقریباً ۵۵۰۰۰۰۰ فدان زمین زیر کاشت ہے جو لگان سالگذشتہ میں چھیالیس لاکھ بادن ہزار پانچسو مترگنی وصول ہوا تھا (۳) اسطرح پر ایک فدان کا لگان پرتہ سے قریب ۸۵ قرش کے پڑتا ہے اور پہلے کسی جگہ اسبات کا ذکر آچکا ہے کہ اس زمانہ کا ایک قرش موجودہ زمانہ کے تین قرشوں کے برابر ہوتا ہے اسلیئے ایک فدان اراضی کا خراج دو دینار ہو مامون کے عہد میں تھا اس زمانہ کے چھ دیناروں کے ہم پلہ ہوگا یا تین گنیوں کے برابر۔ لہذا مصر کا وہ خراج جو مامون کے ایام میں تھا آجکل کے محاصل سے کچھ زائد سمجھنا چاہیئے۔

گر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملک مصر میں خراج کا اضافہ خلیفہ مامون کے عہد کے بعد میں شروع ہوا یہانتک کہ جب تقریباً چوتھی صدی ہجری کے وسط میں "سپہ سالار" جوہر نے اسے فاطمی خلفاء کے نام سے فتح کیا تو اس نے وہاں کا لگان ایک فدان پر ۳½ دینار پایا تھا جس کو اس نے اور بڑھا کر سات دینار کر دیا (۴) اور اس میں شک نہیں کہ یہ آخری مقدار بہت زیادہ تھی۔

علامہ مقدسی نے اپنی کتاب "احسن التقاسیم" میں تحریر کیا ہے کہ مصر میں خراج کی کوئی معین شرح

(۱) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۹۹ - (۲) قوانین عثمانیہ صفحہ ۱۶۴ - اور اسکے بعد کے صفحے (۳) ملک مصر کے آمد و خرچ کا گوشوارہ بابت ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۱ - (۴) ابن خلکان ۱۰۸ ۔

نہیں ہے بلکہ کاشتکار سلطان سے پٹہ پر زمین لیتا ہے اور زراعت کرتا ہے فصل تیار ہونے پر اُسے کاٹ پیٹ اور پچھوڑ کر غلہ کی راس لگا کر چھوڑ دیتا ہے جس کے بعد سلطان کے خوانچی اور امین آکر زمین کا محصول طے کر کے لے لیتے ہیں اور جو کچھ باقی رہتا ہے وہ کاشتکار کو دے دیا جاتا ہے۔" مگر یہ صورت محض انہیں اراضیوں کے ساتھ مخصوص تھی جن کی قبولیت خود حکومت لیتی تھی ان زمینوں کا کوئی مالک نہیں تھا وہ دراصل اون رومی سپاہیوں اور عاملوں کی ملک تھیں جو مسلمانوں سے جنگ کرنے میں قتل ہو چکے تھے یا بھاگ گئے تھے لہٰذا ان کی املاک بیت المال کا حق حلال ہو گئی تھی اور حاکم ہی اون زمینوں کو بطور خود کاشتکاروں کو لگان پر دیتا اور ان کا معاملہ غلہ یا نقد کی صورت میں وصول کیا کرتا

(دیگر ممالک) دوسرے ملکوں میں سے بعض کا لگان پیمائشی رقبہ کے حساب سے لیا جاتا تھا اور پند ملکوں کا لگان بٹائی کی شرح سے بھی وصول ہوتا تھا مثلاً ملک فارس کے مقامات کا خراج تین قسموں کا پایا جاتا ہے کہیں بٹائی سے اور کسی جگہ پیمائشی رقبہ کے لحاظ سے اور کسی مقام پر قانونی حیثیت سے خراج کا تقرر تھا تیسری قسم میں جاگیریں داخل نہیں کہ ان کے مالکوں کو ایک مقررہ قسم ادا کرنی واجب تھی جو بہت کم ہوتی تھی پھر بھی فارس کے اکثر علاقہ کا خراج پیمائشی رقبہ پر تھا اور ہر شہر کی حیثیت پر لحاظ کر کے وہاں کی زمینوں کا مختلف لگان مقرر کیا گیا تھا شیراز کا لگان سب مقاموں سے زیادہ ثقیل تھا(۱) وہاں ایک جریب گیہوں یا جو کی زمین پر ۱۹۰ درہم خرموں اور خربوزوں کی ایک جریب زمین پر ۲۳۷½ درہم۔ روئی کی اراضی پر فی جریب ۲۵۶ درہم اور چاول اور انگوروں کی اراضی پر فی جریب ۱۴۲۵ درہم لگان مقرر تھا اور وہاں کی جریب بڑی تھی یعنے ملک کے گزوں سے ستر گز کی ایک جریب اور نو ہیوں کا ایک گز ہوتا تھا(۲) اسلئے وہاں کی ایک جریب عراق کی دو جریبوں کے برابر بھی تسلیم کر لیجائے تب بھی مذکورہ بالا خراج بہت بھاری رہیگا چوتھی صدی ہجری کے وسط میں اون ممالک کا خراج یہی تھا جس کو ہمنے ذکر کیا اور ہم کو اسباب سے آگاہی نہیں ہوئی کہ مامون کے عہد میں اس کی مقدار کیا تھی۔

اسی طرح جو اغالبہ کے ایام میں ممالک مغرب کا خراج بھی بہت ثقیل ہو گیا تھا عباس بن ابراہیم بن اغلب کے زمانہ میں ایک فدان کا معاملہ ۱۸ دینار تھا(۳) اور ہمارا گمان ہے کہ اس قسم کا معاملہ مالکان اراضی کو زیادہ عرصہ تک نہیں ادا کرنا پڑتا تھا بلکہ اچھے برے برسوں اور حالتوں کے تغیر کے ساتھ اس کی مقدار بھی بدلتی رہی ہوگی ورنہ ہمیشہ اس کا تحمل ناممکن تھا۔

خلاصہ اس تمام بیان کا یہ ہے کہ گو عباسیوں کے ابتدائی زمانہ میں خراج بہت بھاری تھا

(۱) اصطخری ۱۵۷۔ (۲) مقدسی ۴۵۔ (۳) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۵۔

لیکن اسی کے ساتھ اس کے ادا ہو جانے میں کسی قسم کی دقت نہیں پیش آتی تھی اور لوگ اس کے زیادہ ہونے کی شکائت بھی بہت کم کرتے تھے اکثر ایسا ہوا ہے کہ کسی عامل نے کئی ملین درہم صرف چند دنوں میں بہت آسانی کے ساتھ وصول اور جمع کر لئے ہیں ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ خلیفہ مامون دمشق کی جانب گیا جہاں اس کا بھائی معتصم اس کی طرف سے عامل مقرر تھا اور اس کے پاس روپیہ کا توڑا ہو گیا تھا مامون نے اسبات کی شکائت معتصم سے کی کہ میرے ساتھ خزانہ بہت کم ہے اور مصارف کے لئے روپیہ کی ضرورت ہو گی معتصم نے جواب دیا "امیر المومنین آپ مطمئن رہیں ایک جمعہ (ہفتہ) کے بعد جتنا روپیہ آپکو درکار ہو ملجائیگا" اور اس نے فوراً خراجی رقمیں وصول کرنی شروع کیں دو تین دن بعد تین کروڑ درہم اپنی ولایت کے خراج میں سے لاکر خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دیئے جنکا بہت سا حصہ خلیفہ نے کہڑے کہڑے ہی انعام و اکرام میں تقسیم کر ڈالا (۱) ٭

جبائیت کے دوسرے مصادر (ذریعے)

اپنے موضوع بحث کو تمام کرنے کیلئے اگر ہم حکومت عباسیہ کے پہلے دور کی جبائت کے مصادر بھی اشارۃً بیان کر دیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا جو حسب ذیل ہیں :-

اول (اعشار السفن) یہ ایک اہم ٹیکس (محصول تھا) جسکی آمدنی سے بہت بڑی رقم بیت المال میں داخل ہوتی رہتی تھی اور گو اس کی تفصیل ہمارے ہاتھ نہیں لگی اور نہ ہمیں اس بات کا علم ہوا کہ اس مد میں عباسی حکومت کی آمدنی کس مقدار تک ہوتی تھی لیکن اس زمانہ میں عراق اور تمام اطراف عالم (جیسے کہ ہند اور چین بھی) کے مابین تجارت کو ہمارے علم میں جسقدر وسعت حاصل تھی اسپر لحاظ کر کے کہا جا سکتا ہے کہ جہازات کی تعداد بہت زائد رہی ہوگی اور انپر بہت قیمتی سامان تجارت کا بار کیا جاتا تھا چھٹی صدی ہجری کے صرف ایک بصری تاجر حسن بن عباس کی بابت بیان کیا گیا ہے کہ اس کے جو جہازات ہند اور چین کے دور دراز ملکوں کو جایا کرتے تھے انہیں کے محصولوں کی سالانہ مقدار ۱۰۰۰۰ دینار تک پہنچ گئی تھی (۲) اسی ایک تاجر کی حالت پر اعتبار کر کے اگر بصرہ یا دوسرے ثغور اسلام کے تاجروں کا بھی قیاس کیا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ بعض مقامات کی آمدنی کا بیشتر حصہ جہازات کے عشر رہے ہونگے چنانچہ چوتھی صدی میں اسی مد کا ٹیکہ دو لاکھ دینار پر ہوا تھا (۳) اور چھٹی صدی میں

(۱) البری جلد ۳ صفحہ ۱۱۴۳ - ابن اثیر - ابی الفدا - اور فخری نے اس مال کی مقدار تیس ہزار ہزار درہم لکھی ہے مگر ہماری رائے میں یہ کا تبوں کی غلطی ہے - مؤلف - (۲) ابن حوقل (حاشیہ) - (۳) ابن حوقل ۲۰ ؎ ٭

ایک لاکھ چودہ ہزار دینار کا ٹیکہ تھا (۱) یہ بات مخفی نہیں کہ مابعد کے زمانہ سے خاص عباسی عہد حکومت میں نسبتاً جہازوں کے عشر کی آمدنی بہت کم ہوتی تھی کیونکہ ہمنے علی بن عیسےٰ کے جریدہ (رپورٹ) میں جو اس نے ۳۰۱ھ کے اندر خلیفہ مقتدر کے واسطے تیار کیا تھا یہ لکھا دیکھا ہے کہ "بصرہ" میں جہازوں کے محصول کی سالانہ آمدنی بائیس ہزار پانچسو پچہتر دینار تک پہنچ گئی تھی اور پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اس کے دو صدی بعد وہیں کے صرف ایک تاجر سے اس رقم کا کئی گنا زیادہ محصول ملتا تھا۔

دوم۔ (معدنی پیداوار کے خمس) اہل اسلام کے نزدیک معادن کی دو قسمیں تھیں ایک ظاہری دوسرے باطنی۔ ظاہری معادن وہ تھے جن کے جوہر (پیداوار) نمود اور کھلے ہوئے رہتے تھے مثلاً سنگ سرمہ۔ نمک۔ قار۔ کوئلہ اور نفط کی کانیں ان چیزوں میں حکومت کو حصہ لینا جائز نہ تھا بلکہ یہ سب پانی اور ہوا کی طرح عام و خاص کے نفع اٹھانے پر وقف تھے جتنا جی چاہتا اپنی ضرورت کے موافق لے لیتا تھا مگر باطنی معادن سے وہ کانیں مقصود تھیں جن کے جوہر ان کی تہ میں مخفی رہتے تھے حکومت انکے نکالنے والوں سے اپنا حق لیتی تھی اور وہ برآمد شدہ جوہر کا پانچواں حصہ ہوتا تھا (۲) عباسی قلمرو کی وسعت کے لحاظ سے اس میں سونے چاندی۔ تانبے۔ پارے۔ فیروزے اور زبرجد وغیرہ ہر ایک دھات اور جواہر کی بے شمار کانیں موجود تھیں چنانچہ اس مقام پر ان کی چند مثالیں اور ان کے پائے جانے کے مقامات کا ذکر ہی کیا جاتا ہے۔ خراسان میں سونا۔ چاندی۔ فیروزہ۔ سنگ مرمر۔ گل مختوم نوشادر اور پارے کی کانیں تھیں (۳) ماوراءالنہر میں سونا چاندی اور ایسے پارہ کی کان تھی جس کی جھلی اور کثرت کا مقابلہ کوئی معدن نہیں کر سکتا تھا (۴) بلاد فارس پر عام طور پر چاندی۔ لوہا۔ سیسہ گندھک۔ نفط پیتل اور پارے کی کانیں تھیں اور اصفہان کے مغربی خطہ میں سنگ سرمہ کی کان تھی (۵) ولایت کرمان میں ایک شہر "دمندان" نامی تھا اس کی اطراف میں۔ سونے۔ چاندی۔ لوہے تانبے نوشادر اور پیتل کی کانیں بکثرت تھیں (۶) اسی قسم معدنی پیداواروں کے مقامات میں شمالی افریقیہ کے سواحل پر دریا کے اندر مونگے کی کانیں تھیں اور ان سے جو مال برآمد ہوتا تھا وہ اتنا زائد ہوتا کہ محض ایک ہی ایک جگہ سے بچاس سر یا اس سے زائد ڈونگیاں بھر لی جاتی تھیں اور ہر ڈونگی میں بیس رطل (۷) مونگا سماتا تھا۔ ملک شام (سریا) میں ہیرے کے قریب لوہے کی کانیں۔ حلب میں عمدہ گیرو مٹی کی کانیں کسی اور مقام پر سنگ سرخ کے پہاڑ فلسطین میں سنگ مرمر کی اور اغوار میں گندھک کی کانیں موجود تھیں (۸)

(۱) ابن حوقل (۲ حاشیہ) (۲) ماوردی ۱۸۷ (۳) مقدسی ۲۲۶ (۴) ابن حوقل ۳۳۷ (۵) اصطخری ۱۱۵ و ۱۱۶
(۶) ابن الفقیہ ۳۰۶ - (۷) ابن حوقل ۵۱ - (۸) مقدسی ۱۸۴ ؛

ملک مصر کی سرزمین سعید میں پہاڑی کی پیداوار بافراط تھی اہل عرب اسے کانوں سے نکال نکال کر ساحل بحیرہ اسیوط اور بہنسا میں لاتے اور ان مقامات سے جہازوں اور کشتیوں پر بار کرکے جن ایام میں دریائے نیل جوش پر آتا تھا اسکندریہ کو لیجاتے اور وہاں فی قنطار چار سے چھ دینار تک کے نرخ سے رومی تاجروں کے ہاتھ فروخت کیا کرتے تھے اندازہ کیا گیا ہے کہ بارہ ہزار قنطار کے قریب اس مال کی نکاسی ہوتی تھی اسی طرح نیل کے مغربی میدانوں میں اور دوسرے مقامات پر بھی نظروں کی پیداوار سے ہر سال دس ہزار قنطار برآمد ہوتے تھے اور بعض حالتوں میں اسکا ٹھیکہ پندرہ ہزار یا بیس دینار تک دیا جاتا تھا (۱) ممالک نوبہ میں اسوان کے محاذی جو مقامات واقع ہیں وہاں کے سونے کی کانیں مشہور ہیں ابن حوقل کا بیان ہے کہ معدنی پیداوار ان سرزمین مصر میں نہیں تھیں بلکہ جاوہ کی اس اسامنی میں پائی جاتی تھیں جو عذاب تک پھیلتی چلی گئی ہے وہ کشادہ اور سطح زمین کا خطہ تھا جس میں پہاڑوں کا وجود نہ تھا اور ریت اور سنگریزے وہاں بکثرت تھے یہ مقام مصری علاقہ کے تاجروں کے جمع ہونے کی جگہ تھی (۲) ان معدنی ملکوں میں جو سجلماسہ کے متصل ہیں سونے اور چاندی کی کانیں تھیں اور ایسے ہی انکے مالجور کی سرزمینوں میں بلاد سوڈان تک معدنوں کی کثرت تھی (۳) صعید مصر میں جو نیل کے جنوبی سمت کو واقع ہے ایک آبادی سے دور صحرا میں زبرجد کی کانیں بھی تھیں (۴) خلیج فارس میں بحرین کے مقام پر موتی نکالنے کے مقامات ہیں اور صنعا میں عقیق کی کانیں ہیں اور یمن کی ماہین سمنے کے معدن ہیں اور عدن اور عمان کے ساحلوں پر عنبر دستیاب ہوتا تھا (۵)

عباسی مملکت کے معادن کی یہ ایک مختصر مثال دی گئی ہے تاکہ اس سے بیت المال کے حق لینے پانچویں حصہ کی مقدار کا اندازہ کیا جا سکے ان معادن پر کبھی پیداوار کا حصہ قائم کرکے ٹھیکہ دیا جاتا تھا اور کسی حالت میں ایک مقررہ رقم پر جو بہت زیادہ ہوتی تھی اس کی ایک مثال یہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں نیشاپور کے فیروزہ کی کانوں کی ضمانت جو رقم حاصل ہوتی تھی اسکی مقدار ساٹھ لاکھ اٹھارہ ہزار سات سو بیس درہم تک پہنچ گئی تھی (۶)

سیوم (جزیہ اور زکوٰۃ) آغاز زمانہ اسلام میں جزیہ کی مقدار بہت زیادہ تھی مگر بعد میں لوگوں کے مشرف باسلام ہوتے جانے سے وہ کم ہوتی گئی ابتدائے اسلام میں زکوٰۃ کی شان بہت بڑی ہوئی تھی لیکن بعد میں رفتہ رفتہ اسکی اہمیت میں بھی کمی آگئی جسکا بیان اپنے موقع سے کیا جائے گا۔

چہارم (مکوس اور مراصد) یہ دونوں محصول آجکل کے محاصل چنگی اور تجارت کے ٹیکس کے

---

(۱) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۱۰۹۔ (۲) ابن حوقل ۱۰۷ (۳) مقدسی ۲۳۱۔ (۴) اصطخری ۵۱۔ (۵) مقدسی (۱۰۱)۔ (۶) مقدسی ۲۴۱ ۔

مانند تنیس کے مال تجارت پر۔ جو دریا اور خشکی کے راستوں سے آتا تھا چاہے وہ کپڑے ہوں یا زمینیں پیداواریں اور صنعتی اشیاء ہوں یا فروخت ہونیوالے غلام لونڈیاں یا ان کے علاوہ اور چیزیں سب ہو نپر کچھ محصول لیا جاتا تھا اور اس مد سے بہت بڑی رقم وصول ہوا کرتی تھی ہم کو اس بات کا تو علم نہیں ہے کہ کتنا مال اس ذریعہ سے جمع ہوتا تھا مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقاموں اور زمانوں کے اختلاف کے ساتھ اسکی مقدار بھی گھٹتی بڑھتی رہی ہوگی اور بعض اوقات ایک شہر میں بھی زمانہ کے اختلاف سے اور ایک ہی زمانہ میں شہروں کے جدا ہونے سے یہ فرق پایا گیا ہوگا ہم اس مقام پر صرف شمس الدین مقدسی کا وہ قول نقل کئے دیتے ہیں جو اس نے چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ملک مصر کے مقامات "تنیس" اور "دمیاط" میں لئے جانے والے محصولوں کی تشدید حالت کے متعلق بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے "خاصکر تنیس۔ دمیاط اور نیل کے ساحل پر بہت کڑا محصول لیا جاتا ہے کسی قبطی کی یہ مجال نہیں کہ وہ "شطوی" کپڑے کا کوئی تھان بغیر اسپر شاہی مہر چپ جانیکے بیچ اور نہ یہ کہ ان کو بجز ان خاص بزازوں کے جو معاہدہ کر چکے ہوں کسی اور شخص کے ہاتھوں فروخت کرے پہلے سلطانی افسر تھانوں کی بکری اپنے دفتر میں درج کر لیتا تو اس کے پاس وہ تہ لگانے والوں کے پاس جاتے اور اس کے یہاں سے کلف کرنیوالے کے یہاں پھر اس کے بعد گندی گر اور گھوٹ بنانے والے کے پاس جاتے اور ان میں سے ہر شخص اپنی مقررہ رسم وصول کیا کرتا تھا ان سب کے بعد "فرضہ" کے دروازہ پر بھی کچھ رسم لی جاتی تھی اور ہر شخص تھان کی تہ پر اپنی علامت لکھدیا کرتا تھا اور اسکے بعد جب جہازوں کی روانگی کا وقت آتا تھا تو ان کی تلاشی لی جاتی تھی تاکہ کوئی مال چوری کا نہ جانے پائے تنیس میں زیت کے ایک کپے پر ایک دینار محصول لیا جاتا تھا اور دوسری چیزوں پر بھی ایسا ہی بھاری محصول دینا پڑتا "فسطاط" میں نیل کے کنارہ پر بھی بھاری محصول لئے جاتے تھے میں نے تنیس کے ساحل پر ایک محصول وصول کرنے والے کو بیٹھا دیکھا جسکی جسکی بابت بیان کیا گیا کہ اس مقام کا قبالہ (ٹھیکہ) ہزار دینار روزانہ پر لیا گیا ہے اور ایسے ہی سعید اور اسکندریہ کے ساحل پر متعدد مقامات تھے اسکندریہ میں مغربی ممالک کے جہازوں پر اور "فرما" میں ممالک شام کے جہازات پر بھی محصول لیا جاتا اور دیبائے قلزم میں ہر گھڑی پر ایک درہم وصول کیا جاتا تھا (۱)

ابن حوقل کا بیان ہے کہ "آذربیجان" سے "رے" کے نواح اور لوازم کو جو سامان از قسم غلام باندیوں۔ چوپایوں۔ اسباب تجارت اور گایوں بکریوں وغیرہ کے جایا کرتا تھا اسی کے محصول کی سالانہ آمدنی ۱۰۰۰۰۰۰۰۰ درہم تھی (۲)

(۱) مقدسی ۲۱۳۔ (۲) ابن حوقل ۲۵۳۔

لیکن دولت عباسیہ کے اوائل میں ایسے محصولوں کا کوئی رواج نہ تھا اور اگر اس مد کی آمدنی ہوتی بھی تھی تو وہ اس قابل نہیں کہ اسکا ذکر کیا جائے البتہ اُسکے انحطاط کے دور میں اس صیغہ کی آمدنی بہت بیش قرار ہو گئی تھی

پنجم۔ (مستغلات اور ٹکسال کی توفیر۔) مستغلات سے وہ آمدنی مراد ہے جو نزول کی زمینوں پر بنائے جانے والے بازاروں مکانوں اور نجکیوں سے وصول ہوتی تھی اور ان کے بنانیوالے اشخاص سرکار کو زمین کا کچھ رسوم دیا کرتے تھے (۱) ابن خرداذبہ نے مدینۃ السلام بغداد کے ایسے بازاروں مکانوں نجکیوں اور ٹکسال کی توفیروں کی مجموعی سالانہ رقم ۱۵۰۰۰۰ درہم بیان کی ہے (۲) اور "سامرا" اور اس کے بازاروں کے غلات اور مستغلات ..... ۱۰۰۰۰۰ درہم سالانہ تک پہنچ گئے تھے (۳) اور گو دولت عباسیہ اپنی ترقی کے ایام میں ان محصولوں سے بھی ایک بڑی رقم وصول کرتی تھی تاہم اسکا اعتماد دراصل صرف خراج کی آمدنی پر تھا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

(۴) جمع شدہ رقم کے شاہی خزانہ میں بھیجنے کی بابت عاملوں کی صداقت اور دیانتداری

بنی اُمیہ کے عاملوں کی مظالم کی نسبت ہم نے جو حالات بیان کئے ہیں اون کے دیکھنے سے واضح ہو گیا ہوگا کہ وہ اکثر حالتوں میں اپنے ذاتی ثروت کے لئے خراج میں اضافہ کرتے اور اسکی رقم خورد برد کر جاتے تھے اور اون کی یہ حرکت یا تو خلفا کے اشارہ سے سرزد ہوتی جیسا کہ عمرو بن العاص نے ملک مصر میں کیا اسلئے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ان کو اپنا مددگار پا کر مصر کا ملک گویا انہیں دے ہی دیا تھا اور یا جنگی مصارف کے لئے روپیہ کی ضرورت پیش کر کے اسے کہا جاتا تھا جیسا کہ حجاج کے ایام میں ہوا یا کسی سرکش عامی کو تمرد سے باز رکھنے اور اس کے راضی بنانے کے واسطے ایسے کارروائی ہوتے دیکھی جاتی تھی (۴) یا بایں سبب کے بعض عامل نافرمانی کا مرتکب ہوتا اور خراج کی رقم کہا جاتا تھا جس کی مثال مسلمۃ ابن عبدالملک کا واقع ہے جو اپنے بھائی یزید بن عبدالملک کے عہد میں ملک عراق کا عامل تھا (۵) یزید اس سے شرم کیوجہ سے خراج کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور ممکن ہے کہ وہ اُسکی سرکشی کرنے سے ڈر کر خاموش رہ گیا ہو اسکے سوا اکثر عامل خلفا سے "فئی" اور "غنیمت" کے ان اموال کو بھی مخفی رکھا کرتے تھے جو دراصل بیت المال کے حق ہوتے تھے اور کبھی اس کی اطلاع دینے کے بعد بھی خورد برد کر ڈالتے تھے چنانچہ ۹۸ھ میں یزید بن المہلب نے ملک جان کو فتح کر کے وہاں سے بہت کچھ مال غنیمت حاصل کیا جس میں سے محض حق بیت المال کے ..... ۶ درہم

(۱) ابن حوقل ۲۱۷۔ (۲) ابن خرداذبہ ۱۲۵۔ (۳) یعقوبی (کتاب البلدان) ۲۸۔ (۴) ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۴۳
(۵) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۴۷ ۔

تھے اور اُسنے خلیفہ کو اسبات کی اطلاع بھیجی مگر تم اپنے ہی پاس کہہ لی (۱) انہیں اور ایسی ہی دوسری باتوں نے بعض حالتوں میں خلفاء کو اسبات پر مجبور کیا کہ وہ زبردستی اپنے عاملوں کا مال چھین لیں جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

بنو عباس کی حالت اس کے خلاف تھی ابتدائے عہد عباسیہ میں انہوں کے عمال کا بڑا حصہ خاص انکی قریبی رشتہ دار تھے اور اس کے بعد انہوں نے اپنے فارسی مددگاروں کو عامل بنایا جو انکی دولت کو قائم رکھنے میں تمام لوگوں سے بڑھ کر کوشش کرنیوالے اور بدل اس کے خواہشمند تھے دوسری طرف سے خود خلفا عمال کی تنخواہوں میں کمی نہیں کرتے تھے یہانتک کہ مامون کے عہد میں اقالیم مشرق کے عامل فضل بن سہل کا تاب تین ملین درہم تک پہونچ گیا تھا (۲) جس کے برابر تاب بنو اُمیہ کے کسی عامل کو نصیب بھی نہیں ہوا۔ کیونکہ ان کے عاملوں میں سب سے بڑی تنخواہ پانیوالا شخص ۶۰۰۰۰ درہم سے زائد نہیں پاسکا جو یزید بن عمر وبن ہبیرہ عامل عراق کو ملی تھی (۳) اور جن باتوں نے اوائل حکومت میں اپنی عملداری کا نظام محفوظ رکھ سکنے اور عاملوں کو اپنا خیر خواہ بنائے رہنے پر مدد دی منجملہ ان کے ایک اہم سبب برمکی وزیروں کی مدبرانہ قوت اور اصابت رائے تھی برامکہ کا خاندان عباسی حکومت کے قیام اساس کے تمدن کی رونق کا ذریعہ تھا اور عام طور پر تمام اہل فارس کی یہی کیفیت تھی کہ وہ بنو عباس کا غلبہ اور حکومت اپنے واسطے رحمت ایزدی تصور کرتے تھے جس کے دو مدت سے منتظر تھے کیونکہ وہ بنو اُمیہ کے حقارت آمیز برتاؤ اور مظالم سے سخت تنگ آگئے تھے

اس موقعہ پر یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ مامون کے عہد میں کثرت جبایت کے چند اور اسباب بھی تھے ازانجملہ ایک سبب لڑائیوں اور اندرونی جھگڑوں کی کمی ہے کیونکہ یہ امور مال کو راگان خراج کو ضائع اور کاروبار کو بگاڑنے والے ہیں ان کی وجہ سے ملک کے لوگ زراعت و تجارت سے جو آمدنی کے ذرائع ہیں باز رہتے ہیں اور فوجوں کے مصارف میں جمع شدہ سرمایہ خرچ ہو جاتا ہے وہ مزید براں۔

قلت مصارف کے اسباب

عہد بنو اُمیہ کی نسبت بنو عباس کے دور حکومت میں کثرت خراج کے جو اسباب تھے ان کو ہم بیان کر چکے اور یہ بات اسباب ثروت عباسیہ کی پہلی قسم تھی اب ہم اس کی دوسری قسم کو بیان کرتے ہیں جو "مصارف کی کمی" ہے جس کے حسب ذیل تین اہم اسباب ہیں:۔

(۱) طبری جلد ۲ صفحہ ۱۳۵۰/۱۳۳۴ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۷۴۱ - (۳) ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۸۱ +

(۱) ملازموں اور عہدہ داروں کی قلت

حکومت کے کاروبار میں ملازموں اور عہدہ داروں کی تعداد اس کی انتظامی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے اس کی بابت مجمل طور پر اتنا کہدینا کافی ہے کہ مطلق العنان حکومتوں میں ان کی تعداد مقیدہ اور آئینی حکومتوں کی نسبت بہت کم ہوا کرتی ہے جسکی وجہ مطلق حکومت کا ہر چیز کو نظر ثانی کرنے کی غرض سے مرتب اور باقاعدہ رکھنے سے مستغنی ہونا ہے اور اس کے ثبوت کے لئے صرف عدالتوں کی حالت پر نظر ڈال کر دیکھا جائے کہ ان کے اندر کام کرنے والے وظیفہ خواروں کی تعداد میں عرفی اور قانونی حکومتوں کے دور میں کسقدر بیّن فرق پایا جاتا ہے اور پھر اسی پر حکومت کے تمام صیغوں کو قیاس کر لیا جائے جن کے اندر ایک ہی صورت کے اسباب پائے جائینگے اور یہاں پر اس فرق کی تشریح کرنے کے لئے محض مصری حکومت کے سابقہ اور موجودہ نظاموں کے مُوظفین کی تعداد کا مقابلہ کرلینا کافی ہے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں اہل فرانس کے دخیل ہونے سے قبل ملک مصر کا نظام اسی ڈھنگ پر قائم تھا جو سلطان سلیم خاں فاتح اور اون کے بیٹے سلطان سلیمان خاں نے قرار دیا تھا اور اس نظام کا خلاصہ یہ ہے کہ اسکا افسر اعلےٰ پاشا جو کہ آستانہ کا بھیجا ہوا لیفٹیننٹ گورنر ہوتا تھا اس کے ماتحت چوبیس "بیگ" (طلبہ خانہ) ہوا کرتے تھے ان لوگوں میں سے بارہ شخص ملک کے بڑے بڑے صیغوں کے ذمہ دار اور افسر اعلےٰ حسب تفصیل ذیل ہوتے تھے:۔

(۱) کخیا۔ پاشا کا نائب اور اسکا پرائیویٹ سکرٹری (میر منشی)

(۲) دفتردار۔ خرچ کے کاربار کو دیکھتا تھا اور آجکل کے وزیر مال کی بجائے ہوتا تھا۔

(۳) امیر الخزینہ۔ ملک مصر کا مخصوص خراج لیکر آستانہ کو جاتا اور شاہی خزانہ میں داخل کرتا تھا۔

(۴) امیر الحج۔ حج کے ایام میں حجاز کو جانے والے قافلہ کا سردار رہتا تھا۔

(۵) تین قباطین۔ سولس دمیاط اور سکندریہ کی سرحدوں کی (کمان) سپہ سالاری کے واسطے۔

(۶) پانچ مدیر (مہتمم) جرجا۔ البحیرہ۔ المنوفیہ۔ غربیہ اور شرقیہ اقلیموں کے ایسے ہی چار "کشاف" قلیوبیتہ۔ منصورہ۔ الجیزہ۔ اور فیوم کی اقلیموں کے واسطے بھی ہوتے تھے جن کے کام دوسرے اقلیموں کے مدیر (بک) دن کے ایسے ہوتے تھے:۔

اور دیگر صیغوں میں قاضی۔ امین دفتر خانہ (مہتمم ٹکسال) اور محتسب کو شمار کرنا چاہیئے اور نوج سے

عہ۔ شاگرد پیشہ یا خانہ زاد مترجم۔

حب ذیل چھ فرقے مراد تھے جن کو "وجاق" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا :-

(۱) وجاق المتفرقہ - سلطانی باڈی گارڈ کے چیدہ لوگوں سے مرتب ہوتا تھا۔

(۲) وجاق چاوشیہ یہ فرقہ دراصل سلطان سلیم کی فوج کے دو کپتانوں کی صف سے مرتب ہوا تھا مگر بعد میں ان کو خراج وصول کرنے کی خدمت سپرد ہوگئی۔

(۳) وجاق بجانہ - (ستر سواروں کا رسالہ)

(۴) وجاق بندوقچیوں کا - یہ لوگ بندوقوں سے مسلح رہتے تھے۔

(۵) وجاق نیگچری یہ دولت عثمانیہ کے مسلح چیدہ قبائل کے ملے جلے لوگ ہوتے تھے ان کو مستحفظین بھی کہتے تھے جس کی وجہ ملکی حفاظت کا ان کے ساتھ وابستہ ہونا تھی۔

(۶) وجاق العرب - عربی النسل لوگوں کی فوج۔

ان تمام وجاقات میں سے ہر ایک بہت سے آدمیوں سے مرتب تھا جن کو مجموعی حیثیت سے "وجاق" اور ایک شخص کو "وجاقلی" کہتے تھے ہر وجاق پر ایک افسر بلقب آغا ہوتا تھا جس کے ساتھ کخیا۔ باش اختیار دفتر دار خزانہ دار اور روزنامچے رہتے تھے (۱) اور تمام وجاقات کے مذکورہ بالا افسروں کے مجموعہ سے پاشا کی مجلس شوریٰ مرتب ہوتی تھی اور پاشا بغیر ان سب لوگوں کی منظوری کے کسی معاملہ میں آخری حکم نہیں صادر کرتا تھا۔

مصر کی مرکزی حکومت کے نظام کا خلاصہ یہ ہے جو بیان ہوا اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے مُوظفین کی تعداد (فوجی محکمہ کو چھوڑ کر) پچاس سے زائد نہیں اسلئے اگر ہم ان کے لواحقین لینے کاتبوں اور نائبوں وغیرہ کو بھی اعتبار کریں تو اگرچہ شائد سب کی تعداد ۲۰۰ یا یوں کہو کہ ۳۰۰ بلکہ ۴۰۰ تک بھی پہنچ جائے تاہم وہ اس زمانہ میں گورنمنٹ کے سینہ جات وزارت - مجلس وزراء - اسٹاف - محکمہ حفظان صحت پولیس میونسپلٹی اور دوسرے تمام صیغوں کے مُوظفین کی تعداد دو ہزار سے بھی زائد ہے اور اسکا بیان ذیل میں کیا جاتا ہے

مصری حکومت کے وظیفہ خوار بحالت موجودہ دو قسم کے ہیں پہلی قسم میں عمال شمار ہوتے ہیں لینے جو لوگ اس کے انتظامی کاروبار کے ذمہ دار ہیں ان میں وزراء تمام محکموں کے اعلےٰ افسر اور دفتروں اور حساب و کتاب کے نگران لوگ شامل ہیں دوسری جماعت خادموں کی ہے جن میں فراش اور دربان وغیرہ شامل ہیں مگر اس مقام پر ہم صرف طبقہ عمال کے مُوظفین کی تعداد درج کرتے ہیں جو وزارتوں اور محکموں اور دفتروں کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہے (۲)

(۱) تاریخ مصر الحدیث جلد ۲ - صفحہ ۶ - (۲) رپورٹ مصری حکومت کی بابت سنہ ۱۹۰۱ء - ۔

مصری گورنمنٹ کے طبقہ عمال کے موظفین کی تعداد بابت ۱۹۰۲ء

معیت اور اسکے توابع (اسٹاف)	۱۱ ۲۱
مجلس وزراء	۱۸
〃 سوری	۲۶
وزارت خارجہ	۲۴
〃 مال	۴۱۹
〃 تعلیمات	۴۲۴
میزان	۲۰۳۲
میزان سابق	۲۰۳۲
وزارت داخلہ	۱۸۶
〃 انصاف (عدالت)	۲۷۶۰
〃 اشغال	۶۲۹
〃 جنگ	۳۳۰۶
ملک کے انتظامی امور اور مالی آمدنی کا مینیجر	۱۷۱۵
میزان	۱۰۶۲۸
میزان سابق	۱۰۶۲۸
محکمہ پولیس	۶۶۴۴
〃 حفظان صحت	۵۲۶
〃 جیلخانجات	۱۰۵
غلاموں کی خرید فروخت روکنے کا محکمہ	۱۵
دفتر خانہ	۳۶
چنگی	۵۱۰
فوج محافظ سواحل	۲۱۸
دخولیات	۱۴۰
مچھلی کے شکارگاہوں کے منتظم	۴
رسالت	۱۳
ریلوے	۱۹۳۸
میزان	۲۰۷۷۷
میزان سابق	۲۰۷۷۷
محکمہ تار برقی	۳۲۷
بندرگاہ اسکندریہ	۲۹
محکمہ پوسٹ آفس	۵۵۰
فنارات	۱۰۳
یمانات	۶
تمغہ شیائے مصنوعہ	۱۵
مدارس ماتحت سررشتہ تعلیم	۳۰۱
کتب خانہ خدیوی	۱۱
عجائب خانہ	۱۴
ملکی مطبع گورنمنٹ (پریس)	۹۴
املاک میری آزاد (مطلق) اور مشترکہ	۹۰
ملکی کمیشن	۲۲۷
میزان کل	۲۲۴۵۴

گویا کہ مصری حکومت کے تمام وہ وظیفہ خوار جو طبقہ عمال سے ہیں بائیس ہزار چار سو چون ہیں مگر جب ہم اُن میں سے ان فاضل آدمیوں کے محکموں کو نکال ڈالیں جن کو حکومت کے کاروبار میں کوئی دخل نہیں ہے اور جو حسب ذیل ہیں ؎

ریلوے جات	۱۹۳۸	فنانات	۱۰۳
ٹیلیگراف	۳۲۷	لیمانات	۶
بندرگاہ اسکندریہ	۲۹	دفتر تمغہ	۱۵
محکمہ پوسٹ آفس	۵۵۰	میزان	۲۹۶۸

اور ملکی انتظامات کے محکمے جسکے مُوظفین کی تعداد ۱۷۱۵ ہے تو اسکی میزان کل ۴۶۸۳ اصلی عدد سے نکال ڈالنے کے بعد ۱۷۷۱ اشخاص ایسے رہجائینگے جو فوجی خدمات کے سوا صرف دیگر ملکی محکموں میں ملازم ہیں اور اسی تعداد کا معلوم کرنا اس عظیم الشان فرق کو عیان کردیگا جو آجکل کے سرکاری ملازموں اور تمام ممالک کے سرکاری ملازموں کی تعداد میں تھی اور اسی پر عباسی حکومت کے عہد کے سرکاری ملازمو نکو قیاس کرلو

اس کے علاوہ صفحہ ۸۰ میں دولت عباسیہ کے مصارف کی جو فہرست درج ہوئی ہے اسکے دیکھنے سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس میں زیادہ تر خلیفہ خواہ فوجی لوگ۔ فراش اور شکاری جماعت کے لوگ تھے اور حکومت کے اہلی کارکنوں میں صرف ایک مختصر گروہ تھا جس کا ذکر صفحہ ۸۲ میں اسطرح کیا گیا ہے "کہ بڑے بڑے اہل قلم دفتروں کے ملازمین خزانچی اور دربان لوگ الخ اور عبداللہ بن سلیمان (وزیر) اور اسحٰق بن ابراہیم قاضی اور سوار لوگ اور جیلخانوں اور جانوروں کے داروغہ کے مصارف"۔ اور اسی طرح کے چند دوسرے اخراجات اور ہمارا گمان ہے کہ حکومت کے وہ مصارف جو اس کے تمدنی کاموں میں ہوتے تھے اس مال کے نصف حصہ یعنے ۱۲۵۰۰۰۰ دینار سے ہرگز زائد نہیں تھے باوجود اس کے کہ آج مصری حکومت کے مصارف محض انتظامی صیغوں مالیہ کی تحصیل اور حفظ نظام کے متعلق ۳۲۵۰۰۰۰ گنیوں سے بھی زائد ہیں اور مملکت عباسی کی وسعت پر لحاظ کرتے ہوئے مصر کا ملک اس کے ایک بہت چھوٹے ٹکڑے کے برابر بھی نہوگا اس زیادتی کی وجہ جدید نظام حکومت میں ہر بات کے منضبط رکھنے اور قید تحریر میں لانے کی کوشش ہے جس کے سبب سے ملازموں کی تعداد خواہ مخواہ زیادہ ہوگئی ہے۔

اور عباسی دولت کے مصارف کا ایک سبب قلت ملازمین کے علاوہ اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے بعض ملازموں کی تنخواہ ایسے مال سے دیجاتی تھی جسکو وہ لوگ آمدنی کے صیغوں سے جداگانہ اور طریقوں سے جمع کیا کرتے تھے صفحہ (۸۲) میں دیکھا جاچکا ہوگا کہ بڑے بڑے اہل قلم لوگوں دفتروں کے محرروں اور خزانچیوں کی روزانہ تنخواہوں کی مجموعی رقم ۵۶ ۱/۳ دینار یومیہ تھی حالانکہ کچھ یہی لوگ دفتروں کے کل ملازمین نہ تھے بلکہ یہ صرف بڑے عہدہ دار تھے چنانچہ اس کی وضاحت بعد کے اس قول سے ہوتی ہے کہ "دفاتر اعطا کے محرروں اور انکی مجالس تقسیم پر متعین ہونیوالے نائبوں اور ان کے اصحاب اور

اعوان اور بیت المال کے خزانچیوں کے سوا جو اپنی تنخواہیں گرے پڑے مالوں اور رشوتیوں کو بے روک چھوڑ دینے والوں پر ہونیوالے جرمانوں کی آمدنی سے لیتے تھے" اس بیان سے ان دنوں کے حسابات کا ایسا اختصار ظاہر ہوتا ہے جیسا آجکل ایک معمولی دکاندار بھی اپنے حساب کو منضبط رکھنے میں نہیں بزتا چہ جائیکہ حکومت کے صیغوں میں اس کی پابندی کی جاتی ہو لاوارث مالوں اور چھوٹے ہوئے جانوروں کے جرمانوں کی آمدنی محاصل کے مدمیں شامل کرکے اس محکمہ کے ملازمین کی تنخواہیں مصارف کے باب میں ڈالنی واجب نہیں سکے علاوہ ہمکو یہی یہ بات دوراز قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ان قیود کیلئے عباسی حکومت کے دفاتر میں کوئی جگہہ نہ مقرر رہی ہو اور شائد اسکا ذکر اس فہرست مین بسبب اختصار یا دیگر اسباب کے ترک کردیا گیا ہو۔

(۲) حکومت مقروض نہیں تھی

جدید تمدن کے نتائج میں ایک یہ امر بھی ہے کہ اسوقت تمام یورپین حکومتیں مقروض اور زیر بار ہیں کوئی حکومت ایسی نہیں جسپر ایک کثیر رقم قرض کی نہ ہو جس کا سود یا کسی قدر اصل بھی اسے ہر سال اپنی آمدنی سے ادا کرنا نہ پڑتا ہو اس لئے باوجود اس بات کے کہ آمدنی کی مدات کثرت سے بڑھادی ہیں اور ایسے ٹکس مقرر کردیئے ہیں جن کا عباسی عہد حکومت میں [illegible] وہ قرض مالی آمدنی کے کندھوں پر ایک بھاری بوجھ اور اس کے بچت کی کمی کا سبب ہے [illegible] صفحہ ۸۶ میں بیان ہوچکا ہے کہ انگلستان کی سالانہ آمدنی بارہ کروڑ پونڈ ہے جسکا [illegible] ایسے محصولوں سے وصول ہوتا ہے جو بالکل نو ایجاد ہیں اور یہ تمام آمدنی حکومت کے مصارف [illegible] سوخت ہوجاتی ہے اس کے اسباب میں ایک بڑا سبب یہہ ہے کہ مذکورہ آمدنی کا تقریباً ½ حصہ اُن قرضوں کے سود میں چلا جاتا ہے جو اس گورنمنٹ پر ہیں ورنہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو گورنمنٹ انگلشیہ کے خزانہ میں ہر سال تیس ملین پونڈ کی بچت رہا کرتی جو دولت عباسیہ کی پوری ثروت کے برابر ہے کچھ اکیلا انگلستان ہی قرضوں میں مستغرق نہیں بلکہ کم و بیش فرق کے ساتھ تمام دول یورپ کی یہی حالت ہے چنانچہ ذیل کی فہرست میں ہم دنیا کی (موجودہ) مشہور گورنمنٹوں کے قرضہ کی تفصیل دیتے ہیں یہ مقدار انیسویں صدی کے خاتمہ پر ملین سے کم کسر کو خارج کرنے کے بعد تھی جس کی ترتیب میں ہم نے بڑی رقم کے مقدم رکھنے کا لحاظ کیا ہے۔

دنیا کی مشہور حکومتوں کے قرضے (۱)

پاؤنڈ		پاؤنڈ	
۱۲۵۰۰۰۰۰۰۰	فرانس	۲۰۰۰۰۰۰۰۰	روس
۷۰۰۰۰۰۰۰	انگلستان	۲۰۰۰۰۰۰۰	ولایات متحدہ امریکہ
۱۲۸۰۰۰۰۰۰	ٹرکی	۵۴۰۰۰۰۰	چین
۱۲۰۰۰۰۰۰۰	آسٹریا	۴۸۰۰۰۰۰۰	جاپان
۱۰۳۰۰۰۰۰۰	مصر	۲۰۲۰۰۰۰۰	اٹلی
۱۰۰۰۰۰۰۰۰	جرمنی	۱۲۰۰۰۰۰۰	اسپین
۹۳۰۰۰۰۰۰	ہالینڈ	۳۰۳۰۰۰۰۰۰۰	(میزان کل)

یہ قرضے ان حکومتوں پر عرصۂ دراز میں ہوئے ہیں جن میں کبھی جنگی ضرورتوں کے لئے قرض لیا گیا ہے اور کبھی مفید اور عظیم الشان کاموں کو شروع کرنے کی غرض یا اور اسباب سے اگرچہ عباسی حکومت بھی ان امور سے مستثنےٰ نہ تھی لیکن اپنے عروج کے زمانہ میں وہ ملکی آمدنوں کی بچتوں سے جمع کی ہوئی رقم کو صرف کرتی رہی اور جس وقت انحطاط کے زمانہ میں ملکی محاصل کی کمی اور مصارف کی بیشی ہونے سے اس کے بیت المال میں جنگی مصارف پورے کرنیکے لئے کچھ نہیں باقی رہا تو اس نے اپنے بڑے بڑے عہدہ داروں اور ارکان سلطنت سے جو ہدیا نتی وغیرہ کے ذریعوں سے خوب دولتمند ہو گئے تھے زبردستی [illegible] چندہ لینا شروع کیا اور اس طریقہ کا نام "مصادرۃ" رکھا جس کا بیان موقع سے آئے گا۔

اس کے علاوہ بعض حالتوں میں عباسی حکومت چند تاجروں سے غیر میعادی پرزوں اور ہنڈیوں کے ذریعہ قرض بھی لے لیا کرتی تھی ایسی معاملت (زیادہ تر) یہودیوں سے کیجاتی جو سود خواری میں ضرب المثل ہیں ان پرزوں پر بیس فیصدی تک سود کی نوبت پہنچ جاتی تھی چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں خلیفہ مقتدر کے وزیر علی بن عیسےٰ کو جب روپیہ کی ضرورت پیش آتی تو وہ اطراف ممالک سے آنیوالی ان ہنڈیوں پر (بذریعہ کفالت) تاجروں سے روپیہ لے لیا کرتا جنکی میعاد باقی ہوتی تھی اُسپر سود کی مقدار ½ دانق فی دینار یا اس سے زیادہ ادا کرتی گویا اگر دس ہزار دینار قرض لیا جاتا تو انکے سود میں ہر مہینے ۲۵۰۰ درہم ادا کرنے پڑتے بغداد کے بعض یہودی مہاجنوں سے اس قسم کا لین دین ہوا کرتا انمیں مشہور ترسوا اگر یوسف بن فنحاس تھا جنکی کوٹھیاں اہواز میں بھی تھیں اور ایکدیگر اطراف ہاروں بن عمران تھا یا سولہ سال تک جو ان دونوں کا قائمقام رہا ہو اس سے معاملت ہوتی تھی (۱) مگر ہم اس دادستد کو آجکل کے خانگی قرضہ سے مشابہت نہیں دے سکتے کیونکہ اندرون پرائیویٹ قرض کی شرح بہت کم ہوتی ہے اور اسکے اصول بھی جداگانہ ہیں

Statesmans year books.

(۱)

(۳) اگلے خلفا کی کفایت شعاری اور تدبیر ملکداری

انتظامی تاریخ میں یہ بات تسلیم کیگئی ہے کہ حکومتوں کے بانی اور ان کے بعد آنیوالے چند امیروں میں کفایت شعاری اور تدبیر کا مادہ بہت غالب ہوا کرتا ہے ورنہ اگر یہ بات اُن میں نہ ہو تو اُن سے حکومت کی بنیاد قائم کرنے اور اس کی بنیادوں کو استوار کرنے کی صورت ہی نہ بن آئے اس امر کی تعبیر تاریخی فلاسفر "حکومت کے بچپن" سے کرتے ہیں۔ اور بچپن کا خاصہ ہے کہ وہ قوتوں کے ذخیرہ کافی بہم پہنچ سکنے سے عمدہ طور پر (شوونما پاتا ہے اسلئے جبکہ کوئی حکومت اپنے عہد شباب میں داخل ہوتی ہے اور اس کے نشو کا خاتمہ ہو چکتا ہے تو وہ اسی انداز سے اُلٹے پیروں پیچھے کو واپس چلتی ہے جس طرح انسان پہلے کہولت (ادھیڑ) کی جانب راجع ہوتا ہے اور اس کے بعد بڑھاپے کے دور میں قدم رکھتا ہے۔ دولت عباسیہ "خلیفہ سفاح" کی گود میں نوزائیدہ بچہ کیطرح سے قائم ہوئی منصور نے اسے بچپن ہی کے ایام میں اپنے سایۂ پرورش میں لیا اور اسے خوب کھلا پلا کر پروان چڑھایا یہانتک کہ وہ رشید اور مامون کے ایام میں بھری جوانی کے وقت تک پہنچ گئی اور اس کے بعد وہ ادھیڑ ہو کر بڑھاپے کی طرف واپس چلی اور پچھلے خلفاء کے عہد میں بالکل بڑھیا پھوس ہو گئی۔

خلیفہ سفاح نے ۴ سال حکمران رہ کر وفات پائی اس نے اپنے ترکہ میں چند کپڑوں کے سوا اور کوئی چیز نہیں چھوڑی (۱) حالانکہ اگر وہ لالچی شخص ہوتا تو خراج وغیرہ کی آمدنیوں کے علاوہ صرف بنوامیہ کے حاصل کئے ہوئے مال غنیمت سے وہ بہت کچھ دولت جمع کر سکتا تھا۔

سفاح کا جانشین منصور ہوا منصور نے بائیس سال حکومت کی اور اسی اثنا میں اس نے تقریباً ۸۱۰۰۰۰۰۰ درہم خزانۂ خاص میں جمع کر لئے وہ مال جمع کرنے پر اس قدر حریص تھا کہ لوگوں نے اسے بخل کے ساتھ متہم کر دیا حالانکہ وہ بخیل نہیں تھا بلکہ موقع اور محل پر بخشش کیا کرتا تھا اور بیجا خرچ کرنا اس کے اصول کے خلاف تھا جب تک وہ اسباب کو نہیں سمجھ لیتا تھا کہ اس موقع پر مال صرف کیا جائے تو اس کی حکومت کو کچھ نفع پہنچیگا اسوقت تک وہ ایک جبہ بھی خرچ کرنا نہیں جانتا تھا۔ جس بیدار مغزی سخت گیری اور انصاف کی حکمت عملی کے ساتھ عباسی حکومت کو منصور نے قوت پہنچائی ہے وہ بالکل حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل سے مشابہ ہے جو انہوں نے اسلام کو قوت دینے میں برتا تھا اسکی کفایت شعاری تدبیر اور دور بینی پر استدلال کرنے کیلئے صرف اسکی وہ وصیت کافی ہے جو آخری وقت میں اپنے فرزند "مہدی" سے کی تھی اس نے کہا:۔

(۱) ابن اثیر جلد ۵۔ صفحہ ۲۱۹ ۔

مینے تمہارے واسطے اتنا مال جمع کر دیا ہے کہ اگر دس سال تک ملک کا خراج نہ وصول ہو تو بھی وہ فوج کی تنخواہوں ملکی مصارف خاندانی خرچ اور حملوں کی تیاری کے لئے کافی ہے دیکھو خبردار کبھی عورتوں کو حکومت میں شریک نہ کرنا اور رعایا کے مال لیکر متمول بننے اور فضولخرچی کر نیسے محترز رہنا سرحدوں کو بہت مستحکم رکھنا ملک کے اطراف کا عمدہ طور پر نظم ونسق کرنا عام راستوں کو بے خطر رکھنے اور رعایا سے نرم برتاؤ کرنے اور انکی مصیبتوں کو دفع کرنیکی کوشش کرنا روپیہ کو بہم کرنے اور ضرورت کے لئے جمع رکھنے سے غافل نہونا کیونکہ حادثات کے پیش آنے سے بچاؤ ممکن نہیں ہے اور یہ بھی زمانہ کا ایک دستور ہے جہانتک ممکن ہو قابل آدمیوں عمدہ گھوڑوں اور سرفروش سپاہ کو جمع کرتے رہنا خبردار آج کا کام کل پر نہ چھوڑنا ورنہ ان کی تلافی نہ ممکن ہو جائیگی اور وہ برباد جائینگے رات کے وقت اس قسم کے آدمی مقرر کرنا جو دن کے وقت ہونے والی باتوں کی تم کو خبر دیں اور دن کے وقت ایسے لوگوں کو جو رات کے واقعات سے تمہیں آگاہ کریں کاموں کو خود دیکھنا بھالنا پریشانی اور سستی کو پاس نہ آنے دینا اپنے عاملوں اور کاتبوں کی نسبت نیک وبد دونوں طرح کے گمان رکھنا اور بیدار مغزی کو اپنا اصول بنانا۔)

منصور نے اپنی حکومت کا بائیس سال زمانہ پورا کر دیا اس تمام عرصہ میں اس نے اپنے ایوان کے اندر لہو ولعب یا اسی قسم کی کوئی بات کبھی نہیں ہونے دی ہاں ایک بار وہ اپنی مجلس (دربار خاص) میں بیٹھا تھا اور سامنے ترکی" اسکی پشت پر ستادہ اسی اثنا میں اس نے کسی قدر شور وغل کی آواز سنی اور حماد کو اس کا سبب دریافت کرنے کے لئے حکم دیا۔ حماد نے جاکر دیکھا کہ منصور کا ایک خادم بہت سی لونڈیوں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا طنبور" بجا رہا ہے اور وہ سب ہنستی اور قہقہے لگاتی جاتی ہیں وہ یہ واقعہ دیکھ کر واپس آیا اور خلیفہ سے صورت حال عرض کی منصور نے حیرت سے پوچھا" طنبور کیا چیز ہے؟" حماد نے اس کی لفظی تصویر بیان کی کہ جس کے بعد منصور نے پوچھا" تم کو طنبور کا علم کیونکر ہوا؟" حماد نے کہا میں نے اس کو خراسان میں دیکھا تھا" بعد ازاں منصور خود اٹھ کر اس مقام پر گیا لونڈیاں تو اس کی صورت دیکھتے ہی بھاگ گئیں مگر اس نے خادم کی نسبت یہ حکم دیا کہ طنبور کو اسی کے سر ماریں اور جب طنبور ٹوٹ گیا تو خادم کو محل سے نکلوا دیا اور فروخت ہونے کے لئے بازار میں بھیجدیا۔

لباس کی بابت منصور اپنی ذات کے لئے بہت بخیل تھا وہ صرف ایک ہروی جبہ اوڑھے رہتا اور کرتے میں بیوند بھی لگاتا تھا اگر اس سے کوئی شخص کچھ مانگتا تو جبتک بہت کوشش ضروری نہوتی وہ بخل ہی سے کام لیا کرتا بسا اوقات اس سے کوئی ایک درہم کا سوال کرتا مگر وہ ہرگز نہیں دیتا تھا اور دوسرے شخص کو بلا مانگے ہوئے ایک ہزار درہم دے ڈالتا مثلاً ایک مرتبہ اس کا ایک پرانا دوست

خلافت کے بعد اس سے ملنے آیا جو بہت تنگ حال تھا منصور نے اس سے دریافت کیا "تمہارے بال بچے کتنے ہیں؟" اس نے کہا "تین لڑکیاں ایک بی بی اور ان کا ایک خادم۔" منصور نے یہ بات سنکر جوابدیا "تم اہل عرب میں بہت خوشحال ہو تمہارے گھر میں چار چرخے چلتے ہیں" اور اسے کچھ بھی نہیں دیا مگر جبکہ "عیسےٰ ابن ہبیک" نے وفات پائی تو منصور نے اس کے خادم سے دریافت کیا کہ "متوفی نے کسقدر مال ترکہ میں چھوڑا ہے" خادم نے جوابدیا کہ "ہزار دینار نکلے تھے وہ سب اس کی بیوی نے اس کے ماتم میں خرچ کر ڈالے" پھر منصور نے پوچھا "اور اس نے لڑکیاں کتنی چھوڑی ہیں" خادم نے کہا "چھ" یہ سنکر منصور نے تھوڑی دیر سر جھکا کر غور کیا اور پھر ہر ایک لڑکی کیواسطے تیس ہزار دینار دینے کا حکم دیا اور ان کا نکاح کرا دینے کی بھی کوشش کی۔ یا اسی منصور نے صرف ایک دن میں اپنے کنبہ والوں کو ایک کروڑ درہم تقسیم کر دیئے تھے (۱)

منصور کی وفات کے بعد اُسکا بیٹا مہدی جانشین ہوا جو بہبود وجوہ اپنے باپ سے مشابہ تھا کہ از انجملہ ایک امر معاملات کی تہ تک پہنچنا بھی ہے اس کے ایام میں دفتروں کی ترتیب صیغہ جات حکومت کی تنظیم اور ملکی قواعد کا تقرر ہوا یہ تمام نظم ونسق اس کے وزیر "معاویہ بن یسار" نے کیا تھا (۲) مہدی بذات خاص لوگوں کے قضئے فیصل کرنے کے واسطے دربار عام کیا کرتا وہ بڑا خدا ترس اور پاک دامن تھا مگر اسی کے ساتھ وہ اپنے باپ کی طرح سخت کفائت شعار نہیں تھا "مہدی" کے بعد "ہادی" حکمران ہوا جس کی مدت خلافت بہت کم ہے اور اس کے بعد "رشید" کا نمبر آیا اس زمانہ میں حکومت کا انتظام برمکی خاندان کے وزیروں کے ہاتھ میں پہنچ گیا تھا اور عہدہ داروں کی تنخواہیں بہت بڑھا دی گئی تھیں مال و دولت کی فراوانی تھی برامکہ بذاتہٖ بڑے کریم اور سخی تھے انہوں نے خلفاء کو بھی اپنے ہی رنگ میں رنگ لیا اور اس بات پر انکو برانگیختہ کر کے انہیں بیحد فیاض بنا دیا بچپن کے عہد سے وہ لوگ خلفاء کو اس کی طرف مائل کیا کرتے تھے یحییٰ برمکی "رشید" کا اتالیق تھا ایک دن اسے سیر کرانے لیجا رہا تھا راہ میں کسی آدمی نے کیڑے ہو کر کہا "امیرالمومنین میری سواری کا جانور ہلاک ہو گیا ہے" رشید نے کہا "اس کو پانچسو درہم عطا کئے جائیں" یحییٰ نے اس بات کو سنکر آنکھ کا اشارہ کیا جب وہ آدمی چلا گیا تو رشید نے یحییٰ سے کہا "بابا جان جس وقت میں نے درہموں کے عطا کئے جانے کا حکم دیا ہے تو آپ نے مجھ سے کچھ اشارہ کیا تھا اس کا کیا مفہوم تھا" یحییٰ نے کہا "آپ کے ایسے لوگوں کی زبان سے اتنی چھوٹی رقم نہیں نکلنی چاہیئے بلکہ آپ کو پانچ لاکھ اور دس لاکھ کہنا زیبا ہے" "رشید" نے پوچھا "پھر اگر مجھ سے اس قسم کا سوال ہو تو میں کیا کہا کروں؟"

(۱) ابن اثیر جلد ۶۔ صفحہ ۱۳۔ (۲) فخری ۱۶۳۔

بھیجی لئے کہا۔ یہ فرما دیا کیجئے کہ اس کو ایک جانور خرید دیا جائے جسکو یہ اپنے ہمجولیوں کی طرح استعمال کر سکے۔" رشید جو کہ فطرتاً جود و کرم کی جانب مائل تھا ایسی باتوں نے اسے اور بھی شوق دلا دیا۔ یہاں تک کہ وہ برامکہ کے ارادہ کی حد سے بھی بہت دور نکل گیا جسکی وجہ سے وہ خود ہی گھبرا کر اسے ایک حد پر روکنے کے درپے ہو گئے (۲) اور اس کے بعد خلفاء نے دولت کی نمائش اور فضول خرچی میں اتنا توغل کیا کہ یہی باتیں ان کی سلطنت کے مٹ جانیکی سبب بنگئیں جس کا بیان آگے آویگا۔

خلاصہ ان تمام باتوں کا یہ ہے کہ ثروت عباسیہ کے اسباب۔ آمدنی کی کثرت اور مصارف کی قلت ہیں۔ کثرت آمدنی کے اسباب تھے (۱) ملک کی وسعت (۲) لوگوں کا دلی اطمینان کے باعث زراعت تجارت اور کاروبار میں مصروف ہونا (۳) زمین کا بھاری لگان (۴) عاملوں کا دیانتداری کے ساتھ سرکاری آمدنی دارالخلافت بغداد میں بھیجتے رہنا اور قلت مصارف کے اسباب تھے۔

(۱) ملازموں کی کمی (۲) حکومت کا مقروض نہ ہونا (۳) اگلے خلفاء کی کفائت شعاری۔

دولت عباسیہ کی ثروت

انحطاط کے زمانہ میں

انحطاط کے اسباب کی تمہید

ہر ایک حکومت کے چند دور ان ادوار زندگی کے مشابہ ہوتے ہیں جو بچپن سے لے کر بڑھاپے تک آتے رہتے ہیں اسی لحاظ سے دولت عباسیہ کی بھری جوانی کا زمانہ رشید اور مامون کا عہد تھا جو اس کے عروج کا دور ہے ان دونوں خلفاء کے بعد وہ کہولت (ادھیڑپن) کی جانب گر چلی اور آخر کار بڑھاپے کے دور میں جا پہنچی جسطرح ملک شام کی اموی حکومت کا عہد شباب عبدالملک بن مروان اور اس کے بیٹے ولید کا زمانہ رہا اور اندلس کی اموی حکومت کی جوانی خلیفہ ناصر اور اس کے بیٹے حکم کی فرمانروائی میں ہوئی اور دولت عثمانیہ کا دور شباب سلطان سلیمان خان اعظم کے عہد میں ہوا تبھی اسی پر اور حکومتوں کی حالت بھی قیاس کیجا سکتی ہے ابن خلدون نے حکومت کے زمانہ کو پانچ دوروں پر تقسیم کیا ہے۔ (۱) فتوحات (۲) استحکام (۳) آسودگی (۴) صلح جوئی اور قناعت پسندی

(۱) سیر الملوک ۷۸۔ (۲) طبری جلد ۱۳ صفحہ ۳۲ ۱۱۳

[illegible] اگرچہ یہ ایک اجمالی تقسیم ہے جو بسا اوقات بغیر کسی تاویل کے تمام حکومتوں کے حالات پر پوری طرح منطبق نہیں ہوتی لیکن جو تقسیم عمر کے اعتبار سے کیگئی ہے وہ اتنی صریح اور واضح ہے کہ اس میں کسی قسم کا خلل نہیں پڑ سکتا قبل اس کے کہ ہم عصر انحطاط کی عباسی ثروت سے بحث کریں ہم کو پہلے اس انحطاط کے اسباب بیان کر دینے مناسب معلوم ہوتے ہیں جن کا تعلق اس کتاب کے [illegible] سے ہے۔

(۱) **اہل عرب اور اہل فارس** [illegible] سے یہ بات معلوم ہو چکی ہوگی کہ دولت عباسیہ کا قیام صرف اہل فارس کی خصوصاً خراسانیوں کی امداد و اعانت سے ہوا اور ان لوگوں نے محض اس غرض سے عباسی حکومت کی مدد کی کہ وہ بنو امیہ سے اس عربی تعصب کا انتقام لیں جو وہ لوگ اپنی مطیع و منقاد غیر قوموں کے ساتھ خواہ مخواہ [illegible] کیوں ہوں تفاوت ضمیر یا تاڑ کے ذریعہ سے ظاہر کیا کرتے تھے بنو امیہ کی [illegible] کا اسلام نہ لانا اور ابو سفیان کا ان سے ہو سکا انہیں اپنا مقرب بنانا کچھ بڑے بڑے کام ان کے ہاتھ سے دیدینا [illegible] اور کاتب وغیرہ سب فارسی النسل لوگوں میں سے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل عرب کا اعتبار کم ہو گیا اور وہ حکومت کو خوف زدہ اور بری نگاہوں سے دیکھنے لگے اور اس کے بدامنیش ہو گئے لیکن ان کو اپنے اقتدار اور اثر کو دوبارہ واپس لینے کی کوئی تدبیر نہیں ملتی تھی برامکہ کے ایام میں فارسیوں کا تعبہ عباسیوں کے نزدیک اور بھی بلند ہوا جس وجہ سے اہل عرب کا کینہ بھی ان سے اور بڑھ گیا اور وہ باوجود برامکہ کی سخاوت فیاضی اور خوش اخلاقی کے ان کے مخالف بن گئے انہیں برباد کرنے کی سرگرم کوششیں عمل میں لاتے رہے اور ممکن ہے کہ برامکہ کے بود و سخا میں مبالغہ کرنے کی اصلی علت صرف اپنی منزلت کا بچاؤ کرتے رہنے کی خواہش رہی ہو تاہم دنیا اہل عرب کے طرفدار حاسدوں کے الزاموں میں آ ہی گئی جو ان کے گرد لگے ہوئے تھے اور بدلوگوں نے خلفاء کے پاس رسوخ حاصل کر کے اپنا کام نکال ہی لیا انہوں نے برامکہ کی شکایت کی اور ان پر تہمت لگائی کہ وہ لوگ اپنا رسوخ اس لئے بڑھا رہے ہیں کہ آخر کار ایک دن ملک پر قبضہ کر بیٹھیں۔ آخر ان شکایتوں کا اثر ہوا اور رشید نے برامکہ کے ساتھ جیسا سلوک کیا وہ مشہور ہے برامکہ کی چغلی کھانیوالوں میں "فضل بن الربیع" کا نام بہت مشہور ہے جو اگرچہ عربی النسل نہیں تھا لیکن بوجہ اسکے کہ اس کا نسب حضرت عثمان بن عفانؓ کے ایک آزاد کردہ غلام سے ملتا تھا اہل عرب کی طرف اپنی نسبت مزور کرتا تھا (۲)

برامکہ کی تباہی کے بعد بادی النظر میں اہل عرب نے یہ خیال کیا تھا کہ اب وہ پھر اپنی گذشتہ شوکت

(۱) ابن خلدون جلد ۱۔ صفحہ ۱۴۷ ۔ (۲) ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۴۱۲ ۔

وسلطنت دوبارہ حاصل کرسکیں گے۔ جب رشید نے وفات پائی اور اس کے دونوں بیٹوں "امین" اور "مامون" کے مابین جھگڑا برپا ہوا تو "امین" جس کے ماں باپ دونوں عربی الاصل تھے (کیونکہ اسکی ماں "زبیدہ" منصور کی پوتی تھی) اہل نجد (جن میں عرب کی جنگی فوج بھی شریک تھی) اسکی امداد کی اور مامون جس کی ماں ملک فارس کی لڑکی تھی اور وہ خراسان ہی میں اپنے ماموں لوگوں اور طرفداروں کی جماعت میں تھا (۱) تو خراسانیوں نے جس طرح اس کے اجداد کی اعانت کی تھی اسے بھی ویسی ہی مدد دی یہ جھگڑا امین کی قتل اور مامون کی کامیابی پر ختم ہوا جس کی وجہ سے فارس والوں کا نفوذ پہلے بڑھا اور اب وہ سابق سے زیادہ اہل عرب کی آپ درپے ہی کرنے لگے عربوں پر یہ حالت بہت شاق تھی اور اسپر طرہ یہ ہوا کہ "حسن بن سہل" کا ایسا مجوسی الاصل فارسی جو تھوڑے ہی دنوں سے مشرف باسلام ہوا تھا وزیر اعظم مقرر ہوا۔ اہل عرب اس کے اسلام کے قائل نہیں تھے اور بالاعلان طنزاً کہتے تھے "ہم ہرگز اس مجوسی بچہ کو پسند نہیں کرتے" چنانچہ انہوں نے حکومت سے بغاوت بھی کردی جسپر وہ زبردستی مغلوب کئے گئے اور مجبور بنا کر مطیع کرلئے گئے (۲) مامون بغداد میں آیا اور اس کو اور اس کے یاروں کو اطمینان کے ساتھ حکومت کرنیکا موقع ملا تو اس نے علم اور فلسفہ کی طرف توجہ کی جسکے سبب سے وہ قرآن کریم کے مخلوق ہونے کا قائل بنا اور اس بات سے اہل عرب اور بھی اس کے مخالف ہوگئے لیکن وہ ناچار تھے اور خلیفہ کو اس بات سے باز نہیں رکھ سکتے تھے۔

(اہل ترک) ۲۱۸ھ میں "مامون" نے وفات پائی اور خلافت اس کے بھائی معتصم باللہ کے ہاتھوں میں آئی۔ معتصم کی ماں ترکی خاندان کی عورت تھی اور ملک ترکستان کے شہر "سند" کی رہنے والی تھی (۳) لہذا معتصم ابتداء سے ترکوں کے ساتھ محبت رکھنے پر مائل رہا اور فارس والوں سے جنہوں نے اس کے بھائی امین کو قتل کیا تھا برخطر رہا کیا تھا کیونکہ یہ پہلا واقعہ تھا جسمیں فارسی لوگوں نے ایک خلیفہ کے قتل کرنے کی جرأت کی تھی دوسری جانب اسے عربی فوجوں پر بھی سچا اعتبار نہ تھا کیونکہ جیسا سمجھیں نے انہیں ذلیل اور خوار بنا کر بالکل کمزور کردیا تھا مزید برآں اس کے بھائی مامون نے مرتے وقت اسے اہل عرب سے برسر جنگ رہنے کی وصیت بھی کردی اس لئے اسے بجز اسکے کوئی چارہ نہیں تھا کہ عربی اور فارسی عناصر کے سوا دہ کسی اور عنصر کو اپنا مددگار بنائے اس زمانہ میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ بلاد ماوراء النہر تک جا پہنچا تھا اور وہاں کے عامل خلفاء کی خدمت میں جو ہدیئے بھیجا کرتے منجملہ ان کے ترکوں اور فرغانہ والوں کے نوعمر لڑکے بھی ہوتے تھے معتصم کو بوجہ اس بات کے کہ اس کی ماں کا

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۹۲ (۲) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۱ (۳) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۱۵

نسب ان قوموں سے ملتا تھا ان لڑکوں کے بیع کرنے میں آسانی ہوئی اور اس نے کئی ہزار ترکی نوجوان فراہم کئے کچھ بطور غلاموں کے اس نے مول لئے اور بہت سے اس کے پاس ہدیہ کے طور پر بھی آئے ان ترکی غلاموں کی اتنی کثرت ہوئی کہ ان کی تعداد اٹھارہ ہزار تک پہنچ گئی (۱) اور بغداد میں اُن کے رہنے کو جگہ نہیں ملی اس کے علاوہ بغداد کے باشندے ان لوگوں کے بداطواریوں سے بھی گھبرا اٹھے اسلئے معتصم نے ایک جداگانہ شہر "سامرا" نامی بغداد کی حدود سے باہر بنایا اور ان غلاموں کو وہاں رکھا (۲) ان کی تنخواہیں مقرر کیں اور انہیں سے فوجیں مرتب کرائیں اس میں شک نہیں کہ ترکی غلاموں نے اس کی حکومت کو بہت کچھ قوت دی اور لڑائیاں معتصم کو اپنے ترکی اور رومی دشمنوں سے لڑنی پڑیں ان میں اس جماعت نے بہت کچھ شجاعت کے جوہر دکھا کر اسے فتحمند ہی بنایا لیکن دوسری جہت سے یہی لوگ دولت عباسیہ کے زوال کے سبب ہی بنے یہ لوگ مال کی لالچ میں فروختے اور اپنا نفوذ بڑھاتے جاتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت اس کا خزانہ اور غلہ سب اونکی خود غرضیوں کے شکار بن گئے

خلیفہ "مامون" ایک ذی علم اور دانشمند تھا اس کے محرم راز اور مصاحب سب کے سب عالم اور حکیم تھے اور اسی کے ساتھ وہ بہت نرم دل بھی تھا چنانچہ اس کی نیک مزاجی اور رقت کو لوگ مثال دینے کے طور پر بیان کرتے ہے قاضی یحییٰ بن اکثم لکھتے ہیں کہ ایک دن میں خلیفہ "مامون" کے ساتھ "رحبہ" کے بنوائے ہوئے پائیں باغ میں گشت کر رہا تھا اور جس پہلو پر میں چل رہا تھا ادھر دھوپ کا رخ تھا یعنے میں خلیفہ پر سایہ کئے ہوئے اُسے دھوپ سے بچاتا تھا جب میں اسی طرح اس روش کے آخر تک پہنچا اور وہاں سے واپسی کا ارادہ کیا تو میں نے ارادہ کیا کہ پھر دھوپ کی طرف ہو کر خلیفہ پر سایہ کروں مگر خلیفہ نے مجھ کو روکدیا اور کہا "ٹھہرو اور اپنی حالت ہی پر رہو تاکہ جس طرح تمنے مجھ کو دھوپ سے بچایا ہے میں بھی تمہیں بچاؤں" قاضی یحییٰ کا بیان ہے کہ میں نے کہا "امیرالمومنین اگر مجھ سے یہ بن پڑتا کہ میں آپکو آگ کی سوزش سے بچا سکوں تو میں اس کو نہایت خوشی سے کر گزرتا پھر جبکہ دھوپ سے بھی نہ محفوظ نہ رکھوں" مگر خلیفہ نے ان کو جوابدیا "یہ امر صحبت کے کرم سے بعید ہے" اور یہ کہکر خود دھوپ کی سمت میں مجھ پر سایہ کرتے ہوئے ویسے ہی ٹہلنا شروع کیا جس کہ میں نے سایہ کر رکھا تھا (۳)"

یہی قاضی یحییٰ بیان کرتے ہیں "ایک دن میں خلیفہ مامون الرشید کے پاس سو رہا تھا اتفاقاً ان کو پیاس ہوئی مگر وہ میری نیند اچٹنے کے خیال سے رکگئے اور کسی غلام کو اس خیال سے آواز نہیں دی کہ میرا شور سے اسکی نیند میں خلل پڑے حالانکہ میں درحقیقت جاگ رہا تھا پھر میں نے دیکھا کہ

(۱) قرمانی صفحہ ۱۵۷ - (۲) یعقوبی (کتاب البلدان) ۲۳۳ - (۳) عقد فرید جلد ۱ صفحہ ۲۰۹ ؎

وہ پنجوں کے بل اٹھ کر پانی رکھنے کی جگہ تک بے پاؤں گئے اور ایک کوزہ اٹھا کر پانی پینے کے بعد ویسے ہی دبے پاؤں پنجوں پر چل کر میرے بستر کے قریب آئے پھر وہاں سے ہوشیاری کے ساتھ آہستہ قدم بڑھا کر اپنے بستر پر چلے گئے اور یہ سب محنت اس لئے کی کہ کہیں میری آنکھ نہ کھل جائے۔"

"مامون" نے اپنے حاشیہ کے لوگوں اور ارکان دربار کے ساتھ اتنی ملاطفت برتی کہ آخر کار اسکو خادم تک اس سے گستاخیاں کرنے اور اس کو بے حقیقت سمجھنے لگے تھے عبداللہ بن طاہر کا بیان ہے کہ "ایک دن میں خلیفہ مامون کی خدمت میں موجود تھا خلیفہ نے خادم کو آواز دی "ارے لڑکے" کوئی نہیں بولا پھر اوس نے دوبارہ زور سے آواز دی "ارے لڑکے" جس کے بعد ایک ترکی پھر کا یہ کہتا ہوا آیا بس چھوکرے کو نہ کہا نے دیا جائے اور نہ پینے؟ جہاں ہم لوگ آپ کے روبرو سے ہٹے اور آپ نے "ارے چھوکرے ارے چھوکرے کی ہانک لگائی آخر کہا تک "ارے چھوکرے" کی رٹ رہیگی؟" خادم نے یہ گفتگو سن کر خلیفہ اتنی دیر تک سر جھکائے ہوئے بیٹھا رہا کہ مجھ کو یقین ہو چلا کہ اب مجھے اس کی گردن اڑا دینے کا حکم دیگا مگر دیر کے بعد خلیفہ نے میری جانب دیکھ کر فرمایا "عبداللہ یہ کیسی مشکل ہے؟ اگر کسی شخص کی طبیعت اچھی ہو تو اس کے خادموں کی عادتیں بگڑ جاتی ہیں اور اگر وہ بدمزاج ہوتا ہے تو نوکروں کے ہوش ٹھکانے رہتے ہیں مگر مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنی نوکروں کی عادتیں سدھارنے کے لئے اپنا مزاج بگاڑ ڈالوں (۱)"

باوجود علم ادب اور فضل و کشادہ دلی کے مامون کے مناقب نرم دلی اور نیک مزاجی کے لحاظ سے بہت اعلے تھے اس کا جانشین معتصم ہوا جو علم سے کورا اور کچھ پڑھ نہیں سکتا تھا (۲) ہی کے ساتھ بڑا حوصلہ ور اور سخت کوش تھا (۳) گھوڑے کی سواری اور گیند بازی میں بہت مشق رکھتا تھا (۴) بھی تھا جسمانی قوت نے اور بھی سونے میں سہاگہ ملا کر اسے اس کے لئے موزوں بنا دیا تھا وہ ایک ہزار رطل کا بوجھ اٹھا کر چند قدم تک جذبی لیجاتا تھا (۵) جب ارکان سلطنت نے دیکھا کہ معتصم اور اسکے بھائی مامون کی عادات و اطوار میں زمین و آسمان کا فرق ہے تو وہ اسکی طرف سے بد گمان ہو گئے اور جس خلوص کے ساتھ وہ مامون کے عہد میں حکومت کی خدمت کر چکے تھے اس سے پہلو تہی کر گئے معتصم کو ترکوں اور فوجانہ والوں سے اور زیادہ میل رکھنے کی ضرورت پیش آئی اور اسی سبب سے یہ تھا کہ وہ اپنے بھائی مامون کی اس رائے کا بھی پابند تھا جو اس نے قرآن کریم کو مخلوق ماننے کے

(۱) مستطرف جلد ۱ صفحہ ۹۶ - (۲) قرمانی ۱۵۵ (۳) ابوالفدا جلد ۳ صفحہ ۳۷ - (۴) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۶۲ -
(۵) فخری صفحہ ۲۰۹ ؛ ۱۲ من کس بسرت ترجم عفی عنہ ؛

بارہ میں قائم کی تھی۔ لہذا اس نے اس رائے کو تائید دینے میں سختی اور جبر سے کام لینا شروع کیا مشہور امام احمد بن حنبل کو دربار میں طلب کرکے قرآن کے بارہ میں ان کی رائے دریافت کی جو ان کے مخلوق کہنے سے منکر ہوئے معتصم نے ان کو کوڑوں سے مارے جانے کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو گئے اسوقت کوڑوں کا مارنا بند کرا کے قید میں ڈلوا دیا (۱) اس بات سے عام مسلمان اس سے نفرت کرنے لگے اور اہل عرب کی ناراضی اور بھی بڑھ گئی لیکن معتصم کو اپنے ترکی غلاموں کی فوج پر جو نومسلم ہونے کے علاوہ خیر سے تمدن کی خوبیوں کو نہیں جانتے تھے اسقدر اعتماد تھا کہ وہ کسی کی ناراضی کو خیال میں نہیں لاتا تھا حالانکہ اس کی ترکی فوج کے لوگ ہر ایک وحشی قوم اور غیر متمدن ملک کے رہنے والے تھے اسلامی تمدن کی شاہراہ میں دوڑے کیطرح جیلتی گاڑی کو اکثر رہے تھے انہیں وجہ سے سنیتیں بگڑ گئیں حالت درہم برہم ہو چلی اور اسیوقت سے حکومت پیچھے کی طرف الٹے پیروں کھسکنی شروع ہو گئی

(مال) خلفائے راشدین کے عہد میں مسلمانوں کی اعلیٰ غائت تبلیغ اسلام کو تقویت دینا اُسے تمام دنیا میں شائع کرنا اور اہل عرب کی شان کو بلند کرنا امویوں نے خلافت کی طلب میں مال کی ضرورت محسوس کی اور انہوں نے اسکے فراہم کرنے کیلئے ہر طرح کی کوشش کی جو قیمتی چیز نہیں رکھا اور گو انکے زمانہ میں دینی قوام کو تقویت دینے کی رغبت کم ہو گئی لیکن وہ عربی تعصب پر نہایت استقلال کے ساتھ برابر قائم اور دوسری قوموں کو تحقیر نظر سے دیکھتے رہے بنو امیہ کی نظر تو صرف عربی قوم اور نہ ہبی دولت پر رہی عباسیوں نے حکومت کا آغاز اور عربی قوم کے رسوخ کا مٹانا دونوں باتوں کا ایک ہی زمانہ میں ظہور ہوا عباسیوں نے صرف اہل عرب کی مدد چھوڑ کر اسے مطلقاً اسلام کی تائید سے بدلدیا وہ اپنے عروج کے زمانہ میں علم فلسفہ اور تجارت غیر ملک فنون کی طرف متوجہ ہوئی مجتہدان کے آثار تھے اور اس بارہ میں انہوں نے اہل فارس سے مدد لی جو اسلامی فتح سے قبل بھی تمدن میں اعلےٰ درجہ کو پہنچ چکے تھے اور جس میں نظری طور پر مدنیت کی استعداد موجود تھی۔ مزید برآں دولت عباسیہ کو تقویت دینے میں خود ان کے ملک کی آبادی بھی منظور تھی کیونکہ مرکز خلافت انہیں کے بلاد میں واقع ہوا تھا لہذا انہوں نے حکومت کی سچے دل سے خدمت کی ملک آباد ہوا دولت و ثروت کے راستے کھلے اور مال کے ذریعہ اپنے غلاموں کو امیر بنانے لگے خلفاء اور ان کے ارکان دولت اسکے ذریعہ مال و زر سے معمور ہو گئے پھر انہوں نے نغمہ و غنا اور دولتمندی کے ٹھاٹھ دکھلانے آغاز کئے وہ عیش و عشرت میں ڈوب چلے یہاں تک کہ ہارون الرشید اور مامون الرشید کے عہد میں ترقی اور تمدن کے اعلےٰ زینہ پر پہونچ گئے متعصم کا زمانہ آیا تو اس نے ترکی غلاموں کے جتھے بکثرت

(۱) ابن اثیر جلد ۶ - صفحہ ۱۸۱ ۔

فراہم کئے اور اسی قوم کے لوگوں کو حکومت کے کاروبار سپرد کر دیئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملکی حکام کا گروہ اپنی ذاتوں کے لئے مال دولت جمع کرنیکی طرف جھک پڑا وہ اس قدر بیدردی سے دولت فراہم کیا کرتے تھے کہ ملک کی ویرانی کا بھی اندیشہ نہیں کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نہ وہ ملک اس کا اصلی ملک تھا اور نہ وہاں کے باشندے ان کے ملکی اور قومی بھائی تھے وہ صرف روپیہ جمع کرکے اپنے ملک ترکستان کو بھیجتے رہتے تھے (۱) خلفاء اسقدر کمزور ہو چکے تھے کہ ان کی دست درازیوں کو روکنے کے قابل نہیں رہے اس حالت کو دیکھ کر عاملوں اور وزیروں نے خلفاء کو بھی دھمکی دینی شروع کی اور یہانتک ان سے بن پڑا ظلم و جور کو استعمال میں لاکر ایک دوسرے سے تمول میں بڑھ جانے کی کوشش کرنے لگے اس لئے دولت عباسیہ کی ثروت خلیفہ کے دست قدرت اور بیت المال سے نکل کر عاملوں وزیروں کاتبوں اور سپاہ فوج وغیرہ ہاتھوں میں جا پہنچی خلفاء اپنی حالت کی درستی اور حکومت کے باقی اور قائم رکھنے کیلئے فوج کے محتاج ہوئے اور سپاہی روپیہ مانگتے تھے روپیہ اور دولت پر وزیروں عاملوں اور کاتبوں کا قبضہ تھا لہذا مجبور ہو کر خلفاء نے ان سے معاونت کرنیکا طریقہ جاری کیا پہلے زور ڈال کر اور زبردستی ان کی دولت ضبط کرنے لگے مگر معاونت کے عمل میں آنے کے لئے کارگزار لوگوں کی حاجت تھی اور وہ بھی بغیر مال کے کچھ نہیں کرتے تھے لہذا مال ہی حکومت کی قوت اور شان کو محفوظ رکھنے کا محور بن گیا اور بیت کے ثابت رکھنے دشمنوں سے جنگ کرنے اور اپنی جان بچانے تھے کہ شاہی محلوں کے اندر رہنے کے لئے بھی صرف مال ہی پر خلفا کو اعتماد کرنا پڑتا تھا وہ قریشی حمیت بالکل مٹ گئی جسکی وجہ سے عیسیٰ بن مصعب بن الزبیر نے ۱۷۱ھ میں (بحالت جنگ عبدالملک بن مروان) اپنے باپ مصعب کے مخالفت کی اور محض قریش کی شرم دھیلے سے قتل ہو جانا پسند کرکے اپنی جان نہیں بچائی مصعب زندگی سے ناامید ہو چکا تھا اور وہ اپنے بھائی عبداللہ کے حق خلافت کو بچانے میں مایوسانہ کوششیں کرتا تھا اسی حالت میں محمد بن مروان نے بشرط اطاعت اس کو امان دینے کا پیام بھیجا جسے سنکر مصعب نے تو نامنظور کیا لیکن اپنے بیٹے عیسیٰ کو ترغیب دلائی کہ وہ اطاعت مان لے اور اپنی جان بچالیوے لڑکے نے باپ کی نصیحت سن کر جواب دیا۔ کہ "کیا قریش کی عورتیں یہ نہیں کہیں گی کہ میں نے آپ کے ساتھ دغا کرکے اپنی جان بچائی"۔ مصعب نے کہا اچھا تم اپنے ساتھیوں کو لے کر اپنے چچا کے پاس کہ چلے جاؤ اور ان کو اہل عراق کی کارروائی سے مطلع کرو مجھے اپنی حالت پر چھوڑ دو کیونکہ میری جان اب نہیں بچیگی"۔ بیٹے نے کہا "میں تو ہرگز قریش کو آپ کی وفات کی اطلاع دینے نہیں جاؤنگا مگر ابا جان آپ بصرہ کیوں نہیں چلے چلتے وہاں کے

(۱) ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۲۰۹ ۔

لوگ تو ابھی ہمارے مطیع ہیں اور یہ نہیں تو امیر المومنین ہی کے پاس چلے۔" مصعب نے کہا "نہیں قریش مجھ کو میدان سے بھاگنے والا کہیں گے میں ایسا کام نہیں کرونگا۔" پھر اپنے فرزند سے کہا "تم آگے بڑھو میں تم کو راہ خدا میں قربان کرتا ہوں" اس کے بعد انکی جماعت نے بڑھ کر جنگ شروع کی اور سب اسی میدان میں کھیت رہے (۱)

پھر یہ بات بھی ضروری ہے کہ حکومت کی ثروت مملکت کی فراخی اور تنگی کی حالتوں کی تابع رہے عباسی حکومت کے اس زمانہ پر جو رشید اور مامون کا عہد تھا اور جس میں ملک عام طور پر آباد تھا غور کیا جائے تو دولتمندی بھی اعلےٰ درجہ پر پہنچی ہوئی تھی پھر یکایک اس میں زوال پیدا ہوا اور معتصم کے وقت سے وہ گھٹنے لگی اور جن تینوں قائموں (گوشواروں کو) ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ان کے باہمی مقابلہ کے یہ بات بخوبی عیان ہوتی ہے کیونکہ ان میں جو قائمہ سب سے پہلا ہے وہ مقداریں بھی سب سے بڑھا ہوا ہے جن کا اجمال حسب ذیل کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ ابن خلدون کا قائمہ ۲۰۴ھ سے ۲۱۰ھ تک اس کا ارتفاع ۳۹۶۱۵۵۰۰۰ درہم تھا۔

۲۔ قدامۃ کا قائمہ ۲۲۵ھ کے قریب تک اس کا ارتفاع ۳۸۸۲۹۱۳۵۰ درہم تھا۔

۳۔ ابن خرداذبہ کا قائمہ ۲۵۰ھ کے قریب تک اس کا ارتفاع ۲۹۹۲۵۶۳۴۰ درہم تھا۔

اس سے نظر آتا ہے کہ تیسری صدی کے آغاز میں حکومت کا مالی ارتفاع ۴۰۰ ملین درہم علاوہ دوسرے سامانوں اور غلوں کے تھا پھر وہ اسی صدی کے پہلے ½ حصہ میں ۳۸۸ ملین درہم بلا کسی غلہ کے رہگیا اور اسی صدی کے وسط میں ۳۰۰ ملین درہم سے بھی گھٹ گیا پس اگر کمی کی ایسی ہی تدریجی رفتار حکومت کے آخر عہد تک رفتار کیجائے تو اس کا جو نتیجہ ہوگا اسکا خیال میں آنا بہت آسان ہے البتہ ہم ہر ایک زمانہ کی بابت اس کمی کا صریحی ثبوت پیش نہیں کر سکتے جسکی وجہ اُن ماخذ کی کمی ہے جو اس بارہ میں دستیاب ہوئے ہیں اور اس کا موجب یا تو حکومت کا تحریری رپورٹوں کی تیاری میں عدم توجہی کرنا اور یا اسکی تیار شدہ رپورٹوں کا خانگی جھگڑوں اور دوسرے ہنگاموں کے اثنا میں ضائع ہو جانا کہا جا سکتا ہے۔ +

(۱) ابن اثیر جلد ۴۔ صفحہ ۱۵۹۔ +

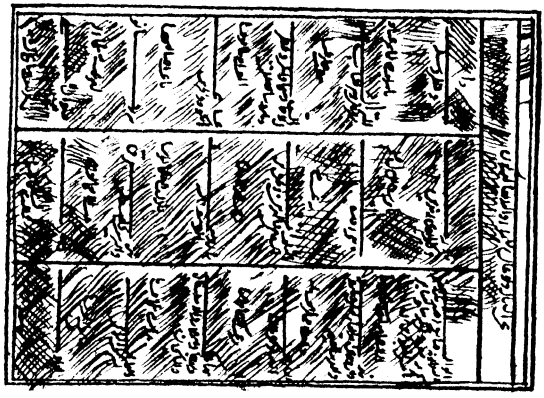
عہد انحطاط کے جبائت کی مقدار

جس وقت ہم ان رقموں کو دیکھیں جو متواتر ہر سال جبائت کی روشن باقی سے بیت المال میں جمع ہوا کرتی تھیں تو ہمیں صاف معلوم ہو جائیگا کہ اگلے خلفاء کی وقتوں کی روشن باقی سے ان بعد میں جمع ہونے والی رقموں کو کوئی نسبت ہی نہیں ہے اس کے علاوہ عباسیوں کی ایک حالت یہ بھی تھی کہ اگر ان میں سے کسی عامل و دوراندیش خلیفہ نے کفائت شعاری کر کے کچھ روپیہ جمع کیا تو اسکے جانشین نے وہ تمام اندوختہ فضول خرچیوں میں اڑا ڈالا چنانچہ ان کی بابت جو مثلیں مشہور ہیں منجملہ ان کے ایک یہ مثل بھی ہے کہ "سفاح۔ منصور۔ مہدی۔ ہادی اور رشید نے جس قدر روپیہ جمع کیا تھا وہ ۱۹۳ھ سے ۲۰۳ھ تک پانچ برسوں میں "امین" نے خرچ کر ڈالا پھر مامون معتصم اور واثق کا اندوختہ متوکل نے ۲۳۲ھ سے ۲۴۷ھ تک خرچ کیا اس کے بعد منتصر معتز۔ مہدی۔ معتمد۔ معتضد اور مکتفی نے جس قدر دولت ذخیرہ کی تھی وہ ۲۹۲ھ کفائت ۳۲۰ھ کے عرصہ میں مقتدر نے گلچھروں میں اڑا دی۔

مقتدر کے عہد کے سوا اور کسی زمانہ کی سالانہ جبائت کی مقدار مفصل طور پر ہم کو نہیں معلوم ہو سکی کیونکہ مقتدر کے وقت میں اوس کے وزیر علی بن عیسےٰ نے خزانہ کی حالت مخدوش ہونے پر اپنی ذات کو الزام سے بری کرنے کے لئے مجبوراً سالانہ آمد و خرچ کا ایک گوشوارہ صرف ۳۰۶ھ کی بابت تیار کیا تھا اس گوشوارہ کا نسخہ بھی مدتوں تاریکی کے عالم میں پڑا رہا اور لوگوں نے اس کو تلف شدہ خیال کیا حتیٰ کہ بیرن وان کریمر نے اسے ظاہر کر کے ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا جس کا نام ۳۰۶ھ کی بابت حکومت عباسی کی جبائت (۱) رکھا ہے اور اسپر ایک دیباچہ جرمنی زبان میں تحریر کیا ہے جس کے اندر اس نسخہ کے دستیاب ہونے کی کیفیت اور اس کے پڑھنے میں جو دقتیں اٹھانی پڑیں اونکی حالت درج کی ہے کیونکہ وہ ایک غیر مالوف عربی رسم خط میں لکھا ہوا تھا جس کا حال تصویر ملحقہ کے ملاحظہ سے کھلیگا۔ بیرن وان کریمر نے اُس قائمہ پر جو نوٹ تحریر کئے ہیں اُن کا بیان باعث طوالت تھا لہذا ہم ان کو ترک کر کے صرف اس کی وہ عبارت ذکر کرتے ہیں جو اصل کتاب کی اس نے پڑھی ہے جس قائمہ کا ہمنے ابھی ذکر کیا ہے وہ چار قسموں پر منقسم ہے قسم اول میں سواد اور اس کے ملحقات کی جبائت کی تفصیل ہے دوسری قسم میں مشرق یعنے سواد کے شرقی جانب واقع ہونے والے شہروں کی جبائت کا مفصل درج ہے تیسری قسم میں مغرب یعنے سواد کے غربی

(۱) Einnahmebudget des Abbasidon Reiches.

واقع ہونیوالی جبائت کا بیان ہے اور چوتھی قسم میں اموال خاصہ اور موقوفہ کی آمدنی شرح طور سے ذکر کیگئی ہے



دولت عباسیہ کی جبائت کے قائم کے پہلے صفحہ کی تصویر جو ۳۰۶ھ کی بابت تیار ہوا تھا جس کو بیرن وان کریمر ساکن جرمنی نے پڑھ کر تحریر کیا ہے۔

دولت عباسیہ کی جبائت بابت ۳۰۶ھ

یہ مقتدر کے وزیر علی بن عیسیٰ کا گوشوارہ ہے اور وان کریمر کی تحریر کے مطابق یہاں درج کیا جاتا ہے

۱۔ سواد کی جبائت

کیفیقد بیان سواد۔ اور اعمال معمورہ اور مذکورہ شہروں کا

دینار ۱۵۴۷۷۳۴ اُسکی تفصیل

سواد اور اوس کے طسابیج کے اموال اور بصرہ کی اراضی مغرب کے صدقات اور وہاں کے جہازات اور تمام وہ آمدنیاں جو اس کی طرف منسوب ہیں اور اس کے ساتھ چلتی رہتی ہیں۔

باذوریا اور کلواذی اور نہرین۔ ۱۶۶۲۸۳ درہم۔

۱۹۸۳۱۳ انبار۔ قطربل اور سر۔

۷۵۵۷۶ بہر سیر۔ رومقان۔ الیار۔ لیقطین۔ جاذر۔ اور مدینۃ العتیقہ (شہر کہنہ)

۲۵۰۰۰	کوثی اور نہر درقیط
۹۵۲۶	نہاب الاعلیٰ اور نہر گشتاسپ
۱۶۷۳۶	فلوجۃ العلیا اور ارحاء
۱۳۵۸۵	فلوجۂ سفلیٰ۔ نہرین اور عین التمر
۱۴۰۲۵۹	سیب الاعلیٰ۔ سورا۔ بابل۔ خطرنیہ اور بارد سمائی اعلیٰ
۳۸۳۵۰	نہر الملک۔ مرجا۔ نہر جوبر۔ اساسان اور مالکیات۔
۴۶۳۳۶	بارد سمائی اسفل۔
۱۱۰۱۵۴	طساسجۃ الکوفہ والمزن۔
۵۰۲۱۹	سرمن رائی متعلقہ نوآبادی سے۔
۲۰۵۹۰	نہر بوق اور دیر اسفل
۲۴۳۰۰	بزرگ سابور
۳۰۰۳۵	راذاناں۔
۱۳۶۶۶	رستقباد
۴۶۴۸۰	نہروان اعلےٰ اور سمنطائی
۴۰۳۲۷	نہروان اوسط۔
۶۰۵۳۲	نہروان اسفل
۱۵۹۰۸۹	صلح اور منازل
۴۲۴۹۹	بادرایا اور باکسایا
۳۱۰۷۲۰	واسط مع خاصہ اور مستحدثہ اور عباسیہ کا راتبہ (مقررہ) خرچوں کے بعد
۱۲۱۰۹۵	بصرہ اور کور دجلہ
۲۲۵۷۵	بصرہ کے جہازات
۴۲۷۵۰	ضمانات اموال نہروں کے فضول سوا ایکجا نیوالی رقمیں جو مفروضات کیجانب منسوب کیجاتی ہیں
۸۰۲۵۰	عبارت بیت کی (العبارۃ بہبیت)
۱۶۹۷۵	بغداد و بصرہ۔ سرمن رائی۔ واسط اور کوفہ کی بھیڑ بکریوں کے بازاروں سے
۶۰۳۷۰	بغداد۔ سرمن رائی واسط۔ بصرہ اور کوفہ کی ٹکسالوں سے۔

۶۶۰۰۰	بغداد کے جوالی سے (جوالی۔ کنوئیں کی من وجہ ابات[1])
۱۳۸۷۴	ارتفاقات۔ درختوں اور جاگیروں کے مال سے دربار کو جو رقم ادا کی جاتی تھی
۱۸۴۶۳۸۱	(میزان)[2]

۲۔ مشرق کی جبائت

۱۲۶۰۹۲۲	کور اہواز سے جو ابراہیم بن عبداللہ المسیح وغیرہ کے ضمان میں تھا۔
۱۶۳۴۵۲۰	فارس کے اموال مع اون آمدنیوں کے جن کو مونس خادم پاتا تھا اور مع ان مطالبوں کے جو اطراف والوں کے ہاتھوں میں تھے جنکو صرف مال غنیمت کے طور پر مارد کیا گیا ہے
۲۵۸۰۴۰	اس نواحی کے امرا کے تعلق مع سیراف کے جہازوں کی آمدنی کے۔
۳۶۴۳۸۰	کرمان مع امرا کے تعلقہ کے مال جہاد و روح اور بیابانی دیہات کے علاوہ اور مع اسکے جو کہ مونس خادم خزانچیوں اور پرکھنے والوں کے مال سے لیتا تھا۔
۸۰۰۰۰	عمان کی جاگیر میں سوئی اس ہدیہ کے جو کہ دربار کو ارسال ہوتا تھا۔
۳۵۹۷۸۶۲	(میزان)

ارتفاع خراج اور عام لوگوں کے علاقوں کا مشرق میں جو معاملہ کی رو سے تھا اور وہ ارتفاع جو امانت اور ضمانت کے ذریعے سے ہوتا تھا ۵۷۰۵۲۵ درہم

۴۶۵۰۷۸	رے اور دماوند کا خراج دہانکے اصفہان اور اساس معان رقوں کے جنکا وہاں سے بذریعہ استخراج ابن داوودان اور احمد بن علی کے ہوتا تھا۔
۱۲۲۶۴۴	وہاں کے تعلقے
	قزوین۔ زنجان۔ اور ابہر۔
۱۱۵۷۱۰	خراج
۵۸۲۹۰	تعلقے

قم

---

[1] (آپاشی کے چاہات بغداد کے مضافات میں تھے انکی آمدنی مراد ہے) مترجم عفی عنہ۔

[2] قائمہ کے شروع میں جو بھوری رقم تحریر ہوئی ہے اُس میں اور اس میزان میں فرق نظر آتا ہے جس کا سبب شاید اصار کے بڑھنے کی غلطی قرار دی جائے مگر ہم اسی پہلی اجمالی تعداد کو ذکر کرینگے۔ (مؤلف)

	خراج	۱۹۷۲۲۹
	تعلقے	۸۰۲۲۹
	اصفہان	
	خراج جو نئے قرار دادوں کے ذریعہ سے ہوتا تھا کردوں کے خراج اور اس آمدنی کے جو الیغار اور شاہی علاقوں سے ہوتی تھی۔	۴۱۰۱۷۸
	وہاں کے تعلقے	۱۸۹۳۳۴
	ماہ البصرہ اور الیغارین۔	
	خراج	۱۸۵۶۳۶
	تعلقے	۲۶۷۵۲۰
	ہمدان	
	خراج	۱۵۰۴۸۰
	تعلقے	۵۵۷۸۹
	ماسبذان	
	خراج	۵۷۷۴۶
	تعلقے	۱۶۷۵۰
	وادی ساوہ اور وہاں کے پانی پلانے کا مکان	۱۷۶۲۵
	ماہ الکوفہ خراج کی مد سے سوئی صنایع رابیہ اور مستحدثہ اور طعم کے	۱۰۵۶۷۸
	وہاں کے تعلقے	۸۹۵۰۰
۲۲۵۱۹۳	علاوہ خراج اور تعلقوں دونوں کی مد سے	۳۰۰۱۵
۲۲۶۳۷۰	آذربیجان اور ارمینیہ ان معاونہ پر جنپر نرخ کے طریقہ کی تقسیم کی گئی تھی	
۶۴۳۹۶۶۳ (تینتالیس)		

۳۔ مغرب کی جبائت

بیان تعلقوں اور عام خراج کا جو مغرب اور اسکی چھاؤنیوں سے ان اضافوں کے

بعد آتا تھا جو حسب عادت اصلی ارتفاعات سے وضع ہو جاتے تھے اور سوا جاگیر اور غنیتوں کی ضبوطی قیمت کے جنکی ہر سال ادا کرنیں (جزیرہ قبرس) کے لوگوں کی تفریق کیگئی تھی اور جس ذیل اعمال اور اموال سماۃ (نام نہادہ) کا یہ ہوتا تھا۔
جو کچھ مغرب اور اس کے اجناد کے متعلق ہوتا۔

۴۷۴۶۴۹۲

اسکی تفصیل

۲۹۰۷۷۳	مصر اور اسکندریہ قدیم احتسابات کے بعد
۱۰۸۰۰۰۰	اور سوائی مازرائیین کی مصادرت اموال مرافق اور محصول درآمد مال اور اموال غنیمت کی قیمتوں کے۔
	جند فلسطین احتسابات کے بعد۔
۸۰۷۵۰	مال
۲۳۰۶۴۷	
	جند اردن احتسابات کے بعد
۴۰۴۶۰	مال
۱۰۲۰۶۲	
	جند دمشق احتسابات کے بعد
۱۱۳۰۵۷	مال
۳۱۵۳۰۰	
	جند قنسرین اور عواصم احتسابات کے بعد
۱۳۳۰۹۷	مال
۳۵۲۵۷۰	
۱۵۷۶۵	دلوک اور رمبان
۵۲۹۸۵	ثغر شامیہ سوائی احمد بن حسین کاتب کی عمل کے
۵۳۹۷	شغاط حصن منصور اور کیوم بعد وضع شدہ رقم کے
۶۵۳۳۲	مال

لہ حساب نہی کے بعد

سمیساط اور ملطیہ احتسابات کے بعد

مال	۱۴۵۰۱
	۳۴۱۲۰

آمد سوئی اسکے جو جاگیروں اور کاسہ میں جمع ہو جاتا تھا اور احتسابات کے بھی بعد

مال	۵۴۷۸
	۸۲۴۲۲

ارزن اور میافارقین احتسابات کے بعد

مال	۵۶۷۵۰
	۸۲۴۲۲
دیامضر	۲۵۷۲۲۵

دیار ربیعہ احتسابات کے بعد

مال	۲۲۷۹۷
	۳۰۴۰۹۳

موصل۔ مروین۔ بہذرا۔ اور رساتیق البلیہ احتسابات کے بعد

مال	۱۷۷۵۰
	۴۹۲۴۳۰
طریق الفرات	۹۶۵۸۴
(میزان)[1]	۴۶۵۹۳۴۱

۴۔ اموال خاصہ کی جبائیت

جس میں اعمال مساۃ اور اموال خاصہ اور اموال موقوفہ وغیرہ سب ہونگے۔

وہ تعلقے جو خاصہ کیحالت ضمان واسط میں خراب ہو جانیپر جدید قائم کئے گئے تھے	۲۸۹۰۳۶
اموال خاصہ انکے سوائی جو نواحی واسط میں تھے کیونکہ وہ اموال عامہ میں اضافہ ہو کر انکے اندر خلط مبحث ہو گئے تھے اور انکی باربرداریوں اور مصارف میں آ گئے تھے۔	۵۱۶۴۴۷
عبر۔ (دریاؤں کے گھاٹ)	۱۸۵۴۱۱

(۱) یہاں بھی اس میزان اور اوپر لکھی ہوئی میزان میں فرق ہے اور ہم اسی اوپر والی میزان پر اعتماد کرینگے (مؤلف)

	۱۱۶۱۲۰	اہواز (گڈھے اور زمینوں کے شق شدہ مقامات اور ریت کے ٹیلے)
	۷۲۶۶۶	مشرق
	۱۰۴۷۰۰	مغرب
۱۸۷۷۸		ہیت اور اس کے اعمال ایکھ کی اراضیوں کے سوا۔
	۸۲۴۰	عبر
	۵۲۶۲	اہواز
	۵۸۴۵۰	مغرب
	۶۲۲۰۰	مشرق
۱۴۴۷۶۰		عباسیہ کی اراضیوں کا مال جو اوسط کے نواح میں تھیں۔
	۱۴۷۳۲	عبر
	۱۴۲۴۶	اہواز
	۳۰۶۷۲	مشرق
	۷۵۱۱۶	مغرب
۴۵۷۰		مسجد نہر وقف کیا ہوا مال اس کے سوائے جو واسط میں تھا۔
	۲۲۸۶۹	مشرق
	۱۲۷۶۰	مغرب
۶۱۷۱۲۶		فراتی زمینوں کا مال
	۱۷۰۳۲۶	عبر
	۱۲۹۷۲۴	اہواز
	۹۷۳۳۶	فارس
	۹۵۲۷۸	مشرق
	۱۱۴۲۲۵	مغرب
۱۸۳۰۰۱		۳۰۳ھ کی مفرد اراضیوں کا مال۔
		خزانچیوں اور پر کہنے والوں کا مال سوائے اسکے جو عمال اہلی اموال کے ساتھ جمع کیا کرتے تھے اور سوائے اسکے جو اس میں سے فارس میں مونس خادم کا حق تھا

اور سوائے اسکے جو اسمیں سے واسطے کے ضمان میں داخل ہو گیا تھا۔

۱۷۶۸۰۱۵ - (میزان)

خلاصہ

۱۵۴۷۷۳۴ -	سواد کی جبائت
۶۴۳۹۶۶۳	مشرق "
۱۷۴۶۴۹۲	مغرب "
۱۷۶۸۰۱۵	اموال خاصہ "

۱۴۵۰۱۹۰۴ - دینار۔

اس جبائت کی نسبت عصر عباسی اول کی مقدار جبائت سے

اس جبائت کی میزان جو ۱۴ ½ ملین دینار سے بھی زائد ہے اگر اس کو درہموں میں تحویل کیا جائے تو اسکی مقدار عصر عباسی اول کی مقدار جبائت کے قریب قریب پہنچ جائیگی مگر دونوں کی حالتوں میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ اسوقت آمدنی میں سے خرچ ہونے کے بعد ایک کثیر رقم باقی بچتی اور خزانہ میں جمع ہوتی تھی اور اس زمانہ میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ آمدنی خرچ کے لئے پوری نہیں پڑتی تھی زیادتی مصارف کے اسباب تو ہم آگے چل کر بیان کرینگے مگر یہاں اپنے قول کی سند میں ہم کتاب "عنوان السیر" سے حکومت عباسیہ کے صرف ان مصارف کا بیان اخذ کرتے ہیں جو علی بن عیسےٰ وزیر کے وقت میں ہوتے تھے اور جنکو مولف مذکور نے معمولی اخراجات کے علاوہ خاص طور پر درج کیا ہے اور جو حسب ذیل ہیں:۔

دینار	
۳۱۵۴۲۶ ½	حرمین اور ان کے راستوں کے مصارف۔
۴۹۱۴۵۶	سرحدوں کے مصارف۔
۵۶۵۶۹	تمام ملکوں کے قاضیوں کے رواتب (تنخواہیں)
۳۴۴۳۹	قطر کے تمام شہروں میں عدالتہائے حسبہ اور مظالم کے افسروں کی تنخواہیں۔
۷۹۴۰۲	ملازمان محکمہ ڈاک اور پرچہ نویسی کی تنخواہیں۔
۹۷۷۲۹۲ ½ -	

اور ان تمام ابواب کا مستغلہ کے قائمہ میں کہیں ذکر بھی نہیں ہے چہ جائیکہ سپاہ وغیرہ کے مصارف کو بڑھانیوالی زیادتی جسکے لحاظ سے مذکور کے ایام میں آمدنی سے خرچ ۲۰۸۹۸۹۴ دینار بڑھ گیا تھا (۱)

(۱) عنوان السیر جسکو کیمر نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

اسی بیان پر مقتدر کے قبل اور اس کے بعد والے خلفاء کے زمانوں میں بیت المال کی مالت کا اندازہ کر لینا چاہیئے جو خلفاء وزراء اور دیگر تمام حالتوں کے تفیر کے ساتھ بدلتا اور مختلف ہوتا رہتا ہوگا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مامون کے بعد حکومت کی کمزوری اور تنزل کے ساتھ دولتمندی بھی گھٹتی اور نقصان پذیر ہوتی گئی اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں آمدنی پر سے معارف کو مجرا کرنے کے بعد جو رقم پس انداز ہوا سے ہم ثروت کا معیار قرار دیتے ہیں اس کی بنا پر بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ بجز خاص حالتوں کے اور چھوٹی چھوٹی رقموں کے بیت المال میں کچھ پس انداز ہو کر جمع ہوتا رہا ہو خلیفہ معتصم نے اپنے بیت المال میں ..... درہم اندوختہ چھوڑا اور ۲۵۱ھ میں خلیفہ معتین نے ..... ۵ دینار بیت المال میں چھوڑے (۲) اور ۲۹۵ھ میں خلیفہ مقتدر نے اپنا اندوختہ ..... ۱۵ دینار ترک کیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ اتنی رقم پر سے خلفاء کے ترکہ کی تقسیم مگر مقتدر نے حکمران ہوتے ہی یہ تمام اندوختہ صرف کر ڈالا اور اپنے عہد کا جمع کیا ہوا روپیہ بھی خراج کے علاوہ جو مصادرات کے طریقہ سے بہم فراہم کیا تھا وہ بھی سب اڑا ڈالا (۳) خزینہ کا اس نے فضول خرچیوں اور لغو باتوں میں جتنا روپیہ خرچ کیا اس کی مقدار ..... ۷۰ دینار سے کچھ زائد اندازہ کیگئی ہے (۴) اور یہ خرچ مکروہ انزاجات سے بالکل الگ تھا پھر لطف یہ ہے کہ باوجود اتنا روپیہ فضول طور پر اڑانیکے آخر کار وہ اس امر پر مجبور ہوا کہ خلافت کیلئے فوج اور غلاموں کو راضی اور ہموار کرنے کی غرض سے اپنی اراضیاں فرش فروش اور سونے چاندی کے ظروف تک فروخت کر ڈالے (۵) ۳۲۱ھ خلیفہ مطیع اللہ کے ایام میں بیت المال کے خالی ہونیکی یہ حالت پہنچ گئی تھی کہ جب قت بغداد میں ہنگامہ برپا ہوا اور فوج کو اس کے فرو کرنے کے لئے مامور کیا گیا تو سپاہیوں کے دینے کے واسطے ..... ۴ درہم خلیفہ نے اپنے پہننے کے کپڑے اور گھر کا کنڈر تک بیچ ڈالا (۶) ۳۲۲ھ یعنے خلیفہ راضی باللہ کے عہد خلفاء کی حالت میں انقلاب عظیم پیدا ہو گیا تھا حکومت کی باگ ان کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی اور صرف ان کے نام کا سکہ اور خطبہ رائج تھا (۷)

خلاصہ یہ ہے کہ عباسی ثروت کے انحطاط کے بہت سے اسباب ہیں جن میں سے بہتوں کو علی بن عیسیٰ کی رپورٹ میں درج ہونے والے نئے نئے ٹکسوں اور محصولوں کے نام ہی داغ کئے دیتے ہیں کیونکہ وہ سب بیش قرار معارف کی کمی پوری کرنے کی غرض سے قائم ہوئے تھے +

(۱) نجزی ۲۰۹ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۵۵ (۳) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۴ (۴) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۹۰ (۵) صلۃ التاریخ طبری صفحہ ۱۴۴ — (۶) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۴۲ (۷) نجزی صفحہ ۲۵۲ اور ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۴۳ +

اسباب انحطاط ثروت عباسیہ

عباسیوں کے دوسرے دور میں

عباسیوں کے پہلے دور میں انکی ثروت اور اس کی کثرت کی بحث کرتے ہوئے ہم نے بیان کیا تھا کہ اس کے سبب محاصل کی فراوانی اور اخراجات کی کمی ہیں اور پھر اس کی پوری طرح تفصیل بھی کر دی تھی اسی بناء پر ثروت کی کمی کے سبب ملکی محاصل کی قلت اور مصارف کی کثرت ہونے چاہئیں پھر ان دونوں ابواب کی بھی چند تفصیلات اور تشریح کے کچھ سبب ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

قلت جبایت کے اسباب

(۱) عباسی حکمرانوں کی سستی

مملکت عباسیہ نے بڑی بڑی سخت خلفاء مثلاً ہارون الرشید اور مامون کے عہد میں پائی ہیں کے بعد بعض ملک اس سے جدا ہونے لگے ان کے سبب کا بیان کرنا طوالت طلبیہ ہے حکومت عباسیہ کے صوبوں میں سے سب سے پہلے اندلس اور دولت ادریسیہ کا مغرب ڈالا اور اس کی ابتداء رشید کے ایام میں ہوئی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے پھر مامون کے ایام میں خراسان کا صوبہ آزاد ہوا اور اس کی تیسری صدی ہجری کے وسط اور خلافت معتمد کے عہد میں ایک مصر نے دوسری دولت کی اور اس کے بعد فارس اور ماوراء النہر وغیرہ ملکوں کا نمبر آتا گیا غرضیکہ چوتھی صدی ہجری کے پہلے پہلے عباسیوں کی سلطنت ختم ہونے پائے تھے کہ وہ وسیع اور عظیم الشان سلطنت پندرہ سو اجزاؤں میں بٹ گئی جس کا ہر ایک حصہ کسی نہ کسی مسلمان حکمران کے زیر نگین تھا اور ان سب حکومتوں میں زیادہ تعداد کی حکومتیں عباسی خلیفہ کو اپنا مذہبی سردار اور پیشوا تسلیم کرتی اور اس کو کچھ سالانہ کے نام سے چند مصالحت اور بعض ہدیہ وغیرہ کے ناموں سے کوئی سالانہ رقم نذر کیا کرتی تھیں اور اکثر حکومتیں اس قسم کی تھیں جو اپنے ذمہ کی رقم بارہ پندرہ برس کی مدت میں صرف الکبا ادا کرتیں لہذا اس صورت پر مملکت کی پراگندگی جبایت کی مقدار کو کم کرنے کے لئے ایک طبعی امر تھا

(۲) لگان کی تخفیف

ہم نے اس ثروت عباسیہ کی زیادتی کے سبب میں جو ان کے عروج کے ایام میں تھی معاملہ

---

(۱) حصہ اول تاریخ تمدن الاسلام [illegible] ترجمہ اردو

ارامنی کا بھاری ہونا بھی ایک سبب قرار دیا تھا اور خصوصاً ملک عراق میں جہاں "مامون" کے عہد تک نصف پیداوار کے قریب حکومت کے لگان میں لیا جاتا تھا۔ عباسی خلفاء نے لگان کی یہ شرح بہت گراں تصور کی اور اسی کے ساتھ اُس نے یہ بھی کیا کہ میرا خزانہ خوب معمور ہے اور اسپر ہر طرف سے اور بھی بیشمار مال چلا ہی آتا ہے۔ لہٰذا اس نے رعایا کے ساتھ تخفیف کا برتاؤ کرنا مناسب تصور کر کے ملک عراق کا لگان گھٹا دیا اور پیداوار کا ۱/۵ حصہ کر دیا گویا کہ بہ نسبت سابق کے بیس فیصدی کی تخفیف کر دی گئی اور یہ بہت بڑی تخفیف تھی جس کی وجہ سے زراعی ملک عراق کے ارتفاع خراج میں نمایاں فرق ہو گیا چنانچہ "قدامہ" کو قائمہ میں عراق کے خراج کی مجموعی مقدار گیارہ کروڑ چالیس لاکھ ستاون ہزار نو سو پچاس درہم سے گھٹکر "ابن خرداذبہ" کے قائمہ میں سات کروڑ تراسی لاکھ اٹھین ہزار تین سو چالیس درہم رہ گئی کیونکہ اول الذکر نے بظاہر اس تصرف کو پیداوار کے حساب سے اندازہ کیا تھا اور موخر الذکر نے بیع کے حساب سے اندازہ لگایا۔

مامون کے بعد آنیوالے خلفاء نے بھی محصولوں کی کمی میں اس کی پیروی کی ۲۳۲ھ میں خلیفہ "واثق" نے جہازوں اور کشتیوں کا عشر بند کر دیا(۱) جو ایک ضروری اور قابل لحاظ محصول تھا اور بیت المال کو اس سے بہت بڑی آمدنی ہوا کرتی تھی "واثق" کے بعد اس کے بیٹے "متوکل" نے بھی کی اس نے خراج دینے والوں کے ساتھ یہ مہربانی کی کہ ادائیگی کی میعادوں میں سہولت اور تاخیر کر دی جس کا سبب یہ تھا کہ اسلام سے قبل جس کسی کو لوگ زر و زر کے دیتے تھے اس طریق کی تعمیل شروع کرتے تھے جو ان کے یہاں حزیران (جون) کی پانچویں تاریخ کو واقع ہوتا تھا اور ہر ایک مزیس سال کے بعد ایک مہینہ کبیسہ (لونہ) کا نکال کر نظام شمسی کی کمر ٹھیک ڈالتے تھے اسطرح کہ نوروز جو برابر ہر سال پانچویں جون کو ہوتا رہتا تھا جب ایک سو بیس سال گذر جاتے تو ایک مہینہ نکال ڈالتے اور بجائے ۵ جون کے اس کے لئے دسمبر کی تاریخ قرار دیتے جون کو نوروز مناتے تھے اور نہ ان سے خراج کا مطالبہ ہوتا تھا یہانتک کہ ایک مہینہ گذر جاتا یعنی مئی کی پانچویں تاریخ آجاتی تو وہ اپنی عیدیں کرتے اور خراج کی بھی تحصیل جاری ہوتی تھی سامانوں نے عراق کا ملک فتح کر کے خراج کی تحصیل کا سب سابق دستور رہنے دیا تھا مگر جب اس کو ایک سو بیس سال کی مدت گزر گئی اور لونہ کا مہینہ نکالنے کا وقت آیا تو انہوں نے حسب معمول ایک مہینہ گھٹانا چاہا اس زمانہ میں "خالد سری" عراق کا گورنر تھا وہ لوگوں کو اس بات سے منع آیا اور اس نے کہا کہ یہ ناجائز تاخیر ہے جس سے خدا نے منع فرمایا ہے"۔ اس نے خلیفہ ہشام بن عبدالملک سے بھی اس بارہ میں رائے دریافت کی جس نے "لونہ" کے مہینے کی رسم مٹا نے

(۱) فتوح ص ۴۱۹ اور ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۴۰ اور طبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۴۱ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۶۳ ؛

میں اسی کی رائے سے موافقت کی لہذا اسوقت سے تحصیل خراج کا حساب ایک مہینہ تیاری فصل کے قبل چلتا رہا اور اگر پاس کے بعد بھی اہل فارس نے "لوند" کا مہینہ قائم کرنے کی متواتر کوششیں کیں لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے خلیفہ ہارون الرشید کا عہد آیا تو انہوں نے یحیی بن خالد برمکی کے ذریعہ سے اپنی یہ خواہش خلیفہ کے حضور میں پیش کرانی چاہی یحیی بھی ان کی درخواست مان لینے پر تیار ہو گیا تھا لیکن اس کے دشمنوں نے اسپر زندیق مذہب والوں کی طرف میلان رکھنے کا اتہام لگانا شروع کیا جس کی وجہ سے وہ رک گیا اور اپنے ارادہ سے باز رہا ان وجوہ سے موسم کا وہ فرق روز بروز بڑھتا ہی گیا تا آنکہ متوکل کے ایام میں تحصیل خراج کا وقت اپریل کے مہینہ سے شروع ہونے لگا جبکہ کھیتی بالکل سبز رہتی تھی اتفاقاً خلیفہ متوکل کا کسی مرغزار پر گذر ہوا اور اس نے یہ دیکھا کہ ابھی کاشت بالکل خام اور سبز ہے لہذا اس نے اپنے ایک ساتھی سے دریافت کیا کہ "یہ کیا بات ہے کہ دفتروں میں خراج کی مانگ شروع ہو گئی ہے اور کھیتوں میں ابھی سبزی موجود ہے زراعت پختہ ہی نہیں ہوئی" اس وقت اس مصاحب نے موقع پاکر وہ تمام قصہ بیان کیا جس کو سنکر خلیفہ نے حکم صادر کیا کہ جتنا فرق اب تک پڑ گیا ہے وہ اس سال میعاد بڑھا کر نکال دیا جائے حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ دو مہینے چند دن کا فرق ہو چکا ہے اگر اتنا زمانہ نکالا جائے تو کہیں نوروز اپنے اصلی وقت پر ہوگا خلیفہ نے اس بات کو منظور فرمالیا اور ۲۴۳ھ میں اسقدر تاخیر کرنے کا حکم دیدیا جس سے لوگوں کو بہت خوشی ہوئی (۱) کیونکہ گویا خلیفہ نے اس سال کا تقریباً ۱/۶ حصہ خراج معاف فرما دیا تھا چنانچہ تجربی شارح نے اس بارہ میں کہا ہے :-

ان یوم النوروز عاد الی العهد الذی کان سنة اردشیر } یعنی "نوروز کا دن - پھر اسی زمانہ کی طرف پلٹ آیا جس میں "اردشیر" نے اس کو مقرر کیا تھا"

مگر متوکل کا حکم پوری طرح جاری بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ وہ قتل کر دیا گیا اور اس کے بعد معاملات خلافت میں گڑبڑ پڑ گئی پھر جبکہ معتصد باللہ کا زمانہ آیا تو اس کو دوبارہ اس امر کی جانب توجہ دلائی گئی اور اس نے ۲۸۱ھ میں ساٹھ دن نوروز کو موخر کرنے کا فرمان صادر کیا جو کہ آغاز ۲۸۲ھ کے مطابق تھا اور پڑتا کر ۱۲ ربیع الاول سنہ مذکور کے دن قرار پایا اور ۱۱ جون کے ساتھ مطابق کیا گیا پھر اس کے بعد سے یہ معمول قرار دیا گیا کہ ہر چار فارسی سالوں میں سے ایک دن کبیسہ کا نکالدیا جایا کرے (۲) خلیفہ نے یہ تمام انتظام لوگوں کے رفاہ کی خوش اعتقادی کے ساتھ زمم آمیز برتاؤ کرنے کی نیت سے کیا تھا (۳) ۲۸۵ھ میں خلیفہ "معتضد" نے ان کسور کو معاف کر دیا جو پیمائشی رقبوں کی زراعت پر باقی رہ

(۱) بیرونی ۳۱ - (۲) مقریزی جلد (۱) صفحہ ۲۷۳ (۳) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۸۶

گئی نہیں۔ اس کی صورت یوں تھی کہ خلیفہ منصور نے جب ملک عراق کا خراج بحاظ بٹائی کے مقرر کیا تو بعض اراضی کا خراج سابق دستور پیمائشی رقبہ کے حساب سے بھی رہنے دیا تھا اور جو لوگ ان اراضیوں کے مالک تھے انپر ہر سال کچھ کسر ٹوٹتی تھی جبکا مطالبہ حکومت کیطرف سے قائم رہتا تھا خلیفہ مہدی حکمران ہوا تو اس نے حکم دیا کہ وہ سب کسرات معاف کر دیجائیں اور اسی طرح کے دوسرے مطالبات سے بھی چشم پوشی کی جنکی مقدار تقریباً ایک کروڑ بیس لاکھ درہم سالانہ تھی (۱)

خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ رشید اور مامون کے عہد کی نسبت مابعد کے ایام میں خراج کے موارد کمزور ہو گئے تھے اور یہ امر جبایت کی کمی کا مساعد تھا۔

(جزیہ اور زکوٰۃ) اسی قبیل سے جزیہ کا نقصان بھی شمار کرنا مناسب ہوگا جو ایک مدت تک لوگوں کے رفتہ رفتہ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہنے سے واقع ہوا چنانچہ تیسری صدی ہجری کے وسط میں اس مد سے خاص بغداد میں وصول ہونے والی رقم گھٹتے گھٹتے ایک لاکھ تیس ہزار درہم رہگئی رہا حالانکہ علی بن عیسےٰ کے قائمہ میں یہ بات نظر آتی ہے کہ ان دنوں اس مد کی آمدنی سولہ ہزار دینار یعنے ابن فرناذ کے بیان سے تقریباً دو گنی رقم اونہیں وصول ہوتی تھی پس اگر ہم جزیہ کی اوسط قیمت (جو چوبیس درہم فی کس ہے کے اعتبار سے اس رقم کا پرتہ لگائیں تو لاکھ ہزار مردوں پر پہنچیگا اور ان کے ساتھ اور اون کے ساتھ عورتوں اور بچوں کی تعداد کا اضافہ شامل کرنے سے بغداد میں سکونت رکھنے والے یہودی اور عیسائی اہل ذمہ کا شمار چالیس ہزار سے نادر نہیں ٹھہرتا۔ حالانکہ وہ زمانہ بغداد کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا اور اس کی مردم شماری ایک بلین سے کہیں زیادہ تھی اور جب وہاں کی یہ حالت تھی تو دوسرے اسلامی شہروں کو بھی اسی انداز پر قیاس کر لینا مشکل نہ ہوگا۔

اور زکوٰۃ کے متعلق بھی قریب قریب ایسی ہی دو مثلیں بیان کی جاتی ہیں جو بامتداد ایام کم ہوتے ہوتے قریب بالکل مٹ جانے کے پہنچ گئی اور اس کا مطالبہ لوگوں کے آمادہ جنگ ہو لے کا باعث ہو گیا (۲) مصر میں تو زکوٰۃ کی تحصیل بالکل بند ہو گئی تھی جس کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ جاری کیا مگر مسلمان اوس کے دینے سے انکار کرتے تھے اور جو شخص وصول کرنے جاتا اسے برا بھلا کہتے تھے لہذا منصور قلاون نے اپنے عہد حکومت ۶۷۸ھ میں ملک مصر سے زکوٰۃ کی تحصیل بالکل اڑا دی (۳)

(۳) عاملوں کا خراج کی رقموں سے اپنا گھر بھرنا

بنی اُمیہ کے عہد میں عاملوں کا تحصیل خراج میں ظلم و ستم سے کام لینا اور اسکی آمدنی کو خورد برد

(۱) مادردی صفحہ ۷۰ (۲) ابن خرداذبہ صفحہ ۱۲۵ (۳) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۸۲۔ (۴) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۱۰۰ و ۱۰۸ ۔

کر جانے کا حال پہلے معلوم ہو چکا ہے اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ عباسیوں کے دور میں انکی حالت اس بارہ میں بہت کچھ سدھر گئی تھی لیکن افسوس ہے کہ یہ عمدگی زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکی خلفاء کی کمزوری کے ظاہر ہوتے ہی عمال نے خود سری شروع کر دی خراج اور اس کے وصول کرنے پر بااختیار ہو گئے اس امر پر مجبور ہوئے کہ ایک بہت حقیر رقم پر جو ان سے سال بسال لیتے رہیں خراج کا معاہدہ کر لیں جسکو "ضمان" یا "مقاطعہ" کہنا چاہیئے جیسا کہ خلیفہ مامون نے بشیر بن داؤد سے ۲۰۸ھ میں ملک سندھ کے خراج کا باہمی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ دس لاکھ درہم سالانہ وہاں کی آمدنی سے دربار خلافت میں ارسال کرتا رہے (۱) حالانکہ اس ملک کی اصلی مالی تو فیر گیارہ لاکھ پچاس ہزار درہم تھی (۲) اور خلیفہ "راضی باللہ" کے عہد میں "بریدی" نے موصل اہواز کی بابت یہ ضمانت کی تھی کہ وہاں کی آمدنی سالانہ تین لاکھ پچاس ہزار دینار کئی قسطوں میں ادا کیا کریگا (۳) جس کا اصلی خراج اس سے چوگنا زائد تھا اور باوجود اس کے یہ ضامن لوگ اپنی قبول کی ہوئی رقموں میں سے بھی بہت کم حصہ ادا کیا کرتے تھے اور جب خلیفہ ان سے نرمی کے ساتھ مطالبہ کرتا تو وہ اس نرمی کو لاچاری پر محمول کر کے مستقل حکمران بنجاتے اس حالت میں خلیفہ کو اپنی افواج سے مدد لینے کی حاجت ہوتی اور اس کے لئے مال کی ضرورت تھی لہذا جو شخص مال صرف کرنے کی قوت رکھتا وہی خود مختار حکمران بھی بیٹھتا تھا۔

(۴) لوگوں کا ظلم وستم اور فسادات کی رو میں کاروبار کا رکجانا

ملک میں ہنگامے برپا اور فوجی جماعتوں کی آپس میں یا اُن سے اور عاملوں سے جنگ کی بنیاد قائم ہوئی تو ملکی لوگ تجارت اور کھیتی باڑی سے رُک گئے کاروبار تھم گئے اور زخ کی گرانی آغاز ہو جاتی ہے ملک کا امن وامان رخصت ہوا تو زراعت کیونکر ہوتی جس کا انجام یہ ہوا کہ خراج کی آمدنی گھٹی اور چونکہ عاملوں اور فوجی سپاہیوں کو روپیہ کی سخت حاجت تھی اس لئے انہوں نے اس کے حاصل کرنے میں رعایا پر جبر و تعدی سے کام لیا اور ملک کی ویرانی روز بروز بڑھنے لگی یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ ظلم سے بڑھ کر ملکی آبادی اور خوشحالی کو تہس نہس کرنے والی کوئی شے نہیں ہوتی اس کے اثر سے ہاتھ پیر بند ہو جاتے ہیں اور لوگ کسب معاش کی کوشش سے باز رہتے ہیں کسان کھیتی باڑی سے تاجر تجارت سے اور کاریگر اشیاء کے تیار کرنے سے رُک جاتا ہے اور ان تمام باتوں کا وبال حکومت کے سر پڑتا ہے جس کے قیام کی صورت رعایا کے صلاح وفلاح سے وابستہ رہتی ہے مشہور تو

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۴۹ (۲) ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۵۔ (۳) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۲۶

یہ ہے کہ صرف مال کو اس کے مالک کے قبضہ سے بلا کسی معاوضہ یا سبب کے لے لینے کا نام ظلم ہے مگر وہ دراصل اس سے کہیں زیادہ عام معنی رکھتا ہے کیونکہ جو شخص کسی دوسرے کی ملک کو چھین لیتا یا اُس سے اپنے کام کیلئے ناجائز طور پر دبا بیٹھتا یا ناحق طریقہ سے اس کا مطالبہ کرتا اور یا اس پر کوئی ایسا حق مقرر کرتا ہے جس کی اجازت شرع نہیں دیتی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے پس اس امر کے لحاظ سے مال کے ناحق لینے والے اس پر دست درازی کرنے والے اس کے لوٹنے والے لوگوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنے اور املاکوں کے غصب کرلے والے سب علی العموم ظالم ہوتے ہیں اس لئے جہاں ظلم نے سر اٹھایا وہاں لامحالہ تباہی اور بربادی کے قدم آجاتے ہیں۔

اور مصیبت کو اور زیادہ سخت بنانے والی بات یہ تھی کہ اوائل دولت عباسیہ میں اصلاح پسند خلفاء نے زمین کی شادابی اور سینچائی کے لئے جو نہریں اور بنے کھدوائے تھے وہ سب لڑائیوں میں بند کر دیئے گئے کیونکہ جنگ آور فریق اکثر حالتوں میں اس بات پر مجبور ہوتے تھے کہ نہروں کو پاٹ کر غنیم کے بہاڑوں کی گذرگاہ بند کردیں (۱) اور اس پر طرہ یہ تھا کہ عاملوں نے ذرائع آبپاشی کی خرابی اور زراعت کی بربادی پر عدم توجہی کرنے کا بھی حق ادا کر دیا تھا۔

(۵) ملک کے اکثر حصوں کا تعلقوں کی صورت میں آجانا

ضیعہ کے معنے مزرعہ کے ہیں مگر اصطلاح میں زمینداری عموماً اور تعلقداری خصوصاً کہنا مناسب ہوگا جو بہ اعتبار غالب دولتمند اور ذی اثر طبقہ کے لوگ قابض ہوتے تھے مثلاً خود حکمران لوگ۔ اُن کے قریبی رشتہ دار ملکوں کے عامل وزیر کاتب (سررشتہ دار) یا ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے بااثر اشخاص۔ تم نے اسی کتاب کے آغاز میں دیکھا ہوگا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے مسلمانوں کو کاشتکاری کرنے اور زمینداریاں وغیرہ بنانے سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی تھی ان کی اس حکمت عملی کا منشا عام مسلمانوں کو مقامی پابندی سے آزاد اور نقل و حرکت کے لئے بشرط ضرورت تیار رکھنا تھا تاکہ وہ دولتمندی اور عیش پسندی میں مبتلا نہ ہوسکیں اور اسی بنا پر انہوں نے بیت المال میں بھی روپیہ جمع رکھنے سے پرہیز کیا مگر اون کے ان دونوں تاعدوں پر زیادہ مدت تک لوگوں کا عمل نہیں رہا۔ چنانچہ جب بنی امیہ کے عہد میں دینی خلافت جبری اور آزار دینے والی حکومت کی شکل میں تبدیل ہوئی تو خود صحابہ نے بے پایان مال و زر جمع کیا اور بہت کچھ شاندار عمارتیں بنوائیں زمینداریاں اور جائدادیں خریدیں جن کی تفصیل ہم دے

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۸۱ - اور جلد ۸ صفحہ ۲۲۶ ۔

چکے ہیں اور ان کے بعد والے تابعین اور تبع تابعین نے بھی اپنے پیشرو لوگوں کی اس بارہ میں پیروی کی جن میں خلفائے بنو اُمیہ کو خاص شہرت حاصل تھا انہوں نے بکثرت نمائشی سامان اور تعلقے اور جاگیریں فراہم کیں یہاں تک کہ ان کے بعض خاندان والوں نے ملکی زمینداروں کی اراضیاں ناجائز طور پر دبالیں جن کی دادرسی کرنیوالا بھی نہیں تھا کیونکہ بنو اُمیہ عربی نسل کے بہت سخت جنبہ دار اور دوسری قوموں کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرنے کے علاوہ مفتوحہ ممالک کی سرزمین کو اپنا حق حلال ہی تصور کرتے تھے اسلئے جس اراضی کو وہ پسند کرتے بے تکلف اپنے قبضہ میں کر لیا کرتے اور جو کچھ چھوڑ دیتے وہ ملکی لوگوں کے پاس رہتی تھی (۱) مگر جب خلیفہ عمر بن عبدالعزیز برسر حکومت ہوئے تو انہوں نے مہربانی اور انصاف کے ساتھ احسان اور نرمی کرنے کی حکمت عملی میں خلیفہ عمر بن الخطاب رض کی پیروی کی اور قطعی فرمان صادر کیا کہ غصب کی ہوئی زمینیں ان کے اصلی مالکوں یعنی عیسائیوں یہودیوں اور مجوسیوں کو واپس دیجائیں یہ بات انکے خاندان والوں کے خلاف ہوئی اسلیئے انہوں نے بہت جلد اُن کا خاتمہ کر دیا اور ان کے بعد پھر وہی اگلا رنگ پہلے سے زیادہ شوخ و شنگ ہو کر نکھر آیا۔

سنہ ۱۳۲ھ میں عباسی خلافت کا دور آغاز ہوا اور عباسیوں نے بنو اُمیہ کا قتل عام شروع کیا۔ جس کے سبب سے وہ اپنا مال و زر اور زمین جائداد چھوڑ جان بچا کر بھاگ نکلے اور عباسیوں نے سب چیزوں پر قبضہ کیا جس کے اپنی ملک میں لانے کو وہ خلافت کی شرطوں کے مخالف نہیں شمار کرتے تھے کیونکہ وہ اسے سلطنت کے تحفظ کا لازمہ اور حکومت کا ایک واجبی حق تصور کرتے تھے اور اس امر کے متعلق دینی لحاظ کی اجازت یا روک ٹوک کی تصریح بھی نہیں پائی جاتی تھی علاوہ بریں انسان فطری طور سے قدرت پانے کی حالت میں دنیاوی طمطراق اور قوت و شوکت کے بکثرت فراہم کرنے پر بہت کچھ مائل رہتا ہے اس لئے گو عباسی خلفاء نے اپنی حکومت کے اوائل میں مخلوق کی دادرسی کرنے اور ان کو امن و امان میں رکھنے کی بہت کوشش کی اور لوگوں پر ثابت کر دیا کہ ان کے اور بنو اُمیہ کے عہد میں کیا فرق ہے وہ بذات خود کسی کی اراضی یا مال کو ہرگز غصب نہیں کرتے تھے مگر ان کے بعض ارکان دولت اور درباری لوگ بے شک ایسی دست درازی کر گزرتے اور عام رعایا کی زمینداریوں کو دبا لیا کرتے تھے جن کا انصاف بحالت نالش ہونے کے خلفا بہت خوبی کے ساتھ کر دیتے اور ان کی اراضیاں واپس دلا دیتے (۲) تاہم امیروں اور دولتمندوں کے لالچ کسی طرح کم نہیں ہوتے تھے وہ جونہی موقع پاتے لوگوں کی دولت اور جائداد پر ناجائز قبضہ کر لیتے عاملوں اور وزیروں وغیرہ نے حق اور ناحق میں طمع بن پڑا بکثرت

(۱) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۷۷ اور آغانی جلد ۱۱ صفحہ ۳۰ - (۲) ماوردی صفحہ ۸۷ -

جائدادیں خریدیں اور مکانات بنوائے خلفاء نے تا امکان انہیں زبانی ممانعت کی اور جب اپنی نیابت کا کوئی اثر نہیں ہوا تو انہوں نے معاوضہ کے ذریعہ سے یا اُن کی وفات کے بعد اُن کے مال و دولت کو ضبط کرنے کے وسیلے سے وہ تمام اموال چھین لیا جیسا کہ خلیفہ ہارون الرشید نے بصرہ کے عامل محمد بن سلیمان کی دولت لے لی جس کی مقدار پانچ کروڑ درہم نقد علاوہ اراضیوں مکانوں اور مستغلات (پیداواروں) وغیرہ کے تھی جن کی آمدنی ایک لاکھ درہم روزانہ کے پرتہ سے ہوتی تھی (۱) اور ایسے ہی کسی رکن سلطنت کے مرنے کے بعد اس کا مال ضبط ہو جانے کی بہت سی اور مثالیں بھی ملتی ہیں جو ان مصادرات کے علاوہ ہیں جن کی تفصیل آئندہ کیجائیگی اور چونکہ جو اراضیاں اس صورت سے ضبطی میں آتی تھیں وہ حکومت اور خلیفہ کی ملک ہو جاتی تھیں لہذا اس کا انجام یہ ہوا کہ خلفاء کا ذاتی خالصہ بہت بڑھ گیا۔

تعلقوں کی خریداری زیادہ تر خلیفہ کے عزیزوں اور اس کے حاشیہ کے لوگوں کے لئے ہوتی تھی جو شخصی اور مطلق العنان حکومت میں ایک طبیعی امر ہے خاصکر جس صورت میں کہ حکمران وقت ایسا زبردست طبیعت کا شخص ہو جس پر اس کے کنبہ والوں اور درباریوں کی سفارش مؤثر ہوتی ہو نہیں بوجوہ سے ارکان سلطنت کے پاس زمینداری کی اتنی افراط تھی کہ وہ آپس میں تحفے کے طور پر اراضیاں دیا کرتے شاعروں یا اسی قسم کے دوسرے لوگوں کو انعام میں بھی زمین کے قطعے بخشدیتے چنانچہ برامکہ کے حالات میں اس قسم کے معاملوں کی بافراط مثالیں ملتی ہیں حسن بن سہل نے خلیفہ مامون کو اپنی بیٹی "بوران دخت" بیاہی تو اپنی تمام جاگیریں اس کے نام کاغذ کے پرزوں پر لکھوا کر فوجی سپاہیوں اور افسروں کو لٹا دیئے اور جس کے حصہ میں جو پرچہ آیا اس میں لکھی ہوئی اراضی اس کو دیدی گئی (۲)۔

ایک صورت اراضی کی ملکیت کی دولت عباسیہ کی ابتدائی حالت میں یہ بھی تھی کہ نوآبادیت کے جہت اکثر زمینیں اُفتادہ چلی آتی تھیں ان کی بابت خلیفہ اپنے خاندان والوں یا مخصوص لوگوں کو آباد کرنے اور باغات لگانے کی اجازت عطا کرتا تھا اور پھر وہ زمین اسی شخص کو دے دی جاتی جس نے اس کی حالت درست کی ہوتی چنانچہ خلیفہ منصور نے اپنے بیٹے صالح کو اسی طریقہ پر اہواز کی بعض پرتی زمینیں آباد کرنے کیلئے عطا کی تھیں (۳) ان کا قول تھا کہ جو شخص کسی پرتی زمین کو قابل زراعت بنائے اور آباد کرے وہ اسی کی ملک قرار دیجائے گی۔

(الجاء) خلفاء کے قرابت مندوں اور ارکان سلطنت کے پاس تعلقوں اور جائدادوں کی زیادتی کا ایک یہ سبب بھی تھا کہ ملکی یا شخصی اپنی زمینوں اور باغوں کے قطعے خلفاء کے بعض عزیزوں یا

(۱) مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۸۸۔ (۲) ابوالفدا جلد ۲۔ صفحہ ۳۱۔ (۳) فتوح البلدان صفحہ ۵۱۷

عاملوں کے زیر اثر دیدیا کرتے تھے جس سے اون کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ایک ملجا کی عزت حاصل کر کے خراج وصول کرنیوالوں کی زیادتیوں سے محفوظ رہیں اس طریقہ کا نام "الجاء" رکھا گیا تھا اور اس کا دستور یہ تھا کہ مالک اراضی ان معزز لوگوں میں سے کسی کی خدمت میں یہ التجا پیش کرتا کہ میری اراضی اپنے نام لکھوا لیجئے جسکی اجازت ملنے پر وہ تمام زمین اسی امیر کے نام سے سلطنت کے کاغذات میں درج کر لی جاتی اور اسکا اصلی مالک صرف کاشتکار باقی رہجاتا اس بات کا نفع یہ ہوتا کہ خراج تحصیلنے والے عمال ان زمینوں کا لگان مانگنے میں ظلم اور سختی نہیں کر سکتے تھے بلکہ بعض حالتوں میں اس معزز شخص کی رعایت سے آدھا یا چوتھائی خراج لیکر ہی پر اکتفا کرتے مگر رفتہ رفتہ ایک مدت کے بعد وہ اراضیاں جس کے نام الجا کی گئی تھیں اسی کی ملکیت ہو جاتی تھیں (۱) اور ان کا اصلی مالک صرف آمدنی کا شریک رہجاتا تھا۔ غرضیکہ جس ملک کے لوگ اپنے حکام کے ظلم و ستم سے ٹوٹتے رہتے ہیں وہاں ہر زمانہ میں ایسی صورت پیدا ہوتی رہتی ہے۔

الجا کی ابتدا اسلامی دور میں بنی امیہ کے عہد سے ہوئی جن کے عمال بیحد ظلم تھے ابتداءً خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں جب مسلمہ بن عبدالملک اس کا بھائی ملک روم کا گورنر تھا تو وہاں کے لوگوں نے خراج وصول کرنیوالوں کی سختی سے بچنے کیواسطے اپنی اراضیاں اس کے نام "الجاء" کرادیں اس کے بعد وہ زمینیں مسلمہ کی ملکیت ہوگئیں اور نسلاً بعد نسل اس کے خاندان میں قائم رہیں تھے کہ عباسی عہد حکومت کا آغاز ہوا اور عباسی خلفاء نے اُنپر بھی منجملہ بنو امیہ کے دیگر املاک کے اپنا قبضہ جمایا اور وہ اراضیاں داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس کی جاگیر میں دیگئیں جسکے زمانوں میں سلطانی املاک ہوگئیں (۲) اسیطرح مرافقہ کے باشندوں نے آذربیجان میں مروان بن محمد والی ارمینیہ کے نام اپنی اراضی کا الجا کر دیا تھا پھر وہ بھی بنی امیہ کی جائدادوں کے شمول میں بنی عباس کے ہاتھ میں آئیں (۳)

الجا کا دستور مسلسل طور پر عباسیوں کے عہد میں بھی جاری رہا زنجان کے باشندوں نے تقرب حاصل کرنے اور صعالیک کی ایذا رسانی سے بچنے کے لئے اپنی جائدادیں قاسم بن الرشید کے نام کرادی تھیں اور اس کے نام بیع لکھ کر خود اس کے کاشتکار بن گئے تھے یہ اراضیاں بھی ایام مامون میں ضیاع سلطانیہ کے زمرہ میں شامل ہوگئیں (۴) ملک فارس میں بھی یہ صورت واقع ہوئی وہاں بہت سی زمینیں ان کے مالکوں نے سلاطین عراق کے درباریوں کے نام کر دی تھیں جو اونہیں لوگوں کے نام سرکاری کاغذات میں داخلخارج ہوتی رہیں اور کامل صدیوں تک وہ زمینیں اون حمائد کے نام سے ان کے اصلی مالکوں کے قبضہ میں چلی آئیں اور وہ حمائدان کے وارث ہوتے اور انکی عہدہ در دخت

(۱) ابن الفقیہ ۲۸۲ ز ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۳۰۸ ۔ (۲) قدامہ ۲۴۱ (۳) ابن الفقیہ ۲۸۰ ۔ (۴) ابن الفقیہ ۲۸۲

بھی کرتے رہے (۱) اور عملی مالک صرف ان کے کاشتکاروں کی حیثیت رکھتے تھے۔

آلِ بویہ کے عروج کا زمانہ ختم نہیں ہوا تھا کہ علماء اور ان کے قرابت مندوں اور درباری امیروں کے قبضہ میں بے شمار اراضیاں داخل ہو گئیں اور حکومت اس بات پر مجبور ہوئی کہ ان کے خراج اور فوجی تنخواہوں کے لئے ایک جداگانہ صیغہ قائم کرے جس کا نام "دیوان الضیاع" رکھا گیا اور یہ "دیوان الخراج" سے بالکل الگ تھا۔ ان تعلقوں کے خراج کی مقدار علی بن عیسےٰ کے اس قائمہ میں نظر سے گذر چکی ہوگی جو اس نے ۳۰۶ھ کی بابت تیار کیا تھا اور یہ تمام علاقے شرقی شہروں یعنے رَے، دامغان، قزوین، زنجان، قم، اصفہان، ہمدان۔ اور ماسبذان وغیرہ میں واقع تھے یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض دوسرے ملکوں میں تعلقوں کا خراج دوسرے قسم کی اراضیوں سے کہیں زیادہ تھا مثلاً ماہ البصرہ اور فیارین میں تعلقوں کے خراج سے ۲۶۷۵۲۰ دینار کی آمدنی ہوتی تھی اور وہاں کی دوسری زمینوں کا مالیہ صرف ۱۸۵۶۳۶ دینار تھا پھر اگر جس طرح دوسری اراضیوں کا خراج وصول اور مقرر کرنے میں سختی برتی جاتی تھی ایسے ہی تعلقوں پر بھی بہاری رقم وصول کیجاتی تو ان کا خراج مذکورہ بالا رقم سے کئی حصے زائد ہوجاتا کیونکہ ان علاقوں کا خراج دوسری اراضیوں کے پیچھے ہوئے بہت خفیف تھا بلکہ اکثر حالتوں میں بالکل چھوڑ ہی دیا جاتا تھا اور کئی برسوں تک اس کا مطالبہ ہی نہیں ہوتا تھا بہرحال موجودہ طرز حکومت کا جیسا مقتضا ہوتا یا ان تعلقوں کا عاملوں اور خلفا کے ساتھ جو تعلق ہوتا ان امور کا لحاظ کرکے مناسب حل کیا جاتا اور بعض حالتوں میں کئی برسوں تک خراج جمع ہوکر چڑھتا جاتا یہاں تک کہ حکومت ہی بدلجاتی اور نیا حکمران آکر اس کا مطالبہ کرتا تھا (۲)۔

(۶) سُلطانی اراضیاں (خالصہ شاہی)

خلاصہ یہ ہے کہ اراضی کی دو قسمیں تھیں اول عام اراضیاں یعنے ارکان دولت اور ملکی مالداروں اور دیگر لوگوں کی ملکیتیں دوم سلطانی اراضیاں۔ آخر الذکر کی بھی کئی قسمیں تھیں جن کے علیحدہ علیحدہ نام تھے اور وہ نام خود ان کی نوعیتوں کو بھی بتاتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:-

(۱) خاصہ کی اراضیاں یہ خاص خلیفہ کی بلاشرکت غیرے ملکیت ہوتی تھیں ان زمینوں کا خراج (علاوہ ان اراضیوں کے جو واسطہ کے نواح میں تھیں اور جن کا خراج عامہ خلائق کی ملکیتوں کے ساتھ شامل کر دیا گیا تھا) علی بن عیسےٰ کے قائمہ میں ۱۶۴۴۷۵ دینار دکھایا گیا ہے۔

(۲) عباسیہ کی اراضیاں جو بنگمان غالب بنی عباس یعنے خلیفہ کے عزیزوں کی ملکیت میں تھیں

(۱) صلجوقی ۱۵۸۔ (۲) ابن اثیر جلد ۷۔ صفحہ ۱۸۲۔ +

اور جن کی تعداد ماموں کے ایام میں ۳۳۰۰۰ دیہوں تک پہونچ گئی تھی (۱) ۲۰۶ھ میں ان اراضیوں کا خراج ۱۴۷۷۶ دینار علاوہ مقام "واسط" کے ایسی ہی اراضیوں کے وصول کیا گیا تھا۔

(۳) ضیاع مستحدثہ۔ جنکا خراج یہی سنہ مذکور میں ۲۸۹۰۳۶ دینار آتا تھا۔

(۴) ضیاع فراتیہ ان کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ یہ اراضیاں دریائے فرات کے دونوں کناروں پر واقع تھیں اور ان کا خراج مذکورہ بالا سال میں ۶۱۷۱۲۶ دینار تھا۔

یہ اراضیاں بغداد کوفہ۔ واسط۔ بصرہ اور اہواز و اصفہان کے سواد میں واقع تھیں جن کو بعض اوقات مقررہ سالانہ رقموں کو طے کرکے ٹھیکہ پر بھی دیدیا جاتا (۲) ان اراضیوں کے دفتر الگ تھے اور ان کے کاتب اور عامل بھی جداگانہ مقرر تھے:۔

بہرحال تعلقوں کی اراضیوں پر خراج بہت کم تھا باوجودیکہ وہ بہت سیر حاصل اور شاداب زمینیں تھیں اور خراج کی کمی کا یہ باعث تھا کہ خلفاء اور ان کے عمال ان اراضیوں کے مطالبہ سے بہت سی رعایتیں چھوڑ دیتے تھے (۳) اور کبھی بالکل مطالبہ ہی نہیں کرتے تھے تاہم یہ دیکھا گیا ہے کہ سلطانی اراضیوں کا خراج مقام واسط کی ایسی ہی اراضیوں کے علاوہ ۵ کروڑ ملین دینار سے زائد تھا اور اس سے ان اراضیوں کی کثرت اور [illegible] کا پتہ چلتا ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس زمانہ کی تشخصی اور مطلق العنان حکومتوں میں تعلقوں کی زیادتی ایک بڑی ترغیب تھی جیسا کہ ہم اپنی کتاب کے صفحہ میں بیان کرچکے ہیں کہ سلطان سلیمان کے عہد میں دولت عثمانیہ کی مالی آمدنی ۸۰۰۰۰۰۰ دوک تھی جن میں سے ۵۰۰۰۰۰۰ دوک تنہا سلطانی تعلقوں کی آمدنی سے آتے تھے (۴)

(**ایغار**) بنو عباس کے وقتوں میں خراج کے معدوم کرنے کی ایک اور قسم بھی رائج تھی جس کو "ایغار" کہتے تھے اس کے اصل معنے پورا اور ادا کرنے کے ہیں چنانچہ اگر کہا جاتا کہ "ادغر العامل الخراج" تو اس کے معنے یہ ہوتے کہ "استوفاہ" یعنے اس نے خراج بیباق کردیا پھر زمانہ مابعد میں اس لفظ کو ایسے موقع پر استعمال کرنے لگے جبکہ کوئی مالک اراضی اپنی زمین کی پیشت طے شدہ رقم ایک ہی مرتبہ ادا کرکے ہمیشہ کے لئے اس کا خراج معاف کرالیتا اسی لئے کہتے تھے کہ "ادغر الملک الرجل الارض" یعنے بادشاہ نے کسی آدمی کو زمین کا خراج معاف کردیا اور یا یہ صورت ہوتی تھی کہ عاملوں کے پنجۂ ظلم سے بچنے کے لئے سلطان اکبر کو خراج ادا کیا جاتا اور خراج کے عنان کا نام "ایغار" رکھا جاتا (۵) لہذا جہاں تک بن پڑتا زمیندار لوگ اپنی اراضیوں کا "ایغار" کی مد میں داخل کرانا ضروری سمجھتے تھے دولت

(۱) ابو الفدا۔ ابن سیع (۲) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۴۳ (۳) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۶ و ۱۴۳

(۵) Encl. Afl. 80
Postal Camels Asst. of Turkey M. S. (بعد المیط)

عباسیہ میں جو مشہور "ایغار" ہوئے تھے ان میں سے ایک "ایغار یقطین" بھی تھا اس کی اصل یہ ہے کہ یقطین نامی ایک شخص کی بہت سی اراضیاں متعدد طساسیج (پرگنہ جات) سے "ایغار" کی مد میں داخل ہوئی تھیں جو بعد میں سلطانی تصرف میں آگئیں اور ایغار یقطین ہی کی طرف منسوب رہتی آئیں (۱)

کثرت مصارف کے اسباب

(۱) خلفاء اور انکی بیویوں کی فضول خرچیاں۔

آبادی اور خوشحالی کا ایک طبعی خاصہ یہ بھی ہے کہ جب حکومت کے پاس مال و دولت کی بہتات ہو تو بادشاہ لوگ اس کے خرچ کرنے میں دل کھولکر سخاوت سے کام لیتے ہیں خصوصاً مطلق العنان مکونرل اور بالخصوص عباسی حکومت میں جس کے خلفاء بیت المال کے پورے مختار رہتے تھے (۲) یہ صورت بدرجہ کمال پائی گئی ہے کیونکہ ان کے وقت میں کثرت سے خلافت کے دعوے دار پیدا ہوتے رہے جنکا فتنہ فرو کرنے کے واسطے ملک کے مختلف گروہوں کا روپیہ کے ذریعہ سے راضی رکھنا یا جنگ کرکے ان کی شوکت کا مٹانا ضروری تھا مگر پہلی شکل روپیہ کی افراط ہونے کی حالت میں سہل الحصول اور نتیجہ خیز ہو سکتی تھی جس کو ہم دیکھ بھی چکے ہیں خصوصاً رشید اور مامون کے زمانوں میں تو دولت کی انتہا نہیں ملتی ہے لہذا اگر ہم ان کو حکومت کی حفاظت اور فسادوں کا منہ بند رکھنے کے لئے بے تکلف روپیہ خرچ کرتے دیکھیں تو اس میں کوئی حیرت کی وجہ نہیں ہاں یہ ضرور تھا کہ انہوں نے اس بارہ میں حد سے تجاوز کیا تھا اور دولت کے نمائشی ٹھاٹھوں فضول خرچیوں اور عیش پسندیوں میں بھی بہت سا روپیہ اڑا دیا۔ انہوں نے بے شمار لونڈیاں نہیں تھیں "خز" "دیبا" اور "حریر" کے بیش قیمت فرش اور پردے بنوائے تھے اور ان کے شامیانوں کی بھی پابندی کی ہوتی نہیں (۳) باغات۔ سبزہ گاہیں۔ محل اور ایوان اور شاندار شہر تعمیر اور آباد کئے تھے۔ مصاحبوں کا جمگھٹا ان کی صحبتوں کو گرم رکھتا تھا۔ ناچ رنگ کی محفلیں دن کے دل بہلاتی ہیں غرضیکہ عیش و عشرت کی تمام شیں اور خوراک و لباس وغیرہ کی نفاست پسندی ان میں بدرجہ غائت پائی جاتی تھی اور چونکہ اسلامی فتوحات سے قبل اہل فارس کی عشرت پسندی حد سے بڑھی ہوئی تھی اور عباسی خلفاء کی حکومت اس زمانہ سے تھوڑی ہی مدت کے بعد انہیں ممالک میں قائم ہوئی تھی لہذا یہ تمام باتیں بہت آسانی کے ساتھ ان کے دماغوں میں بھی سما گئیں (۴) اور عباسی خلفاء نے اپنی بیویوں مائوں

(۱) قدامہ ۲۴۱ (۲) ماوردی ۲۰۳۔ (۳) اعلام الناس صفحہ ۹۸ (۴) ابن اثیر جلد ۲۔ صفحہ ۸ ۔

اور خاص لوگوں کو بھی دولت کی فراہمی کی بابت آزادی دیدی تھی جنہوں نے خوب روپیہ جمع کیا اور عیش و کامرانی کی داد دی۔

(خلفا کی عورتوں کی ثروت) خلیفہ سفاح کی صرف ایک بیا ہتا بیوی تھی (۱) اور منصور نے اپنی وفات سے قبل اپنے فرزند مہدی کو یہ وصیت کردی تھی کہ خبردار عورتوں کو اپنے معاملات میں ہرگز دخیل نہ بنانا (۲) لیکن باوجود اس کے رشید کی مال "خیزران" ہادی کے زمانہ میں اور نیز ہارون الرشید کے عہد میں تمام سیاہ و سفید کی مالکہ تھی اور رشید کا وزیر "یحییٰ" بالکل اسی کے حکم کا بندہ تھا مجال کیا تھی کہ اس کے اشارہ کے برخلاف کرسکے (۳) اس کے اس اقتدار کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اپنی ذات خاص کیلئے بکثرت دولت فراہم کرلی یہاں تک کہ اس کی ذاتی جائداد کی سالانہ آمدنی ۱۶۰۰۰۰۰۰ درہم (۴) تک پہنچ گئی جو ان دنوں کی عباسی مملکت کے نصف خراج کے برابر تھی اور آجکل بڑے سے بڑے دنیا کے متمول شخص کی آمدنی اس کے دو ثلث حصہ سے زائد نہیں ہے چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ امریکہ کے مشہور دولتمند "روکفلر" کی سالانہ آمدنی تقریباً ایک کروڑ پانچ لاکھ پونڈ ہے اور خیزران کی تو فیر ایک کروڑ پانچ لاکھ دینار سے بہت بڑھی ہوئی تھی جس کی بابت ہم پہلے کسی مقام پر بیان کر آئے ہیں کہ ان دنوں کے نقود کی قیمت موجودہ زمانہ کے سکوں سے کئی گنی زائد تھی اور ایک دینار ۱½ پونڈ کے ساوی ہوتا ہے لہذا "روکفلر" کی آمدنی "خیزران" کے حاصل کے دو ثلث کے برابر ہوسکتی ہے۔

پھر اسی کے ساتھ "خیزران" بڑی سازشی اور روپیہ کے سمیٹنے پر بیحد رغبت رکھنے والی تھی چنانچہ جب اس نے اپنے بیٹے "ہادی" کو اپنے ارادوں میں حارج پایا تو اندرونی طور پر اسے قتل کرا دیا (۵)۔ جرعت "خیزران" نے انتقال کیا وہ تمام جائداد رشید کے ہاتھ لگی جس نے وہ اراضیاں لوگوں کو جاگیروں میں بانٹ دیں (۶) خیر "خیزراں" تو ایک عاملہ اور سمجھدار عورت تھی اس نے مال جمع کرنے کی تدبیریں سوچیں اور ثروت بہم پہنچائی عہد عروج میں دولت فراہم کی تو کوئی تعجب خیز امر نہیں لیکن حیرت تو یہ ہے کہ انحطاط کے زمانہ میں جب کہ بیت المال بالکل خالی ہوتا تھا ان دنوں میں بھی خلفاء کی مائیں روپیہ جمع کرنے سے نہیں چوکیں۔ چنانچہ خلیفہ "معتضد" کی مال "قبیحہ" کے محل میں دولہ دل وغیرہ کے گئے اندر دفن کئے ہوئے نقد ۲۰۰۰۰۰۰ دینار اور جواہرات اور تحفوں کی اتنی مقدار برآمد ہوئی جن کی قیمت کا اندازہ مشکل ہے۔ تمثیلاً مشتے نمونہ از خروارے چند چیزوں کو ان میں سے ہم بیان

(۱) اعلام الناس ۴۵۔ (۲) ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۸۔ (۳) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۴۰۔ (۴) مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۸۸۔ (۵) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۴۰۔ (۶) سیر الملوک ۵ ۴ ۲ +

کئے دیتے ہیں جو حسب ذیل ہیں: بیس بہازمر ایک ملوک۔ بڑے بڑے آبدار موتی نصف ملوک یاقوت سرخ ایک کیلجہ۔ کہ انہیں جواہرات کی قیمت ..... ۲ دینار تخمینہ کی گئی تھی اور باوجود اتنی دولت پاس رکھنے کے اس نے صرف ۵۰۰۰ دینار کے لئے اپنے بیٹے کو قتل ہو جانے دیا (۱)

اس سے کہیں بڑھ کر عجیب و غریب حالت محمد بن الواثق کی ان کی ہے اسکی سالانہ توفیر ..... ۱۰ دینار تھی (۲) جو وہ اپنی لونڈیوں پر خرچ کیا کرتی اور یہ آمدنی قریب قریب خیزراں کی آمدنی کے برابر ہے مقتدر کی ماں کے متعلق سے لوگوں نے ۶ لاکھ دینار نکالے جو وہاں مدفون تھے اور کسی کو ان کا علم نہیں تھا حالانکہ خلیفہ بیت المال کے خالی ہونے کی وجہ سے تنگدستی میں مبتلا تھا (۳) اسی پر عراق اور اس کے سوا دوسری اسلامی ممالک کے خلفاء اور سلاطین کی ماؤں کا حال قیاس کر لو وہ سب اثر اور اقتدار رکھتی تھیں اور فوجی سپہ سالاروں اور ارکان دولت کے ساتھ ساز کر کے سلطنت کے کاروبار میں ہاتھ ڈالتی تھیں جیسا کہ ۲۴۹ھ میں خلیفہ مستعین عباسی نے کیا تھا کہ اس نے اپنی والدہ اور ناشتہ اور شاہک خادم کو بیت المال کا متمار کل بنا دیا تھا جو ان کا دل چاہتا وہ کر گزرتے تھے لہذا اطراف مملکت سے جس قدر مالی آمدنی آیا کرتی اس کا بڑا حصہ انہیں تینوں کے قبضہ میں نکل جاتا تھا (۴)

ایسی حالت میں یہ کوئی تعجب کا مقام نہیں کہ عورتوں خادموں اور فوجی افسروں کے گھر دولت سے بھر جائیں کیا اس بات کو معلوم کرنے کے بعد اگر سننے میں آئے کہ خلیفہ مستعین کی والدہ کے اثاث البیت میں ایک فرش اس قسم کا تھا جس کی تیاری پر تیرہ کروڑ دینار (جو شائد درہم ہوں) لاگت آئی تھی اس میں جانوروں کی تصویریں بنی تھیں جن کے جسم سونے کے تھے اور آنکھیں جواہرات کی (۵) یا کوئی بیان کرے کہ فلاں خلیفہ کی حرم نے فلاں شاعر کا منہ اشرفیوں سے بھر دیا جو اس نے بیس ہزار دینار کو فروخت کئے (۶) یا "قطر الندی" وغیرہ خلفاء کی بیویوں کے تحفوں کی حالت سنی جائے (۷) تو کوئی تعجب ہو سکتا ہے؟

اس کے ماسوا عباسی خلفا کی خدمتوں میں جو ہر مانہ موتیں شاہی محلات کے اخراجات اور انتظام پر مستعین رہتیں اور وزیر یا اس کے کسی قائم مقام کے ساتھ ان کے انتظامات کرتی تھیں (۸) ان کا تعلق شاہی محلات اور سلطنت کے امور میں بہت بڑا اثر رسوخ حاصل تھا جیسا کہ مقتدر کے ایام میں اس موسی قہرمانہ (محلدرانی) کو اختیارات حاصل تھے یہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں تھی (۹) لیکن اگر خلفا کے محلوں میں

(۱) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۱۷ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۷۳۔ (۳) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۷۔ (۴) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۴۷ (۵) مستطرف جلد ۱ صفحہ ۱۳۴۔ (۶) ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۹۹۔ (۷) مستطرف جلد ۲ صفحہ ۴۶ (۸) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۱۲۔ (۹) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۰۲

لونڈیوں اور خدمتگاروں کی بکثرت جماعتیں نہ ہوتیں تو ان تہرمانہ عورتوں کو معارف کا کوئی ذریعہ ہاتھ نہیں آسکتا تھا۔

(لونڈیاں اور غلام) خلیفہ منصور کے حالات میں ہم تحریر کر آئے ہیں کہ اسے اپنے محل میں "فلفور" کے موجود ہونے کا علم ہوا تو اسے رکھنے والے کے سر پر تپک کر توڑ دیا تھا مگر اس کی وفات کو چالیس برس نہیں گذرے تھے کہ خلفاء کے محل سرا اچھے خاصے ناچ گانے کے منڈوے (ناچ گھر) بنگئے بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ رشید کے قصر میں تین سو لونڈیاں ناچنے گانے والی اور قسم قسم کے باجے بجانے والی تھیں اور ان کے علاوہ مصاحبوں اور مسخروں کا ایک بڑا بھاری جھمگٹا اس کی محفل عیش میں موجود رہتا تھا جیسے شیخ ابی المنن خلیع دشکی (۱) اور ابن ابی مریم مدنی (۲) ذخیرہ لونڈیوں میں سے ہر ایک کی قیمت ایک ہزار سے لیکر دس ہزار دینار (۳) بلکہ ایک لاکھ دینار تک تھی اور ان کے لئے لباس اور زیوروں پر جو خرچ کیا جاتا وہ اس کے سوا بہت کچھ ہوتا تھا چنانچہ اسی خلیفہ رشید نے صرف ایک انگوٹھی ایک لاکھ دینار کو خریدی تھی (۴) اسی پر اور چیزوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اسکے ماسوا خوبصورت چھوکروں اور غلاموں کی خریداری پر بھی ایک کثیر رقم خرچ کردی جاتی تھی جن کی تعداد سینکڑوں اور ہزاروں ہوتی تھی خلیفہ مقتدر کے زردی طور حبشی خواجہ سرا خادموں کی تعداد ۱۱ ہزار تک پہنچ گئی تھی (۵) پھر اتنے خادموں کے رہنے کے لئے مکانوں محلوں اور فرش فروش وغیرہ کا انتظام بھی ہوتا تھا خلیفہ معتصم نے بغداد میں ایک محل ۳۰۰۰۰۰۰ درہم کی لاگت سے بنوایا تھا (۶) اور خلیفہ امین نے مقام "خیزرانیہ" میں بہت سے قصر تعمیر کرائے تھے جن کے بنوانے میں ۲۰۰۰۰۰۰۰ درہم صرف ہوئے (۷) اس نے دریائے دجلہ میں پانچ بجرے بنا کر ڈلوا دیئے تھے جن میں سے ایک شیر کی صورت دوسرا باز کی شکل۔ تیسرا عقاب چوتھا سانپ اور پانچواں گھوڑے کی صورت کا تھا اور ان بجروں کی تیاری میں بہت دولت صرف کیگئی تھی۔ "ابو نواس" شاعر اسی کے بارہ میں کہتا ہے۔

سخر اللہ للامین مطایا	خدا رند پاک نے خلیفہ امین کے لئے ایسی سواریاں مسخر
لم تسخر لصاحب المحراب	بنادیں جیسی کہ صاحب محراب کے لئے بھی مسخر نہیں ہوئی تھیں حقیقت
فاذا ما رکبن سرن برا	کہ اس کی سواریاں خشکی میں چلتی تھیں تو وہ شیر ببر
صرن فی الماء للکلیب غاب	پر چڑھ کر دریا میں چلا گیا لوگ تم کو شیر کی صورت پر سوار
عجب الناس اذ رأوک علی صو	دیکھکر تعجب کرتے ہیں جو ابر کے ٹکڑوں کی طرح چلتا ہے جب

(۱) اعلام الناس ۹۷ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۷۴۳۔ (۳) ترتیب الاول صفحہ ۱۲۶۔ (۴) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۴۴ (۵) فخری ۲۳۴۔ (۶) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۱۱۔ (۷) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۱۲ ۔

ولیث تمر مر السحاب	تمکو اپر سوار سیر کرتے دیکھتے ہیں تو سبحان اللہ کہتے ہیں
سبحوا اذا رأک سرت علیه	لیکن اگر وہ تمکو عقاب پر دیکھیں تو کیا کہیں۔ جو سینہ چونچ اور
کیف لو ابصروک فوق العقاب	دونوں بازو رکھتا ہے اور پیہم پانی کی موجوں کو چیرتا ہوا چلتا ہے
ذات زور و صبر و جناحین	اگر اس کو آمد رفت میں جلد بلا ہیں تو وہ فضائے آسمان میں اڑنے
تشق العباب بعد العباب	والی چڑیا سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔
تبق الطیر فی السماء اذا ما	خلفائے بنی عباس کے زنانہ امور سے متعلق جن باتوں کو
استعجلوها بجیئة و ذهاب	نظیر کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے منجملہ ان کے ایک یہ بات بھی ہے

کہ خلیفہ "امین" نے ایکدن اپنے باغ کے چبوترہ پر فرش بچھائے جانے کا حکم دیا چنانچہ زردعی اور نمارق وغیرہ کے فرش بچھائے گئے اور سونے چاندی اور جواہرات کے بے شمار ظروف وغیرہ مہیا ہوئے جو عورت لونڈیوں کی افسر (داروغہ) تھی اسے حکم ملا کہ ایک سو ناچنے گانے والی لونڈیوں کو آراستہ و پیراستہ کرکے تیار رکھے چنانچہ باری باری دس دس خلیفہ کے روبرو لائی جائیں اور ایک ساتھ عود بجا کر گائیں (۱) غرضیکہ ان تمام باتوں کی تعمیل کی گئی خلفاء کی شاہ خرچیوں اور فضول مصارف کی پوری تفصیل ہم اس کتاب کے اس حصہ میں کرینگے جس میں اسلامی طرز معاشرت اور سوسائٹی کی حالت بیان کی جائیگی۔ یہاں اشارتاً اسی قدر لکھنے پر کفایت کی جاتی ہے۔

(سخاوت) اکثر اسراف کی زیادتی جود و سخاوت کے موقعوں کے لئے مخصوص پائی جاتی ہے جن میں سے بعض بخششیں روزمرہ بلکہ ترمرہ ادا واجب ہوا کرتی تھیں خلیفہ ہارون الرشید خاص اپنے مال سے روزمرہ زکوٰۃ دینے کے بعد ہزار درہم صدقہ میں دیا کرتا تھا (۲) اور خلیفہ مامون اپنے خاص کے لوگوں پر ہر روز ۶۰۰۰ درہم خرچ کیا کرتا تھا (۳) جس کی سالانہ مقدار کو غور کیا جائے تو بیس لاکھ درہم سے زائد ہوتی ہے پھر یہی نہیں رقم ان انعاموں اور عطیوں کے مقابلہ میں کوئی ہستی نہیں رکھتی جو وہ عام طور پر دیدیا کرتے تھے خلیفہ منصور نے اپنے خاندان والوں کو صرف ایک دن میں ایک کروڑ درہم تقسیم کر دیئے (۴) اور خلیفہ مامون نے ایک ہی دن میں صرف تین شخصوں کو پندرہ لاکھ درہم عطا کئے (۵) اور اسی کتاب کے ایک موقع (صفحہ ۱۳۱) پر دیکھا گیا ہوگا کہ اس نے گھوڑے کی رکاب میں ہیرے جڑے ہوئے ایک سامان کے اندر دو کروڑ چالیس لاکھ درہم لوگوں کو تقسیم کر دیئے اور ہارون الرشید نے مامون کے لئے دس کروڑ

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۰ - (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۷۴۰ - (۳) فخری ۲۰۷ (۴) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳
(۵) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۶۷ ۔

درہم کی وصیت کی تھی منتصر نے اپنی خلافت کے اثنا میں جس قدر مال تصدق کیا اسکی بڑی مقدار دس کروڑ درہم تھی (۱) اور نقد تنخواہوں کے علاوہ مقتدر نے علاقوں اور اراضی کی شکل میں جتنا روپیہ صرف کیا اس کی مقدار سات کروڑ دینار تک پہنچ گئی تھی (۲) مزید برآں شاعروں وغیرہ کو جو انعامات دیئے جاتے تھے وہ ان مصارف کے علاوہ ہیں بسا اوقات ایک ہی شاعر کا انعام ایک لاکھ درہم تک پہنچ جاتا تھا اور مورخین نے اتنی یا اس سے بھی زائد رقموں کے بے شمار انعامات کا ذکر کیا ہے ابن خلکان مشہور شاعر مسلم الخاسر کی بابت بیان کرتا ہے کہ اس نے خلیفہ مہدی کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر اس بات کی قسم کھائی تھی کہ وہ اس کے صلہ میں ایک کروڑ درہم سے کم نہیں لیگا اور خلیفہ نے اسے اتنی ہی رقم عطا کی تھی اگرچہ اس بیان میں کچھ کچھ مبالغہ ہے تاہم اس سے ان کی سخاوت کا مبلغ ضرور معلوم ہوتا ہے (۳) اسی اکثر اوقات وہ شاعروں کو اراضیاں بھی عطا کیا کرتے تھے جو نقد انعام کے ماسوا ہوتی تھیں۔ (۴)

کیا وہ فی الحقیقت ایسا ہی کرتے تھے؟

گو اس بات کو اور اسی کی مثل اور باتوں کو آجکل کے لوگ کفائت شعارانہ حکومت کے قواعد پر نظر کرتے ہوئے خرافات کی قبیل سے تصور کریں گے مگر ثروت عباسیہ کی مقدار اور اس رقم کا اندازہ معلوم کرنے کے بعد جو مصارف حکومت سے بچکر خزانہ عامرہ میں جمع ہوا کرتی تھی اور خلفاء یا ان کے قائم مقام وزیروں وغیرہ کو اس کے صرف کرنے کا مطلق اختیار حاصل ہوتا تھا ہمارا گمان ہے کہ وہ ایسا نہیں کہہ سکتے البتہ یہ اور بات ہے کہ ہم اس ثروت کے حقیقت ہی میں شک و شبہ کریں جو در اصل بالاجمال تاریخ کے بیانات پر شک کرنے کے ہم معنی ہے کیونکہ مختلف زمانوں اور مقامات کے تمام مورخ ہمارے ان بیانات سے متفق ہیں جو اس قبیل سے کئے گئے ہیں پھر اگر ہم شاعروں یا اسی قسم کے اور لوگوں کی اس تاثیر کو اعتبار کریں جو انہیں خاص مرکز خلافت میں حاصل تھی تو ہم پر ان بڑے بڑے انعاموں کا صحیح مان لینا آسان ہو جاتا ہے اور ہم انشاء اللہ اس کی پوری تفصیل اسی کتاب کے اس حصہ میں کریں گے جس میں اس زمانہ کی طرز معاشرت اور سوسائٹی کے حالات بیان ہونگے اس کے علاوہ ہم اپنے زمانہ کے مالداروں کی حالت بھی آخر دیکھتے ہی ہیں جن میں سے صرف ایک ایک آدمی کسی تصویر یا کسی آثار قدیمہ کے ٹکڑے کی قیمت میں پچاس ہزار اور ایک لاکھ پونڈ تک خرچ کر ڈالتا ہے حالانکہ ان چیزوں سے کسی نفع یا نقصان کی توقع نہیں ہوتی ابھی حال ہی کا ذکر ہے کہ ہمارے امریکا کے مشہور متمول "مارگن" کی بابت یہ خبر پڑھی تھی کہ اس نے چند تصویریں ایک

(۱) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۲۹ - (۲) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۹۰ - (۳) ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۹۸ - (۴) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۶۸ ۔

ملین پونڈ کو اس لئے خرید کی ہیں تاکہ انہیں کسی عجائب خانہ کو ہدیۃً نظر کردے۔

مزید بریں ہم اپنے اگلے بیانات کی صحت پر اسی قبیل کے بعض دوسرے واقعات کے سیاق سے بھی استدلال کر سکتے ہیں جو بکثرت روایت کئے گئے ہیں مثلاً ایک "موصلی" شاعر کا ہی قصہ ہے کہ وہ "مہدی" کے پاس اس حالت میں گیا تھا جبکہ وہ ولیعہد تھا اور یہ قصہ خود "موصلی" نے بیان کیا ہے وہ کہتا ہے "میں رے کے مقام میں "مہدی" کی خدمت میں حاضر ہوا حالانکہ اسوقت وہ صرف ولیعہد تھا اس نے مجھے ان ابیات کے صلہ میں جو میں نے اس کی مدح میں کہے تھے بیس ہزار درہم عطا کئے جانے کا حکم دیا اس کی خبر مہدی کے باپ خلیفہ منصور کو پہنچی تو اس نے مہدی کے معزول کر دینے اور ملامت کرنے کا ایک عتاب آمیز فرمان بھیجا جس لکھا تھا کہ تم کو لازم تھا کہ جو قت کوئی شاعر ایک سائل تمہارے آستانہ پر حاضر ہوتا تو تم اسے صرف چار ہزار درہم ادا کرتے" پھر موصلی بیان کرتا ہے کہ "خلیفہ منصور نے مجھ کو اپنے حضور میں طلب کیا جب میں حاضر ہوا تو مجھ سے فرمایا" کیوں جی تم ہی نے ایک ناتجربہ کار لونڈے کے پاس جا کر اسے دھوکا دیا ہے" موصلی کہتا ہے کہ "میں نے کہا" ہاں خدا امیر المومنین کو سلامت رکھے میں ایک صاحب کرم ناتجربہ کار شاہزادے کے پاس حاضر ہوا تھا اور میں نے ان کو دھوکا ہی دیدیا" خلیفہ منصور نے کہا "اچھا تم نے اس کی تعریف میں جو اشعار کہے ہیں مجھے بھی سناؤ" موصلی کا بیان ہے کہ "میں نے خلیفہ کو وہ قصیدہ سنا دیا جس کا یہ مطلع ہے

هو المهدی لا ان فیه ... مشابه صورة القمر المنیر

وہ مہدی تو ہے مگر اس کی صورت ماہ تاباں کے مشابہ ہے۔

خلیفہ منصور نے کہا "اللہ تم نے خوب کہا ہے لیکن اس کا صلہ میں بیس ہزار درہم نہیں ہو سکتا" پھر کہا "روپیہ کہاں ہے" میں نے کہا "یہ موجود ہے" خلیفہ نے ربیع کو حکم دیا "ربیع! تم اس کے ساتھ جا کر چار ہزار درہم اس کو دیدو اور باقی رقم اس سے لے لو" چنانچہ ربیع میرے ساتھ دیوانخانہ میں آیا اور میرا بوجھ اتروا کر چار ہزار درہم مجھے دیدیئے اور باقی خود لے لئے (۱) اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے عباسی خلفاء ایک شاعر کی قیمت ہزاروں درہم لگاتے تھے۔

کیا خلفاء اپنے خاص مال سے یہ فضول خرچیاں کیا کرتے تھے؟

اب ہمیں صرف اس بات پر نظر کرنا رہ گیا کہ خلفاء جو انعام و عطا لوگوں کو دیا کرتے تھے آیا وہ ان رقموں کو اپنے ذاتی اور خاص مال میں سے دیتے تھے یا حکومت کے بیت المال سے دلواتے تھے جس کی تبعیر مسلمانوں کے بیت المال سے کی جاتی تھی اور ایسا ٹیڑھا سوال ہے جس کے فیصلہ جواب دینے

(۱) طبری جلد ۳ - صفحہ ۴۰۲ ۔

کے لئے ہیں کوئی صاف و صریح قول دستیاب نہیں ہوتا اس کے علاوہ مورخین کا اس بارہ میں سکوت اختیار کرنا اس بات کو راجح بناتا ہے کہ خلفاء اُن جائزوں اور انعاموں کی دہائی بیت المال ہی سے کراتے تھے اور اس بارہ میں وہ اسلئے قابل ملامت نہیں ہو سکتے کہ مسلمانوں کے نزدیک امام وقت بیت المال کا ولی ہوتا تھا اور جس شکل میں اسے مسلمانوں کی بہتری نظر آتی اس میں اپنے اجتہاد کے مطابق، روپیہ صرف کرنے کا مجاز تھا اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اسے کسی شاعر کو انعام دینے یا کسی اہل علم کو کوئی رقم عطا کرنے میں حکومت کا فائدہ نظر آتا تھا اگرچہ اسکے خلیفہ ہادی کے ایام ہیں "بیت المال الخاصہ" کا بھی ذکر دیکھا ہے اور بعض اُن حوادث کے سیاق سے جو خلفاء کو پیش آئے ہیں ظاہر ہوتی ہے کہ جب "کسی شاعر وغیرہ کو کسی رقم کے عطا کئے جانے کا حکم دیتے تھے تو ان کی مراد یہی ہوتی کہ وہ رقم مسلمانوں کے بیت المال سے دی جائے اور یہ کہ وزیر لوگ اکثر حالتوں میں ایسے اسراف کو ناپسند کرتے اور انکے پورے کرنے میں خلیفہ کا حکم نافذ نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ ایکبار "عیسیٰ بن داب" کو "ہادی" کے ساتھ پیش آیا تھا اس کا قصہ یوں ہے کہ "عیسیٰ بن داب" حجاز والوں میں بہت بڑا بانذان اور خوش بیان مانا جاتا تھا اور خلیفہ ہادی کی خدمتیں اسے آناً فاناً قرب حاصل ہو گیا تھا کہ اس سے پہلے کسی کو اتنی منزلت نہیں نصیب ہوئی تھی خلیفہ نے ایک بار اس کیلئے تیس ہزار دینار یکمشت دیئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ صبح کو "ابن داب" نے اپنے داروغہ کو حاجب کے پاس روپیہ وصول کرنے کیلئے بھیجا تو حاجب نے اس سے کہا "یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے تم صاحب التوقیع (فرمان لکھنے والے) اور دیوان (دفتر دار خزانہ) کے پاس جاؤ" خادم "ابن داب" کے پاس واپس گیا اور اس سے اس بات کو بیان کیا جس کے جواب میں "ابن داب" نے کہا "انہ جانے بھی دو ہوگا" اس واقعہ کے بعد جبکہ خلیفہ ہادی اپنے محل کے جھروکے میں بیٹھا شہر کی سیر کر رہا تھا اس نے دیکھا کہ "ابن داب" تنہا ایک خدمتگار کے ساتھ کہیں جا رہا ہے خلیفہ نے فوراً اسے بلوا بھیجا اور جب وہ سامنے آیا تو اس سے کہا "میں دیکھتا ہوں کہ تم دھلے ہوئے کپڑے پہنے ہو اور یہ جاڑوں کا زمانہ ہے جس میں نیا لباس بنانے کی عادت ہوتی ہے" ابن داب نے کہا "میں تنگدست ہوں" خلیفہ (حیرت سے) "یہ کیوں؟" "تم کو اتنی کثیر رقم دلوادی جس میں تم اپنی حیثیت بنا لوگے" ابن داب "مجھے تو کچھ بھی نہیں ملا" یہ سن کر ہادی نے بیت مال الخاصہ کے افسر کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ "ابھی تیس ہزار دینار لاکر فوراً حاضر کرو" اور وہ روپیہ لے آیا۔ تو ابن داب کے یہاں بھجوا دیا گیا (۱) اس قصہ کے سیاق سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ نے پہلے وہ رقم خزانہ عامرہ سے دلوائی تھی مگر جب اس صیغہ کے ذمہ داروں نے وہاں سے نہیں دی تو

(۱) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۴۳ ۔

اس نے اپنے خزانہ خاص سے دلوائی۔

یحییٰ بن خالد کو بھی اسی قبیل کا ایک اتفاق پڑا تھا خلیفہ ہارون الرشید نے اسے حکم دیا تھا کہ ایک لونڈی کی قیمت ایک لاکھ دینار دیدی جائے اور اس نے اس قدر رقم کو بہت زیادہ سمجھ کر اس کے دینے میں عذر کیا تھا جس پر خلیفہ ناراض ہوگیا اس لیے یحییٰ نے ارادہ کیا کہ وہ خلیفہ پر اس بات کو واضح کردے کہ بیت المال اس کے بیجا اخراجات کو جنکا تعلق حکومت کے کاروبار سے کچھ بھی نہیں کس حد تک برداشت کرسکتا ہے اس غرض سے اس نے ان دیناروں کو درہموں کی صورت میں تحویل کرکے اس کے مجموعی مقدار جو چند رہ لاکھ درہم تھی ایک ایسے رواق (دالان) میں ڈھیر کرادی جدھر سے ہارون الرشید وضو کرنے کے لئے آیا جایا کرتا تھا اور خلیفہ نے اس مال کو دیکھ کر کہا بھی کہ اخاہ اتنا روپیہ کیوں ڈھیر کر دیا گیا ہے پھر جب اسے آگاہ کیا گیا کہ لونڈی کی قیمت کا روپیہ ہے تو وہ سمجھ گیا کہ اس نے کس قدر بیجا صرف کیا لیکن اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی تصور کیا کہ اس حرکت میں اس کے ساتھ کیسی گستاخی ظاہر کیگئی ہے اور اس کے ہاتھوں کو خرچ کرنے سے روک دینے کا قصد کیا گیا ہے لہذا اس نے یہ بات اپنے دل ہی میں مخفی رکھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جن اسباب سے اس نے برامکہ کو تباہ و برباد کیا منجملہ ان کے ایک سبب یہ بھی تھا۔(۱)

خلیفہ واثق باللہ اور اس کے وزیر ابن الزیات میں بھی ایک بار ایک لونڈی کی قیمت پر ایسا ہی واقع گزرا تھا چنانچہ جب قت وزیر نے رقم کے دینے میں ٹال بال بتائی تو خلیفہ نے اس کو دو چند رقم ادا کرنے کا حکم دیا جس کی تعمیل اسے کرنی ہی پڑی۔(۲)

خلیفہ ہارون الرشید نے ابی سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط لکھ کر انہیں اپنے پاس بغداد میں بلایا تھا اس کے جواب میں ابوسفیانؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل اس کلام سے ملتا ہوا ہے جو حضرت ابوذر غفاریؓ نے امیر معاویہؓ سے کہا تھا اور اس سے اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ہارون الرشید مسلمانوں ہی کی بیت المال سے انعام و اکرام اور عطیے دیا کرتا تھا اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ ہارون الرشید نے ابوسفیانؒ ثوری کو ایک خط لکھ کر ان کے پاس مقام کوفہ میں روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ اس کے پاس تمام لوگ چلے آرہے ہیں اور وہ بیت المال کا دروازہ کھولے ہوئے ان کو بڑے گرانقدر عطیے دے رہا ہے اور ایسی ہی بہت سی باتیں اپنے جود و کرم کی لکھی تھیں۔ ابوسفیان نے اس کے جواب میں جو خط لکھا اس کا لہجہ نہایت سخت تھا جس کا کچھ حصہ حسب ذیل ہے "اما بعد میں تم کو یہ خط لکھ کر اطلاع دیتا ہوں کہ میں نے تم سے رشتۂ تعلق توڑ دیا اور تمہاری محبت اپنے دل سے نکال ڈالی ہے تم نے

(۱) طبری جلد ۳ - صفحہ ۱۳۲۹ ۔ (۲) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۳ ۔

اپنے خط میں یہ لکھ کر مجھ کو اپنے افعال کا گواہ بنالیا ہے کہ تم نے مسلمانوں کے بیت المال پر دست درازی کرکے اُسے ناحق طور پر خرچ اور ناجائز باتوں میں اڑا دیا ہے تم خود ہی اپنے کردار سے نازاں ہونے پر قانع نہیں رہے بلکہ مجھ کو بھی جو تمہاری کرتوتوں سے ناواقف تھا وہ سب اسود لکھ کر اپنا گواہ بنالیا اب میں اور میرے وہ سب بھائی جو تمہارے خط کے آنے کے وقت موجود تھے تمہارے گواہ بن گئے ہیں اور ہم سب قیامت کے دن خداوند پاک کے حضور میں جو حاکم عادل ہے اس بات کی شہادت ادا کرینگے اے فرزند تم نے مسلمانوں کے بیت المال پر ان کی مرضی کے خلاف حملہ کیا ہے کیا تمہارے اس فعل سے مؤلفۃ القلوب اور خدا کی زمین میں اسپر حل کرنے والے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے اور مسافر لوگ راضی ہیں؟ کیا قرآن پاک کے اٹھانے والے اور اہل علم (یعنے عمل کرنے والے) لوگ اس بات سے خوش ہیں؟ اور کیا یتیم بچے اور بیوہ عورتیں تمہاری اس حرکت سے رضامند ہیں یا تمہاری رعایا کا کوئی حصہ اس بات سے خوش رہا ہے...؟ (۱) پس یہ بات اور اسی کے مثل اور باتیں بھی اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ خلفاء جو کچھ انعام و عطیات لوگوں کو دیتے تھے یا شان و شکوہ کے نمائشی سامان کرتے تھے یا جتنا رفاہ عامہ کے کام کرتے تھے وہ سب باتیں بیت المال ہی کے بوتے پر ہوتی تھیں۔

(۲) سلطنت میں ابواب مصارف کی زیادتی

ہم اس کتاب کے پہلے حصہ میں بیان کر چکے ہیں کہ اسلامی حکومت کے معاملہ کس تدریجی رفتار سے بڑھے اور ترقی پذیر ہوئے تھے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنے زمانہ میں خود ہی امیر و وزیر۔ قاضی اور سپہ سالار تھے۔ راشدین کے عہد میں سلطنت کے چھ محکمے جدا جدا قرار پائے اور پھر وہ حضارت (شہری زندگی) کی زیادتی اور تمدن کی وسعت کے ساتھ ہی ساتھ پہلے بنو اُمیہ کے وقتوں میں اور بعد ازاں بنو عباس کے ایام میں کس انداز سے بڑھتے گئے پھر جیسے جیسے مال و دولت کی کثرت ہوئی اسی طریقہ پر کاموں کی بھی نئی نئی شاخیں پھوٹتی رہیں اور خلفا اور ان کے ارکان سلطنت کی دولت کے ٹھاٹھوں اور آرام پسندی کی طرف مائل ہونے سے بکثرت جدید صیغے اور محکمے قائم ہوتے رہے۔ چنانچہ منصور کے زمانہ سے ہارون الرشید کے عہد سے مامون کے ایام میں نسبتاً حکومت کے کاروبار میں ترقی پائی جائے گی اور اسی پر ان کے بعد آنیوالے خلفاء کے ایام میں صیغہ جات انتظامی اور ارباب مصارف کی بیشی کو قیاس کرنا چاہیئے چنانچہ

(۱) ہسٹری جلد ۲ صفحہ ۱۸۸ ۔ ۵

ایام مقتضد کے آمد و خرچ کی رپورٹ میں ملا خلفاء کے متعدد قسموں کے روزینہ خوار نظر پڑتے ہیں جن میں غلاموں کی جماعتیں، مالیک، باورچی خانوں کے لوگ، معماجین اور سواری کے جلو دار وغیرہ شامل ہیں حالانکہ ابتدائے دولت عباسیہ میں ان لوگوں کا کہیں وجود ہی نہیں تھا اور انہیں لوگوں کے اوپر خدم خاص اور اطبا اور گانے والوں اور منشیوں وغیرہ کو قیاس کرنا چاہیئے جنکا شمار بیان نہیں ہو سکتا اور یہ تمام امور حکومت کی عمارت میں نمائشی شان و شکوہ کے اقتضاء سے پیدا ہوتے گئے مزید بریں بعض اخراجات ابتداءً بیت المال کے سوا دیگر آمدنیوں سے پورے ہوتے تھے وہ بعد میں بعض اسباب کے پیش آنے سے بیت المال ہی کے ذمہ عائد ہو گئے مگر ہمکو وہ اسباب اس لئے نہیں معلوم ہو سکتے کہ انکے بارہ میں کوئی معتبر تحریری ثبوت بہم نہیں پہنچتا ہاں بہت سے دوسرے ثابت شدہ امور کے ضمن میں اپنا استدلال مزدور ہو سکتا ہے مثلاً ایام مقتضد کے گوشوارہ مصارف میں جو ۲۷۹ھ کی بابت ہے اور علی بن عیسے کے گوشوارہ میں جو ۳۰۶ھ کے متعلق ہے (ان دونوں کے اندر) ایک بین فرق نظر آتا ہے آخرالذکر میں چند ایسے مصارف درج ہیں جنکا اول الذکر میں کوئی نشان بھی نہیں جیسے حرمین کے مصارف صدقہ جات کے خاصیوں کی تنخواہیں حج کے افسروں کے راتب اور تمام ملکوں میں ملازمین محکمہ ڈاک کے وظائف اور سرحدی مصارف۔ کہ ان ابواب کا پہلے گوشوارہ میں کہیں پتا بھی نہیں جس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں میں صوبوں کے عامل (گورنر) اپنی اقلیم کی آمدنی میں سے یہ مصارف پورے کرتے تھے چنانچہ اس کی طرف ہم اشارہ بھی کر آئے ہیں مگر بموقت خلفاء کمزور اور عامل سرکش ہو چلے تو حکومت کو بدرجہ مجبوری اپنے ہی خزانہ سے ان اخراجات کی داہندہ کرنی پڑی۔

پہلے حصے کے صفحہ میں بیان ہو چکا ہے کہ سرحدی صوبوں کی مالی آمدنی وہیں خرچ ہو جاتی تھی اور بیت المال میں اس کا کوئی جزو داخل نہیں ہوتا تھا۔ تاہم آغاز حکومت عباسیہ میں اموال غنائم وغیرہ کی بافراط آمدنی ان صوبوں سے اکثر آتی رہتی تھی (۱) مگر انحطاط کے دور میں جہاد کی کمی نے مال غنیمت کی یافت کردی اور طرہ یہ ہوا کہ بیت المال کو ان صوبوں کے مصارف آغاز عہد حکومت سے کہیں بڑھ کر انجمز کرنے پڑے یہاں تک کہ بلبقہ مقتدر کے ایام میں وہاں کے اخراجات تقریباً پانچ لاکھ دینار تک پہنچ گئے تھے حالانکہ اس سے قبل ایک لاکھ دینار تھے اور یہی وہاں کے ملکی ماصل کی مقدار تھی۔ جو وہیں کے کاموں میں خرچ کردی جاتی تھی (۲) اور اس کے ماسوا فوجوں کی تنخواہوں اور رسد پر جو خرچ پڑتا تھا وہ اور ہی طرہ تھا۔

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۷۔ (۲) تمامہ ۲۵۳۔

(۳) تنخواہوں کی زیادتی

مصارف کی زیادتی کچھ اسی وجہ پر موقوف نہیں تھی کہ زمانہ سابق سے نسبتاً خرچ کے سینے بڑھ گئے تھے بلکہ پہلے مہینوں اور محکموں کے اخراجات بھی اوائل حکومت کی نسبت دوچند ہو گئے تھے یہ ایک طبعی امر ہے کہ جوقت سلطنت کی ثروت حد سے بڑھ جائے تو وہ اپنے عہدہ داروں کی تنخواہوں اور روزینوں کا اضافہ بھی کر دیتی ہے پھر اگر اس حکومت کی بنیادیں کمزور ہوتی ہیں تو بہت قلیل عرصہ میں اس کی ثروت گھٹ جاتی ہے اور ملازموں کی تنخواہیں بدستور پیش قرار باقی رہتی ہیں جنکا پورے طور سے ادا کرنا خزانہ کے امکان سے باہر ہوتا ہے اور حکومت کو مجبور ہو کر بھاری بھاری ٹکس لگانے پڑتے ہیں جنکی تحصیل میں سختی اور ظلم سے کام لیا جاتا ہے اور اس بات کو دیکھ کر رعایا کی ہمتیں کاروبار کی طرف سے ٹوٹ جاتی ہیں اور ملک عام طور پر مفلس و تنگ حال ہو جاتا ہے۔

جناب نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابوبکرؓ کے ایام میں مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ لڑائیوں میں جو کچھ تھوڑا بہت مال غنیمت مل جاتا اسی کو آپس میں بانٹ کھاتے اور پرتہ رسد ہر شخص کو مختلف حصہ مقرر تھا یہانتک کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کی حکومت کا زمانہ آیا اور انہوں نے "دیوان" (مالی محکمہ) قائم کیا ہر ایک مسلمان کا سالانہ وظیفہ مقرر کیا اور ان کو نسبت و قرابت نبوی یا سبقت اسلامی کے اعتبار سے ایکدوسرے پر امتیاز دیا گیا (۱) عہدوں اور خدمات کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا اس لئے کہ ان میں سے کوئی ایک شخص خواہ وہ کاتب یا عامل۔ یا قاضی کچھ ہی ہوتا مگر کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھتا تھا لیکن جس وقت حکومت کے کاروبار کی شاخیں بڑھنے لگیں اور وہ ایک دوسرے سے ممتاز ہونے لگے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں نظر آیا کہ عہدوں اور منصبوں کے لحاظ سے تنخواہیں بھی قرار دیجائیں چنانچہ فوجی سپاہی سے عامل۔ کاتب۔ حاجب اور قاضی وغیرہ کے عہدوں تک سب کی تعین تنخواہیں دیجانے لگیں پھر جس وقت عباسی سلطنت میں وزارت کا عہدہ قائم ہوا تو اس کیواسطے بھی جدید قائم شدہ عہدوں کی مثل تنخواہ کا تقرر ہوا ان تمام منصبوں کی تنخواہیں حکومتوں اور زمانوں کے اس اختلاف کے ساتھ تغیر و تبدیل پاتی رہیں اس لئے ہم صرف ان منصبوں میں سے زیادہ مشہور منصبوں کی تنخواہوں کی تاریخ پر نظر ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں جو ہماری مقصودہ زمانہ کے اندر پائی گئی ہے:۔

(عاملوں کی تنخواہیں) حضرت عمرؓ کے ایام میں عامل کی تنخواہ چھ سو درہم ماہوار تھی (۲)

(۱) حصہ اول صفحہ ۵۰۲ (۲) سراج الملوک ۲۷ ب

پھر اس کی شرح عاملوں اور ملکوں کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتی رہی چنانچہ انہیں حضرت عمرؓ نے امیر معاویہؓ عامل شام کی تنخواہ ایکہزار دینار سالانہ بھی مقرر کی تھی (۱) بنو امیہ کی حکومت قائم ہونے پر ملکوں کی گورنری بھی عجیب گڑبڑ ہوگئی عاملوں کو اپنا مددگار بنائے رکھنے کے لئے لالچ دینے۔ یا خارجی (باغی) لوگوں اور عدوؤں سے جنگ کرنے کے پیش قرار مصارف وغیرہ پورے کرنے کیواسطے جو کچھ وہ مانگتے مقتضائے حال کے لحاظ سے دیا جاتا اور بسا اوقات پورا ایک ملک ہی کسی کو دے ڈالا جاتا جس کی آمدنی سب وہی عامل کھا پی جاتا خلافت کے خزانہ میں وہاں کی آمدنی سے ایک کوڑی بھی نہیں داخل ہوتی تھی بلکہ اسی عامل کی خدمت کے سپرد ہیں محسوب ہو جاتی مگر یہ صورت صرف بڑے بڑے عاملوں کے ساتھ مخصوص تھی جیسے عراق عرب اور عراق عجم کے عامل یا مصر اور خراسان کے عامل چنانچہ زید بن عمرو بن ہبیرہ امیر عراق کی تنخواہ بنو امیہ کے زمانہ میں چھ لاکھ درہم سالانہ تک پہنچ گئی تھی (۲) اور خالد قسری والی عراق عجم کی آمدنی ایک کروڑ تیس لاکھ درہم سالانہ ہوگئی تھی (۳) مگر اس آخر الذکر کی آمدنی تنخواہ میں شمار نہیں ہو سکتی اس لئے اس کو پیمانہ قیاس قرار دینا مناسب نہ ہوگا۔

ان بڑے عاملوں کے ماتحت بھی کچھ چھوٹے چھوٹے عامل ہوتے تھے جن کو وہ اپنے زیر حکومت صوبہ کے بڑے بڑے شہروں میں مقرر کیا کرتے جیسا کہ حجاز نے عراق اور امیر عمرو بن العاص نے ملک مصر میں کر رکھا تھا ان چھوٹے عاملوں کی تنخواہیں محدود ہوتی تھیں جو تین سو درہم ماہوار سے زائد نہیں نہیں (۴) ان کی تنخواہیں دولت عباسیہ کے آغاز سے مامون کے ایام تک اسی پیمانہ پر قائم رہتی چلی آئیں لیکن مامون کے عہد میں اس کے وزیر فضل بن سہل نے مال و دولت کے افراط ہونے پر خلیفہ کی یہ خواہش دیکھ کر کہ وہ اپنے خراسانی مددگاروں کی خوشنودی کا مطلب ہے جو وقت سب لوگوں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا تو اون لوگوں کی بھی تنخواہیں بڑھا دیں بہرحال ان تنخواہوں کی مقداریں ملکوں کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتی تھیں کیونکہ کبھی کوئی شخص صرف ایک چھوٹے سے قطعہ ملک کا گورنر ہوتا تھا اور کبھی چند ملکوں کا ایک ہی حاکم قرار پاتا تھا اس لئے ملک کی وسعت اور اہمیت اور خلیفہ کی خوشنودی وغیرہ کے اعتبار سے بھی تنخواہوں کا اندازہ قرار پایا تھا خلیفہ مامون نے فضل ابن سہل کو ملک مشرق کا گورنر مقرر کیا جس کی حدود طولاً سیحون کے پہاڑ سے تبت تک عرضاً دریائے فارس سے بحر دیلم (قزوین) تک پھیلتے چلے گئے تھے اور اس میں عراق کے اس طرف کے تمام مشرقی ممالک ہندوستان کے حدود تک داخل تھے اور اس کی تنخواہ تیس لاکھ درہم سالانہ مقرر کی تھی اس کو ایک جھنڈی دیگئی جو دوشاخہ نیزے پر چڑھا کر ہر ہر ملک میں لگا کر تیار کی گئی تھی اس

(۱) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۹۵ - (۲) ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۸۱ (۳) ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۹۶ - (۴) طبری جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۴۰

ایک بڑا نشان جھنڈا، بھی دیا گیا اور "ذی الریاستین" کا لقب عطا کیا (۱) یعنے تلوار اور قلم دونوں کا امیر بنایا اس کی تلوار پر سنہری حروف میں ایک طرف "ریاسۃ الحربیۃ" اور دوسری جانب "ریاسۃ التدبیر" لکھوایا گیا تھا (۲) خلیفہ مامون نے اسے اتنے اعزاز اور مراتب اسلیئے عطا کیے تھے کہ اس نے خلیفہ مذکور کے ساتھ بہت بڑی جاں نثاری کی تھی اور جب تک مامون کو اپنے بھائی امین سے خلافت کے لئے جنگ کرنی پڑی تو فضل نے اس کو نہایت قابل قدر مدد دی تھی پس ان چھوٹے عاملوں کو جو مختصر صوبوں کے حاکم ہوتے تھے فضل کی حالت پر قیاس کرنا کسیطرح درست نہیں ہو سکتا جبکہ ویسے بیس عامل خود اسی کے ماتحت ممالک مشرقی میں متعین تھے اور ان لوگوں کی تنخواہیں مختلف ملکوں کے لحاظ سے بھی جداگانہ ہوتی تھیں چنانچہ ابن حوقل کے اس بیان پر قیاس کر کے جو اس نے منصور بن نوح کے وقت کے عاملوں کی نسبت لکھا ہے۔ (۳) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان عاملوں کی تنخواہیں تین سو درہم سے لیکر ایکہزار درہم کے مابین تک کم و بیش ہوا کرتی تھیں لیکن بڑے بڑے ملکوں کے عامل جنکا تعلق براہ راست خلیفہ کے ساتھ رہا کرتا ان کے مشاہرے بہت بیش قرار تھے جیسا کہ فضل بن سہل کی بابت دیکھا جا چکا اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں ابی علی ماذرانی عامل مصر کا راتب تین ہزار دینار ماہوار تھا (۴) (یا ساڑھے ہزار درہم) جسکی سالانہ مقدار سات لاکھ بیس ہزار درہم ہوتی ہے باقی لوگوں کو بھی اسی پر قیاس کر لو۔

لہذا اگر ہم ان تنخواہوں کو آجکل کے عہدہ داروں کی تنخواہ سے نسبت دیکر خیال کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ کسقدر بیش قرار تھیں کیونکہ اسوقت دولت عثمانیہ (ٹرکی) میں گورنروں کے تین درجے ہیں درجہ اول کے والی کو ۲۵۰ لیرہ (ترکی پونڈ) درجہ دوم کے والی کو ۲۰۰ لیرہ اور درجہ سوم کے والی کو ۱۵۰ لیرہ ماہوار ملتے ہیں اور انگلستان کی جانب سے وایسرائے ہندوستان کو بیس ہزار آٹھ سو تینتیس روپیہ ماہوار (۵) یعنے تقریباً پانچ لاکھ فرانکسالانہ ملتے ہیں جو اس زمانہ کے عاملوں میں سب سے بڑی تنخواہ ہے تاہم "ماذرانی" کی تنخواہ کے سامنے بہت کم ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا اور اس کا تو کوئی ذکر ہی نہیں کیا جا سکتا جو عباسی حکومت کے عمال تجارت وغیرہ کے ذریعے سے بہت کچھ کمایا کرتے تھے۔

(کاتبوں کی تنخواہیں) کاتبوں کی تنخواہیں مامون کے ایام تک پہلے عاملوں کے مثل نہیں جن کی مقدار تین سو درہم ماہوار سے زائد نہیں ہوتی تھیں اون کو بھی فضل بن سہل نے اضافہ کر دیا جس کی مقدار ہم کو معلوم نہیں ہو سکی کہ کس قدر اضافہ ہوا تھا لیکن دوسرے اہل مناصب کی تنخواہوں کے قیاس پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی زیادہ رہی ہونگی اس کے علاوہ ان کو روزمرہ کے اخراجات

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۰۳ - (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۸۴۱ (۳) ابن حوقل ۲۴۲ - (۴) (۵) پنچ ۴۶۶ -

الگ الگ بجایا کرتے تھے اور مقریزی نے ان چیزوں کی ایک تفصیل شمار کرائی ہے جو مصر کے ایک کاتب کو فاطمی حکومت کے عہد میں صرف ایکدن کے اندر تکیوں، بچھاؤنوں، میووں اور خوشبوؤں، غذا، کھانے پینے اور بچھانے کے سامانوں کے تمام اقسام سے اس کو اس کی اولاد کو اور اس کے کنبہ والوں کو جو چیزیں ملا کرتی تھیں اُنکی تعداد نے اس کتاب کے تقریباً دو یا تین صفحے رنگے ہونگے جن کو ہم نے طوالت کے خیال سے چھوڑ کر صرف اشارتاً اتنا لکھدیا ہے جس کو تفصیل دیکھنی منظور ہو وہ علامہ مقریزی کی تصنیف اٹھا کر دیکھ سکتا ہے (۱)

(وزیروں کی تنخواہیں) وزرات کا عہدہ دولت عباسیہ کے نئے بڑھائے ہوئے صیغوں میں شمار کرنا چاہیئے جو ان سے پہلے کسی اسلامی حکومت میں قائم نہیں تھا عباسی حکومت کے وزیروں میں سب سے پہلے مزید شہرت و عزت برامکہ نے حاصل کی اور ان کی تنخواہوں کی مقداریں ہم کو مل نہیں سکیں مگر یہ بات ظاہر ہے کہ وہ بہت بیش قرار تھیں اور مزید برآں بیت المال کے وہ بالکل مختار تھے جو کچھ ان کے دل میں آتا اسمیں سے خرچ کرتے انعام دیتے جاگیریں مقرر کرتے کوئی ان کو روکنے والا نہیں تھا اور ہم خلیفہ مقتدر کے زمانہ کے گوشوارۂ مصارف میں اس بات کو دیکھ چکے ہیں کہ وزیر کی تنخواہ ایک دن کی ۳۳ ½ دینار یا ہزار درہم ماہوار تھی اس لئے اگر ہم ان سکوں کی مقدار آجکل کے سونے اور چاندی کی قیمت کے نظر سے دیکھیں تو یہ تنخواہ پندرہ سو گینوں (پونڈ) سے زائد ہوگی اور آجکل کوئی وزیر بھی ایسا نہیں ہے جس کو اتنی تنخواہ ملتی ہو۔ دولت ثمانیہ میں وزیر کی تنخواہ تین سو لیرہ۔ الاصدر اعظم جس کو ایکہزار لیرے ملتے ہیں اور مصری وزیر کو (۲۰۰) گنی ماہوار ملتی ہے اور انگلستان کے وزیر اعظم کی تنخواہ دو ہزار پونڈ سالانہ ہے (۲)

علاوہ بریں وزیروں کی تنخواہیں زمانوں اور حکومتوں کے انقلاب کے ساتھ بھی ہوتی تھیں خلیفہ ناصر اندلسی کے زمانہ میں وزیر کی تنخواہ ۸۰ ہزار دینار سالانہ تھی اور بہت سے ہدیئے (۳) تھے چھٹی صدی ہجری کے خاتمہ پر خلیفہ مکتفی کے وزیر یحییٰ بن ہبیرہ کی تنخواہ ایک لاکھ دینار سالانہ تھی (۴) اور وزیروں کی مذکورہ بالا تنخواہوں کے علاوہ ان کے بیٹوں، بھائیوں اور ملازموں کو بھی تنخواہیں خانگی مصارف اور بہت سے وظیفے ملا کرتے تھے خصوصاً ملک مصر میں اس قسم کی رسم زائد تھی چنانچہ مصر کے فاطمی وزیروں کے علاوہ خود وزیر کو پانچ ہزار دینار ماہوار اس کے بیٹے اور بھائی کو تین سو سے دو سو دینار تک اور اس کے ماتحت لوگوں کو ان کی تعدادوں کے . . سے . . دینار تک ملا کرتے تھے (۵) اس کے جاگیریں اور نقد تنخواہیں بھی ان کو ملتے تھے اور حوائج زندگی کے اشیاء کے علاوہ تھیں جو ان کو اور ان

(۱) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۹۹ تا ۱۰۲ (۲) تبلیگراف اگزامینر صفحہ ۷۰ ۱۰ (۳) نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۲۱۱ (۴) فتری ۲۷۸ (۵) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۴۰۱ تا ۴۰۲

خاندان والوں کو ملتی رہتی تھیں سرمیز باشہ فاطمی حاکم مصر کے ایام میں "ابن عمار" وزیر کو اپنے ذاتی اور گھر والوں کے خرچ خوراک کے لئے غلوں اور گوشت کی اتنی مقدار ملتی تھی جس کی قیمت پانچسو دینار ماہوار ہوتی تھی اور میووں ایک ٹوکری ایک دینار کی اور دس رطل موم بتی ایک دینار کی اور نصف حمل دگھٹ) نرس کھجوریں (۱) یہ چیزیں ہی دیجاتی تھیں۔

(قاضیوں کی تنخواہیں) خلفائے راشدین کے ایام میں قاضی کی تنخواہ سو درہم ماہوار نقد تھی اور خوراک کے لئے حسب ضرورت گیہوں کا غلہ بھی ملتا تھا (۲) پھر بنو امیہ کے زمانہ میں اور عہدوں کی تنخواہوں کی طرح ان میں بھی ترقی کی گئی اور ۱۰۰ھ میں قاضی مصر کی تنخواہ ایک ہزار دینار سالانہ ہو گئی (۳) یعنے تقریباً راشدین کے ایام سے دس گنی بڑھ گئی اس کے بعد عباسیوں کا دور شروع ہوا تو ان کی تنخواہوں میں تخفیف کر دیگئی چنانچہ خلیفہ منصور کے ایام میں قاضی مصر کی تنخواہ تیس دینار ماہوار تھی پھر منصور کے جانشینوں کے عہد سے اس میں بیشی ہونے لگی یہاں تک کہ خلیفہ مامون کے ایام ۲۱۳ھ میں چار ہزار درہم ماہوار تک پہنچگئی (یعنے دو سو ستر دینار) اس کے بعد ابن طولون کے عہد میں پھر گھٹا دیگئی اور ہزار دینار سالانہ رہ گئی (۴)۔

بغداد کے قاضیوں کی جو تنخواہیں اوائل دولت عباسیہ میں مقرر تھیں انکا پتہ ہمیں بالکل نہیں ملا البتہ معتضد کے گوشوارہ میں ہم نے اسقدر دیکھا ہے کہ قاضی کا یومیہ راتب ۱۶ دینار یا پانچسو دینار ماہوار تھا جس کے اندر دس دفتیوں اور قاضی کے نائب کی بھی اجرتیں شامل نہیں اور باوجود اس کے وہ اس زمانہ کے قاضیوں کی تنخواہوں پر نظر کرتے ہوئے ایک بڑی تنخواہ ہے کیونکہ مستعانہ علیہ میں شیخ الاسلام کی تنخواہ پانچسو عثمانی لیروں سے زیادہ نہیں جسکی نسبت اس زمانہ اور ان دنوں کے نقد کی قیمتوں کا فرق بھی اعتبار کرنا مناسب ہے۔

(خلفا اور اُن کے گھر والوں کے وظائف) یہ بات دیکھی جا چکی ہے کہ خلفاء نے وزیروں اور کاتبوں کے تعلقین کے لئے وظائف مقرر کر رکھے تھے اس صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ جب خلیفہ بیت المال کا مختار کل ہوتا تھا تو انہوں نے اپنی ذات خاص اور اپنے اہل وعیال کے لئے بدرجۂ اولیٰ وظائف مقرر کئے ہونگے مگر ہم کو اس بارہ میں کوئی ایسا صریح اور صاف بیان نہیں ملتا جس کے ذریعہ سے ہم اس پہلو کو روشنی میں لا سکیں البتہ اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنے کنبہ والوں کو بالاقاتے اور نقد مال دینے کا حکم صادر کیا کرتے تھے اور وہ بھی بالاکثر ایام حکومت کے ابتدائی دور میں جبکہ انہیں اپنے گھرانے والوں سے حکومت کیلئے مقابلہ کرنے کا خطرہ رہتا تھا اس لئے وہ مال بخشنے

(۱) مقریزی جلد ۲ صفحہ ۹۰ (۲) سراج الملوک ۲۷۷ (۳) [illegible] جلد ۲ صفحہ ۱۱۵ (۴) سیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ - ۲۰

اپنے خاندان والوں کو راضی بناتے تھے اور بیعت کو خرید لیا کرتے تھے جس طرح خلیفہ منصور نے عیسےٰ بن موسیٰ سے اپنے فرزند مہدی کیواسطے ایک کروڑ دس لاکھ درہم قیمت ادا کر کے بیعت کو اس کے اور اس کی آئندہ نسل کے لئے مول لے لیا تھا (۱) یا اس لئے جاگیریں اور نقد روپیہ دیتے تھے تاکہ وہ خوشحالی سے زندگی بسر کر سکیں اور ان کے مددگار بنے رہیں جیسے کہ منصور نے اپنے چچاؤں کے ساتھ کیا تھا اس نے اپنے ہر ایک چچا کو بیت المال سے دس دس لاکھ درہم دلوائے تھے اور منصور پہلا شخص تھا جو اس طریقہ کا موجد ہوا (۲) اور غالباً ہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو ہر سال اتنی رقم دیجاتی تھی اور جو قت منصور کا بیٹا مہدی حکمران ہوا تو اس نے اپنے ہر ایک عزیز کے واسطے چھ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا (۳) اور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ تقریباً اسی قسم کے وظائف پر باقی رہے اور اس کے علاوہ بڑے بڑے عطیے بھی لیتے رہے خاص کر خلفا کے بیٹے اور ان کے ولیعہد بہت بیش قرار وظائف پایا کرتے اور گراں قدر عطیے بھی وصول کرتے رہتے تھے خلیفہ ہادی نے اپنے بھائی ہارون الرشید کو ولیعہدی سے معزول کرنے کا ارادہ کیا تو اسے اس بات پر راضی بنانے کے لئے ۱۷۰ھ میں حکم دیا کہ رشید کو ایک بین دینار اور مملکت عباسیہ کا نصف خراج دیا جائے۔ (۴)

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رشید نے اپنے خاندان والوں کے وظائف میں اضافہ کیا تھا اور اسی طرح مامون نے بھی اپنی خلافت کے ایام میں دوسرے عہدہ داروں کی تنخواہیں بڑھانے پر ان کے وظائف میں بھی ضرور توسیع کی ہوگی۔ مامون کے ایام میں خاندان بنی عباس کے ممبروں کی تعداد تینتیس ہزار شخصوں تک پہنچ گئی تھی خلیفہ مستعین باللہ نے حکمران ہونے کے بعد "معتز" اور "مؤید" سے ان کی تمام املاکو خرید لیا اور اس بات کی شہادت تحریری حاصل کر کے ان کے پاس صرف اسقدر جائداد رہنے دی جس کی آمدنی "معتز" کو سالانہ بیس ہزار دینار اور "مؤید" کو سالانہ پانچ ہزار دینار حاصل ہوتے تھے اور ان دونوں کو نظر بند کر دیا تھا۔ (۵)

چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں "ابن رائق امیر الامراء" کا زمانہ آیا تو خلفاء کے ہاتھ بیت المال میں تصرف کرنے سے روک دیئے گئے اور اسوقت سے خزانہ ارکان دولت کے قبضہ میں رہنے لگا سب سے پہلے جس خلیفہ کے ہاتھوں کو خزانہ سے روکا گیا وہ "راضی باللہ" تھا۔ جس نے ۳۲۹ھ میں وفات پائی۔ فوجی سپاہیوں اور ارکان سلطنت نے بیت المال اور ملکی محاصل پر مالکانہ قبضہ کر لیا تو خلفاء کو وظائف لینے کی

(۱) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۷۵۔ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۴۲۰۔ (۳) سیر الملوک ۶۵۔ (۴) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۹۔
(۵) طبری جلد ۳۔ صفحہ ۱۵۰۷

حاجت پیش آئی کیونکہ اب ان کو بیت المال پر قبضہ نصیب نہیں تھا اس لئے ان کے واسطے کچھ خفیف رقم بطور وظیفہ کے مقرر کر دی گئی (۱)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت سے قبل بجز اُن رقموں کے جو اموال غنیمت میں سے ان کو حکم شرع کے مطابق ملا یا کرتی تھیں ان کے کچھ وظائف معین نہیں تھے مگر حضرت ابوبکرؓ اس کلیہ سے مستثنےٰ تھے کیونکہ ان کیواسطے (۶۰۰۰) چھ ہزار درہم اسلئے مقرر کر دیئے گئے تھے تاکہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل عیال کو اچھی طرح رکھ سکیں (۲) پھر اس زمانہ کے بعد سے ابن رائق کے ایام تک ہم نے خلفاء کے وظائف کا کہیں ذکر ہی نہیں پایا ۳۳۴ھ میں سر الدولہ دیلمی نے بغداد پر تسلط کیا تو اس نے خلیفہ متقی کے لئے روزانہ پانچ ہزار درہم خرچ کو مقرر کر دیئے لیکن وہ رقم خلیفہ کو بہت کم دیا کرتا بلکہ یوں کہیئے کہ کبھی دیتا اور کبھی نہیں دیتا تھا۔ (۳) پھر اس کے بعد خلفاء کی تنگدستی کی جو حالت ہوئی وہ اپنے موقع پر بیان کی جائے گی۔

ان دنوں اکثر قوموں کے یہاں بادشاہوں اور ان کے کنبہ والوں کے وظائف مقرر کرنا ایک عادت جاریہ ہے اور متمدن حکومتوں میں بلحاظ غالب وہ وظائف سالانہ بجٹوں میں درج ہی رہتے ہیں چنانچہ انگلستان کے شاہی خاندان کے وظائف گذشتہ سال میں حسب ذیل تھے :-

انگلستان کے شاہی خاندان کے وظائف

انگریزی پونڈ	
۱۱۰۰۰۰	شاہنشاہ ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کا وظیفہ۔
۱۲۵۸۰۰	شاہی محل کے خدام کا "
۱۹۳۰۰۰	شاہی محل کے مصارف "
۴۱۲۰۰	دیگر مصارف اور صدقات
۴۷۰۰۰۰	(خاص شاہی وظائف کی تیزان)
۱۶۰۰۰۰	تمام دیگر خاندانی ممبروں کے وظائف
۶۳۰۰۰۰	

اور ہندوستان کے خاندان کے وظائف گذشتہ سال اتنے تھے۔

مصری پونڈ	
۱۰۰۰۰۰	خدیو اسمٰعیل کے مخصصات۔

(۱) فتوح ۲۰۲- (۲) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۹۵- (۳) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۷۶ ؎

۹۷۹۲۷	خاندانی ممبروں کے راتب
۵۷۴۳۴	خدیو مصر کی بیگم کے کابین کے مصارف
۲۵۵۳۶۱	

اور ہر جمعی سلطان ٹرکی کے وظائف کی ماہوار مقدار بجھتر ہزار ترکی پونڈ ہیں یا نو لاکھ ترکی پونڈ سالانہ اور یہ علاوہ مصارف خانگی اور مخصصات کے ہیں۔

خلیفہ کے حاشیہ والوں کے راتب } خلیفہ کے حاشیہ والوں سے ہم ان لوگوں کو مراد لیتے ہیں جو اسکی ذاتی اور شخصی خدمتوں پر مامور ہیں حکومت وسلطنت کے معاملات سے انہیں کوئی تعلق نہیں ہوتا ہتا مثلاً۔ طبیب۔ حاجب۔ اور باڈی گارڈ کے سوار۔ ان لوگوں کی تنخواہیں خزانہ صرف خاص سے ادا کیجاتی ہیں اور گاہ گاہ انکے کچھ وظائف خزانہ عامرہ سے بھی مقرر ہوتے تھے اور بیش قرار ہوا کرتے جیسا ہم ہارون الرشید کے طبیب جبریل بن بختیشوع کے مخصوصات سے استدلال کر سکتے ہیں بن بین ان کے چند نقد وظائف بھی تھے کہ بعض خزانہ عامرہ سے اور بعض خزانہ صرف خاص سے ملا کرتے جبریل بن بختیشوع مذکور کے سالانہ رواتب جطرچراسکے منشی کے قلم سے ترتیب وار لکھے ہوئے پائے گئے وہ حسب ذیل ہیں (۱) ؎

ہارون الرشید کے طبیب جبریل بن بختیشوع کے سالانہ مرتبات

درہم	خزانہ عامرہ سے	
	۱۲۰۰۰۰	راتب نقدی
۱۸۰۰۰۰	۶۰۰۰۰	دیگر سامان اور تحفے
	خزانہ خاص سے	
	۵۰۰۰۰	راتب نقدی
	۵۰۰۰۰	کپڑے جن کی قیمت ہوتی۔
	۵۰۰۰۰	ہدیہ کے طور پر موقعہ عید صوم فصاری
	۱۰۰۰۰	〃 〃 عید شانین کپڑے جنکی قیمت تہی
	۵۰۰۰۰	〃 〃 عید الفطر نقد
	۱۰۰۰۰	〃 〃 〃 کپڑے
	۱۰۰۰۰۰	خلیفہ ہارون الرشید کے فصد کھلوانے پر جو ہر سال دوبار کہی جاتی فی مرتبہ (۵۰۰۰) ؎

(۱) طبقات الاطبا جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ ؎

خلیفہ کے روپیہ کی بابت ہر سال میں دو بار نذر تخمیناً	۱۰۰۰۰۰
	۴۲۰۰۰۰
(میزان)	۶۰۰۰۰۰

ہارون الرشید کے معاجوں اور بادرد وغیرہ سے نقد اور کپڑوں اور خوشبوئیات کی صورت میں

عیسیٰ بن جعفر سے	۵۰۰۰۰
زبیدہ ام جعفر سے	۵۰۰۰۰
شہزادی عباسہ خاتون رشید کی بہن سے	۵۰۰۰۰
ابراہیم بن عثمان سے	۳۰۰۰۰
فضل بن الربیع سے	۵۰۰۰۰
فاطمہ خاتون ام محمد سے	۷۰۰۰۰
کپڑے (پہننے کے) خوبصورت اور سواری کے جانور	۱۰۰۰۰۰ ۴۰۰۰۰۰
برامکہ سے	
یحییٰ بن خالد کی جانب سے	۶۰۰۰۰۰
جعفر بن یحییٰ وزیر سے	۱۲۰۰۰۰۰
فضل بن یحییٰ سے	۶۰۰۰۰۰ ۲۴۰۰۰۰۰
اُس کے علاقوں کی آمدنی	۸۰۰۰۰۰
اُسکی جاگیروں کی توفیر سے جو بچت ہوا کرتی	۷۰۰۰۰۰
(میزان)	۴۹۰۰۰۰۰

پس صرف اس کے تمام مرتبات سالانہ اونچاس لاکھ درہم تھے جنکو اسکی ساری مدت ملازمت (جو کہ ۲۳ سال ہے) میں جمع کیا جائے تو دولت عباسیہ کے مال سے جس قدر حصہ اس نے پایا اسکی مقدار گیارہ کروڑ ستائیس لاکھ درہم ہوگی اور اس میں سے برامکہ کی بربادی کے بعد پچھلے دس سال میں انکے مقرر کیے ہوئے وظائف کی مجموعی رقم دو کروڑ چالیس لاکھ درہم منہا کر دیجائے تو اسپر بھی آٹھ کروڑ ستاسی لاکھ درہم باقی رہینگے اور اتنی رقم اس نے بیت المال سے علاوہ ان بیش قرار انعاموں کے حاصل کی جو اسکو وقتاً فوقتاً ملتے رہتے تھے اور اس مال میں سے جو کچھ اس نے خرچ کیا اس کی تفصیل یہ ہے :-

۲۷۶۰۰۰۰۰ اسکی ذات خاص اور گھر کے مصارف بارہ لاکھ درہم سالانہ کے حساب سے ۲۳ سال میں -

۷۰۰۰۰۰۰۰ - مکانوں باغوں سیرگاہوں چوپائے جانوروں اور غلاموں وغیرہ کی قیمت -

۸۰۰۰۰۰۰	آلات انیٹوں اور بنوائی وغیرہ کی قیمت
۱۲۰۰۰۰۰۰	اُن علاقوں کی خریداری میں جو اس نے اپنے خاص کیلئے مزید کئے صرف ہوئے
۵۰۰۰۰۰۰	جواہرات اور قیمتی سامانوں کی قیمت جو ذخیرہ کرنے کے لئے بہم پہنچائے تھے۔
۳۰۰۰۰۰۰	اُسنے خیرات، انعامات اور اجراء والدین کیساتھ سلوک کرنے میں جو کچھ خرچ کیا
۳۰۰۰۰۰۰	امانتداروں نے جو رقمیں اس کی ماریں اور انکار کر گئے اُنکی میزان۔
۱۲۸۶۰۰۰۰۰	(میزان اصل میں..... ۹ دینار اور..... ۹۰۶۰۰۰۰ درہم ہیں)

اور اسی لئے اس زمانہ کے تمام اہل معاشیہ کو راتب کو قیاس کرنا چاہیئے چنانچہ ہارون الرشید کے افسر باڈی گارڈ کی سالانہ آمدنی تین لاکھ درہم سالانہ اور اس کے پولیس کمشنر کی سالانہ پانچ لاکھ درہم اور حاجب کی سالانہ آمدنی دس لاکھ درہم تھی۔[1]

(فوجی تنخواہیں) ہم اس کتاب کے پہلے حصے کے صفحہ میں بیان کر چکے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں کیونکہ تمام مسلمان فوجی ندست بحالاتے تھے اور ان کا ہر ایک فرد بجائے خود سپاہی کی حیثیت رکھتا تھا اور اس بات کو بھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ عمرؓ نے نسب اور سابقہ کے لحاظ سے ان کے راتب مقرر کئے تھے پھر وہ راتب بنی اُمیہ کے اوائل عہد میں کس طرح دوگنے اور نگنے ہو گئے اس کے آخر میں کم ہونے لگے اور اسکے بعد بنو عباس کی اوائل حکومت میں اضافہ ہو کر کچھ دنوں بعد پھر گھٹا دیئے گئے یہانتک کہ خلیفہ مامون کے ایام میں ایک پیدل سپاہی کو دو سو چالیس درہم سالانہ ملنے لگے جو اس کے اس حصہ مال غنیمت کے علاوہ ہوتے تھے جسکا وہ جہاد کرنے کی حالت میں مستحق ہوا کرتا تھا اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اموال غنیمت کا حصہ صدر دولت عباسیہ میں سپاہیوں کو نہیں دیا جاتا تھا تا آنکہ ۱۹۵ھ میں خلیفہ "محمد الامین" سے ان لوگوں نے یہ خواہش کی کہ بحالت جہاد ان کو وہ حصہ ملا کرے چنانچہ خلیفہ مذکور نے انہیں حصہ دلوا دیا اور فی کس چھ دینار تقسیم میں آئے[2]

امین اور مامون کے مابین باہمی خانہ جنگی شروع ہوئی تو دونوں میں سے ہر ایک اپنی فوج کو عطیے اور انعام دیکر خوش کرنے پر تل بیٹھا۔ مگر جبکہ طاہر بن الحسین کی فوج نے ۱۹۵ھ میں علی بن عیسیٰ بن ماہان کی فوج کو ہزیمت دینے میں کامیابی حاصل کی تو مامون نے طاہر کی فوجوں کے عطیے اسقدر بڑھا دیئے کہ ایک نفر کو اسی درہم ماہوار (۹۶۰ درہم سالانہ) ملنے لگے (۳) یعنے خلیفہ مذکور نے پھر وہی شرح قائم کر دی جو سفاح بانی حکومت عباسیہ کے ایام میں مقرر ہوئی تھی لیکن اس خانہ جنگی کے ختم ہو جانے پر وہی ۲۴۰ درہم سالانہ بدستور رہ گئے اور اضافی اضافہ منسوخ ہو گیا۔

(۱) طبقات الاطبا جلد ۱ صفحہ ۱۳۲ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۹۷۲ (۳) طبری جلد ۳ صفحہ ۸۳۰ +

(افشین۔ اور بابک) ۲۱۸ھ میں معتصم باللہ نے اورنگ آرائے خلافت ہو کر ترکوں۔ فرغانہ والوں اور مغربی لوگوں کی جماعتیں فراہم کرنا اور ان کی فوجیں مرتب کرنا شروع کر دیا اور جن اسباب کو پہلے بیان کر آئے ہیں ان کے لحاظ سے خلفاء کو کمزوری لاحق ہوئی تو ہر ایک شے میں فوج ہی قوت کا برج بن گئی فوج کے اس رسوخ کا پیش خیمہ یہ امر ہوا کہ "بابک خرمی" کی عظمت و سطوت کا سکہ آرمینیا اور خراسان کے صوبوں میں بہت کچھ بیٹھ گیا تھا وہ خلیفہ مامون کے زمانہ سے ظاہر ہو کر لوگوں کو ایک نئے مذہب کی دعوت دیتا تھا جس کی بنیاد "تقمص" [1] پر قائم کی تھی اور مامون نے کئی مرتبہ اس کے مقابلہ پر فوجیں بھیجی تھیں جن سبھوں کو اس نے فاش ہزیمتیں دیکر بھگا دیا تھا۔ معتصم نے حکمران ہوتے ہی سب سے پہلے اپنی توجہ بابک کی بیخکنی پر مصروف کی جس سے اس کو اپنا ملک چھن لینے کا خوف پیدا ہو گیا تھا لہذا اس نے اپنی ترکی سپاہ کو افشین حیدر بن کاوس نامی ایک سپہ سالار کی ماتحتی میں ۲۲۲ھ کے اندر بابک کی سرکوبی کے لئے بھیجا پھر افشین کی کمک کے لئے ایک دوسرا سردار "بغا کبیر" نامی بہت سا خزانہ دیکر روانہ کیا اور سہ بارہ ایک اور سردار جعفر خیاط نامی کمک کے لئے بھیجا گیا اور آخر میں "ایتاخ" کو بہت تین کروڑ درہم فوجی مصارف کے واسطے دیکر روانہ کیا مگر مدت تک دو سال کی متواتر جنگ کے بعد "افشین" فتحمند ہوا۔ اور "بابک" کو ایک دھوکہ سے بہت سا روپیہ خرچ کر کے گرفتار کر لیا اور اسے سامرا کو لے آیا جس وقت افشین فتح پا کر واپس آیا ہے تو خلیفہ معتصم کا بیٹا "واثق" مع تمام خاندان شاہی کے مہروں کے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اس کی پیشوائی کے لئے گیا اور وہ لوگ ابھی تک سیاست پر پوری طرح اطمینان نہیں کہتے تھے کہ فی الواقع افشین نے اس بابک کو گرفتار کر لیا ہے جس نے بیس سال سے مملکت عباسیہ کو زیر و زبر کر رکھا تھا اور اس مدت میں علاوہ لوٹ مار کرتے رہنے کے اس نے دو لاکھ پچیس ہزار پانچ سو آدمی قتل کر ڈالے تھے اور مامون و معتصم کے بہت سے فوجی جنرلوں کو نیچا دکھا دیا تھا بہرحال جس وقت افشین نے بابک کی قید خلیفہ کے روبرو پیش کی تو خلیفہ نے حکم دیا کہ پہلے اس کو ہاتھی پر چڑھا کر تشہیر کیا جائے چنانچہ اس کی تعمیل ہوئی اور خلقت نے اس کو بڑے شوق سے دیکھا۔ بابک فی الواقع بڑا تنومند آدمی تھا وہ گویا دیو زاد معلوم ہوتا تھا تشہیر کے بعد وہ خلیفہ کے دربار میں لایا گیا اور خلیفہ نے بابک ہی کے جلاد کو حکم دیا کہ پہلے اس کے ہاتھ پیر کاٹے چنانچہ جب وہ ہاتھ پیر کٹنے کے بعد زمین پر لڑھک گیا تو اس کے ذبح کرنے اور پیٹ کو چاک کر دینے کا حکم ہوا جس کی تعمیل جلاد نے کی اور بالآخر اس کا سر کٹوا کر خراسان کو بھیجا گیا اور جسم سامرا میں سولی پر لٹکا دیا گیا جس دن میں یہ کارروائی ہوئی وہ ایک بڑی مسرت کا دن تھا کیونکہ اس میں معتصم کو اپنی سلطنت کی طرف سے

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۴ ۔ [1] تقمص "پوشیدن" (برہان) شاید لمبے لمبے کرتے پہننا مراد ہو۔ منہ

امن حاصل ہوا اور اس نے افشین اور اس کے سرداروں اور سپاہیوں کی بہت کچھ تعریف اور شکر گذاری کی جس دن سے افشین اس مہم پر روانہ ہوا تھا اس دن سے لیکر اس کی واپسی کے وقت تک خلیفہ معتصم ہر روز اس کیواسطے عطئے اور خلعتیں بھیجا کرتا تھا چنانچہ ہر روز وہ ایک گھوڑا اور ایک خلعت بلا ناغہ افشین کو بھیجا جاتا اور جتنے عرصہ تک افشین "بابک" کے مقابلہ پر رہا اس میں (علاوہ تنخواہوں۔ سامان۔ رسد اور اسباب ضروری کے) ہر ایسے دن کے لئے جس کے اندر میدان داری ہوئی ہو دس ہزار درہم اور جس دن جنگ نہ ہوا اس کے لئے پانچ ہزار درہم روزانہ دیتا رہا اور افشین واپس آیا تو خلیفہ معتصم نے اس کو خود اپنے ہاتھوں سے دو نشان (رتبے) مرصع بجواہر پہنائے اور بیس ملین درہم اس کو اس تفصیل سے انعام میں عطا کئے کہ دس ملین اس کی ذات خاص کیلئے اور دس ملین اپنی فوج میں تقسیم کرنے کیلئے ہیں اسے "سندھ" کا گورنر بھی مقرر کر دیا اور شاعروں سے اس کی مدح کے قصیدے پڑھوائے۔ (۱)

خلاصہ یہ ہے کہ افشین صرف مال کی لالچ میں بابک سے مقابلہ کرنے میں ثابت قدم رہا اور اسی کے ساتھ معتصم بھی اس کو آشائے جنگ میں اور وہاں سے واپسی کے وقت تک برابر خلعتیں اور انعامات دیتا رہا افشین وہ سب مال اپنے وطن اور ملک کو میدان جنگ سے ہی براہ راست بھیجا جاتا تھا جس وقت اس کے پاس لوٹ یا ہدیہ کے ذریعہ سے کچھ مال فراہم ہو جاتا تو وہ فوراً اپنے شہر "اشروسنہ" کو جو ممالک ماوراء النہر میں واقع ہے بخط مستقیم مخفی ذرائع سے بھیجدیا کرتا مگر وہ روکر لیجانے والے چونکہ خراسان کے ملک میں ہو کر گذرتے تھے اس لئے عبداللہ بن طاہر کو جو وہاں عامل تھا اس امر کی اطلاع ہو جاتی اور وہ خلیفہ معتصم کو اس حال سے مطلع کرتا رہتا۔ خلیفہ کا حکم بھی ایسا ہی تھا کہ ایسے معاملات میں جو کچھ معلومات بہم پہنچے اسکی اطلاع دربار کو دیا کرے ایکبار افشین نے ایک کثیر رقم اپنے چند محرم راز غلاموں کی معرفت اسی طریقہ پر روانہ کی کہ روپے اور اشرفیاں میانیوں میں بھر کر ان کی کمروں سے بندھوا دیئے ابن طاہر نے ان کو گرفتار کرا کے سب کی جامہ تلاشیاں لیں اور روپیہ دیکھ کر ان سے دریافت کیا کہ یہ کہاں سے لائے ہو تو ان لوگوں نے کہا کہ "یہ روپیہ افشین کا ہے" مگر ابن طاہر نے وہ سب مال چھین لیا اور ان سے کہا کہ افشین ایسی حرکت کیوں کرتا یہ اس کی کارروائی نہیں بلکہ تم لوگ چور ہو اس بات سے ابن طاہر اور افشین کے مابین ناچاقی پیدا ہو گئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر الامر افشین قید ہوا اور اسکا محاکمہ کر کے ظاہر ہوا کہ اس نے صرف مال کے لالچ میں بظاہر اسلام اختیار کر رکھا تھا ورنہ دراصل اندرونی طور پر وہ اپنے دین آتش پرستی پر ہی قائم تھا (۲)

اسی واقعہ پر معتصم کے تمام فوجی افسروں کو قیاس کرنا چاہیئے جو صرف مال فراہم کرنے

(۱) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۲۲۔ (۲) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۰۹ و ۲۱۱۔

اسے اپنے ملک مشرق بعیدہ میں بھیجتے رہنے کے لئے لڑائیوں پر جاتے تھے اس لئے جس حکومت کی ایسی بداخلاق فوج ہو اس کے سدھرنے کی کون سی شکل نکل سکتی ہے لیکن خلفاء بغیر ان سے امداد لئے ہوئے کوئی چارہ کار نہیں رکھتے تھے اور یہ بات صرف مال کے ذریعے سے حاصل ہو سکتی تھی لہذا وہ ان لوگوں کو ملا قدیوں اور انعاموں کے ہتھکنڈے طرز عمل کی پیروی میں دیئے جاتے تھے بڑی بڑی تنخواہیں بھی دیتے رہتے خلیفہ معتصم خاص اپنی ترکی فوج کے رہنے کیواسطے شہر سامرا کی بنا ڈالی تھی وہاں ان لوگوں کو جاگیریں دی تھیں اور بہت سی لونڈیاں خرید کر ان کے ساتھ بیاہ دی تھیں اور ان کو ممانعت کر دی تھی کہ باہر کے لوگوں سے وہ ہرگز کوئی ناطہ رشتہ نہ قائم کریں بلکہ وہیں لوگوں میں جو بچے پیدا ہوں ان کے جوان ہونیپر باہم نکاح بیاہ ہوا کرے۔ ترکوں کی لونڈیوں کے لئے بھی مستقل تنخواہیں مقرر کر دی تھیں اور ان کے نام دفتروں میں درج کرا دیئے تھے اور ان ترکوں میں سے کسی کو یہ قدرت نہیں تھی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے یا اسے جدا کر دے (۱) لہذا اگر مردوں کی تنخواہوں اور سامان خوراک و پوشاک کے ساتھ ہی ان عورتوں کے احتیاجات کا بھی اعتبار کیا جائے تو ان تمام مصارف کی میزان بہت زائد ہو جائے گی۔ طبری نے ۲۵۲ھ کے حوادث کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اسی سال میں ترکوں مغربیوں اور شاگری لوگوں کی تنخواہوں کا اندازہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان کے سالانہ مصارف بیس کروڑ دینار تھے اور یہ رقم تمام قلمرو کا دو سال کا خراج ہے (۲) گر ہمارا گمان ہے کہ مورخ مذکور کی مراد بیس کروڑ درہم ہوگی (نہ کہ دینار) اسلئے کہ خراج کی آمدنی سے دو سال میں اتنے دیناروں کا فراہم ہونا یوں دور از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہم اس رقم کو فی دینار بیس درہم کے حساب سے تحویل کریں جو اس زمانہ میں اس کی قیمت مقرر تھی تو عباسی قلمرو کا سالانہ خراج دو ارب درہم ہوتا ہے حالانکہ ہم اس بات کو دیکھ چکے ہیں کہ اس کے انتہائے دولتمندی کے ایام میں اسکا خراج چالیس کروڑ درہم سے زائد نہیں ہوا اسوجہ سے دو سو ملین درہم کا ایک سال کے اندر فوج پر خرچ کر دینا ایک بہت بڑی بات ہے اور خصوصاً اس صورت میں اور بھی ناممکن بات معلوم ہوتی ہے جبکہ ہم اس زمانہ کے نقود کی قیمت کا بھی اعتبار کریں جو موجودہ ایام سے دو یا تین حصہ زائد تھی لیکن اس میں شک نہیں کہ مذکورہ بالا فوجی خرچ کا تخمینہ اس زمانہ کے فوجی مصارف کو دیکھتے ہوئے کچھ حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ جدید تمدن نے اعتبار طی کا رروائی فوجی قوت اور فراہمی سامان حرب وضرب کو اس قدر لازمی بنا دیا ہے کہ اس کے سبب سے فوج کے اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں اور خاصکر بحری قوت اور بڑے بڑے جہازات کے مصارف اسپر بڑھا دینے سے جنگی تیاریوں کا خرچ حد سے زائد بڑھ جاتا ہے چنانچہ گورنمنٹ انگلشیہ اپنی بری اور بحری فوج پر

(۱) یعقوبی (کتاب البلدان) صفحہ ۳۲۰ (۲) طبری جلد ۳ - صفحہ ۱۶۸۵

چار کروڑ پونڈ سالانہ خرچ کرتی ہے یعنے تقریباً ایک ارب فرانک (یا درہم) اور گورنمنٹ فرانس اور حکومت روس بھی تقریب قریب ایسی ہی گرانقدر رقم اسپر خرچ کرتی ہے۔ گو یہ رقمیں (باوجود اس زمانہ کے نقود کی قیمتوں کو آجکل کے نقود کی قیمتوں سے نسبت دیکر اعتبار کرنے سے) بھی تقریباً عباسیوں کے فوجی مصارف سے دوگنی کے برابر ہیں لیکن ہم نے اون کے کثیر فوجی اخراجات کو محض بہ بیں نظر زائد از حد خیال کیا ہے کہ ان کے ایام میں فوجی مصارف کے جو طریقے مستعمل تھے وہ آجکل کے طریقوں سے بالکل جداگانہ تھے۔ اور ان میں اس قدر بیش قرار مصارف ہونیکا احتمال بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اور اسبات کا بھی خیال کرنا ضروری ہے کہ عباسی فوج کے لوگ کسی ادنے سبب کے پیش آتے ہی لوگوں کے گھروں اور دوکانوں میں سے زبردستی مال اٹھا لیجاتے تھے اور خلفاء ان کی اس حرکت کو جرم نہیں شمار کرتے تھے بلکہ بسا اوقات خود انہیں مظلوموں کو چشم نمائی کرکے ڈانٹتے اور کہتے تھے کہ تم نے اپنے مال و اسباب کو ایسے مقام پر کیوں نہ چھپا رکھا جہاں فوج والوں کو پتہ نہ ملتا۔

مزید بریں خلفاء خود بھی فوج والوں کی طمائع میں اس طریقہ پر لالچ اور حرص کی قوت کو اکساتے بھی رہتے تھے کہ ان سے کسی خدمت کے انجام دلانے کے لئے انعام و اکرام کا وعدہ کر دیتے اور کہتے کہ اگر تم فلاں کام انجام کر لوگے تو تمہیں ہم اتنا روپیہ دینگے حتے کہ میدان جنگ میں بھی اس قسم کی حرکتوں سے نہیں چوکتے تھے چنانچہ جب وقت جنگ کا بازار گرم ہو جاتا اور خلیفہ یا امیر کو اس بات کا خوف پیدا ہوتا کہ ہماری فوج سست پڑ جائیگی تو وہ بآواز بلند فوج میں پکار دیا کرتے کہ جو شخص ایک قیدی گرفتار کر لائے اسکو دس دینار اور جو شخص کوئی سر کاٹ لائے تو اسے پانچ دینار انعام میں ملینگے اور ۳۲۲ھ میں خلیفہ مقتدر نے ایسا ہی کیا تھا (۱)

بہرحال عباسی سپاہ کے وہ رواتب جو سال کے اندر مقرر و شرح اور مقدار کی حیثیت سے دیئے جاتے تھے انکی کیفیت اس مالی گوشوارہ سے جو "مقتدر" کے عہد میں تیار ہوا تھا یوں معلوم ہوئی ہے کہ سواروں اور ممالیک اور انہیں کے مثل دیگر تمام فوجی گروہوں کی سالانہ تنخواہوں کی رقم پندرہ لاکھ دینار یا تین کروڑ درہموں سے زائد نہیں تھی۔ پھر بعد کے زمانوں میں رفتہ رفتہ ترکی فوجوں کا زور بڑھتا گیا انکے متعدد فرقے قائم ہو گئے اور انکے رواتب بھی اتنے بڑھے کہ جنکا حصر و شمار کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ زمانہ اور حالات کے لحاظ سے انکے احوال بھی مختلف ہوتے رہتے تھے اور اسپر طرہ یہ ہے کہ بجز ان باتوں کے جو مورخین نے اسبارہ میں کہیں کہیں ضمنی طور پر بیان کر دی ہیں باقی تفصیلی حالات سے انہوں نے بھی بالکل سکوت اختیار کیا ہے ۳۱۷ھ میں خلیفہ مقتدر کے محل پر جو مصافی پیدل فوج کا فرقہ پہرہ دیا کرتا تھا اس کے آدمیوں کی

(۱) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۹۰

تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی تھی جن کی تنخواہوں پر ایک لاکھ بیس ہزار دینار ماہوار یعنے ۶ دینار فی کس کے پرت سے خرچ ہوتے تھے اور سواروں کی تعداد بارہ ہزار تھی جن کی ماہوار تنخواہ میں پانچ لاکھ دینار فی کس ۴۲ دینار کے حساب سے صرف ہوا کرتے یا یوں کہنا چاہیئے کہ ایک سوار کو بارہ ہزار درہم اور ایک پیادہ کو ایک ہزار چار سو چالیس درہم سالانہ ملا کرتے تھے پھر بھی باوجود اتنی تنخواہیں ملنے کے اکثر اوقات وہ لوگ بغاوت اور سرکشی کر کے ہنگامہ مانگا کرتے تھے اور خلیفہ کو بصورت نامنظوری قتل کی دھمکی دیا کرتے (۱) وہ خلفا کے محلوں میں مداخلت بیجا کرنے اور خلافت کو اپنے ہاتھوں میں رکھنے کے عادی ہو گئے تھے یعنے جس کو چاہتے خلیفہ بنا دیتے اور جس کی نسبت ارادہ کرتے اسے تخت خلافت سے اتار ڈالتے تھے جس وقت ملکی محاصل یا نذرانہ وغیرہ کی رقمیں آیا کرتی تھیں تو انہیں اپنے ہی آپس میں بانٹ لیا کرتے اور خلیفہ یا دیوان دفتر خزانہ کے لئے صرف کچھ خفیف مقدار روپیہ کی باقی چھوڑ دیتے چنانچہ اماش اور شاہک نے مستعین باللہ کے ایام ۲۴۹ھ میں بارہا ایسا ہی کیا تھا (۲) اور جب جب فوجی سردار خلفاء کو لوٹتا اور انکو ستایا کرتے تھے ویسے ہی عام فوجی سپاہیوں اور چھوٹے افسروں کو چھوڑ کر اپنے واسطے کثیر دولت ناجائز ثروت بھی فراہم کیا کرتے تھے یہانتک کہ اکثر اوقات یہی سپاہی لوگ اپنے افسروں کے مقابلہ میں بھی شورش کر دیتے اور ان سے روپیہ کا مطالبہ کرتے رہتے اور ان کو دھمکیاں بھی دیتے تھے اور جب دیکھتے کہ وہ ان کی بات نہیں سنتے اور نہیں مانتے ہیں تو انہیں قتل کر ڈالتے تھے جیسے "وصیف" کو ۲۵۳ھ میں کر دیا اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ترکی بغر غانی اور اشروسنہ کے رہنے والے سپاہیوں نے ہڑتال کر کے اپنے چار مہینوں کی جبکہ ہی ہوئی تنخواہ کا مطالبہ کیا تو "بغا" "وصیف" اور "بیکباک" یہ تین جنرل ان کی شورش فرو کرنے اور انہیں خاموش کرنے کی نیت سے انکے سامنے گئے اور "وصیف" نے ان سے بدزبانی کے ساتھ کہا "کیا آفت برپا کر رکھی ہے؟ ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے لو خاک لیجاؤ" اس بات کو سنتے ہی چند سپاہیوں نے مارے غصہ کے اپنی ڈھالیں لے گھیر لیا اور فوراً قتل کر ڈالا (۳) اور اکثر اوقات وہ خلفاء کے پاس اس بات کی فریادی اور شاکی ہوئے کہ ان کے افسروں کو ایسی جاگیریں کیوں ملی ہیں جن کی وجہ سے ان کے تعلقوں اور فراجی اراضیوں کی صورت میں ہونے سے خزانہ عامرہ کو ضرر پہنچ رہا ہے اور مزید بریں بڑے بڑے سرداروں کو خانگی اخراجات اور قدیم رسوم کی بیشی سے جس کے ساتھ ہی بال بچوں کے وظائف بھی ملتے ہیں کیوں بہرہ ور کیا گیا ہے اور ان میں سے بعضوں کو کس لئے سلطنت کے کاروبار میں اس حد تک دخل دیا گیا ہے کہ خراج کی رقموں کا بیشتر حصہ وہی کھا جاتے ہیں (۴) یہاں تک کہ سپاہیوں نے ان سرداروں کے پیچھا

(۱) صلہ تاریخ طبری ۱۴۳ لغایت ۱۵۱ - (۲) طبری جلد ۲ صفحہ ۱۲۱۱ - (۳) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۷ - (۴) طبری جلد ۱۲ صفحہ ۹۶ لغایت

پھڑوا لینے کی خواہش ظاہر کی اور درخواست دی کہ فوج کی کمان حنیفہ کے بھائی کیا کریں تو بہتر ہوگا۔

موجودہ زمانہ میں فوجی تنخواہوں کی شرح کس قدر ہے

اگر ہم اسلامی فوج کی تنخواہوں کا خلفائے راشدین کے عہد سے دولت عباسیہ کے خاتمہ تک اسکے زمانوں کے اختلاف کا لحاظ رکھکر اعتبار کریں اور پھر اس کو موجودہ زمانہ کی فوجوں کی تنخواہوں سے ملائیں تو ہم کو صاف نظر آئیگا کہ اسوقت کی شرح حالت موجودہ کی شرح سے بیحد بڑھی ہوئی تھی کیونکہ خلفائے راشدین کے وقتوں میں ایک فوجی سپاہی کو ۳۰۰ سے ۵۰۰ درہم تک سالانہ ملتے تھے جس کے بعد بنی امیہ کے عہد میں ایکہزار درہم ہو گئے اور عباسیوں کے دور میں پہر اسکے اندر انقلاب ہوا یہانتک کہ "المقتدر باللہ" کے عہد میں پیادہ سپاہی کو ۱۴۴۰ درہم اور سوار کو ۱۲۰۰۰ درہم سالانہ ملنے لگے غرضیکہ بنو عباس کے یہاں فوجی افراد (نفر) کی تنخواہ کی یہ شرح تھی جبکہ ذکر ہوا حالانکہ حکومت انگلشیہ میں پیادہ کو ایک شلنگ اور سوار کو ایک شلنگ نو پنس روزانہ ملتے ہیں جسکی سالانہ مقدار پیدل سپاہی کے لئے سال میں تقریباً ۴۸ فرانک (یا درہم) اور سوار کے واسطے سال میں ۸۰۰ فرانک ہوتی ہے اور اگرچہ گورنمنٹ انگلشیہ کے یہاں نرخوں کے اعتبار سے بھی پیدل اور سوار سپاہیوں کی شرح تنخواہ مختلف ہے تاہم دوسری حکومتوں کے دیکھتے ہوئے بہرحال ان کی فوج کو بیش قرار تنخواہ ملتی ہے لیکن عباسی حکومت کی شرح کے دیکھنے سے گورنمنٹ انگلشیہ کی شرح بہت خفیف اور کم نظر آتی ہے اور خصوصاً جبکہ ہم دونوں حالتوں کے نقود کی قیمت کا بھی اعتبار کریں تو مؤخر الذکر شرح مواجب اور بھی بے حقیقت ہو جائے گی۔

اس زمانہ میں (آجکل) فوجی مصارف کی زیادتی کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ افسروں کی کثرت ہوتی ہے اور انکی تنخواہیں بھی بڑی ہوتی ہیں اگرچہ ہم کو اس بات کا علم نہیں ہو سکا کہ عصر اسلامی کے فوجی افسروں کو جو "قائد" (جنرل یا کمان افسر) ہوا کرتے تھے کس قدر تنخواہیں ملتی تھیں اور انگلش فوج کی تنخواہوں کی شرح سب سے بڑے افسر سے ایک فوجی نفر (ادنی سپاہی) تک بحساب فی یوم ذیل میں درج کیجاتی ہے (۱) جس کے بعد عثمانی (ٹرکی) اور مصری فوج کی شرح تنخواہ بھی درج کر دیگئی ہے۔

انگلش فوج کی شرح مواجب فی یوم پونڈ شلنگ اور پنس کے حساب سے

پیدل		سوار	
پنس	شلنگ ۔ پونڈ	پنس	شلنگ ۔ پونڈ
۰	۸ ۰	۰	۸ ۰ جنرل ۔ (مشیر)

(۱) تہیکر ڈائرکٹری ۲۲ ۔ ۷

۰	۱۰	۵	۰	۱۰	۵	فریق
۰	۰	۳	۰	۰	۳	اللا
۰	۱۸	۰	۶	۱	۱	امیر آلائے
۰	۱۸	۰	۶	۱	۱	قائم مقام
۷	۱۳	۰	۰	۱۵	۰	بکباشی
۷	۱۱	۰	۰	۱۳	۰	یوزباشی
۶	۶	۶	۶	۷	۰	ملازم اول
۳	۵	۰	۸	۶	۰	ملازم ثانی
۰	۱	۰	۹	۱	۰	نفر

عثمانی افواج کی ماہوار تنخواہیں۔

عثمانی قرش	
۲۵۰۰۰	مشیر
۱۰۰۰۰	فریق
۶۰۰۰	اللا
۲۵۰۰	امیر آلائے
۱۸۰۰	قائم مقام
۱۲۰۰	بکباشی
۸۰۰	قولاغاسی
۵۰۰	یوزباشی
۲۵۰	ملازم اول
۲۰۰	ملازم ثانی
۲۰	نفر

مصری فوجکی ماہوار تنخواہیں۔

مصری قرش	
———	مشیر (ہی نہیں)
۷۵۰۰	فریق
۶۵۰۰	اللا
۴۷۰۰	امیر آلائے
۳۰۰۰	قائم مقام
۲۵۰۰	بکباشی
۱۵۰۰	صاغقولاغاسی
۹۰۰	یوزباشی
۶۰۰	ملازم اول
۵۰۰	ملازم ثانی
۳۰	نفر

(دیگر رواتب) ان زمانوں کی حکمرانی کا ایک مقتضی یہ بھی تھا کہ جن لوگوں کی قولوں زبانوں یا گروہ بندیوں سے خلفاء کو اندیشہ رہتا ہو وہ لوگ راضی اور ہموار رکھے جائیں کیونکہ سلطنت کے اندر ہمیشہ ایسے لوگوں کی جماعتیں موجود رہتی ہیں جو اپنے واسطے حصول خلافت کی کوشش کیا کرتے

تھے اور وہ لوگ علوی سادات۔ یا خارجی (باغی) وغیرہ تھے اور ملک میں ایسے سد کرنے والوں کا ہی ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا جو انتقام کے لئے موقع اور وقت کے منتظر رہا کرتے تھے اور نیز ہمان دلوں خوش بیانی اور دلیرانہ شعر خوانی کو بھی عام رائے کے اپنے موافق بنا لینے میں ایک ایسی قوی تاثیر حاصل تھی۔ جو آجکل کے اخبار نویسوں کی تاثیر سے بدرجہا بڑھی ہوئی تھی اسلئے جو خلفاء زیرک عقل و فہم سے آراستہ تھے وہ ان بد اندیشوں کی فتنہ انگیز طبیعتوں کو ان کے ساتھ طرح طرح کی عنایتیں اور احسان کرتے رہنے سے روکتے رہتے تھے اور وقتاً فوقتاً انعام واکرام کے ترلقمے کھلا کر ان کی زبانیں بند کئے رکھتے تھے یا برابر راتبہ خوار بنائے رہتے جس طرح موجودہ زمانہ کے حکمران اڈیٹران اخبار کیساتھ عمدہ برتاؤ کرتے ہیں اور بعض حکومتوں کے فرمانروا ان کو اپنے مقابلہ میں خاموش رکھنے کے لئے انہیں سالانہ وظائف دیا کرتے ہیں اور چند دوسرے تاجدار اخبار نویسوں کی امداد واعانت ہمتوں کے برانگیختہ یا ملکی گروہوں کے متفق الکلمہ کرتے رہنے کے لئے بہت کثیر رقمیں دیکر خریدتے رہتے ہیں اور چونکہ اسوقت میں شاعروں اور مقروں وغیرہ کی بجنسہٖ یہی حالت تھی جو آجکل اخبار نویسوں کی ہے پس کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ خلفاء نے ان کے رضامند بنائے رکھنے کے واسطے بیدریغ روپیہ صرف کیا ہو۔

اسلام میں سب سے پہلے اس قسم کی کارروائی اور حکمت عملی کا برتاؤ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضؓ نے کیا تھا وہ لوگوں کی زبانوں سے اپنے سنہ پر ملامت اور طنز آمیز کلمے نکلتے سن کر انہیں بجز عطیات وانعام کے کوئی دوسرا جواب نہیں دیتے تھے اسی لئے اہل عرب شاعر کو انعام دینا اس کی زبان بند رکھنے کے ساتھ تعبیر کیا کرتے تھے (۱) اور امیر مذکور شاعروں اور معزز لوگوں وغیرہ کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا کرتے تھے ان کے بعد والے خلفاء نے بھی انہیں کے نقش قدم کی پیروی کی اور انہوں نے بھی جماعات بنی ہاشم اور اولاد ابی طالب وغیرہ کے رئیسوں کیلئے عطیوں کی رقمیں مقرر کر دیں غرضیکہ جس شخص کی ذات سے ان کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ وہ ان کی حکومت کو صدمہ پہنچانے کے درپے ہو سکتا ہے اس کیلئے برابر انعام اور عطیے مقرر کر دیا کرتے تھے اور شاعروں یا اپنے پاس آنے والوں کو خلفاء جو جائزے اور عطیے دیتے رہتے تھے وہ زیادہ تر اسی قسم کی اغراض سے متعلق ہوا کرتے۔

بعض اوقات وہ ایسے لوگوں کے بھی وظائف معین کر دیتے تھے جن کی نسبت انہیں یہ خیال ہوتا کہ یہ لوگ ہمارے ہمچشموں کے مقابلہ میں ہماری طرفداری پر آمادہ ہوں گے جس طرح ۳۸۱ھ میں مصر کے حکمران عزیز باللہ فاطمی نے معزلدین کی اولاد میں سے علی بن الحسین کے ساتھ حسن سلوک اور مراعات کی تھی

(۱) مستطرف جلد ۱ صفحہ ۳۳۰

جب وقت علی بن الحسین بغداد سے مصر کو خلیفہ مذکور کے پاس چلا آیا تو عزیز باللہ نے اس کے واسطے چھ ہزار دینار سالانہ کا وظیفہ مقرر کرکے اسے حکومت فاطمی کے "شیوخ" (بزرگوں) میں داخل کر لیا (۱) اور گاہ گاہ حاجتمند النسلوں کے طبقوں کو بھی ایسی رعایتوں سے مستفید کرتے رہتے تھے جیسے کہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں ملک معز کے "مکران" اخشید" نے مختلف جنس کے آدمیوں کے بیکس اور تباہ شدہ لوگوں کے لئے (جنہیں سے کوئی شخص بھی ملکی مالی فوجی اور قضائی وغیرہ خدمتوں پر مامور نہیں تھا) اتنی کثیر تعداد کے وظائف مقرر کر دیئے تھے جن کے معارف کی وہ سالانہ رقم جو "کافور اخشیدی" کے عہد میں خرچ ہوا کرتی پانچ لاکھ دینار تک پہنچ گئی تھی (۲) اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ عباسی حکومت میں بھی اس قسم کے رواتب ضرور رہے ہونگے۔

پھر جائیکہ حاشیہ اور اعوان وغیرہ کے راتبوں کو بھی تصور کیا جائے جن کے رواتب حکومت ہی کے مصارف میں داخل ہوتے تھے اور دیکھا جا چکا ہے کہ وہ بہت بھاری تھے اور اسی قبیل سے امیروں زیروں اور عاملوں وغیرہ کے اہل حاشیہ کو بھی سمجھنا چاہیئے جن کی تعداد کسی کسی سرکار میں چند ہزار (۳) یا اس سے بھی زائد ہوتی تھی۔

مہینوں کے دنوں کی تعداد

حکومت عباسیہ نے راتبوں کی بیش اپنے ثروت کے عروج پر ہونے کے ایام میں شروع کی تھی۔ اور اسوقت چونکہ بیت المال میں اطراف عالم سے بے شمار دولت آ آ کر پہنچی پڑتی تھی اسلئے اسے اس دائمی تنخواہ کا بوجھ کچھ بھی محسوس نہیں ہو سکا مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد اس نے سمجھ لیا کہ ملکی محاصل کی آمدنی گھٹنی شروع ہو گئی ہے اور یہ صورت امکان سے خارج ہے کہ عہدہ داروں اور خلیفہ خواروں کے اپنے نظارت کی بیروی میں اپنے اسراف۔ ٹھاٹھ باٹھ اور غلاموں اور خادموں کی جماعتیں فراہم کرنے کی عادی بنجانے کے بعد ان کے مشاہروں کی شرح گھٹائی جا سکے اور نہ یہ بات ممکن ہے کہ انہیں ملازمت سے برطرف کر دیا جائے کیونکہ اس صورت میں وہ لوگ ناراض اور عداوت پر آمادہ ہو جائیں گے لہذا وزیروں نے ایک بہت عمدہ چال چلی جس کے ذریعے انہوں نے بہت بھاری مقدار روپیہ کی کفایت شعاری کر کے بچت میں نکال لی وہ یہ تدبیر تھی کہ انہوں نے ماتبہ داروں کے راتب روزینوں کے حساب سے مقرر کئے تھے اس لئے جب کسی صیغہ کی تنخواہیں کم کرنے کا ارادہ کرتے تو مثلاً اگر کسی محکمہ کے ملازموں کی

(۱) مقریزی جلد ۲ صفحہ ۲۸۹ (۲) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۹۹ - ان وظائف کی حالت عہد شاہان مغلیہ ہند کے "منصب" اور "تنخواہ" کے طریقہ سے ملتی ہوئی تھی جو آجکل گورنمنٹ آنریبل کمپنی بہادر قائم ہیں (۳) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۸۳ ۔

تنخواہ روزینہ کے لحاظ سے ہزار دینار ماہوار ہوتی تو وہ اسے گھٹا کر آٹھ سو دینار نہیں کرتے تھے بلکہ بدستور ہزار ہی قائم رکھتے مگر مہینے کے دن زیادہ کر دیتے یعنے تیس دنوں کی بجائے چالیس یا پچاس دن کر دیتے اسطرح ہر ملازموں کی ہر ایک جماعت کے لئے تقریباً ایک ایسا خاص مہینہ قائم ہو گیا جس کے دن دوسرے محکمہ والوں کے مہینوں کے دنوں سے مختلف ہوتے تھے۔

چنانچہ خلیفہ معتضد کے ایام کے مصارف کا تفصیلی گوشوارہ جو اسی کتاب کے صفحہ (۸۰) میں درج کیا گیا ہے اس میں جسقدر راتبہ خواروں کی قسمیں نظر آتی ہیں سبھوں کے مہینے ایک دوسرے سے مختلف اور جداگانہ ہیں کیونکہ جن غلاموں کو خلیفہ ناصر نے آزاد کر دیا تھا ان کے مہینوں کے دن چالیس یوم تھے اور جو قت انہوں نے اپنے ایک مطالبہ میں گستاخانہ برتاؤ کیا تو خلیفہ نے مہینے کے دن پچاس یوم کر دیئے اور پھر "معتضد" نے حکمران ہو کر ساٹھ یوم کا ایک مہینہ کر دیا آزاد اور صاحب امتیاز سواروں کے مہینے پچاس دنوں کے شمار ہوتے تھے "معتضد" نے ان کے فی ماہ نوّے دن کر دیئے اسی وجہ سے ان کو "تسعینیہ" کے نام سے منسوب کیا جاتا تھا بعد ازیں کچھ لوگوں کے مہینے ۱۲۰ دنوں کے بھی قرار دیئے گئے "تمانین" کے مہینے ستر یوم کے اور "مثنیین" سواروں کے مہینے ایک سو بیس یوم کے ہوتے تھے اور مدینۃ السلام میں شرط کی رسم پر تنخواہیں ملنے والوں اور دستوں کی بھی ایسی ہی حالت تھی غرضیکہ اس گوشوارہ والے وظیفہ خواروں یا ان کے سرداہی اور لوگوں کی حالتوں کا اسی انداز پر قیاس کرنا ٹھیک ہو سکتا ہے لہذا جبکہ اب ہزار دینار ماہوار تھا اگر اسکا مہینہ ایک سو بیس یوم کا کر دیا گیا تو گویا چوتھائی تنخواہ پر اسکا تنزل ہو گیا پھر اکثر اوقات اتنے دنوں کے بعد بھی بروقت تنخواہیں ادا کرنے میں بیت المال کو مجبوری پیش آیا کرتی تھی اور وہ ماہ بماہ تنخواہ نہیں دے سکتا تھا یہانتک کہ فوج والے شورش اور ہنگامہ برپا کر کے خلیفہ کو معزول یا قتل کر ڈالتے تھے اور جسکے پاس روپیہ ہوتا وہ خلافت حاصل کر لیا کرتا تھا۔

(۴) بیعت کے مصارف

پچھلے بیانات سے معلوم ہو چکا ہوگا کہ اوائل دولت عباسیہ میں اس کے خلفا اپنی بیعت کو قوت پہنچانے کے لئے اہل موتمن کو رامی بنانے سہنے کے محتاج تھے اس لئے وہ ان کو جیسے اور انعام تحفے بھیجتے رہتے تھے خلیفہ معتصم کے بعد عربوں کی قوت ٹوٹ کر ترکی امزاج کا اقتدار قائم ہوا تو مومنین کی پوچھ برتی گئی اور سلطنت کی تمام قوت ترکوں کے ہاتھ میں آگئی کیونکہ یہی فوجیں صرف روپیہ والے کا ساتھ دیتی تھیں جس کی وجہ سے خلفا کا اپنے واسطے بیعت لینا ان کی [illegible]

یا ایسے شخص کی مراعات پر نظر رہ گیا جو ترکوں کو روپیہ دیکر خوش رکھ سکے اس کے علاوہ خلفاء نے ابتدائے سلطنت سے یہ دستور مقرر کر رکھا تھا کہ ان میں سے ہر شخص اپنی بیعت لینے کے وقت فوجوں کو انعام اور تحفے دیکر رضامند بناتا تھا اور اس انعام کا نام "حق البیعت" رکھ چھوڑا تھا۔ چنانچہ "امین" نے حکمران ہوکر فوجکو دو سال کی تنخواہ انعام کے طور پر تقسیم کی تھی (۱) اگر وہ ایسا کرتا تو ممکن نہ تھا کہ ایک مہینہ بھی حکومت کر سکتا خلیفہ "مامون" نے "امام علی رضاؑ" کے لئے بیعت لینے کا ارادہ کیا تو فوج کو ایک مہینہ کی تنخواہ انعام اس وعدہ پر دینا چاہا کہ باقی رقم آمدنی آجانے پر ملے گی (۲) جس کو ان لوگوں نے منظور نہیں کیا اور اگر وہ فوراً تمام روپیہ دے دیتا تو جس کے لئے چاہتا ان سے بیعت لے سکتا تھا بنو امیہ بیعت لینے کے واسطے لوگوں کو صوبوں کی حکومت دیدیتے تھے اور کئی برسوں کے لئے انہیں وہاں کے خراج سے بھی سبکدوش کر دیا کرتے ۱۷۳ھ میں جبوقت عبدالملک بن مروان عبداللہ بن زبیر سے مکہ میں جنگ کر رہا تھا اور اسے اون کی کامیابی کا خوف تھا تو اس نے عبداللہ بن حازم کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر تم مجھ سے بیعت کر لوگے تو میں تم کو صوبہ خراسان کا حاکم بنا دونگا اور وہاں کا خراج بھی سات برس کے لئے تمہیں کو معاف کر دونگا۔ (۳)

لیکن خلیفہ معتصم عباسی کے بعد تو بیعت کیا رہ گئی تھی کہ ایک اچھی خاصی تجارت تھی جس کے پاس روپیہ یا فوج ہوتی رہی بیعت لے سکتا تھا اور ان دونوں کے معنے ایک ہی ہیں کیونکہ فوج بھی روپیہ سے والبستہ ہے فوجی لوگ مال کی لالچ میں خلفاء کو معزول بنانے کی خفیہ سازشیں بھی کرتے رہتے تھے کیونکہ ہر ایک خلیفہ کے برسر حکومت ہوتے ہی وہ اس سے "حق بیعت" اور ۶ ماہ یا ایک سال یا کم و بیش مدت کی تنخواہوں کا مطالبہ کیا کرتے تھے (۴) ایسے مطالبات کی مثالیں اتنی کثرت سے ملتی ہیں جنکا شمار بتانا دشوار ہے جس کو دیکھنا ہو عباسی خلفاء کی تاریخ کا مطالعہ کرے اور دیکھے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلفا اس مصیبت میں مبتلا ہوکر ملک کا انتظام کرنے سے بھی درگذرے اور حکمرانی میں ایسا خلل واقع ہوا کہ انہی صرف اپنی جانیں بچانے اور اپنی جائدادوں کو محفوظ رکھنے کی فکروں ہی سے نجات ملنی مشکل ہوگئی اور تمام ملک فوج والوں یا ان لوگوں کی لوٹ کا مال گاہ بنگیا جو سپاہیوں کے مذہب لے سکتے تھے عام رعایا کو بھی بڑی تجارت و حرفت اور تمام دوسرے کاروبار کرنے سے باز آگئی جس سے بالاجمال ملک کے سب کام بند ہو گئے۔

ملکی رعایا پر ایک اس سے بھی زیادہ سخت مصیبت ایک اور نازل ہو رہی تھی اور وہ یہ تھی کہ جبوقت فوج کے سپاہیوں کو روپیہ کی ضرورت پیش آتی اور بیت المال میں ان کے مصارف کے لئے کافی روپیہ نہ نکلتا تو وہ عام رعایا پر دباؤ ڈالکر روپیہ وصول کرتے تھے یہ صورت اکثر ان حالتوں میں

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۸۹ - (۲) طبری جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۳ - (۳) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۶۸ - (۴) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۷۵

واقع ہوتی جبکہ فوج کے فرقوں میں کسی خلیفہ کے حکمران بنانے پر باہمی تنازعہ ہو پڑتا اور خانہ جنگی کی نوبت آجاتی چنانچہ ۳۳۴ھ میں خلیفہ مطیع اللہ کو حکمران بنانے کے بارہ میں جس وقت ناصر الدولہ اور معز الدولہ دو سرداروں کے درمیان تنخ پیدا ہوگئی تو دیلم کی فوج نے شہر بغداد کو لوٹ لیا اور صرف شہر اور لوگوں کے یہاں سے جو مال اس لوٹ میں اندازہ تلف ہوا اس کی مقدار ایک کروڑ دینار تھی (۱) یا جس وقت اسی سال میں خلیفہ مستکفی نے "شیرزاد" کو امیر الامرا کے عہدہ پر ممتاز کیا تو اُن سے حسب معمول بیعت کے موقع پر فوج انکا انعام حد سے زائد بڑھا دیا مگر بیت المال میں کافی روپیہ نہیں تھا لہذا اس نے عاملوں کاتبوں اور تاجروں سے قسط کے طور پر مال حاصل کیا اور ظلم و جور سے وصول کرایا اسکا انجام یہ ہوا کہ شہر بغداد میں چوروں نے ڈاکے ڈالنے شروع کر دیئے اور تاجر لوگ شہر سے بھاگ گئے اور ملک میں عام بدامنی پھیل گئی (۲)

ان باتوں اور اسی قسم کی دوسری خرابیوں کا انجام ہوا کہ ملک پر متواتر مصیبتیں نازل ہوئیں جسطرح دیہات والوں نے کھیتی باڑی ترک کر دی تھی ویسے ہی شہر کے لوگ تجارت وغیرہ کے کاموں سے دستکش ہو بیٹھے ہر شے کا نرخ گراں ہوگیا اور کئی برسوں تک عراق کے شہروں میں قحط اور گرانی سے لوگ بہ کثرت مرتے رہے خاکسار دار السلطنت یعنی شہر بغداد کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ چوروں اُچکوں اور گرہ کٹوں کی کثرت ہوگئی جو موقع ملتے ہی مال یاروں کا کر لیتے تھے لوٹ مار کا بازار ہر طرف گرم تھا اور سنگامونکی حالت میں اس کی اور بھی زیادتی ہو جاتی تھی خلفاء کے پاس اتنا روپیہ نہیں تھا کہ وہ فوجوں کو اجرت دے کر بدانتظامیوں اور ہنگاموں کو فرو کر سکیں اور تباہی تو وہ اسباب کو دیکھ کر کہ حکومت اور نفوذ دوسروں کے ہاتھوں میں ہے اکثر اوقات ان امور سے خود ہی چشمپوشی کر جاتے تھے جیسا کہ ۳۲۰ھ میں خلیفہ مقتدر نے ہاتھ روک لیا تھا اور باوجود اسکے کہ اُسکے اور اسکی والدہ کے پاس بہت کچھ دفینے موجود تھے روپیہ دینے کی ہمت نہیں کی نتیجہ یہ ہوا کہ "مونس" خادم کی کوششوں سے وہ قتل کرا دیا گیا گو "مونس" کا یہ فعل خلفاء کے حق میں سم قاتل بن گیا کیونکہ اس کے بعد اطراف و جوانب کے حکمران سرداروں نے پے در پے لالچ میں خلفاء کو ستانے اور صدمہ پہنچانے کی جرأت کی (۳) یہانتک کہ ان کے خلوں کو لوٹ لیا اور زبردستی ان سے روپیہ وصول کیا ۳۶۱ھ میں "الجزیرہ" کی سمت سے رومی افواج نے حملہ کر کے "نصیبین" کے مقام تک ملک کو تاخت و تاراج کیا اور جلا کر پھونک دیا۔ بعد ہا مسلمان مرد اور عورتیں پکڑ لے گئے وہاں سے بامستند بھاگ کر دوتے پیٹتے بغداد پہنچے اور خلیفہ سے مدد کے طالب ہوئے شہر کی خلقت بھی رسیوں کی مار دھاڑ کی حالت سنکر پریشان اور خوفزدہ ہوگئی اور سبھوں نے اس مصیبت کے سیلاب کو روکنے کا

(۱) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۷۰ (۲) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۷۶ (۳) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۹۰

مطالبہ کرنا شروع کیا۔ "بختیار" (جو اسوقت گویا بغداد کا حاکم تھا) خلیفہ کے پاس پہنچا اور اس سے دیلمیوں کے مقابلہ میں فازیوں پر صرف کرنے کیواسطے روپیہ کا طالب ہوا۔ خلیفہ مطیع نے اسے یہ جواب دیا کہ "جہاد کرنے والوں کے اخراجات یا مسلمانوں کے مصالح کے دوسرے مصارف کا پورا کرنا مجھپر اسوقت لازم ہو سکتا تھا جبکہ دنیا (سلطنت) میرے ہاتھ میں ہوتی اور ملکوں کا خراج میرے پاس آتا ہوتا لیکن اس حالت میں کہ میں بیکار محض ہوں مجھپر کچھ بھی کرنا واجب نہیں اب جو شخص ملک کا مالک ہے وہی ان مشکلوں کو جھیلے۔ میرے نام کا ایک خطبہ پڑھا جاتا ہے سو اسکی بابت بھی تمہاری مرضی ہو تو میں دست برداری حاصل کرتا ہوں" لیکن خلیفہ کو اس حجت پیش کرنے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ مجبات پر مجبور ہو گیا کہ وہ اپنے پہننے کے کپڑے اور غل کا کنڈر اور تمام دوسرے اثاثوں کو فروخت کر کے ۴۰۰۰۰ درہم ادا کرے اس واقعہ کے متعلق تمام ملک میں خبر اڑ گئی کہ خلیفہ سے مضاربہ کیا گیا ہے حالانکہ وہ روپیہ جہاد کرنیوالوں پر خرچ بھی نہیں ہوا بلکہ "بختیار" نے اسے اپنی ذاتی ضرورتوں میں استعمال کیا (۱) غرضیکہ یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ جملہ عباسی خلفاء اپنی ترکی فوج کے ہاتھوں جان سے تنگ آ گئے تھے۔ وہ حالت بجنسہٖ سلاطین آل عثمان اور ان کی نگچری (جاں نثاری) فوجوں کی روداد سے ملتی ہوئی ہے جو اٹھارہویں صدی عیسوی اور اس کے بعد والے ایام میں بھی پائی جاتی تھی اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اگر ۱۸۲۶ء میں سلطان محمود خاں ثانی ان کو نیست و نابود نہ کر دیتے تو وہ کیا آفت برپا کرتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ ہنگاموں اور فسادوں نے لوگوں کو کاروبار سے روک دیا تھا دولت عباسیہ کے پاس آمدنی کا کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں رہ گیا جس سے اپنے ضروری مصارف جاری اور فوجوں کو باقی رکھ سکے۔ لیکن چونکہ سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے فوج کی بہر صورت حاجت تھی لہذا جسوقت "مطیع" کے عہد خلافت میں "معز الدولہ بن بویہ" بغداد کا سلطان مقرر کیا گیا تو فوج والوں نے اسے گھیر لیا اور غل و شور مچانے اور سخت و سست الفاظ سنانے لگے جس سے گھبرا کر اسنے ان کو تنخواہیں دلوا دینے کا وعدہ کر لیا مگر جب وہ جائز طریقوں سے اپنا وعدہ پورا کرنے پر قادر نہ ہوا تو اس نے مالدار لوگوں کو پکڑ پکڑ کر ناجائز ذرائع سے روپیہ وصول کرنے کی کارروائی کی اور یہ صورت بھی کارآمد نہیں ثابت ہوئی تو اس نے یہ تدبیر نکالی کہ ملک کے دیہات اور جاگیریں اپنے فوجی سرداروں اور ارکان سلطنت کے حوالہ کر دے تاکہ وہ انکو کاشت کرا کے اسکی آمدنی سے متمتع ہوں چنانچہ اس نے خاص خلافت کی اراضیاں اور جتنے صاحبان املاک تھے انکی زمینیں منتقل کر کے فوج والوں اور عہدہ داران دربار کے سپرد کر دیں

(۱) ابن اثیر جلد ۸ - صفحہ ۲۴۴ +

جس کی وجہ سے اکثر حکومت کے دفتر لوٹ گئے اور عاملوں کے ہاتھ بھی کٹ گئے مذکورہ بالا اسباب سے تمام ملک ویران ہو رہا تھا اس لئے جو افسر تھے انہوں نے آباد گاؤں خود لے لئے جنکی آبادی اونکے مرتبہ اور اقتدار کی وجہ سے اور بڑھ گئی اور آمدنی بافراط ہونے لگی اور ماتحت سپاہیوں کو اُجڑے ہوئے گاؤں ملے جو ان کی لوٹ کھسوٹ سے اور بھی برباد ہو گئے اس لئے انہوں نے وہ دیہات واپس کر کے اور دوسرے گاؤں طلب کئے اور اُنکی آباشی اور راستوں کی درستی پر بالکل توجہ نہیں ہوئی اسوجہ سے بالکل ہی مر مٹ گئے اور اکثر گاؤں کا نام تک نہیں باقی رہگیا مزید برآں جاگیرداروں کے غلاموں نے ظلم و جور کے ساتھ جو کچھ فوراً مل سکا اس کے وصول کرنے میں بھی کسر نہیں چھوڑی بہرحال اس دلیل سے معز الدولہ کو کسی ناگہانی مصیبت یا آفت کے لئے مالی ذخیرہ فراہم کرنا دشوار ہو گیا ایک اور بات یہ بھی تھی کہ "معز الدولہ" نے اپنے غلاموں اور ترکوں کو بہت کچھ عطئے دیئے اور انکی جاگیریں بھی بڑھائیں جسکے سبب سے "دیلم" والے اوپر حسد کرنے اور ان سے خار کھانے لگے اور جو ناراضی اور عداوت انکے مابین پہلے سے چلی آرہی تھی وہ اور بھی بڑھ گئی (۱)

(۵) ارکان دولت کا اپنی ذات کے لئے بافراط مال جمع کرنا

قاعدہ ہے کہ سلطنت کے مزاج کمال اور مال و دولت کے بافراط ہونے کی حالت میں جو قوت بادشاہ پیش پسندی اور رنگ رلیاں بنانے میں ڈوب کر بذات خاص ملکی کاموں کا دیکھنا چھوڑ دیتا ہے تو جو لوگ اس کے حاشیہ دولت میں والبستہ یا اس کے قائم مقام یا اس کے اور عام رعایا کے مابین توسط رکھنے والے ہوتے ہیں جیسے وزیر، کاتب۔ (سر دفتر) عامل۔ حاجب اور فوجی جنرل۔ یہی سب صاحب نفوذ بنجاتے ہیں اور حکمرانی کی باگ انہیں کے ہاتھوں میں آجاتی ہے اسوقت یہ عہدہ دار ذاتی طور پر خوب مال جمع کرتے ہیں اور جہاں تک ان سے بن پڑتا ہے دولت سمیٹنے سے نہیں چوکتے اور گو وہ اپنی حالت اور حیثیت کے مطابق خرچ بھی خوب کرتے ہیں تاہم ان کی دولتمندی روز بروز بڑھتی جاتی ہے مگر یہ صورت صرف ان مطلق العنان حکومتوں میں ہوتی ہے جن کے کاموں کا کوئی نگران اور جن سے کسی کو جواب طلب کرنے کا یارا نہیں ہوتا لہذا عیش پسندی اور آسائش کے ایام میں وزیروں کاتبوں اور حاجبوں کے گروہ کے جو لوگ بادشاہ کے نائب ہوتے ہیں انکو لامحالہ اس قسم کے اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں اور خاصکر دولت عباسیہ میں اس بات کو تکمیل کے درجہ تک پہنچ جانا نصیب ہو گیا جس کے وزیر اور ارکان دولت سب اعاجم قوم کے لوگ تھے جو انکی سلطنت کے قیام کے باعث تھی اور جس قوم کے عاملوں نے اُنکے

(۱) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۷۹

تمدن کو رونق بخشی تھی۔ اسی لئے عباسی حکومت میں وزیروں کا رسوخ بہت بڑھا ہوا تھا اور اس کے کمال عروج کے وقت میں بھی اونہیں کی بات چلتی تھی۔ دیکھو رشید کے زمانہ میں برامکہ کا کیسا رسوخ تھا وہ اپنی ذات کے لئے کس طرح دولت جمع کرتے تھے یہاں تک کہ بعض اوقات خزینہ رشید بہت تھوڑی مقدار روپیہ کی بھی باوجود ضرورت کے نہیں حاصل کر سکتا تھا (۱) چنانچہ موقع برامکہ نے خلیفہ کے ہاتھوں کو اس کی من مانی کے مرانق تصرف طرچی کرنے اور حکومت چلانے سے روک دیا (۲) تو اس لئے انہیں بالکل نیست و نابود کر ڈالا جس کی کیفیت عام طور پر مشہور ہے اور جس طرح "رشید" نے اپنے برمکی وزیروں کو مٹا دیا اُسی طرح "رشید" سے قبل خلیفہ "مہدی" نے اپنے وزیر یعقوب بن داؤد کو بھی برباد کر دیا تھا مہدی نے اسے عہدۂ وزارت پر مقرر کر کے تمام سلطنت کے کام اس کو سپرد کر دیئے اور خود عیش و عشرت اور رنگ رلیاں منانے میں مصروف رہا لیکن خلیفہ کی یہ حرکت لوگوں کو عام اور اہل عرب کو خاص طور پر ناپسند ہوئی اور عربی شاعروں نے یعقوب کی ہجو کہنی شروع کی کہ منجملہ اس کے بشار بن برد کے یہ اشعار بھی ہیں:-

بنی امیۃ ھبوا طال نومکم ان الخلیفۃ یعقوب بن داؤد مناۃ خلا فتکم یا قوم فالتمسوا خلافۃ اللہ بین البانی والعود (۳)	بنی امیہ تم بہت سو چکے اب خواب غفلت سے اٹھو کیونکہ ان دنوں یعقوب بن داؤد خلیفہ ہے اے قوم عرب تمہاری خلافت ضائع ہو چکی اب اگر تم کو خدا کی خلافت تلاش کرنی منظور ہے تو اسے بانسی اور عود میں ڈھونڈو

چنانچہ کچھ لوگوں نے ان اشعار کی بھنک مہدی کے کانوں میں بھی ڈالدی اور اس نے وزیر زندیق کو اپنی خدمت میں طلب کر کے گرفتار کرالیا اور قید خانہ میں ڈلوا دیا یہاں وہ مدت دراز تک قید رکھا گیا خلیفہ مامون نے بھی منی یحییٰ بن اکثم کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کہ پہلے اسے سلطنت کے انتظام کا ذمہ بنا کر اس کی عزت و توقیر ایسے ہی حد سے بڑھا دی جس طرح خلیفہ رشید نے برامکہ کے اعزاز میں سے تجاوز کیا تھا (۴) اور بالآخر اس کی طرف سے خوش نہیں رہا اسی لئے جب اس کی وفات کا زمانہ قریب آگیا تو اس نے اپنے بھائی معتصم کو وصیت کی کہ دیکھو خبردار تم ہرگز کسی وزیر پر اعتبار نہ کرنا کہ تمام سلطنت کے معاملات اس کے ہاتھوں میں پہونچ جاتے ہیں کیونکہ مجھ کو یحییٰ بن اکثم نے لوگوں کے معاملات میں جیسے دھوکے دیئے ہیں ان سے میں اس کی بدولت بخوبی واقف ہو گیا تھا (۵) اہل عرب عام طور پر وزیروں سے ناراض

(۱) مسعودی جلد ۲ صفحہ ۲۰۱۔ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۲۔ (۳) فخری ۱۶۶۔ (۴) ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۱۰
(۵) طبری جلد ۱ صفحہ ۱۱۳۹۔

رہتے تھے اور خاصکر اس وجہ سے اور بھی ناخوش تھے کہ وزیروں میں زیادہ تعداد ان کے اگر کے فارسی النسل ہوئے جن کی بابت اہل عرب کہتے تھے کہ یہ لوگ بزدل کنجوس اور رشوت خوار ہوتے ہیں ایک عرب کسی وزیر کی یوں تعریف کرتا ہے :-

وہ بظاہر عابد و زاہد بننے والا جسکا اندرونی حال نہیں کہلتا یدیوں کو پسند کرتا اور ہر وقت آدمیوں کے حلقہ میں گھرا رہتا ہے اسکی نسبت بزدل بخیل اور کمینہ طبیعت ہونیکا خیال کیا جاتا ہے اور اسکا قیافہ ہی بتلا رہا ہے کہ بے تک وہ وزیر ہے۔

ومظهر نسكا عليه ضمير يحب الهدايا بالرجال ملوك يخال به جبنا وبخلا وشيمة تخبر عنه انه لوزير (۱)

مگر علاوہ اس کے اکثر حالتوں میں وزیروں نے محض سلامی بیت المال کی خیر خواہی کی نیت کر کے خلفا کو روپیہ دینے سے باز رکھنا چاہا تاکہ وہ فضول رائگاں نہ ہو ورنہ اس میں انکا کوئی ذاتی نفع مقصود نہیں تھا مثلاً خلیفہ واثق کے وزیر "ابن الزیات" نے ایک بار خلیفہ کے حکم کو یوں ٹالنا چاہا کہ خلیفہ نے "علم" نامی ایک گانے والی لونڈی کی خوش آوازی پسند کر کے اسے خریدا اور حکم دیا کہ اس کے مالک کو پانچہزار دینار قیمت کی بابت دیئے جائیں وزیر نے اس رقم کے دینے میں ٹال مٹول کی تو خلیفہ نے تقاضا ہو کر حکم دیا کہ اس کی گنی مقدار فوراً ادا کر دی جائے وزیر نے مجبور ہو کر ۱۰۰۰ دینار چپکے سے دیدیئے (۲)

اور جتنا خلفا کی کمزوری میں اضافہ ہوتا گیا اسیقدر وزیر لوگ با اختیار اور بکثرت دولت سے مالا مال ہوتے گئے یہانتک کہ آخر کار ملکی خزانہ کا بڑا حصہ انہیں کے گھروں میں پلا گیا۔

(وزرا) وزیروں کی ثروت اس درجہ پر پہنچگئی تھی کہ عروج حکومت عباسیہ کے خلفا اور امرا کی ثروت بیت المال کی ثروت سے ہم پلہ کہی جاسکتی تھی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا بیت المال کی دولت انہیں لوگوں کے گھروں میں الٹ کر چلی آئی ہے۔ وزارت کے منصب پر لالچی اور چالباز لوگوں کی ہر وقت نظر جمی رہتی تھی جو اس کے لئے بھاری رشوتیں اور گراں بہا تحفے پیش کرتے رہتے علاوہ بریں اکثر حالتوں میں یہ عہدہ اس شخص کے سامنے پیش کیا جاتا تھا جو فوجی مصارف پورے کر سکے (۳) گویا اس شرط پر فروخت کیا جاتا تھا لیکن باغلب وجوہ یہی صورت پیش آتی کہ لوگ اس کے حاصل کرنے کے لئے روپیہ خرچ کرتے یا بر کار ہوتے خلیفہ سے اس قسم کا معاملہ کرتے جیسا کہ "ابن مقلہ" نے پانچ لاکھ دینار اور "ابن جہیر" نے خلیفہ قائم بامر اللہ خلیفہ راضی کی خدمت میں پیش کر کے وزارت حاصل کی یا جس طرح "ابن جہیر" نے خلیفہ قائم بامر اللہ

(۱) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۸۸۔ (۲) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۳۔ (۳) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۸۳ و ۸۶ اور حلہ تاریخ طبری صفحہ ۷۹ ۷ ۔

سے ۳۰۰۰۰ دینار دیکر منصب وزارت خرید لیا تھا (۱) اور یا خلفاء کے خواص میں سے کسی کے ذریعے اس کے حصول کی کوشش کیجاتی اور جو شخص وسیلہ بنایا جاتا اس کی خوب مٹھی گرم کی جاتی تھی وہ لوگ جو اس طریقہ پر وزارت پانے کی طمع کرتے تھے محض اس خیال سے پہلے اپنا مال ضائع کیا کرتے کہ اپنی وزارت کے زمانہ میں اس خرچ کئے ہوئے مال سے کئی حصہ زائد دولت عاملوں ناظروں اور کاتبوں وغیرہ کے موقع تقرر پر ان سے رشوت لیکر بہم کر لیں گے۔

وزیروں کی رشوت خواری کے متعلق ایک عجیب و غریب قصہ بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ مقتدر کا وزیر خاقانی رشوت لینے میں اتنا بے دھڑک تھا کہ اس نے صرف ایک دن کے اندر شہر "کوفہ" کے انیس ناظر مقرر کئے جن میں سے ہر ایک نے اسے رشوت دی تھی پھر جب وہ لوگ ایک ایک کر کے اس کے پاس سے نکلے اور کسی سڑک پر یکجا کوفہ کو جاتے ہوئے باہم مجتمع ہو گئے تو انہیں اس بات کا حال معلوم ہوا اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ اب ہم کیا کرنا چاہیئے آخر انہیں میں سے ایک شخص نے کچھ سوچکر جواب دیا کہ بھائیو اگر انصاف کی پیروی کرنی چاہتے ہو تو میرے نزدیک یہ مناسب ہوگا کہ جو شخص ہم میں سب سے آخر میں وزیر کا حکم تقرری لے کر چلا ہے وہی کوفہ کو جائے اور باقی سب واپس چلیں کیونکہ اسی آخری شخص کا تقرر صحیح ہے جس کے بعد وزیر نے کسی اور شخص کے لئے فرمان نہیں صادر کیا غرضیکہ پچھلا شخص کوفہ کو چلدیا اور باقی اشخاص وزیر کے پاس واپس آئے جنکو پھر اس نے کئی ملکوں میں تعین کر دیا اور کسی شاعر نے اسی وزیر کی ہجو میں کہا ہے۔

وزیرکم یعمل من الوقاعة
یولی ثم یعزل بعد ساعة
ویجبی من تعجل منه مالا
ویبعد من توسل بالشفاعة
اذا اهدی الرشی صاروا الیه
فما حظی القوم ارذلهم بضاعة (۲)

ایسا وزیر ہے جو احکام کی تحریر سے نہیں تھکتا ہی نہیں حاکم اور والی بنا کر پھر ایک ہی ساعت میں اسے معزول بھی کر دیتا ہے جو شخص جلدی کر کے اس کے پاس مال لیجاتا ہے اُسے مقرب بنا لیتا ہے اور جو شخص سفارش کو وسیلہ بناتا ہے اسے دتکار دیتا ہے جب رشوت دینے والے اس کے پاس جاتے ہیں تو ان میں سب سے بڑھ کر خوش نصیب اور کامیاب وہی رہتا ہے جس کے پاس سرمایہ سب سے کم ہو۔

وزیروں کے پاس حکومت کے عہدہ داروں سے جو عامل وغیرہ ہوتے تھے بطور مقررہ ٹیکس کے ہدیوں کی سالانہ رقمیں بدیں غرض آیا کرتی تھیں تاکہ وہ اُن سے راضی رہیں۔

علاوہ ازیں بعض وزراء بہت نادر ہیں ایسے بھی تھے کہ بالکل رشوت نہیں لیتے تھے اور برابر

(۱) فخری صفحہ ۲۵۳ - (۲) فخری ۲۶۶، (۲) فخری ۲۴۰ +

حق کے پابند رہتے جیسے عبداللہ بن یحییٰ بن خاقان خلیفہ متوکل علی اللہ کا وزیر یہ نہایت پرہیزگار شخص تھا فخری نے بیان کیا ہے کہ مصر کے حاکم نے وزیر مذکور کے پاس بھی اسی معمول کے مطابق جیسے کہ وہ اگلے وزیروں کو بھیجا کرتا تھا۔ دو لاکھ دینار نقد اور تیس گٹھڑیاں مصری کپڑوں کی ارسال کیں مگر جب یہ سامان اس کے روبرو پیش کیا گیا تو وزیر مذکور کے حاکم مصر کے وکیل سے کہا "نہیں" خدا کی قسم میں اس پر یہ کو کبھی نہیں لونگا اور اسپر (حاکم مصر پر) اسکا بار بھی نہیں ڈالونگا" اس کے بعد گٹھڑیوں کو کھلکر ان میں سے صرف ایک مال نکال لیا جس کو اپنی ران کے نیچے رکھکر باقی سامان کی نسبت حکم دیا کہ اسے دفتر مال کے خزانہ میں لیجائیں اور اسکی تصحیح کرکے اسکی قیمت سے حاکم مصر کے واسطے بہت سے سکانات مزید لے (۱) پاکدامنی اور سچے دل سے حکومت کی خدمت کرنے میں جو وزرا مشہور ہوئے ہیں ان میں سے ایک شخص علی بن عیسےٰ خلیفہ مقتدر کا وزیر اعظم بھی ہے جسنے خراج کا وہ گوشوارہ تیار کیا تھا جو ہم قبل ازیں صفحہ ۱۳۶ میں درج کر چکے ہیں اور ممکن ہے اس کے سوا اور لوگ بھی ان صفات سے متصف رہے ہوں مگر اجمالی طور پر عام حالت یہی تھی کہ حکومت عباسی کے دور تنزل میں لوگوں کو منصب وزارت حاصل کرنے کی صرف اسلئے فکر و طمع دامنگیر ہوتی تھی کہ وہ بخوبی دولت جمع کرسکیں گے چنانچہ ابوالحسن بن الفرات تین مرتبہ خلیفہ مقتدر کا وزیر ہوا پہلی بار ۲۹۶ھ میں منصب وزارت پر متمکن ہوکر تین سال تک اس خدمت کو انجام دیتا رہا۔ اس عرصہ میں جس قدر دولت اس کے پاس فراہم ہوئی تھی ۰۰۰۰۰ دینار کے مساوی تھی اور یہ سب روپیہ مصادرت کے ذریعہ سے خلیفہ نے ضبط کرالیا تھا دوبارہ ۳۰۴ھ میں وہ پھر وزیر مقرر ہوا اور ۳۰۶ھ میں معزول کر دیا گیا اور پھر ۳۱۱ھ میں سہ بار مرتبہ وزارت پر فائز ہوکر ۳۱۲ھ میں معزول ہوگیا وہ آخری دفعات میں اس کی خدمت وزارت کی کل مدت تقریباً تین سال تھی اور جب وہ سب سے آخری بار اپنے عہدہ سے برطرف کیا گیا ہے تو اس کے پاس ایک کروڑ دینار سے زائد نقد روپیہ اور اتنے علاقے تھے جن سے سالانہ بیس لاکھ دینار کی اسے بچت ہوتی تھی (۲) اور باوجود اس کے مورخین نے اس کے کرم و احسان کے باعث اسے ذرا بھی برائی کے ساتھ یاد نہیں کیا ہے اس کی یہ حالت تھی کہ جس وقت وہ وزیر مقرر ہوتا تھا تو برف موم بتی اور کاغذ بیحد گراں ہو جاتا تھا کیونکہ وہ ان چیزوں کو بکثرت استعمال کیا کرتا اس کے گھر کا کوئی آدمی بھی ایسا نہیں ہوتا جو بغیر برف کے پانی پیتا رہا ہو اور مغرب کے بعد جو شخص اس کے گھر سے باہر نکلتا اس کے ہاتھوں میں ایک بڑی اور شفاف موم بتی ضرور ہوتی اور اس کے گھر میں ایک حجرہ "کاغذ کی کوٹھڑی" کے نام سے مشہور تھا

(۱) فخری ۲۱۶۔ (۲) ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۳۷۲۔

جو شخص وہاں جاتا صاحب حاجت کاغذ بلا روک ٹوک لے آتا تھا (۱) وزیر مذکور نے اہل حدیث شاعروں۔ ادیبوں فقیہوں اور صوفیوں کیواسطے بیس ہزار درہم مقرر کر رکھے تھے (۲) ۵۰ ہزار اہل علم۔ دینی تعلیم۔ خانہ نشینوں اور فقراء کو تنخواہیں بھی دیا کرتا تھا جن میں بڑی سے بڑی تنخواہیں پانے والے سو دینار ماہوار اور کم سے کم وظیفہ خوار پانچ درہم ماہوار کے تھے غرضیکہ انہیں دونوں رقموں کے مابین تنخواہیں کم و بیش مقرر تھیں (۳) اور اسی جود و سخا نے اُسکے لالچ کی پردہ پوشی کر رکھی تھی جس طرح کہ اس سے پہلے برامکہ کی طمع پر اون کے جود و کرم نے پردہ ڈال رکھا تھا اور شاعروں کی زبانیں انکی ہجو اور بد گوئی سے اور مصنفین کے قلم انکی برائیاں تحریر کرنیسے روکدیئے تھے غرضیکہ اس زمانہ میں ایسے وزیروں کی ایک کثیر تعداد نظر آسکتی ہے جنہوں نے بیشمار دولت جمع کی تھی اور وہ دولتمندی کی شان و شکوہ کی نمائشوں میں ڈوبے رہتے تھے اور یہ قدیم طریق انتظام کی حکومتوں میں ایک طبعی امر ہے۔ کیونکہ مصر عراق اور اندلس ہر ایک مقام کے وزراء برابر لا انتہا دولت جمع کرتے رہتے ہے مصر کے حکمران بنی طولون کے وزیر "ماروانی" نے اپنے ترکہ میں اتنے بڑے بڑے تعلقے چھوڑے تھے کہ اس سے پہلے بہت کم کوئی شخص اتنے تعلقوں کا مالک رہا ہوگا اور ان تعلقوں کی خالص تر فیر چار لاکھ دینار سالانہ علاوہ حکومتی خراج کے تھی حالانکہ وہ اپنی زندگی میں بہت کچھ صدقہ خیرات اور نیک مصارف کیا کرتا تھا اور اس نے ۷۲ حج ادا کئے تھے جن میں سے ہر ایک میں ایک لاکھ پچاس ہزار دینار خرچ کئے تھے (۴) یعقوب بن کلس فاطمیوں کا پہلا وزیر تھا منجملہ اس کی املاک کے صرف ان جاگیروں کی آمدنی جو ملک شام میں واقع تھیں سالانہ تین لاکھ دینار ہوتی تھی اس کے علاوہ اس نے جو املاک اپنے ترکہ میں چھوڑی تھی اور تعلقے تیار ہر اور ربع (اونٹ) گھوڑے معمولی اونٹ اور خچر وغیرہ سب کو ملا کر ان کی مجموعی قیمت کا تخمینہ چالیس لاکھ دینار کیا گیا تھا اس کے ماسوا وہ تین لاکھ دینار اپنی بیٹی کی شادی میں صرف کر چکا تھا اور دوسرے سامان جو اس کے بعد وفات ترکہ میں رہے حسب ذیل ہیں:۔ خدمتی مذکر کے علاوہ صرف آٹھ سو وہ باندیاں تھیں جو ناچنے گانے والی اور حرم میں شمار ہوتی تھیں اور ۲۰ ہزار غلام جو "طائفۃ الوزیریۃ" کے نام سے مشہور تھے (۵) افضل سالار خلیفہ مستنصر فاطمی کے وزیر نے اسقدر عظیم الشان ترکہ چھوڑا تھا جس کی نظیر دیکھی تو کیا سنی بھی نہیں گئی اور وہ حسب ذیل ہے ۶ کروڑ دینار خالص سونے کے۔ ۲۵۰ اردب مصر کے نقد درہم۔ بیشمار ہزار اطلس دیبا کے کپڑے

(۱) فخری ۲۴۰۔ (۲) ابن اثیر جلد ۸۔ صفحہ ۵۷۔ (۳) ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۷۲ ۳۔ (۴) مقریزی جلد ۲ صفحہ ۵۵۱۔ (۵) مقریزی جلد ۲۔ صفحہ ۶۔ +

تیس ماحلہ عراقی سونے کے ڈبے۔ سونے کی ایک دوات مربع بجواہر جس کی قیمت ۱۲ ہزار دینار تھی اور سو کھونٹیاں سونے کی۔ ہر ایک سے مثقال (۳۰ تولہ ۶ ماشہ) وزنی جو دس کمروں میں لگی ہوئی تھی ہر کمرہ میں دس کھونٹیاں تھیں اور ہر ایک پر ایک ایک منديل زرکار بدا گانہ رنگ کی لٹکتی رہتی تھی تاکہ جس کو پسند کرے پہن لے اور ایک سو صندوق لباس کے تھے اور یہ چیزیں اون گھوڑوں خچروں۔ چوپایوں۔ لونڈیوں اور غلاموں کے علاوہ تھیں جن کا حسب شمار ممکن نہیں ہے (۱) اسی اپر لسی وزیروں کے احوال کو بھی قیاس کرنا چاہیئے چنانچہ خلیفہ عبد الرحمن الناصر کے وزیر "ابن شہید" کا ہدیہ جو ۳۲۷ھ میں پیش ہوا تھا اس دولتمندی پر دلالت کرتا ہے جو اسوقت کے وزیروں میں تھی علامہ ابن خلدون اور المقریزی نے اس ہدیہ کی تفصیل بیان کی ہے اور آخر الذکر مورخ نے تو بہت مفصل طور پر تین بڑے صفحوں میں اس کا بیان تحریر کیا ہے (۲)۔

دولت عثمانیہ کے زمانہ عروج اور اس کے بعد والے ایام میں بھی ایسا ہی حال نظر آئے گا۔ اس حکومت کے وزیر بہت بڑے بڑے وسیع علاقے ضبط کرتے رہتے تھے اور ان سے فائدہ حاصل کرنیکی یہ تدبیر نکالتے تھے کہ اس شرط سے مسجدوں پر وقف کر دیتے جس سے ان علاقوں کی آمدنی کا بڑا حصہ انہیں کے وارثوں کو ملتا رہتا اور وقف کی کارروائی صرف اس غرض سے کی جاتی کہ وہ اپنی جائیداد خراج اور عشور ادا کرنے کی زحمت سے بچالیں (۳)

جن ابواب سے عباسی حکومت کے وزرا مال جمع کیا کرتے تھے ان کی تعداد کبیر تھی منجملہ ان کے ایک ذریعہ عہدہ داران سلطنت کے تقرر میں رشوت لینے کا بھی تھا نیز عامل لوگ ان کو برابر ہدیئے بھیجا کرتے تھے اس مد سے ایک کثیر رقم آیا کرتی اور چونکہ ان کو بڑے بڑے اختیارات حاصل ہوتے تھے اس لئے وہ لوگوں کے تعلقے بلا کسی حساب و کتاب کے جب چاہتے غصب کر لیا کرتے اور خراج کی رقموں میں سے بھی جو کچھ کہا جاتا اس کا ذکر ہی فضول ہے کیونکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان دنوں کی ترتیب دفاتر کا طریقہ اسی قسم کا تھا جس میں رقموں کے اڑا لینے کی بخوبی گنجائش ہوتی تھی اور اسکا اظہار بھی ناممکن تھا اس کے دولت کمانے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ بعض وظیفہ خوار ملازمین بحالت مفروضیت کاروبار متعلقہ کے اپنی تنخواہیں لینے کی محتاج ہوتے اور جب ان کو روپیہ ملنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہاتھ آتا تو اس صورت میں بعض وزیر اپنی جانب سے ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا کرتے تھے

(۱) ابن خلکان جلد (۱) صفحہ ۲۲۲ (۲) نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۶۸ +
(۳) Porter's Const. Hist of Turkey vol 1

جو اُن ملازموں کی تنخواہوں کی چکیں نقد نصف قیمت پر خرید لیتے اور اسکے بعد وزیر خزانہ سے ان کو کامل وصول کر لیا کرتا (۱) اسیطرح پیروہ علما اور خانہ نشین لوگوں کی تنخواہوں میں بھی آدھا سا بھا کر لیا کرتے تھے اور جب اُن سے نہیں چکے تو گویا کوئی ملازم جو ان کے ماتحت تھا اس نصف نصف بٹائی سے خالی نہ بچا ہوگا۔ ملازموں کی تنخواہوں میں ساہوکاری کرنے کے علاوہ روزینہ خواروں سے بھی یہی دستور برتتے تھے اور جس شخص کو کوئی شہر ضمان یا خراج پر دیا جاتا اس سے بھی بطور رشوت یا حصہ بانٹے کچھ لے لیا کرتے نیز وہ اپنے اختیارات کے ذریعہ سے تاجروں کا بھی بہت کچھ مال مفت میں مار لیتے تھے اور خلفاء اس امر سے چشمپوشی کر جاتے تھے (۲) اور اسطرح جنقدر رقمیں وہ لوگ کماتے تھے اسکا نام "مرافق الوزارۃ" رکھا گیا تھا جو عام طور پر مشہور تھا انکے مرافق کی ایک آمدنی کپڑے سکے جانیکے ذیلے سے بھی حاصل ہوتی تھی جو فی کپڑہ کچھ لٹے درہم اور دینار سکوک کرا کے ان سے بہت بڑی رقم نفع میں حاصل کرتے تھے (۳)

وزراجن کے ہاتھوں میں حل وعقد کی قوت تھی ادنکی یہ حالت تھی مگر اسی کے ساتھ فوج والوں کی تنخواہیں دیتے وقت خلفاء کی جان کھائی جاتی تھی اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ترک سپاہ کے لوگ خلفاء پر بڑی زیادتیاں کر کے ان سے اپنی تنخواہوں اور اخراجات کا روپیہ مانگتے اس لئے خلفاء کو بجز اس کے کوئی اور راہ نہیں سوجھتی تھی کہ وہ وزیروں سے روپیہ طلب کریں اور جب وہ بخوشی روپیہ نہیں دیتے تو خلفاء اُن سے زبردستی لے لیا کرتے تھے اسی کا نام "مصادرت" رکھا گیا تنزل کے دور میں مصادرت کا بہت رواج رہا کیونکہ اس وقت میں سوا اس ذریعہ کے حکومت کے مصارف کسی اور طریقہ پر پورے ہی نہیں ہو سکتے تھے اور کوئی وزیر ایسا مقرر نہیں ہوتا تھا جسکی ملازمت کا خاتمہ مصادرت یا قتل پر نہ ہوا ہو یا دونوں باتیں ایک ہی ساتھ پائی گئی ہوں +

(**مصادرت**) یہ طریقہ اسلام میں بہت قدیم ہے یہانتک کہ اسکا سلسلہ خلفائے راشدین کے عہد سے ملتا ہے سب سے پہلے جس خلیفہ نے عاملوں سے مصادرت کا برتاؤ کیا وہ خلیفہ عمر ابن الخطاب رضؓ تھے جب عامل لوگ اپنی معینہ تنخواہوں کے علاوہ تجارت یا کسی دوسرے طریقے سے کچھ مال جمع کر لیتے تھے تو خلفاء اس میں سے نصف حصہ لیکر بیت المال میں داخل کر دیا کرتے حضرت عمرؓ نے اپنے ان عاملوں سے جو ولایات بصرہ۔ کوفہ اور شام میں تھے ایسا ہی سلوک کیا (۴) اور وہ اس کا نام "مقاسمۃ" یا "مشاطرۃ" رکھتے تھے پھر جو وقت بنو امیہ کا دور حکومت شروع ہوا اور انکے عاملوں نے ظلم و تحکم

(۱) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۸۴۔ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۷۰۳ (۳) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۴۶۔ (۴) یعقوبی جلد ۲۔ صفحہ ۱۸۱۔ ۱۷ اور بلاذری صفحہ ۴۰۳ و ۴۸۵ ؎ +

کمر باندھی اور ملکی محاصل کے روپیہ میں سے کھانے لگے تو اموی حکومت کے آخر میں خلفاء نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کسی عامل کو معزول کرتے وقت اُسکی سابقہ جمعدار اس کا مال مل سکتا سب چھین لیا کرتے اور اس کو "استخراج" کہتے تھے۔ عباسیوں نے مسند خلافت پر جلوس کیا تو ابتداءً ان کے عاملوں کا بیشتر حصہ خاص ان کے بھائی اور چچا لوگ ہوتے تھے اور ان سے مقاسمہ یا استخراج کی نوبت ہی نہیں آئی خواہ اُن میں سے کسی نے بد دیانتی بھی کی ہو مگر بعد خلفاء کو پیشدستی کرنی پڑی مگر رفتہ رفتہ جب غیر خاندانی عمائد سلطنت کو ملکوں کی گورنری تفویض ہونے لگی تو ان لوگوں نے پر اور پرزے جھاڑ کر طمع اور سختی کے ساتھ رعایا سے مالیہ وصول کرنا اور اپنا گھر بھرنا شروع کیا یہانتک کہ خلیفہ منصور ہی کے زمانہ میں یہ کیفیت ہوگئی کہ وہ جس عامل کو معزول کرتا تھا پہلے اس کا مال ضبط کرکے ایک جداگانہ خزانہ میں جمع کر دیتا جس کا نام "بیت المال المظالم" رکھ چھوڑا تھا (۱) اور "مہدی" کے ایام میں عاملوں کی جور و تعدی میں بہت کثرت ہوئی (۱۵۸ھ بغایت ۱۶۹ھ) تو یہ خلیفہ اس بات پر مجبور ہوا کہ بذات خاص لوگوں کی فریادیں سُنکر انکی دادرسی کرے اور وہ فریادیں کس امر کی تھیں؟ عاملوں کے مظالم کی۔ خلیفہ مہدی کے بعد ہادی پھر رشید اور بعد ازاں مامون وغیرہ بھی خلیفہ مہدی کے زمانہ تک جو تیسری صدی ہجری کے وسط میں تمام ہوا تھا سب عاملوں کی دادرسی کرتے رہے۔

جن لوگوں نے خلفاء کو عاملوں کے ظلم و ستم سے آگاہ کیا منجملہ ان کے وزیر لوگ بھی تھے۔ کیونکہ وہ منجانب خلیفہ تمام امور سلطنت کو انجام دیا کرتے تھے اور خاصکر برامکہ جو وقت ان سے کسی خلیفہ کسی شخص کے عامل بنانے کے متعلق رائے دریافت کرتا تھا تو وہ جسقدر واقف ہوتے اس شخص کے حالات بیان کر دیا کرتے تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی سے علی بن عیسےٰ نامان کو گورنر خراسان مقرر کرنے کی بابت مشورہ کیا تو یحییٰ نے اس خیال سے باز آنے کی رائے دی مگر ہارون الرشید نے اس کی رائے کو نہیں مانا اور علی بن عیسےٰ کو خراسان کا گورنر مقرر کر دیا۔ علی نے خراسان پہنچکر رعایا پر بیحد ظلم و ستم کرکے بہت کچھ مال فراہم کیا اور خلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں گھوڑے غلام کپڑے اور مشک وغیرہ سامانوں کے علاوہ بہت سا نقد روپیہ بھی بطور پیشکش ارسال کیا جیسا کہ کسی عامل کی طرف سے آتے نہیں دیکھا گیا تھا یہ پیشکش بارگاہ خلافت میں پہنچا تو خلیفہ نے اسے بنظر تعجب اور ناپسند ملاحظہ فرماکر یحییٰ سے جو اسکے برابر بیٹھا ہوا تھا کہا "کیوں بابا جان؟ اسی لئے آپنے رائے دی تھی کہ میں اسکو اس ملک کا گورنر نہ بناؤں۔ دیکھئے میں نے آپ کی مخالفت کی اور اسمیں بھی برکت

(۱) طبری جلد ۳۔ صفحہ ۱۵۴۱ +

عامل ہوئی"۔ یحییٰ نے جواب دیا "امیر المومنین خدا مجھکو آپ پر تصدق کردے گو میں چاہتا تھا کہ میری ہی رائے درست اور میری ہی سلاح ٹھیک ہو مگر یہ بات اس سے بھی بڑھ کر مجھ کو محبوب ہے کہ امیر المومنین کی رائے اعلےٰ ان کی فراست مکتہ رس اور ان کی معلومات میری معلومات سے بڑھی ہوئی ہے" اگر اسکے ماوراء ایک ناپسندیدہ صورت ہو... ہاں آپ تصور فرمائیں کہ جس وقت تک اس عامل نے ملک کے شرفاء پر جبر و تعدی نہ کی ہوگی اسوقت تک یہ سامان اور تحفے اس کے پاس مجتمع نہ ہوئے ہونگے ان میں کا بیشتر حصہ ظلم و ستم کے ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہے اور اگر امیر المومنین مجھ کو حکم دے تو میں ابھی "کرخ" کے صرف چند یا ایک تاجر سے اسکا دوگنا مال لے آؤنگا۔

خلیفہ ہارون الرشید نے کہا "یہ کیونکر ہو سکتا ہے" یحییٰ نے جواب دیا "عون میرے پاس ایک جواہرات کی کشتی لایا تھا جس کی قیمت میں نے ستر لاکھ لگادی۔ مگر اس نے اتنے میں فروخت کرنے سے انکار کیا میں ابھی اپنا حاجب اس کے پاس بھیجونگا اور وہ اسے پھر میرے پاس دوبارہ قیمت پر غور کرنے کیلئے لے آویگا پھر جب وہ لے آئیگا تو میں اس کے منگانے سے انکار کردونگا اور ستر لاکھ کا فائدہ اٹھاؤنگا اس کے بعد دو اور بڑے بڑے تاجروں سے بھی ایسا ہی معاملہ کرونگا اور اس طرح بہت کچھ کما لونگا"۔ حضرات ناظرین! یحییٰ کی اس گفتگو سے اس بات کی صاف دلیل ہاتھ آتی ہے کہ وزراء اور عمال کس طریقہ پر بلا حساب و کتاب مال جمع کر سکتے تھے۔

یہ بات پہلے ہی معلوم ہو چکی ہے کہ عاملوں کے دلوں میں طمع نے گھر بنا لیا تھا حتےٰ کہ دولت عباسیہ کے عہد عروج میں بھی وہ ایسی حرکتوں سے باز نہیں آتے تھے مگر برمکی وزیروں کے صادقانہ مشوروں نے عاملوں کے ہاتھ کاٹ رکھے تھے پھر برامکہ کی تباہی اور بربادی کے بعد جو لوگ منصب وزارت پر فائز ہوئے ان میں مخلص اور غیر مخلص ہر قسم کے لوگ تھے اسلئے عاملوں پر کوئی سخت قید باقی نہیں رہی اور انہوں نے دل کھول کر اپنے واسطے مال و دولت جمع کرنا شروع کیا وزیروں کو رشوت دے کر راضی بنا رکھتے تھے اور اپنا سکہ جما کر خوب مال جمع کرتے رہتے تھے

(عمال) اس زمانہ کے عاملوں کی مستقل حکمرانی کا لحاظ کرنے پر یہ امر بہت آسان معلوم ہوتا ہے کہ وہ دولت کا کافی ذخیرہ بہم کر سکیں کیونکہ جس صوبہ کے وہ حاکم ہوتے تھے وہاں کے تمام کاروبار کے ان کو کلی اختیارات حاصل رہتے خصوصاً "عمال استیلاء" کو ہر ایک طرح کی خود مختاری نصیب ہوتی تھی اور ان کے مال کمانے کے ذریعہ بھی بکثرت تھے منجملہ ان کے ایک یہ بات بھی تھی کہ جو وقت کوئی عامل اپنے

طبری جلد ۳ صفحہ ۷۰۲ ۔

صوبہ میں مقرر ہو کر پہنچتا تو سب سے پہلے اس کو اس بات کی خواہش ہوتی کہ لوگ اس کے سامنے ہدیے پیش کریں جن میں چوپائے لونڈیاں زر نقد اور کپڑے وغیرہ ہر قسم کی چیزیں بیش قرار قیمت کی ہوتی تھیں اور ان کی مجموعی قیمت کا اندازہ بے پایاں ہوتا تھا اور کبھی ان ہدیوں کی آمدنی کو ان تحفوں کا معاوضہ تصور کیا جاتا جو عامل لوگ خلیفہ یا وزیر یا قہرمانہ یا کاتب یا حاجب یا ان لوگوں کے ماسوا خلفاء کے دوسرے حاشیہ نشینوں کی خدمات میں پیش کیا کرتے تھے (۲) اس کے علاوہ وہ لوگ دوسرے ذریعوں سے بھی روپیہ حاصل کرتے رہتے مثلاً انواع اقسام کی چیزوں اور لکڑیوں وغیرہ کی تجارت بھی کیا کرتے تھے (۳) اور اسکا تو کوئی ذکر ہی نہیں جو وہ نئے ٹیکس اور محصول لگا لگا کر یا وزیروں کے راضی رکھنے کا سامان جمع کرنے یا منصب سے معزول ہو جانیکی حالت میں اس ذخیرہ سے منتفع ہونے کے لئے حسب حاجت ایک ہی محصول کو دو دو اور تین تین بار بھی وصول کر لیتے تھے اور جس محصول سے عامل کو بیش قرار آمدنی حاصل ہوا کرتی وہ تجارت کا محصول "مکوس" تھا چنانچہ علامہ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یمن کے تاجروں سے جو روپیہ وصول ہوتا تھا اسکا صرف ایک ثلث سلطان تک پہنچتا تھا (۴) حالانکہ وہاں کے عامل ایک بورہ گیہوں پر نصف دینار محصول لیا کرتے تھے۔

روپیہ کمانیکا ایک عمدہ ذریعہ یہ بھی تھا کہ عامل کسی مکان یا پل کی تعمیر یا کسی نہر اور نالی کی کھدائی پر مثلاً اصل میں ہزار دینار خرچ کرتا تو دس ہزار یا ایک لاکھ دینار کا مطالبہ پیش کر دیتا اور بسا اوقات جس کام میں دس دینار صرف ہوتے اسکا تخمینہ ساٹھ ہزار دینار کا بتایا جاتا (۵) پھر ملاقوں وغیرہ کا منصب کرلینا الگ طرہ تھا (۶) اور جو کچھ ان کے پاس خراج کی رقموں میں آنیوالی سونے اور چاندی کے چھوٹے ٹکڑوں سے جمع ہو جایا کرتا وہ بھی ایک خاصی رقم کی صورت میں انہیں کے پاس بچت میں رہتا تھا پھر اسقدر معلوم کر لینے کے بعد اگر خلیفہ ہارون الرشید کے عامل محمد بن سلیمان متعینہ بصرہ کے پاس علاقوں۔ مکانوں اور مستغلات کو چھوڑ کر صرف نقد روپیہ پانچ کروڑ درہم تک پہنچا ہوا نظر آئے تو کیا اس بات سے کوئی تعجب ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی محمد بن سلیمان کی روزانہ آمدنی ایک لاکھ درہم تھی (۷) اور عیسیٰ بن علی بن ہامان حاکم خراسان کی دولت آٹھ کروڑ درہم نقد تک پہنچگئی تھی (۸) انہیں اسباب سے خلیفہ رشید کو بجز اس کے کوئی چارہ نظر نہیں آیا کہ وہ ان عاملوں سے استخراج کی کارروائی برتے اور اسی کو مصادرت بھی کہتے ہیں +

عاجتاً اکثر اوقات یہ ہوتا تھا کہ عاملوں کے مرنے کے بعد ان کی دولت پر قبضہ کیا جاتا جیسا کہ محمد بن

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۵ (۲) Ibn Abd. Bo (۳) مقدسی جلد ۱ صفحہ ۱۰۹ و ۳۳۳ (۴) مقدسی ۱۰۲ —
(۵) Ibnabb 76 (۶) ماوردی ۷۸ — (۷) مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۸۸ — (۸) طبری جلد ۳ — صفحہ ۱۳۰۷ +

سلیمان کے ساتھ ہوا مگر بعد میں یہ نوبت پہنچ گئی کہ جیتے جاگتے عمال سے تمام مال و منال چھین لیا جاتا اور ان کے حلق میں انگلی ڈال کر تمام کھایا ہوا اگلوا لیا جاتا جس طرح خلیفہ ہارون الرشید نے علی بن عیسیٰ کیساتھ کیا تھا پہلے اس کو معزول کر کے اس کے تمام مذکورہ بالا اموال کا استصفا کرا کے مع اس کے خواتین اور اثاث البیت کے پندرہ سو اونٹوں پر لدوا کر طلب کیا تھا اور یہ سب ان تین کروڑ درہموں کے سوا تھا جو وزیر مذکور کے بیٹے عیسیٰ بن علی نے اپنے شہر بلخ والے مکان کے پائین باغ میں مدفون کر دیئے تھے۔ (۱)

(وزیروں کی مصادرت) چند روز کے بعد عامل تو اپنی اپنی دلائتوں میں منتقل ہو جاتے اور ان سے مصادرت کرنا ہی ممکن نہیں رہتا۔ اس صورت میں ان سے بیت المال کے لئے صرف ضمان خراج کے طور پر سال میں ایک مبلغ رقم کا مطالبہ ہوتا رہا اور غصب کی ہوئی ثروت وزیروں کی طرف منتقل ہو گئی نیتوں کی خرابی نے یہ رنگ دکھایا کہ خلفاء کو بیت المال کا خلل مسدود کرنیکی غرض سے بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں نظر آیا کہ وہ وزیروں سے مصادرت کریں لہذا اب ان لوگوں کا نمبر آیا خلفاء اس مصادرت کو جو رسم میں داخل نہیں سمجھتے تھے کیونکہ ان کو خیال تھا کہ جو کچھ ان کے پاس ہے یہ سب انہوں نے چوری کی راہ سے بیت المال کے حقوق میں سے اڑایا ہے۔

وزیروں کی مصادرت دولت عباسیہ میں اس کے آغاز ہی سے شروع ہو گئی تھی مگر اتہاماً وہ قتل اور ضبط کی صورت میں ظاہر ہوئی جس کی غرض وزیر سے کسی پولیٹکل جرم کا انتقام لینا یا کسی اور غرض کے لئے اس سے پیچھا چھڑانا تھی۔ ابی سلمۃ الخلال کا قتل بھی اسی قبیل سے واقع ہوا جو بنی عباس کا سب سے پہلا وزیر تھا اور جس طرح ابومسلم خراسانی نے اپنی تلوار سے حکومت بنی امیہ کی مدد کی تھی اسی طور پر ابی سلمہ نے اپنے زر و بیہ سے مدد دی تھی لوگوں نے خلیفہ سفاح سے اس کی بابت یہ چغلی کھائی کہ وہ تمہارے ہاتھوں سے حکومت کو نکالنے کی فکر کر رہا ہے اسی بات پر خلیفہ نے ابی سلمہ کو اس کے قتل کر ڈالنے کا نفی اشارہ کیا اور اس نے قتل کر دیا اس کے بعد منصور کے ہاتھوں سے ابومسلم کا بھی یہی حشر ہوا ہارون الرشید کے عہد میں برامکہ اور معتصم باللہ کے ایام میں فضل بن مروان کی تباہی کی نسبت بھی ایسی ہی وجہیں بیان کی جاتی ہیں اور فضل کے قتل کرنے کا موجب اس کے دولت کو حاصل کرنیکی خواہش بھی تھی کیونکہ معتصم باللہ نے اسے ۲۲۱ھ میں قتل کر کے اس کے گھر سے دس لاکھ دینار نقد اور ظروف و اثاث البیت قیمتی ۱۰ لاکھ دینار کا حاصل کیا تھا (۲) مگر جس زمانہ سے حکومت کا تنزل شروع ہوا تو وزیروں سے مصادرت کرنیکی غرض ہی یہ قرار پا گئی کہ ان کے مال چھین لئے جائیں ۔

(۱) ابن اثیر جلد ۶۔ صفحہ ۱۸۰۔ (۲) ابن خلکان جلد ۱۔ صفحہ ۴۱۵۔ ۔

مصادرت کا بیشتر حصہ مقتدر باللہ کے عہد میں ۲۹۵ھ لغایت ۳۲۰ھ کے مابین واقع ہوا کیونکہ اس کی کم سنی کی وجہ سے وزیروں نے اس کے احکام کا خیال نہیں کیا اور حکومت کے تمام کاروبار مقتدر کے زمانہ میں اس کی ماں عورتوں اور خادموں کے ہاتھ میں رہتے تھے گویا کہ اس کی حکومت کا کارکن عورتوں اور خادموں کی رائے پر چلا کرتا تھا اسی لئے دنیا پر تباہی آگئی اور بیت المال بالکل خالی ہو گیا خلیفہ مقتدر پہلے معزول ہوا پھر دوبارہ خلیفہ بنایا گیا اور آخر میں قتل کر ڈالا گیا (۱) اس کے تمام زمانہ میں وزیروں کی بار بار تبدیلی اور مصادرت سے ایک بدامنی سے واقع رہی اسکا سب سے پہلا وزیر ابن الفرات تھا یہ تین مرتبہ منصب وزارت پر مقرر اور برطرف کیا گیا اور جس قدر روپیہ اس نے جمع کیا تھا وہ سب مصادرت میں اس سے چھن گیا جسکا بیان اوپر آچکا ہے ابن فرات کے بعد منصب وزارت خاقانی کو پیش ہوا یہ بڑا باطمینت تھا اس کے بعد علی بن عیسے کا نمبر آیا یہ شخص بڑا فاضل پرہیزگار اور خدا ترس تھا اس نے ارادہ کیا کہ حالت معاملات کو سدھارے مگر حکومت کی ہر رگ و ریشے میں اس قدر خرابی سرائت کر گئی تھی کہ اس کا کوئی بس نہیں چلا علی بن عیسیٰ کے بعد حامد بن عباس وزیر ہوا یہ شخص روپیہ کے برآمد کرنے میں بڑی چستی سے کام لیتا تھا ان کے علاوہ عبید اللہ بن محمد احمد بن محمد بن عبید اللہ بن القصیب۔ محمد بن علی بن مقلہ مشہور خوشنویس سلیمان بن الحسن بن مخلد۔ عبید اللہ بن محمد الکلوازی اور حسین بن القاسم (۲) یہ لوگ بھی خلیفہ مقتدر کے وزیر رہے اور ان میں سے کوئی وزیر ایسا نہیں تھا جو آخر کار گرفتار ہو کر مصادرت میں نہ دھرا گیا ہو اور اس کے مال کو لینے کے بعد قید یا قتل نہ کیا گیا ہو مقتدر باللہ کے عہد میں وزیروں کے علاوہ خانیوں عورتوں اور خدام سے بھی مصادرت کا برتاؤ کیا گیا اور شائد اس ذریعہ سے جس قدر مال اس نے حاصل کیا تھا اس کی مجموعی مقدار چار کروڑ دینار سے زائد ہی ہوگی مورخین نے مقتدر باللہ کے اس خرچ کئے ہوئے روپیہ کا اندازہ جو اس کے مختلف چیول اور بیہودگیوں میں برباد ہوا سات کروڑ دینار سے بھی چند دینار زائد کیا ہے بجا ہے کہ یہ رقم ناجائز امور میں خرچ ہوئی تھی ماسوا ہے (۳) اور اسی پر دوسرے وزیروں کی حالتیں قیاس کرنی چاہیئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مرور ایام کے ساتھ مصادرت حکمرانوں کے لئے ایک مال حاصل کرنیکا ذریعہ بنگئی عامل رعایا سے مصادرت کرتا تھا وزیر عاملوں سے اور خلیفہ وزیروں اور ہر ایک طبقہ کے آدمیوں سے مگر یہ ضرور تھا کہ خلفا مصادرت اسی وقت کرتے تھے جبکہ انکو فوجی تنخواہیں دینے یا حکومت کے دوسرے ضروری مصارف پورے کرنے کے لئے روپیہ کی سخت حاجت پیش آیا کرتی تھی اور انکی یہ کارروائی ایسی ہوتی تھی

(۱) فخری ۲۳۶۔ (۲) فخری ۲۳۹-۲۴۹، (۳) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۹۰ ۔

جس طرح یہ اس زمانہ کی دول یورپ اندرونی اور ملکی قرضے لیکر جنگی بڑے بڑے منصوبوں کے مصارف پورے کرتی ہیں خلفاء کا یہ بھی خیال تھا کہ ان وزیروں اور عاملوں کے پاس جو مال ہے وہ دراصل بیت المال کا حق ہے جس کو انہوں نے غصب کر لیا ہے اس لئے اس کا ان سے واپس لینا ظلم و جور میں داخل نہیں ہو سکتا اور اس طریقہ نے انہیں ملکی اندرونی قرض کے بارے سے بھی سبکدوش بنا رکھا تھا جس کے بوجھ آجکل کی متمدن دنیا کی زیادہ تر حکومتیں دبی پڑی اور جھینک رہی ہیں کہ ان کی آمدنی کا تقریباً تہائی یا چوتھائی حصہ انہیں قرضوں کے ادا کرنے یا سود دینے میں چلا جاتا ہے اور وہ مجبور ہو کر مصارف کی خانہ پری کرنے کے لئے نئے نئے ٹیکس اور محصول رائج کرتی ہیں یہانتک کہ عموماً وہ تمام حکومتیں اور خصوصاً دولت انگلشیہ لوگوں کے سرانے کام پر جس سے وہ چار پیسے پیدا کر سکتے ہوں کچھ نہ کچھ ٹیکس ضرور وصول کرتی ہے۔

(اہل قلم) عباسیوں کے عہد میں حکومت کے ملازموں کے زمرہ میں ایک فرقہ اس قسم کا اور بھی تھا جو سلطنت کا روپیہ اڑا کر خوب دولتمند بنتا تھا منجملہ ان کے خراج کے محرر بھی تھے (واصلباقی نویس) اور انکو اس میں یوں سہولت رہتی تھی کہ وہ جبایت کے مقدار سے براہ راست تعلق رکھتے تھے یہ لوگ عہد بنی امیہ اور ان کے مابعد والے زمانہ میں بھی ان رقموں پر دانت تیز کرتے رہے تھے لیکن ان کی حالت کا اظہار اور ان کی شرارت کا خوف عباسیوں کے دور تنزل میں بہت بڑھ گیا تھا اسی لئے ۲۲۹ھ میں خلیفہ واثق نے کاتبوں کو قید کر کے انپر ایک بہت بھاری رقم کا الزام قائم کرنے کا حکم دیا اور سختی کے ساتھ وہ سب ان سے وصول کر لیا (۱) اور ۲۵۵ھ میں خلیفہ معتز نے بھی ایسا ہی کیا (۲) جو کاتب کتابت کے کام سے دولت پیدا کرنیمیں مشہور ہو گزرے ہیں منجملہ ان کے مصر میں "ماردانی" کا گھر بھی ہے۔ (۳)

دولتمندی کچھ خاصکر مالی ہی دفتر کے کاتبوں کے حصہ میں نہیں پڑ گئی تھی بلکہ ہر ایک کاتب جو خلفاء کے سفلیتین وغیرہ کی خدمتوں میں رہا کرتا تھا وہ بھی اس سے بہرہ کافی اٹھاتا تھا اکثر رقمیں یہ کاتب لوگ رشوت اور چوری سے لیا جاتے تھے یہانتک کہ وہ بھی وزیروں کی طرح ظلم میں سرنام ہو گئے اور شاعروں نے انکی بھی ویسی ہی ہجو کی جیسی وزیروں کی ہجو کی تھی چنانچہ ایک شاعر ایک امیر کی اس بیدار مغزی اور ہوشیاری کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے جو وہ سلطنت کے کاروبار میں برتتا تھا:-

هو ما علمت من الامير فانه الذی تزداد منه وفيه لا يرتاب لا يتقی الا جناد فی ايامه فقراً ولا يرجو الغنی الكتاب	وہ ایسا امیر ہے کہ اس کی نسبت جو ناقابل شک علم رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ انکے زمانہ میں فوجیں تنگدستی سے بچنے کی راہ نہیں ڈھونڈتی ہیں اور کاتب لوگ مالدار ہونے کی امید نہیں کرتے۔

(۱) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۰ (۲) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۸۵ (۳) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۴۰۲

اور کوفہ کا شاعر ابن جہبات ایک ساتھ کاتب اور وزیر کی ہجو میں کہتا ہے :-

ربنا خالد بن مرمک منها
اذ دعوہ یا خال ھا یا کامیر
اسوء الحالتین حالا لدیهم
من یسمی بکاتب او وزیر (۱)

خالد ابن مرمک اسباب سے نجات پا گیا کہ اس کو بجائے امیر کے نام سے پکارا جائے کیونکہ ان کے نزدیک تمام دنیا میں وہ شخص بہت برے حال والا آدمی ہے جو کاتب یا وزیر کے نام سے موسوم ہو

کاتبوں کے اکتساب مال کا ایک ذریعہ یہ بھی تھا کہ وہ عاملوں یا اور ملازموں کے تقرر کے لئے خلیفہ کی خدمت میں متوسط بنکر بڑی بڑی رشوت کی رقمیں لیا کرتے تھے جس طرح احمد بن ابی خالد الاحول ماموں کے کاتب نے طاہر بن الحسین کو خراسان کا والی مقرر کرانے کے لئے اس شرط پر سفارش کرنیکا وعدہ کیا تھا کہ کامیاب ہوگے تو تیس لاکھ درہم مجھے نذر کرنا (۲) فتوحات کے وہ کاتب جو لائحوں میں مقرر ہوتے تھے عاملوں کے پاس آنیوالے ہدیوں اور رشوت کی رقموں میں حصہ دار رہتے تھے اور کبھی برابر نصف حصہ بھی لیا کرتے (۳)

(حاجب لوگ) اور یہ بات بھی دیکھی گئی ہے کہ ملک کی دولت پر ہر ایسے شخص کے دانت تیز رہا کرتے تھے جس کو سکام کے حضور میں کوئی رسوخ یا وساطت حاصل ہوتی خصوصاً حاجب لوگ جو خلفاء کے دروازوں پر متعین رہتے تھے وہ سب سے زیادہ ان کے حضور میں مداخلت رکھتے تھے اور اکثر حالتوں میں وہ اسی مزاحمت کے ذریعہ سے بہت کچھ روپیہ پیدا کرتے تھے کیونکہ جو لوگ دربار میں باریابی چاہتے تھے انکو پہلے یا پیچھے دربار میں داخل کرنے ان کو اجازت دلوانے یا نہ دلوانے کا انہیں کو اختیار تھا اور وہ جلد تر دربار میں داخل کرنے کے لئے رشوت لیا کرتے تھے اور انکی یہ حالت ہمیشہ سے رہتی آئی یہانتک کہ خلفائے راشدین کے عہد میں بھی مغیرۃ بن شعبہؓ کا قول ہے "ما یعلم اللہ رھط فی یدی ادخلہ لیلا فالیسھل ذنی علی عمرؓ (۴) اکثر حالتوں میں یہی حاجب لوگ رشوت لیکر لوگوں کے عہدے بھی دلواتے تھے جس طرح خلیفہ منصور کے حاجب ربیع نے یعقوب بن داؤد کو منصب وزارت دلوانے

(۱) نجزی ۱۵۸ - (۲) یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۵۴ - (۳) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۹۹ - (۴) اخلاق النفیسہ لابن رستہ جلد ۷ صفحہ ۱۹۵

ترجمہ "بسا اوقات میرا ایک پیسہ روپے لئے لیجے جاتا تھا جن کو میں "یرفا" کو دینے کے لئے رہتا تھا اور غرض یہ ہوتی تھی کہ وہ "عمرؓ" کی خدمت میں حاضری کی اجازت بآسانی ملجائے" مصنف نے اس مقام پر جو لفظ ظاہر کی ہے ہم کو اس کے ساتھ اتفاق کرنے میں سخت تامل ہے کیونکہ خلفائے راشدینؓ کے عہد میں اس قسم کا دربار کہاں تھا جس میں حاجب اور دربان رہتے ہوں ادھر بارگاہ مسجد نبوی میں ہوتا تھا اور اذان عام رہتا تھا خصوصاً حضرت عمرؓ کی بابت تو اس امر کا کبھی شائبہ ہی نہیں ہو سکتا جن کی حالت یہ تھی کہ مدینہ کے بازاروں میں درہ لئے ہوئے پھرا کرتے تھے اور اذان کے وقت میں شخصی آزادی

کیلئے ایک لاکھ دینار رشوت لی تھی لا اغر ضیکہ ہر شخص جو خلیفہ یا امیر کی خدمت میں رہتا اور انکا منہ لگا ہوتا تھا اسکی نسبت اسی قسم کے حالات بیان کئے جاتے ہیں خواہ وہ ایک معمولی خادم ہی کیوں نہ رہا ہو۔ +

خلاصہ

یہاں تک جس قدر بیان ہو چکا ہے اسکا لب لباب یہ ہے کہ جس وقت حکومت عباسیہ اپنی فوج کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر بے بس ہو گئی اور ترکی سپہ سالاروں نے اسپر طرح طرح کی زیادتیاں اور دست درازیاں شروع کیں تو حکومت کی ثروت بیت المال سے ان ارکان دولت کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی جو خلیفہ کے نائب بن کر کام کرتے تھے یا اس کی اور رعایا کے مابین توسط کا کام دیتے تھے۔ مثلاً عامل۔ وزیر۔ کاتب اور حاجب لوگ یا ان کے علاوہ ایسے ہی اور لوگ اور خلفاء کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ اپنی حکومت کو برقرار رکھنے کیلئے انہیں عہدہ داروں کے مال غصب کرنے لگے جس سے انکی بعینہ وہی صورت ہو گئی جیسے کوئی شخص آپ ہی اپنی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھاتا ہو اور اسکا انجام یہ ہوا کہ خلافت کا معاملہ جو انتہا درجہ کی کمزوری تک پہنچ گیا تھا آخر کار وہ زائل ہی ہو گیا۔

سرسری طور پر ذہن میں آیا کرتا ہے کہ محصولوں کی گرانی کو دولت عباسیہ کے سقوط میں بہت بڑا دخل تھا اور یہ بات دیکھی بھی جا چکی ہے کہ عباسیوں کے عہد عروج میں محصولات بہت ثقیل تھے حالانکہ وہ زمانہ ثروت اور علم کا زمانہ تھا اور اسوقت لوگ ان محصولوں کے بھاری ہونیکا کچھ شکوہ بھی نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے برعکس جسوقت سے ضرائب کی تخفیف کیگئی اسی وقت سے ان کی حالت ابتر ہونی شروع ہوئی اسکی کچھ یہ وجہ نہیں تھی کہ ضرائب کی تخفیف لوگوں کو بری معلوم ہوتی ہے مگر بات یہ ہے کہ ان دنوں کی ضرائب کی کمی نے بیت المال میں وارد ہونے والے ثروت کے مصادر بھی کم کر

ترجمہ عبارت صفحہ ۱۹۹ — سلطنی خون کی غیرت اور حمیت سچی اسلامی شان۔ ہمان تھی وہ شہنشاہ تھی مگر مسکین مزاج فرش خاک ان کی مسند خلافت تھی اور اسلامی اخوت اور مساوات کے ساتھ وہ مسلمانوں اور دوسری قوموں پر عادلانہ حکمرانی کرتے تھے ان کے علاوہ دیگر خلفائے راشدین کی بھی شان ان باتوں سے ارفع تھی مگر چونکہ مصنف نے تاریخی حوالہ دیا ہے اس لئے ہم کو اس بات پر غور کرنا لازم تھا جس کے بعد ہم نے یہ رائے قرار دی ہے کہ کتابت کی غلطی سے "عمر" بغیر "واو" معدولہ کے لکھا گیا ورنہ اس "عمر" سے بجائے "عمر بن الخطاب رضؓ" کے "عمرو بن العاص رضؓ" امیر مصر مراد ہیں اور یہ امر قرین قیاس ہے کہ ان کے دربار کی یہ حالت رہی ہو کیونکہ اس زمانہ میں حاجب اور نقیب کا عہدہ رواج پا بھی گیا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ (۱) فخری ۱۶۶۔ +

دیئے اور ارکان دولت کی طامع طبیعتیں روپیہ کی زیادہ حاجتمند ہوگئیں نیتوں کی بگاڑ سے ان اسباب نے جن کا بیان ہم کر چکے ہیں حالات اور صورت معاملات میں اختلال اور فتور ڈالدیا اور امن وامان کے زوال سے عام نظم ونسق برقرار نہیں رہا تھا اس لئے لوگوں نے کاروبار بند کر دیئے ان کی آمدنیاں گھٹ گئیں تو ان میں ارکان دولت کے پیٹ بھرنے کی قوت بھی نہیں باقی رہی اور درباری لوگوں نے ظلم وجبر سے روپیہ وصول کرنا شروع کیا اس سے لوگوں میں اور بھی بے چینی اور تنگی بڑھی یہانتک کہ وہ ایسے عہد حکومت میں جس کے اندر جان ومال کا امن نصیب نہیں تھا زندگی بسر کرنے میں جان سے تنگ آ گئے تھے۔

اگر ضرائب کی کثرت ملک کو ویران کرنے والی چیز ہوتی تو تمام حکومتوں سے جلد دولت انگلشیہ کو برباد ہو جانا لازم تھا کیونکہ اس میں صدہا اس قسم کے ٹکس لگائے گئے ہیں جن کو اہل عرب کے خواب وخیال میں بھی گذرنا نہیں نصیب ہوا تھا اس لئے کہ وہ علاوہ ان ضرائب کے جو وہ پیداوار اور مال درآمد کے مختلف طبقوں پر وصول کرتی ہے لوگوں کے تجارتی منافع میں بھی حصہ بانٹ کر لیتی ہے اور وہ آمدنی پر بھی ایک قسم کا ٹکس وصول کرتی ہے جس کو "انکم ٹکس" کہتے ہیں اور ہر ایک ایسے پیشہ پر بھی جس کو لوگ بغرض نفع کرتے ہیں کچھ فیس ضرور لیتی ہے یہاں تک کہ وکالت اور طبابت کرنے کی سند دینے پر بھی فیس لیجاتی ہے سند وکالت کی فیس بہت بھاری اور عدالتی مراتب کے لحاظ سے مختلف بھی ہے چنانچہ اس کی مقدار پچاس پونڈ سے بیس پونڈ تک ہے اور اسی پر ان رسوم کو بھی قیاس کیا جائے جو طبیبوں ودوافروشوں وکلا اور مختار کاروں یہانتک کہ اسپیکروں (خطیبوں) اور واعظوں سے بھی وصول کئے جاتے ہیں کہ ان رسوم سے اس کے پاس بہت کثیر رقم مجتمع ہوتی ہے۔

بہرحال انگریزی عہد حکومت میں انکم ٹکس سے کوئی کاروباری آدمی بری نہیں جس کام سے لوگ پیسہ کماتے ہیں اس پر ٹکس ضرور قائم ہے تا آنکہ جیب کاٹنے والوں اور خطیبوں کو بھی خالی نہیں چھوڑا گیا ہے تو تجارت کے اقسام ودستکاریوں اور بنکوں وغیرہ کا کیا ذکر ہے اور حکومت انگلشیہ کو جس وقت روپیہ کی ضرورت پیش آتی ہے وہ فوراً اپنے بجٹ میں ضرائب کی زیادتی سے تعدیل پیدا کر لیتی ہے اور خصوصاً آمدنی پر ٹکس کا اضافہ کرتی ہے اس کی مالی ضرورت زیادہ تر بحالت جنگ بڑھتی ہے جس طرح اس نے چنگ ٹرانسوال کے اثنار ۱۹۰۱ء میں بجٹ کا تغیر وتبدل کر دیا تھا کیونکہ اس نے اس سال کی آمدنی کا اندازہ گیارہ کروڑ ستر لاکھ پونڈ اور خرچ کا تخمینہ پندرہ کروڑ چالیس لاکھ پونڈ تھا جس کا فرق تین کروڑ ستر لاکھ پونڈ ہوا وہ سب اس نے ضرائب کی زیادتی سے پورا کر دیا آمدنی پر فی پونڈ آٹھ پنس یعنے

۳½ فی صدی کے قریب ٹکس مقرر تھا اس کو بڑھا کر ایک شلنگ یعنے ۵ فی صدی کر دیا جس سے نو ملین پونڈ جمع ہو گئے بیر شراب پر محصول بڑھا کر سترہ لاکھ باون ہزار پونڈ فراہم کئے دوسری تمام اقسام کی شرابوں پر ٹکس لگانے سے دس لاکھ ۱۵ ہزار پونڈ حاصل کئے۔ محصول تنباکو کے اضافہ سے گیارہ لاکھ پونڈ اور چائے کا محصول مزید کرنے سے اٹھارہ لاکھ پونڈ حاصل کئے اور اس کے علاوہ اور رقمیں بھی پھر جب لڑائی بند ہو گئی تو حکومت نے ان اضافوں کو برطرف کرنا شروع کیا آمدنی کا ٹکس چار پنس فی پونڈ یعنے قریب قریب سابق دستور کر دیا گیا جس سے حکومت کو پچاسی لاکھ پونڈ کی کم آمدنی ہوئی اور گیہوں وغیرہ کے محصول بھی گھٹا دیئے گئے۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ گو ضرائب کی کثرت اور قرضوں کی ریر باری نے انگلستان کو بخوبی گھیر رکھا ہے اسپر بھی وہ آج تمام دنیا کی حکومتوں میں سب سے بڑھ کر ثابت قدم اور مالدار حکومت شمار ہوتی ہے اس لئے اگرچہ ضرائب کی کمی انسانوں کے لئے رحمت ہے تاہم اس کی زیادتی تباہی اور بربادی کی موجب نہیں بلکہ ملک کی تباہی کا اصلی سبب ہے "ظلم" وہ بلاشبہ لوگوں کے ہاتھ کاروبار سے روک کر سلطنت کی بنیاد اکھاڑ ڈالتا ہے کاشتکار کو کھیتی باڑی اور تاجر کو تجارت نہیں کرنے دیتا اور دستکار سے دستکاری چھڑا دیتا ہے اور جبتک انسانوں کے یہ طبقے کاروبار نہ کرتے رہیں مال کا پیدا ہونا ممکن نہیں اسی لئے دانشمندوں کا قول ہے کہ "العدل اساس الملک"۔

انہیں وجوہ اور اسباب سے جس وقت خلیفہ معتصم باللہ کے بعد دولت عباسیہ غیر ملکی سپاہیوں کے تاخت و تاراج کی جولانگاہ بن گئی جو وہاں کی دولت لوٹ لوٹ کر اپنے ملکوں کو لیجایا کرتے تھے اور زمینداروں اور عاملوں نے صرف روپیہ سمیٹنے کی غرض سے کام کرنا شروع کیا اور خلیفہ کی یہ حالت ہو گئی کہ اسکی حکومت خاص اس کے محل اور غلام باندیوں پر بھی نہ قائم رہ سکی تو یہ تمام بوجھ تنہا رعایا کے سر آپڑا کیونکہ وصول و تحصیل انہیں سے کیجاتی تھی پس حکام نے بغیر اس کے کہ تعاقدی وغیرہ سے ان کو کاشتکاری میں امداد دیں ان سے روپیہ کا مطالبہ کیا اور ان کی حالت بگڑ گئی باقی رہیں اس زمانہ کی حکومتیں تو ان کے نظم و نسق کی بنیاد شخصی آزادی اور اصل کفائت شعاری پر ہے اسلئے کوئی شخص لوگوں سے بجز اس چیز کے کسی دوسری چیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا جسکو وہ دلیل کے ساتھ صریحاً اور صاف حق اور درست ثابت کر دے ورنہ لوگ فریاد کرینگے اور ان کی فریاد سنی جائے گی اور انشاء اللہ ہم اس کتاب کے بعض آئندہ دوسرے حصوں میں پھر بھی اس بات پر مفصل بحث کرینگے۔

مملکت عباسیہ کی ثروت

یعنی ملک اور اہل ملک کی

عباسی حکومت اور اس کے ارکان دولت کی ثروت بیان کر دینے کے بعد اس قدر اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مملکت کی دولتمندی پر بھی ایک نظر ڈالی جائے مملکت سے عام ملک مراد ہے جس میں مختلف طبقوں کے تاجر۔ کاشتکار۔ کاریگر وغیرہ وغیرہ لوگ آباد تھے اور آبادیوں کی دو قسمیں تھیں۔

(۱) شہر۔ (۲) دیہات۔

شہر جس طرح موجودہ ایام کے تمدن کا قاعدہ ہے اسی طرح چیر اُن دنوں بھی مدنیت کا انحصار شہروں کے اندر تھا۔ اور دیہات میں اسکی کوئی جھلک بھی نہیں نظر آتی تھی یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ جہاں حکام وقت اور ان کے متوسلین خلیفہ (شاہ) سے لیکر اسکے حاشیہ نشین درباریوں۔ عاملوں اور وزیروں تک۔ ہا کرتے ہیں وہیں پر ثروت اور دولت کی نمائش بھی پائی جاتی ہے اور یہ لوگ عموماً شہروں اور خصوصاً پائے تختوں میں بُود و باش رکھا کرتے تھے اسی لئے بغداد۔ بصرہ۔ دمشق۔ فسطاط۔ قاہرہ۔ تیروان۔ قرطبہ۔ اور غرناطہ وغیرہ شہروں کی آبادی اور رونق روبہ ترقی رہی اور دیہات اس تعلق صرف زراعت اور باغوں کے نصب کرنے کے لئے مخصوص تھے اور ان میں آبادی بہت کم ہوتی تھی چنانچہ اس تمدن کا کوئی نشان بجز شہروں کے کسی گاؤں میں مطلقاً نہیں پایا جاتا۔

جن شہروں کا ہم نے ذکر کیا ہے انہیں میں اسلامی ثروت کے چشمے ابلتے رہتے تھے اور عام خلقت خلیفہ اور اس کے ارکان سلطنت کے زیر سایہ رہکر انہی انعام واکرام پر جیئے اور خلعت حاصل کرتی تھی اعلےٰ درجہ کے کپڑے اور مال تجارت۔ جواہرات کے مرصع زیور۔ اور فاخرہ لباس وغیرہ کی مزید فروخت کرتی تھی انہیں شہروں میں علماء شعراء۔ گویوں۔ اور مغنیوں کا بھی مجمع رہا کرتا تھا جن کی بسر اوقات کے ذریعے صرف خلیفہ۔ امرائے دربار اور ارکان سلطنت کے فیاضانہ عطیے ہوتے تھے

چنانچہ یحییٰ بن خالد نے اپنے اس بیان میں اس زمانہ کے طبقات ناس کی بہت خوب لفظی تصویر کھینچی ہے وہ کہتا ہے "تمام انسانوں کے چار طبقے ہیں بادشاہ جن کو استحقاق نے مقدم بنایا ہے۔ وزیر جن کو معاملہ فہمی اور دور اندیشی نے فضیلت دی ہے معززین جنہیں فراخدستی نے اُٹھان کا موقع دیا ہے اور متوسط الحال اشخاص جو ادب اور قابلیت حاصل کرنے کے بعد تینوں مقدم الذکر طبقوں کیساتھ کچھ تعلق پیدا

کر لیتے ہیں ان چاروں طبقوں کے بعد جو اور لوگ رہجاتے ہیں وہ آخر کی بہرتی میں شمار ہونیکے قابل ہیں جنکے گروہ میں سے ہر ایک کو محض کہانے اور سست خواب رہنے کی خواہش رہا کرتی ہے (۱)"

علامہ ابن خلدون نے شاہی جود و عطا کو ثروت مملکت کی اصل اور کثرت محاصل کی علت قرار دیا ہے کیونکہ وہ حکومت اور سلطان کو دنیا کا ایک عظیم الشان بازار تصور کرتے ہیں جس سے ہر شخص کچھ نہ کچھ نفع اٹھا سکتا ہو اور وہیں سے آبادی کا مادہ حاصل ہوتا ہے وہ بیان کرتے ہیں "اگر سلطان کو روپیہ اور محاصل کا گھاٹا پڑے یا بالکل نہ ملے اور اسوجہ سے وہ ان مصارف کو پورا نہ کر سکے جو دولت کی موجودگی میں کیا کرتا تھا تو کوئی شک نہیں کہ اسکے حاشیہ نشینوں اور مددگاروں کے بھی ہاتھ تنگ ہو جائینگے اور اُن لوگوں کی تنگدستی کے متعلقین اور کنبہ والوں کے لیے بھی تنگدستی کا باعث ہوگی اور ان سبھوں کے اخراجات کم ہو جائینگے جنکو سواد اعظم کہا جا سکتا ہے حالانکہ انہیں کے اخراجات بازار کی رونق بڑھانے کے اسباب ہیں اس حالت میں بازاروں میں کساد اور تجارتی منافع میں کمی واقع ہوتی ہے جس سے خراج کی آمدنی بھی سست پڑ جاتی ہے کیونکہ خراج اور ملک کے دوسرے محاصل کا مدار ہے آبادی خوشحالی معاملات اور بازاروں کے چلن اور لوگوں کے فائدہ اٹھانے اور نفع حاصل کرنیکی خواہشوں پر جسکا برا اثر ملکی محاصل کے کم ہونے سے سلطان کی تنگدستی کے لباس میں خاص حکومت ہی پر ظاہر ہوتا ہے لہذا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں سلطان کی ذات سب سے بڑی بازار ہے اور وہی تمام ملکی بازاروں کی آمد خرچ کی اصل اور بنیاد ہے پس اگر وہ کاسد ہو جائیگی اور اس کے مصارف کم ہونگے تو اسکے بعد والے چھوٹے چھوٹے بازاروں کا حال اور بھی ابتر ہوگا....."

غرضیکہ اسلامی شہر جن اجزاء اور افراد سے مرکب تھے وہ حسب ذیل ہیں:- بادشاہ جو کہ اصل اور تمام امور کے مرجع ہیں ارکان دولت اور وہ بھی بادشاہوں کے ہم پلہ تھے کیونکہ انکا انتخاب معاملہ فہمی کے لحاظ سے ہوتا تھا اس کے بعد اہل الرائے لوگ اور سب سے آخر میں متوسط الحال جن کو جمہور رعایا آدم کہنا چاہیئے اور یہ لوگ متقدم الذکر تینوں طبقوں کے بالکل تابع فرمان رہا کرتے تھے مگر اس شخصی آزادی کے زمانہ میں سوسائیٹی کی حالت ان ایام کی سوسائیٹی کی نوعیت سے بالکل جداگانہ ہے کیونکہ آجکل تمام آدمی مستقل طور پر اپنا اپنا کام کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک شخص خواہ وہ اہل قلم ہے یا دستکار تاجر ہے یا روزگار پیشہ اس بات کو بخوبی سمجھتا ہے کہ اس انسانی مجموعہ کا وہ بھی ایک جزو ہے جس سے کسی حالت میں بے پروائی نہیں کی جا سکتی لیکن عصر عباسی میں شہری خلقت صرف خلفاء اور امراء کے خوان کرم کی ذلہ رباہی اور ان کی امیدیں انہیں لوگوں کے گرد منڈلاتی رہتی تھیں جو کچھ وہ لوگ از راہ بخشش ان کو عطا کرتے تھے اسی کو یہ پس لیتے خلفاء اور امراء کا جود و کرم ملکی محاصل کی آمدنی سے وابستہ تھا لہذا جو وقت آمدنی زیادہ ہوتی تو وہ بھی خوب فیاضی کرتے اور جب روپیہ کی قلت پیش آتی تو وہ بھی ہاتھ تنگ کر لیتے تھے جبائت خراج پر موقوف

تھی اور خراج کا تقرر آمانی پر تھا امانی میں کام کرنے والے تھے کسان لوگ اور ان کو دیہات میں شمار کیا جاتا تھا اس نقطۂ نظر سے عباسی ثروت کے مصادر تھے دیہات اور وہ کسانوں کے گاڑھے پسینے کی کمائی سے جمع ہوتی تھی خلاصہ یہ ہے کہ عموماً تمام زمانوں اور مقاموں میں اور خاصکر زراعتی مقامات اور ممالک میں کسان ہی کی ذات دولت کی بنیاد رہتی ہے حالانکہ باغلب وجوہ وہ غریب مال و زر کے لطف سے بہت ہی کم بہرہ ور ہوتا ہے۔ بالخصوص تمدن قدیم یا اس کے ہمجنس عہد میں جہاں ثروت اور قوت حکام انکے ہاتھوں اور ان سے واسطہ رکھنے والوں کے ہاتھوں ہی میں رہتی ہے اور باقی تمام آدمی ان کے بے عذر خادم اور خدمتگذار شمار ہوتے ہیں یا غلام بنے رہتے ہیں۔ انکا مشغلہ امرا اور حکام کی ضرورت کے سامانوں کی تیاری، مکانوں کی تعمیر لباسوں کی سلائی۔ اثاث البیت اور جواہرات کی مرصع اشیاء کا بنانا یا ان لوگوں کے گہروں میں طلاہت اور تحریر کا کام کرنا یا ناچ کا کرتب دکھانے اور نظم و نثر وغیرہ سے ان کی دلچسپی کا سامان فراہم کرتے رہنے پر منحصر رہتا ہے اور یا وہ لوگ زمین کے تردد کا اہتمام کرتے ہیں اور اس سے پیداوار کے حصول کی فکر رکھتے ہیں اور کسانوں کا گروہ ہر زمانہ میں آدمیوں کے بیشتر حصہ پر حاوی رہتا ہے چنانچہ اسکا تفصیلی ذکر ہم آداب معاشرت کے بیان میں کریں گے۔

بہرحال شہروں کی دولتمندی حکومت اور ارکان سلطنت کی مالداری کے تابع تھی جسے ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اس لئے جبکہ ہارون الرشید کا دربار دفود سے بھرا ہوا اور اسکا بیت المال نقدیات سے معمور تھا اس کے علاوہ برامکہ بھی سینکڑوں اور ہزاروں روپے خرچ کرتے رہتے تھے تو بغداد کے سوداگروں کی حالت بھی بہت کچھ درست ہو گئی تھی اور خاصکر جوہریوں اور پارچہ فروشوں کی تو بہت کچھ چاندی تھی کیونکہ دولتمندی اور عیش پسندی کے عہد تمدن میں انہیں چیزوں کی مانگ زائد رہتی ہے بیان کیا گیا ہے کہ محلہ کرخ (بغداد) کے ایک جوہری کے صرف ایک جواہرات کی کشتی پر بحری نے ستر لاکھ درہم قیمت لگادی تھی مگر اس نے فروخت نہیں کیا(۱) حالانکہ وہ اس کی دوکان کی صرف ایک چیز تھی پس اسکی تمام دوکان کے مال کا کیا تخمینہ کیا جا سکے گا بغداد ہی میں ایک اور جوہری ابن الجصاص نامی تھا اس کے اوپر خلیفہ مقتدر نے ۳۰۳ھ میں مصادرت قائم کر کے دو کروڑ دینار سے زائد قیمت کا مال اور اسکے پاس سے ضبط کر لیا تھا (۲) اور بغداد کے ایک شریف محمد بن عمر کی املاک کا سالانہ خراج پچیس لاکھ درہم سالانہ تک پہنچ گیا تھا (۳) اور اسی پر بغداد کی تمام تجارتوں اور دوسرے کاموں کی حالت کا قیاس کر لینا چاہیئے مقام اصطخر میں ایک خاندان آل حنظلہ کی جانب منسوب آباد تھا ان میں سے ایک شخص عمرو بن ہینہ کی دولتمندی کی یہ حد ہو گئی تھی کہ

(۱) طبری جلد ۳ - صفحہ ۴۰۲ (۲) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۳۲ - (۳) ابن اثیر جلد ۵ - صفحہ ۲۱ ۔

اس نے ایک ملین درہم کے قرآن پاک ہدیہ لیکر تمام اسلامی ممالک میں تقسیم کرا دیئے تھے اور اس گھرانے کو اپنے تعلقوں سے ایک کروڑ درہم سالانہ کی خراجی آمدنی ہوا کرتی تھی اور انہیں میں سے یزید بن عمر بن ہبیرہ کی املاک کا خراج تیس لاکھ درہم تھا اور اس کے چچازاد بھائی محمد بن واصل کی املاک بھی اسی کے برابر تھی (۱) مقام سمیراف میں اتنے بڑے بڑے تاجر تھے جن میں سے صرف ایک شخص کا سرمایہ چھ کروڑ درہم تجویز کیا جاتا تھا جو اس نے دریائی سفر کے ذریعہ عود۔ کافور۔ عنبر۔ جواہرات۔ خیزران۔ ہاتھی دانت آبنوس اور سیاہ پرچ وغیرہ کی تجارت سے پیدا کیا تھا (۲) اور انہیں تاجروں میں سے بعض ایسے تھے جو ایک گھر کی تعمیر پر تیس ہزار دینار لاگت لگا دیتے تھے (۳) ان میں سے ایک تاجر نے اپنی دولت کا ایک ثلث حصہ کسی کام پر وقف کر دینے کی وصیت کی تھی جسکی مقدار دس لاکھ دینار تک پہنچی تھی اس کے اندر کل جہازات اور انکے آلات بھی تھے (۴) غرضیکہ شرقی ممالک کے بیشتر شہروں میں اس کی بکثرت مثالیں دستیاب ہو سکتی ہیں

خلفاء کے ساتھ میل جول رکھنے والوں اور ان سے انعام وعطیات پانے والوں یا خلفاء کے ان حاشیہ نشینوں کی حالتوں کو بھی ہم عروج وزوال کے وقت میں ذرا۔ کاتبوں اور عاملوں کے ماسوا تھے اسی بیان سے قیاس کر لو ان لوگوں کے پاس بھی بہاری بہاری رقمیں اور بیحد شمار مال وسامان جمع ہو گیا تھا تھے کہ گانے بجانے والے لوگ اور شاعروں کی دولتمندی بھی بہت بڑھ گئی تھی خلیفہ ہارون الرشید کا گویا ابراہیم موصلی مرا ہے تو اس کے ترکہ میں جو دولت برآمد ہوئی اسکی مقدار دو کروڑ چالیس لاکھ درہم بیان کی گئی ہے (۵) اور جبریل بن بختیشوع اسی خلیفہ کے طبیب کا ترکہ جواہرات تعلقات اور نقد سب کو ملا کر نو کروڑ درہم کے مساوی تھا دیکھو اسی کتاب کا صفحہ ۔

اسی حالت کا اعتبار تمام ملکوں اور حالتوں میں کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اغلب حالتوں میں دولت کا وجود خلفاء یا ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگوں ہی میں پایا جاتا تھا یہانتک کہ تاجروں کو بھی اپنی جان اور اپنا مال محفوظ رکھنے کے لئے حکام وقت کے ساتھ تعلقات رکھنے پڑتے تھے اور اگر کوئی تاجر اس قسم کا نہ رہا ہو تو اسے نادر الوجود سمجھنا چاہیئے۔

(دیہات) دیہات کے رہنے والے کاشتکار اور ملک کے اہلی باشندے تھے جنکو اہل خراج کے نام سے یاد کیا جاتا تھا یہ لوگ مزدوری پیشہ تھے یا خلفاء امراء اور ان کے لواحقین کے شریک ہو کر شکمی طور سے کاشت کرتے رہتے خلفا اور امراء کے لواحقین میں ملک کے معزز لوگ عرب اور ممالک عراق وفارس کے دہقان (زمیندار) خصوصاً شمار ہو سکتے ہیں۔ دہقان لوگ اسلام سے پہلے بڑی بڑی جاگیروں

(۱) اصطخری ۱۴۲ (۲) بلاذری ۴۵۰ (۳) ابن حوقل ۱۹۸ (۴) ابن حوقل ۲۰۷ (۵) سبر الملوک ۱۱۲ +

کے مالک تھے پھر جب اسلامی دور شروع ہوا تو بوجہ اپنی مالداری کے وہ حکومت کے مقرب بنگئے (۱) اور اپنے ملکی لوگوں کی جماعت میں معاصب اثر ہو گئے غرضیکہ کاشتکاروں کی جماعت میں ان کے کسی خاص ملکیت کا پایا جانا ایک نادر امر تھا اور اس کے اسباب اوپر بیان ہو چکے ہیں۔

اس لئے دیہات کے رہنے والے کاشتکار تھے یا اُن کے قائم مقام یعنے کہتی باڑی کے کاموں میں مزدوری پر کام کرنے والے یہ لوگ دولت دنیاوی سے صرف اس قدر حصہ لینے پر قانع رہتے تھے جس سے وہ کسی طرح پیٹ پال سکیں اور زندہ رہ سکیں اُنپر سخت جانگزا فقر طاری رہتا تھا اور بسا اوقات ان میں کوئی ایسا شخص بھی ملتا تھا جس نے اپنی تمام عمر میں کبھی دینار کی صورت نہیں دیکھی تھی شہر کے مالداروں کی تو یہ کیفیت تھی کہ وہ سینکڑوں اور ہزاروں اشرفیاں فضول خرچیوں میں اڑا ڈالتے تھے اور لوگوں کو بخشدیا کرتے تھے مگر گاؤں کے غریب کسان بھوکے مرتے اور اگر ان میں کسی کو ایک دینار بھی نظر آجاتا تو وہ اس کو سجدہ کرتا اور بار بار چومتا رہتا اور جو کہیں اس کو ایکبارگی دس یا بیس دینار دیدیئے جاتے تو شادی مرگ ہو جاتا تھا جس طرح تیسری صدی ہجری کے وسط میں ابن طولون حاکم مصر کے سامنے ایک مچھوے کا واقعہ گزرا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابن طولون بڑا مشہور سخی داتا گذرا ہے جس نے نمائشی امور میں بہت کچھ حصہ لیا تھا اس نے بکثرت مکانات۔ باغات اور اصطبل بنوائے تھے اور وہ ہر ایک مہینے میں ایکہزار دینار فقیروں کو تقسیم کیا کرتا تھا ابن طولون ہی ایسا صاحب کرم تھا جسنے اپنے وکیل کو حکم دیا کہ "جو شخص تمسے ہاتھ پھیلا کر مانگے اُسے بے تامل دیدو (۲) کیونکہ اس وکیل نے ایک دن اس سے آکر بیان کیا کہ "آج میرے پاس ایک ایسی عورت نے آکر سوال کیا جو بہت عمدہ چادر اوڑھے تھی اور ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھی اور میں نے اس کو دیدیا" اسپر اسے مذکورہ بالا حکم ملا تھا۔ باوجود اس کی اسقدر فیاضیوں کے ایک دن وہ امیر بذات خاص سوار ہو کر "مقس" کی طرف گیا۔ اتفاقاً اس دن کسی قدر زائد سردی پڑ رہی تھی اور صبح کا وقت تھا جب وہ فسطاط کے جوار میں پہنچا تو اس نے دریائے نیل میں ایک مچھلی کے شکار کیلئے والے شخص کو دیکھا جس کے تن پر ایک بالکل پھٹا ہوا پرانے کپڑے کا ایسا گودڑ پڑا ہوا تھا جس سے تمام جسم ننگا نظر آتا تھا اور اس کے ساتھ ایک کمسن بچہ بھی تھا جس کی حالت بھی بعینہٖ ویسی ہی تھی اس صیاد نے دریا میں اپنا جال پھینکا اور اسے آہستہ آہستہ کنارہ پر کھینچنا شروع کیا اور سردی سے ان کا بند بند کانپ رہا تھا ابن طولون کو اس کی حالت زار پر ترس آگیا اور اس نے اپنے خادم کو حکم دیا "نسیم! اس شخص کو بیس دینار دیدے" خادم نے دینار صیاد کے حوالہ کئے اور اپنے آقا کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔

(۱) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۹۔ (۲) ابن خلکان جلد (۱) صفحہ ۵۵۔

کچھ ہی دور آگے چل کر ابن طولون واپس ہوا اور یہ معاملہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ غریب بچھوا مردہ پڑا ہے اور اس کا کمسن بچہ کھڑا چلا چلا کر رو رہا ہے ابن طولون کو خیال گزرا کہ اس کے حبشی خادموں میں سے کسی نے دیناروں کی طمع میں غریب بچھوے کو مار ڈالا ہے اور اشرفیاں لے لی ہیں لہذا وہ بذات خاص وہیں رک گیا اور لڑکے سے اس کے باپ کی سرگزشت دریافت کی بچہ نے کہا یہ (نسیم خادم کی طرف اشارہ کرکے) شخص نہیں معلوم میرے باپ کو کیا چیز دیکر چلا گیا تھا جس کو میرا باپ بڑی دیر تک چوستا رہا اور آخر مردہ ہو کر گر پڑا" ابن طولون نے کہا "نسیم! اس معاملہ کی تفتیش تو کرو" نسیم خادم اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اس نے مردہ صیاد کے ہاتھوں کو ٹٹول کر معلوم کر لیا کہ بیس دینار بھنبھنہ اس کے پاس ہیں جس کے بعد اس نے لڑکے سے کہا کہ تو ان دیناروں کو لے لے۔ لڑکے نے انکار کرتے ہوئے کہا "اسی چیز نے میرے باپ کی جان لی ہے اور میں اس کو لونگا تو یہ میری بھی جان لے گی" ابن طولون نے یہ بات سن کر "مقس" کے قاضی اور دہاں کے شیوخ کو بلوا بھیجا۔ اور جب وہ لوگ آگئے تو انہیں حکم دیا کہ اس بچھوے کے لڑکے کے لئے ایک مکان پانچسو دینار کا مزید دیں جس کی آمدنی اسکے کام آسکے اور وہ گھر اسی کے نام پر وقف کر دیا جائے پھر اس کا نام روزینہ پانے والوں کی فہرست میں لکھوا دیا اور کہا۔ آہ خود میں نے اس معصوم کے باپ کو قتل کیا ہے کیونکہ مالداری تدریجی رفتار کی محتاج ہے ورنہ وہ اپنے مالک کو قتل بھی کر دیتی ہے اس شخص کے لئے لازم تھا کہ اسکو ایک ایک دینار کرکے بیس مرتبہ میں دینار دیئے جاتے جو اسکی نظر میں بہت زیادہ نہ معلوم ہو سکتے۔

پھر جبکہ خاص دار السلطنت کے مضافات میں رہنے والوں سے ایک شخص کی یہ حالت تھی تو ان دیہاتی باشندوں کی کیا کیفیت رہی ہوگی جو حکومت کی نمائشی دولتمندی کے مصارف اور روزینہ خواری اور وظیفہ یابی سے بہت دور پڑے ہوئے تھے۔"

اسلامی شہر

اسلامی شہروں سے وہ شہر مراد ہیں جو مسلمانوں نے خود اپنے رہنے کے واسطے تعمیر کئے تھے یہ شہر رومی اور فارسی شہروں کے ماسوا ہیں اسلامی شہروں کی تعداد ممالک عراق۔ شام۔ مصر۔ افریقہ اور اندلس وغیرہ میں کئی ایک ہے جنمیں سے بعض اب تک آباد و بارونق ہیں اور چند ویران و نابود ہو گئے۔ بصرہ۔ بغداد۔ قاہرہ یہ تینوں آباد شہر مسلمانوں کی یادگار ہیں اور مصر کے قدیم اسلامی دار السلطنت

"فسطاط" اور اندلس کے دلفریب شہر "الزہراء" کا اس وقت کوئی پتہ بھی نہیں ملتا ہم اس حصہ کتاب کے موضوع کو مکمل کرنے کے خیال سے ذیل میں مشہور ترین اسلامی شہروں کا ذکر کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ تمدن اسلامی کے عہد شوکت میں ان کی آبادی اور رونق کس پایہ پر پہنچی ہوئی تھی مگر قبل اس کے بطور تمہید مختصر طور پر ان اسباب کا ذکر بھی ضروری ہے جن کے ذریعہ سے عرب مسلمانوں کو ان شہروں کی بناء کا خیال پیدا ہوا۔

صدر اسلام میں مسلمان لوگ صحرانشین عرب تھے۔ خیموں کے سائہ میں کھلے میدانوں یا پہاڑی درّوں کے مابین قیام کرنا۔ چوپایوں کی پرورش اور گھوڑوں کی پرداخت ان کے مشہور اوصاف تھے شہر پناہوں سے گھرے ہوئے شہروں کا قیام اور آباد بستیوں کی سکونت انہیں بھاتی نہ تھی اسلام کی شان و شوکت قوی ہوئی اور اہل عرب عراق و شام کے شہروں کی فتح پر جھکے تو وہ شروع میں میدان جنگ پر جاتے ہوئے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لیجاتے تھے جو وقت کسی شہر کو فتح کر لیتے تو اسی کے اطراف میں اپنے خیمے اور جنابتیں نصب کر کے مقیم ہو جاتے گویا وہ مقام انکا کیمپ ہوتا تھا۔ خلیفہ عمرؓ بن الخطاب اپنے فوجی سپاہیوں پر جو شہروں میں مقیم ہوتے یہ شرط لازم کر دیتے تھے کہ وہ مقر خلافت یعنے مدینہ منورہ کیطرف سے ایسے مقام میں نہ رہیں جہاں راستہ میں دریا حائل ہوتا کہ جس وقت خلیفہ کے دل میں آئے وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر ان لوگوں کے پاس آسکیں عمرو بن العاصؓ نے قیام بنائے فسطاط میں اور سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ اور بصرہ کی بناء اور اقامت میں خلیفہ ممدوح کے اسی حکم کی پابندی کی تھی (۱) یہ تینوں مقامات عربی فاتح فوجوں کے کمپ تھے جنکو وہ "رابطہ" یا "معسکر" کے ناموں سے تعبیر کیا کرتے لیکن جب انہیں ان مقامات میں زیادہ عرصہ تک رہنا پڑا تو بمقتضائے ضرورت وقت انہوں نے وہاں بازاروں کی داغ بیل ڈال کر مکانات اور قصر بھی تعمیر کر لئے صدر اسلام میں عرب مسلمانوں کی یہ حالت تھی جو ہم نے بیان کی اور اسی انداز پر انہوں نے بصرہ۔ کوفہ اور "فسطاط" کے شاندار شہر تعمیر کئے۔

پھر جو قومیں عربی قلمرو میں وسعت اور اسلامی حکومتوں کا قصد ہوا تو ان لوگوں نے اپنی فتوحات کی یادگار کے طور پر یا دشمنوں کے اچانک حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے بھی شہروں کی بنیادیں ڈالیں۔ جسطرح پر خلیفہ منصور نے شہر بغداد کو اپنے قلعہ بندی کے لئے بنوایا تھا یا فاطمی خلفاء مصر نے شہر قاہرہ کی بنا ڈالی تھی۔ اکثر اوقات مسلمان خلفاء سیر و تفریح کی غرض سے یا عام آبادی کے شور و غل

(۱) حصہ اوّل تمدن اسلام صفحہ ۱۷۰

سے علیحدہ رہنے کے خیال سے بھی شہروں کی تعمیر کرتے رہے مثلاً سامرا۔ متوکلیہ۔ اور "الزہراء" وغیرہ شہروں کی بنیاد انہیں اسباب سے پڑی تھی جن کے ذکر میں طوالت کتاب کا خیال رکاوٹ ڈال رہا ہے آیندہ ہم ثروت اسلامی کے عہد عروج کے مشہور شہروں ہی کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ ✦

اکثر مسلمان مورخوں نے اسلامی شہروں کے حالات اسی انداز پر بیان کئے ہیں جس طرح آجکل کے سیاح لوگ بڑے بڑے شہروں کے چشم بینا نظارہ خانہ کھینچتے ہیں مگر کمی ہے تو اسقدر ہے کہ ان لوگوں نے ان شہروں کے رہنے والوں کی تعداد کا کہیں بھی ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ان کی حیثیت کا حال لکھا ہے۔ اور اگر شاذ و نادر کہیں ان امور کا ذکر بھی کیا ہے تو وہ گویا نہ لکھنے ہی کے حکم میں ہے ہاں جن باتوں کی تحریر ان کے خیال میں ضروری تھی وہ یہ تھی کہ ان شہروں میں جامع مسجدوں اور حماموں کی تعداد کسقدر تھی جس میں یہ گمان غالب وہ اتنا مبالغہ کرتے ہیں جسے سچ ماننا محال ہے اور یہ بات ان کی تحریر کے مطالعہ سے خود واضح ہو جائیگی ہم ذیل میں مشہور ترین اسلامی شہروں کا ذکر باعتبار ان کی ابتدا کے ترتیب وار درج کرتے ہیں:۔

بصرہ

مسلمانوں کے تعمیر کردہ شہروں میں اس کو سب سے قدامت کا پایہ حاصل ہے اور آجتک یہ شہر موجود ہے اسکو ۱۶ھ ہجری میں "عتبہ بن غزوان" نے آباد کیا تھا (۱) ابتداءً مسلمانوں نے اس مقام کو ایسی جگہ پاکر جہاں ان کے اور مکہ مکرمہ کے راستہ میں کوئی دریا حائل نہیں ہوتا اپنا فوجی کیمپ قرار دیا تھا۔ یہ قطعہ اراضی نہر "فرات" کے غربی ساحل پر واقع تھا اور اس کے متصل برابر شہر مکہ تک پہاڑوں اور ریگستانوں کا سلسلہ چلا جاتا تھا جن کے مابین کوئی ندی یا نہر نہیں تھی پہلے اس شہر کے مکانات بانسوں سے تیار کئے گئے تھے جس کے بعد آتشزدگی کے خوف سے متاثر ہو کر عام اینٹوں کی عمارتیں تیار کی گئیں جس کے لئے عمر رضؓ کی اجازت حاصل کرنی پڑی تھی اور اسکا مفصل ذکر شہر کوفہ کے حالات میں آئیگا شہر کے حصوں اور محلوں کی توزیع بیل قبائل کے لحاظ سے ڈالی گئی تھی پینے ہر قبیلہ کے لئے ایک سمت کی لین تجویز ہوئی شہر کے بڑے راستہ کا چوڑان ساٹھ ہاتھ رکھا تھا جو اسکا "مربد" بھی تھا اور باقی راستے اور گلیاں بیس ہاتھ چوڑی رکھی گئی تھیں۔ کوچوں کا عرض سات ہاتھ تھا اور ہر ایک حصہ یا محلہ کے مابین ایک وسیع میدان گھوڑوں کے باندھنے اور مردوں کے دفن کرنے کیلئے چھوڑا گیا تھا۔ مکانات نہایت گنجان تعمیر کئے گئے تھے۔ (۲)۔

(۱) ابن الفقیہ صفحہ ۱۸۸ (۲) ماوردی صفحہ ۱۷۱ ج ۱ ؎ اونٹوں کے باندھنے کی جگہ۔ ✦

چونکہ تجارتی موقع کے اعتبار سے شہر بصرہ "ملک عراق کی منڈی۔ اور شام و فارس کے وسط میں واقع تھا تھا اس لئے اسکی آبادی میں سرعت کیساتھ ترقی ہوئی اور ایام بنی اُمیہ میں حکومت نے ملک عراق کا آبائی تخت بھی اسی شہر کو بنایا۔ امری عہد میں بصرہ کی آبادی اور وسعت تعمیرات اسقدر بڑھ گئی تھی کہ "خالد بن عبداللہ القسری" کے عہد گورنری میں اس کی ساعت دو معروب دو فرسخ یعنے ۳۶ میل مربع تھی جو ہموار زمین پر جس کے مابین کوئی پہاڑ نہ تھا واقع تھی اور یہ رقبہ باوجود اس کے کہ آجکل شہر قاہرہ کی آبادی اور عمارات نہایت وسعت پذیر ہے۔ اس سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔

عباسیوں کے زمانہ میں بصرہ نامی تاجروں کا مرکز بن گیا جن کی تجارت مشرق میں ہندوستان و چین مغرب میں انتہائے بلاد مغرب۔ اور جنوب میں ممالک حبشہ تک پھیلی ہوئی تھی بصرہ کے بندرگاہ میں سامان تجارت سے بھرے ہوئے صدہا جہاز ہر وقت لنگر زن رہا کرتے تھے جنمیں قسم قسم کے کپڑے اور خوشبویات وغیرہ ہر ملک کے نادر سامان موجود ہوتے چونکہ بصرہ میں تجارت و سکونت کی غرض سے بکثرت آدمی آتے رہتے تھے اسلئے اسکی آبادی اور دولتمندی روز بروز روبترقی تھی۔ شاداب باغات و سبزہ زار اور حوضوں کی تیاری سے یہ شہر قطعہ گلزار کا نمونہ ہو رہا تھا۔ ابن حوقل بیان کرتا ہے "بصرہ کا شہر جنت نشان باغوں دلکشا منظروں حیرت انگیز سیر گاہوں۔ نادر میووں اور کشادہ حوضوں کے لحاظ سے بہت مشہور ہے جنمیں سیر کرنے کے لئے آنے جانے والوں کا ایک تانتا لگا رہتا ہے"

بصرہ کا سمندر سینکڑوں تجارتی جہازوں کے ٹھہرنے کا بندرگاہ بنا رہتا تھا ہم کسی اور مقام پر ذکر کر چکے ہیں کہ حکومت بصرہ کو صرف ایک تاجر سے اتنا ٹکس وصول کیا کرتی تھی جسکی مقدار ایک لاکھ دینار سالانہ تھی اور جسپر دوسرے تاجروں کا حال بھی قیاس کرنا چاہیئے اگر یہ ان میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے سوداگر تھے۔

اطراف عالم میں تجارتی اغراض کیلئے سفر کرنا بصرہ والوں کی نہایت مشہور صفت تھی یہانتک کہ وہ اسبارہ میں ضرب المثل ہو گئے تھے مؤرخین کا قول ہے "کاروبار کے لئے بڑے بڑے دور دراز سفر کرنیوالے لوگ اہل بصرہ اور اہل خوزستان تھے مشرق میں" فرغانہ اور مغرب میں "سوس الاقصیٰ" کو جانیوالے لوگ ان مقامات میں کسی "بصری" یا "خوزی" کو ضرور موجود پاتے تھے یا انہیں کوئی "جیرہ" کا باشندہ وہاں ملتا تھا (۱) تجارتی کاروبار کے لئے سفر کرنے میں اہل بصرہ کی حالت آجکل کے شامی تجار سے ملتی ہوئی تھی یا یوں کہا جائے کہ اونکا یہ دیرہ اہل فینقیہ کے وقت سے چلا آتا تھا۔

• ہم نے اس کتاب کے حصہ اول کے صفحہ ۱۱۱ میں صطخری کی وہ روائت نقل کی ہے جو اس نے ۳۱۸ھ

(۱) ابن الفقیہ ۱۹۔

میں بعہد ہلال بن ابی بردہ شہر بصرہ کی وسعت اور اس کی نہروں کے شمار کی بابت بیان کی ہے (۱) کہ "وہ ایک لاکھ بیس ہزار ایسی نہروں سے زائد تھیں جن میں چھوٹی کشتیاں چلتی رہتی تھیں" جس طرح کہ ہر ایک اس بیان کا پڑھنے والا اس کی صحت میں شک کریگا ویسے ہی اصطخری کو خود بھی اسبارہ میں شک ہوا تھا اسی واسطے وہ چوتھی صدی ہجری میں بذات خاص بصرہ کو گیا تاکہ اپنی آنکھوں سے اس موقع کو دیکھ کر روائت کی تحقیق کرے چنانچہ معائینہ کے بعد وہ بیان کرتا ہے "ہلال کے عہد میں ان نہروں کی جو تعداد بتائی جاتی تھی مجھ کو اس کے تسلیم کرنے میں کلام تھا تاآنکہ میں نے ان مقامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا میں نے معائینہ کیا کہ اکثر مقامات پر ایک نیزہ پرتاب زمین میں بہت سی ایسی چھوٹی نہریں موجود تھیں جن کے اندر پتلی پتلی ڈونگیاں چلتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک نہر کا ایک نام ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنے کنندہ کرانیوالے کی جانب منسوب ہوتی ہے یا اس سمت کی جانب جدھر وہ جاکر دریا میں گرتی ہے لہذا میں نے اندازہ لگایا کہ جو تعداد میں نے سنی تھی وہ اتنی مسافت کے طول و عرض میں واقع رہی ہوگی" (۲) اور ابن حوقل نے بھی بصرہ کا حال تحریر کرتے ہوئے یہی بات لکھی ہے (۳) تاہم مجھ کو یہ تعداد قیاس سے بڑھ کر نظر آتی تھی یہانتک کہ مجھے ایک باریک نظر عالم سے ملنے کا اتفاق ہوا جو کئی سال تک بصرہ میں قیام کر چکا تھا اور وہاں کی سرزمین کے حالات جانچ چکا تھا میں نے اپنا شبہہ اس سے ظاہر کیا تو اس نے ان دنوں کی شہر بصرہ کی وسعت۔ نہروں کی کھدائی اور ان کے گنجان ہونے کا امکان اس طور پر کہ وہ چھوٹی چھوٹی جدولیں ہی ہوں مگر ان کا نام نہر رکھا جاتا ہو تفصیل وار بیان کرکے اصطخری کے قول کی تصدیق مجھ پر آسان بنا دی اور اسبات سے بھی اس تصدیق کی تائید ہوتی ہے کہ مؤرخین عرب "بصرہ" سے صرف شہر کا اتنا آباد حصہ مراد نہیں لیتے جس کی مساحت ہم نے (۳۶) میل مربع تحریر کی ہے بلکہ وہ ان باغات اور اراضیوں کو بھی اسی کے ساتھ ملاتے ہیں جو بحر فارس کے نزدیک مقام "عبادان" تک واقع اور بصرہ کے تابع تھیں اور یہ قطعہ زمین نہایت سیر حاصل شاداب اور کثیر الاشجار تھا ابن حوقل اور اصطخری کا بیان ہے شہر بصرہ کے پاس پاس ملے ہوئے کھجور کے باغات مقام "عبدسی" سے "عبادان" تک پچاس سے چند فرسخ زائد مسافت میں پھیلے ہوئے تھے اور وہ اس قدر متصل متصل تھے کہ اس قطعہ زمین جانیوالا انسان ہر قدم پر کوئی نہر یا کھجور کا باغ ضرور پاتا اور یہ نہ ہوتا تو کسی نہر یا باغ کا منظر اسکے سامنے ہوا کرتا" اس لئے اتنی طویل مسافت کا عرض اگر کم از کم اسکا نصف بھی رکھا جائے یعنی (۱۵۰) میل طول (۷۵) میل عرض میں ضرب دیا جائے تو حاصل ضرب (۱۱۲۵۰) میل مربع ہوتے ہیں اور یہ بات قرین عقل ہے کہ ایک میل میں دس چھوٹی نہریں رہی ہوں۔ واللہ اعلم

(۱) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۹۳۔ (۲) اصطخری ۱۰۔ (۳) ابن حوقل ۱۰۹۔

کوفہ

کوفہ کی بناء شہر بصرہ کی بنا سے چند ماہ بعد میں ڈالی گئی اسکو سعد بن ابی وقاص رضؓ نے تعمیر کیا تھا اسکی تعمیر کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ "سعدؓ" نے ملک عراق کی فتح اور ایران پر تسلط پالینے کے بعد فارس کے پائے تخت مدائن میں قیام اختیار کیا اور ایک جماعت مسلمانوں کی خلیفہ عمر بن الخطاب رضؓ کو اس فتح کی خبر دینے کے واسطے انکی خدمت میں بجانب مدینہ روانہ کی۔ یہ گروہ عمر رضؓ کے پاس پہنچا تو آپنے ان کے رنگ متغیر اور حالتیں متبدل دیکھکر اسکا سبب دریافت فرمایا۔ اُن لوگوں نے جواب دیا "ملکی آب وہوا کی ناسازگاری نے ہم کو ایسا بنا دیا"۔ یہ سن کر عمر رضؓ نے حکم صادر فرمایا کہ وہ لوگ کوئی ایسی سرزمین تلاش کریں جہاں مسلمان لوگ سکونت پذیر ہوں کیونکہ جس ملک کی آب وہوا اونٹوں کے موافق مزاج نہیں ہوگی وہاں کی آب وہوا عربی باشندوں کے بھی خلاف مزاج پڑیگی پھر عمر رضؓ نے "سعدؓ" کو تحریر کیا۔ "سلمانؓ" اور حذیفہؓ کو اس غرض سے روانہ کرو کہ وہ کوئی ایسی جگہ تلاش کریں جو دریا کے کنارہ اور خشکی سے متصل ہو اور اس قسم کی جگہ ہو کہ وہاں رہنے میں تمہاری اور میرے مابین کوئی دریا یا پل نہ پڑتا ہو" (۱) سعد رضؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور سلمانؓ و حذیفہؓ نے ہر دو ذات کے اس کنارہ پر جو "فرات" اور شہر "حیرہ" کے مابین واقع ہے ایک قطعہ اراضی کا پسند کیا پہلے وہاں بانسوں کے مکانات تیار کئے گئے جس طرح ابتداء بصرہ کے مکانات بنے تھے اور یہ اسواسطے کیا گیا تھا کہ مکانات خیموں سے قریب رہ سکیں مگر ان گھروں میں آگ لگ گئی تو اس کے بعد عمر رضؓ سے خام اینٹوں کی عمارتیں بنانے کیواسطے اجازت طلب کی جو اس شرط پر منظور ہوئی کہ ایک شخص تین گھروں سے زیادہ نہ بنائے اور مکانات بہت اونچے نہ بنائے جائیں مسلمانوں کے فرقہ شیعہ کے یہاں شہر کوفہ کی بہت کچھ وقعت کیجاتی ہے کیونکہ (سیدنا) امام علی رضؓ نے اسے اپنا پائے تخت قرار دیا تھا اور آپ شہید ہونے کے وقت تک وہیں رہے۔ +

فسطاط

ملک مصر میں مسلمانوں کا سب سے پہلا شہر یہی تھا جس کو سنہ ۲۱ ہجری میں "عمرو بن العاص رضؓ" نے تعمیر کیا موجودہ زمانہ میں اسکا موقع شہر قاہرہ اور مصر کہنہ کے مابین تصور کرنا چاہیئے اسکے باقیماندہ نشانات میں آج "جامع عمرؓ" اور "مقطم" تک قاہرہ کے گردوالے کھنڈر اور ویرانے ہیں یہ مقام جو قت اہل عرب قلعہ بابل کی فتح کے لئے آئے تھے اور جو قت ادنکا فوجی کمپ تھا۔ قلعہ بابل ان دنوں مصر کہنہ میں

(۱) ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۵۹ +

"دیر الفصاری" یا "دیر مارجرجس" کے نام سے مشہور ہے اہل عرب نے اس قلعہ کو فتح کر لینے کے بعد اسکندریہ پر حملہ آور ہونا چاہا تو ان کے امیر "عمرو بن العاص" نے حکم دیا کہ اون کا خیمہ وہاں سے اکھاڑ لایا جائے لیکن جو قت لوگوں نے خیمہ کو گرانا چاہا تو اس میں ایک کبوتر کا آشیانہ نظر آیا۔ جس نے انڈے دیکر بچے نکال لئے تھے عمرو بن العاص سے اس بات کی اطلاع کیگئی تو انہوں نے کہا۔ لقد تحرم بناھتم[1] اور حکم دیا کہ خیمہ بدستور استادہ رہنے دیا جائے اور جو قبطی لوگ وہاں رہتے تھے انہیں ان جانوروں کی حفاظت کا حکم دیکر خود معہ اپنی سپاہ کے اسکندریہ کی جانب کوچ کر دیا جب وہ اسکندریہ کی فتح سے فارغ ہوئے تو خلیفہ عمر بن الخطاب کو مدینہ میں اس فتح کی اطلاع دیکر ان سے وہاں رہنے کی بابت رائے دریافت کی عمرؓ نے قاصد سے دریافت کیا "کیا میرے اور مسلمانوں کے مابین کوئی دریا حائل ہوتا ہے؟" قاصد نے جواب دیا "ہاں اے امیر المومنین مگر جو قصہ دانیل میں طغیانی آیا کرتی ہے" قاصد سے اسبات کو معلوم کر کے عمرؓ نے عمرو بن العاص کو یہ جواب لکھا "میں اسبات کو نہیں پسند کرتا، کہ تم مسلمانوں کو ایسے مقام پر رکھو جہاں ان کے اور میرے مابین کوئی دریا حائل ہوتا ہو خواہ وہ موسم سرما میں ہو یا گرما میں تاکہ جب میرا دل چاہے اپنے "ناقہ" پر سوار ہو کر تمہارے پاس آسکوں" (۱) یہ حکم پاکر "عمرو بن العاص" نے وہاں کچھ محافظ سپاہ چھوڑ دی اور باقی لشکر اسلام کو قلعہ بابل کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا یہ لوگ اس مقام پر پہنچے جہاں پہلے ان کا کیمپ تھا تو انہوں نے دیکھا کہ امیر عمرو بن العاص کا خیمہ وہاں بدستور استادہ ہے اور چڑیاں اس کے اندر اپنے آشیانے بنائے ہوئے ہیں پھر وہ لوگ اسی مقام پر اتر پڑے اور اس خیمہ کو اپنے فوجی کیمپ کا مرکز قرار دیکر اس مقام کا نام اسی دن سے "فسطاط" رکھدیا۔ بعد ازیں عربی قبائل آپس میں ہل مل کر سپاہیوں کی رہائش کیواسطے مکانات تعمیر کرنے لگے۔ امیر عمرو بن العاص نے قلعہ بابل کے شمالی جانب ایک شہر کی داغ بیل ڈلوائی جسکا نام فسطاط رکھا اس شہر میں تقریباً بیس محلے تھے اور انکا نام "خطط" رکھا تھا عمرو بن العاص نے اپنے ساتھی افسروں میں سے چار معزز شخصوں کو اس خدمت پر مامور فرمایا کہ وہ لوگوں کو ان کی جماعتوں اور قبائل کے لحاظ سے ان محلوں میں بسنے کی جگہ دیں۔

پھر جس جس طرح ملک مصر میں مسلمانوں کے قدم جمتے گئے اور ان کی حکومت زور پکڑتی گئی۔ اسی نسبت سے شہر "فسطاط" کی عمارت میں وسعت اور آبادی میں زیادتی ہی ہوتی گئی۔ تا آنکہ وہ اکثر وجوہ سے بصرہ اور کوفہ پر فائق ہو گیا۔ شہر فسطاط کا طول ساحل نیل پر تین میلوں تک پہنچ

---

[1] اب یہ خیمہ پھر بوجہ ایک متحرم کے حرام ہو گیا یعنی کبوتر ایک قابل توقیر جانور ہے اسے ایذا دینا بہتر نہیں

(۱) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۲۹۶ ؛ +

گیا تھا (۱) مورخین عرب نے بیان کیا ہے کہ شہر فسطاط کی عمارت کا اندازہ کرنے کے واسطے اسقدر تصور کرلینا کافی ہوگا کہ اس میں (۳۶۰۰۰) مسجدیں (۸۰۰۰) سڑکیں اور راستے اور (۱۱۷۰) حمام تھے۔ اگرچہ یہ تعداد بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے تاہم اس کے ایراد سے بہر حال اس کی عظمت اور آبادی کا استدلال ضرور ہو سکتا ہے عربی شاعروں نے شہر فسطاط کی تعریف میں جو نظمیں لکھی ہیں انہیں سے "شریف العقیلی" کا یہ قول بہت لطیف ہے۔

آحنّ الی فسطاط شوقاً و انّنی	ہیں فسطاط کا اسقدر مشتاق اور آرزومند ہوں کہ اسکے سلسلے
لاَدعولها ان لا یحل بها القطر	اس بات کی دعا کرتا رہتا ہوں کہ ملک اس سے جدا نہو۔
وهل فی الحیا من حاجة لجنابها	کیا اُسکی جناب کے لئے کوئی حیا کی حاجت ہے؟ کا لیکہ تمام ملک
وفی کل قطر من جوانبها نهر	میں اس کے جوانب میں نہریں ہیں۔
تبدّت عروساً والمقطّم تاجها	وہ ایک عروس زیبا کی صورت میں جلوہ گر ہے جبکا تاج مقطم کا
ومن ینبها عقد کما انتظم الدُّرّ (۲)	پہاڑ اور دریائے نیل خوشنما موتیوں کی لڑی کیطرح اسکا نو لکھا ہار ہے

فسطاط میں کثرت آبادی کی یہ حالت تھی کہ مکانات کئی کئی منزل کے بنائے جانے لگے۔ حتےٰ کہ بعض مکانات پانچ منزل سے لیکر سات منزل تک بنائے گئے اور بسا اوقات ایک ایک گھر میں دو سو آدمی سکونت پذیر ہوتے تھے کسی کسی مکان کی تیاری پر سات لاکھ دینار تک لاگت آئی تھی اور وہ "خمارویہ کا دار الہرم تھا (۳)۔"

فسطاط کی عالیشان عمارتوں میں "دار عبد العزیز" ایک مشہور گھر تھا جس کی عظمت و شان اور اسکے کمینوں کے تمول کو ملک میں ضرب المثل ہونے کا فخر حاصل تھا۔ یہ ایوان بالکل دریائے نیل کے کنارہ پر تھا اسکی وسعت اور اس میں رہنے والوں کی کثرت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں مشہور تول کی بنا پر صرف پانی کا خرچ چار سو بھار روزانہ ہوتا تھا بعض مورخین کا بیان ہے کہ اس مکان میں دریائے نیل سے پانی بھرنے کے لئے سولہ ہزار پرخیاں ایسے طاقوں میں لگی ہوئی تھیں جنکا رخ دریائے نیل کیجانب تھا اور ان پرڈول اور رسیاں لپٹی رہتی تھیں جن سے ہر وقت بآسانی پانی بھرا جا سکتا ایک شخص جو تیسری صدی ہجری میں بعہد "خمارویہ" فسطاط میں آیا تھا اسنے بیان کیا ہے کہ "میں نے فسطاط میں ایک خدمتگار تلاش کیا لیکن مجھ کو کوئی ایسا خدمتگار نہیں ستیاب ہوا جو بیکار ہوتا اور میرے کام آسکتا میں نے اس امر کا باعث دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہاں ہر ایک

(۱) ابن خرداذبہ ۹۶۔ (۲) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۳۴۰۔ (۳) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۳۳۰۔

خدمتگار بھی دو دو اور تین تین پیشدست ہوتے ہیں میں نے تحقیق کی کہ آخر اس مکان میں کتنے ایسے خدمتگار ہیں جن کے ہمراہ خود دو تین خادم رہا کرتے ہوں۔ اسکا جواب ملا "ستر ایسے خدمتگار ہیں جن کے ساتھ ہر وقت تین آدمیوں سے کم موجود نہیں رہتے اور وہ لوگ ان کے علاوہ ہیں جو اپنے کام سے فارغ ہو کر فرصت پا چکے ہوں (۱)"

اس امر کے علم سے بسہولت دلال کیا جا سکتا ہے کہ فسطاط کے رہنے والوں کی دولتمندی کس درجہ کی رہی ہوگی جن کے خدمتگار آجکل کے آقاؤں پر تفوق رکھتے تھے اسی قبیل سے ان لوگوں کی یہ بھی عادت تھی کہ فرش اور بستر بکثرت جمع کیا کرتے ایک ایک شخص ایک ہزار سے لیکر دس ہزار فرش اور بستر اپنے یہاں مہیا رکھتا تھا فسطاط کے ایک باشندہ کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ اسکے یہاں تین سو بستر تھے اور ہر ایک بستر ایک لونڈی کیواسطے مخصوص تھا اسی طرح کپڑوں کے بارہ میں بھی تصور کرنا چاہیئے جن کی قیمتیں بعض اوقات نہایت زیادہ ہوا کرتی تھیں مگر بوجہ اپنی مالداری کے وہ لوگ اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ قضائی نے بیان کیا ہے کہ "مارویہ کی بیٹی قطر الندیٰ" کے جہیز میں منجملہ اور کثیر سامانوں کے صرف ہزار کمر بند دیئے گئے تھے جن میں سے ایک ایک کمر بند کی قیمت دس دینار تھی۔ گویا مجموعی قیمت ان آزار بندوں کی دس ہزار دینار ہوئی اور اس کے ماسوا کھانے پینے میں وہ جس قدر تکلفات اور مصارف کیا کرتے تھے ان کا بیان ہی فضول ہے اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے مقریزی وغیرہ۔ مورخین نے فسطاط کے حالات لکھتے ہوئے ان باتوں کی تشریح کر دی ہے جسے دیکھنا ہو اون کی تصانیف اٹھا کر دیکھ سکتا ہے۔

بغداد

شہر بغداد عباسیوں کی پہلے تخت اور خلیفہ منصور عباسی کا بنایا ہوا تھا اس کی بنیاد ۱۴۵ھ ہجری میں تمام ہوئی اور اب تک باقی ہے گو اس کی حالت پر کئی بار تغیرات واقع ہوئے اور اس کی عمارت کی جگہیں بدلتی رہیں اس کی بناء کا سبب تھا کہ جب خلیفہ "سفاح" نے بحیثیت خلافت لی اور عراق و فارس میں اسکے مددگاروں کی تعداد زیادہ ہوئی تو وہ اپنے بھائی منصور کے ساتھ پہلے "کوفہ" میں اقامت گزین ہوا اس کے بعد اس نے شہر "انبار" کے متصل ایک نیا شہر "ہاشمیہ" نامی تعمیر کرایا اور وہاں طرح اقامت ڈالی (۲) اس جدید شہر کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ اس نام سے عباسیوں اور علوی سادات کے باہم

(۱) مقریزی ج ۱ ص ۹۰۔ ۳۳۰، (۲) ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۵۱۔

متحد اور مجتمع ہونے کا اشارہ عیاں ہوتا تھا۔ "سفاح" نے اسی شہر میں وفات پائی اور اسکی قبر وہیں ہے منصور اپنے بھائی سفاح کی وفات کے بعد چند سال تک ہاشمیہ میں رہا کیا۔ مگر جب "راوندیہ" فرقہ کے لوگوں نے بغاوت کی تو منصور کو وہاں کی بود و باش سے نفرت ہو گئی اور وہ کسی ایسے مقام کی تلاش کرنے لگا جہاں ایک مستحصن شہر کی بنیاد ڈالے لوگوں نے اسے "بغداد" کی اراضی کا پتا دیکر اس کی بہت کچھ ثنا و صفت بیان کی۔ منصور نے اس جگہ ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور بڑی توجہ کے ساتھ اسکی تعمیر کا کام انجام دیا۔ اس شہر کا نام "بغداد" رکھا اور وہ "مدینۃ المنصور" کے نام سے مشہور ہوا۔ +

خلیفہ منصور نے اس کو دریائے دجلہ کے غربی جانب مستدیر شکل پر بنوایا تھا اور اس کے ہر چار جانب اپنے اہل حاشیہ، موالی اور اتباع کیواسطے قطعات مقرر کئے تھے۔ پھر جو وقت "مہدی" کا زمانہ آیا تو اس نے اپنا فوجی کیمپ دجلہ کے شرقی سمت میں منتقل کر دیا اور اس جگہ کا نام "عسکر المہدی" رکھا بعد ازاں دوسرے معزز لوگ اور امرائے دولت بھی نقل مکان کر کے اسی جدید حصہ میں چلے آئے جنہوں نے اپنی اپنی عمارتیں بنوائیں اور خلافت کا اٹالا بھی اسی طرف اٹھ آیا۔ خلفاء کے قصور اور باغات کا سلسلہ دریا کے کنارہ پر دور تک ممتد ہوتا چلا گیا تھا بغداد کے شرقی جانب کا نام "رصافہ" اور غربی حصہ کا نام "کرخ" ہے۔

بغداد کی بیشتر آبادی خلیفہ "مامون" کے ایام میں بڑھی یہاں تک کہ اس کی عمارتوں اور باغوں کا سلسلہ اتنے وسیع قطعہ اراضی پر ممتد ہوا جس کی بابت مورخین کا بیان ہے کہ اس کی مساحت ترپن ہزار سات سو پچاس جریب تھی۔ شرقی جانب میں (۲۶۷۵۰) جریب اور غربی سمت میں (۲۷۰۰۰) جریب (۱) ایک جریب تین ہزار چھ سو مربع ہاتھوں کی ہوتی ہے مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اتنی مساحت سے صرف اکیلا شہر بغداد مراد نہیں تھا بلکہ بہت سے باہم ملے ہوئے شہر مقصود تھے جن کو ہیئت مجموعی بغداد کے نام سے تعبیر کیا کرتے۔ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں بیان کرتے ہیں کہ وہ چالیس شہروں کا مجموعہ تھا۔ مامون کے عہد میں حماموں کی تعداد ۶۵۰۰ بیان کی گئی ہے (۲) مصنف کتاب "سیر الملوک" نے بغداد کی آبادی کا اندازہ بیان کرنے کی نسبت سے اس کے حالات حسب ذیل لکھے ہیں۔ "اسوقت بغداد میں حماموں کی تعداد ساٹھ ہزار حمام تھی اور کم از کم ہر حمام میں پانچ آدمی ہونے ضروری ہیں۔ ایک حمامی۔ ایک منتظم۔ ایک صفائی کرنے والا۔ ایک آگ سلگانے والا۔ اور ایک پانی بھرنے والا جملگی مجموعی تعداد تین لاکھ

(۱) سیر الملوک ۵۵ - (۲) ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۲۸۷ +

شخص ہوتی ہے اور یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ہر حمام کے بالمقابل پانچ مسجدیں تھیں جن کی کل تعداد تین لاکھ ساٹھ ہوئی پھر اسکا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ ہر مسجد میں بھی کم از کم پانچ آدمی ضرور ہونگے جن کا بجائی شمار ایک کروڑ پانچ لاکھ انسان ہوا (۱)"

مگر یہ تخریج ان حالات سے انطباق نہیں رکھتی جو ہم کو اس زمانہ کی بابت معلوم ہوئے ہیں لہذا ہم اس کے بجنسہٖ تسلیم کر لینے سے معذور ہیں البتہ اس سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ اس حیرت انگیز تمدن کے عہد میں اس شہر کی عظمت اور شان حد قیاس کی رسائی سے بالاتر تھی ہمارے اس قول کی تائید علامہ "طبری" کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو اس نے ۲۵۵ھ ہجری کے فتنۂ بغداد کا حال لکھتے ہوئے اثنائے کلام میں تحریر کی ہے وہ بیان کرتا ہے۔ کہ "اسوقت بغداد کے دونوں پلوں سے جو عام لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر عبور کرگئے تھے اس کی تعداد ایک لاکھ آدمی بیان کی گئی ہے۔ (۲)" اس لئے جب کہ نہر سے پار اترنے والوں کی اسقدر تعداد تھی تو ان لوگوں کے شمار کی بابت کیا کہنا چاہیئے جو دریا کو عبور نہیں کر سکے اس بنا پر اگر اس زمانہ میں بغداد کے مردم شماری کا اندازہ ڈیڑھ یا دو ملین نفوس لگائیں تو یہ امر خلاف قیاس نہ ہوگا۔ پھر اس کے علاوہ وہ آبادی تھی جو خاص بغداد کے اطراف اور تمام ملک سواد میں پائی جاتی تھی۔ ابن حوقل جسنے چوتھی صدی ہجری کے اثنا میں ان مقاموں کو دیکھا تھا اس کی بابت بیان کرتا ہے بغداد اور کوفہ کے مابین ایک گنجان سواد ہے جس میں امتیاز نہیں ہو سکتا اور اس رقبہ میں دریائے فرات سے بکثرت نہریں کاٹ کر لائی گئی ہیں.... الخ" (۳)

مسلمانوں کے تعمیر کردہ چند اور شاندار شہر بھی تھے مثلاً بلاد مغرب میں "قیروان" اور عراق میں "واسطہ" اور انکے سوا مصر، شام اور فارس کے بہت سے شہر جو ان شہروں سے علاوہ تھے جنکی آبادی قبل عہد اسلام سے پائی جاتی تھی اور مسلمانوں نے وہاں قیام کر کے ان میں اور بھی اضافہ کیا۔ جیسے دمشق۔ قرطبہ۔ غرناطہ۔ طلیطلہ۔ اور اسکندریہ۔ اور ہم انشاء اللہ ان شہروں کی عمارت وغیرہ کا آئندہ حصص کتاب میں مزید بیان کرینگے جبکہ ان کی طرز معاشرت پر بحث کرینگے۔ فقط۔

(۱) سیر الملوک ۵۵ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۷۳۰۔ (۳) ابن حوقل ۱۶۶

تمام شد

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
اسرار ادویہ	۸ر	فتاۃ رعناں ناول ہر دو حصہ	۷	الاسلام دین الفطرت	۶ر
تحقیق اناجیل ہر دو حصہ	۴	مقدس ننگ خدمت	۱ر	اسلام اور شوشیل ریفارم	۸ر
غذاالانسانی - -	۳ر	مسلمانوں کی پولٹیکل پالیسی	۲ر	الاسلام والنصرانیہ	۸ر
فلسفہ ابن عربی -	۱ر	تربیت اولاد	۴ر	مراۃ الاسلام	۴ر
فلسفۃ القرآن -	۲ر	معیار الاخلاق	۶ر	حقیقت الاسلام	۴ر
کانشنس - -	۱ر	فلاح دارین	۱۲ر	فضائل النبی صلے اللہ علیہ وسلم	۱۲ر
کتاب الزکاۃ	۲ر	تمدن اسلام ہر دو حصہ	۱۴ر	المنصف	۴ر
مسلمانوں کی ترقی اور ان کے تنزل کے اسباب	۸ر			تہذیب اللسان	۱ر
منہاج القواعد	۱۲ر	علم الغیب	۱ر	تنقیح حقوق نسوان	۸ر
مہدی آخر الزماں	۲ر	بشارت فاطمہ ناول	۴ر	المراۃ المسلمہ	۸ر
محرم کی بدعتیں	۲ر	مکافات عمل حصہ اول	۴ر	رباعیات عمر خیام	۴
مسلمانوں کی تہذیب	۴ر	الایمان - -	۱۲ر	اسرار الحاذقین طب	۴ر
ماحضر - - -	۳ر	قرآن شریف بتراجم مجلد کپڑا	۴ر	فیض عام	۴
مناظرہ رحم و انصاف	۱ر	حمائل شریف بتراجم مجلد فیروزی	۴	مجربات امام سیوطی	۴ر
ہندوستانیاں -	۸ر			دین و دانش	۴ر
یورپ و قرآن -	۳ر			اصول عامہ ٹیکس	۴ر
فطرت و قانون فطرت	۳ر	بینظیر جیبی حمائل شریف منزجم مجلد چرمی	۱۲ر	تاریخ چترال	۴ر
مکتوبات امام ربانی اردو حصہ اول	۱۰ر	داستان مریخ	۱۰ر	تصدیق الاسلام	۱۰ر
ارمانوسہ (ناول)	۴	آویزاق نعل ..	۴ر	دینیات کی پہلی کتاب	۱ر
مسلمان عورتوں کی بہادری	۱ر	زینت البنات	۴ر	خیالات آقام اہل اسلام	۲ر
		فتح اندلس ناول	۴ر	حقوق نسواں	۴ر
				کامنی - ..	۴

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
عصر جدید مکمل جلد سال ۱۹۰۵ء	۳ر	علم الحدیث	۸ر	حمای بالذمی قسم دوم	۳عر
ایضاً ۱۹۰۶ء	۲ر	محکمات آیات قرآنی کی تفسیر	عر	خلاصۃ الاخلاق	۲ر
ایضاً ۱۹۰۷ء	۲ر			داستان پاستان حصہ اول	عر
ادلۃ الکرام - -	۱ر	فتح البنزان - ..	۶ر	۲ر حصہ دوم	عر
انتخاب مخزن حصہ اول	عر	فوائد تحفہ عثمانیہ	۴ر	داستان پاستان کی دوسری جلد	۸ر
آثار اکبری - ..	۱ر	ایسز اینڈ اپوتھمگس	۸ر		۱۲ر
ارشادات القرآن حصہ اول	۸ر	مظفر و رامابائی ..	۱۲ر	شمائل ترمذی	عر
المرتضےٰ - ..	عر	طلسمی بدلہ	عر	رسوم جاہلیت	عر
الصدیق	عر	منتخب بوستان	۴ر	رسوم دہلی کلاں	۱۲ر
سفرنامہ ابن بطوطہ جلد اول	۸ر	قواعد امیریہ	۲ر	سلسلہ حساب کا پہلا حصہ	۵ر
ایضاً بلاد اسلامیہ	عر	گلدستہ صنائع حصہ اول	۸ر	سلسلہ حساب کا چوتھا حصہ	۶ر
عربی بول چال ہر دو حصہ	عر	گنجینہ مولود شریف	۴ر	۸ر ایضاً حصہ	۸ر
کتاب الصرف	۱ر	مراۃ الحقائق	عر	قرآن شریف کلاں مترجم	۱۰ر
کتاب النحو	۲ر	آبعیات	عر	مع تفسیر حسینی و عثمانی	۱۰ر
کیا اشاعت اسلام بزور تلوار ہوئی؟	۸ر	اختلاف اللسان	۱۰ر	ایضاً	عر
مقدس حالی مجلد مطلا	عر	آفتاب رسالت	۲ر	نظرۃ الاسلام	۶
۸ر بلا جلد		اکبر سائز ان ارتھمگ	۱۲ر	قرآن شریف مترجم بلا جلد	۷
		ترتیب القرآن ..	۴ر	مع تفسیر حسینی خالی کاغذ	۱۰
		چہار گلزار حالی -	۳ر	کارواں - -	۶ر
		حقیقت الازدواج	عر	مائدہ محمدیہ -	۲ر
		حمای بالذمی قسم اول	۴عر	ہابیرہ نامول	عر
				مقامات خلافت استنبول	۸عر

ملنے کا پتہ :- منیجر اخبار وکیل امرتسر